دیوانِ غالب

مرتبہ

امتیاز علی خاں عرشی

دیوانِ غالب اردو

نسخۂ عرشی

نقشِ ثانی

نجم الدولہ دبیر الملک میرزا اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ دہلوی
متخلص بہ اسد و غالب (متوفی ۱۲۸۵ھ = ۱۸۶۹ع) کے
تمام اردو کلام کا مجموعہ جسے تاریخی ترتیب کے ساتھ
پیش کیا گیا ھے

ترتیب و تصحیح

امتیاز علی خاں عرشی

جناب اصغر علی آصف فیضی کے نام
جن کی پر خلوص فرمائش
اور پیہم اصرار نے مجھے
اس کام پر آمادہ کیا

ترتیبِ مندرجات

تقریب

جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے، غالب کے کلام کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ غالب کی زندگی، اُن کی شخصیت اور شاعری، اُن کے خطوط اور دیگر تحریروں کے متعلق تلاش و تحقیق اور تحسین و تنقید کا سلسلہ برابر جاری ہے، اور شخصیت کی رنگینی اور تصانیف کی جامعیت کے پیشِ نظر، یقین ہے کہ، یہ جاری ہی رہے گا۔ اردو کے کسی شاعر کے متعلق اتنا نہیں لکھا گیا جتنا غالب کے متعلق۔ مگر خود اُنہیں کے الفاظ میں: حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

غالب کے کلام کے جتنے ایڈیشن شائع ہوے ہیں، اُن میں نسخۂ حمیدیہ (انوارالحق)، ارمغانِ غالب (اکرام)، انتخابِ غالب (عرشی) اور دیوانِ غالب (مالک رام) کی خاص اہمیت ہے۔ غالب کے تنقیدی شعور کے مطالعے کے لیے ان نسخوں کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ ڈاکٹر عبداللطیف کو سب سے پہلے غالب کے سارے اُردو کلام کو تاریخی ترتیب کے ساتھ جمع کرنے کا خیال آیا تھا، مگر ان کے تیار کیے ہوے مواد کا صرف نصف حصہ چھپ سکا۔ اکرام نے پہلے غالب نامہ اور بعد میں ارمغانِ غالب میں یہ کوشش کی، مگر ادھوری۔ مالک رام نے نسخۂ حمیدیہ کے منتخب اشعار اور کچھ متفرق شعر مروجہ دیوان میں شامل کرکے عام پڑھنے والوں کے لیے ایک اچھا ایڈیشن تیار کردیا۔ مگر زیرِ نظر ایڈیشن، جو اُردو کے مشہور محقق اور غالبیات کے ماہر جناب امتیاز علی عرشی کی برسوں کی محنت کا نتیجہ ہے، نہ صرف ایک بڑی ضرورت کو پورا کرتا ہے، بلکہ کلام کی تاریخی ترتیب اور صحت، نسخوں کے اختلاف کی نشاندهی، شرح اور ضروری حواشی کے لحاظ سے، اب تک کی ساری کاوشوں پر بھاری، اور اُردو میں ادبی تحقیق اور عالمانہ نظر کا ایک قابلِ فخر اور ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے۔

انجمن ترقیِ اُردو (ہند) ابتدا سے اساتذہ کے دواوین، نادر تذکروں اور ادبِ عالیہ کی اشاعت میں کوشاں رہی ہے۔ دورِ جدید میں اُس نے غالب کے متعلق «احوالِ غالب» اور «نقدِ غالب» کے نام سے دو کتابیں شائع کی ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ جناب امتیاز علی عرشی کی عرق ریزی کا یہ شاہ کار بھی انجمن ترقیِ اُردو (ہند) کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔

یہ تو صحیح ہے کہ غالب کی عظمت کا قصرِ فلک بوس متداول دیوان پر قائم ہے. لیکن نسخۂ حمیدیہ کے اشعار کو بھی کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اول تو اُن ابتدائی نقوش میں بھی جابجا ایسے شوخ رنگ مل جاتے ہیں جن سے غالب کی تخلیقی صلاحیت. اُن کی نقش گری، اُن کی تخیل کی بلندی اور اُن کے ذہن کی پرواز کا علم ہوتا ہے۔ دوسرے. ادبیات کے ہر سنجیدہ طالبِ علم کے لیے ان اشعار کا مطالعہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ انھیں سیڑھیوں سے گزر کر غالب فکر و فن کی اُس بلندی تک پہنچے جو اُن کا خاصّہ ہے۔ غالب بڑے باشعور شاعر ہیں، مگر وہ بھی اپنے بہ ترین اشعار کا انتخاب نہیں کر سکے ہیں۔ جس طرح نسخۂ حمیدیہ کے سو ڈیڑھ سو اشعار شامل ہونے سے رہ گئے، اسی طرح انتخابِ غالب (رام پور) میں بھی متعدد ایسے اشعار درج نہیں ہوسکے جنھوں نے غالب کو غالب بنایا۔ اسی وجہ سے غالب کا صحیح مطالعہ اُن کے سارے کلام کے پیشِ نظر ہی ہو سکتا ہے۔ عرشی صاحب اس لحاظ سے بھی ادائے خاص سے نکتہ سرا ہوئے ہیں اور اُنھوں نے یارانِ نکتہ داں کو صلائے عام دی ہے۔

بڑا شاعر وہ ہے جو زندگی کے متعلق بھرپور اور گہری بصیرت عطا کرے۔ غالب کا کلام واقعی ایک جامِ جہاں نما ہے۔ اُن کی تخیل میں بلندی ہے، اُن کے احساس میں تندی و تیزی ہے۔ وہ صورتگری کے بادشاہ ہیں۔ وہ افکار و اقدار کے شاعر ہیں۔ وہ انسانیت کے ہر رنگ میں پرستار ہیں۔ اُنھوں نے بت شکنی بھی کی ہے، اور نئے افکار کے صنم خانے بھی بنائے ہیں۔ وہ دلوں کی گہرائیوں میں بھی جھانک سکتے ہیں، اور ذہن کے ہر پیچ و خم سے بھی واقف ہیں۔ وہ اپنے دور کے نمایندے بھی ہیں اور اُس سے بلند بھی۔ ان کی غزل حدیثِ دل ہی نہیں، صحیفۂ زندگی بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غالب کے کلام میں ایک ایسا آئینہ خانہ ملتا ہے، جس کے جلووں سے ذہنوں میں فکر و نظر کے چراغ جل اُٹھتے ہیں، اور دلوں میں انسانیت کی عظمت کا نقش اور گہرا ہو جاتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ خاص و عام اس شاندار کارنامے کا مناسب اور موزوں خیر مقدم کریں گے، اور اس سے غالب کی زبان کی محبت اور اُس کی خدمت کا نیا ولولہ حاصل کریں گے۔

علی گڑھ آلِ احمد سرور

(۱۹۵۸ع) جنرل سیکریٹری انجمنِ ترقیِ اردو (ہند)

مقدّمه

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قاضی محمد صادق خاں اختر نے تذکرۂ «آفتابِ عالمتاب» کی ترتیب کے دوران میں، مولوی سراج الدین احمد کی وساطت سے، میرزا صاحب سے حالاتِ زندگی اور منتخب اشعار طلب کیے تھے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:[1]

«از ناکسانِ روزگار، و بیکسانِ دهلی دیار، مسلمانان زاده ایست کافر ماجرا، و گبریست مسلمان نما، که از غلط نمائی «غالب» تخلص می کند و بدین رنگ ژاژ می خاید۔ فرد:

خرسندیِ غالب نبود زین همه گفتن
یك بار بفرمای که «ای هیچ کسِ ما»

پنهان نماناد که در اصلِ آفرینش از دودۂ روز فرورفتگان و حلقۂ بخت برگشتگانِ ستمرسیده و روی بهی نادیده کسم۔ آرایشِ سخن پیش کش، ترك نژادم و نسبِ من به افراسیاب و پشنگ می پیوندد۔ بزرگانِ من، از آنجا که با سلجوقیان پیوندِ همگوهری داشتند. بعهدِ دولتِ اینان رایتِ سروری و سپهدی افراشتند۔ بعدِ سپری شدنِ روزگارِ جاهمندیِ آن گروه، چون ناروائی و بینوائی روی آورد، جمعی را ذوقِ رهزنی و غارتگری از جای برد، و طایفۂ را کشاورزی پیشه گشت۔

نیاگانِ مرا به توران زمین شهرِ سمرقند آرامشگاه شد۔ ازان میانه نیای من از پدرِ خود رنجیده، آهنگِ هند کرد و به لاهور همرهیِ معین الملك گزید۔ چون بساطِ دولتِ معین الملك در نوشتند، بدهلی آمد و با ذوالفقار الدوله میرزا نجف خان بهادر پیوست۔

۱- کلیات نثر، پنج آهنگ : ۷۲۔

زان پس، پدرم، عبد الله بیگ خان، به شاهجهان آباد بوجود آمد، و من با کبر آباد - چون پنج سال از عمرِ من گزشت، پدر از سرم سایه بر گرفت - عمِّ من، نصر الله بیگ خان، چون خواست که مرا بناز پرورد، ناگاه مرگش فراز آمد - کمابیش پنج سال پس از گزشتنِ برادر، پیٔ مهین برادر برداشت، و مرا درین خرابه جا تنها گزاشت - و این حادثه که مرا نشانهٔ جان گدازی و گردون را کمینه بازی بود، در سالِ هزار و هشت صد و شش عیسوی بهنگامِ هنگامهٔ لشکر آرائی و کشور کشائیِ صمصام الدوله جرنیل لاڑد لیك صاحب بهادر بروی کار آمد -

چون عمِّ مرحوم از دولتیانِ دولتِ اهلِ فرنگ، وبا انبوهی چار صد سوار برکابِ صمصام الدوله با سرکشان سرگرمِ جنگ بود، و هم از بخششهای سرکارِ انگریزی دو پرگنهٔ سیر حاصل از مضافاتِ اکبر آباد بجاگیر داشت، سپه سالارِ انگلسیه، بخون بهای آفتاب، کلبهٔ تارِ گدایان را چراغ، و ما بینوایان را بعوضِ جاگیر بمشاهره، از خارِ خارِ جستجوی وجهِ معاش فراغ بخشید - تا امروز که شمارهٔ نفس شماریِ زندگانی بچل و چار میرسد، بدان راتبه خرسندم و بدان مایه قانع -

در سخن از پرورش یافتگانِ مبدأ فیّاضم، و سوادِ معنی را بفروغِ گوهرِ خویش روشن کرده ام - از هیچ آفریده حقِ آموزگاریم بگردن، و بارِ منتِ رهنمائیم بر دوش نیست - رباعی:

غالب، بگهر ز دودهٔ زادشمم — زان رو، بصفای دمِ تیغست دمم
چون رفت سپهدی، زدم چنگ بشعر — شد، تیرِ شکستهٔ نیاگان، قلمم

نامه بپایان رسید، و شرمِ پراگنده گوئی و دراز نفسی بر من اشتلم کرد - دیده وران دانند که گفتنی فراوان بود و افسانه پریشان - تا کجا اندك گفتمی و گفتار را از درازی نگاه داشتمی - مرا در آنچه رفت، گناهی نیست؛ و اگر خود گناهست،

دوست کریم است و کرم عذرخواه»

یه سرگزشت سنه ۱۸۴۱ع تك کے اهم سوانحِ زندگی کا خلاصه تهی - اس کے ۲۰ سال بعد، سنه ۱۸۶۱ع میں نواب علاؤالدین احمد خاں بهادر علائی کو ایك اردو خط میں، جو حسنِ بیان کا بهترین نمونه هے، تحریر فرماتے هیں:[1]

«سنو عالم دو هیں: ایك عالمِ ارواح اور ایك عالمِ آب و گِل - حاکم ان دونوں عالموں کا

۱ - عود: ۶۹، اردوے معلی: ۳۹۹، خطوط: ۱، ۳۲۷ -

وہ ایک ہے جو خود فرماتا ہے: «لِمَنِ المُلکُ الیَومَ»؟ اور پھر آپ جواب دیتا ہے: «لِلّٰہِ الوَاحِدِ القَھَّارِ»۔

ہر چند قاعدۂ عام یہ ہے کہ عالمِ آب و گِل کے مجرم، عالمِ ارواح میں سزا پاتے ہیں، لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالمِ ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ میں آٹھویں رجب سنہ ۱۲۱۲ھ (۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ع) میں روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا۔ ۱۳ برس حوالات میں رہا۔ ۷ رجب سنہ ۱۲۲۵ھ (۹ اگست ۱۸۱۰ع) کو میرے واسطے حکمِ دوامِ حبس صادر ہوا۔ ایک بیڑی میرے پانو میں ڈال دی، اور دلی شہر کو زنداں مقرر کیا، اور مجھے اُس زنداں میں ڈال دیا۔ فکرِ نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا۔ برسوں کے بعد، میں جیل خانے سے بھاگا۔ تین برس بلادِ شرقیہ میں پھرتا رہا۔ پایانِ کار مجھے کلکتے سے پکڑ لائے اور پھر اُسی محبس میں بٹھا دیا۔ جب دیکھا کہ یہ قیدی گریزپا ہے، دو ہتکڑیاں اور بڑھادیں۔ پانو بیڑی سے فگار، ہات ہتکڑیوں سے زخمدار۔ مشقتِ مقرری اور مشکل ہوگئی۔ طاقت یک قلم زایل ہوگئی۔

بے حیا ہوں۔ سالِ گزشتہ بیڑی کو زاویۂ زندان میں چھوڑ، مع دونوں ہتکڑیوں کے بھاگا۔ میرٹھ، مراد آباد ہوتا ہوا رامپور پہنچا۔ کچھ دن کم دو مہینے وہاں رہا تھا کہ پھر پکڑا آیا۔ اب عہد کیا کہ پھر نہ بھاگوں گا۔ بھاگوں کیا؟ بھاگنے کی طاقت بھی تو نہ رہی،۔

اس کے بعد سرگزشتِ غالب پر «دراز نفسی» بیکار ہے۔ صرف اتنا عرض کردوں کہ لالہ زارِ شاعری کا یہ بلبلِ خوشنوا دوشنبہ ۲ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ (۱۵ فروری ۱۸۶۹ع) کو ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا[1]۔ حق مغفرت کرے، عجب آزاد مرد تھا!

تعلیم و تربیت

میرزا صاحب کی تعلیم زیادہ اونچی نہ تھی۔ وہ خود اس سلسلے میں اپنے کلیاتِ فارسی کے دیباچے میں تحریر فرماتے ہیں[2]:

«شخصِ استعدادِ مرا پیرایۂ نازشِ فضلی و تشریفِ وجودِ مرا سرمایۂ برازشِ کمالی نیست۔

۱۔ مکاتیب غالب: ۱۸۹ (حواشی)۔ ۲۔ کلیات غالب: ۱۰۔

نہ ترانۂ صرف و اشتقاقم بر لب است، و نہ زمزمۂ سلب و ایجابم بزبان - نہ خونِ صُراحم بگردنست، و نہ نعشِ قاموسم بردوش» -

عربی

عربی کے متعلق ۱۸۶۲ع میں تفتہ کو لکھتے ہیں[1]:

«میں عربی کا عالم نہیں، مگر نرا جاہل بھی نہیں - بس اتنی بات ہے کہ اس زبان کے لغات کا محقق نہیں ہوں - علما سے پوچھنے کا محتاج اور سند کا طلبگار رہتا ہوں» -

تقریباً اسی زمانے میں عربی تعلیم کی تحدید بھی کر دی ہے - فرماتے ہیں[2]:

«میں نے ایّامِ دبستاں نشینی میں، شرحِ مأۃ عامل تك پڑھا - بعد اس کے لہو و لعب اور آگے بڑھ کر فسق و فجور و عیش و عشرت میں منہمك ہو گیا» -

فارسی

فارسی کے بارے میں لکھتے ہیں[3]:

«فارسی میں مبدأ فیاض سے مجھے وہ دستگاہ ملی ہے کہ اس زبان کے قواعد و ضوابط میرے ضمیر میں اس طرح جاگزیں ہیں جیسے فولاد میں جوہر» -

استاد

اس میں شك نہیں کہ میرزا صاحب کو یہ دستگاہ خلیفہ محمد معظم کی تعلیم اور ذاتی مطالعے سے ملی تھی - مگر اُن کے یہاں ایك ایرانی استاد کا بھی ذکر آیا ہے - فرماتے ہیں[4]:

«شت هرمزد نام پارسی نژاد فرزانۂ بود از تخمۂ ساسانیان - پس از گرد آوردنِ فراوان دانش، کیشِ اسلام گُزیدہ و خود را عبدالصمد نامیدہ. در سالِ یکهزار و دویست و بست و شش هجری بطریقِ سیاحت بهند آمدہ و به اکبر آباد، که پیکر پزیرفتن و خرد آموختنِ من همدران شهرِ خجسته بهر بودہ است، دو سال بکلبۂ احزانِ من آسودہ است، و من آیینِ معنی آفرینی و کیشِ یگانه بینی از وَی فراگرفته ام - برنهادِ وی آفرین باد، و برروانِ وی آباد!»

---

۱ - خطوط : ۱۰۱ ۸۳ - ۲ - غالب (مر) : ۲۸، بحوالۂ رسالۂ ہندوستانی جنوری ۱۹۳۴ع - ۳ - خطوط : ۸۱۰۱ ۴ - قاطع برہان : ۷ -

اس گرامی استاد کی تعلیم سے استفادے کے متعلق فرماتے ھیں[1]:

«اگر فرزانہ فرزبود آیین عبدالصمد راہ ننمودی، نامہ نگار نیز یکی از نگرندگان بودی - نہ خود راہِ راست پیمودی، و نہ دیگران را آگہی افزودی» -

اُس کی استعدادِ علمی کے بارے میں لکھتے ھیں[2]:

«فارسی زبان سے لگاؤ اور شعر و سخن کا ذوق فطری و طبعی تھا - ناگاہ ایک شخص کہ ساسانِ پنجم کی نسل میں سے، معہذا منطق و فلسفہ میں مولوی فضلِ حق مرحوم کا نظیر اور مومنِ موحّد و صوفیِ صافی تھا، میرے شہر میں وارد ھوا، اور لطایفِ فارسیِ بُحت اور غوامضِ فارسیِ آمیختہ بعربی اُس سے میرے حالی ھوے - سونا کسوٹی پر چڑھ گیا - ذھن معوّج نہ تھا - زبانِ دری سے پیوندِ ازلی اور اُستاد بے مبالغہ جاماسپِ عہد و بزرجمہرِ عصر تھا - حقیقت اس زبان کی دلنشین و خاطر نشان ھوگئی» -

مفتی محمد عباس لکھنوی کو «قاطعِ برھان» کا ایک نسخہ تحفے میں بھیجنے کے بعد تحریر کیا ھے[3]:

«علم و ھنر سے عاری ھوں، لیکن پچپن برس سے محوِ سخن گزاری ھوں - مبدأ فیاض کا مجھ پر احسانِ عظیم ھے - ماخذ میرا صحیح اور طبع میری سلیم ھے - فارسی کے ساتھ ایک مناسبتِ ازلی و سرمدی لایا ھوں - مطابق اھلِ پارس کے منطق کا بھی مزہ ابدی لایا ھوں - مناسبتِ خدا داد، تربیتِ اُستاد، حسن و قبحِ ترکیب پہچاننے، فارسی کے غوامض جاننے لگا» -

نامۂ غالب میں ارشاد فرماتے ھیں[4]:

«زبان دانیِ فارسی میری ازلی دستگاہ اور یہ عطیہ خاص من جانب اللہ ھے - فارسی زبان کا ملکہ مجکو خدا نے دیا ھے - مشق کا کمال میں نے اُستاد سے حاصل کیا ھے» -

نواب کلبِ علی خاں والیِ رام پور کی خدمت میں عرض کیا ھے[5]:

«بدوِ فطرت سے میری طبیعت کو زبانِ فارسی سے ایک لگاؤ تھا - چاھتا تھا کہ فرھنگوں سے بڑھ کر کوئی ماخذ مجکو ملے - بارے مراد بر آئی، اور اکابرِ پارس میں سے ایک بزرگ یہاں وارد ھوا، اور اکبر آباد میں فقیر کے مکان پر دو برس رھا، اور میں نے اُس

١ - قاطع برھان: ٨٨ - ٢ - غالب (مہر): ٢٨ ٣ - اردوے معلی: ٢١٧ - ٤ - نامۂ غالب: ٤ - ٥ - مکاتیب غالب: ٦٠ -

سے حقایق و دقایق زبانِ پارسی کے معلوم کیے۔ اب مجھے اس امرِ خاص میں نفسِ مطمئنہ حاصل ہے»۔

«تیغِ تیز» میں بھی عبدالصمد کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں[1]:

«بعد ایک مدت کے جب میں دلی آرہا اور مولوی فضلِ حق مغفور سے بعدِ ملاقات ربط بڑھا، ایک روز بحسبِ اتفاق «ہرمزد» کا ذکر درمیان آگیا، اور اُس کے ذکر کے آنے کی تقریب معنیِ صمد اور اروند کے اتحاد کی شرح»۔

ان بیانوں سے بظاہر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ میرزا صاحب کو زبانِ فارسی سے طبعی مناسبت اور فطری لگاؤ تھا۔ حسنِ اتفاق سے ۱۲۲۶ھ (۱۸۱۱ع) میں جب کہ میرزا صاحب کی عمر چودہ سال کی تھی، ایک ایرانی نومسلم آگرے میں وارد ہوا اور دو برس تک میرزا صاحب کے مکان پر ٹھہرا۔ اس مدت میں میرزا صاحب نے خالص اور آمیختہ بعربی فارسی کے حقایق و دقایق کی اُس سے تحصیل کی، کمالِ مشق سے اس امرِ خاص میں نفسِ مطمئنہ حاصل کیا اور طبعی ذوق کے سونے کو اُستاد کی تعلیم کی کسوٹی پر چڑھا کر کندن بنا لیا۔

لیکن فی الحقیقت یہ شخصیت افسانہ تھی، جسے از راہِ مصلحت میرزا صاحب نے پیش کر دیا تھا۔ چنانچہ اس راز کی خود ہی طلسم کشائی کرتے ہوے فرماتے ہیں[2]:

«مجھ کو مبدأ فیاض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے۔ عبد الصمد محض ایک فرضی نام ہے۔ چونکہ مجھ کو لوگ «بے اُستادا» کہتے تھے، اُن کا منھ بند کرنے کو میں نے ایک فرضی اُستاد گھڑ لیا ہے»۔

مطالعہ

بہر حال میرزا صاحب فارسی کے بہت بڑے عالم تھے۔ خود اُنھوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ «میں فارسی کا محقق ہوں[3]» اور تفتہ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ «مرتا ہوں، مجھے سمجھاتے ہو کہ 'صد جا در کلامِ اہلِ زبان خواہند یافت'۔ مگر میں بانیِ کلامِ اہلِ زبان نہیں[4]؟» نیز اُنھیں کو لکھا ہے کہ «فارسی کی میزان، یعنی ترازو، میرے ہات میں ہے[5]»۔ تاہم

۱ - تیغ تیز : ۱۴ - ۲ یادگار غالب : ۱۴، طبع اول - ۳ - اردوے معلی : ۱۰۲، خطوط : ۵۲/۱ - ٤ - ایضاً : ۸۳/۱ - ٥ - ایضاً : ۸۵/۱ -

اس ادّعا میں حقیقت کی بھی جلوہ گری ہے اور اس کا باعث اُن کا اساتذۂ پارس کے کلام کا وسیع اور گہرا مطالعہ ہے، جو فارسی سے انتہائی دلچسپی کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں کہ «نظم و نثرِ فارسی کا عاشق و مایل ہوں۔ ہندوستان میں رہتا ہوں، مگر تیغِ اصفہانی کا گھایل ہوں[1]»۔

نیز کلیاتِ فارسی کے خاتمے میں فرماتے ہیں[2]:

«شیخِ علی حزین، بخندۂ زیر لبی، بے راہہ رویہای مرا در نظرم جلوہ گر ساخت، و زہرِ نگاہِ طالبِ آملی، و برقِ چشمِ عرفیِ شیرازی. مادّۂ آن ہرزہ جنبشہای ناروا در پای رہ پیمای من سوخت۔ ظہوری، بسرگرمیِ گیرائیِ نفس، حرزی بیازوی و توشۂ برکمرم بست، و نظیریِ لاأبالی خرام بہنجارِ خاصۂ خودم بچالش آورد۔ اکنون بیمنِ فرّۂ پرورش آموختگیِ این گروہِ فرشتہ شکوہ، کلکِ رقاصِ من بخرامش تدرو است و برامش موسیقار، بجلوہ طاؤس است و بپرواز عنقا»۔

تتبع اساتذہ

لیکن اس دعوے کے باوجود میرزا صاحب اساتذۂ زبان کے پیرو تھے۔ گو اُردو کے بارے میں اُنھوں نے اپنے متعلق کہا ہے کہ «اس امر کے مالک اور اہلِ زبان ہم ہیں[3]»، لیکن نواب علی بہادر، والیِ باندہ، کو یہی مشورہ دیا ہے کہ «از ریختہ گویان گفتارِ میر و میرزا — در نظر داشتہ باشند[4]»۔

فارسی میں خود بھی اہلِ زبان سے استناد کرتے ہیں اور شاگردوں کو بھی اس کی ہدایت فرماتے ہیں کہ «لغتِ فارسی اور روز مرۂ فارسی ہو، تو اہلِ زبان کے کلام سے سند کریں[2]»۔ اور اس امر میں اپنے معاصرین سے استفادے کو بھی موجبِ عار نہیں جانتے۔ چنانچہ میرزا علی اکبر شیرازی کے متعلق نور الحسن خاں کو لکھتے ہیں[5]:

«غزلی از فکرہای تازہ ہم درین ورق مینگارم، و از شما بدین تفقد امیدوارم کہ ویژہ از بہرِ این کار بدان والا گہر پیوندید، و غزل را پیشِ باریافتگانِ بزمِ والایش برخوانید، و عرضہ دارید کہ ہندوستانیے بدین ہنجار در پارسی زبان سخن میسراید۔ اگر آنچہ میگوید در خورِ آفرین

۱ ـ عود: ۱۲۶ اردوئے معلی: ۲۰۵ ـ ۲ ـ کلیات: ۵۵٤ ـ ۳ ـ خطوط: ۱۸۳۱ ـ ٤ ـ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۲۳۲ ـ ۵ ـ ایضاً: ۱۱٦ ـ

است دستوری، تا دیگر از کلک و ورق کام ستان و بخیالِ نغز گفتاری شادمان باشد۔ ورنه دور باشے. تا بعد ازین گردِ این آرزو نگردد و هرزه خونِ جگر نخورد»۔

هاں امیر خسرو کے سوا اور کسی هندوستانی کو استاد کے قابل نہیں جانتے۔ سرور کو لکھا هے[1]:

«حضرت کو یه معلوم رهے که میں اهلِ زبان کا پیرو، اور هندیوں میں سوائے امیرِ خسروِ دهلوی کے سب کا منکر هوں۔ جب تك قدما یا متاخرین میں مثل صائب و کلیم و اسیر و حزیں کے کلام میں کوئی لفظ یا ترکیب نہیں دیکھ لیتا، اُس کو نظم اور نثر میں نہیں لکھتا۔

جن لوگوں کے محقق هونے پر اتفاق هے جمهور کو، اُن کا حال کیا گزارش کروں؟ ایك اس میں صاحبِ «برهانِ قاطع» هے۔ اب ان دنوں میں «برهانِ قاطع» کو دیکھ رها هوں، اور اُس کے فهم کی غلطیاں نکال رها هوں۔ اگر زیست باقی هے، تو ان نکات کو جمع کر کے اس نسخے کا نام «قاطعِ برهان» رکھوں گا»۔

میرزا تفته کو تحریر کرتے هیں[2]:

«اهلِ هند میں سوائے خسروِ دهلوی کے کوئی مسلم الثبوت نہیں۔ میاں فیضی کی بھی کہیں کہیں ٹھیك نکل جاتی هے۔ فرهنگ لکھنے والوں کا مدار قیاس پر هے۔ جو اپنے نزدیك صحیح سمجھا، وہ لکھ دیا۔ نظامی و سعدی وغیرہ کی لکھی هوئی فرهنگ هو، تو هم اُس کو مانیں۔ هندیوں کو کیوں کر مسلم الثبوت جانیں؟»

بیخبر کو لکھا هے[3]:

«فقیر نے اساتذہ کے کلام میں کہیں یه ترکیب نہیں دیکھی۔ پس میں اس کی صحت اور غلطی میں کلام نہیں کر سکتا۔ جانبِ غلطی میرے نزدیك راجح هے۔ آپ جب تك کلامِ اهلِ زبان میں نه دیکھ لیں، اس کو جائز نه جانیے گا۔ مگر کلام سعدی و نظامی و حزیں اور اُن کے امثال و نظایر کا معتمد علیه هے، نه آرزو اور واقف اور قتیل و غیرهم کا»۔

ایك اور خط میں پھر سرور کو لکھا هے[4]:

«هندوستان کے سخنوروں میں حضرت امیرِ خسروِ دهلوی، علیه الرحمه، کے سوا کوئی اُستاد

---

۱ - عود: ۱۷ - ۲ - اردوے معلی، لاهور ایڈیشن: ۳۶۲، خطوط: ۱/۱۰۰ - ۳ - عود: ۱۳۳ - ۴ - عود: ۴۳ -

مسلم الثبوت نہیں ہوا۔ خسرو کیخسروِ قلمروِ سخن طرازی ہے، یا ہمچشمِ نظامیِ گنجوی و ہمطرحِ سعدیِ شیرازی ہے۔

خیر، فیضی بھی نغز گوئی میں مشہور ہے۔ کلام اُس کا پسندیدۂ جمہور ہے۔ دیکھو، عبدالقادرِ بدایونی کیا لکھتا ہے: «زہی سپاہیِ فالیز!» آرزو، فقیر اور شیدا اور بہار و غیرہم، انہیں میں ناصر علی اور بیدل اور غنیمت، ان کی فارسی کیا! ہر ایک کا کلام بنظرِ انصاف دیکھیے۔ ہات کنگن کو آرسی کیا!

منت، اور مکین، اور واقف اور قتیل، یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیجیے۔ ان حضرات میں عالمِ علومِ عربیہ کے شخص ہیں؟ خیر، ہوں. فاضل کہلائیں۔ کلام میں ان کے مزا کہاں؟ ایرانیوں کی سی ادا کہاں؟

فارسی کی قاعدہ دانی میں اگر کلام ہے، اس میں پیرویِ قیاس ایک بلائے عام ہے۔ وارستہ سیالکوٹی نے خانِ آرزو کی تحقیق پر سو جگہ اعتراض کیا ہے، اور ہر اعتراض بجا ہے۔ با این ہمہ، وہ بھی جہاں اپنے قیاس پر جاتا ہے، منہ کی کھاتا ہے۔ مولوی احسان اللہ ممتاز کو صنایعِ لفظی میں دستگاہ اچھی تھی۔ اس شیوہ و روش کو خوب برت گئے۔ فارسی وہ کیا جانیں۔ قاضی محمد صادق اختر عالم ہوں گے۔ شاعری سے اُن کو کیا علاقہ!»

راہ سخن کے غول

ھندی شاعروں اور ادیبوں کا نام میرزا صاحب نے راہِ سخن کے غول رکھا تھا۔ خلیفہ شاہ محمد، مادھو رام، غنیمت اور قتیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نواب انورالدولہ بہادر شفق کو لکھا ہے[1]۔

«یہ لوگ راہِ سخن کے غول ہیں، آدمی کو گمراہ کرنے والے۔ یہ فارسی کیا جانیں! ہاں، طبعِ موزوں رکھتے تھے، شعر کہتے تھے:

ہرزہ مشتاب و پیٔ جادہ شناسان بردار
ای کہ در راہِ سخن چون تو ہزار آمد و رفت»

1 - اردوے معلی: ۲۹۹۔

اصل الاصول

اُن کی رائے میں فارسی کی تکمیل کے واسطے اصل الاصول، مناسبتِ طبیعت اور تتبعِ کلامِ اہلِ زبان ہے۔ «اساتذہ کے کلام کے مشاہدے میں اگر توغل رہے، تو ہزارہا بات نئی معلوم ہوتی ہے[1]» اور انسان کی نظر میں واقعی ادبی وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

سرور کو ایک خط میں لکھتے ہیں[2]:

«فارسی کی تکمیل کے واسطے اصل الاصول مناسبت طبیعت کی ہے، پھر تتبعِ کلامِ اہلِ زبان۔ لیکن نہ اشعارِ قتیل و واقف و شعرائے ہندوستان، کہ یہ اشعار سوائے اس کے کہ ان کو موزونیِ طبع کا نتیجہ کہیے، اور کسی تعریف کے شایاں نہیں ہیں۔ نہ ترکیب فارسی، نہ معنی نازک۔ ہاں، الفاظِ فرسودۂ عامیانہ، جو اطفالِ دبستاں جانتے ہیں، اور جو متصدی نثر میں درج کرتے ہیں، وہ الفاظِ فارسی یہ لوگ نظم میں خرچ کرتے ہیں۔

جب رودکی و عنصری و خاقانی و رشیدِ وطواط اور ان کے امثال و نظایر کا کلام باستیفا دیکھا جائے، اور ان کی ترکیبوں سے آشنائی بہم پہنچے، اور ذہن اعوجاج کی طرف نہ لے جائے، تب آدمی جانتا ہے کہ ہاں فارسی یہ ہے»۔

نواب علی بہادر کو اصلاحِ اشعار کے سلسلے میں از راہِ نصیحت لکھا ہے[3]:

«اگر پژوہشِ این راز، و محرمیِ پردۂ این ساز آرزو دارند، از ریختہ گویان گفتارِ میر و میرزا، و از زمزمۂ پارسی گویان، کلامِ صائب و عرفی و نظیری و حزین در نظر داشتہ باشند۔ نہ در نظر داشتنی کہ سوادِ ورق از دیدہ بدل فرود نیاید، بلکہ ہمہ کوشش دران رود کہ جوہرِ لفظ را بشناسند، و فروغِ معنی را بنگرند، و سرہ را از ناسرہ جدا کنند»۔

بیدلانہ فارسی

چونکہ میرزا صاحب اساتذہ کی پیروی پر زور دیتے تھے، اس لیے یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ اس اتباع میں تقلیدِ محض کا رنگ جھلکتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ غلطی میں کسی کی پیروی کے قائل نہ تھے، چنانچہ ایک خط میں لکھتے ہیں[4]:

۱۔ عود: ۱۳۱۔ ۲۔ ایضاً: ۸۔ ۳۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۱۱۱۔ ۴۔ اردوے معلی، لاہور ایڈیشن: ۳۷۶۔

«غلطی میں جمہور کی پیروی کیا فرض ہے؟»

دوسرے خط میں فرماتے ہیں[1]:

«حزیں تو آدمی تھا۔ یہ مصرع اگر جبریل کا ہوتا، تو اُس کو سند نہ جانو. اور اس کی پیروی نہ کرو»۔

اب آپ غور کیجیے کہ جوشخص جمہور اور مستند اساتذۂ ایران کی تقلید بھی عامیانہ اور کورانہ طریق پر نہ کرتا ہو. وہ «بیدلانہ فارسی»[2] کو کس طرح قبول کر سکتا تھا. اور کوئی تعجب کا مقام نہیں، اگر اُس نے کہا ہے[3]:

«کیستم من کہ تا ابد بزیم، لاحول ولا قوۃ۔ یہ مصرع میرا نہیں۔ تا ابد بزیم، یہ فارسی لالہ قتیل کی ہے»۔

تتبع لہجہ

اسی طرح وہ اس کو بھی نا پسند کرتے تھے کہ اہلِ ایران کے لہجے کا اتباع کیا جائے کہ یہ ایک خِلقی وصف، اور اس لیے نا قابلِ تتبع ہے۔ چنانچہ قدر بلگرامی کو لکھا ہے[4]:

«تحریر میں اساتذہ کا تتبع کرو، نہ مغل کے لہجے کا۔ لہجے کا تتبع بھانڈوں کا کام ہے، نہ دبیروں اور شاعروں کا۔ ایسی تقلید کو میرا سلام»۔

تصوف و نجوم

شعر و سخن کے متعلقات کے ساتھ میرزا صاحب نے علمِ نجوم اور تصوف کا بھی مطالعہ کیا تھا، جو دراصل اُس عہد کے شاعر کے لیے بہت ضروری تھا۔ چنانچہ خود بھی لکھتے ہیں کہ[5]:

«آرایشِ مضامینِ شعر کے واسطے کچھ تصوف، کچھ نجوم لگا رکھا ہے۔ ورنہ سوائے موزونیِ طبع کے یہاں کیا رکھا ہے»۔

شعر گوئی

میرزا صاحب نے ابتدائے سنِ تمیز ہی سے شعر گوئی شروع کردی تھی۔ مگر اس وقت

۱۔ اردوے معلی، لاہور ایڈیشن: ۳۵۸۔ ۲۔ خطوط: ۸۳/۱۔ ۳۔ ایضاً: ۱۱۷/۱۔ ۴۔ ایضاً: ۱۷۹/۱۔ ۵۔ عود: ۵۷، اردوے معلی ۳۰۹۔

کیا عمر تھی اس بارے میں خود اُن کے بیان میں اختلاف ہے۔ کلیاتِ فارسی کے خاتمے میں فرماتے ہیں[1]:

«از روزی که شمارۂ سنینِ عمر از آحاد فراترك رفت، و رشتۂ حساب زحمتِ یازدهمین گره بخود بر گرفت، اندیشه در روارو گامِ فراخ برداشت، و کریوه و مغاكِ بادیۂ سخن پیمودن آغاز نهاد»۔

سلطان محمد بہادر کو لکھتے ہیں[2]:

«در ده سالگی آثارِ موزونیِ طبع پیدائی گرفت»۔

قدر بلگرامی کو سنہ ۵۷ع میں تحریر کیا ہے[3]:

«بارہ برس کی عمر سے کاغذ، نظم و نثر میں، مانند اپنے نامۂ اعمال کے سیاہ کر رہا ہوں۔ باسٹھ برس کی عمر ہوئی۔ پچاس برس اس شیوے کی ورزش میں گزرے»۔

اُنھیں کو پھر سنہ ٦٨ع میں لکھتے ہیں[4]:

«پندرہ برس کی عمر سے شعر کہتا ہوں، ساٹھ برس بکا۔ نہ مدح کا صلہ ملا، نہ غزل کی داد۔

شاکر کو بھی یہی تخمینہ تحریر فرماتے ہیں[5]:

«۱۵ برس کی عمر سے ۲۵ برس کی عمر تك مضامینِ خیالی لکھا کیا»۔

ان بیانوں کے پیشِ نظر، میرزا صاحب کی سخن سرائی کا آغاز ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ع)، ۱۲۲٤ھ (۱۸۰۹ع) اور ۱۲۲۷ھ (۱۸۱۲ع) میں سے کسی ایك سال ہوا تھا۔ ان میں سے راجح قول یہی ہے کہ وہ تقریباً دس برس کی عمر سے شعر کہنے لگے تھے، کیونکہ کلیاتِ فارسی کا اظہار، جو سب سے قدیم ہے، یہی ثابت کرتا ہے، اور اس کی تائید اُن کے ہمجولی لالہ کنھیا لال کے بیان سے بھی ہوتی ہے، جسے خواجہ حالی نے نقل کیا ہے[6]۔

تخلص : اسد و غالب

ابتداءً میرزا صاحب «اسد» تخلص کرتے تھے۔ بعد ازاں اپنے نام «اسد اللہ» کی مناسبت

۱- کلیات: ۵۵۳ - ۲- کلیات نثر، پنج آہنگ: ۱۱۹ - ۳- خطوط: ۱/۱۷۷ - ٤- ایضاً: ۱۹۸ - ۵- عود: ۱۵۹ - ٦- یادگار غالب: ۱۰۷۔

سے «غالب» تخلص اختیار کیا ۔ منشی شیو نراین کو اپریل سنہ ۱۸۵۹ع میں تحریر کیا ھے[1]:

«میں نے تو کوئی دو چار برس ابتدا میں «اسد» تخلص رکھا ھے، ورنہ «غالب» ھی لکھتا رہا ھوں» ۔

لیکن یہ «دو چار برس» صحیح تخمینہ نہیں۔ کیونکہ وہ ۱۲۳۱ھ (۱۸۱۶ع) تک «اسد» لکھتے رھے تھے۔ جب اس سنہ میں «غالب» تخلص رکھا، تو چند مثالوں کو چھوڑ کر ریختہ میں بیشتر اور فارسی میں تمام تر «غالب» تخلص استعمال کیا ھے[2] ۔

استاد شعر

جہاں تک شعر و شاعری کا تعلق ھے، میرزا صاحب نے کسی شخص کے سامنے زانوے تلمذ تہ نہیں کیا ۔ چنانچہ کلیاتِ فارسی کے دیباچے میں لکھتے ھیں[3]:

«خرد آشوب زمزمۂ کہ بذوق بخشیِ نشاطِ سماعش زھرہ از آسمان فرود آید، بزبانم ودیعت نہادۂ اوست، و ھوشربا جنبشی کہ بکرشمہ ریزیِ انگیزِ ادایش از حورانِ طوبیٰ نشین درود آید، بہ نیٔ کلکم باز دادۂ او:

رشحِ کفِ جم می چکد از مغزِ سفالم
سیرابیِ نطقم اثرِ فیضِ حکیم است»

سراج الدین احمد کے خط میں بھی صراحت کی ھے کہ «در سخن از پرورش یافتگانِ مبدأ فیاضم، و سوادِ معنی را بفروغِ گوھرِ خویش روشن کردہ ام ۔ از ھیچ آفریدہ حقِ آموزگاریم بگردن و بارِ منتِ رھنمائیم بر دوش نیست»[4] ۔

ریختہ گوئی : پہلا دور

میرزا صاحب کی شاعری کا آغاز ریختہ سے ھوا تھا ۔ گلِ رعنا کے دیباچے میں فرماتے ھیں[5]:

«در آغاز خارِ خارِ جگر کاویِ شوقم ھمہ صرفِ نگارشِ اشعارِ اردو زبان بود» ۔

نساخ کو لکھتے ھیں[6]:

---

۱ - اردوے معلی: ۳۷۱ ۔ ۲ - نیز ملاحظہ ھوں مباحث نسخۂ عرشی زادہ ۔ ۳ - کلیات فارسی: ٤ ۔
٤ - کلیات نثر، پنج آھنگ: ۷۲ ۔ ٥ - ایضاً: ۲۹ ۔ ٦ - عود: ۱۲٦، اردوے معلی: ۲۰٥ ۔

«خاکسار نے ابتدائے سنِ تمیز میں اردو زبان میں سخن سرائی کی ہے»۔
شاکر کو تحریر فرماتے ہیں[1]:
«ابتدائے فکر سخن میں...... ریختہ لکھتا تھا»۔
نواب شمس الامرا، وزیر اعظمِ حیدر آباد، کو ایک فارسی خط میں لکھا ہے[2]:
«در آغاز ریختہ گفتی، وبہ اردو زبان غزل سرای بودی»۔
۲۵ سال کی عمر تک، زیادہ تر اردو ہی میں کہتے رہے۔ بعد ازاں فارسی زبان سے فطری لگاؤ کی بنا پر، فارسی میں کہنے لگے۔ شاکر کو تحریر کیا ہے[3]:
«۱۵ برس کی عمر سے ۲۵ برس کی عمر تک مضامینِ خیالی لکھا کیا۔ دس برس میں بڑا دیوان جمع ہوگیا»۔
نواب شمس الامرا کو رقمطراز ہیں[4]:
«تا پارسی زبان ذوقِ سخن یافت، ازان وادی عنانِ اندیشہ بر تافت..... کما بیش سی سال ست، کہ اندیشہ پارسی سگال ست»۔
یہ خط اپریل سنہ ۱۸۵۳ع سے پہلے لکھا گیا تھا، اس لیے کہ یہ «پنج آہنگ» کے اُس ایڈیشن میں جو مذکورۂ بالا تاریخ کو دہلی کے مطبعِ دار السلام سے چھپ کر شایع ہوا تھا، شامل ہے، اور اس میں غالب نے دعوا کیا ہے کہ وہ گزشتہ ۳۰ سال سے فارسی میں فکرِ سخن کرتے ہیں۔ اگر ہم اسے ۱۸۵۲ع کا تسلیم کر کے مجموعے میں سے ۳۰ سال وضع کر دیں، تو ریختہ گوئی کے خاتمے اور پارسی سگالی کے آغاز کا سال ۱۸۲۲ع قرار پائے گا۔ اور چونکہ وہ ۱۷۹۷ع میں پیدا ہوئے تھے، اس لیے اس وقت اُن کی عمر ۲۵ سال کی ہوگی، جو شاکر کے نام کے خط میں ذکر کی جاچکی ہے۔

ریختہ گوئی : دوسرا دور

۲۵ سال کی عمر کے بعد میرزا صاحب فارسی زبان کی نظم و نثر کی طرف زیادہ متوجہ ہوگئے اور تقریباً ۲۵، ۳۰ سال تک آتشِ پارسی ہی سے اپنے دل و دماغ کو گرم و آسودہ رکھتے رہے۔ اس زمانے میں ریختہ کہنے کا بھی اتفاق ہوا، لیکن فارسی کے مقابلے میں

۱- عود: ۱۵۹- ۲- کلیات نثر، پنج آہنگ: ۹۱- ۳- عود: ۱۵۹- ۴- کلیات نثر، پنج آہنگ: ۹۱-

اُس کی مقدار نہ ہونے کے برابر ھے۔ اسی لیے اُنھوں نے اس پوری مدت میں اپنے آپ کو «فارسی نگار» کی حیثیت سے پیش کیا ھے۔

سنہ ۱۸۵۰ع میں قلعے سے تعلق پیدا ھوا، تو شاہ ظفر کی بدولت اُن کی ریختہ گوئی نے دوبارہ جنم لیا، اور شاھی مشاعروں کے لیے مختلف طرحوں میں طبع آزمائی کرنے لگے۔ چنانچہ نواب علی بہادر، کو لکھتے ھیں[1]:

«ھر چند از دیر باز بہ گفتنِ ریختہ نمی گرایم، و بہ پارسی زبان سخن می سرایم. لیکن چون رضای خاطرِ حضرتِ ظل اللھی در آن است کہ این گونہ گفتار بدان حضرتِ فلک رفعت ارمغان می بردہ باشم، ناچار گاہ گاہ ریختہ ھمی گویم».

نساخ کو تحریر فرماتے ھیں[2]:

«پھر اوسطِ عمر میں بادشاہِ دھلی کا نوکر ھوکر، چند روز اسی روش پر خامہ فرسائی کی ھے»۔

سید بدر الدین کو اپنے مکتوب مورخۂ ۳ جنوری سنہ ۱۸۵۵ع (۱٤ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۱ھ) میں لکھا ھے[3]:

«آپ ھندی اور فارسی غزلیں مانگتے ھیں۔ فارسی غزل تو شاید ایک بھی نہیں کہی۔ ھاں ھندی غزلیں قلعے کے مشاعرے میں دو چار لکھی تھیں»۔

غدر کے بعد دلی پر آلام و مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ بادشاہ جلا وطن کیے گئے اور ان کے ھوا خواہ یا شہر بشہر مارے مارے پھرنے لگے، اور یا پھانسی پر لٹکا دیے گئے۔ ان ستم رسیدہ دلی والوں میں میرزا صاحب کے سرپرست بھی تھے، احباب اور شاگرد بھی۔ اُن کی جدائی نے میرزا صاحب کا دل توڑ دیا، اور وہ شعر و شاعری کو خیرباد کہہ کر، زندگی کے دن پورے کرنے لگے۔ شاہ زادۂ بشیر الدین میسوری کر لکھتے ھیں[4]:

«نامہ نگار خود از دیر باز سرِ سخن سنجی ندارد۔ نہ گُہر در ترازوست و نہ زور در بازو۔ شست وشش مرحلہ از مسیر عمر سبک سیر پیمودہ آمد۔ پنجاہ سال ھنگامۂ مہرورزی و عشقبازی با نکو محضرانِ دھلی گرم داشتہ ام۔ تا درین مدت چہ مایہ دوستانِ یکدل فراھم آمدہ باشند۔ ناگاہ چرخِ تیز گرد آن پیوندھای روحانی را بدانسان برید کہ خون از رگِ جان فروچکید۔ از ان

۱۔ کلیات نثر، پنج آھنگ: ۱۱۱۔ ۲۔ اردوے معلی: ۲۰۵، عود: ۱۲٦۔ ۳۔ اردوے معلی: ۱۲۷، خطوط: ۱/۱۰۹۔
٤۔ کلیات نثر، پنج آھنگ: ۱۱٦۔

بے مر عزیزان که همه را نیارم شمرد. درین تیر بارانِ حوادث و ناسزا کارزار نماندند مگر خستهٔ چند۔ اینک من و بداغِ کشتگان نژند زیستن، و بر حالِ خستگانِ خون گریستن۔ خستهٔ دهرهٔ دهرم، و ماتمدارِ شهر و اهلِ شهر»۔

تاہم اس زمانے میں بھی صاحبانِ کرم کے خیال سے کچھ کہنا پڑتا تھا، لیکن ایسے اشعار کی تعداد بہت تھوڑی ہے، اس لیے اُنھیں پچھلے دور کا تتمہ خیال کرنا چاہیے۔

فارسی نگاری

اگرچہ میرزا صاحب نے ابتدائے سنِ تمیز میں اردو زبان میں سخن سرائی کی، لیکن وہ آغاز ہی سے نظم و نثرِ فارسی کے عاشق و مایل اور تیغِ اصفہانی کے گھایل تھے، اس لیے اُن کا ابتدائی اردو کلام، تخیل ارر الفاظ دونوں میں فارسی کہلانے کا زیادہ مستحق ہے۔

بقولِ خود وہ پچیس سال کی عمر تک، بیدل، شوکت اور اسیر کی طرز پر ریختہ لکھتے رہے۔ تمیز آنے پر طبیعت نے اس خار زار سے باہر نکلنے کی تدبیر سجھائی، اور اُنھوں نے نظیری، عرفی وغیرہ خداوندانِ سخن کے کلام کا مطالعہ کر کے، اُن کی راہ پر گامزنی شروع کی۔ چنانچہ کلیاتِ فارسی کے خاتمے میں ان اساتذہ سے اثر پزیر ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے[1]:

«تا همدران تگاپو، پیش خرامان را به خجستگیِ ارزشِ همقدمی که در من یافتند، مهر بجنبید، و دل از آزرم بدرد آمد۔ اندوهِ آوارگیهای من خوردند، و آموزگارانه در من نگرستند»۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ میرزا صاحب اس عمر سے پہلے ہی فارسی میں کہنے لگے تھے۔ چنانچہ خواجہ حالی نے اُن کی طالبِ علمی کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ «اُنھوں نے فارسی میں کچھ اشعار بطور غزل کے موزوں کیے تھے، جن کی ردیف میں «کہ چہ» بجائے «یعنی چہ» کے استعمال کیا تھا۔ جب اُنھوں نے وہ اشعار اپنے اُستاد شیخ معظم کو سنائے، تو اُنھوں نے کہا کہ یہ کیا مہمل ردیف اختیار کی ہے۔ ایسے بے معنی شعر کہنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ مرزا یہ سن کر خاموش ہو رہے۔ ایک روز ملا ظہوری کے کلام میں ایک شعر اُن کی نظر پڑ گیا،

---

۱ - کلیات غالب : ۵۵٤ و کلیات نثر، پنج آہنگ : ۲۲۔

جس کے آخر میں لفظ «کہ چہ» «یعنی چہ» کے معنی میں آیا تھا۔ وہ کتاب لے کر دوڑے ہوئے اُستاد کے پاس گئے اور وہ شعر دکھایا۔ شیخ معظم اُس کو دیکھ کر حیران ہو گئے اور مرزا سے کہا کہ تم کو فارسی زبان سے خدا داد مناسبت ہے، تم ضرور فکرِ شعر کیا کرو اور کسی کے اعتراض کی کچھ پروا نہ کرو»[1]۔

مزید بر آں نسخۂ عرشی زادہ میں فارسی کی ۱۳ رباعیاں موجود ہیں، اور بھوپال کے قلمی دیوانِ اردو کا آغاز ایک فارسی قصیدے سے ہوا ہے۔ چونکہ اردو کہتے وقت بھی گویا وہ فارسی ھی میں سوچتے اور لکھتے تھے، اس لیے اُنھوں نے مذکورہ عمر کو پہنچ کر، اس اختلافِ ذوق کی رہنمائی میں، شاہدِ سخن کے چہرے سے اردو زبان کا رسمی پردہ بھی اُٹھا دیا، اور یکسر فارسی میں کہنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے فارسی کلام میں بیدل وغیرہ کے اثرات کم نظر آتے ہیں۔

نواب شمس الامرا کے محولۂ بالا خط میں جو تقریباً سنہ ۱۸۵۲ع میں لکھا گیا تھا، میرزا صاحب نے دعوا کیا ہے کہ «کا بیش سی سال ست کہ اندیشہ پارسی سگال ست»۔ اس بنا پر اُن کی باقاعدہ فارسی گوئی کا آغاز ۱۸۲۲ع (۱۲۳۸ھ) میں تسلیم کرنا پڑے گا، جیسے پچھلی بحث میں ریختہ گوئی کے دور کا خاتمہ ثابت کیا جا چکا ہے۔

تدوین اشعار

میرزا صاحب نے ایک خط میں لکھا ہے کہ «میرا کلام، کیا نظم، کیا نثر، کیا اردو، کیا فارسی، کبھی کسی عہد میں میرے پاس فراہم نہیں ہوا»[2]۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ابتدا میں خود اُنھیں نے اپنا کلام جمع کیا تھا، اور اُنھیں کے مسودات سے «دیوانِ ریختہ» مرتب ہوا، اور اُنھیں سے «گلِ رعنا» کی ترتیب عمل میں آئی۔

اردو کلام کو ردیف وار مرتب اور نقل کرنے کا کام خود میرزا صاحب کے ہاتھوں ۱۴ رجب سنہ ۱۲۳۱ھ (۱۱ جون ۱۸۱۶ع) کو تمام ہو چکا تھا، جو نسخۂ عرشی زادہ کی تاریخِ کتابت ہے۔ آیندہ اُنھوں نے اپنے کلام میں کمی بیشی کا سلسلہ جاری رکھا تا آں کہ متداول دیوان وجود میں آیا۔ فارسی نظم کا کچھ حصہ «گلِ رعنا» کی شکل میں کلکتے کے سفر میں مرتب ہو چکا تھا۔

---

۱ - یادگار غالب : ۱۰۷ -
۲ - اردوے معلی : ۱۳۷ -

مگر مکمل دیوانِ فارسی، دیباچۂ دیوانِ اردو کے بیان کے مطابق، اس سفر تک غیر مرتب مسودے کی شکل میں تھا۔

پنج آہنگ کے دیباچے میں علی بخش خاں لکھتے ھیں[1]:

«در آغازِ سالِ یکہزار و دو صد و پنجاہ و یک ھجری شمس الدین خان را بقضای آسمانی آن پیش آمد کہ ھیچ آفریدہ مبیناد! و آن خود از غایتِ شہرت بشرح احتیاج ندارد۔ و بعد آن ہنگامہ ہمدران ہنگام از جے پور بدھلی رسیدم، و بکاشانۂ برادرِ والاشان و آموزگارِ مہربان، مولانا غالب، زاد افضالہ، فرود آمدم۔ چون دران ایام دیوانِ فیض عنوان کہ مسمی بہ «میخانۂ آرزو سر انجام» است، تازہ فراہم آمدہ و پیرایۂ اتمام پوشیدہ بود...»۔

اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ھے کہ سنہ ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵ع) کے قریب دیوانِ فارسی مرتب ہوا تھا۔ لیکن بانکی پور کے قلمی نسخے میں، جس کی تاریخِ کتابت ربیع الآخر ۱۲۵۴ھ ھے، خود میرزا صاحب نے ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ع) کو سالِ اختتام بتایا ھے، نیز ایک اطلاع کے مطابق کتابخانۂ انجمن ترقی اردو پاکستان میں ۱۲۵۳ھ کا مکتوبہ نسخہ موجود ھے، اس لیے اتمامِ کلیات کا سال یہی قرار پائے گا۔

بہر حال اردو اور فارسی کلام کی جمع و ترتیب کا ابتدائی کام خود میرزا صاحب کے ہاتھوں انجام کو پہنچا، اور اُنہیں اپنے کلام کی اشاعت کے لیے دوسروں سے مسودے یا مبیضے مانگنا نہیں پڑے۔ لیکن جب افکار و آلام کی کشمکش اور ناقدردانیِ ابنائے زماں کی گیرودار نے اُنہیں پیہم شکستہ خاطر کیا، تو یہ کام نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر اور حسین مرزا وغیرہ نے اپنے ذمے لے لیا تھا۔

دیوان اردو : نسخۂ عرشی زادہ

جیسا کہ ابھی مذکور ہوا، میرزا صاحب نے اپنا ردیف وار اردو دیوان ۱۲۳۱ھ (۱۸۱۶ع) میں صاف کیا تھا۔ نظر بظاہر اس کی اصل وہ بیاض تھی جس میں بترتیبِ نظم اشعار لکھے گئے تھے۔ یہ بات ثبوت کی محتاج نہیں ھے کہ میرزا صاحب نے ۱۲۳۱ھ سے قبل کے کہے ہوئے متعدد شعر اس میں شامل نہیں کیے تھے۔ چنانچہ «یادگارِ نالہ» کے وہ قدیم

۱۔ کلیات نثر، پنج آہنگ : ۲۔

شعر جو عمدۂ منتخبہ وغیرہ قدیم ماخذوں سے نقل کیے گئے ہیں، اسی ذیل میں آتے ہیں۔

دیوان اردو : نسخۂ کلکتہ

نسخۂ عرشی زادہ کے بعد میرزا صاحب نے دیوانِ اردو کا ایک اور نسخہ بحذف و اضافہ تیار کیا تھا، جسے اُنھوں نے اپنے ایک فارسی مکتوب میں «دیوانِ دومی» کہا ہے۔ یہ نسخہ اُنھوں نے اپنے نام سے متعلق ایک اعتراض کے جواب میں عدالتِ کلکتہ کے سامنے بطورِ شہادت پیش کیا تھا لیکن یہ ہنوز پردۂ خفا میں مستور اور دریافت طلب ہے۔[1]

دیوان اردو : نسخۂ بھوپال

بعد ازاں بگمانِ غالب نسخۂ کلکتہ کی بنیاد پر اُنھوں نے ایک اور نسخہ تیار کیا جو صفر ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ع) میں حافظ معین الدین کے قلم سے نقل ہو کر تمام ہوا اور آج نسخۂ بھوپال کے نام سے معروف ہے۔ قرائن یہ ہیں کہ اس کی تیاری کے وقت بھی اُنھوں نے کچھ کلام کو نظری قرار دے کر لائقِ شمولیت نہیں جانا تھا۔

دیوان اردو : نسخۂ شیرانی

پچھلے نسخوں کی طرح نسخۂ بھوپال کے اشعار کا بھی بڑا حصہ پیچدہ خیالی مضامین اور مغلق تشبیہ و استعارہ پر مشتمل تھا «جاہل اسے سن کر ملول ہوتے» اور اکثر اشعار کو مہمل اور بے معنی کہہ دیا کرتے تھے۔ «سخنورانِ کامل کی طرف سے بھی آسان کہنے کی فرمائش ہوتی تھی»۔ میرزا صاحب کو ستایش کی تمنا اور صلے کی پروا نہ تھی، اس لیے وہ عرصے تک ان اعتراضوں سے بے پروا رہے۔ لیکن جوں جوں فارسی کے اعلیٰ شاعروں کا کلام نظر سے گزرتا گیا اور اُن کی ادبی استعداد میں جلا ہوتی گئی، اُنھیں بھی اپنے کلام کے لفظی و معنوی عیوب نظر آنے لگے، اور وہ کلامِ ریختہ کی تہذیب و تنقیح کی طرف متوجہ ہوگئے۔ چنانچہ بہت سی غزلیں «غلط» قرار دیں، فقرے، مصرعے اور شعر بھی بدلے اور آسان و دل نشین انداز کی

۱۔ ملاحظہ ہوں: مباحث نسخۂ عرشی زادہ و غالب کا دریافت طلب مخطوطۂ دیوان اردو۔ نسخۂ کلکتہ از عرشی زادہ، ماہنامہ تحریک دہلی بابت ستمبر ۱۹۶۹ع۔

غزلیں بھی کہیں۔

تہذیب و تنقیح کا یہ کام صفر ۱۲۳۷ھ (اکتوبر ۱۸۲۱ع) کے بعد شروع ہوا اور سفرِ کلکتہ سے پہلے شوال ۱۲۴۲ھ (اپریل ۱۸۲۶ع) میں ختم ہوگیا۔

اس قیاس کی وجہ یہ ہے کہ نسخۂ بھوپال کے حاشیوں اور بین السطور میں ترمیمیں اور اصلاحیں بھی ہیں اور نئے شعر اور غزلیں بھی۔ نیز ردیف الیاء کی متعدد غزلیں آخر میں بھی تحریر کردی گئی ہیں۔ ظاہر ہے اصلاح و اضافے کا کام اس تاریخِ کتابت کے بعد ہی شروع کیا جاسکتا تھا، ورنہ وہ سب کچھ بجاے حاشیوں کے متن میں مندرج ہوتا۔

نیز پروفیسر محمود خاں شیرانی مرحوم کے پاس دیوان کا وہ مخطوطہ مدت ہوئی دستیاب ہو چکا ہے، جو بھوپال کے نسخے کا مبیضہ تھا، اس کے متن کے مندرجات بالکل بھوپالی نسخے کی ترمیموں کے مطابق ہیں، لیکن حاشیوں پر بعد کی کہی ہوئی غزلیں بھی درج ہیں۔ ان میں سے دو میرزا صاحب نے «باندہ» (بندیل کھنڈ) سے بھیجی تھیں، جو سفرِ کلکتہ کی ایک منزل تھی۔ ظاہر ہے کہ نسخۂ شیرانی سفرِ کلکتہ سے پہلے ہی مرتب نہ ہوگیا ہوتا، تو اُس کے حاشیوں پر سفر کے دوران کہی گئی غزلیں کس طرح مندرج ہوسکتی تھیں۔

پہلا انتخاب : گلِ رعنا

قیامِ کلکتہ میں مولوی سراج الدین احمد سے میرزا کی دوستی ہوگئی اور اُنھوں نے فرمایش کر کے اردو اور فارسی غزلوں کا ایک اور انتخاب مرتب کرایا، جو «گلِ رعنا» کے نام سے موسوم ہوا۔ اس کے حصۂ فارسی میں ایک قصیدہ، دو قطعے، ایک مثنوی اور ستائیس منتخب غزلیں درج کی ہیں، لیکن ریختہ میں صرف غزلوں کا انتخاب ہے، جن میں سے دو چار مکمل غزلیں اور باقی کے اچھے اچھے شعر چنے گئے ہیں۔ اس کا ایک ناقص نسخہ مولانا حسرت موہانی مرحوم کو ملا تھا، جس میں سے کچھ غیر مشہور شعر اُنھوں نے اپنی شرح کے آخر میں چھاپ بھی دیے تھے۔ سوءِ اتفاق سے وہ بھی اہلِ ذوق کی دسترس سے باہر ہوگیا تھا۔ لیکن خوش قسمتی کہ دس بارہ سال قبل مالک رام صاحب کو جناب سید نقی بلگرامی (دهلی) نے اُس کا مکمل نسخہ تحفے میں دیا، جس سے معلوم ہوا کہ اردو منتخب اشعار کی تعداد ۴۵۵ ہے،

اور ان میں نسخۂ شیرانی کی اکثر بے مزہ غزلوں کا کوئی ایک شعر بھی موجود نہیں۔ اس سے بھی زیادہ مسرت کی بات یہ ہے کہ ۱۹۶۹ء میں گلِ رعنا کا وہ مخطوطہ بھی دریافت ہوگیا جو مرزا صاحب نے اپنے قلم سے تمام و کمال نقل کر کے تیار کیا تھا۔ اس نسخے سے جو جناب خواجہ محمد حسن (لاہور) کی ملکیت ہے پہلی بار تاریخِ انتخاب غرۂ ربیع الاول ۱۲۴۴ھ (۱۲ دسمبر ۱۸۲۸ء) معلوم ہوئی ہے[1]۔

دوسرا انتخاب: متداول دیوان

کلکتے سے واپس آنے کے بعد میرزا صاحب نے اپنے اُس نسخۂ دیوان پر نظر ثانی کی جو نسخۂ شیرانی کا ہمزاد تھا اور ابھی تک دریافت طلب ہے اور مختصر سا دیوان مرتب کر لیا۔ اس سلسلے میں نواب شمس الامرا کو لکھتے ہیں[2]:

«تا بپارسی زبان ذوقِ سخن یافت، ازان وادی عنانِ اندیشہ برتافت۔ دیوانِ مختصری از ریختہ فراہم آورد و آن را گلدستۂ طاقِ نسیان کرد»۔

مولوی عبدالرزاق شاکر کو ایک اردو خط میں تحریر کیا ہے[3]:

«آخر جب تمیز آئی، تو اُس دیوان کو دور کیا، اوراق یک قلم چاک کیے۔ دس پندرہ شعر واسطے نمونے کے دیوانِ حال میں رہنے دیے»۔

اس دیوانِ حال کے قدیم ترین مخطوطۂ رامپور کے اشعار کا مقابلہ «گلِ رعنا» کے حصۂ اردو سے کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ گلِ رعنا کے ۴۵۵ اشعار میں سے تقریباً ۴۰ شعر گرائے گئے، اور سابق غزلوں کے مزید شعر چن کر نیز نئی غزلوں کے کل شعر ایزاد کر کے غزلوں کے اشعار کو ۹۷۸ کردیا گیا تھا[4]۔

کس نے انتخاب کیا؟

مولانا آزاد دہلوی کا بیان ہے کہ مولوی فضلِ حق خیرآبادی اور میرزا خانی، کوتوالِ دہلی،

۱۔ مکتوب جناب سید معین الرحمان (لاہور) بنام عرشی زادہ۔ نیز ملاحظہ ہو «گل رعنا بخط غالب» از عرشی زادہ، ہماری زبان، علی گڑھ، بابت یکم ستمبر و ۲۲ ستمبر ۱۹۷۰ء۔ ۲۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۹۱۔ ۳۔ عود ہندی: ۱۵۹۔ ۴۔ نسخۂ رام پور قدیم اور نسخۂ بدایوں میں «کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا» غزل کے چار شعر متن میں نہیں ہیں، نیز نسخۂ رام پور قدیم سے کچھ اور شعر بھی ندارد ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب دیوان متداول میں منسوخ شعر بھی شامل کرتے رہے ہیں۔

نے میرزا غالب کے دیوانِ ریختہ کا انتخاب کیا ہے[1]۔ لیکن اولاً تو نسخۂ عرشی زادہ، نسخۂ بھوپال، نسخۂ شیرانی، گلِ رعنا اور نسخۂ رام پور قدیم کا مطالعہ اس کی توثیق نہیں کرتا۔ دوسرے خود میرزا صاحب نے اس انتخاب کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے۔ دیوان ریختہ کے دیباچے میں فرماتے ہیں:

«همانا، نگارندۂ این نامه را آن در سر است که پس از انتخابِ دیوانِ ریخته بگرد آوردنِ سرمایۂ دیوانِ فارسی برخیزد»۔

نواب شمس الامرا اور شاکر کے محولۂ بالا خطوط میں بھی یہی لکھا ہے۔ میرزا صاحب، علامۂ خیرآبادی کے علم و فضل اور بلند پایہ ذوقِ سخن سنجی کے بے حد معترف تھے۔ چنانچہ جب اُنھوں نے عرفیِ شیرازی کے قصیدے: «ای متاعِ درد در بازارِ جان انداخته» کا جواب لکھا، تو اُس کی ایک نقل مولانا کے ملاحظے کے لیے بھی بھیجی اور لکھا[2]:

«درین روز ها، هوای آن در سر افتاد که بیتی چند در توحید، مجیباً لعرفی، گفته آید۔ چون کوششِ اندیشه بجائی رسید که نه عرفی را محل ماند، و نه مرا جای، ناگزیر آن ابیات را بر کسی عرضه میدارم که چون منی صد، و چون عرفی صد هزار را بسخن پرورش تواند کرد، و پایۂ هریك بهریك تواند نمود»۔

منتخب دیوانِ ریختہ کا محولہ دیباچہ، علامۂ خیرآبادی کی زندگی میں لکھا گیا ہے۔ اگر وہ اس مجموعے کے منتخب ہوتے، تو ناممکن تھا کہ میرزا غالب اپنے علامۂ دہر و فریدِ عصر مخلص دوست کے نام کو چھپا جاتے، بلکہ اس کے برخلاف، علامہ جیسی شخصیت کا نام تحریر کر کے انتخاب کی برتری و پاکیزگی پر مہرِ توثیق ثبت کرتے۔

مزید برآں شیفتہ نے گلشنِ بیخار میں لکھا ہے[3]:

«دیوانش را، بعدِ تکمیل و ترتیب دگر نگریست۔ فراوان ابیات از آن حذف و ساقط کرده، قدرِ قلیلی انتخاب زده»۔

یہ تذکرہ میرزا صاحب کی نظر سے گزر چکا تھا، اور اُنھوں نے نہ صرف اُس کی تقریظ لکھی تھی، بلکہ اُس کی بعض کوتاہیوں کی طرف مرتب کی توجہ بھی منعطف کی تھی[4]۔ اگر

---

۱ - آب حیات: ٤٨٤ - ۲ - کلیات نثر، پنج آہنگ: ۹۲- ۳- گلشن بیخار: ۱۸۶، طبع دھلی سنہ ۱۸۳۷ع -
٤ - کلیات نثر، پنج آہنگ: ۵۰ و ۵۲ -

میرزا صاحب اپنے کلام کے خود منتخب نہوتے، تو شیفتہ کیوں لکھتے۔ اور بفرضِ محال وہ سنی سنائی لکھ بھی دیتے، تو میرزا صاحب اُس پر نکتہ چینی کیوں نہ کرتے۔

معیار انتخاب

یہ حقیقت پہلے بیان کی جاچکی ھے کہ میرزا صاحب ابتداے فکرِ سخن میں اسیر (۱۰۴ھ) شوکت بخاری (۱۱۰۷ھ) اور میرزا بیدل (۱۱۳۳ھ) کی طرز پر ریختہ لکھتے تھے۔ ایک غزل کا مقطع ھے[۱]:

طرزِ بیدل میں ریختہ کہنا اسد اللہ خاں قیامت ھے

ان بزرگوں نے تخیل در تخیل کے باغ لگائے ھیں، اورخیالی دنیا میں فلک بوس ھوائی محل تعمیر کیے ھیں۔ میرزا صاحب نے بھی عرصے تک ان کے اتباع میں مضامینِ خیالی لکھے، اور نزاکتِ تخیل کو ناقابلِ قبول حد تک پہنچا دیا۔ مگر رفتہ رفتہ ظہوری، عرفی، نظیری وغیرھم کا رنگ دماغ پر چڑھا، اور وہ اپنے فارسی کلام میں بیراھروی سے پرھیز کرنے لگے۔ اس اصلاحی تغیرِ ذوق کا اثر ریختہ پر بھی پڑا۔ پہلے اُنھوں نے مصرعوں میں تغیر و تبدل اور ترمیم و اصلاح شروع کی اور آخر میں مجبور ھوے کہ اپنے سارے کلامِ اردو کا مکمل جائزہ لیں۔ موجودہ دیوانِ اردو اسی جائزۂ ادبی کا نتیجہ ھے۔

شمس الامرا اور شاکر کے نام میرزا صاحب کے خطوں سے یہ قیاس کرنا بجا ھے کہ دیوانِ ریختہ کے متداول انتخاب کے وقت میرزا صاحب نے سادگی کو معیار قرار دیا تھا، اور اس کے جو شعر لفظی و معنوی گنجلک یا اغلاق رکھتے ھیں، وہ گویا بطورِ نمونہ شامل کرلیے تھے۔

مقدار انتخاب

نواب شمس الامرا کے نام کے خط میں میرزا صاحب نے ظاھر کیا ھے کہ پہلا دیوان «طاقِ نسیاں» پر رکھ دیا گیا، اور شاکر کو لکھا ھے کہ اُس کے اوراق یک قلم چاک کرکے صرف دس، پندرہ شعر نمونے کے لیے دیوانِ حال میں رھنے دیے۔ لیکن فی الحقیقت یہ مبالغہ

۱- عود:۱۵۹-

ھے۔ اس لیے کہ نسخۂ شیرانی کے متن کی غزلوں میں سے بڑی تعداد موجودہ دیوان میں پائی جاتی ھے۔ اس سے قطعِ نظر، میرزا صاحب نے قدیم دیوان کے تین قصیدوں میں سے دو انتخاب میں شامل کر لیے ھیں۔ اُن کے اشعار کی تعداد ۱۷۷ تھی۔ اس میں سے ۵۱ شعر آج بھی منتخب دیوان کے اندر موجود ھیں۔

یہ کھلا ثبوت ھے اس امر کا کہ منتخب اشعار کی واقعی تعداد دس پندرہ سے کہیں زیادہ تھی، اور دیوان کا طاقِ نسیاں پر رکھ دینا، یا اُس کے اوراق کا یك قلم چاك کر دینا صرف مبالغہ ھے۔

اس انتخاب کے اشعار کی واقعی تعداد کا تعین دشوار ھے، کیونکہ میرزا صاحب کا اپنا مخطوطہ پیشِ نظر نہیں۔ لیکن رام پور کے قدیم ترین مخطوطے کے اشعار کی تعداد ۱۰۶۷ ھے، اور نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نے سنہ ۱۲۵٤ھ میں جو تقریظ لکھی تھی، اُس میں ۱۰۷۰ سے کچھ اوپر تعداد بتائی تھی۔ لہذا متداول انتخاب کے اشعار کی ابتدائی تعداد ۱۰۶۷ کے لگ بھگ ھونا چاھیے۔

تاریخ و مقام انتخاب

خواجہ حالی کے ارشاد کے مطابق[1]، میرزا صاحب نے حکیم احسن اللہ خاں بہادر کو کلکتے سے لکھ کر بھیجا تھا[2]:

«من و ایمانِ من، کہ بگرد آوردنِ نثرِ پراگندہ نہ پرداختہ، و خود را درین کشاکش نینداختہ ام۔۔۔ سطری چند کہ بدیباچگیِ دیوانِ ریختہ کسوتِ حرف و رقم پوشیدہ، و دودِ سودائے کہ بآرایشِ سفینۂ موسوم بہ «گلِ رعنا» از سویدا جوشیدہ است، ارمغان می فرستم و از شرمِ تنک مایگی آب می گردم»۔

اس کا مطلب یہ ھوا کہ دیوانِ متداول کے ساتھ جو دیباچہ ھے، وہ کلکتے میں لکھا گیا تھا۔ میرزا صاحب ٤ شعبان ۱۲٤۳ھ (۱۹ فروری ۱۸۲۸ع) کو کلکتے پہنچے اور ٦ جمادی الثانیہ ۱۲٤۵ھ (۲۸ نومبر ۱۸۲۹ع) کو دھلی واپس آئے تھے۔ اس حساب سے دیباچے کو مذکورۂ بالا

۱ - یادگار غالب : ۳۸۵ -

۲ - کلیات نثر، پنج آھنگ : ۵۲ -

تاریخوں سے پہلے اور کارِ انتخاب کو اس سے بھی قبل انجام کو پہنچ جانا چاہیے۔ لیکن مولانا نظامی بدایونی کو منشی احمد علی شوق قدوائی سے دیوانِ غالب کا ایک ایسا مخطوطہ ملا تھا، جس میں دیباچے کی تاریخ ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۴۸ھ درج تھی[1]۔

ابھی تحریر ہو چکا ھے کہ میرزا صاحب نے سفرِ کلکتہ سے پہلے نسخۂ بھوپال میں ترمیم و تنسیخ اور حذف و اضافہ کیا تھا، اور اُس کے بہت سے اشعار ھی نہیں بلکہ پوری پوری غزلیں غلط اور خارج قرار دے کر ایک نیا نسخہ تیار کرایا تھا۔ یہ وھی مرممہ نسخہ ھے جس کی ایک نقل «نسخۂ شیرانی» کے نام سے موسوم ھے۔ دیباچے کے مندرجات میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی جو «متداول انتخاب» کے ساتھ مخصوص ہو اور «نسخۂ شیرانی» میں نہ پائی جاتی ہو۔ اس لیے کہا جا سکتا ھے کہ یہ دیباچہ اولاً نسخۂ شیرانی یا اُس کے ھمزاد نسخے کے لیے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ھے، لکھا گیا تھا اور کلکتے ھی میں لکھا گیا تھا۔ جب دہلی میں متداول انتخاب عمل میں آیا. تو اُس پر بھی اس دیباچے کے مندرجات صادق آتے تھے، اس لیے میرزا صاحب نے اس میں کوئی تبدّل و تغیّر نہ کیا، صرف تاریخ بدل دی، یا اُس میں تاریخ نہ تھی تو اُس کا اضافہ کر دیا۔

اس حقیقت کے سمجھنے میں کہ دیوانِ متداول کی ترتیب زمانۂ قیامِ کلکتہ سے تعلق نہیں رکھتی، گلِ رعنا کے مطالعے سے بھی مدد ملتی ھے۔ مثلاً گلِ رعنا میں ایسے متعدد پُرانے شعر پائے جاتے ھیں جو متداول دیوان میں نہیں۔ اگر گلِ رعنا کی بنیاد یہ دیوان ھوتا. تو چاہیے تھا کہ معاملہ برعکس ھوتا، یعنی دیوانِ متداول میں ایسے شعر پائے جاتے جو گلِ رعنا میں نہ ھوتے۔ مثالاً چند شعر پیش کرتا ھوں:

کس قدر خاک ھوا ھے دلِ مجنوں، یارب	نقشِ ھر ذرہ سویدائے بیاباں نکلا
شب کہ ذوقِ گفتگو سے تیری دل بیتاب تھا	شوخیِ وحشت سے افسانہ فسونِ خواب تھا
واں ھجومِ نغمہ ھائے سازِ عشرت تھا، اسد	ناخنِ غم یاں سرِ تارِ نفس مضراب تھا
ھم نے وحشت کدۂ بزمِ جہاں میں جوں شمع	شعلۂ عشق کو اپنا سروساماں سمجھا
اے وائے غفلتِ نگہِ شوق، ورنہ یاں	ھر پارہ سنگ، لختِ دلِ کوہِ طور تھا

[1] - غالب (عبداللطیف) اردو ترجمہ : ۱۳۵ -

ربطِ یک شیرازۂ وحشت ہیں اجزائے بہار سبزہ بیگانہ، صبا آوارہ، گل نا آشنا

مندرجۂ بالا شعر گلِ رعنا میں ہیں اور متداول دیوان میں نہیں۔

دیوانِ قدیم کی کچھ غزلیں ایسی ہیں جن کا کوئی ایک شعر بھی متداول میں نہیں لیا گیا، مگر گلِ رعنا میں اُن کے اشعار موجود ہیں۔ اگر متداول دیوان مقدّم اور گلِ رعنا موخّر ہوتا، تو معاملہ برعکس ہونا چاہیے تھا۔ مثال کے طور پر یہ اشعار پیش ہیں:

برھنِ شرم ہے با وصفِ شوخی اہتمام اُس کا
نگیں میں جُوں شرارِ سنگ ناپیدا ہے نام اُس کا
مسی آلودہ ہے مہرِ نوازشنامہ، ظاہر ہے
کہ داغِ آرزوئے بوسہ دیتا ہے پیام اُس کا
بامیدِ نگاہِ خاص ہوں، محمل کشِ حسرت
مبادا ہو عناں گیرِ تغافل لطفِ عام اُس کا

وحشتِ نالہ بوا ماندگیِ وحشت ہے جرسِ قافلہ یاں دل ہے گرانباروں کا
پھر وہ سوئے چمن آتا ہے، خدا خیر کرے رنگ اُڑتا ہے گلستاں کے ہواداروں کا
جلوہ مایوس نہیں دل نگرانی، غافل چشمِ اُمید ہے روزن تری دیواروں کا

قیس بھاگا شہر سے شرمندہ ہوکر سوئے دشت
بن گیا تقلید سے میری یہ سودائی عبث

کون آیا جو چمن بیتابِ استقبال ہے جنبشِ موجِ صبا ہے شوخیِ رفتارِ باغ
آتشِ رنگِ رخِ ہر گل کو بخشے ہے فروغ ہے دمِ سردِ صبا سے گرمیِ بازارِ باغ

یہ سب شعر ایسی غزلوں کے ہیں جن کا کوئی ایک شعر بھی دیوانِ متداول میں نہیں۔ اگر گلِ رعنا کو دیوانِ متداول سے انتخاب کیا گیا ہوتا، تو کیا گلِ رعنا میں وہ شعر آسکتے تھے جو اُس کی اصل میں نہ ہوتے؟

بہت سے اشعار ایسے ہیں جن کا متن گلِ رعنا میں دیوانِ متداول سے مختلف ہے۔ مثلاً:

(۱) تھی نو آموزِ فنا ہمّتِ دُشوار پسند سخت مُشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

اس کا مصرعِ اوّل گلِ رعنا میں یوں ہے:

ہے نو آموزِ فنا ہمّتِ دُشوارئِ شوق

(۲) شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرۂ ابر آب تھا
شعلۂ جوالہ ہر یک حلقۂ گرداب تھا

گلِ رعنا میں پہلا مصرع یوں تھا:

شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرہ از بس آب تھا

(۳) جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوے
ہوں شمعِ کشتہ، در خورِ محفل نہیں رہا

گلِ رعنا میں دوسرے مصرع کا پہلا لفظ ہے «جوں»۔

(٤) بیدادِ عشق سے نہیں ڈرتا، مگر اسد
جس دل پہ ناز تھا مجھے، وہ دل نہیں رہا

گلِ رعنا میں پہلا مصرع یوں ہے:

بیدادِ عشق سے نہیں ڈرتا ہوں، پر اسد

(۵) کیا کہوں بیماریِ غم کی فراغت کا بیاں
جو کہ کھایا خونِ دل، بے منّتِ کیموس تھا

گلِ رعنا میں ہے:

پوچھ مت بیماریِ غم کی فراغت کا بیاں

«اختلافِ نسخ» کے تحت اور بہت سی مثالیں موجود ہیں جنھیں دیکھا جا سکتا ہے۔ ان مواقع پر گلِ رعنا اور دیوانِ متداول کا اختلاف کیوں ہے؟ اس کا ایک جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ دیوانِ متداول میں سے گلِ رعنا کا حصّۂ اردو انتخاب کرتے وقت میرزا صاحب نے اپنے اشعار میں اصلاح کر دی تھی۔ بالفاظِ دیگر گلِ رعنا کا متن متاخر اور اصلاحی ہے اور دیوانِ متداول کا متقدّم اور متروک۔ لیکن ایسا کہنا درست نہ ہوگا، اس لیے کہ ان

جگہوں پر گلِ رعنا کا متن نسخۂ شیرانی کے مطابق ھے۔ لہذا نسخۂ شیرانی ھی پر گلِ رعنا کی بنا ہونا چاھیے، دیوانِ متداول پر نہیں۔ اور اس صورت میں دیوانِ متداول کی ترتیب گلِ رعنا کے بعد عمل میں آنا چاھیے نہ کہ اُس سے پہلے۔

اس بات کے ثابت ہوجانے کے بعد کہ دیوانِ متداول کی ترتیب گلِ رعنا کے بعد عمل میں آئی اور زمانۂ قیامِ کلکتہ سے اس کا علاقہ نہیں، یہ مسئلہ حل طلب رہ جاتا ھے کہ یہ کام کب اور کہاں کیا گیا۔ چونکہ دیوان کے ایک نسخے میں ۲٤ ذیقعدہ ۱۲٤۸ھ موجود ھے، اور کوئی اور تاریخ دیوان یا کسی اور کتاب میں مذکور نہیں، اس لیے اس نصِ جلی کو قیاس کے زور پر رد نہیں کیا جا سکتا۔ اور چونکہ اُس زمانے میں میرزا صاحب کا قیام دھلی میں تھا، اس لیے یہ انتخاب بھی دھلی ھی میں ہونا چاھیے۔

آخری انتخاب

جیسا کہ آیندہ بتفصیل معلوم ہوگا، میرزا صاحب آخرِ عمر میں شعر و سخن سے بیزار ہوگئے تھے، اور اُنھیں ھر وقت کافور و کفن کی پڑی رھتی تھی۔ ایسی حالت میں کون اُمید کر سکتا تھا کہ وہ اپنے کلام پر نظر ڈال کر آنے والی نسلوں کے لیے ایک آخری انتخاب چھوڑ جائیں گے۔ سنہ ۱۸٦۵ع کے وسط میں نواب کلبِ علی خاں والیِ رام پور نے فارسی و اردو کے اساتذہ کے منتخب اشعار کی ایک بیاض ترتیب دینے کا ارادہ فرمایا۔ میرزا صاحب کو اس سلسلے میں ۲۵ اگست سنہ ۱۸٦٦ع کو سرکار کی طرف سے لکھا گیا[1]:

«مطلبِ دگر، جو کہ راقم کو ترتیب بیاضِ اشعارِ منتخبۂ اساتذۂ پارسی و اردو کی منظور ھے، اس لیے حوالۂ خامۂ محبت نگار کے ہوتا ھے کہ آپ انتخابِ دیوانِ فارسی اور اردو اپنے کا فرما کر مع انتخابِ کلام ضیاء الدین خاں صاحب لطف کریں، تا شاملِ انتخاب کے جو اس سرکار میں عمل میں آیا ھے، ہوجائے»۔

اس کے جواب میں ۱۰ ستمبر کو میرزا صاحب نے لکھا[2]:

«اردو کا دیوان ایک شخص کو دیا ھے۔ فارسی دیوان کا شیرازہ کھول کر چند شخصوں

---

۱ - مکاتیب غالب حواشی : ١٦٥ -

۲ - ایضاً : مکتوب نمبر ۷۲ -

کے حوالے کیا ہے۔ بعد اتمام تحریر نذر کیا جائے گا»۔

۱۷ ستمبر کو اردو دیوان نقل ہوکر آگیا، تو ۱۸ ستمبر کو اُس کے ساتھ میرزا صاحب نے لکھا[1]:

«خاطرِ اقدس میں نہ گزرے کہ غالب تعمیلِ احکام میں کاہل ہے۔ بصارت میں فتور، ہاتھ میں رعشہ، حواس مختل۔ ناچار کاتب کی تلاش کی۔ شہر سراسر ویران ہے، کاتب کہاں؟ بارے ایک دوست نے کاتب نشان دیا۔ اردو دیوان، اشعار پر صاد کر کے، اُس کو حوالے کیا۔ کل وہ اجزائے منقولہ آئے۔ آج بطریقِ پارسل مع اس عرضی کے ارسال کیے۔ خط کاتب کا مجھ کو پسند نہیں آیا۔ حضرت کو کیوں کر پسند آئے گا؟ اغلاط اتنے تھے کہ مجھ کو تحریر کے برابر محنت کرنا پڑی۔

فارسی کی بیاض کا شیرازہ کھول کر اجزا اُس کے احباب پر تقسیم کر دیے ہیں۔ جا بجا اشعار پر صاد کر دیے ہیں۔ وہ بھی میرے انتخاب کے مطابق نقل ہو رہے ہیں۔ بعدِ اتمام وہ بھی پیش کروں گا»۔

اسی ماہ میں فارسی دیوان کا انتخاب بھی مرتب ہوگیا۔ ۲۴ ستمبر کو میرزا صاحب نے اُس کا پارسل رام پور روانہ کیا، تو اُس کے ساتھ لکھا[2]:

«اردو دیوان کا انتخاب بھیج چکا ہوں۔ یقین ہے کہ حضرت کی نظر سے گزر گیا ہو۔ آج فارسی دیوان کا انتخاب بطریقِ پارسل اس عرضی کے ساتھ بھیجتا ہوں.... اس درویش نے صرف غزلوں اور رباعیوں کا انتخاب بھیجا ہے۔ قصاید و قطعات و مثنویات کا انتخاب ابھی نہیں بھیجا۔ اگر حکم ہو، تو وہ بھی بھیجوں»۔

نواب کلبِ علی خاں بہادر نے ان دونوں کے وصول کی یکجا اطلاع ۳۰ ستمبر کو میرزا صاحب کو دے دی، اور فارسی قصائد و قطعات و مثنویات کا انتخاب طلب نہیں فرمایا۔ یہ انتخاب میرزا صاحب کے ذوقِ شعری کا آخری نمونہ ہے اور ۱۹۴۲ میں شایع ہو چکا ہے۔



میرزا صاحب کا اندازِ سخن اتنا صاف اور ممتاز ہے کہ جو شخص اُن کے کلام سے تھوڑا

۱۔ مکاتیب غالب: مکتوب نمبر ۷۳۔

۲۔ ایضاً: مکتوب نمبر ۷۴۔

مس بھی رکھتا ہو، وہ اُسے پہچان سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شاگرد یا دوست نے کسی اور کا شعر اُن کی طرف منسوب کیا ہے، تو میرزا صاحب کو یہ امر بہت ناگوارِ خاطر ہوا ہے۔ منشی شیو نراین نے ایک بار اس قسم کی غلطی کی تھی۔ اُنھیں ۲۷ اپریل ۱۸۵۹ع کو لکھتے ہیں[1]:

«بھائی، حاشا ثم حاشا! اگر یہ غزل میری ہو: اسد، اور لینے کے دینے پڑے۔ اُس غریب کو میں کچھ کیوں کہوں؟ لیکن اگر یہ غزل میری ہو، تو مجھ پر ہزار لعنت! اس سے آگے ایک شخص نے یہ مقطع میرے سامنے پڑھا اور کہا کہ قبلہ، آپ نے کیا خوب مطلع کہا ہے:

اسد، اس جفا پر بتوں سے وفا کی

مرے شیر، شاباش، رحمت خدا کی!

میں نے یہی اُن سے کہا کہ اگر یہ مطلع میرا ہو، تو مجھ پر ہزار لعنت!.... تم طرزِ تحریر اور روشِ فکر پر بھی نظر نہیں کرتے۔ میرا کلام اور ایسا مزخرف»!

اسی مہینے میں جنون بریلوی نے کسی غزل کے متعلق دریافت کیا تھا۔ اُنھیں ۲۹ اپریل کو لکھا ہے[2]:

«اس زمین میں کہ جس کا آپ نے قافیہ و ردیف لکھا ہے، میں نے کبھی غزل نہیں لکھی۔ خدا جانے مولوی درویش حسن صاحب نے کس سے اس زمین کا شعر سن کر میرا کلام گمان کیا ہے۔ (اس کے بعد شیو نراین کے خط کا مضمون باختلافِ الفاظ دھرایا ہے۔ بعد ازاں لکھتے ہیں) «اسد اور شیر» اور «بت اور خدا» اور «جفا اور وفا» میری طرزِ گفتار نہیں ہے»۔

میرزا صاحب کی زندگی میں اس قسم کے واقعات اور بھی پیش آئے ہیں۔ چنانچہ علائی کے خط میں اس انتساب کو «مسخِ کلام» سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا ہے[3]:

«پچاس برس کی بات ہے کہ الٰہی بخش خاں مرحوم نے ایک زمین نئی نکالی۔ میں نے حسب الحکم غزل لکھی۔ بیت الغزل یہ:

---

۱ - اردوے معلی: ۳۷۰، خطوط: ۱/۳۹۵ - ۲ - عود: ۱۶۶، اردوے معلی: ۲۱۲ خطوط: ۱/۱۱۵ - ۳ - اردوے معلی: ۴۴۲، خطوط: ۱/۳۴۳-

پلادے اوک سے، ساقی جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا، نہ دے، شراب تو دے

مقطع یہ:

اسدؔ، خوشی سے مرے ہاتھ پانو پھول گئے
کہا جو اُس نے، زرا میرے پانو داب تو دے

اب میں دیکھتا ہوں کہ مطلع اور چار شعر کسی نے لکھ کر اُس مقطع اور اُس بیت الغزل کو شامل اُن اشعار کے کر کے غزل بنالی ہے، اور اُس کو لوگ گاتے پھرتے ہیں۔ مقطع اور ایک شعر میرا، اور پانچ شعر کسی اُلو کے۔ جب شاعر کی زندگی میں گانے والے شاعر کے کلام کو مسخ کردیں، تو کیا بعید ہے کہ دو شاعرِ متوفی کے کلام میں مطربوں نے خلط کر دیا ہو»۔

چونکہ میرزا صاحب نے منشی شیو نراین کو اپنی طرزِ گفتار اور روشِ فکر کے سمجھنے کی دعوت دی ہے، اس لیے مناسب ہوگا کہ ہم بھی میرزا صاحب کے بیانوں کی روشنی میں اُس کے حدود متعین کریں۔

تعریف سخن

میرزا صاحب سخن کی تعریف میں فرماتے ہیں[1]:

«سخن..... گران ارز متاعِ عالمِ قدس است»۔

اس متاعِ عالمِ قدس کو قدرت نے کیا کچھ اوصاف عطا کیے ہیں، اُس کے متعلق دیباچۂ دیوانِ فارسی میں لکھتے ہیں[2]:

«سخن را دوشیزگیِ نہاد، و پاکیزگیِ گوہر، و برشتگیِ مضمون، و گداختگیِ نفس، و چاشنیِ سپاس، و نمکِ شکوہ، و نشاطِ نغمہ، و اندوہِ شیون، و روانیِ کار، و رسائیِ بار، و پردہ کشائیِ راز، و جلوہ فروشیِ نوید، و سازگاریِ آفرین، و دلخراشیِ نکوہش، و ہمواریِ صلا، و درشتیِ دور باش، و گزارشِ وعدہ، و سپارشِ پیام، و بار نامۂ بزم، و ہنگامۂ رزم حاصل»۔

۱۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۹۸۔

۲۔ کلیات فارسی: ۸۔

سخن کی تعریف و توصیف اور مدح و ثنا کے ساتھ اُس کے احسانات کا تذکرہ کرتے ہوے فرماتے ھیں[1]:

«هر آئینه مرا آن خوشتر که زبان بستایشِ فروغِ گوهرِ سخن کشایم، تا درین پرده آهنگِ سپاسگزاریِ سخن آفرین نمایم۔

سخنست که تا روی بمن در آورد، دیرین شیوه های گفتار را بمن تازگی داد۔ سخنست که تا سروش نامم به اسد اللهی بر آورد، تخلص را در غزل به غالب بلند آوازگی داد۔

هر چند روشنیِ من بدین نام بر دانش پرستان بدان تهیدستان ماند که بدریوزه نان جویند و خود را میر بادشاه و خواجه خسرو گویند....لیکن چون این همه نام آوری بفرتابِ سخن گستریست، این فیضِ ازلی را اگر نپزیرم، چه کنم؟ وسگی را به شیری، و بدروزی را به پیروزی اگر نگیرم، چه کنم؟

سخنست که هر گونه کالا را روائی بدوست، و هر گونه کار را شناسائی بدو۔ آنان که از ایزد نشان آرند، هم بگفتار دل از مردم برند؛ و آنان که ایزد را پرستند، هم بر فرستادگانش بسخن درود فرستند.... هیچ اندیشه جز بکالبدِ سخن در نمود نتواند آمد، و هیچ خواهش جز به پیکرِ گفتار در دل فرود نتواند آمد»۔

تعریف شعر

لیکن محفلِ ادب میں جس «سخن» کو بار حاصل ھے، وہ «ایك معشوقۂ پری پیکر ھے، تقطیعِ شعر اُس کا لباس اور مضامین اُس کا زیور ھے۔ دیدہ وروں نے شاھدِ سخن کو اس لباس اور اس زیور میں روکشِ ماہِ تمام پایا ھے»[2]۔

اس شاھد کی تعریف، اُس کے مدارجِ حسن اور اختلافِ روش اور اُس کے داخلی و خارجی اوصاف کی تاثیر کے متعلق فرماتے ھیں[3]:

«گفتارِ موزون که آن را شعر نامند، در هر دل جائی دیگر، و در هر دیده رنگی دیگر، و سخن سرایان را هر زخمه جنبشی دیگر، و هر ساز آهنگی دیگر دارد»۔

لیکن «گفتارِ موزوں» کے الفاظ میں قدرے ابہام تھا، جس سے سیکڑوں دماغ گمراہ ہو گئے

---

۱ ۔ کلیات نثر، پنج آهنگ : ۳۷ ۔ ۲ ۔ عود : ۱۸۰ ۔ ۳ ۔ کلیات نثر، پنج آهنگ : ۱۱۶ ۔

تھے، اس لیے مزید صراحت کرتے ہیں کہ[1] «شاعری معنی آفرینی ہے، قافیہ پیمائی نہیں ہے»۔

ظہوری کے متعلق حسبِ ذیل اشارے سے بھی یہی مترشح ہے کہ میرزا صاحب کے نزدیک شعر میں معنوی پہلو کو ترجیح حاصل ہے۔ فرماتے ہیں[2]:

«یہ لطایفِ معنوی خاص اس بزرگ کے حصے میں آئے ہیں۔ میں جانتا ہوں۔ مشتری اور عطارد نے مل کر ایک صورت پکڑی تھی۔ اُس کا اسم نورالدین اور تخلص ظہوری تھا.... قالب معنی کی جان ہے ظہوری، ناطقہ کی سرافرازی کا نشان ہے ظہوری»۔

اوصاف شعر

میرزا صاحب کے حسبِ ذیل بیانات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اُن کے نزدیک شعر کے لیے کیا اوصاف درکار ہیں۔

ایک قصیدے کی تعریف میں لکھتے ہیں[3]:

«ہزار آفریں! کیا اچھا قصیدہ لکھا ہے، واہ! واہ! چشمِ بد دور! تسلسلِ معنی، سلاستِ الفاظ»۔

مہر کے قصیدے کے متعلق فرماتے ہیں[4]:

«انشاء اللہ خاں کا بھی قصیدہ میں نے دیکھا ہے۔ تم نے بہت بڑھ کر لکھا ہے، اور اچھا سماں باندھا ہے۔ زبان پاکیزہ، مضامین اچھوتے، معانی نازک، مطالب کا بیان دلنشیں»۔

شفق کی ایک فارسی غزل کے متعلق تحریر کیا ہے[5]:

«کیا پاکیزہ زبان ہے، اور کیا طرزِ بیان!»

بیخبر کی غزل کی داد دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے[6]:

«رام پور ہی میں تھا کہ اودھ اخبار میں حضرت کی غزل نظر فروز ہوئی۔ کیا کہنا ہے! «ابداع» اس کو کہتے ہیں۔ «جدتِ طرز» اس کا نام ہے۔ جو ڈھنگ تازہ نوایانِ ایران کے خیال میں نہ گزرا تھا، وہ تم برروئے کار لائے ہو»۔

۱۔ خطوط: ۸۴/۱۔ ۲۔ عود: ۳۹۔ ۳۔ خطوط: ۷۹/۱۔ ۴۔ اردوئے معلی: ۲۶۵، خطوط: ۲۹۸/۱۔

۵۔ عود: ۵۴، اردوئے معلی: ۳۱۳، خطوط: ۱۳۲/۱۔ ۶۔ اردوئے معلی: ۲۷۹۔

مہر کی غزل کے ایک شعر کی داد دیتے ہوے لکھتے ہیں[1]:

«سحر ہوگی، خبر ہوگی، اس زمین میں وہ شعر، یعنی:

تمھارے واسطے دل سے مکاں کوئی نہیں بہتر

جو آنکھوں میں تمھیں رکھوں، تو ڈرتا ہوں، نظر ہوگی

کتنا خوب ہے. اور اردو کا کیا اچھا اسلوب ہے»!

مہر کی مثنوی کے بارے میں فرماتے ہیں[2]:

«مثنوی پہنچی ۔ جھوٹ بولنا میرا شعار نہیں ۔ کیا خوب بول چال ہے! انداز اچھا، بیان اچھا، روزمرہ صاف، حبشنوں کا استغاثہ، کیا کہوں، کیا مزہ دے رہا ہے!»

تفتہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں[3]:

«یہ جو تم نے التزام کیا ہے ترصیع کی صنعت کا اور دولخت شعر کہنے کا، اس میں ضرور نشستِ معنی بھی ملحوظ رکھا کرو» ۔

اپنی ایک غزل کے متعلق ناسخ لکھنوی کو تحریر کیا ہے[4]:

«غزلی کہ اندرین روزھا بتازگی در روشِ تازہ گفتہ ام، بعدِ عذرخواھیِ تقصیرِ کوتہ قلمی بر حاشیۂ مکتوب می نگارم» ۔

امیر اللہ سرور کو حیدر علی افصح کی غزل کے متعلق لکھتے ہیں[5]:

«روشی پسندیدہ و طرزی گزیدہ دارد، و ھمین است شیوۂ مکرمی شیخ امام بخش ناسخ و خواجہ حیدر علی آتش و دیگر تازہ خیالانِ لکھنؤ» ۔

سرور کے ایک شعر کی ان الفاظ میں داد دیتے ہیں[6]:

«رجب علی بیگ سرور نے جو "افسانۂ عجائب" لکھا ہے، آغازِ داستان کا شعر اب بھی مجھ کو بہت مزہ دیتا ہے:

یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ　　　یاد رکھنا، فسانہ ہیں ہم لوگ

مصرعِ ثانی کتنا گرم ہے، اور، یاد رکھنا، فسانے کے واسطے کتنا مناسب» ۔

---

۱ ۔ عود : ۱۱۱، اردوے معلی : ۲۶۸، خطوط : ۱/۳۰۹ ۔　　۲ ۔ عود : ۱۱۷، اردوے معلی : ۲۵۰، خطوط : ۱/۲۹۷ ۔
۳ ۔ خطوط : ۱/۱۸ ۔ ٤ ۔ کلیات نثر، پنج آہنگ : ٥٤ ۔　　٥ ۔ ایضاً : ٥۹ ۔　　٦ ۔ اردوے معلی : ۲۰٥، خطوط : ۱/۳۷ ۔

نواب باندہ کے اشعار پر تبصرہ کرتے ہوے فرماتے ھیں[1]:

«زھے لطفِ طبع، و حدتِ ذھن، و سلامتِ فکر و حسنِ بیان۔ ھرگاہ در آغاز چنین بودہ اند، بشرطِ دوامِ ورزش و التزامِ مشق، حقا کہ در اندك مایہ مدت عَلَمِ یکتائی خواھند افراشت»۔

جنون بریلوی کو تحریر کیا ھے[2]:

«عربی میں تعقیدِ لفظی و معنوی دونوں معیوب ھیں۔ فارسی میں تعقیدِ معنوی عیب اور تعقیدِ لفظی جائز ھے، بلکہ فصیح اور ملیح۔ ریختہ تقلید ھے فارسی کی»۔

ناسخ مرحوم کے متعلق فرماتے ھیں[3]:

«مولانا ناسخ کہ در سخن طرحِ نوی ریختۂ اوست، و در ریختہ نقشِ بدیع انگیختۂ او»۔

اُنھیں کے بارے میں یہ کہا ھے[4]:

«سبحان اللہ، سخن بروزگارِ مخدوم بپایۂ بلند رسید، و اردو را رونقِ دیگر پدید آمد»۔

نسّاخ کو لکھا ھے[5]:

«شیخ امام بخش طرزِ جدید کے موجد اور پرانی ناھموار روشوں کے ناسخ تھے»۔

خود اپنے کلام کے متعلق ارشاد ھوتا ھے[6]:

«میرا فارسی کا دیوان جو دیکھے گا، وہ جانے گا کہ جملے کے جملے مقدر چھوڑ جاتا ھوں»۔

لیکن میرزا صاحب کے نزدیك جملوں کو مقدر چھوڑنے کے لیے ضروری ھے کہ سننے والے کا ذھن حذف شدہ الفاظ کی طرف بسہولت منتقل ھوسکے، ورنہ وہ اس کو عیب شمار کرتے تھے۔ میر مہدی مجروح کو لکھا ھے[7]:

«می خواھم از خدا و نمی خواھم از خدا
دیدن حبیب را و ندیدن رقیب را

لف و نشرِ مرتب ھے۔ می خواھم از خدا دیدن حبیب را۔ نمی خواھم از خدا ندیدن رقیب را خوار و زار و خستہ و سوگوار»۔

معنی تو اس میں موجود ھیں، مگر بول چال ٹکسال باھر ھے۔ ایك جملے کا جملہ مقدر چھوڑ

۱۔ کلیات نثر، پنج آھنگ: ۱۱۱۔ ۲۔ خطوط: ۱/۱۲۶۔ ۳۔ کلیات نثر، پنج آھنگ: ۳۵۔ ٤۔ ایضاً: ۵۳۔
۵۔ عود: ۱۲۵، اردوے معلی: ۲۰٤۔ ٦۔ خطوط: ۱/۲۵۔ ۷۔ ایضاً: ۱/۲۸٦۔

دیا ہے، اور پھر اس بھونڈی طرح سے کہ جس کو 'المعنی فی بطن الشاعر' کہتے ہیں»۔

نساخ کے دیوان پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھا ہے[1]:

«میں دروغ گو نہیں۔ خوشامد میری خو نہیں۔ دیوانِ فیض عنوان اسمِ بامسمی ہے۔ دفترِ بیمثال اس کا نام بجا ہے۔

الفاظ متین، معانی بلند، مضمون عمدہ، بندش دل پسند»۔

عیوب شعر

محاسنِ شعر کے ساتھ عیوبِ شعر پر میرزا صاحب کا نقطۂ نگاہ دریافت کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہوگا۔ جیسا کہ کئی جگہ ذکر کیا گیا ہے، وہ ابتدا میں، بیدل کی پیروی میں، کوشش کر کے ایسا خیال نظم کرتے تھے، جو عام دماغوں کی دسترس سے باہر ہو۔ لیکن آخر میں اس سے خود بھی احتراز کرنے لگے تھے اور شاگردوں کو بھی اس سعیِ نامشکور سے باز رکھتے تھے۔ جنون بریلوی کو لکھتے ہیں[2]:

«قطرۂ مے بس کہ حیرت سے نفس پرور ہوا
خطِّ جامِ مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا

اس مطلع میں خیال ہے دقیق، مگر کوہ کندن و کاہ بر آوردن، یعنی، لطف زیادہ نہیں»۔

اسی طرح میرزا صاحب کو یہ بھی ناپسند تھا کہ مطلع میں تخلص باندھا جائے۔ قدر کو لکھتے ہیں[3]:

«مطلع میں نام اپنا لکھنا رسم نہیں ہے۔ میر کا تخلص اور صورت رکھتا ہے۔ 'میر جی، اور 'میر صاحب، کر کے وہ اپنے کو لکھ جاتا ہے۔ اور کو اس بدعت کا تتبع نہ چاہیے»۔

دیوان کی پہلی غزل کے مطلع میں حروف و الفاظ کی قید کے بھی قائل نہ تھے۔ قدر ہی کو لکھا ہے[4]:

آغازِ دیوان کے شعر، یعنی مطلع، میں ہرگز حروف و الفاظ کی قید نہیں ہے۔ ہاں، ردیف الف کی۔ یہ امر قابل پرسش کے نہیں، بدیہی ہے۔ دیکھ لو اور سمجھ لو۔ یہ جو دیوان مشہور ہیں، حافظ و صائب و سلیم و کلیم، ان کے آغاز کی غزل کے مطلعے دیکھو اور حروف و

---

۱ - عود، : ۱۲۵ اردوے معلی : ۲۰۴ - ۲ - خطوط:۱/۱۲۵ - ۳ - ایضاً : ۱/۱۹۳ - ۴ - ایضاً : ۱/۱۹۴ -

الفاظ کا مقابلہ کرو - کبھی ایک صورت، ایک ترکیب، ایک زمین، ایک بحر نہ پاؤگے، چہ جائے اتحادِ حروف و الفاظ؟ لا حول و لا قوۃ الا باللہ» -

توارد کے متعلق میرزا صاحب کی رائے یہ تھی کہ اگر پس رو شاعر اپنے پیش رو سے مضمون آفرینی یا طرزِ ادا میں زیادہ لطف و خوبی پیدا کردے، تو یہ اُس کے لیے قابلِ فخر بات ہے - میرزا تفتہ کو لکھتے ہیں[1]:

«ایک مصرع میں تم کو محمد اسحٰق شوکت بخاری سے توارد ہوا - یہ بھی محلِّ فخر و شرف ہے کہ جہاں شوکت پہنچا، وہاں تم پہنچے - وہ مصرع یہ ہے:

چاک گردیدم و از جیب بداماں رفتم

پہلا مصرع تمہارا، اگر اُس کے پہلے مصرع سے اچھا ہوتا، تو میرا دل اور زیادہ خوش ہوتا» -

خود میرزا صاحب پر کسی نے یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ کو فلاں شاعر سے توارد ہوا ہے - اس کے جواب میں فرماتے ہیں[2]:

هزار معنی، سرجوش خاصِ نطقِ منست
کز اهلِ ذوق دل، و گوی از عسل بردست

ز رفتگان بیکے، گر توارد م رو داد
مدان که خوبیِ آرایشِ غزل بردست

مراست ننگ، ولی فخرِ اوست، کان بسخن
بسعیِ فکرِ رسا، جا بدان محل بردست

مبر گمانِ توارد، یقین شناس که دزد
متاعِ من ز نهان خانهٔ ازل بردست

اس قطعے کی تہ میں بھی وہی خیال پنہاں ہے، جس کا اوپر کے خط میں ذکر کیا ہے، گو معترض کو جلانے کے لیے بات اُلٹ دی ہے -

میرزا صاحب کو خواہ مخواہ کی قیود کا التزام بھی ناپسند تھا - تفتہ نے شاید اپنے قصائد

---

۱ - خطوط: ۱/۷۹ -
۲ - کلیات فارسی: ۱۳ -

کو حروفِ تہجی پر مرتب کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اُنھیں لکھتے ھیں[1]:

«خبردار، قصاید بقیدِ حروفِ تہجی نہ جمع کرنا»۔

غالباً کچھ محقق انگریزی الفاظ نیز اُن مصطلحات کو جو سرکاری دفاتر کی پیداوار تھے یا انگریزی تہذیب و تمدن کی بدولت مروّج ہوے تھے، ٹکسال باھر جانتے تھے، اور اپنے روز مرہ میں اُن کے استعمال سے پرھیز کرتے تھے۔ میرزا صاحب نے اس کے متعلق سنہ ۱۸۵۸ع میں قدر بلگرامی کو لکھا ھے[2]:

«چابی، لغتِ انگریزی ھے۔ اس زمانے میں اس اسم کا شعر میں لانا جائز ھے، بلکہ مزہ دیتا ھے۔ تار بجلی، اور دخانی جہاز کے مضامین میں نے اپنے یاروں کو دیے ھیں۔ اوروں نے بھی باندھے ھیں۔ روبکاری اور طلبی اور فوجداری اور سررشتہ داری، خود یہ الفاظ میں نے باندھے ھیں»۔

لیکن عام طور سے میرزا صاحب انتخابِ الفاظ میں بہت محتاط تھے۔ قاضی عبدالجمیل بریلوی کو سنہ ۱۸۶۴ع میں ھدایت کی ھے کہ کایتھوں کی اردو سے بچیے۔ فرماتے ھیں[3]:

ھم نے غیروں کی غمگساری کی   گھات میں مدعا برآری کی

تقدیم و تاخیرِ مصرعتین کر کے رھنے دو۔ اس میں کوئی سقم نہیں۔ 'مدعا برآری، کایتھوں کا لفظ ھے۔ میں اس طرح کے الفاظ سے احتراز کرتا ھوں، مگر چونکہ من حیث المعنی یہ لفظ صحیح ھے، مضائقہ نہیں»۔

قصیدے کے اخیر میں ایسے الفاظ جو خاتمے پر دلالت کرتے ھوں، نہ لانے کو بھی میرزا صاحب عیب جانتے تھے۔چنانچہ میرزا تفتہ کو لکھا ھے[4]:

«ایک خیال رکھا کرو کہ شعرِ اخیر میں کوئی بات ایسی آجائے کہ جس سے اختتام کے معنی پیدا ھوا کریں»۔

ایطا بھی اُن کے نزدیک عیب تھا۔ چنانچہ ایک مکتوب میں تفتہ کو بگڑ کر لکھا ھے[5]:

حضرت، اس غزل میں 'پروانہ، و 'پیمانہ، و 'بتخانہ، تین قافیے اصلی ھیں۔ 'دیوانہ، چونکہ عَلَم قرار پاکر ایک لغتِ جداگانہ مشخص ھو گیا ھے، اس کو بھی قافیۂ اصلی سمجھ لیجیے۔

---

۱ - خطوط: ۱/۷۹ -   ۲ - ایضاً : ۱/۱۸۸ -   ۳ - ایضاً : ۱/۱۲۵ -   ٤ ایضاً : ۱/۹۱ -   ۵ - ایضاً : ۱/۹۸ -

باقی 'غلامانہ'، و 'مستانہ'، و 'مردانہ'، و 'ترکانہ'، و دلبرانہ'، و 'شکرانہ'، سب ناجائز و نا مستحسن؛ ایطا اور ایطا بھی قبیح .... یاد رہے، ساری غزل میں 'مردانہ'، یا 'مستانہ'، یا ان کے نظائر میں سے ایک جگہ آوے، دوسری بیت میں زنہار نہ آوے۔ یہ غزل نظری ہوگئی»۔

غزل کے اشعار کی زاید تعداد بھی پسند نہ تھی۔ فرماتے ہیں[1]:

«ایک بات اور تمہارے خیال میں رہے کہ میری غزل پندرہ سولہ بیت کی بہت شاذ و نادر ہے۔ بارہ بیت سے زیادہ اور نو شعر سے کم نہیں ہوتی»۔

صنائع لفظی

میرزا صاحب بے مزہ لفظی صنعتوں سے بہت کم کھیلتے تھے، اس لیے اُن کے اشعار میں تناسبِ الفاظ یا کوئی اور صنعت نظر آتی ہے، تو میں اُسے ان کے قصد و ارادے پر محمول نہیں کرتا۔ نیز میرا خیال یہ ہے، کہ اُنھوں نے اپنے اشعار نیز دوسروں کے کلام میں صرف اُس لفظی صنعت کو پسند کیا ہے، جو معنی پر اثر انداز ہوکر پڑھنے والے کو داخلی حسن سے لطف اندوزی کا موقع دے۔ شیو نراین کے ایک خط کے جواب میں فرماتے ہیں[2]:

«بھائی، حاشا، ثم حاشا! اگر یہ غزل میری ہو:

اسد اور لینے کے دینے پڑے

اُس غریب کو میں کچھ کیوں کہوں؟ لیکن اگر یہ غزل میری ہو، تو مجھ پر ہزار لعنت! اس سے آگے، ایک شخص نے یہ مطلع میرے سامنے پڑھا اور کہا کہ قبلہ، آپ نے کیا خوب مطلع کہا ہے!

اسد، اس جفا پر بتوں سے وفا کی　　　　مرے شیر، شاباش، رحمت خدا کی!

میں نے بھی اُن سے کہا کہ اگر یہ مطلع میرا ہو، تو مجھ پر لعنت!.... تم طرزِ تحریر اور روشِ فکر پر بھی نظر نہیں کرتے؟ میرا کلام اور ایسا مزخرف»!

اتفاقاً اُسی زمانے میں قاضی عبدالجمیل صاحب نے کسی غزل کے ردیف و قافیے کا حوالہ دے کر پوری غزل مانگی۔ میرزا صاحب نے شیو نراین کے نام کے ایک خط میں تین دن بعد ۲۹ اپریل سنہ ۱۸۵۹ع کو مذکورۂ بالا باتیں لکھیں، اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ[3]:

۱ - اردوے معلی:۳۶۸، خطوط:۱/۳۹۳ - ۲ - اردوے معلی:۳۷۰، خطوط:۱/۳۹۵ - ۳ - عود:۱۶۶، اردوے معلی:۲۱۲، خطوط:۱/۱۱۵ -

«اسد اور شیر، اور بت اور خدا، اور جفا اور وفا، یہ میری طرزِ گفتار نہیں ہے»۔

کلیاتِ فارسی کے دیباچے میں فرماتے ہیں[1]:

«نہ ترانۂ صرف و اشتقاقم بر لب است، و نہ زمزمۂ سلب و ایجابم بزبان۔ نہ خونِ صراحم بگردن ست و نہ نعشِ قاموسم بر دوش۔ نہ آبلہ پای جادۂ صنایعم، و نہ گوہر آمای رشتۂ مدایح۔ کبابِ گرمیِ آتشِ بیدودِ پارسیم، و خرابِ تلخیِ بادۂ پُر زورِ معنی»۔

لفظی صنعتوں سے پرہیز کا یہ نتیجہ نکلا کہ میرزا صاحب معمّا اور تاریخ گوئی میں اچھی دستگاہ پیدا نہ کرسکے۔ معما تو شاید اُنہوں نے ایک بھی نہیں لکھا۔ البتہ تاریخیں ضرور لکھی ہیں۔ مگر وہ بھی زیادہ تر اُس زمانے کی کہی ہوئی ہیں، جب قوائے فکری میں اضمحلال پیدا نہیں ہوا تھا، اور پھر بھی تعمیہ و تخرجہ سے بہت کم خالی ہیں۔

میجر جان جاکوب کو اس کی وجہ بھی لکھی ہے۔ فرماتے ہیں[2]:

«سوگند کہ ہیچگاہ دل بفنّ تاریخ و معما نہ نہادہ ام. و صنعتِ الفاظ را بر معنی نگزیدہ»۔

سیّاح کو دوسری وجہ لکھی ہے[3]:

«میں فنّ تاریخ گوئی و معمّا سے بیگانۂ محض ہوں۔ اردو زبان میں کوئی تاریخ میری نہ سنی ہوگی۔ فارسی دیوان میں دو چار تاریخیں ہیں۔ اُن کا حال یہ ہے کہ مادّہ اوروں کا ہے، اور اشعار میرے ہیں۔ تم سمجھے کہ میں کیا کہتا ہوں؟ حساب سے میرا جی گھبراتا ہے، اور مجھ کو جوڑ لگانا نہیں آتا۔ جب کوئی مادّہ بناؤں گا، حساب درست نہ پاؤں گا۔ دو ایک دوست ایسے تھے کہ اگر حاجت ہوتی، تو مادّۂ تاریخ وہ مجھے ڈھونڈ لادیتے، موزوں میں کرتا»۔

اپنے دیوانے بھائی کی تاریخ کا ایک مادّہ خود نکالا تھا۔ اُس کے متعلق علائی کو لکھتے ہیں[4]:

«میاں، اس کو سب جانتے ہیں کہ میں مادّۂ تاریخ نکالنے میں عاجز ہوں۔ لوگوں کے مادّے دیے ہوئے نظم کردیتا ہوں۔ اور جو مادّہ اپنی طبیعت سے پیدا کرتا ہوں، وہ بیشتر لچر ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اپنے بھائی کی رحلت کا مادّہ «دریغ دیوانہ» نکالا، پھر اُس میں سے

۱- کلیات فارسی : ۱۱- ۲- کلیات نثر، پنج آہنگ : ۸۱- ۳- اردوے معلی : ۳۸۶ لاہور ایڈیشن-
۴- اردوے معلی: ۴۳۴، خطوط: ۱/۳۱۹-

«آھے» کے عدد گھٹائے۔

تمام دوپہر اسی فکر میں رہا۔ یہ نہ سمجھنا کہ مادّہ ڈھونڈھا۔ تمھارے نکالے ہوئے دو لفظوں کو تاکا کیا کہ کسی طرح سات اس پر بڑھاؤں۔ بارے، ایک قطعہ درست ہوا؛ مگر تمھاری زبان سے۔ یعنی، گویا تم نے کہا ھے۔ پانچ شعر میں تین شعر زاید، دو موضحِ مدعا۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ تعمیہ اچھا ھے یا برا ھے۔ ھاں. اغلاق تو البتہ ھے، تامل سے سمجھ میں آتا ھے اور شاید لوحِ مزار پر کھدوانے کے قابل نہو»۔

منشی شیو نراین نے ایک تاریخ کی فرمایش کی، تو اُس کے جواب میں فرمایا[1]:

«رات بھر میں نے فکرِ شعر میں خونِ جگر کھایا۔ اکیس شعر کا قصیدہ کہہ کر تمھارا حکم بجا لایا۔

میرے دوست، خصوصاً میرزا تفتہ جانتے ھیں کہ میں فنِّ تاریخ کو نہیں جانتا۔

اس قصیدے میں ایک روشِ خاص سے اظہار سنہ ۱۸۵۸ع کا کردیا ھے۔ خدا کرے تمھاری پسند آوے۔ تم خود قدردانِ سخن ہو، اور تین اُستاد اس فن کے تمھارے یار ھیں۔ میری محنت کی داد مل جائے گی»۔

ان شاعرانہ داؤ پیچوں کو میرزا صاحب مرتبۂ شاعری سے فروتر سمجھتے تھے۔ چنانچہ اُن کے ایک مخلص دوست منشی نبی بخش نے سنہ ۱۸۶۰ع میں انتقال کیا، تو تفتہ نے قطعۂ تاریخ کی فرمایش کی، اور ظاھر کیا کہ یہ مرحوم کا ھم پر حق ھے۔ اُس کے جواب میں لکھتے ھیں[2]:

«فنِّ تاریخ کو دونِ مرتبۂ شاعری جانتا ھوں۔ اور تمھاری طرح سے یہ بھی میرا عقیدہ نہیں ھے کہ تاریخِ وفات لکھنے سے اداے حقِّ محبت ھوتا ھے»۔

نواب علاؤلدین احمد خاں بہادر علائی کے یہاں لڑکا پیدا ھوا، تو اُنھوں نے قطعۂ تاریخِ ولادت اور تاریخی نام کی فرمایش کی۔ میرزا صاحب نے اُس کے جواب میں جو عذر تراشے ھیں، اُن سے بخوبی ظاھر ھوتا ھے کہ اس گورکھ دھندے سے اُنھیں کس درجہ طبعی بُعد تھا۔ فرماتے ھیں[3]:

«مولانا نسیمی! کیوں خفا ھوتے ھو؟ ھمیشہ سے اسلاف و اخلاف ھوتے چلے آئے

۱ - اردوے معلی:۳۴۹، خطوط:۱/۲۷۵ - ۲ - اردوے معلی:۱۱۴، خطوط:۱/۷۷ - ۳ - اردوے معلی:۴۱۷، خطوط:۱/۲۲۳ -

ہیں ۔ اگر نیّر خلیفۂ اوّل ہے، تم خلیفۂ ثانی ہو ۔ اُس کو عمر میں تم پر تقدمِ زمانی ہے ۔ جانشین دونوں، مگر ایک اوّل ہے اور ایک ثانی ہے ۔

شیر اپنے بچوں کو شکار کا گوشت کھلاتا ہے ۔ طریقِ صیدافگنی سکھاتا ہے ۔ جب وہ جوان ہو جاتے ہیں، آپ شکار کر کھاتے ہیں ۔ تم سخنور ہوگئے ۔ حسنِ طبعِ خدا داد رکھتے ہو ۔ ولادتِ فرزند کی تاریخ کیوں نہ کہو؟ اسمِ تاریخی کیوں نہ نکال لو کہ مجھ پیرِ غمزدہ، دل مردہ کو تکلیف دو؟

علاؤالدین خاں، تیری جان کی قسم! میں نے پہلے لڑکے کا اسمِ تاریخی نظم کردیا تھا، اور وہ لڑکا نہ جیا ۔ مجھ کو اس وہم نے گھیرا ہے کہ میری نحوستِ طالع کی تاثیر تھی ۔ میرا ممدوح جیتا نہیں ۔ نصیر الدین حیدر اور امجد علی شاہ ایک ایک قصیدے میں چل دیے ۔ واجد علی شاہ تین قصیدوں کے متحمل ہوئے، پھر نہ سنبھل سکے ۔ جس کی مدح میں دس بیس قصیدے کہے گئے، وہ عدم سے بھی پرے پہنچا ۔

نا صاحب، دہائی خدا کی! میں نہ تاریخِ ولادت کہوں گا، نہ نامِ تاریخی ڈھونڈوں گا» ۔

میرزا صاحب کا یہ خیال اس درجہ راسخ تھا کہ وہ قافیے سامنے رکھ کر شعر کہنا بھی پسند نہیں کرتے تھے، کہ اس طرح قافیے کی پابندی کے باعث سے خواہ مخواہ الفاظ کے پھندے میں پھنسنا پڑتا ہے ۔ میرزا تفتہ کو لکھتے ہیں[1]:

«کیا ہنسی آتی ہے کہ تم، مانند اور شاعروں کے، مجھ کو بھی یہ سمجھے ہو کہ اُستاد کی غزل یا قصیدہ سامنے رکھ لیا، یا اُس کے قوافی لکھ لیے اور اُن قافیوں پر لفظ جوڑنے لگے ۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ ۔

بچپن میں جب میں ریختہ لکھنے لگا ہوں، لعنت ہے مجھ پر! اگر میں نے کوئی ریختہ یا اُس کے قوافی پیشِ نظر رکھ لیے ہوں ۔ صرف بحر اور ردیف قافیہ دیکھ لیا، اور اُس زمین میں غزل، قصیدہ لکھنے لگا ۔

تم کہتے ہو نظیری کا دیوان وقتِ تحریرِ قصیدہ پیشِ نظر ہوگا، اور جو اُس کے قافیے کا شعر دیکھا ہوگا، اُس پر لکھا ہوگا ۔ واللہ! اگر تمہارے اس خط کے دیکھنے سے پہلے میں

---

۱ - خطوط: ۱/۸۴ ۔

یہ بھی جانتا ہوں کہ اس زمین میں نظیری کا قصیدہ بھی ہے۔ چہ جائے آں کہ وہ شعر،۔
اسی طرح آخرِ عمر میں میرزا صاحب اساتذہ کی اُن زمینوں میں بھی شعر کہنے سے بچنے لگے تھے، جو اپنی عمدگی و برتری میں لا جواب ہیں، اس لیے کہ اس صورت میں جواب لکھنے والے کو خواہ مخواہ کہنا پڑتا ہے اور میدانِ معنی کی راہ مسدود ہوجانے کے باعث صرف الفاظ کے اُلٹ پھیر پر مدار باقی رہ جاتا ہے۔ علائی نے ایک غزل پر شعر کہنے کی فرمایش کی، تو فرماتے ہیں[1]:

«در بزمِ وصالِ تو بھنگامِ تماشا　　نظّارہ زِ جنبیدنِ مژگان گلہ دارد

یہ زمین قدسی،[2] علیہ الرحمہ، کے حصّے میں آگئی ہے۔ میں اس میں کیوں کر تخم ریزی کروں؟ اور اگر بے حیائی سے کچھ ھاتھ پانو ھلاؤں، تو اس شعر کا جواب کہاں سے لاؤں؟

ہرگز نتواں گفت درین قافیہ اشعار　　بیجا است، برادر اگر از من[3] گلہ دارد»

میزان شعر

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ میرزا صاحب کے نزدیک اچھا شعر مذکورۂ بالا اوصاف کا جامع اور عیوبِ مقررہ سے خالی ہوگا۔ لیکن ہر شخص کے لیے دشوار ہے کہ مختلف شعرا کے کلام کو اس نقطۂ نگاہ سے جانچ سکے، اس لیے میرزا صاحب نے ایک میزانِ شعر مقرر کردی، تاکہ اُس پر فارسی و اردو کے تمام شاعروں کا کلام پرکھا جاسکے۔ فرماتے ہیں[4]:
«میرا قیاس اس کا مقتضی ہے کہ پیر و مرشد، حضرت صاحبِ عالم، مجھ سے آزردہ ہیں، اور وجہ اُس کی یہ ہے کہ میں نے ممتاز و اختر کی شاعری کو ناقص کہا تھا۔ اس رقعے میں ایک میزان عرض کرتا ہوں۔ حضرت صاحب ان صاحبوں کے کلام کو، یعنی ھندیوں کے اشعار کو، قتیل اور واقف سے لے کر بیدل اور ناصر علی تک، اس میزان میں تولیں۔ میزان یہ ہے:
(۱) رودکی و فردوسی سے لے کر خاقانی و سنائی و انوری و غیرہم تک ایک گروہ۔ ان حضرات کا کلام تھوڑے تھوڑے تفاوت سے ایک وضع پر ہے۔

---

۱ - اردوے معلی: ۴۲۰، خطوط: ۳۴۲/۱ - ۲ - قاضی عبد الودود صاحب کی تحقیق کے مطابق یہ شعر نصرت اللہ نصرتی عظیم آبادی کا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ مجلۂ معاصر، پٹنہ، حصۂ اول ۱۰۰ - ۳ - قافیہ «من» کی جگہ «مان» ہونا چاہیے -
۴ - عود: ۴۵، اردوے معلی: ۱۴۹ -

(۲) پھر حضرتِ سعدی طرزِ خاص کے موجد ہوے۔ سعدی و جامی و ہلالی. یہ اشخاص متعدد نہیں۔

(۳) فغانی اور ایک شیوۂ خاص کا مبدع ہوا۔ خیالہاے نازک و معانیِ بلند لایا۔ اس شیوے کی تکمیل کی ظہوری و نظیری و عرفی و نوعی نے۔ سبحان اللہ! قالبِ سخن میں جان پڑگئی۔

(٤) اس روش کو بعد اس کے صاحبانِ طبع نے سلاست کا چربا دیا۔ صائب و کلیم و سلیم و قدسی و حکیمِ شفائی اس زمرے میں ہیں۔

رودکی و اسدی و فردوسی، یہ شیوہ سعدی کے وقت میں ترک ہوا۔ اور سعدی کی طرز نے، بسبب سہلِ ممتنع ہونے کے، رواج نہ پایا۔ فغانی کا انداز پھیلا. اور اُس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے۔ تو اب طرزیں تین ٹھہریں ہیں:

(۱) خاقانی، اُس کے اقران۔ (۲) ظہوری، اُس کے امثال۔ (۳) صائب. اُس کے نظایر۔ خالصاً للہ! ممتاز و اختر و غیرہم کا کلام، ان تین طرزوں میں سے کس طرز پر ہے؟ بے شبہہ فرماؤگے کہ یہ طرز اور ہی ہے۔ پس تو ہم نے جانا کہ یہ طرز چوتھی ہے۔ کیا کہنا ہے! خوب طرز ہے! اچھی طرز ہے! مگر فارسی نہیں ہے، ہندی ہے۔ دارالضربِ شاہی کا سکہ نہیں ہے، ٹکسال باہر ہے۔ داد، داد! انصاف، انصاف!

اگرچہ شاعرانِ نغز گفتار — زیک جام اند در بزمِ سخن مست

ولی با بادۂ بعضی حریفان — خمارِ چشمِ ساقی نیز پیوست

مشو منکر کہ در اشعارِ این قوم — ورای شاعری. «چیزی دگر» ہست

وہ «چیزِ دگر» پارسیوں کے حصے میں آئی ہے۔ ہاں، اردو زبان میں اہلِ ہند نے وہ چیز پائی ہے۔ میر تقی، علیہ الرحمۃ:

بدنام ہوگے. جانے بھی دو امتحان کو

رکھے گا کون تم سے عزیز اپنی جان کو

سودا:

دکھلائیے، لے جا کے تجھے، مصر کا بازار

خواہاں نہیں، لیکن، کوئی واں جنسِ گراں کا

قایم:

قایم اور تجھ سے طلب بوسے کی، کیوں کر مانوں؟

ہے تو ناداں، مگر اتنا بھی بد آموز نہیں

مومن خاں:

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ناسخ کے ہاں کم تر اور آتش کے ہاں بیش تر، یہ تیر و نشتر ہیں۔ مگر مجھے اُن کا کوئی شعر اس وقت یاد نہیں آتا۔

اس طرزِ گفتار کا نام میرزا صاحب نے «شیوا بیانی» رکھا تھا، اور شیوا بیان شاعر کے لیے ان چار اوصاف کو لازم قرار دیا تھا[1]:

«سخنِ عشق و عشقِ سخن، کلامِ حُسن و حُسنِ کلام»۔

سہل ممتنع

اگر مذکورۂ بالا اوصاف کو ایک جامع و مانع لفظ سے ادا کرنا چاہیں، تو کہ سکتے ہیں کہ شعر کی خوبی اور اُس کا حسن یہ ہے کہ «سہلِ ممتنع» ہو۔ میرزا صاحب نے بھی اسی صفت کو حسنِ بیان کی معراج قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں[2]:

«سہلِ ممتنع اُس نظم و نثر کو کہتے ہیں کہ دیکھنے میں آسان نظر آئے اور اُس کا جواب نہو سکے۔ بالجملہ سہلِ ممتنع، کمالِ حسنِ کلام ہے اور بلاغت کی نہایت ہے۔ ممتنع، در حقیقت ممتنع النظیر ہے۔

شیخ سعدی کے بیشتر فقرے اس صفت پر مشتمل ہیں۔ اور رشیدِ وطواط وغیرہ شعراے سلف نظم میں اس شیوے کی رعایت منظور رکھتے ہیں۔

خود ستائی ہوتی ہے۔ سخن فہم اگر غور کرے گا، تو فقیر کی نظم و نثر میں سہلِ ممتنع اکثر پائے گا»۔

اپنے اشعار کے متعلق میرزا صاحب کا یہ خیال اتنا پختہ ہوگیا تھا کہ وہ اُسے عام ریختہ اشعار سے الگ قسم کا کلام مانتے تھے، اور میر و میرزا کے کلام سے بھی بالاتر سمجھتے

---

۱ - کلیات نثر: ۳۹ -

۲ - عود: ۱۴۰ -

تھے۔ چنانچہ منشی نبی بخش حقیر کو یہ غزل

سب کہاں، کچھ، لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں، کیا صورتیں ہوں گی کہ، پنہاں ہوگئیں!

بھیجی۔ تو اُس کے ساتھ یہ بھی لکھا[1]:

«بھائی، خدا کے واسطے، غزل کی داد دینا! اگر ریختہ یہ ہے، تو میر و میرزا کیا کہتے تھے؟ اگر وہ ریختہ تھا، تو پھر یہ کیا ہے؟»

اور اتنا ہی نہیں، بلکہ اپنے اشعارِ ریختہ کو سحر یا اعجاز بھی قرار دیتے تھے۔ چنانچہ انہیں حقیر کو یہ غزل:

کہتے تو ہو تم سب کہ بتِ غالیہ مو آئے　　　یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وو آئے

بھیجتے ہوئے، مستفسرانہ لکھا ہے[2]:

«داد دینا کہ اگر ریختہ پایۂ سحر یا اعجاز کو پہنچے، تو اُس کی یہی صورت ہوگی یا کچھ اور شکل؟»

اُن کے اس استفسار کا حقیر نے کیا جواب دیا، اس کا واقعی علم نہ ہوسکا۔ لیکن اُنہیں لکھنا یہی چاہیے تھا کہ اگر ریختہ پایۂ سحر یا اعجاز کو پہنچے گا، تو اُس کی صرف یہی ایک صورت ہوگی، دوسری ہرگز نہیں ہوسکتی۔

شرکت مشاعرہ

میرزا صاحب مشاعروں میں بھی شریک ہوتے اور طرح میں دادِ سخن سرائی دیا کرتے تھے۔ ان میں سے کلکتے اور دہلی کے چند مشاعروں کا تذکرہ اُن کے خطوں میں ملتا ہے۔

کلکتے کے مشاعرے

شعبان ۱۲۴۳ھ (فروری ۱۸۲۸ع) سے ربیع الاول ۱۲۴۵ھ (ستمبر ۱۸۲۹ع) تک میرزا صاحب کلکتے میں مقیم رہے۔ اُن کا یہ سفر اپنی پنشن کے سلسلے میں تھا۔ لیکن اُن کے ادبی ذوق سے لطف اُٹھانے کے لیے

۱ ۔ نادرات غالب : ۲۶ ۔

۲ ۔ ایضاً : ۱۲ ۔

«یاران انجمن ها ساخته و بتکلیفِ شعر خوانی شمعِ ابرام افروخته۔ من از حیرت نَفَس باخته، و از خجلت چشم بر پشتِ پا دوخته»[1]۔

تاہم مولوی سراج الدین احمد نے جو کلکتے کے ان مخلص قدر دانوں کے سرگروہ تھے، میرزا صاحب کو بھی شرکتِ بزمِ سخن کے لیے راضی کرلیا۔ مدرسۂ سرکارِ کمپنی میں ہر انگریزی مہینے میں ایک بار، اتوار کے دن، مجلسِ مشاعرہ کا انعقاد طے ہوا، اور شعرائے کلکتہ اردو، فارسی کی غزلیں پڑھنے کے لیے جمع ہونے لگے۔ میرزا صاحب اس مجلس کے کتنے مشاعروں میں شریک ہوئے، اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ اتنا معلوم ہوسکا ھے کہ اس محفل نے میرزا صاحب کے چاروں طرف ایک حلقۂ حسّاد پیدا کردیا تھا، جس نے اُن کے کلام پر قتیل و واقف کے مسلمہ قواعد و اصول کے ماتحت اعتراض کیے۔ میرزا صاحب نے مجبوراً ان بزرگوں کی ادبی کم مایگی کا اظہار کیا، اور اہلِ ایران کے کلام سے شواھد پیش کیے۔ اس سے آگ اور بھڑکی۔ میرزا صاحب نے از راہِ معذرت مثنویِ «باد مخالف» لکھ کر اُسے فرو کیا۔ مگر اس ھنگامے کا اثر اُن کی زندگی بھر دماغ سے دور نہوا، اور وہ مرتے دم تک ھندیوں کی فارسی دانی کے قایل نہو سکے۔ اس ادبی ھنگامے کا تذکرہ میرزا صاحب کے الفاظ میں یہ ھے[2]:

«از نوادرِ حالات این کہ سخنوران و نکتہ رسانِ این بقعہ، پس از ورودِ خاکسار، بزمِ سخنی آراستہ بودند۔ در ھر ماہِ شمسیِ انگریزی روزِ یکشنبۂ نخستین، سخن گویان در مدرسۂ سرکارِ کمپنی فراھم شدندی، و غزلہای ھندی و فارسی خواندندی۔ ناگاہ گرانمایہ مردی، کہ از ھرات بسفارت رسیدہ است، دران انجمن می رسد، و اشعارِ مرا شنودہ ببانگِ بلند می ستاید، و بر کلامِ نادرہ گویانِ این قلمرو تبسمہای زیرِ لبی می فرماید۔ چون طبایع بالذات مفتونِ خودنمائیست، ھمگنان حسد می برند، و کلانانِ انجمن و فرزانگانِ فن بر دو بیتِ من اعتراضِ نادرست برآوردہ، آنرا شھرت می دھند۔ وبی آنکہ زبان بپاسخ آشنا شود، از دانشوران، کہ مخدومی و مَلاذی نواب علی اکبر خان، و مکرمی و مطاعی مولوی محمد محسن از آنانند، جوابہا می یابند، و پسِ زانوے خاموشی می نشینند»۔

دھلی کے مشاعرے

دھلی کے جن مشاعروں میں میرزا صاحب نے شرکت کی ھے، اُن میں شھر اور قلعۂ معلی

1 - کلیات نثر، پنج آھنگ : ۲۸ -
۲ - ایضاً : ۸۰ -

دونوں کے مشاعرے نظر آتے ھیں۔ اُن کی تفصیل یہ ھے:

(۱) ایک مشاعرہ جمعے کے دن ۱۷ مارچ ۱۸۴۳ع کو منعقد ھوا تھا۔ میرزا صاحب نے اُس کی زوداد پنجشنبہ ۲۳ مارچ کو شیفتہ کے خط میں اس طرح لکھی ھے[۱]:

«روزِ آدینہ چون شب شد، بزمِ سخن آراستند۔ ازان رو کہ غزل نگفتہ بودم، از شرمِ تہیدستی سر در پیش داشتم و رفتن بانجمن مضمونی بود کہ ھرگز بخاطر نمی گزشت۔ والا جاہ نواب ضیاءالدین خان، سلمہ اللہ تعالی، دو فرشتہ برمن گماشت: زین العابدین خان عارف و غلام حسن خان محو۔ یعنی، این ھر دو ابرام پیشہ شامگاہ بخلوتکدۂ تنہائیِ من آمدند و فیل آوردند. و بدانسان کہ شیر را چون شکار کنند، بر فیل بار کنند. مرا بانجمن بردند۔ دیدارِ مخدومِ معظم و صدرِ اعظم مولوی محمد صدرالدین خان بہادر تلافیِ رنجِ راہ کرد۔ باری، صرفۂ رھروان دران بود کہ مولانا سحابی قدم رنجہ نفرمودہ بودند۔ غزلِ مولانا صہبائی در زمینِ طرحی دوسہ بیتِ دلنشین داشت۔

بالجملہ چون غزلخوانی سر آمد، «گریبانم نمی آید. و دامانم نمی آید» در بحرِ ھزجِ مثمنِ سالم، طرح کردند۔

از یارانِ بندہ میرزا زین العابدین خان عارف و جواھر سنگھ جوھر در زمینِ طرح دو غزل خواندہ نقشِ نغزگوئی بکرسی نشاندند۔ من بغزلی کہ ھمدران روز گفتہ بودم، زمزمہ سرای آمدم۔ غزل[۲]:

صبح شد، خیز، کہ رودادِ اثر بنمایم»۔

اس مشاعرے کے مصرعِ طرح کا ذکر میرزا صاحب نے نہیں کیا ھے۔

(۲) دوسرا مشاعرہ جمعے کے دن (غالباً ۲۸ اپریل ۱۸۴۳ع کو) منعقد ھوا تھا۔ طرح سابق مکتوب میں بیان کی جاچکی ھے۔ اس زمین میں میرزا صاحب نے بھی غزل لکھی تھی۔ شیفتہ کو اس کی کیفیت اس طرح لکھی ھے[۳]:

«دی کہ ناھید روز (یومِ جمعہ) بود، شامگاہ ببزمِ حضرتِ آزردہ بار یافتم۔ پیش ازان کہ از مدعا سخن رانم، اثرِ رنجوری از ناصیۂ مخدوم آشکار یافتم۔ نزلہ و زکامی داشتند۔ ھمانا زندہ داشتنِ

۱ ۔ کلیات نثر، پنج آھنگ : ۹۵ ۔ ۲ ۔ کلیات فارسی: ۴۹۷ ۔ ۳ ۔ کلیات نثر، پنج آھنگ : ۹۵ ۔

شبها بدین روز نشانده بود۔

بالجملہ بمشاعرہ نخرامیدند. و رهی را دستوری دادند۔ در انجمن، ریختہ گویان بسیار گرد آمدہ بودند۔ غزلهای دراز خواندند۔ تا بکاشانہ آیم و پہلو بہ بستر نہم، نیمۂ از شب گزشتہ بود۔

بالجملہ در نوردِ غزلخوانی چون نوبت بمن رسید، نخست: ملک نخواست و فلک نخوامست، سرودم۔ آنگاہ غزلِ طرحی خواندم۔ غزل[1]:

«چہ عیش از وعدہ، چون باور ز عنوانم نمی آید؟
بنوعی گفت «می آیم» کہ میدانم نمی آید

نہان مباد کہ اقبال نشان، محمد ضیاء الدین خان بہادر مصرعِ عرفی، ع:
صد سال می توان بہ تمنا گریستن

طرح فرمودہ اند۔ درین زمین طالبِ آملی قصیدۂ دارد و عرفیِ شیرازی دو غزل۔ تا غالبِ بینوا را بکدام زمزمہ در خروش آرند؟»

(۳) تیسرا مشاعرہ بھی جمعے کے دن (۲۶ مئی سنہ ۱۸۴۳ع) کو منعقد ہوا تھا۔ مصرعِ طرح پر میرزا صاحب نے پورا قصیدہ لکھا تھا، جو اُن کے کلیات میں چھپ چکا ھے[2]۔ شیفتہ کو اس کی روداد بھی لکھی ھے۔ فرماتے ھیں[3]:

«امید گاھا،

دی آدینہ روز بود، و نویدِ بزمِ سخن سامعہ افروز۔ شامگاہ ہمان دو فرخ سروش از در در آمدند، و مرا بانجمن بردند۔ و میر نظام الدین ممنون و مولوی امام بخش صہبائی چون رنجور بودند، نیامدند۔ کس بخدمتِ حضرتِ آزردہ فرستادہ شد۔ اگرچہ دیر آمدند، اما آمدند، ودلم را صفا و زبانم را نوا بخشیدند۔ بندہ را در زمینِ گریستن نگارشِ قصیدہ اتفاق افتادہ بود۔ آن می سنجیدم کہ این ورق را چون براتِ نامقبول باز برم، و ریختہ گویان را دردِ سر ندہم۔ از آمدنِ حضرتِ آزردہ دل بخود بالید، و زبان بزمزمہ دستوری یافت۔ صحابی نیز ناخواندہ حاضر بود، و در زمینِ گریستن غزلی انشا کردہ۔ چون قصیدۂ مرا شنود، خجل شد، و از گفتۂ خود لختی خواندہ در گزشت»۔

۱۔ کلیات فارسی: ۴۲۷۔
۲۔ کلیات فارسی: ۲۰۳۔
۳۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۹۵۔

(٤) چوتھا مشاعرہ غالباً جمعے کے دن ۲۳ جون سنہ ۱۸۴۳ع کو منعقد ہوا تھا۔ اس کے لیے میرزا صاحب نے غزل لکھ لی تھی، مگر شریک نہ ہوسکے۔ شیفتہ کو تحریر کرتے ہیں[1]:

«درین مشاعرہ کہ گزشت، خاکِ زمین گیرِ من غبارِ چشمِ ریختہ گویان نگشت۔ غزلِ خود یك هفته پیش از روزِ غزلخوانی گفته بخدمتِ حضرتِ آزردہ. دام بقاؤہ، فرستادہ ام، و سرِ آن داشتم کہ چون بنامہ کامیاب گردم، و آن را پاسخ نگار شوم. در نگارش همان غزل سرمایۂ من باشد»۔

اس ماهانہ مشاعرے کی جائے وقوع اور منتظمین کا صراحتاً تذکرہ مذکورہ خطوں میں نہیں پایا جاتا۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب ضیاءالدین احمد خاں بہادر نیر کے زیرِ اہتمام منعقد ہوتا تھا۔ عارف و مجو وغیرہ اس کے انتظام کے ذمہ‌دار تھے۔ ہر مہینے کا آخری جمعہ اس کے لیے مقرر تھا. اور اس میں اردو اور فارسی دونوں طرحیں دی جاتی تھیں۔

لال قلعے میں جو مشاعرے کیے گئے تھے. اُن میں سے حسبِ ذیل کا تذکرہ میرزا صاحب کے خطوں میں ملتا ہے:

(۱) پہلا مشاعرہ کسی شہزادے کے زیرِ اہتمام منعقد ہوا تھا۔ اس میں میرزا صاحب نے اردو غزل پڑھی تھی۔ ۱۶ ربیع الاول (۱۲٦٤ھ) مطابق ۲۲ فروری (۱۸٤۸ع) کو منگل کے دن منشی نبی بخش حقیر کو اس کی روداد لکھی ہے۔ فرماتے ہیں[2]:

«دوش یکی از شاهزادگانِ تمرخانیہ بزمِ سخن آراستہ بود، و سخن سنجان را بغزل خوانی خواندہ۔ مرا بگفتنِ ریختہ سری نماندہ، اگرچہ دل بسگالش نہ بستہ بودم. اما روزی کہ شب بدان انجمن بایست رفت، خاصہ هنگامی کہ سوارہ رہ می بریدم، بیتی چند، بیخواست، از دلِ غمزدہ سر بر زد»۔

(۲) دوسرا مشاعرہ شوال ۱۲٦۵ھ (اگست ۱۸٦۲ع) میں مرزا نورالدین بہادر متخلص بہ شاہی نے منعقد کیا تھا۔ اس میں میرزا صاحب نے ردیفِ نون کی بے نظیر طرحی غزل: «سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں» پڑھی تھی، اور منشی نبی بخش حقیر کو اس کی نقل روانہ کرتے ہوئے لکھا تھا[3]: خدا کے واسطے! غزل کی داد دینا۔ اگر ریختہ یہ ہے، تو میر و

---

۱ - کلیات نثر، پنج آہنگ: ۹۵ -
۲ - کلیات نثر، پنج آہنگ: ۱۰۳ -
۳ - نادرات غالب: ۲٦ -

مرزا کیا کہتے تھے؟ اگر وہ ریختہ تھا، تو پھر یہ کیا ہے؟

(۳) تیسرا مشاعرہ آخری تاجدارِ دہلی کے حکم سے جمعے کے دن ۲۵ فروری سنہ ۱۸۵۳ع کو منعقد ہوا تھا۔ میرزا صاحب اُس زمانے میں زمرۂ خدام میں منسلک تھے، اس لیے اردو میں زمزمہ سرائی کی تھی۔ مجروح کو اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ فرماتے ہیں[1]:

«نزدیکان را نشاط، و دوران را بشارت که شاہ فرمان داد و حاجبِ بارگاہ سخن گستران را ایوانِ نظارت نشان داد که روزِ آدینه، بست و پنجمِ فروری، بدان خجسته نشیمن بیائید و جامِ سخن بر یکدیگر پیمائید۔ گروھی از شہزادگانِ بابریه وتنی چند از آزادگانِ شہر فراہم آمدند۔ جا بر مردم تنگی کرد۔ گوئی پیکر اندر پیکر ھمی خزید۔

نخست سلطان الشعرا شیخ محمد ابراہیم ذوق زخمه برتار زد، وغزلِ سلطان را بدان نوا برخواند که زھره از سپہر فرود آمد۔ سپس شاہزادۂ یوسف دیدارِ ھمایون آثار میرزا خضر سلطان بہادر، غزلِ طرح بدان لحن سرود که پنداری پروین بر بساطِ بزم افشاند۔ میرزا حیدر شکوہ و میرزا نورالدین و میرزا عالی بخت عالی را سازِ سخن بلند آہنگ شد۔ غالبِ آشفته نوا که بر پہلوی عالی جا داشت، ده بیت از خویشتن خواند۔

محوی نام امردی از می آشامانِ خمکدۂ صہبائی نشیدِ مستانه زد۔ حاجی میرزا شہرت کمابیش هفتاد بیت در زمینِ طرح برسامعۂ انجمن نشینان عرضه داد۔ من به بہانۂ آب تاختن از بزم بیرون آمدم و راهِ غمکده گرفتم۔ درِ دکانہا کشوده بود و چراغہا روشن۔ ھمانا نیمۂ از شب نگذشته بود که بر بوریای بینوائی دورِ جامِ باده روانی داد، باده آشامیدم و خفتم۔ بامداد به ارکِ ھمایون روی آوردم۔ ھر چہار سلطان زاده که نام نامیِ آنان بر زبانِ قلم رفت، زمزمۂ شبانه تازه کردند۔ من نیز غزل را دوباره خواندم۔ از ھمدمان شنیده شد که شب در ھنگامه سر آمد، و نزدیک بدمیدنِ سپیدۂ سحر بزم برشکست۔ گویند، سلطان الشعرا پایانِ انجمن دو غزل از خویشتن سرود، اما نه در طرح»۔

(٤) چوتھا مشاعرہ جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ (اپریل ۱۸۵۳ع) میں منعقد ہوا تھا۔ میرزا صاحب نے رجب ۱۲۶۹ھ میں منشی نبی بخش حقیر کو لکھا ہے[2]:

۱۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۱۱٤۔

۲۔ نادرات غالب: ۳۵۔

«یہاں بادشاہ نے قلعے میں مشاعرہ مقرر کیا ہے۔ ہر مہینے میں دو بار مشاعرہ ہوتا ہے، پندرھویں کو اور انتیسویں کو۔ حضور فارسی کا ایک مصرع اور ریختے کا ایک مصرع طرح کرتے ہیں۔

اب کے جمادی الثانی کی تیسویں کو جو مشاعرہ ہوا اُس میں مصرعِ فارسی یہ تھا: زین تماشا گاہ گریان میرود۔ ریختے کا مصرع یہ تھا: خمارِ عشق ہمیں کس قدر ہے. کیا کہیے۔ نظر ہے. کیا کہیے۔ خبر ہے، کیا کہیے»۔

اس خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاہی مشاعرہ ہر مہینے کی ۱۵ اور ۲۹ (یا ۳۰) کو قلعۂ معلی میں منعقد ہوا کرتا تھا۔

(۵) پانچواں مشاعرہ منگل کی صبح کو شعبان ۱۲۶۹ھ (مئی ۱۸۵۳ع) میں دیوانِ خاص میں کیا گیا تھا۔ اس میں میرزا صاحب نے اپنی یہ طرحی غزل پڑھی تھی: بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے[1]۔

قاضی عبدالجمیل بریلوی کو سنہ ۱۸۵٤ع میں لکھتے ہیں:[2]

«مشاعرہ یہاں شہر میں کہیں نہیں ہوتا۔ قلعے میں شہزادگانِ تیموریہ جمع ہوکر کچھ غزل خوانی کرلیتے ہیں۔ وہاں کے مصرعۂ طرحی کو کیا کیجیے گا، اور اُس پر غزل لکھ کر کہاں پڑھیے گا؟

میں کبھی اُس محفل میں جاتا ہوں، اور کبھی نہیں جاتا۔ اور یہ صحبت خود چند روزہ ہے۔ اس کو دوام کہاں؟ کیا معلوم ہے، اب ہی نہ ہو، اب کے ہو، تو آیندہ نہ ہو»۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کے مشاعرے سنہ ۱۸۵٤ع میں بند ہوچکے تھے۔ صرف قلعے کے اندر تھوڑا بہت چرچا باقی تھا، جس میں کبھی کبھی میرزا صاحب بھی شریک ہوتے، اور اردو غزلیں پڑھتے تھے۔ سید بدرالدین صاحب کے خط مورخۂ ۳ جنوری سنہ ۱۸۵۵ع میں فرماتے ہیں[3]:

«آپ ہندی اور فارسی غزلیں مانگتے ہیں۔ فارسی غزل تو شاید ایک بھی نہیں کہی۔ ہاں ہندی غزلیں قلعے کے مشاعرے میں دو چار لکھی تھیں»۔

اخبارات میں اشاعت اشعار

ہندوستان میں اخبارات کی اشاعت کے بعد، مضامینِ نثر کے ساتھ نظم شایع کرنے کا رواج

۱- ادرات غالب: ۵۹ -　　۲ - خطوط: ۱/۱۱۳ -　　۳ - اردوے معلی : ۱۲۷، خطوط : ۱/۱۰۹ -

ابتدا سے نظر آتا ھے - سنہ ۱۸۵۷ع سے پہلے دھلی اردو اخبار وغیرہ میں میرزا صاحب کی بھی غزلیں اور قصیدے شایع ہوتے رھے ھیں - منشی شیونراین ایک پندرہ روزہ اخبار موسوم بہ معیار الشعرا آگرے سے نکالتے تھے - سنہ ۵۷ع کے بعد میرزا صاحب نے اُن کے اخبار میں بھی اپنا کلام چھپوایا ھے - یکم نومبر سنہ ۱۸۵۸ع سے چند روز قبل منشی صاحب کو لکھتے ھیں[1]:

«سنیے، حکم ہوا ھے کہ دو شنبے کے دن، پہلی تاریخ نومبر کو رات کے وقت سب خیرخواہانِ انگریز اپنے اپنے گھروں میں روشنی کریں. اور بازاروں میں اور صاحب کمشنر بہادر کی کوٹھی پر بھی روشنی ہوگی - فقیر بھی اس تہی دستی میں کہ اٹھارہ مہینے سے پنسنِ مقرری نہیں پایا، اپنے مکان پر روشنی کرے گا - اور ایک قطعہ پندرہ بیت کا لکھ کر صاحب کمشنر شہر کو بھیجا ھے - آپ کے پاس اُس کی نقل بھیجتا ہوں - اگر تمہارا جی چاھے، تو اُس کو چھاپ دو. اور جس لمبر میں یہ چھاپا جائے، وہ لمبر میرے دیکھنے کو بھیج دینا».

اس کے چند ماہ بعد، منشی صاحب کے تقاضے پر، ۱۹ اپریل سنہ ۱۸۵۹ع کو فرماتے ھیں[2]:

«میاں! میں تم کو اپنا فرزند جانتا ہوں. خط لکھنے نہ لکھنے پر موقوف نہیں ھے - تمہاری جگہ میرے دل میں ھے - اب میں طبع آزمائی کرتا ہوں. اور جو غزل تم نے بھیجی ھے. اُس کو لکھتا ہوں - خدا کرے نو کے نو شعر یاد آجائیں - .... یہ تمہارا اقبال ھے کہ نو شعر یاد آگئے - ایک غزل یہ اور دو غزلیں وہ جو آیا چاھتی ھیں، تین ھفتے کا گودام تمہارے پاس فراہم ہوگیا - اگر منگواؤگے، تو قصیدے بھی دونوں بھیج دوں گا».

بعد میں میرزا صاحب کی رائے ان قصیدوں کی اشاعت کے بارے میں بدل گئی. تو اُنھوں نے ۲۷ اپریل کو منشی صاحب کو لکھا[3]:

«قصیدے میں نے دو لکھے ھیں .... ایک پچپن شعر کا، ایک چالیس بیت کا، اور پھر فارسی - اُن کو ریختہ کی غزلوں میں کیا چھاپوگے - جانے بھی دو - رھیں غزلیں سابق کی، وہ جو میرے ھاتھ آتی جائیں گی، بھجواتا جاؤں گا».

سنہ ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ع) میں اکمل الاخبار میں ایک رباعی اور قطعہ چھپوایا تھا - میر ابراھیم

---

۱ - اردوے معلی: ۳۷۸، خطوط: ۱/۳۸٤ - ۲ - اردوے معلی: ۳۶۹، خطوط: ۱/۳۹٤ - ۳ - اردوے معلی: ۳۷۱، خطوط: ۱/۳۶۹ -

علی خاں کو اس کی اطلاع دیتے ہیں[1]:

"حضرت سید احمد حسن خاں صاحب، مدّظلہ العالی، کی تحریر سے معلوم ہوا کہ آپ کے گھر مولودِ مسعود پیدا ہوا۔ ایک عبارتِ رنگین مرتب کر کے اکمل الاخبار میں میں نے چھپوا دی ہے۔ اور ایک رباعی اور ایک قطعہ اپنا اور ایک قطعہ سید صاحب ممدوح کا، جو اُنہوں نے یہاں بھیجا تھا، وہ بھی چھپوا دیا"۔

نواب کلب علی خاں بہادر والیِ رام پور کی شرکتِ کونسل کا ایک قطعۂ تاریخ لکھ کر بھیجا تھا، تو اُس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا تھا کہ "اگر پسند آئے، تو اجازت مل جائے کہ اس کو کسی اخبار میں چھپوا دوں"۔ نواب صاحب کی سرپرستی میں رام پور سے "دبدبۂ سکندری" جاری ہوا، تو میرزا صاحب نے ایک مدحیہ رباعی نواب صاحب کو لکھ کر بھیجی اور خواہش کی کہ اسے اخبار کے سرنامے پر شایع کیا جایا کرے۔ بعد ازاں اور اشعار بھیجے، تو اُن کے ساتھ دبدبۂ سکندری میں اُن کی اشاعت کی بھی درخواست کی[2]۔

مفتی امیر احمد امیر مینائی نے اپنا کلام منشی شیونراین کے اخبار میں اشاعت کے لیے بھیجا۔ اُس وقت تک مفتی صاحب کی شہرت رامپور سے باہر نہ نکلی تھی۔ شیونراین نے اُن کے کلام کی رسید اور عدمِ اشاعت کا عذر اخبار میں شایع کیا، تو میرزا صاحب نے اُنہیں لکھا[3]:

"اب کے تمھارے 'معیار الشعراء' میں میں نے یہ عبارت دیکھی تھی کہ 'امیر، شاعر اپنی غزلیں بھیجتے ہیں۔ ہم کو جب تک اُن کا نام و نشان معلوم نہ ہوگا، ہم اُن کے اشعار نہ چھاپیں گے۔ سو میں تم کو لکھتا ہوں کہ یہ میرے دوست ہیں، اور امیر احمد ان کا نام ہے اور 'امیر' تخلص کرتے ہیں۔ لکھنؤ کے ذی عزت باشندوں میں ہیں اور وہاں کے بادشاہوں کے روشناس اور مصاحب رہے ہیں، اور اب وہ رامپور میں نواب صاحب کے پاس ہیں۔ میں اُن کی غزلیں تمھارے پاس بھیجتا ہوں۔ میرا نام لکھ کر ان غزلوں کو چھاپ دو"۔

بھٹی یا مدح

جو نقاد مشرق دربار کے سماجی اثرات سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ شعرائے مشرق

۱۔ اردوے معلی: ۲۳۷۔
۲۔ مکاتیب غالب: مکتوب نمبر ۷۸، ۸۷، ۸۸۔
۳۔ خطوط: ۲۹۷/۱۔

کے لیے سلاطین کی مدح سے راہِ گریز نہ تھی، اور شاہی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہر شاعر کو الفاظ و معانی کے باغ لگانا پڑتے تھے۔

میرزا صاحب نے بھی ہندوستان کے چھوٹے بڑے درباروں اور انگریزی سرکار کی اتنی مدح و ستایش کی ھے کہ آخر اُنھیں یہ لکھنا پڑا کہ میرا «سخنوری شیوہ اور ستایش گری آئین ھے»[1]۔ لیکن شروع میں اُنھیں اس پر فخر نہ تھا۔ چنانچہ ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ع) کے مرتبہ دیباچۂ کلیات میں فرماتے ھیں[2]: «شادم از آزادی کہ بساختن ہنجارِ عشقبازان گزاردستم، و داغم از آزمندی کہ ورقِ چند بکردارِ دنیا طلبان در مدحِ اہلِ جاہ سیہ کردستم»۔ یہی جذبۂ افسوس ھے جس کے ماتحت وہ مدح کے اشعار نسبتاً کم لکھتے اور تشبیب و عرضِ حال وغیرہ پر زیادہ زور دیتے ھیں، تاکہ مدح اپنے حدود سے گزر کر بھنڈی نہ بن جائے۔ سنہ ۱۸۴۹ع میں میرزا تفتہ کو لکھتے ھیں[3]:

«کیا کروں! اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا۔ وہ روش ہندوستانی فارسی لکھنے والوں کی مجکو نہیں آتی، کہ بالکل بھاٹوں کی طرح بکنا شروع کریں۔ میرے قصیدے دیکھو۔ تشبیب کے شعر بہت پاؤگے اور مدح کے شعر کمتر۔ نثر میں بھی یہی حال ھے۔ مصطفیٰ خاں کے تذکرے کی تقریظ کو ملاحظہ کرو کہ اُن کی مدح کتنی ھے۔ میرزا رحیم الدین بہادر حیا تخلص کے دیوان کے دیباچے کو دیکھو۔ وہ جو تقریظ دیوانِ حافظ کی بموجبِ فرمایش جان جاکوب بہادر کے لکھی ھے، اُس کو دیکھو کہ فقط ایک بیت میں اُن کا نام اور اُن کی مدح آئی ھے، اور باقی ساری نثر میں کچھ اور ھی اور مطالب ھیں۔

واللہ، باللہ! اگر کسی شاہزادے کے دیوان کا دیباچہ لکھتا، تو اُس کی اتنی مدح نہ کرتا کہ جتنی تمھاری مدح کی ھے۔ ہم کو اور ہماری روش کو پہچانتے، تو اتنی مدح کو بہت جانتے۔ قصہ مختصر، تمھاری خاطر کی، اور ایک فقرہ تمھارے نام کا بدل کر اُس کے عوض ایک فقرہ اور لکھ دیا ھے۔ اس سے زیادہ بھنڈی میری روش نہیں۔

ظاھرا تم خود فکر نہیں کرتے، اور حضرات کے بہکانے میں آجاتے ہو۔ وہ صاحب تو بیشتر اس نظم کو مہمل کہیں گے۔ کس واسطے کہ اُن کے کان اس آواز سے آشنا نہیں۔ جو لوگ کہ قتیل کو اچھے لکھنے والوں میں جانیں گے، وہ نظم و نثر کی خوبی کو کیا پہچانیں گے»۔

۱- کلیات نثر، پنج آہنگ: ۱۰۱۔ ۲- کلیات فارسی: ۸۔ ۳- اردوے معلی: ۸۲، خطوط: ۱/۔

لیکن یہ سب کچھ میرزا صاحب نے اُنھیں دواعی و اسباب کے ماتحت کیا جو اُن کے پیشرووں کو لاحق ہوئے تھے - یعنی جس نے کچھ دیا، یا جس سے کچھ ملنے کی امید بندھی، اُس کی شان میں قصیدہ لکھا۔ اور جب یہ امید ٹوٹ گئی، اس رسم کو بند کردیا - ظاہر ہے کہ یہ بھٹئی ہی تھی- اسی لیے سنہ ۱۸۶۰ع میں علائی کے نام کے خط میں اس کا خود بھی اعتراف کیا ہے- فرماتے ہیں[1]:

«اشعارِ تازہ مانگتے ہو - کہاں سے لاؤں؟ عاشقانہ اشعار سے مجکو وہ بُعد ہے، جو ایمان سے کفر کو-

گورمنٹ کا بھاٹ تھا- بھٹئی کرتا تھا، خلعت پاتا تھا - خلعت موقوف، بھٹئی متروک- نہ غزل، نہ مدح» -

ہزل و ہجو

میرزا صاحب کی سنجیدگی و خودداری نے اُن کے رواں دواں دماغ کو شاعری کی بلند سطح سے اُترنے کی اجازت نہیں دی- اسی لیے وہ بڑی حد تک ہزل و ہجو سے اپنا دامن بچا لیے گئے- خود بھی فرماتے ہیں[2]: «ہزل و ہجو میرا آئین نہیں» -

تاہم اُن کے کلامِ فارسی میں ہجویہ قطعات موجود ہیں- اُن میں سے صرف ایک کا مطالعہ اُن کا اندازِ ہجو معلوم کرنے کے لیے کافی ہوگا - فرماتے ہیں[3]:

کردۂ جُھدی کہ در ویرانیِ کاشانہ ام	چرخ در آرایشِ ہنگامۂ عالم نکرد
گر بہ ہجوت راندہ باشم نکتہ ھا، بر خود مپیچ	زانکہ حرفی زانچہ گفتم، خاطرم خرم نکرد
بیتی از اُستاد دیدم، ذوقکی بخشید، لیک	ہیچ در تسکین نیفزود و زِ وحشت کم نکرد
«ہمچو تو ناقابلی در صُلبِ آدم دیدہ بود	زان سبب ابلیسِ ملعون سجدہ برآدم نکرد»

حاشاللہ. بودنت در صلبِ آدم تہمت است
پیشِ ہر کس گفتم این اندیشہ، باور ہم نکرد

اس سے بجا طور پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اُنھوں نے انتہائی غم و غصے کے تحت چند اشخاص کی مذمت کردی تھی - اس روش کو دوسرے شعرا کی طرح اپنا آئین نہیں بنایا۔

۱ - اردوے معلی:۴۳۵، خطوط:۱/۳۲۱ - ۲ - ایضاً- ۳ - کلیات فارسی:۱۷ -

علاوہ ازیں ان میں کسی شخص کا نام بھی نہیں لیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ میرزا صاحب کا مقصود صرف دل کی بھڑاس نکالنا تھا، کسی کو بدنام کرنے اور بدنام رکھنے کے لیے ہجویہ شعر نہیں کہتے تھے۔

معاصرین کا اعتراف

میرزا صاحب، صاحبانِ کمال کے قدردان بھی تھے۔ چنانچہ اپنے معاصروں میں سے شیخ امام بخش ناسخ، حکیم مومن خاں مومن، شیخ محمد ابراہیم ذوق، مولانا فضلِ حق خیرآبادی. مفتی صدرالدین خاں آزردہ، نواب ضیاءالدین احمد خاں نیر و رخشاں وغیرہ کی اچھی خاصی تعریف اُن کے کلامِ نظم و نثر میں موجود ہے۔

مومن خاں کے انتقال پر اُن کا یوں ماتم کیا ہے[1]:

شرطست کہ روی دل خراشم ہمہ عمر　　خونابہ برخ زِ دیدہ پاشم ہمہ عمر
کافر باشم، اگر بمرگِ مومن　　چون کعبہ، سیہ پوش نباشم ہمہ عمر

نیز حقیر کو جمعہ ۲۱ مئی ۱۸۵۲ع کو لکھا[2]:

«مومن خان میرا ہمعصر اور یار تھا..... یہ شخص بھی اپنی وضع کا اچھا کہنے والا تھا۔ طبیعت اس کی معنی آفریں تھی»۔

ذوق سے چشمک رہتی تھی۔ مگر اُن کا انتقال ہوا تو یہ تعزیتی قطعہ لکھا[3]:

تاریخِ وفاتِ ذوق، غالب　　با خاطرِ دردمند و مایوس
خون شد دلِ زار، تا نوشتم　　خاقانیِ ہند مُرد، افسوس

اور حقیر کو ۲۳ نومبر ۱۸۵۴ع کو حسبِ ذیل الفاظ تحریر کیے[4]:

«میاں ذوق مرگئے..... سچ تو یہ ہے کہ یہ شخص اپنی وضع کا ایک اور اس عصر میں غنیمت تھا»۔

مفتی صدرالدین خاں آزردہ کی تعریف میں ایک طویل فارسی قصیدہ میرزا صاحب کے کلیات میں موجود ہے[5]۔ اُس میں فرماتے ہیں:

---

۱ - کلیات فارسی:۵۴۴ -　۲ - نادرات غالب:۲۴ -　۳ - سبدچین:۲۹ -　٤ - نادرات غالب:٦٨ -
٥ - کلیات فارسی:۳٤۲ -

آن که ننگِ اوست بودن در سخن همتای من

نیز نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے گلشنِ بیخار میں مفتی صاحب کا ذکر نہیں کیا تھا۔ میرزا صاحب نے اُس کا مسودہ دیکھ کر اُنھیں لکھا[1]:

«گہر نسفتنِ خامه و گوهرین نگشتنِ نامه در ردیفِ الف به نگارشِ اشعارِ پروین نثارِ حضرتِ آزرده از چه روست؟ هرچند ذکرِ خدّامِ برجیس مقام در جریدهٔ این فن نه سزاوارِ شانِ فضیلت باشد، لیکن اگر بمقتضای فرطِ محبت جراتی بکار می رفت، گناهی نبود، و در تلافیِ آن به پوزش نیاز نمی افتاد»۔

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کی مدح میں بھی ایک فارسی قصیدہ لکھا ھے[2]، جس میں عرفی و خاقانی کو اُن کا فرمان پزیر بتایا ھے۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر «حبسیه» میں فرماتے ھیں[3]:

خواجهٔ هست درین شهر که از پرسشِ وی پایهٔ خویشتنم در نظر آمد، گوئی

اُن کے ذوقِ سخن سنجی کی اس درجه تعریف کی ھے[4]:

غالب بفنِّ گفتگو نازد بدین ارزش که او
ننوشت در دیوان غزل، تا مصطفیٰ خان خوش نکرد

اُنھوں نے «گریستن» زمین میں ایک غزل لکھ کر میرزا صاحب کو بھیجی تھی۔ اس کی داد ان لفظوں میں دی ھے[5]:

«قصیدهٔ گریستن با آنکه از دلم بزبان رسیده و از زبانم بدر تراویده و همچنان در دل جا دارد، بمشاهدهٔ غزلی که امروز بمن رسید، هم از دل رفت و هم از نظر اُفتاد۔ زهی غزل! و خوشا غزل! اگرچه نارسا بیان و کج مج زبانم، اما اگر هر بیت را جداگانه بیک قصیده ستایم. میتوانم، آه ازین مقطع! و داد ازین مقطع! زبانِ ستایشِ این مقطع کراست؟ با آنکه در سخن هوا خواه و آفرین گوی شماستم، مرا بر شما برشک آورد۔ جاودان مانید، که پیکرِ سخن را جانید»۔

نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر کے مدحیه قصیدے میں یه لکھ دیا که[6]:

به نکته شیوهٔ شاگردِ من بمن ماناست صنم بصورتِ خود می تراشد آزرِ من

---

۱ - کلیات نثر، پنج آهنگ : ۵۰ -
۲ - کلیات فارسی:۳۳۹ -
۳ - سبد چین:۱۷ -
٤ - کلیات فارسی:٤٤٩ -
۵ - کلیات نثر، پنج آهنگ:۹۵ -
٦ - کلیات فارسی:۳٤۵ -

ایک فارسی غزل میں اپنے متعدد معاصروں کی تعریف میں لکھتے ہیں[1]:

ای کہ راندی سخن از نکتہ سرایانِ عجم	چہ بما منّتِ بسیار نہی از کمِ شان؟
ھند را خوش نفسانند سخنور کہ بود	باد، در خلوتِ شان مشک فشان از دمِ شان
مومن و نیر و صہبائی و علوی و انگاہ	حسرتی. اشرف و آزردہ بود اعظمِ شان
غالبِ سوختہ جان گرچہ نیرزد بشمار	ھست در بزمِ سخن ھمنفس و ھمدمِ شان

ناقدردانی عصر

لیکن خود میرزا صاحب کو زمانے کی قدر ناشناسی کی شکایت رھی ھے اور دوسرے اہلِ کمال کی طرح وہ بھی اس کے گلہ مند ھیں کہ زمانے نے اُن کے مرتبے کو بقدرِ بایست نہ پہچانا - میری دانست میں اُن کے بلند آھنگ شکوے کی وجہ یہ تھی کہ اپنے ھنر کے بارے میں مکمل خود شعوری اور فن کے متعلق صحیح احساس اُن کے اندر پیدا ھوگیا تھا. اور اُن کی سی دیدہ‌وری بہت کم حضرات میں موجود تھی. اس لیے وہ اپنے آپ کو «گنجِ تہِ خاک» یا «صدا بصحراء» شمار کرنے لگے تھے -

ھنگامۂ کلکتہ

ھر شخص جانتا ھے کہ ادھیڑ عمر تک میرزا صاحب کو اپنی اردو شاعری پر ناز نہ تھا - اسی لیے جب نکتہ چینوں نے کہا کہ آپ آسان زبان میں سخن سرائی فرمایا کیجیے، یہ کلام تو آپ اور آپ کا خدا ھی سمجھتا ھے[2]. تو اُنھوں نے ایک رباعی میں از راہِ معذرت اتنا فرمایا تھا کہ[3]: گویم مشکل، و گر نہ گویم مشکل - لیکن کلکتے میں «جزوی از عالمم و از ھمہ عالم بیشم» کی ترکیبِ «ھمہ عالم» پر اہلِ علم نے ھنگامہ بپا کیا[4]، تو میرزا صاحب کے دل میں قدر ناشناسی کے شکوے کی تخم ریزی ھوگئی، جو رفتہ رفتہ ایک مستقل موضوع بن کر رہ گیا - اس کی تنہا وجہ یہ تھی کہ اپنے فارسی کلام کے متعلق اُن کی رائے بہت بلند تھی اور وہ یہ یقین رکھتے تھے کہ:

---

۱ - کلیات فارسی: ٥٠٥ - ۲ - آب حیات: ٤٨٤ - ۳ - دیوان غالب، نوائے سروش: ۳۲۹ - ٤ - کلیات فارسی: ٩٥ -

غالب، بشعر کم ز ظہوری نیم، ولی | عادل شہ سخن رس دریا نوال کو؟[1]
در لئیمی شہرۂ دہر از تہیدستی است چرخ | رفتہ مسکین را ز یاد و گنج پنہانش منم[2]
پایۂ من، جز بچشم من نیاید در نظر | از بلندی، اخترم روشن نیاید در نظر[3]
اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا | سمجھا ہوں دلپذیر متاع ہنر کو میں[4]

میرزا صاحب نے سنت شعرا سے آگے بڑھ کر نثر میں بھی ناقدردانی عصر کا بہت کچھ گلہ کیا ہے۔ تاریخی نقطۂ نگاہ سے یہ مضمون سب سے پہلے اُس خط میں ملتا ہے جو کلکتے سے حکیم احسن اللہ خاں بہادر کو لکھا ہے۔ اُس میں فرماتے ہیں[5]:

«بدعوی گاهی که توانائی قتیل را بفروهیدگی فرهنگ مسلم داشته. و لوای نور العین واقف بشیوائی شیوه برافراشته باشند. با که باید گفت که نتایج طبع ما کجائیست. و ما را چه مایه لذت درین جگر خائیست؟»

سفر کلکتہ کے کچھ بعد نواب مصطفی خاں شیفتہ کے نام کے خط میں شکوہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں[6]:

درد خود ازین جانگداز تر چه خواهد بود که تا دکانم را در کشاده بود، و رنگ رنگ متاع سخن بروی هم نهاده، کس از مشتریان حلقه بر در نزد، و سودای خریداری از هیچ دل سر بر نزد۔ چون دکان را کالا و زبان را حرفهای جگر آلا نماند. روزگار گرانمایه خریداری پدید آورد که نقد رایج سخن خود را بیهای گفتار ناسرهٔ من میدهد و گوهر را به پلهٔ بیعانگی خزف می نهد»۔

قید دہلی

دہلی واپس آکر میرزا صاحب کلکتے کی تلخیاں بھول جاتے، اگر انگریزی وظیفے کا مقدمہ اُن کے موافق فیصل ہوتا، یا پھر قلعۂ معلی اور شہر دہلی میں اُن کی پرسش بقدر حوصلہ ہوتی۔ مگر ہوا یہ کہ اُنہیں ۱۲۶٤ھ (۱۸٤۷ع) میں قمار بازی کے الزام میں چھ مہینے کی قید ہوگئی۔ وہ بہر حال دہلی کے سر برآوردہ لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ وہاں کے بڑے بڑے

۱ - کلیات فارسی: ۵۰۸ - | ۲ - ایضاً : ۵٦ - | ۳ - ایضاً : ۵۷ -
٤ - دیوان غالب. نوائے سروش: ۲۳٦ - | ۵ - کلیات نثر، پنج آہنگ : ۵۲ - | ٦ - ایضاً : ٤۸ -

امرا سے برابر کے تعلقات رکھتے تھے، خاندانِ لوہارو کے داماد تھے، خود قلعے سے مداحی کا رشتہ پیدا کرچکے تھے۔ ان رشتوں میں سے کوئی بھی کام نہ آیا اور سوائے ایک نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے کسی نے غمخواری و بیکس نوازی نہ برتی۔ احباب و اعزا کی اس روش اور اہلِ شہر کی اس کم التفاتی نے انھیں سخت خستہ و زار کردیا. اور وہ ترکِ وطن پر آمادہ ہوگئے۔

تفضل حسین خاں کو لکھتے ہیں[1]:

«شحنه عدو بود و مجسٹریٹ بامن ناآشنا۔ فتنه در کمین بود و بخت نارسا۔ مجسٹریٹ باآنکه شحنه را فرمانروا هستی، در خستنِ من شحنه را فرمان برد. و توقیعِ گرفتاریِ من نوشت۔ و ششن جج باآنکه بامن دوستی داشت و پیوسته با من مهرورز و مهربان بوده و بارها در بزم مَی بهم پیموده، چشم پوشید و به من تغافل زد۔ داوری بصدر بردند۔ هیچ کس نشنید و همان فرمانِ بیداد بجا ماند۔

ندانم چه رُو داد که چون نیمهٔ میعادِ سپری شد، مجسٹریٹ را دل بهم برآمد، و خود از صدر نسخِ حکمِ خویش و رستگاریِ من خواست۔ خواهشِ وی پزیرفتند. بلکه او را بدین خواهش ثنا گفتند۔

گویند، بس که نکویانِ قوم آن خیره سر، یعنی مجسٹریٹِ بیدادگر را ملامت کردند، و پایهٔ آزادی و خاکساریِ مرا در نظرش جلوه دادند، بدین رنگ که رهائیِ من از بند خویش خواست، عذر خواست و دگر هم پوزشها و دلجوئیها کرد۔

من خود ازان رو که هر صفت و هر فعل و هر امر را از کردگار می نگرم، و ستیزه با کردگار روا نبود، از آنچه رفت آزادم، وبدانچه هست شادم۔ اما چون آرزو منافیِ آئینِ بندگی نیست:

عشق است و صد هزار تمنا، مرا چه جرم؟
گر خواهشی کند دلِ شیدا، مرا چه جرم؟

خواهم سپس در جهان نباشم۔ و اگر باشم، در هندوستان نباشم۔ روم است و مصر است

---

[1] باغ دو در: ۷۲، الف۔

و ایران است و بغداد است ـ وگرنه خود کعبه پناهِ آزادگان و سنگِ آستانهٔ رحمة للعالمین تکیه‌گاهِ دلدادگان بس است ـ

کی بود آیا که از بندِ فروماندگی که خود ازان بند که رفت روان فرساتر است، برون جهم، و منزل در نظر نیاورده سر بصحرا نهم ـ آنست آنچه برما رفت، و این است آنچه میخواهم» ـ

اس خط کے ایک ایک لفظ سے اُن کے دل کا درد اور جگر کی سوزش ہویدا ہے، اور اُن کا یہ سوچنا کہ اس بے عزتی کے بعد مرجاؤں، یا ملک بدر ہوجاؤں، کچھ بے جا نہیں ـ

اس سلسلے میں میرزا صاحب نے ایک فارسی ترکیب بند بھی لکھا تھا[1] ـ اُس میں فرماتے ہیں:

هله! دزدانِ گرفتار، وفا نیست بشهر — خویشتن را بشما همدم و همراز کنم

بس که خویشان شده بیگانه ز بدنامیِ من — غیر، نشگفت، خورد گر غمِ ناکامیِ من

جورِ اعدا رود از دل برهائی، لیکن — طعنِ احباب کم از زخمِ خدنگم نبود

شیفتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خود چرا خون خورم از غم که بغمخواریِ من

رحمتِ حق بـه لباسِ بشر آمـد گوئی

خواجهٔ هست درین شهر که از پرسشِ وی

پایهٔ خویشتـنم در نظـر آمـد گوئی

آخر میں احبابِ دہلی سے خطاب کیا ہے:

درمیان ضابطهٔ مهر و وفائی بودست — من برینم که هـر آئینه بر آئیـد همه

روزی از مهر نگفتید: «فلانی چونست؟» — باری، از لطف بگوئید: «چسانید همه؟»

غرض اس کانٹے کے چبھنے سے بھی اُن کا بہت سا خونِ دل کاغذ کے صفحوں پر بہا، اور ہمارے لیے متعدد شاہ کار نقش باقی رہ گئے ـ

دربار اور شہر دونوں میں میرزا صاحب کے متعدد حریف بھی موجود تھے ـ ان میں سے ذوق زیادہ چھائے ہوئے تھے ـ وہ بڑے پُرگو شاعر تھے، اس لیے اِن کے چھوٹے سے اردو دیوان کو خاطر میں نہ لاتے تھے ـ غالباً اُنہیں نے ایک بار حضورِ شاہ میں اپنی پر گوئی

1 ـ سبد چین: ۱۴ تا ۱۹ ـ

اور میرزا صاحب کی کم گوئی کا ذکر چھیڑا تھا، جس پر جل کر اُنھوں نے ایک فارسی قطعہ لکھا اور اُس میں فرمایا[1]:

ای که در بزمِ شہنشاہِ سخن رس گفتهٔ:	«کی به پُرگوئی فلان در شعر همسنگِ من است؟»
راست گفتی، لیک میدانی که نبود جای طعن	کمتر از بانگِ دهل گر نغمهٔ چنگِ من است
فارسی بین، تا به بینی نقشهای رنگ رنگ	بگزر از مجموعهٔ اردو که بے رنگِ من است
در سخن چون همزبان و همنوای من نهٔ	چون دلت را پیچ و تاب از رشکِ آهنگ من است؟
راست میگویم من و از راست سر نتوان کشید	هرچه در گفتار فخرِ تست، آن ننگِ من است

اس پر مستزاد یہ ہوا کہ تاجدارِ دہلی کے صاحبزادے کی شادی قرار پائی۔ بادشاہ بیگم کی فرمایش پر میرزا صاحب نے اپنا شہرۂ آفاق سہرا لکھا۔ اُس کے مقطع میں اُنھوں نے شاعرانہ تعلّی سے کام لیا تھا۔ بادشاہ کو شبہہ ہوا کہ اس میں اُستاد ذوق کی طرف روے سخن ہے۔ چنانچہ جواب میں ذوق سے بھی سہرا لکھوایا گیا، جس کے مقطع میں کہا گیا تھا کہ «دیکھو، اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا[2]»۔ میرزا صاحب کا دل ٹوٹ گیا، اور اُنھوں نے جو معذرتی قطعہ لکھ کر پیش کیا، اُس میں یہ بھی ظاہر کردیا کہ[3]:

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری	کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

نواب انور الدولہ بہادر شفق کو یہ سارا ماجرا اس طرح سنایا ہے[4]:

«از دیر باز سرِ دستان سرائیِ اردو ندارم۔ همانا از رضا جوئیِ شہر یارِ سلیمان پیشکار است گاه گاه ناگاه رنگِ ریختہ ریختن، ویژه بفرمانِ بانوی بلقیس پرستار است در ریختہ بدین ردیفِ ناروا دل آویختن۔ مگر در مقطعِ غزل سرمستانه هوئی زده باشم۔ آن یکی که گمانِ کمالی که نداشت داشت، پنداشت روی سخن سوی اوست۔ در مقطعِ غزلی که سرود، بهنجارِ ستیزه گام زد و دانست که گفتارِ مرا پاسخ ساز داد۔ من بسیه مستیِ این ته جرعه که فرو ریختۂ خامۂ من است ع هرچه در گفتارِ فخرِ تست آن ننگِ من است، سر بسخن فرود نیاوردم و قطعِ نظر را دلیلِ قطعی امتیاز شمردم»۔

اس کے بعد ناقدردانیِ دهر پر آنسو بہاتے ہوے لکھتے ہیں:

۱۔ کلیات فارسی:۱۳ ۲۔ دیوان ذوق، (مرتبۂ آزاد):۲۹۲ ۳۔ دیوان غالب، نواے سروش:۱۳۶ ۴۔ کلیات نثر، پنج آہنگ:۱۰۴۔

«یا خود بروزگار دیده وری نبود، یا بود و بمن نپرداخت۔ همانا در تیرگیِ روزگارِ من اندازۂ شگرفیِ کارِ من کسی نہ شناخت۔»

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عام طور پر اُن کی شگرف کاری کا کسی نے صحیح اندازہ نہ لگایا، اور جو اندازہ داں تھے، اُنھوں نے اپنے ہاتھ کو کوتاہ پایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ میرزا صاحب کا کلام گلہ و شکایت سے بھر گیا، اور اُنھوں نے اس رنگ میں ایسے ایسے نادر مضامین پیدا کیے کہ باید و شاید۔ میری دانست میں یہ اچھا ہی ہوا، ورنہ اس نادرۂ روزگار شاعر کے بہت سے جوہر اتنے نہ اُبھر پاتے، اور ہم اُن کے خیال کی اس بلندی سے کسی طرح آگاہ نہ ہوسکتے۔

شعر گوئی متروک

میرزا صاحب نے تقریباً ۱۸۶۱ع میں سرور کو لکھا ہے[1]:

«میں اموات میں ہوں۔ مردہ شعر کیا کہے گا۔ غزل کا ڈھنگ بھول گیا۔ معشوق کس کو قرار دوں، جو غزل کی روش ضمیر میں آئے؟ رہا قصیدہ، ممدوح کون ہے؟ ہائے! انوری گویا میری زبان سے کہتا ہے:

ای دریغا! نیست ممدوحی سزاوارِ مدیح ای دریغا! نیست معشوقی سزاوارِ غزل

.... صناعتِ شعر اعضای و جوارح کا کام نہیں، دل چاہیے، دماغ چاہیے، ذوق چاہیے، اُمنگ چاہیے۔ یہ سامان کہاں سے لاؤں، جو شعر کہوں؟۔

چونسٹھ برس کی عمر، ولولۂ شباب کہاں؟ رعایتِ فن اُس کے اسباب کہاں؟»

٤ مارچ ۱۸۶۳ع کو تفتہ کے خط میں لکھا ہے[2]:

«شعر کام دل و دماغ کا ہے، وہ روپے کی فکر میں پریشان۔»

واقعہ یہ ہے کہ جب تک میرزا صاحب مالی پریشانیوں میں مبتلا نہ ہوے تھے، اُنھیں آزاد دل و دماغ، سرمستانہ ذوقِ شعر اور طبیعت کی جدت پسند اُمنگ حاصل تھی۔ اُس زمانے میں اُنھوں نے صاف طور پر لکھا ہے[3]:

«مرا رسد مَی کشیدن، و غزل سرودن، و آزاد زیستن، و حلقہ بر در زدن۔ نہ خون خوردن،

۱۔ عود: ۳۲۰، اردوے معلی: ۱۳۸۔ ۲۔ خطوط: ۱/۸۷۔ ۳۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۱۱۔

و دبستان کشودن، ودلتنگ بودن، و به بندِ زبان اُفتادن۔»

میرزا صاحب کی اس پرکیف زندگی کا خاتمہ پنشن کے مقدمے کے آغاز پر ہوگیا۔ تاہم ابھی اُن کی شاعری کا شباب ولولہ و مستی سے بیگانہ نہیں ہوا تھا. اور وہ چکنی ڈلی کی تعریف میں نو دس شعر فی‌البدیہہ کہہ کر اہلِ مجلس سے خراجِ تحسین و آفرین حاصل کرسکتے تھے[1]۔ ہاں، جب کلکتے سے ناکام واپس ہوئے، اور پھر جنوری ۱۸۳۱ع میں مقدمہ اُن کے خلاف فیصل ہوگیا، تو مستقبل کے خوفناک تصور نے اُن کے دل و دماغ کو سخت اذیت پہنچائی، اور پہلی بار اُن کی طبیعت نے فکرِ شعر و سخن سے تنفر کا اظہار کیا۔ اب وہ غزل کہتے تھے، مگر دوستوں کے اصرار پر، اور قصاید بھی لکھتے تھے، مگر مالی پریشانیوں کا بھوت دفع کرنے کے لیے۔ کلیاتِ فارسی کی ترتیب کے وقت اُنہوں نے لکھا تھا[2]:

«شادم از آزادی که بسا سخن بهنجارِ عشق بازان گزار دستم، و داغم از آزمندی که ورقی چند بکردارِ دنیا طلبان در مدحِ اهل جاه سیه کردستم۔»

اس وقت تک اُن کا یہ خیال درست تھا. کیونکہ ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ع) میں حمد و نعت و منقبت کے قصیدوں کے علاوہ. جاہ مندوں کی مدح میں اُن کے صرف ۷ قصیدے تھے، اور دیوان کا بڑا حصہ غزل پر مشتمل تھا۔ مگر آیندہ. غزلیں برائے نام اور قصاید ضرورت سے زیادہ لکھنے پڑے، جو صرف اقتصادی مصائب کا نتیجہ تھا۔

بہر حال کلکتے سے واپسی کے بعد سنہ ۱۸۳۵ھ یا سنہ ۱۸۳۶ع میں میرزا صاحب نے قافیۂ سخن سنجی تنگ ہونے کا اقرار کرنا شروع کر دیا تھا۔ مولوی سراج الدین احمد کو ایک خط میں لکھا ہے[3]:

«اکنون که با خودم آویزشهای رنگ رنگست، قافیۂ سخن سنجی تنگ است۔ منم که اگر از روزگار، نه بسیار بلکه اندك آسایش یافتمی، به نیروی فکر پنجۂ اربابِ فن برتافتمی۔ سخن کوتاه، با این همه دل افسردگی، هرچه از قسمِ شعر بزبان خواهد گزشت، بمیانجیگریِ خامه روشناسِ نگاهِ التفات خواهد گشت۔»

سنہ ۱۸۴۰ع میں نواب محمد سعید خاں بہادر (جنت آرامگاہ) نے تختِ رامپور کو مفتخر

۱۔ عود: ۱۱۱، اردوے معلی: ۲۶۹، خطوط: ۳۰۹/۱ ۔ ۲۔ کلیات فارسی: ۸۔ ۳۔ کلیات نثر، پنج آہنگ: ۷۰۔

کیا، تو اُن کے بھائی، نواب عبداللہ خاں بہادر، صدر الصدورِ میرٹھ، نے میرزا صاحب سے قصیدۂ مبارک باد لکھنے کی خواہش کی ۔ اس کے جواب میں میرزا صاحب نے لکھا[1]:

«خدام بلند مقام کہ سر انجامِ قصیدہ بقصدِ نام آوری از غالبِ بینوا چشم داشتہ اند، مگر آن فرسودہ روان افسردہ دل را کہ ہنوز نمردہ است، زندہ پنداشتہ اند؟ ..... کاش! کشایشِ این کار، چون صنعتِ نقاشی و گلدستہ بندی، تنہا بکوششِ دست و بازو صورت بستی، تا چشم از خستگیِ دل پوشیدمی، و فرمان پزیرانہ در پردازشِ کار کوشیدمی! چکنم؟ چون سرِ این رشتہ در دستِ دلست ۔ تا دل برجای نباشد، زبان سخن سرای نباشد ۔ دیدہ ورانِ صاحبدل دانند کہ چہ قدرہا دیدہ و دل آمیختہ شود، تا نقشی بدان شگرفی کہ بالغ نظران پسندند، انگیختہ شود ۔

این دلِ شکستۂ بہم نہ پیوستہ، کہ درسینۂ من و ہمانا دشمنِ دیرینۂ منست، زنہار بکارِ سخن گستری نیاید، و معنی آفرینی را نشاید.... امید کہ دربارۂ گرایش بدین ستایش، نظماً او نثراً، نامہ‌نگار را از اموات شمارند ۔»

غالباً سنہ ۱۸۴۳ع میں میرزا صاحب نے جیمس ٹامسن صاحب کی مدح میں ایک غزل لکھ کر بھیجی تھی، اور اُس کے ساتھ تحریر کیا تھا[2]:

«جگر پالائیِ غم، و جانگدازیِ یاس، و ناسازگاریِ منش، و آشفتگیِ رای، و تنگیِ دل، و پراگندگیِ اندیشہ، و تیرگیِ ہوش اگر یکی ازین ہمہ، سخنوری را بسختی فراگیرد، نفسِ ناطقہ کہ زندۂ جاودانی و شمعِ آسمانیست، در پیکرِ آن ستمزدہ فرومیرد ۔ من کہ این ہمہ را ہمہ، و جز این دیگر غمہای ہردمہ دارم، چگونہ دادِ گفتار توانم داد، و چسان مدعی بسزا توانم گفت ۔»

تقریباً ۱۸۴۴ع میں شیفتہ کو لکھتے ہیں[3]:

«درین روزگار کہ سخن را بر من و مرا بر سخن بزنجیر نتوان بست، بدلی کہ دانی نداشتم و بزبانی کہ گوئی گفتار نداشت، دو رباعی گفتہ ام ۔»

سنہ ۱۸۵۰ع میں قلعۂ معلی سے تعلق قائم ہوا، تو میرزا صاحب کی شاعری میں پھر حرکت محسوس ہوئی ۔ لیکن کچھ تو پژمردگیِ طبع کی وجہ سے اور زیادہ تر شاہِ ظفر کے مذاقِ سخن کے اتباع میں اُنھوں نے اُردو زبان میں زائد کہا ۔ تاہم جو طبیعت افسردہ ہوکر مردہ ہوچلی تھی،

۱ - کلیات نثر، پنج آہنگ: ۱۰۴ ۔ ۲ - ایضاً : ۹۰ ۔ ۳ - ایضاً : ۹۹ ۔

اور جو دماغ جوانی سے گزر کر پیری کے حدود میں داخل ہوگیا تھا، وہ دوسروں کے سہارے کہاں تک ہمت اور جوش کا مظاہرہ کرسکتا تھا۔ میرزا صاحب نے اس زمانے میں بہت کچھ کہا، اور خوب خوب کہا، مگر یہ سب کچھ مجبوری سے کہا۔ اگر وہ اپنے آپ کو مالی مشکلات میں گرفتار نہ پاتے، تو کبھی اس مشقت کو برداشت نہ کرتے۔ ۲۴ ستمبر ۱۸۵۵ع کو حقیر کو لکھتے ھیں[1]:

«میں نے قصیدہ لکھنا موقوف کیا۔ موقوف کیا کیا، مجھ سے لکھا ھی نہیں جاتا .... افسوس ھے کہ تم کو میرے حال کی خبر نہیں۔ اگر دیکھو تو جانو۔ ع: جس دل پہ ناز تھا مجھے، وہ دل نہیں رھا۔ کوئی دم ایسا نہیں ھے کہ مجھ کو دمِ واپسیں کا خیال نہو۔»

۲۹ جون ۱۸۵۶ع سے کچھ قبل انور الدولہ بہادر کو لکھتے ھیں[2]:

«افسوس کہ میرا حال اور یہ لیل و نہار آپ کی نظر میں نہیں۔ ورنہ آپ جانیں کہ اس بجھے ہوے دل اور اس ٹوٹے ہوے دل اور اس مرے ہوے دل پر کیا کر رھا ہوں۔ نواب صاحب، اب نہ دل میں وہ طاقت، نہ قلم میں وہ زور۔ سخن گستری کا ایک ملکہ باقی ھے۔ بے تامل اور بے فکر جو خیال میں آجائے، وہ لکھ لوں۔ ورنہ فکر کی صعوبت کا متحمل نہیں ھوسکتا. بقولِ میرزا عبدالقادر بیدل:

جہدھا، در خورِ توانائیست　　　ضعف، یکسر فراغ می خواھد»

قدر بلگرامی کو ۲۳ فروری ۱۸۵۷ع کو تحریر فرماتے ھیں[3]:

باسٹھ برس کی عمر ہوئی۔ پچاس برس اس شیوے کی ورزش میں گزرے۔ اب جسم و جان میں تاب و تواں نہیں۔»

۱۸۵۷ع کے مصائب جھیلنے کے بعد میرزا صاحب کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ ۱۱ اپریل ۱۸۵۸ع کو لکھا ھے[4]:

«بناوٹ نہ سمجھنا۔ شعر کہنا مجھ سے بالکل چھوٹ گیا۔ اپنا اگلا کلام دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں کہ میں نے کیونکر کہا تھا۔»

انھیں کو پھر لکھتے ھیں[5]،

---

۱ - نادرات غالب: ۸۰ - ۲ - عود: ۴۹، اردوے معلی: ۲۹۷ - ۳ - خطوط: ۱۷۷/۱ - ۴ - ایضاً: ۳۳ - ۵ - ایضاً: ۳۸ -

«میرا حال اس فن میں اب یہ ہے کہ شعر کہنے کی روش اور اگلے کہے ہوئے اشعار سب بھول گیا۔ مگر ہاں اپنے ہندی کلام میں سے ڈیڑھ شعر، یعنی ایک مقطع اور ایک مصرع یاد رہ گیا ہے۔ سو گاہ گاہ جب دل الٹنے لگتا ہے، تب دس پانچ بار یہ مقطع زبان پر آجاتا ہے:

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری، غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

پھر جب سخت گھبراتا ہوں، اور تنگ آتا ہوں، تو یہ مصرع پڑھ کر چپ ہو جاتا ہوں:
اے مرگِ ناگہاں! تجھے کیا انتظار ہے؟»

۲۷ اپریل ۱۸۵۹ع کو شیونراین کو تحریر کیا ہے[1]:

«میاں، تمھاری جان کی قسم! نہ میرا اب ریختہ لکھنے کو جی چاہتا ہے، نہ مجھ سے کہا جائے۔ اس دو برس میں صرف وہ پچیس بیس شعر بطریقِ قصیدہ تمھاری خاطر سے لکھ کر بھیجے تھے۔ سوائے اُس کے اگر میں نے ریختہ کہا ہوگا، تو گنہ گار۔ بلکہ فارسی غزل بھی واللہ! نہیں لکھی۔ صرف یہ دو قصیدے لکھے ہیں۔ کیا کہوں کہ دل و دماغ کا کیا حال ہے؟»

جنون بریلوی نے فارسی اشعار کی فرمایش کی تھی۔ اس کے جواب میں ۸ ستمبر ۱۸۵۹ع کو لکھتے ہیں[2]:

فارسی کیا لکھوں، یہاں ترکی تمام ہے۔ اخوان و احباب یا مقتول یا مفقود الخبر۔ ہزار آدمی کا ماتمدار ہوں۔ آپ غمزدہ اور آپ غمگسار ہوں۔ اس سے قطعِ نظر کہ تباہ اور خراب ہوں، مرنا سر پر کھڑا ہے، پابرکاب ہوں۔»

اسی سال تفتہ کو زرا صفائی کے ساتھ لکھا ہے[3]:

«بات یہ ہے کہ تم مشقِ سخن کر رہے ہو، اور میں مشقِ فنا میں مستغرق ہوں۔ بو علی سینا کے علم کو اور نظیری کے شعر کو ضایع اور بے فایدہ اور موہوم جانتا ہوں۔ زیست بسر کرنے کو کچھ تھوڑی سی راحت درکار ہے، اور باقی حکمت اور سلطنت اور شاعری اور ساحری سب خرافات ہے.... ہم تم دونوں اچھے خاصے شاعر ہیں۔ مانا کہ سعدی و حافظ کے برابر

۱ - اردوے معلی: ۳۷۱، خطوط: ۱/۳۹۶ -
۲ - خطوط : ۱/۱۱۷ -
۳ - ایضاً: ۶۸ -

مشہور رہیں گے۔ اُن کو شہرت سے کیا حاصل ہوا، کہ ہم کو تم کو ہوگا۔»

سرور کے خط میں صاحبِ عالم مارہروی سے خطاب کر کے لکھا ہے کہ «شعر کو مجھ سے اور مجکو شعر سے ہرگز نسبت باقی نہیں رہی[1]۔» ۲۱ ستمبر ۱۸۶۰ع کو احمد حسن قنوجی کو لکھتے ہیں[2]:

«۶۵ برس کی عمر ہوئی۔ اضمحلالِ قوا، ضعفِ دماغ، فکرِ مرگ، غمِ عقبیٰ۔ جو آپ مجھے دیکھ گئے ہیں، میں اب وہ نہیں ہوں۔ نظم و نثر کا کام صرف ۵۰ برس کی مشق کے زور سے چلتا ہے۔ ورنہ جوہرِ فکر کی رخشندگی کہاں! بوڑھا پہلوان پیچ بتاتا ہے، زور نہیں دلوا سکتا»۔

۱۹ نومبر سنۂ مذکور میں سرور کو تحریر کیا ہے[3]:

«سوائے ایک ملکے کے کہ وہ پچاس پچپن برس کی مشق کا نتیجہ ہے، کوئی قوت باقی نہیں رہی۔ کبھی جو سابق کی اپنی نظم و نثر دیکھتا ہوں، تو یہ جانتا ہوں کہ یہ تحریر میری ہے۔ مگر حیران رہتا ہوں کہ میں نے یہ نثر کیونکر لکھی تھی، اور کیوں کر یہ شعر کہے تھے۔ عبدالقادر بیدل کا یہ مصرع گویا میری زبان سے ہے:

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

پایانِ عمر ہے۔ دل و دماغ جواب دے چکے ہیں۔»

اس سال میرزا صاحب کی مایوسی حدِ صبر و ضبط سے اتنی آگے بڑھ چکی تھی کہ وہ دنیا کی ہر چیز سے بے تعلقی کا اظہار کرنے لگے تھے۔ چنانچہ ۲۰ جنوری ۱۸۶۱ع کو تفتہ کو لکھا ہے[4]:

«میں تو یہ کہتا ہوں کہ عرفی کے قصاید کی شہرت سے عرفی کے کیا ہاتھ آیا، جو میرے قصاید کے اشتہار سے مجکو نفع ہوگا۔ سعدی نے بوستاں سے کیا پھل پایا، جو تم سنبلستان سے پاؤ گے۔

اللہ کے سوا جو کچھ ہے، موہوم و معدوم ہے۔ نہ سخن ہے، نہ سخنور ہے، نہ قصیدہ ہے، نہ قصد ہے۔ لاموجود الا اللہ!»

۱۴ اپریل ۱۸۶۱ع کو مولانا رفعت بھوپالی کو لکھا ہے[5]:

۱۔ عود: ۳۰۔ ۲۔ اردوے معلی: ۲۳۹۔ ۳۔ عود: ۳۶ اردوے معلی: ۱۴۴۔ ۴۔ خطوط: ۱/ ۷۸
۵۔ انشاے نور چشم: ۵۱۔

«از دیرباز بنظم و نثر نمی گرایم۔ نظم خواهی پارسی و خواهی اردو، خوابیست فراموش۔»

دلی کی بربادی کی یاد ابھی تک دل سے فراموش نہوئی تھی۔ ۲۳ مئی ۱۸۶۱ع کو مجروح کے خط میں انتہائی درد ناک الفاظ میں فرماتے ھیں[1]:

«نظام الدین ممنون کہاں؟ ذوق کہاں؟ مومن خاں کہاں؟ ایک آزردہ، سو خاموش، دوسرا غالب، وہ بے خود و مدھوش۔ نہ سخنوری رھی، نہ سخندانی۔ کس برتے پر تتا پانی۔ ھائے دلی! وائے دلی! بھاڑ میں جائے دلی!»

۲۷ جولائی ۱۸۶۲ع کے بعد کسی تاریخ کو علائی کو لکھتے ھیں[2]:

«بھائی، تمھارا باپ بد گمان ھے۔ یعنی، مجکو زندہ سمجھتا ھے۔ میرا سلام کہو اور یہ شعر میرا پڑھ سناؤ:

گمان زیست بود بر منت ز بیدردی　　　بد است مرگ، ولی بدتر از گمانِ تو نیست

مجھے کافور و کفن کی فکر پڑ رھی ھے، وہ ستمگر شعر و سخن کا طالب ھے۔ زندہ ہوتا تو وھیں کیوں نہ چلا آتا۔ مجھ پر سے یہ تکلیف اُٹھوالو، اور تم اس زمین میں چند شعر کہہ کر بھیج دو۔ میں اصلاح دے کر بھیج دوں گا۔ عصائے پیر بجائے پیر۔»

اگلے سال تک ترکِ شعر گوئی نے تنفر کی شکل اختیار کرلی، اور ۱۹ جون ۱۸۶۳ع کو میرزا صاحب نے جنون بریلوی کو صاف لکھ دیا کہ[3]:

«کتاب سے نفرت، شعر سے نفرت، جسم سے نفرت، روح سے نفرت۔»

اور جب تفتہ نے کسی غزل کی اصلاح کے سلسلے میں لکھا کہ آپ مجھے ایک مطلع لکھ دیجیے، تو انھیں طنزیہ لکھا[4]:

«سبحان اللہ! تم جانتے ھو کہ میں اب دو مصرعے موزوں کرنے پر قادر ھوں، جو مجھ سے مطلع مانگتے ھو؟»

۶ جنوری ۱۸۶۴ع کو جنون بریلوی کے خط میں افسوس کرتے ہوئے تحریر کیا[5]:

«اگر مجھے قوتِ ناطقہ پر تصرف باقی رھا ھوتا، تو قصیدے کی تعریف میں ایک قطعہ اور حضرت کی مدح میں ایک قصیدہ لکھتا۔»

۱۔ عود: ۷۰، اردوے معلی: ۱۰۹، خطوط: ۱/۲۶۸۔　۲ اردوے معلی: ۴۱۶، خطوط: ۱/۳۴۱۔
۳۔ عود: ۶۷، اردوے معلی: ۲۱۰، خطوط: ۱/۱۲۱۔　۴۔ خطوط: ۱/۹۱۔　۵۔ اردوے معلی: ۲۰۹، خطوط: ۱/۱۲۲۔

۱۸۶۴ع میں میرزا صاحب کی یہ حالت ہوگئی کہ اُنھوں نے تفتہ کو لکھا کہ «شعر کے فن سے گویا کبھی مناسبت نہ تھی»[1] اور پھر ایک موقع پر برہم ہوکر ارشاد فرمایا[2]:

«کس ملعون نے بسببِ ذوقِ شعر اشعار کی اصلاح منظور رکھی؟ اگر میں شعر سے بیزار نہوں، تو میرا خدا مجھ سے بیزار!»

دسمبر ۱۸۶۵ع میں علائی کی فرمایش پر ٦ شعر لکھ کر بھیجے اور خط میں لکھا[3]:

«بھائی کیا کہوں کہ کس مصیبت سے یہ چھ بیتیں ہاتھ آئی ہیں، اور وہ بھی بلند رتبہ نہیں۔»

مگر یہ واقعہ ہے کہ میرزا صاحب نے ابتلا کے زمانے میں، جو اُن کی ادبی عمر کا تقریباً آدھا حصہ ہے، جو کچھ بھی کہا ہے اُس میں پختگی، سنجیدہ ظرافت، اُچٹتی ہوئی اُفتادگی اور موہ لینے والی سادگی و پرکاری پوری طرح نمایاں ہے، اور یہی ہے کلام کا وہ درجہ جسے اصطلاحاً «سہلِ ممتنع» کہا جاتا ہے۔ چنانچہ آخرِ عمر میں اُنھیں اس کا احساس ہوگیا تھا اور اس لیے اپنے کلام کے رتبے اور اُس کی آیندہ مقبولیت کے پیش نظر اُنھوں نے شاکر کو لکھ دیا تھا[4]:

«نظم و نثر کی قلمرو کا انتظام ایزدِ دانا و توانا کی اعانت سے خوب ہوچکا۔ اگر اُس نے چاہا، تو قیامت تک میرا نام و نشان باقی و قایم رہے گا۔»

جدید ترتیب دیوان

اپنی قلمروِ سخن کے آئین، یعنی دواوینِ فارسی و اردو کو میرزا صاحب زندگی بھر دستی اور مشینی دونوں ذرائع سے شائع کرتے رہے۔ اسی لیے اُن کے فارسی و اردو کلام کے «خود اشاعت» نسخے خاصی تعداد میں ملتے ہیں۔ بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ جس دیوان کو اپنے نخلستانِ فرہنگ کا «برگِ دژم» قرار دیتے تھے، اُس کی اشاعت میں بمقابلۂ دیوانِ فارسی کم سرگرمِ کار رہے ہوں گے، لیکن واقعہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔ اطرافِ ملک سے اسی برگِ دژم کی مانگ زیادہ آتی تھی، اور اسی لیے اس کی ترمیم، تصحیح، نقل اور تزئین میں اُنھیں مشغولیت بھی زیادہ رہتی تھی۔

---

۱ - خطوط: ۱/۹۷ - ۲ - ایضاً: ۹۲ - ۳ - اردوے معلی: ۳۹۴، خطوط: ۱/۳٦۸ - ٤ - عود: ۱۵۷ اردوے معلی: ۲۱۵ -

میرزا صاحب کے بعد اُن کے ہواخواہوں نے بھی اسی آئین کی اشاعت اور تشریح و توضیح کی طرف زیادہ توجہ کی۔ منشی نولکشور کے تین آنے چھ پائی کے سستے نسخے سے ایک سو بارہ رُپے کے چغتائی ایڈیشن تک اسی کی ہزاروں کاپیاں دنیا بھر میں پھیلیں، اور خواجہ حالی مرحوم کی توضیحِ اشعار سے شروع کر کے مولانا غلام رسول مہر کی تازہ شرحِ اشعارِ غالب تک متعدد شرحیں اسی کی شائع ہوئیں۔

میرزا صاحب کی زندگی میں جو نسخے چھپے، وہ اُنھیں پسند نہ آئے، اور اُنھوں نے دہلی کے چھاپے خانوں کے متعلق یہاں تک لکھ دیا[1] کہ «دلی پر اور اُس کے پانی پر اور اُس کے چھاپے پر لعنت!» لیکن پچھلے چالیس پینتالیس برس کے اندر ایسے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں، جو حسن و جمال میں لالہ زار اور کشتِ زعفران نظر آتے ہیں اور اس لیے اُن کی یہ حسرت کہ «ہائے! لکھنؤ کے چھاپے خانے نے جس کا دیوان چھاپا اُس کو آسمان پر چڑھا دیا. حسنِ خط سے الفاظ کو چمکا دیا[2]» اُن کی خواہش سے زیادہ پوری ہوگئی۔

ان سب اشاعتوں کے مشتملات اور اُن کی ترتیب میرزا صاحب کی زندگی کے مطبوعہ نسخۂ نظامی کانپور کے مطابق تھی۔ سب سے پہلے مولانا نظامی بدایونی نے ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۲ع) کے ایڈیشن میں رام پور کے قلمی نسخۂ دیوانِ غالب سے جو منشی احمد علی شوق قدوائی کے پاس تھا اور اب خدا جانے کہاں ہے، مقابلہ کر کے زیادہ صحیح اور معتبر متن پیش کیا۔ اس سے کچھ ہی قبل مفتی انوارالحق نے نئی ترتیب کی طرف قدم اُٹھایا، اور غالب کا کُل اُردو کلام ایک خاص ترتیب سے «نسخۂ حمیدیہ» کے نام سے ۱۹۲۱ع میں شائع کیا۔ بعد ازاں ۱۹۲۸ع میں ڈاکٹر عبداللطیف صاحب حیدرآبادی نے کلامِ غالب کو تاریخی ترتیب سے مطالعہ کرنے کی ضرورت کا احساس کر کے پورے دیوان کو تاریخ وار مرتب کیا۔ مگر اُن کے مرتبہ نسخے کی طباعت مکمل نہ ہوسکی اور جتنا طبع ہوا وہ بھی ایک حادثے کی نذر ہوگیا۔ البتہ درمیانی اوراق کے چند اجزا کے پروف کسی طرح محفوظ رہ گئے تھے جو مجھے سید تمکین کاظمی مرحوم سے حاصل ہوے۔

۱۹۳۶ع میں شیخ محمد اکرام صاحب نے بھی کلامِ غالب کو تاریخ وار مرتب کرنے کا کام انجام دیا، اور اُردو کلام کے ساتھ فارسی اشعار کو بھی مختلف ادوار پر مرتب کر کے اپنی کتاب «غالب نامہ»

---

۱ - اردوے معلی: ۱۵۴ -

۲ - ایضاً: ۱۴۵ -

کے جزو کی حیثیت سے پیش کیا۔ مگر اس میں ایک تو تصحیحِ اشعار کا کام نظر انداز کردیا گیا تھا۔ دوسرے متداول حصے کو ایک جگہ نہیں رکھا گیا تھا، جس سے اصلِ دیوان میں انتشار پیدا ہوگیا تھا۔

۱۹۳۸ء میں پیرزادہ محمد حنیف صاحب نے ایک نسخہ شائع کیا، جو ۱۸۴۷ء کے مطبوعہ ایڈیشن پر مبنی تھا۔ اس میں تمام اصنافِ سخن کو ردیف وار اس طرح مرتب کیا گیا تھا کہ ردیفِ الف کے سب اشعار، خواہ غزل کے ہوں یا کسی دوسری صنف کے، ایک جگہ جمع ہوگئے تھے۔ اس صورتِ حال نے اُن کے نسخے کو شتر گربہ کردیا تھا، اور وہ انڈکس ہوکر رہ گیا تھا۔

کتاب خانۂ رام پور کی طرف سے ۱۹۴۲ء میں «انتخابِ غالب» شائع ہوا، تو ملک کے اہلِ نظر طبقے نے اس کام کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا، اور ایک دیدہ‌ور عالم نے مرتب سے فرمایش کی کہ انتخاب کے انداز پر غالب کے مکمل دیوان کا بھی ایک نسخہ تیار کیا جائے۔ مرتب اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ کام «جوے شیر» لانے سے کم ثابت نہ ہوگا۔ مگر اس بزرگانہ خواہش کی پشت پر وہ دلچسپی بھی کام کر رہی تھی، جو اُسے بچپن سے کلامِ غالب سے ہے۔ اس لیے اس کا وعدہ کرلیا اور کئی برس کی دیدہ ریزی کے بعد یہ نسخہ مرتب کیا، جو پہلی بار ۱۹۵۸ء میں ملک کے اربابِ فضل و کمال کے سامنے آیا اور پسند کیا گیا۔ اب مزید معلومات کے اضافے کے ساتھ دوسری بار پیش ہو رہا ہے۔

مشتملاتِ نسخۂ عرشی

اس نسخے میں میرزا صاحب کا وہ سب اردو کلام شامل ہے، جو اب تک اُن کے نام سے شائع ہوا تھا، یا مجھے اپنے مطالعے اور دوستوں کے لطف و کرم سے حاصل ہوا ہے۔ میں نے اسے حسبِ ذیل چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) گنجینۂ معنی: اس حصے میں وہ تمام اشعار مندرج ہیں، جو نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں تو موجود تھے، مگر ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۳ء) کے مرتب کیے ہوے دیوان سے میرزا صاحب نے خارج کر کے یہ لکھ دیا تھا کہ:

«امید کہ سخن سرایانِ سخنورستای پراگندہ ابیاتی را کہ خارج ازین اوراق یابند، از آثارِ تراوشِ رگِ کلک این نامہ سیاہ نشناسند. و چامہ‌گردآور را در ستایش و نکوهشِ آن اشعار ممنون و ماخوذ نسگالند ۔»

چونکہ اس حصے کے تقریباً سب شعر خیال آرائی اور معنی آفرینی کے طلسمی نمونے ہیں، اس لیے میرزا صاحب کے شعر:

گنجینۂ معنی کا طلسم اُس کو سمجھیے — جو لفظ کہ غالب، مرے اشعار میں آوے

کے پیش نظر اس حصے کو «گنجینۂ معنی» قرار دیا گیا ہے۔

(۲) نوائے سروش: یہ حصہ اُس کلام پر مشتمل ہے جو میرزا صاحب نے اپنی زندگی میں لکھوا اور چھپوا کر تقسیم کیا تھا اور جو عام طور پر «دیوانِ غالب» کے نام سے متداول اور مشہور ہے۔ یہی وہ کلام ہے جس کے بارے میں میرزا صاحب نے یہ دعوا کیا تھا کہ:

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں — غالب، صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

اس لیے اسے «نوائے سروش» سے موسوم کیا گیا ہے۔

(۳) یادگارِ نالہ: اس جزو میں وہ کلام رکھا گیا ہے، جو دیوانِ غالب کے کسی نسخے کے متن میں تو نہ تھا، لیکن بعض نسخوں کے حاشیوں یا خاتمے میں، یا میرزا صاحب کے خطوں کے اندر، یا اُن کے نام سے دوسروں کی بیاضوں میں پایا گیا تھا، اور وقتاً فوقتاً اخبارات و رسائل میں چھپ کر اہلِ ذوق تک پہنچ چکا تھا۔ میرزا صاحب کا ایک شعر ہے:

نالۂ دل نے دیے اوراقِ لختِ دل بباد — یادگارِ نالہ، یک دیوانِ بے شیرازہ تھا

چونکہ حصۂ زیر بحث میں اُن کے اوراقِ لختِ دل کی شیرازہ بندی ہے، اس لیے اس حصے کو «یادگارِ نالہ» کہنے میں گویا میرزا صاحب کی تائید حاصل ہوجاتی ہے۔ اس حصے میں وہ اشعار بھی ہیں جو میری دانست میں معتبر ہیں اور وہ بھی جنھیں میں کلامِ غالب ماننے کو اُس وقت تک آمادہ نہیں جب تک کوئی مستند شہادت نہ مل جائے، چاہے اپنے انداز کے اعتبار سے وہ مستند اشعار سے کتنے ہی ملتے جلتے کیوں نہ ہوں۔ مثلاً اس حصے کے نمبر

۷، ۸، ۱۰، ۲۴، ۳۲، ۳۳، ۳۸، ۵۳، ۵۵ — ۵۷ اور ۶۹ کے کلامِ غالب ہونے میں مجھے شک ہے۔ رہیں آسی مرحوم کی غالب کے نام سے شائع کردہ غزلیں، تو اُنھیں قطعی طور پر کلامِ غالب نہیں کہا جاسکتا، اس لیے اُنھیں خارج کردیا گیا ہے۔

(٤) باد آورد: اس حصے میں نسخۂ عرشی زادہ کے ذریعے سے دریافت شدہ کلام شامل کیا گیا ہے۔ اس نسخے کا پتا ایسے وقت چلا کہ نسخۂ عرشی کا متن طبع ہوچکا تھا. صرف ایک آدھ جزو چھپنے سے باقی رہ گیا تھا۔ اس لیے اسے آخر میں شامل کرنا ممکن ہوسکا۔ اگر اس کا بروقت علم ہوگیا ہوتا، تو یہ کلام گنجینۂ معنی کا حصہ ہوتا۔ اب اگلے ایڈیشن ہی میں اس کا اندراج صحیح مقام پر ہوسکے گا۔ چونکہ یہ دریافت غیر متوقع طور پر ہوئی تھی، اس لیے اس حصے کا نام «باد آورد» رکھا گیا ہے۔

نسخۂ عرشی کی ترتیب

دیوانِ غالب کے تمام نسخوں میں مختلف اصنافِ شعر کی ترتیب یہ ہے:

دیباچہ، غزلیات، قصائد، مثنوی، قطعات، رباعیات. تقریظ۔

یہ ترتیب، سنتِ شعرا ہی کے خلاف نہیں، نسخۂ رام پور سے بھی مطابقت نہیں رکھتی، جو دیوان کا آخری مستند ایڈیشن ہے۔ اس لیے میں نے اپنے نسخے کی ترتیب نسخۂ رام پور کے انداز پر یہ رکھی ہے:

دیباچہ، قطعات. مثنوی، قصائد، غزلیات، رباعیات. تقریظ۔

بعد ازاں ہر حصے کے اصناف کو جداگانہ تاریخ وار مرتب کیا ہے، اور جہاں تک غزلوں کا تعلق ہے، ہر ردیف کی غزلوں کو الگ حصہ قرار دے کر اُنھیں تاریخی حیثیت سے آگے پیچھے رکھا ہے۔ میرزا صاحب نے نسخۂ بھوپال کے متن کی اکثر غزلوں میں ۱۲۳۷ھ کے بعد نئے شعر بڑھائے تھے۔ بعض دوسرے نسخوں میں بھی اس قسم کے اضافے پائے جاتے ہیں۔ ان اشعار کو مذکورہ غزلوں سے جدا کر کے اُن کی تاریخی جگہ پر رکھنے کی جرات نہیں کی، کہ اس طرح غزلوں کے ٹکڑے ہوجاتے۔ ہاں، اُنھیں دوسرے اشعار سے ممتاز ضرور کردیا ہے، اور اس غرض کے لیے اس طرح کا پھول (٥) شعر کے محاذ میں بنادیا ہے۔

میری کوشش تو یہی رہی کہ دیوان کے تمام اشعار کی واقعی یا تقریبی تاریخِ نظم کا پتا چل جائے، مگر عام حالات میں اکثر شعروں کا صرف تاریخی عہد متعین ہوسکا ہے ۔ اس کام میں دیوانِ غالب کے اُن نسخوں سے بھی مدد ملی ہے جو مختلف زمانوں میں لکھے گئے یا چھپ کر شائع ہوے تھے، اور تاریخوں، تذکروں، معاصر شاعروں کے دواوین اور قدیم و جدید اخباروں اور رسالوں سے بھی استفادہ کیا ہے ۔

یہاں یہ بتادینا ضروری ہے کہ نسخۂ حمیدیہ سے مخطوطۂ بھوپال کی غزلیات کی صحیح ترتیب معلوم نہیں ہوتی ۔ پروفیسر حمید احمد خاں صاحب نے پہلی بار ۱۹۶۹ع میں اس نسخے کا کلام اصل ترتیب کے ساتھ شائع کیا ہے ۔ نسخۂ عرشی زادہ سے ترتیبِ کلام کے بارے میں اور بھی قدیم معلومات سامنے آئی ہیں ۔ اس کے باعث نسخۂ بھوپال تک کا کلام ازسرِ نوترتیب کا متقاضی ہے ۔ یہ کام انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں کیا جائے گا ۔

اختلاف نسخ

دوسری تمام کتابوں کی طرح دیوانِ غالب کے سب نسخوں کا متن بھی یکساں نہیں ۔ ان میں کتابت کی غلطیاں بھی ہیں اور خود میرزا صاحب کی ترمیمیں اور اصلاحیں بھی ۔ اختلافاتِ نسخ شاعر کی دماغی رفتار کے تمام نقوش و آثار پر مشتمل ہونے کے باعث خصوصی توجہ کے مستحق تھے ۔ اس لیے نسخۂ بھوپال سے شروع کر کے انتخابِ غالب اردو کے مسودے تک ہر اصلاح کو بصورتِ حواشی ضبطِ تحریر میں لانے کی کوشش کی گئی ہے ۔ جیسا کہ بیان ہوا، نسخۂ عرشی زادہ متنِ دیوان کی طباعت کے بعد دستیاب ہوا تھا۔ اس لیے اس سے متعلق معلومات کو «استدراک» کے تحت عرشی زادہ نے مرتب کردیا ہے جو الگ باب کی حیثیت سے شامل ہے ۔

جہاں تک نسخۂ عرشی کے متن کا تعلق ہے، اس میں میرزا صاحب کی آخری اصلاح پیش کی گئی ہے، اور باقی ترمیموں کو اختلافِ نسخ میں جگہ دی ہے ۔ لیکن کہیں کہیں کسی خاص وجہ سے اس کے خلاف بھی عمل میں آیا ہے ۔ مثلاً میں نے اس امر کی بھی سعی کی ہے کہ میرزا صاحب نے آخری زمانے میں اپنے کلام میں جو اصلاح کی ہے اُسے خوش ذوقی کے پیمانے سے بھی ناپوں ۔ اگر میری دانست میں اُن کی یہ سعی خوب کو خوب تر

بنانے والی معلوم ہوئی ہے، تو اُسے متن میں رکھا ہے۔ ورنہ متن کے اندر پرانے لفظوں کو برقرار رکھ کر حاشیے میں اصلاح کا تذکرہ کردیا ہے۔ بظاہر یہ اصولِ ترتیب و تصحیح سے انحراف ہے۔ مگر آخر اصول میں کسی قدر لچک بھی تو ہوا کرتی ہے۔ میرزا صاحب کا مشہور شعر ہے:

ہے صاعقہ و شعلہ و سیماب کا عالم

آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں. گو آے

نسخۂ رام پور جدید کی جو نقل ۱۸۶۳ع میں منشی شیونراین کے اہتمام سے چھپی ہے، اُس میں پہلا مصرع یوں ہے:

ہے زلزلہ و صرصر و سیلاب کا عالم

میری دانست میں اس شعر پر یہ اُن کی آخری اصلاح ہے۔ مگر پہلی بات تو یہ کہ جدید مصرع شعر کے مصرعِ ثانی سے زیادہ میل نہیں کھاتا۔ مصرعِ ثانی میں محبوب کی آمد کی حیثیت ایک چھلاوے کی سی ظاہر کی گئی ہے۔ یعنی وہ دم بھر میں نظر آکر غائب ہوجاتا ہے۔ یہ کیفیت قدیم مصرع سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے، اصلاحی شکل سے نہیں ہوتی۔ زلزلے، صرصر اور سیلاب کے گزرنے پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اگرچہ وہ آیا مگر اُس کا آنا معلوم ہی نہ ہوا، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے گردوپیش کو جھنجوڑ کر رکھ دیتا ہے اور نتیجے میں تباہی و بربادی کے ایسے نقوش چھوڑ جاتا ہے جو مدتوں تک باقی رہتے ہیں۔ اس کے برخلاف صاعقہ، شعلہ اورسیماب کا جلوہ دم بھرکا ہوتا ہے۔ مزید برآں مجھے محبوب کے لیے تباہ‌کاری و بربادی کا نقشہ پسند نہ آیا۔ محبوب کی شوخ طبعی اور سیماب مزاجی کے ذکر میں جو لطف ہے وہ اُس کے ظلم و جور کے بیان میں کہاں۔ اس بات کو اُنھوں نے دوسری جگہ یوں کہا ہے:

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا

بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

اسی لیے میں نے پرانے لفظوں کو متن میں اور اصلاحی شکل کو حاشیے میں جگہ دی ہے اور متوقع ہوں کہ اصولِ متعارفہ سے اس انحراف کو پسند فرمایا جائے گا۔

زیر مطالعہ نسخے

اس ایڈیشن کی تیاری میں دیوان کے جن قلمی اور مطبوعہ نسخوں سے مدد لی ہے اُن کی کیفیت حسبِ ذیل ہے:

الف : قلمی نسخے

۱ - نسخۂ عرشی زادہ - اس کی علامت عز ہے -

دیوانِ غالب کے قلمی نسخوں میں یہ نسخہ سب سے قدیم اور کاملاً بخطِ غالب ہونے کی وجہ سے معتبر اور اس لیے سب سے افضل اور اہم ہے - یہ ۵ اپریل ۱۹۶۹ع کو بھوپال میں دریافت ہوا. اور یکم مئی ۱۹۶۹ع کو مجھے اس کے مطالعے کا موقع ملا - اس نسخے میں ۶۳ ورق ہیں - ورق ۱ الف سادہ اور بے نشان ہے - ورق ۶۳ ب بھی سادہ تھا، جس پر بعد میں چند الفاظ بخطِ غالب اور تین شعر حاشیے کی غزلوں والے خط میں درج ہوے ہیں - کہیں صفحے یا ورق کا نمبر نہیں ڈالا گیا ہے - رکاب بھی صرف ابتدائی تین صفحات پر ہے - کاغذ دیسی ہاتھ کا بنا ہوا ہے - اشعار کا اندراج ترچھا بیاض نما ہے - مکتوبہ حصے کا طول ۶.۴ اور عرض ۴.۲ انچ ہے - اگر حاشیے کو بھی ناپ میں شامل کرلیا جائے، تو طول ۹ انچ اور عرض ۶.۲ انچ ہو جاتا ہے - مکمل متن نہایت خوش خط شفیعا ہے - روشنائی سیاہ ہے - پیشانیِ کتاب کی عبارت ہے:

یا علی المرتضیٰ علیه و علی اولاده الصلوٰة والسلام
یا حسن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا حسین
ابوالمعالی میرزا عبد القادر بیدل رضی اللہ عنه

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے علاوہ تمام عبارت شنجرف سے لکھی گئی ہے - تخلص کے لیے ہر جگہ بیاض چھوڑی تھی، تاکہ تکمیلِ کتابت کے بعد ان مقامات کو شنجرفی روشنائی سے پُر کر دیا جائے - مگر بعد میں یہ اہتمام صرف ورق ۲ ب کالم ۱ تک ھی ھوسکا ہے - باقی ماندہ مقامات یا تو سادہ رہ گئے یا تخلص سیاہ روشنائی سے لکھ دیا گیا -

اس نسخے میں غزلوں کی تعداد ۲۵۴ ہے، جن میں سے ۲۴۰ متن میں مندرج ہیں - حاشیے

کی غزلیں دو مختلف خطوں میں ہیں۔ ان میں سے ردیف ن کی ایک غزل مکرر نقل ہوئی ہے۔ اُردو رباعیاں گیارہ ہیں۔ مگر خدا جانے کیوں. فارسی کی ١٣ رباعیاں بھی اُردو رباعیوں سے قبل تحریر کی گئی ہیں۔

اس نسخے کی پہلی غزل: نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا، ورق ١ ب پر اور آخری غزل: سوختگاں کی خاک میں ریزشِ نقش داغ ہے، ورق ٦٠ ب پر ہے۔ اس کے مقطع کے بعد ورق ٦١ الف پر لکھا ہے: «تمام شد غزلیات بعونه تعالا فقط»۔ آیندہ کالم سے «عنوانِ صحیفۂ رباعیات» لکھ کر فارسی رباعیات شروع کی ہیں۔ ورق ٦٢ الف کے آخری کالم سے اردو رباعیاں شروع ہوئی ہیں، جن کا اختتام «تمت تمام شد» کے ساتھ ورق ٦٣ الف پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد چار سطری ترقیمہ ہے۔

اس نسخے کے متن کے اردو اشعار کی تعداد بتفصیلِ ذیل ہے:

غزلیات

الف	٣١٢	ح	٥	ع	١٠	م	٣٥
ب	١٢	د	٢٨	غ	١١	ن	١٦٢
ت	١١	ر	٤٤	ف	١١	و	٤١
ث	١٣	ز	٤٤	ک	٥	ہ	٥٠
ج	١٤	س	١٦	گ	٨	ی	٦٤٨
چ	١٤	ش	١٤	ل	٣٣		

رباعیات ٢٢

١٥٦٣

متن کے علاوہ ردیف، الف، ع، گ، اور واو میں ایک ایک، اور ی میں تین، کل سات شعر بخطِ متن حاشیوں میں یا بین السطور میں بڑھائے گئے ہیں۔ جو غزلیں حاشیوں پر بخطِ غیر اضافہ کی گئی ہیں، وہ ردیف ن، و اور ی کی ہیں۔ ان کے اشعار کی کل تعداد ١٢٢ ہے۔ ان میں ردیف ن کی ایک غزل مکرر ہے، اس لیے اس کے اشعار کو شمار نہیں کیا گیا۔ ردیف ی کی ایک غزل

کے تین ابتدائی شعر: مہار، کیے ہوے، مژگاں کیے ہوے، اور گریباں کیے ہوے، کسی وقت جلد بند کی تراش میں ضائع ہوگئے ہیں ۔ اُنھیں بھی شمار کیا جائے، تو اشعار کی تعداد ۱۲۵ ہو جائے گی ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس نسخے میں بخطِ متن ۱۵۷۰ اردو شعر ہیں، جن کی تعداد بخطِ غیر اشعار کو شامل کر کے (۱۲۲ + ۱۵۷۰) ۱۶۹۲ ہوتی ہے ۔ اور اگر ضائع شدہ مذکورہ اشعار بھی موجود ہوتے، تو یہ تعداد (۱۲۵ + ۱۵۷۰) ۱۶۹۵ ہوجاتی ۔

میرزا صاحب نے ورق ۲۸ الف پر ردیفِ نون کی غزل کے ایک شعر «تماشا کہ... تمنا سے ہم دیکھتے ہیں» کے بعد «تا ایں جا نوشتہ ام» اور آئندہ شعر «سراغِ تفِ نالہ... نقشِ قدم دیکھتے ہیں» سے پہلے «ازیں جا شروع» لکھا ہے، جو زیرِ بحث مخطوطے سے تیار ہونے والے آئندہ نسخے میں تکرارِ نقل سے بچنے کی غرض سے ہے ۔ متعدد غزلوں پر صاد بنایا گیا ہے، اور یہ علامت دو غزلوں پر شنجرفی اور باقی مقامات پر سیاہ ہے ۔

غزلوں میں سے ۲۵ غیر مطبوعہ ہیں ۔ ان میں سے ایک غزل «....دمِ چند رہا» پہلے سے معلوم تھی ۔ مگر تذکرۂ ہمیشہ بہار کے غلط انتساب نے اس کا کلامِ غالب ہونا مشکوک بنا دیا تھا ۔ اب زیرِ بحث نسخے میں اس کی موجودگی سے یہ شک دور ہوگیا ۔ ۱۲ غزلوں پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا گیا ہے، جو اس کی علامت ہے کہ اس سے جو نسخہ نقل کیا جائے اُس میں یہ غزلیں شامل نہ ہوں ۔ مگر ایک قلمزد غزل آئندہ نقل ہوئی ہے ۔ دو غزلوں کو نظری قرار دیا ہے، تاہم یہ نسخۂ بھوپال میں موجود ہیں ۔ مطبوعہ غزلوں میں بھی ۲۲ نئے شعر دستیاب ہوے ہیں ۔ یہ سارا غیر معروف کلام باد آورد کے تحت اندراج پاچکا ہے ۔ فارسی رباعیوں میں سے ۱۲ کلیاتِ نظمِ فارسی کے کسی قلمی یا مطبوعہ نسخے میں موجود نہیں ۔ ایک رباعی قدرے اختلاف کے ساتھ کلیاتِ فارسی میں شامل ہے ۔

اس مخطوطے کا متن اور اصلاحات دونوں میرزا صاحب کی معروف املائی خصوصیات کی حامل ہیں ۔ البتہ دو حرف ذ اور ط جنھیں میرزا صاحب نے عربی الاصل قرار دے کر فارسی الفاظ میں ترک کر دیا تھا، اس میں پائے جاتے ہیں، جو اس کا ثبوت ہیں کہ اُن کا یہ عقیدہ زیرِ بحث مخطوطے کی تکمیل کے بعد کا اختیار کردہ ہے ۔ کئی مقامات پر میرزا صاحب

سے سہو بھی ہوا ہے، جس کی نشاندھی استدراك میں کی جاچکی ہے ۔ حواشی کے اندراجات دو مختلف اشخاص کے قلم سے ہیں جو بدخط بھی ہیں اور املا کی غلطیاں بھی کرتے ہیں۔ یہ ان کی کم سوادی کی دلیل ہے ۔ مثالیں استدراك میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں ۔

یہ نسخہ از روے زمانہ نسخۂ بھوپال سے مقدّم ہے۔ اس دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ جو غزلیں نسخۂ مذکور اور نسخۂ بھوپال میں مشترك ہیں، اُن کے مختلف شعروں کا متن زیرِ بحث نسخے میں پہلے اور تھا، بعد میں میرزا صاحب نے ترمیم کردی ہے ۔ نسخۂ بھوپال میں وہ شعر ان ترمیم شدہ الفاظ کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ مثلاً

(۱) نسخۂ بھوپال میں ہے:

مطربِ دل نے مرے تارِ نفس سے، غالب ساز پر رشتہ پے نغمۂ بیدل باندھا

نسخۂ زیرِ بحث میں مصرعِ اول پہلے یوں تھا:

وہ نفس ہوں کہ، اسد، زمزمۂ فرصت نے

پھر اُسے قلمزد کر کے دوسرے مصرع کے نیچے لکھا:

وہ نفس ہوں کہ، اسد، مطربِ دل نے مجھ سے

نسخۂ بھوپال کا مصرع ان دونوں اصلاحوں کے بعد کہا گیا ہے۔ دوسرا مصرع نسخۂ زیرِ بحث میں پہلے اس طرح تھا: رشتہ بر ساز پے نغمۂ بیدل باندھا۔ بعد ازاں اُسے «ساز پر رشتہ» کر دیا جیسا کہ نسخۂ بھوپال میں ہے ۔ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ نسخۂ بھوپال کا متن بعد کا ہے۔

(۲) نسخۂ بھوپال کا شعر ہے:

اسیرِ بے زباں ہوں، کاشکے! صیادِ بے پروا بدامِ جوہرِ آئینہ ہو جاوے شکار اپنا

زیرِ بحث نسخے میں پہلے مصرعِ اول یوں تھا:

گرفتارانِ الفت بے زباں ہیں، کاش! صیادے

پھر اُسے قلمزد کر کے حاشیے پر لکھا ہے:

اسیرِ بے زبانی ہوں، مگر صیادِ بے پروا

اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ نسخۂ بھوپال میں تیسری بار اصلاح ہوئی ہے۔

(۳) نسخۂ بھوپال میں ہے:

تمنائے زباں محوِ سپاسِ بیزبانی ہے مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بیدست و پائی کا

نسخۂ زیرِ بحث میں پہلے «بیزبانی ہا» تھا۔ اسے کاٹ کر «بے زبانی ہے» بنایا ہے۔ دوسرے مصرع میں موجودہ نسخے کے اندر «مٹا» کی جگہ «گیا» ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعد کی اصلاح ہے۔

(٤) نسخۂ بھوپال میں ہے:

اُگی اک پنبۂ روزن سے بھی چشمِ سفید آخر حیا کو انتظارِ جلوہ ریزی کے کمیں پایا

نسخۂ زیرِ بحث میں پہلے یوں تھا:

اُگی چشمِ سفید از پنبۂ روزن، تماشا ہے

پھر آخری الفاظ قلمزد کر کے جو متن قرار دیا نسخۂ بھوپال میں وہی نقل ہوا ہے۔

(٥) نسخۂ بھوپال میں ہے:

لکھی یاروں کی بدمستی نے میخانے کی پامالی ہوئی قطرہ فشانی ہائے مے بارانِ سنگ آخر

نسخۂ زیرِ بحث میں مصرعِ اول پہلے یوں تھا:

ز بدمستیِ مینوشاں ہوا ویرانہ مے خانہ

اسے قلمزد کر کے حاشیے پر وہ مصرع لکھا ہے جو نسخۂ بھوپال کے متن میں ہے۔

اس مخطوطے کے نسخۂ بھوپال سے اقدم ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ اس کی ہر غزل میں اسد تخلص نظم کیا گیا ہے۔ غالب تخلص کی ایک غزل بھی متن کے اندر نظر نہیں آتی۔ اس کے برخلاف نسخۂ بھوپال میں دونوں تخلص استعمال ہوئے ہیں۔ ہاں اس نسخے کے کچھ مقطعوں میں میرزا صاحب نے اصلاح کرتے ہوئے بجائے اسد کے غالب تخلص ڈالا ہے۔ نسخۂ بھوپال میں ایک دو کے علاوہ یہ سب مقطع غالب تخلص کے ساتھ نقل ہوئے ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ نسخۂ بھوپال، نسخۂ زیرِ بحث کے بعد کا ہے۔ مثالاً:

(۱) نسخۂ زیرِ بحث میں پہلے تھا:

شمع ہوں، تو بزم میں جا پاؤں مانندِ اسد بے محل، اے مجلس آرائے نجف، جلتا ہوں میں

بعد ازاں «مانندِ اسد» قلمزد کر کے اُوپر لکھا: «غالب کی طرح»۔ نسخۂ بھوپال میں یہ آخری شکل ملتی ھے۔

(۲) نسخۂ زیرِ بحث میں پہلے تھا:

جنونِ فرقتِ یارانِ رفتہ ھے کہ اسد | بہ رنگِ دشت دلِ پُر غبار رکھتے ھیں

بعد ازاں «کہ اسد» کی جگہ غالب بنا دیا۔ نسخۂ بھوپال میں غالب ھی ھے۔

(۳) نسخۂ زیرِ بحث میں پہلے تھا:

اسد، وہ گل کرے جس گلستاں میں جلوہ فرمائی | چٹکنا غنچۂ گل کا صدائے خندۂ دل ھے

اس کے بعد مصرعِ اول کو قلمزد کر کے حاشیے پر لکھا ھے:

وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے، غالب

نسخۂ بھوپال میں یہی مصرع نقل ھوا۔

(۴) نسخۂ زیرِ بحث میں پہلے تھا۔

وہ دیکھ کے حسن اپنا ھوتا ھے، اسد، مغرور | صد جلوۂ آئینہ یک صبحِ جدائی ھے

پھر «اسد مغرور» کو قلمزد کر کے بین السطور میں لکھا: «مغرور ھوا غالب»۔ نسخۂ بھوپال میں یہی الفاظ ملتے ھیں۔

(۵) نسخۂ زیرِ بحث میں پہلے تھا:

اسد، اس فصل میں کوتاھیِ نشو و نما سمجھو | اگر گل بر قدِ شمشاد پیراھن نہ ھوجاوے

پھر اس کو یوں کردیا:

سمجھ اس فصل میں کوتاھیِ نشو و نما، غالب | اگر گل سرو کے قامت پہ پیراھن نہ ھو جاوے

اوپر جو کچھ میں نے عرض کیا ھے اُس سے یہ معلوم ھوگیا ھوگا کہ نسخۂ زیرِ بحث زمانے کے لحاظ سے نسخۂ بھوپال سے پُرانا ھے، اور یہ کہ اس میں میرزا صاحب کی ترمیمیں بھی ھیں، جس کا یہ مطلب نکلتا ھے کہ یہ خود شاعر کا نسخہ ھے۔

اس نسخے کے آخر میں حسبِ ذیل ترقیمہ ھے:

«بتاریخِ چہاردھم رجب المرجب یومِ سہ شنبہ سنہ ھجری وقت دوپہر روز باقی ماندہ فقیرِ بیدل

اسد اللہ خاں عرف مرزا نوشہ متخلص بہ اسد عفی اللہ عنہ از تحریرِ دیوانِ حسرت عنوانِ خود فراغت یافتہ بہ فکرِ کاوشِ مضامینِ دیگر رجوع بخیالِ روحِ میرزا علیہ الرحمۃ آورد۔ فقط۔

اس عبارت سے صراحت کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے کہ نسخۂ زیر بحث کی کتابت خود میرزا صاحب نے کی ہے اور یہ ایسا شرف ہے جو میرزا صاحب کے تا حال معلومہ قلمی نسخہ ہاے دیوان میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہوا۔

منقولہ خاتمے کے لفظ سنہ کے اوپر ہندسے لکھے ہوے نہیں ہیں۔ میرزا صاحب نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں۔ مثلاً: کتاب ختم کرتے وقت وہ سرخوشی کے عالم میں ہوں اور سنہ کا اندراج یاد نہ رہا ہو، یا تخلص کی طرح سال کے ہندسے بھی شنجرف سے لکھنے کا ارادہ ہو جو عمل میں نہ آسکا، یا ہندسوں کا لکھنا ہی غیر ضروری جانا ہو۔ یہ آخری صورت بھی اُس زمانے کی روش اور میرزا صاحب کے مزاج دونوں کے پیشِ نظر بعید از قیاس نہیں[1]۔ بہر حال اُنھوں نے صراحت کردی ہے کہ منگل کے دن ۱۴ رجب کو اس کام سے فراغت پائی۔ ہمارے علم میں آچکا ہے کہ یہ نسخہ صفر ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ع) سے پہلے کا ہے، جو نسخۂ بھوپال کی تاریخِ کتابت ہے۔ خود اس دیوان کے ورق ۴۱ الف کے بائیں حاشیے پر میرزا صاحب کے قلم کی یہ تحریر ہے: «لعل خاں بتاریخِ اوّلِ صفر ۱۲۳۵ھ۔ در ماہہ ۲ رُپے ۸ آنے» اس تحریر سے جہاں اُن کی جوانی کے ایک ملازم کا نام اور تنخواہ کا علم ہوتا ہے، وہاں یہ بھی یقین ہوجاتا ہے کہ دیوانِ مذکور یکم صفر ۱۲۳۵ھ سے پہلے کا مکتوبہ ہے۔ جنتری بتاتی ہے کہ اس سنہ سے چار برس پہلے ۱۲۳۱ھ میں منگل کے دن رجب کی چودہ تاریخ تھی۔ لہذا ہم باطمینان یہ کہ سکتے ہیں کہ نسخۂ مذکور، میرزا صاحب نے منگل ۱۴ رجب ۱۲۳۱ھ کو تمام کیا، جو ۱۱ جون ۱۸۱۶ع کے مطابق ہے۔

میرزا صاحب رجب ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوے تھے، اور اس دیوان کے اتمام کے وقت اُن کی عمر قمری حساب سے ۱۹ برس کی ہوگی دیوان کی غزلوں کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اتنی کم عمری میں خاصے مقامات پر شاعر کا تخیل کتنا گہرا اور طرزِ ادا کتنی دلآویز اور پختہ ہے۔ اگر نسخۂ بھوپال گم نہ ہوا ہوتا، تب بھی یہ نسخہ اس لیے قابلِ قدر تسلیم کیا جاتا کہ یہ اقدم

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، نو دریافت دیوان غالب کے سنہ کتابت کا مسئلہ از عرشی زادہ، ماہنامہ تحریک، دہلی، مارچ ۱۹۷۰ع۔

بھی تھا اور خود بقلمِ شاعر بھی۔ لیکن اب تو صرف یہی نسخہ ہے جو ہر لحاظ سے بے بہا اور نایاب ہے۔

دو توجہ طلب امور اور عرض کردوں:

پہلا یہ کہ عنوان اور ترقیمہ دونوں میں میرزا بیدل کا عقیدت مندانہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی تک میرزا صاحب کے دل و دماغ پر بیدل کا پورا تسلط تھا۔

دوسرا یہ کہ کتاب کا آغاز حضرتِ علی اور حضراتِ حسنین کے اسمائے گرامی سے ہوا ہے۔ نیز اندرونِ کتاب میں بھی حضرتِ علی کے اسمِ مبارک پر علیہ السلام کی علامت ع بنائی گئی ہے جو شیعی عقیدے کے عین مطابق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب ۱۹ سال کی عمر سے پہلے ہی شیعہ ہو چکے تھے۔

۲۔ نسخۂ بھوپال۔ اس کی علامت ق ہے۔

دیوانِ غالب کے معلومہ قلمی نسخوں میں یہ دوسرے نمبر کا ہے[1]۔ میں نے کل ہند انجمن ترقی اُردو کے اجلاسِ ناگپور (منعقدۂ ۱۹۔۲۰۔۲۱ جنوری ۱۹۴٤ع) سے واپسی میں خاص اس نسخے کو دیکھنے کے لیے بھوپال میں دو دن قیام کیا تھا۔ اس مختصر مدت میں اس گوہرِ بے بہا کی حالت بھی دیکھی اور جہاں تہاں سے اصل اور مطبوعہ نقل کا مقابلہ بھی کیا۔ حالت یہاں بیان کرتا ہوں۔ مقابلے کا نتیجہ حواشی و استدراک میں ملاحظہ فرمائیے۔

اس مخطوطے کا ناپ ۲۲ × ۸/۲۹ اور کاغذ عمدہ کشمیری ہے۔ جدولیں رنگین اور طلائی اور باریکا لاجوردی ہے۔ روشنائی سیاہ اور عنوانات شنجرفی ہیں۔ تعدادِ اوراق ۷۵ اور مسطر گیارہ سطری ہے۔ ان اوراق کے علاوہ اول و آخر میں کھردرے دیسی کاغذ کے سادہ اوراق بھی ہیں جن پر تکمیلِ کتابت کے بعد کچھ اضافے کیے گئے ہیں۔

۱۔ سب سے پہلے اس نسخے کا علم سید سلیمان ندوی مرحوم کے شذرات معارف بابت ستمبر ۱۹۱۸ع سے ہوا تھا جس میں انہوں نے بتایا تھا کہ کتب خانۂ حمیدیہ بھوپال میں مولوی عبدالسلام ندوی نے یہ انمول جواہر دیکھا۔ سید صاحب کی تحریر کے وقت یہ مخطوطہ عبدالرحمن بجنوری کے زیر مطالعہ تھا جو اسے انجمن ترقی اردو کی طرف سے اشاعت کے لیے مرتب کر رہے تھے۔ چنانچہ معارف نے بھی بجنوری سے اس نسخے کے بارے میں مضمون کی فرمائش کی تھی۔ لیکن بجنوری مرحوم کی بے وقت موت کے باعث یہ دونوں کام انجام نہ پا سکے۔

شروع میں فوجدار محمد خاں بہادر[1] کی مہر ہے، جس میں سنہ ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ع) منقوش ہے۔ کھردرے کاغذ کے ابتدائی سادہ اوراق میں سے پہلے دو ورقوں پر وہ فارسی غیر منقوط خط نقل کیا گیا ہے جو میرزا صاحب نے مولانا فضلِ حق خیرآبادی کو لکھا تھا[2]۔ ان دونوں ورقوں کے بعد دو اور انگریزی کاغذ کے ورق ہیں، ان بدیسی اوراق کی شمولیت بھوپال کا واقعہ معلوم ہوتی ہے۔ ان میں سے پہلے کے رُخ ب میں شمسے کے اندر لکھا ہے:

«دیوانِ ہذا من تصنیف میرزا نوشاہ دہلوی المتخاص بہ اسد۔ از کتبخانۂ سرکارِ فیض آثارِ عالی جاہ، عالم پناہ، میاں فوجدار محمد خاں بہادر، دام اقبالہ۔ قلمی۔ خوشخط۔»

دوسرے ورق کے رُخ الف میں شمسے کے اندر فوجدار محمد خاں کی بڑی مہر ہے، جس میں بخطِ طغرا «فوجدار محمد خاں بہادر» منقوش ہے۔ اس مہر کا سنہ ۱۲۶۱ھ ہے۔ اصل دیوان کے ورق ۱ الف پر انہیں صاحب کی دو چھوٹی مہریں ثبت ہیں، جن میں سنہ ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ع) منقوش ہے۔ یہ مہر کتاب کے اندر بھی کئی جگہ نظر آتی ہے۔

دیوان کا آغاز رنگین اور طلائی لوح کے تحت ہوا ہے، اور شروع میں قصائد درج ہیں۔ سب سے پہلا قصیدہ فارسی کا ہے، جس کا آغاز ہے[3]: بہرِ ترویجِ جنابِ والیِ یوم الحساب۔ یہ قصیدہ ورق ۴ الف پر ختم ہوگیا ہے۔ اس کے بعد ۴ الف کی آخری سطر سے «قصیدۂ حیدری بہ تمہیدِ بہارِ مغفرت» شروع ہوا ہے، جس کا آغاز ہے: سازِ یک ذرہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار۔ اس کا انجام ورق ۹ ب کی سطر ۲ پر ہوا ہے۔ اس کے بعد «ایضاً فی المنقبت» کے عنوان سے دوسرا اردو قصیدہ ملتا ہے، جس کا آغاز ہے: توڑے ہے عجزِ تنک حوصلہ بر روے زمیں۔ یہ قصیدہ ورق ۹ ب کی سطر ۳ سے شروع ہوکر ورق ۱۲ ب پر ختم ہوا ہے۔ اس کے بعد اسی عنوان سے تیسرا قصیدہ شروع ہوتا ہے، جس کا آغاز ہے: جو نہ نقدِ داغِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی۔ یہ ورق ۱۲ ب کی سطر ۶ سے شروع ہوکر ورق ۱۴ الف پر تمام ہوتا ہے۔

ورق ۱۵ ب سے دوسری رنگین اور طلائی لوح کے تحت غزلیں شروع ہوتی ہیں۔ اس پورے حصے میں دو غزلوں کے درمیان ایک سطر سادہ چھوڑی گئی ہے۔ اس صورتِ حال کی

۱- موصوف الذکر، نواب غوث محمد خاں بہادر کے بیٹے اور نواب سکندر جہاں بیگم والیۂ بھوپال کے چھوٹے ماموں تھے۔ انہوں نے ذیحجہ ۱۲۸۱ھ (مئی ۱۸۶۵ع) میں انتقال کیا ہے۔

۲- ملاحظہ ہو، کلیات نثر، پنج آہنگ: ۳۱۔

۳- ملاحظہ ہو، کلیات فارسی: ۴۷ جہاں یہ بعنوان ،قطعہ ۶۰ فاتحہ، مندرج ہے۔

وجہ سے ہر صفحے پر بالعموم دس شعر نقل ہوے ہیں۔ ان سادہ جگہوں میں معمولی خط میں، جگہ جگہ «واہ» لکھا گیا ہے۔

آخر میں کاتبِ نسخہ نے شنجرفی روشنائی سے لکھا ہے:

«دیوان من تصنیف مرزا صاحب و قبلہ المتخلص بہ اسد و غالب، سلمہم ربہم، علی ید العبد المذنب حافظ معین الدین بتاریخِ پنجمِ شہرِ صفر المظفر سنہ ۱۲۳۷ من الهجرۃ النبویہ صورتِ اتمام یافت»

یہ ہجری تاریخ، یکم نومبر ۱۸۲۱ عیسوی کے مطابق ہے۔ اس عبارت کے نیچے پھر فوجدار محمد خاں کی چھوٹی مہر ہے۔

دیوان کے متن اور حواشی دونوں میں جگہ جگہ اصلاحیں اور اضافے نظر آتے ہیں۔ ان کا قلم، روشنائی اور روشِ خط تینوں مختلف ہیں، جس سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کام مختلف اوقات میں انجام دیا گیا ہے۔ دیوان کے آخری سادہ اوراق میں بھی بعد کی کہی ہوئی غزلیں لکھی ہیں، مگر یہ سب ردیفِ یا کی ہیں۔ حک و اضافے کا خط جگہ جگہ میرزا صاحب کے اُس خط سے ملتا ہوا ہے جس سے ہم آشنا ہیں۔ مثلاً: تو فسردگی نہاں ہے بکمینِ بے زبانی، میں کاتبِ متن نے شاید منقول عنہ میں لفظ «نہاں» نہ پڑھے جاسکنے کے باعث سادہ جگہ چھوڑ دی تھی۔ میرزا صاحب نے اپنے قلم سے یہ لفظ لکھ کر اسے پُر کیا ہے۔ لیکن بعض مقامات پر یہ خط بالیقین میرزا صاحب کا نہیں معلوم ہوتا، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اُنھوں نے سرخوشی یا کسی دوسری وجہ سے کسی اور سے بھی یہ کام لیا ہے[1]۔

کچھ غزلوں کے آغاز کی سادہ جگھوں میں لفظ «غلط» لکھا گیا ہے، اور بعض غزلوں پر حرف «غ» اس طرح لکھا ہے کہ اُس کا سر، مطلع کے دونوں مصرعوں کے بیچ میں آیا ہے اور دائرے نے ساری غزل کو گھیر لیا ہے۔ یہ سب غزلیں وہ ہیں جو نسخۂ شیرانی میں شامل نہیں کی گئی ہیں۔ چند غزلوں کے مقابل حاشیے پر «مکرر نوشتہ شد» لکھا ہوا ہے۔ ان میں وہ بھی ہیں جن کو متن کی دو یا تین ہمطرح غزلوں سے انتخاب کر کے ایک دو جدید شعروں کے اضافے کے ساتھ بترتیبِ نو لکھا گیا ہے، اور وہ بھی ہیں جن کے اشعار میں اصلاح ہوئی ہے۔

۱۔ نیز ملاحظہ ہو استدراک: ۵۱۷ کالم ۲۔

ورق ۲۸ ب کے اوپر کے حاشیے میں لکھا ھے: «مقابلہ کردہ شد»۔ یہ اندرونی اصلاحوں کے قلم سے مشابہ ھے۔

معلوم ہوتا ھے کہ یہ دیوان، عبدالعلی نام کے کسی صاحب کے مطالعے میں بھی رہ چکا ھے[1]۔ اُنھوں نے کئی جگہ اپنی پسندیدگیِ اشعار کا اظہار حاشیوں پر صاد بنا کر کیا ھے، اور اکثر جگہ اس صاد کے ساتھ اپنا نام بھی لکھ دیا ھے۔ ردیفِ غ کی پہلی غزل: «عشاق اشکِ چشم سے دھوویں ہزار داغ»، کے متعدد شعروں کے مقابل «پسندِ عبدالعلی صمنہ» لکھا ھے۔ اسی ردیف کی دوسری غزل کے مقابل لکھا ھے: «پسندِ خاطرِ عبدالعلی»۔

ورق ۲۹ الف کے حاشیے میں باریکے کے اندر لکھا ھے: «محمد عبدالصمد مظہر»۔ میرے لیے یہ صاحب بھی انجان ھیں[2]۔

ترمیم و اضافے کی تحریریں ان دونوں کے خط سے مشابہ نہیں ھیں۔

ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب نے آغاز کے سادہ اوراق میں سے ایک پر، کتاب کے حوالہ نمبر وغیرہ کے ساتھ، کسی محمد حسین کے دستخط بتائے ھیں[3]۔ میری رائے میں یہ صاحب کتب خانۂ حمیدیہ کے کوئی کارکن ہوں گے۔ ان کے علاوہ پروفیسر حمید احمد خاں صاحب نے ایک نام آغا علی بھی نوٹ کیا ھے[4]۔ یہ عبدالعلی کی تصحیف ھے اور شاید شکستہ ہونے کے باعث درست نہیں پڑھا جاسکا۔

آخری سادہ اوراق میں جو غزلیں اضافہ کی گئی ھیں، اُن کے آخر میں لکھا ھے:

«دیکھ تو عکسِ قدِ یار لبِ جو پر سے۔ تمام شد۔ کارِ من نظام شد۔ ربِ یسّر و تمم بالخیر»۔

محولہ غزلیں، نیز مذکورہ عبارت، حاشیے کے اُسی بدخط میں ھے جس کا ذکر ہوچکا۔ یہ اس بات کا ثبوت ھے کہ ان غزلوں کا اندراج بھی میرزا صاحب کے ایما سے ہوا ھے[5]۔

بدنما خط میں جو اصلاحیں ھیں، اُن میں املا کی غلطیاں بھی نظر آتی ھیں۔ مثلاً: «فلک سے ہم کو عیشِ رفتہ کا کیا کیا تقاضا ھے» میں تقاضا کو «تقضا» لکھا ھے، یا «وارستگی، بہانۂ سنگی دلی نہیں» میں «بہانئے»، یا «بوسے میں وہ مضائقہ نکرے» میں «مضاعقہ»، یا «ہر ایک ذرۂ عاشق

۱ و ۲۔ ابو محمد سحر صاحب نے ان اشخاص کا بھوپالی ہونا دریافت کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان کا تعلق زمانۂ حال سے ہے۔ نیا دور، لکھنؤ، غالب نمبر ۱۹۶۹ء۔

۳۔ مجلۂ مکتبہ، حیدرآباد، مارچ ۱۹۲۹ء۔

٤۔ دیباچۂ نسخۂ حمیدیہ، طبع لاہور: ۲۶۔

۵۔ نیز ملاحظہ ہو استدراک: ۵۱۷ کالم ۲۔

ھے آفتاب پرست» میں «زرہ»، یا «خانہ زادِ زلف ھیں، زنجیر سے بھاگیں گے کیوں» میں «بھاگے نگے» لکھ دیا ھے۔

اس قسم کی غلطیاں میرزا صاحب جیسے شخص سے ۲۵ سال کی عمر میں سخت حیرت انگیز ھیں۔ اس بنا پر میں یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ھوں کہ بدنما تحریریں کسی اور شخص کے قلم کی ھیں۔

اس نسخے کے اشعار کی تعداد میں خود نہیں گن سکا تھا۔ مفتی انوارالحق مرحوم نے اپنے مرتبہ نسخے میں مقدارِ کلام کا ایک نقشہ درج کیا ھے[1]۔ مگر اُنھوں نے یہ نہیں بتایا کہ یہ متن کے اشعار تک ھی محدود ھے، یا اس میں حواشی اور آخر کے سادہ اوراق کا اضافی کلام بھی شمار کرلیا گیا ھے۔ عرشی زادہ نے استدراک کی ترتیب کے دوران میں نسخۂ بھوپال کے چار مشاھدین (مفتی انوارالحق، ڈاکٹر سید عبداللطیف، پروفیسر حمید احمد خاں اور عرشی) کی فراھم کردہ اطلاعات کا تقابل کیا، جس سے مفتی صاحب کے نقشے کی توثیق ھوئی اور یقین ھوگیا کہ یہ صرف غزلیاتِ متن کے اشعار کا مظہر ھے۔ نیز یہ معلوم ھوا کہ مفتی صاحب نے از راہِ سہو ک، گ دو ردیفوں کے اشعار یکجا شمار کر کے اُن کا اندراج صرف ردیفِ ک کے تحت کیا ھے۔ اسی طرح عرشی زادہ نے تقابل کے بعد حواشی وغیرہ کے اشعار کا بھی تعین کر دیا ھے۔ اس تقابلی مطالعے کے نتائج کا خلاصہ یہ ھے کہ نسخۂ بھوپال ۶۰ شعر کے ایک فارسی منقبتی قصیدے کے علاوہ اردو کے ۳ منقبتی قصیدوں، ۲۹۵ غزلوں اور ۱۱ رباعیوں پر مشتمل ھے۔ ان میں کی ۱۳ غزلیں حاشیوں (۱۲۲ شعر) پر اور ۷ غزلیں (۷۱ شعر) آخر کے سادہ اوراق میں نقل ھوئی ھیں۔ مکمل غزلوں کے علاوہ حاشیوں پر متن کی مختلف غزلیات کے ذیل میں ۱۱۲ شعر اضافہ کیے گئے ھیں، جن میں ۱۱۰ جدید اور ۲ قدیم شعر ھیں۔ یہ دو شعر نسخۂ عرشی زادہ کے متن میں موجود ھیں اور ظاھراً پہلے منسوخ قرار دیے جانے کے باعث نسخۂ بھوپال کے متن میں داخل نہیں ھوسکے۔ البتہ میرزا صاحب نے نظرِ ثانی کے وقت اپنے سابقہ فیصلے سے رجوع کر کے انھیں پھر شاملِ دیوان کر لیا۔ علاوہ ازیں متن کے ۱۹ مرجمہ اشعار اور ۲۸ دیگر اشعار حاشیوں پر مکرر درج ھوے ھیں۔ بعض اشعار حاشیوں پر دو جگہ نقل کردیے گئے ھیں۔ یہاں اُنھیں تکرار سے

---

[1] ۔ ملاحظہ ھو تمہید نسخۂ حمیدیہ:۹۔

بچنے کے لیے شمار نہیں کیا گیا۔ ذیل میں متن و حواشی وغیرہ کے اشعار کی تفصیل پیش کی جاتی ہے، جن کی مجموعی تعداد ٢٤١٦ ہے۔ اس گوشوارے میں حاشیے کے مرمہ اشعار نیز دیگر مکررات محسوب نہیں۔

متن کے اردو اشعار کی تعداد بتفصیلِ ذیل ہے:

قصائد	٢٠٦
غزلیات	١٨٨٣ ←
رباعیات	٢٢
	٢١١١

الف	٤٠٥	ح	٥	ع	١٣	م	٣٦
ب	١٣	د	٤٠	غ	١٢	ن	١٨٩
ت	١١	ر	٥٦	ف	١١	و	٤٧
ث	١٣	ز	٥٩	ک	٢١	ہ	٥٤
ج	١٤	س	١٦	گ	٩	ی	٧٨٨
چ	٢٣	ش	١٤	ل	٣٤		

حواشی اور آخر کے اشعار کی تعداد بتفصیلِ ذیل ہے:

الف	٧٧	ر	٤	م	١
ب	١٢	ز	٦	ن	٣٥
ت	١٥	س	٨	و	١٠
ث	١	ف	٣	ہ	١
ج	١	ک	٣	ی	١١٦
د	١	ل	١١		٣٠٥

مفتی صاحب کی رائے میں یہ نسخہ لکھا تو گیا تھا فوجدار محمد خاں بہادر بھوپالی کے لیے، لیکن کم سے کم ایک بار، اور ممکن ہے کہ چند مرتبہ، تصحیح و ترمیم کی غرض سے غالب کے پاس بھی گیا اور اُن کی نظر سے گزرا[1]۔ لیکن فی الحقیقت یہ میرزا صاحب ہی کے لیے لکھا گیا تھا، اور نسخۂ شیرانی و گلِ رعنا کی تیاری کے بعد تک اُنھیں کے پاس رہا۔ اس لیے کہ اس کی تمام ترمیمیں اور اصلاحیں نسخۂ شیرانی میں موجود ہیں۔ نیز اس میں اصلاح و اضافے کا کام گلِ رعنا کی ترتیب کے بعد تک جاری رہا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ میرزا صاحب کا یہ

١- تمہید نسخۂ حمیدیہ: ٦-

متداول مقطع:

ھستی کے مت فریب میں آجائیو، اسدؔ　　عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ھے

اس نسخے کے حاشیے میں نقل ہوا ھے، متن میں نہیں، جب کہ نسخۂ شیرانی کے متن میں اس غزل کا قدیم مقطع درج ھے، اور نسخۂ شیرانی نیز گلِ رعنا میں زیر بحث شعر کا مصرعِ اول: «ھستی کے مت فریب میں آجائیو کہیں» ھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نسخۂ بھوپال کے حاشیے کی شکل بعد کی ھے اور نسخۂ شیرانی و گلِ رعنا کی روایت قدیم ھے۔ نیز نسخۂ بھوپال کے حاشیے کا مذکورہ اضافہ گلِ رعنا کی ترتیب کے بعد کا واقعہ ھے۔

بہر حال یہ نسخہ فوجدار محمد خاں بہادر کے کتاب خانے میں کب پہنچا؟ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن ۱۲۴۸ھ والی مہر بتاتی ھے کہ اس سال کے بعد ھی اسے وھاں باریابی حاصل ہوئی ہوگی، جو دیوانِ غالب کے متداول انتخاب کی تاریخِ ترتیب ھے۔

ریاست بھوپال کے ھندوستان میں انضمام کے بعد یہ گوھرِ بے بہا کتب خانۂ حمیدیہ سے گم ہوگیا۔ میں نے جب اس کے متعلق لائبریرین سے خط لکھ کر دریافت کیا، تو اُنھوں نے بتایا کہ حمید اللہ خاں صاحب نوابِ بھوپال نے انضمام سے پہلے اسے اپنے پاس طلب کر لیا تھا۔ خود نواب صاحب مرحوم سے جناب آصف فیضی کی معرفت معلوم کیا، تو اُنھوں نے فرمایا کہ مجھے پتا چلا ھے کہ وہ نسخہ کتب خانے سے غائب ہوگیا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

۳ - نسخۂ شیرانی - اس کی علامت قا ع -

تاریخی لحاظ سے یہ نسخۂ دیوان تیسرے نمبر کا ھے۔ اس سے نسخۂ بھوپال کی توثیق بھی ہوتی ھے اور نسخۂ حمیدیہ کی تصحیح بھی۔ پہلے یہ پروفیسر محمود خاں شیرانی مرحوم کی ملکیت تھا۔ اب پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں محفوظ ھے۔ اس کا عہدِ ترتیب ۱۲۴۲ھ ھے۔

اس کی تقطیع ۱۰۱/۲ × ۷ ۱/۲ انچ اور متن کا ناپ ۷ × ۳ ۱/۲ انچ ھے۔ تعدادِ اوراق ۱۰۹ اور مسطر ۱۱ سطری ھے۔ متن کی روشنائی کالی اور تخلص کی شنگرفی ھے۔ مصرعوں کو جدا کرنے کے لیے درمیان میں سرخ جدولیں ھیں۔ نسخے کے کنارے آب رسیدہ ھیں، اور کئی آخری

ورق خفیف سے کرمخوردہ بھی ہیں۔

رکابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ورق ۱۶ کے بعد کم از کم ایک اور ورق ۲۶ کے بعد دو ورق کم ہیں۔ ورق ۱۰۶ کے بعد متعدد اوراق کا نقصان نظر آتا ہے۔

ورق ۱، الف پر «دیوانِ غالب اردو» لکھا ہے۔ اس کے علاوہ لائبریری کے بعض نمبر بھی درج ہیں۔ اس صفحے پر کتاب کا نام اور مذکورہ نمبر دونوں زمانۂ حال کے اندراجات ہیں۔ ۱، ب پر سرخ، سبز، نیلی اور سنہری لوح ہے، جس کے بیچ میں «یا فتاح» لکھا ہے۔ اس کے بعد «بسم اللہ» ہے اور پھر غزلیں شروع ہوکر ورق ۱۰۶ ب پر یکایک ختم ہوجاتی ہیں۔ ورق ۱۰۷ الف سے ۱۰۹ ب تک نونیہ قصیدہ ہے۔ اس کا آغاز کبھی غائب ہوگیا ہے۔ رباعیاں اس نسخے سے ساقط ہیں۔

ڈاکٹر وحید قریشی اور عرشی زادہ کا قیاس ہے کہ زیرِ بحث نسخے میں بھی اصنافِ سخن کی ترتیب نسخۂ بھوپال کے مطابق تھی، یعنی پہلے قصائد پھر غزلیات اور آخر میں رباعیات تھیں۔ اس سلسلے میں عرشی زادہ کا کہنا ہے کہ یا تو کسی وقت جلد ساز کی غلطی سے حصۂ قصائد آخر میں مجلد ہوگیا ہے، یا کسی شخص نے مصلحتاً نقصانِ اوراق کا عیب چھپانے کی غرض سے حصۂ قصائد کے باقی ماندہ اوراق آخر میں مجلد کرادیے ہیں۔ ترتیب کے اس تغیر کے بعد غزلیات کی لوح سے کتاب کا آغاز اور نونیہ قصیدے کے آخری شعر پر کتاب کا اختتام ہوا جس کی وجہ سے بظاہر کتاب مکمل نظر آتی ہے اور اس کے نقص پر پردہ پڑجاتا ہے۔ عرشی زادہ نے اصل نسخے کی کیفیت کو مدِّ نظر رکھتے ہوے یہ ثبوت بھی پیش کیا ہے کہ مذکورہ آب رسیدگی نے اوراق کے بائیں کناروں اور اُن کے دوسرے رُخ پر کچھ نشانات چھوڑے ہیں۔ حصۂ غزلیات کے ابتدائی اوراق (ورق ۱ الف تا ورق ۱۹ ب) اور حصۂ قصائد کے آخری اوراق میں جو نشان ہیں وہ ایک دوسرے سے بہت مماثلت رکھتے ہیں۔ البتہ درمیان کے اوراق (ورق ۲۰ الف تا ورق ۱۰۶ ب) میں یہ نشانات موجود نہیں۔ مبینہ شکل تبھی ممکن ہے جب کہ حصۂ قصائد بھی آب رسیدگی کے وقت آغاز ہی میں شامل ہو اور پانی کا اثر ان اوراق پر ایک ساتھ ہوا ہو۔ ڈاکٹر وحید قریشی نے یہ دلیل دی ہے کہ چونکہ نسخۂ شیرانی کی ترتیب کا زمانہ غالب کے

مذہبی رجحانات کی تندی کا ہے، اس لیے منقبتی کلام کا کتاب کے آخر میں درج ہونا کھٹکتا ہے۔ چونکہ مذکورۂ بالا دلائل خاصے اطمینان بخش ہیں، اس لیے یہ کہنا درست ہوگا کہ نسخۂ زیرِ بحث کے کچھ ابتدائی ورق، جن پر رائیہ اور یائیہ قصیدے، اور آخر کے کچھ ورق جن پر چند غزلیں اور رباعیاں تھیں، اوراق کی مذکورہ غلط ترتیب سے قبل ہی ضائع ہوگئے ہیں۔ چونکہ نسخۂ بھوپال کے قصائد اور رباعیات کا انتخاب متداول دیوان میں موجود ہے، اس لیے بالیقین یہ سارا کلام زیرِ بحث نسخے میں بھی شامل تھا۔ نیز نسخۂ بھوپال کی ایک غزل، شبنم بہ گلِ لالہ نہ خالی ز ادا ہے، زیرِ بحث نسخے میں نہیں، مگر متداول دیوان میں نظر آتی ہے۔ ایسی صورت میں یہاں اس کی غیر موجودگی نقصانِ اوراق ہی کے سبب سے ہوسکتی ہے۔

ساری کتاب کا حاشیہ دُہرا ہے۔ بیرونی حاشیے کی جدول نہایت باریک نیلی ہے۔ پھر ڈیڑھ انچ جگہ چھوڑ کر اندرونی حاشیے کی جدولیں پہلے نیلی اور پھر دُہری سرخ ہیں۔ ہر دو غزلوں کے درمیان ایک سطر بھر سادہ جگہ چھوڑی گئی ہے۔ جس مقطع کو دو سطروں میں لکھا ہے (اور بیشتر ایسا ہی ہے) اُس کے دونوں جانب کی جگھیں سادہ ہیں۔

ورق ۲ الف کے حاشیے پر صاد بنا کر متداول دیوان کا یہ مقطع نقل کیا گیا ہے:

بسکہ ہوں، غالب، اسیری میں بھی آتش زیرِ پا

موے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

نیز اسی صفحے کے نچلے حاشیے میں نسخے کا «ن» بنا کر «نادیدنی دعوت» کی جگہ متداول الفاظ «داغِ جگر ہدیہ» لکھے ہیں۔

ورق ۲ ب کے حاشیے میں «نقشِ سویدا کیا ہے عرض» کے لفظ «عرض» کی جگہ متداول لفظ «درست» نقل کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں اضافے حال ہی کے کسی شخص کے ہیں۔

ورق ۲ ب اور ٤ الف کے حاشیوں میں وہ غزل تحریر ہے جس کا پہلا مصرع ہے: «ستایشگر ہے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا»، اور اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوا ہے: «از باندہ فرستادند»۔

ورق ۹ الف کے حاشیے میں «ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا» سے شروع ہونے والی غزل خود میرزا صاحب نے اپنے قلم سے لکھی ہے۔

ورق ۴۳ الف کے حاشیے میں «آبرو کیا خاک اُس گل کی کہ گلشن میں نہیں» اور «ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں» خوش خط قلم سے تحریر ہیں اور ان میں سے پہلی کا عنوان ہے: «از بانده رسید»۔ اس غزل کے ساتویں شعر میں لفظِ «ناز» میرزا صاحب نے اپنے قلم سے بین السطور میں بڑھایا ہے۔

ورق ۴۳ ب کے حاشیے میں سابق غزل کا تتمہ اور «نالہ جز حسنِ طلب، اے ستم ایجاد نہیں» بعنوانِ «غزل» اور بخطِ خوش منقول ہیں۔

ورق ۵۶ الف کے حاشیے میں «وہاں پہنچ کر جو غش آتا پئے ہم ہے ہم کو»

ورق ۶۱ الف کے حاشیے میں «ظلمتکدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے»

اور ورق ۶۱ الف و ب کے حاشیوں میں «کب وہ سنتا ہے کہانی میری» بخطِ خوش اور بعنوانِ «غزل» تحریر ہیں۔ بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کاتبِ متن ہی کے ہاتھ کی ہیں۔ لیکن غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ متن اور حاشیے کے حروف کی کششیں اور دائرے مختلف ہیں۔ اس کے علاوہ متن میں گ پر ہر جگہ ایک ہی مرکز ہے۔ حاشیے میں اس کے برخلاف کہیں ایک اور کہیں دو مرکز بھی لگائے گئے ہیں۔ اسی طرح متن کے کاتب نے ٹ پر محض دو نقطے لگائے ہیں یا اُن نقطوں پر ط بھی بنائی ہے، مگر حاشیے کا کاتب صرف ط بناتا ہے۔ ان اختلافات کے پیشِ نظر یقین ہوجاتا ہے کہ حاشیے کے اضافے کسی دوسرے کاتب نے کیے ہیں۔

متعدد مقامات پر میرزا صاحب کے ہاتھ کی اصلاحیں ملتی ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) ورق ۳۸ ب سطر ۱۰ میں کاتب نے لکھا تھا: «گردِ ساحل ہے مجھے، دیکھے ہے وہ جس جا نمک» میرزا صاحب نے «مجھے دیکھے» کو قلمزد کر کے اوپر «بہ زخمِ موجہ» لکھا اور «وہ جس» کو چھیل کر «در» بنایا اور «جا» کو «یاہ» کردیا۔ بعد ازاں سطر ۱۲ میں یہ شعر اپنے قلم سے بڑھایا:

داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی، واہ! واہ!

یاد کرتا ہے مجھے، دیکھے ہے وہ جس جا نمک

اس اصلاح نے صفحے کی سطروں کی تعداد ۱۲ کردی ہے، نیز صفحے کی جدول کے نچلے حصے کو ایک سطر بھر نیچا کرنا پڑا ہے۔

(۲) ورق ۵۳ الف کے پہلے شعر کے دوسرے مصرع «یعنی، ہمارے جیب میں ایک تار بھی نہیں» کا «میں» میرزا صاحب کے قلم کا اضافہ ہے۔

(۳) ورق ۷٦ ب پر کاتب نے لکھا تھا:

جنوں فسردۂ تمکیں ہے، کاش! عہدِ وفا

لہو میں ہاتھ کے بھرنے کو جو وضو جانے

یہاں کاتب نے از راہِ سہو پہلے شعر کا دوسرا مصرع اور دوسرے کا پہلا چھوڑ دیا تھا۔ میرزا صاحب نے یہ کمی اپنے ہاتھ سے اس طرح پوری کی ہے کہ پہلے کا دوسرا مصرع، مصرعوں کے بیچ کی سادہ جگہ میں اور دوسرے کا پہلا بین السطور میں لکھا ہے۔

(٤) ورق ۱۰۳ الف کے چھٹے شعر:

حیراں ہوں شوخیِ رگِ یاقوت دیکھ کر

یہاں ہے کہ صحبتِ خس و آتش برار ہے

میں لفظ «ہوں» میرزا صاحب نے اپنے قلم سے بڑھایا ہے۔

اس نسخے کا رسمِ خط وہی ہے، جو اُس زمانے میں مروج تھا۔ مثلاً اردو فارسی لفظوں میں «ذ» پائی جاتی ہے اور «خورشید» کو بواو ہی لکھا گیا ہے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ اُس وقت تک میرزا صاحب نے املاے الفاظ میں نئی راہ نہیں نکالی تھی، ورنہ پوری کتاب میں کہیں تو اس قسم کی اصلاح بھی کرتے۔

اس میں بعض الفاظ کا املا مروجہ اصول کے خلاف بھی ملتا ہے۔ مثلاً ژ کو کاتب نے ہر جگہ ز لکھا ہے، اس لیے مژہ اور مژگاں جیسے لفظ ہر جگہ بالزا لکھے گئے ہیں۔ مگر یہ میرزا صاحب ہی کے املا کی تقلید ہے۔ میں نے صرف ابتدا میں حاشیے کے اندر اس کی

صراحت کردی ہے۔

ترتیبِ استدراک کے دوران میں نسخۂ زیرِ بحث سے متعلق عرشی زادہ نے مندرجۂ ذیل نتائج بھی اخذ کیے ہیں۔

(۱) کاتب حرفِ ٹ میں ط کے نیچے دو نقطے استعمال کرتا ہے۔ لیکن جگہ جگہ ط لکھنے سے رہ گئی ہے اور صرف دو نقطے لگے ہوے ہیں۔ ایسے اکثر مقامات پر غالب نے ط کا اضافہ کرنے کے بجائے اپنی مخصوص روش کے مطابق ط کے بدل کے طور پر دو مزید نقطے اپنے قلم سے بڑھائے ہیں۔

(۲) ہمزہ سے لکھے جانے والے بہت سے الفاظ و تراکیب میں کاتب سے ہمزہ ترک ہوگیا ہے۔ غالب نے ایسے اکثر مقامات پر بھی ہمزہ اپنے قلم سے بنایا ہے۔

(۳) باوجودے کہ غالب نے اغلاطِ کاتب درست کرنے کی کوشش کی ہے، پھر بھی بہت سی غلطیاں نظر انداز ہوگئی ہیں، مثلاً: شوقِ بے پروا کے ہاتھوں مثلِ سازِ نا درست، میں لفظ «بے» موجود نہیں۔ یا «یوں عاشقوں میں ہے سببِ اعتبار باغ» لکھا گیا ہے، دراں حالے کہ آخری لفظ ردیف ہے اور اس لیے اسے «داغ» ہونا چاہیے تھا۔

(٤) نسخۂ بھوپال کی تمام اصلاحیں اور اضافے نسخۂ زیرِ بحث میں موجود ہیں۔ البتہ درجِ ذیل مثالیں اس کے خلاف ہیں:

الف: پہلے نسخۂ بھوپال میں: «بقدرِ حسرتِ دل چاہیے عیشِ معاصی بھی» تھا، جس کا لفظِ «عیش» قلمزد کر کے «ذوق» لکھا گیا تھا۔ یہ اصلاح اس نسخے میں بھی نقل ہونی چاہیے تھی۔ مگر یہاں وہی قدیم لفظ «عیش» دہرایا گیا ہے۔ عجب نہیں جو غالب نے اپنی اصلاح سے رجوع کرلیا ہو۔

ب: پہلے نسخۂ بھوپال میں: ہستی کے مت فریب میں آجائیو کہیں، تھا۔ بعد ازاں «کہیں» کو «اسد» سے بدل کر اس شعر کو مقطع بنا دیا جو حاشیۂ نسخۂ بھوپال پر درج ہے۔ لیکن نسخۂ زیرِ بحث نیز گلِ رعنا میں وہی قدیم شکل نظر آتی ہے۔ البتہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ اصلاح ترتیبِ گلِ رعنا کے بعد صورت پزیر ہوئی ہے۔

(۵) اس نسخے میں اشعار کی بہت سی ایسی شکلیں ملتی ھیں جو نسخۂ بھوپال میں ہیں۔ مثلاً نسخۂ بھوپال میں ھے:

اب میں ھوں اور خونِ دو عالم معاملہ　　　توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا

لیکن نسخۂ زیرِ بحث میں مصرعۂ اول کی یہ اصلاحی شکل ھے:

اب میں ھوں اور ماتمِ یك شہر آرزو

چونکہ نسخۂ بھوپال سے متعلق معلومات ناقص ھیں، اس لیے اس امر کا امکان باقی رھتا ھے کہ ان میں سے کچھ نسخۂ بھوپال میں موجود ھوتے ھوے بھی ھمارے علم میں نہ آئی ھوں۔

(٦) مندرجۂ بالا کیفیت سے یہ بھی ثابت ھوتا ھے کہ نسخۂ بھوپال اور نسخۂ زیرِ بحث کے درمیان ایك اور نسخہ بھی ھونا چاھیے، جس میں مذکورہ اصلاحیں کی گئی ھوں اور اُسی سے نسخۂ زیرِ بحث میں نقل ھوئی ھوں۔

(۷) نسخۂ بھوپال کی غزلوں کے ۲۲۲ شعر اس نسخے سے غیر حاضر ھیں۔ ان میں ۷۰ شعروں کی غیر موجودگی کا سبب اس نسخے کا ناقص ھونا ھے۔ گویا اصلاً نسخۂ بھوپال کے ۱۵۲ شعر ھی خارج قرار دیے گئے تھے۔ اگرچہ اس کا بھی امکان ھے کہ یہ تعداد کچھ لور کم ھو۔

(۸) اس نسخے کے نقصانِ اوراق کے باعث دو مکمل قصیدوں کے ۱۰٦ اور ایك قصیدے کے ٤ کل ۱۱۰ شعر ضائع ھوگئے ھیں۔ اسی سبب سے ۱۱ رباعیوں کے ۲۲ شعر بھی ندارد ھیں۔

(۹) نسخۂ بھوپال میں موجود اور نسخۂ زیرِ بحث سے غیر حاضر کلام میں ۳۰ مکمل غزلیں ھیں جن کے اشعار کی مجموعی تعداد ۱۹٤ ھے۔ ان کے علاوہ مختلف غزلوں سے ۲۸ شعر بھی خارج کیے گئے ھیں۔

(۱۰) قریب بہ یقین ھے کہ نسخۂ زیرِ بحث کے نقصانِ اوراق کی وجہ سے ایسا کوئی شعر ضایع نہیں ھوا جسے غیر معروف کہا جاسکے۔ البتہ بعض قرأتوں کا نقصان قرینِ قیاس ھے۔

(۱۱) نسخۂ بھوپال کی بہ نسبت متنِ نسخۂ شیرانی میں ۸ جدید غزلوں کے ٦٤ شعروں اور حاشیے میں ۸ جدید غزلوں کے ۸۷ شعروں کے علاوہ ٤۷ جدید شعر مختلف غزلیات میں زیادہ ھیں۔ ان کا حاصلِ جمع ۱۹۸ ھے۔

(۱۲) قریب به یقین هے که سات شعر کی ایک متداول غزل جس کا پہلا مصرع هے : سادگی پر اس کی مرجانے کی حسرت دل میں هے، نسخۂ زیرِ بحث میں موجود تھی۔ اس لیے که اس کے تین شعر گلِ رعنا میں انتخاب کیے گئے هیں ۔ اس کے اشعار کو بھی شمار کیا جائے، تو نسخۂ زیرِ بحث کے جدید اشعار کی تعداد ۲۰۵ هوجائے گی ۔

(۱۳) بصورتِ موجوده نسخۂ شیرانی کے متن میں اشعار کی تعداد بتفصیلِ ذیل هے:

غزلیات

الف	٤٠٧	د	١٦	غ	١٢	ن	٢٤٩
ب	٢٥	ر	٥٥	ف	١٤	و	٤٤
ت	٣٣	ز	٦٠	ك	٢٤	ه	٥٦
ث	٧	س	٢٤	گ	٩	ی	٩٠٩
ج	١٥	ش	١٤	ل	٤٠	قصیده	٥٣
چ	١٤	ع	١٣	م	٣٧		١٩٨٠

(١٤) نیز حواشی پر اضافه شده غزلوں کے اشعار کی تعداد مندرجۂ ذیل هے:

الف	٢٥	ن	٢٩	و	١٢	ی	٢٢
							٨٨

٤ - گلِ رعنا - اس کی علامت گل هے -

یه میرزا صاحب کے اردو اور فارسی کلام کا پہلا انتخاب هے، جو ١٢٤٤ھ میں مولوی سراج الدین احمد کی فرمایش پر کیا گیا تھا۔

اس کا ایک مخطوطه جناب مالك رام صاحب کو سید نقی بلگرامی صاحب سے دستیاب هوا تھا۔ وهی میرے پیشِ نظر هے۔

اس کا ناپ ۹ ۱/۲ × ٦ انچ هے ۔ مسطر ۱۳ سطری هے ۔ کاغذ ولایتی، باریك اور سفید هے ۔ خط معمولی نستعلیق هے۔ متن کی روشنائی کالی هے ۔ تخلص شنجرف سے لکھا گیا هے۔ جدولیں نیلی اور شنجرفی هیں۔ کہیں کہیں کرمخوردگی کے نشان بھی پائے جاتے هیں۔ حصۂ اردو میں

تین مختلف اشعار کے تین مصرعوں کی جگہ کاتب نے بیاض چھوڑ دی ھے۔ معلوم ایسا ھوتا ھے کہ منقول عنہ میں یہ مصرعے پڑھے نہ جاسکے۔

کتاب میں ٤٩ ورق ھیں۔ ورق ١ ب سے دیباچہ شروع ھوکر ورق ٤ الف پر ختم ھوتا ھے۔ دیباچے کا آغاز «لا موثر فی الوجود الا اللہ» سے اور خاتمہ «نہم شوال سنہ ١٢ ھجری» پر ھوا ھے۔ ورق ٤ ب سے اردو کلام کا انتخاب شروع ھوا ھے، جو ورق ٢٤ الف کی سطر ٥ پر تمام ھوگیا ھے۔ اس کے بعد فارسی نظم و نثر کا انتخاب ھے۔

اس کے اردو اشعار کی تعداد بتفصیلِ ذیل ٤٥٥ ھے:

الف	١١٣	ر	٦	ف	٤	و	١٧
ب	٧	ز	٥	ك	٦	ه	٤
ت	٥	س	٥	گ	٢	ی	١٩٣
ث	١	ش	٢	ل	٣		٤٥٥
ج	٣	ع	٣	م	٣		
د	٤	غ	٢	ن	٦٧		

تاریخی ترتیب کے اعتبار سے یہ انتخاب، نسخۂ شیرانی کے بعد کا ھے، کیونکہ اس میں اُن غزلوں کا انتخاب بھی شامل ھے، جو ١٨٢٦ع یا اس کے بعد کہی گئی تھیں اور نسخۂ شیرانی کے حاشیوں میں درج ھیں۔ نیز اس کا متن بھی بالعموم نسخۂ شیرانی کے مطابق ھے۔ اس کی ٥ متفرق غزلوں میں ایسے ١١ شعر بھی پائے جاتے ھیں جو اس سے پہلے کے کسی نسخۂ دیوان میں نہیں ملتے۔

اس انتخاب میں قدیم اشعار کی بہ نسبت جدید اور جدید تر اشعار کی شمولیت پر زور دیا گیا ھے۔ یہی وجہ ھے کہ اس کے لیے متنِ نسخۂ عرشی زادہ کے صرف ٦٦ شعر ھی منتخب قرار پائے، جو رنگِ بیدل کے طلسمی نمونے ھیں اور ١٤ رجب ١٢٣١ھ مطابق ١١ جون ١٨١٦ع تک تصنیف ھوچکے تھے۔ باقی ماندہ ٣٨٩ شعر مذکورہ تاریخ کے بعد کی تخلیق ھیں اور قدیم اشعار کے مقابلے میں خاصے سہل بھی ھیں اور پُر لطف بھی۔ طریقِ انتخاب میں سہل اشعار کی

پسندیدگی کا رجحان و رویہ، میرزا صاحب کے شاعرانہ مزاج کی تبدیلی کا خاموش اعلان اور مضامینِ خیالی سے اُن کی بیزاری کا واضح عملی ثبوت ہے۔ اس سے یقین ہوجاتا ہے کہ اب وہ اپنی مشکل گوئی کی بے لطفی سمجھ گئے تھے، نیز معترض حضرات کو جاہل کے بجائے سخنورانِ کامل کہہ کر طنز کی لیے تیز تر کرنے کے باوجود اعتراضات کا وزن محسوس کرنے لگے تھے اور دل سے اُن کے قائل ہوکر بیدل کا طلسمی رنگ اپنے دامن سے چھڑاتے جارہے تھے۔

زیرِ نظر مخطوطہ ۱۲۵۳ھ کے بعد کا کتابت شدہ ہے، اس لیے کہ کاتب نے آخر میں ایک عنوان «خاتمۂ دیوانِ فارسی» لکھ کر چھوڑ دیا ہے۔ میرزا صاحب کا دیوانِ فارسی ۱۲۵۳ھ کے لگ بھگ مرتب ہوا تھا، اس لیے اس کا خاتمہ اس سے پہلے نہیں لکھا جاسکتا، اور ظاہر ہے کہ زیرِ نظر مخطوطے کی عمر بھی اس سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔

نسخۂ عرشی میں گلِ رعنا کے اشعار کے شروع میں حرفِ گ لکھ دیا گیا ہے، تاکہ پڑھنے والے کو معلوم ہوسکے کہ یہ شعر گلِ رعنا میں شامل ہے۔

۵۔ نسخۂ رام پور قدیم۔ اس کی علامت قب ہے۔

یہ نسخہ، رام پور کے نسخوں میں سب سے پرانا ہے۔ اس کا ناپ ۱۱×۷ انچ ہے۔ جدولیں شنگرفی اور نیلی ہیں۔ لوح بھی انھیں دو رنگ کی لکیروں سے بنائی گئی ہے۔ مسطر ۱۷ سطر کا ہے، مگر سوائے ورق ۳۸ الف کے کسی صفحے میں پورے ۱۷ شعر نہیں۔ کاغذ باریک ہے جو اب بے جان ہوچلا ہے۔ خط معمولی نستعلیق ہے، اور کتابت کی غلطیاں اچھی خاصی ملتی ہیں۔ چنانچہ دیباچے ہی میں کاتب نے مرزا نوشہ کو مرزا نوشتہ لکھ دیا تھا، جس کی بعد میں تصحیح کی گئی ہے۔ «غالب» تخلص شنجرف سے اور «اسد» سیاہ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ کہیں کہیں نئی غزل کو «ولہ» عنوان سے شروع کیا ہے۔ قصیدوں اور قطعے رباعیوں کے عنوان بھی شنجرفی ہیں۔ رباعیوں کے آغاز میں «رباعیات» اور پھر ہر نئی رباعی سے پہلے لفظِ «رباعی» لکھا ہے۔ البتہ ایک جگہ رباعی کے بجائے «ولہ» لکھ دیا ہے۔

سر ورق پر خلد آشیاں نواب کلبِ علی خاں بہادر والیِ رامپور نے لکھا ہے: «ہرگز نرفت بر

دلِ من سروری بالاتر از دمی که این نسخۂ بہارین یافتم»۔ اُنھیں کے قلم سے بائیں طرف کے بالائی گوشے میں لکھا ہوا ہے: «دیوانِ میرزا نوشہ دھلوی المتخاص بغالب»۔ اس کے نیچے ایک رُپے کی رقم قیمتِ کتاب کی اور چار آنے کی جدول کشی کی لکھی ہے۔ اس کے ساتھ دو کتابیں اور مجلد تھیں، جن کے نام گلزارِ ابراہیم اور ہشت گلزار ہیں۔ ان کی قیمت علی الترتیب ایک روپیہ آٹھ آنے اور دو رُپے رقموں میں لکھی ہے۔ جلد سازی کی اجرت ٦ آنے بتائی ہے۔

اس نسخے کا آغاز ورق ١ ب پر بسم اللہ کے تحت مشہور فارسی دیباچے سے ہوتا ہے۔ مگر اس کے آخر میں کوئی تاریخ نہیں ہے۔ اس کے بعد ورق ٢ ب سے پھر بسم اللہ کے تحت غزلیں، شروع ہوتی ہیں۔ جن کے اختتام کے ساتھ ورق ٣٦ ب پر لکھا ہے: «تمام شدنِ دیوانِ ریختہ و آغاز شدنِ منتخبِ قصیدہ در منقبتِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ»۔ اس کے بعد رائیہ قصیدہ شروع ہوا ہے۔ ورق ٣٧ ب سے قصیدۂ نونیہ کا آغاز ہوا ہے۔ مگر اس کا مطالع موجود نہیں۔ یہ میں نے اپنے قلم سے حاشیے پر بڑھا دیا ہے۔ ورق ٣٨ ب سے قطعہ شروع ہوتا ہے جس کا عنوان ہے: قطع در تمدیحِ چکنی ڈلی کہ دوستے بر کف نہادہ دادہ بود۔ لیکن یہاں کلکتہ کی تعریف والا قطعہ نہیں ہے۔ اُسے بذیلِ غزلیات درج کیا گیا ہے۔ اس کے بعد رباعیاں ہیں جن کے آخر میں ورق ٣٩ ب پر «تمام شد» لکھا ہے۔ تعدادِ اشعار ١٠٦٧ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

غزلیات:

الف	٢٢٦	س	٧	ن	١٢٧
ب	١١	ش	٢	و	٢٩
ت	١٩	ع	٨	ہ	٣
ج	٤	ف	٢	ی	٤٣٢
چ	٦	ک	١٥	قصائد	٦٠
د	٩	گ	٢	قطعہ	١٣
ر	٣٩	ل	٩	رباعیات	١٣
ز	٢٠	م	٨		١٠٦٧

اس نسخے میں نوائے سروش کی غزل نمبر ۵ کے یہ چار شعر (۱) سادگی و پرکاری (۲) غنچہ پھر لگا کھلنے (۳) حالِ دل نہیں معلوم (۴) شور پند ناصح نے، اور غزل نمبر ۴۹ کا یہ شعر «شرحِ ہنگامۂ ہستی ہے الخ» نہیں ہیں۔ چونکہ یہ شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی دونوں میں موجود ہیں، اس لیے یہاں ان کی عدمِ شمولیت کی وجہ کاتب کا سہو ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ بیان کیا جاچکا، اس میں میرزا صاحب کے قصیدۂ نونیہ کا مطلع بھی نہیں ہے۔ یہ مطلع نسخۂ بدایوں کے حاشیے پر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۵۴ھ کے بعد کہا گیا تھا۔ اسی طرح اس میں یہ شعر بھی نہیں ہے:

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری، غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

چونکہ یہ بیت گلشنِ بیخار میں موجود ہے جو ۱۲۵۰-۱۲۴۸ھ (۳۴-۱۸۳۲ع) کی تصنیف ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ نسخہ، متداول دیوان کا پہلا ایڈیشن ہے، جو حسبِ تصریحِ نسخۂ شوق قدوائی، آخرِ ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۳ع) میں مرتب ہوا تھا۔

بظاہر خیال ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے اس انتخاب کے وقت اُن ترمیموں کو بھی پیشِ نظر رکھا ہوگا، جو گلِ رعنا میں موجود تھیں۔ مگر متعدد اشعار کی شہادت یہ ہے کہ اُن کے سامنے اُس وقت گلِ رعنا کا نسخہ نہ تھا۔ مثلاً ایک شعر ہے:

لے تو لوں سوتے میں اُس کے پانو کا بوسہ، مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائے گا

اس کے مصرعِ اول کی ابتدائی قراءت: «اُس کے بوسہ ہائے پا مگر» تھی۔ گلِ رعنا میں «بوسہ ہائے پا» کو «پانو کا بوسہ» بنایا گیا۔ چاہیے یہ تھا کہ اس نسخے میں بھی یہی الفاظ لکھے جاتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ اس میں نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی والی قراءت ہی کو دھرا دیا گیا ہے۔

۶۔ انتخاب غالب۔ اس کی علامت خب ہے۔

یہ نسخہ میرزا صاحب کے دیوانِ متداول کا انتخاب ہے۔ رضا لائبریری میں دیوانِ مومن کا ایک بیش قیمت نسخہ محفوظ ہے، جو مومن کا دیکھا ہوا، اور اُن کا اصلاحی ہے۔ اس نسخے

کے شروع اور آخر میں متعدد اوراق شامل ہیں۔ شروع کے ورقوں کی تعداد ۲۱ ہے۔ ان میں ۱۵ ب تک ہندی کے کبت وغیرہ مندرج ہیں۔ ورق ۱۶ ب سے زیرِ بحث انتخاب شروع ہوتا ہے، جو ورق ۲۱ ب پر ختم ہو گیا ہے۔ یہ انتخاب غزلیات کا ہے۔ جگہ جگہ اشعار کے آغاز میں دیگر یا ولہ لکھا ہے ورق ۲۲ ب سے دیوانِ مومن کا آغاز ہوا ہے، اور یہ دیوان ورق ۱۲۹ الف پر ختم ہوگیا ہے۔ ورق ۱۲۹ الف سے ۱۳۰ ب تک صنعت تخلص ایک شاعر کے مخمس اور کسی ہندی شاعر کا ایک کبت درج ہوا ہے۔ بیچ میں ورق ۱۲۹ ب پر میرزا صاحب کا چکنی ڈلی سے متعلق قطعہ لکھا گیا ہے۔ جس کے آخر میں ایک رباعی ہے۔ اس کے بعد کے ورقوں میں فارسی، اُردو اور ہندی کے مختلف شعر اور قطعاتِ تاریخ اور مختلف امراض کے مجرب نسخے ملتے ہیں۔ نیز نواب ہدایت علی خاں صاحب کے حسابات بھی مندرج ہیں۔ موصوف الذکر نواب یوسف علی خاں بہادر ناظم شاگردِ غالب کے حقیقی چچیرے بھائی اور مومن خاں کے شاگرد تھے۔ یہ ہندی کے بھی بڑے شاعر شمار کیے جاتے تھے۔ امیرِ مینائی نے انتخابِ یادگار (ص ۲٦٤) میں غربت تخلص کے تحت ان کا ذکر کیا ہے۔ عجب نہیں جو اس انتخاب کے ذمہ دار یہی ہوں۔

اس انتخاب کا سائز ۱/۲ ۹ × ۱/۲ ٦ ہے۔ کاغذ دیسی کھردرا ہے۔ روشنائی سیاہ ہے اور انتخاب کے اوراق میں شنجرف سے سطر کشی کر کے درمیان میں شعر لکھے ہیں۔

یہ انتخاب معمولی شکستہ آمیز خط میں کسی نامعلوم الاسم کاتب نے نقل کیا ہے۔ کاتب کم سواد نظر آتا ہے، اس لیے کہ اس نے دو جگہ اسد کا املا 'ص' سے لکھا ہے۔

کچھ شعر حاشیوں میں بھی درج ہیں۔ ان حواشی میں نیز متن کے اندر بھی متعدد اشعار بے محل لکھے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سوائے سہو کے اور کوئی نظر نہیں آتی۔ میرزا صاحب کے اشعار کی تعداد بتفصیلِ ذیل ۱۸٦ ہے:

الف	۵۰	ز	۱	گ	۱	ی	۷۱
ت	۷	س	۱	ن	۲۱	قطعہ	۱۳
د	۳	ع	۱	و	۳	رباعی	۲
ر	۷	ک	٤	ہ	۱		۱۸٦

یہ انتخاب دیوان کے کس نسخے پر مبنی ہے؟ اس بارے میں قیاس یہ ہے کہ چونکہ اس میں کوئی ایسا شعر نہیں، جو نسخۂ رام پور قدیم کے بعد کا ہو، لہذا اسے ۱۲۴۸ھ یا اس کے قریب کے کسی نسخے پر مبنی ہونا چاہیے۔ اس کی تائید میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انتخاب کے سرورق پر ۱۸۳۶ع تحریر ہے جو ۱۲۵۲ھ کے مطابق ہے۔ مخطوطۂ بدایوں ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ع) کا مرتبہ ہے، لہذا اس انتخاب کو مخطوطۂ بدایوں سے کم از کم دو برس پہلے مرتب ہو جانا چاہیے۔

نسخۂ رامپور قدیم سے اس انتخاب کا مقابلہ کرنے پر معلوم ہوا کہ ان دونوں میں دو ایک جگہ اہم اختلاف بھی ہے۔ مثلاً نسخۂ رام پور قدیم میں ہے:

تو اور سوے غیر نظر ہاے تیز تیز ۔۔۔ میں اور دُکھ تری مژہ ہاے دراز کا

یہی قراءت بعد کے تمام نسخوں میں ملتی ہے۔ مگر اس انتخاب میں «نظر ہاے» کی جگہ «نگہ ہاے» ہے۔ ممکن تھا کہ اس اختلاف کو کاتب کا سہو قرار دے دیا جاتا۔ مگر گلِ رعنا اور شیفتہ کے «گلشنِ بے خار» میں بھی «نگہ ہاے» ملتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس انتخاب کی بنیاد جس نسخے پر ہے وہ نسخۂ رام پور قدیم کی جگہ شیفتہ کے مستعملہ نسخۂ دیوان کے مطابق تھا۔

اسی طرح انتخاب کی غزلوں کی ترتیب تو نسخۂ رام پور قدیم کے مطابق ہے، مگر اشعار کی ترتیب جگہ جگہ مختلف ہے۔ یہ بھی اسی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ اس انتخاب کی اصل نسخۂ رام پور قدیم سے الگ کوئی نسخہ تھا۔

یہ انتخاب کئی وجوہ سے اہم ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ میرزا صاحب کے متداول دیوان کا اتنا قدیم انتخاب کوئی دوسرا موجود نہیں۔ دوسرے اس انتخاب کا متن جگہ جگہ متداول نسخوں سے الگ ہے، ان میں سے بعض کاتب کی غلطی نہیں معلوم ہوتے، بلکہ ایسا نظر آتا ہے کہ نسخۂ اصل میں یہی الفاظ تھے، مثلاً نسخۂ رام پور قدیم اور بعض اور نسخوں میں بھی شعر تحت اس طرح ہے:

حضرتِ ناصح جو آویں، دیدہ و دل فرشِ راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھادو کہ سمجھاویں گے کیا؟

انتخاب میں "جو آویں" کی جگہ "گر آویں" ہے۔ میرزا صاحب نے بعد کے نسخوں میں بھی قراءت برقرار رکھی ہے۔ یا مصرعِ ذیل کے اندر:

ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے، کھاویں گے کیا

نسخۂ رام پور قدیم اور بعض دوسرے نسخوں میں "رہیں" ہے۔ بعد میں میرزا صاحب نے انتخاب والی قراءت کو متن میں رکھا ہے۔

اس انتخاب کے اختلافات عرشی زادہ نے استدراک میں درج کردیے ہیں۔

۷۔ نسخۂ بدایوں۔ اس کی علامت قبا ہے۔

یہ نسخہ جو بدایوں میں دریافت ہوا تھا، ۱/۲ ۸ × ۱/۲ ۵ انچ ناپ کا ہے۔ روشنائی کالی، عنوان اور جدول شنجرفی اور باریکا لاجوردی ہے۔ کاغذ بانس کا دیسی بنا ہوا ہے۔ ہر ورق میں رکاب بھی ہے اور ورق داغ بھی۔ خط شکستہ آمیز نستعلیق ہے۔ معمولی کرم خوردگی بھی پائی جاتی ہے۔ جلد پرانی مگر عام حالت اچھی ہے۔

سرورق پر مہر ہے جس میں "محمد ذوالفقار الدین ۱۲۵۲ھ" کندہ ہے۔ ورق ۱ الف سے "قصیدۂ فارسی در مدحِ شاہزادہ سلیم" شروع ہوکر ورق ۲ ب پر ختم ہوا ہے۔ قصیدے کے ۵۵ شعر ہیں اور مطلع حسبِ ذیل ہے:

درین زمانہ کہ کلکِ رصد نگارِ حکیم ہزار و دو صد و پنجاہ راند در تقویم

یہ قصیدہ کلیاتِ فارسی کے تمام مخطوطوں اور مطبوعہ ایڈیشنوں میں موجود ہے۔ لیکن نسخۂ بانکی پور نوشتۂ ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ع)، نسخۂ مطبوعۂ ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ع) اور نسخۂ رام پور (لوہارو کلیکشن) مکتوبۂ ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ع) میں اس کا عنوان ہے "در مدحِ عرش آرامگاہ محمد اکبر شاہ بادشاہ طاب ثراہ"۔ ہوسکتا ہے نسخۂ بدایوں کا عنوان خود میرزا صاحب کا مجوزہ ہو، اور وہ اس لیے کہ اس میں شاہ سے پہلے شاہزادے کی مدح کی گئی ہے۔

ورق ۳ الف پر فارسی کا ایک خط ہے جس کا عنوان ہے "سوادِ نامہ کہ بہ نواب اکبر علی خان نوشتہ شد"۔ پنج آہنگ میں اس کا عنوان ہے "نامہ بنامِ نامیِ نواب سید علی اکبر خان متولیِ امام باڑۂ ہوگلی بندر"[1]۔

۱۔ ملاحظہ ہو، کلیات نثر، پنج آہنگ: ۴۵۔

ورق ٤ الف پر ایک فارسی قطعہ ہے جو میرزا صاحب نے ایک بلی پر لکھا تھا۔ اس کا پہلا بیت ہے:

دارم بجہان گربۂ پاکیزہ نہادے کز بالِ پریزاد بود موجِ رمِ او

یہ قطعہ گیارہ اشعار کا ہے اور اس عنوان سے نقل کیا گیا ہے: «دستِ نوازش بہ پشتِ گربۂ مسکین فرود آوردن و بلابہ و لاغ از آزارِ جاندارش باز داشتن»۔ یہ نسخۂ رام پور مکتوبۂ ١٢٦٤ھ میں اسی عنوان کے ساتھ اور دوسرے نسخوں میں بے عنوان موجود ہے۔ تعدادِ اشعار سب میں نسخۂ بدایوں کے مطابق ہے۔

ورق ٥ الف سے (جس پر ایک کا ہندسہ ڈالا گیا ہے) لکیردار لوح کے نیچے دیوان کا آغاز ہوا ہے۔ اوپر کے بائیں کونے میں باریکے کے اندر «٥٩ ورق، جزوِ اول دیوانِ ہندی مرزا اسد اللہ خان غالب» لکھا ہے، اور اس نوٹ کے نیچے مذکورۂ بالا مہر ثبت ہے۔ دیباچۂ دیوان نئے ورق داغ کے مطابق ٢ الف کے حاشیے پر بھی نقل کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل دیوان کو نقل کرنے کے بعد اسے لکھا گیا تھا۔

اشعار کا آغاز بجائے «بسم اللہ» کے «ھو اللہ» سے ہوا ہے۔

ورق ٥ الف سے ٥١ ب کالم ١ تک غزلیں ہیں جن کے آخر میں لکھا ہے «تمام شد دیوانِ ریختہ»۔ کالم ٢ سے قصائد شروع ہوے ہیں۔ پہلا قصیدہ ہے «ساز یک ذرہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار»۔ اس کا عنوان ہے «منتخبِ قصیدۂ منقبتِ حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام»۔ ورق ٥٣ الف کالم ٢ سے دوسرا قصیدہ بعنوان «انتخابِ قصیدۂ منقبتِ حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام» شروع ہوکر ٥٤ ب پر ختم ہوا ہے۔ اس کا مطلع «دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں» حاشیے پر مندرج ہے۔ یہی صورت نسخۂ رام پور قدیم کی بھی ہے کہ اس میں یہ مطلع موجود نہ تھا۔ میں نے اپنے قلم سے حاشیے پر اضافہ کر دیا ہے۔

ورق ٥٤ ب تا ٥٥ ب پر ہے: قطعہ در تمدیحِ چکنی ڈلی۔ اس کا عنوان نسخۂ رام پور قدیم کے مطابق ہے۔

ورق ٥٥ ب سے ٥٦ الف تک رباعیاں ہیں۔ ان کی تعداد ٨ ہے۔ ٥٦ ب اور ٥٧ الف

سادہ ہیں۔ ۵۷ ب سے ۵۹ ب کی سطر ۲ تک نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نیر کی تقریظ ہے۔
آخر میں ۸ ورق پر حکیم مومن خاں مرحوم کا ساقی نامہ ہے جس کا پہلا شعر ہے!

کھولیو ساقی منہ کو سبو کے　　　پیتے ہیں کب سے گھونٹ لہو کے

اس نسخے کے اشعار کی تعداد بتفصیلِ ذیل ہے:

غزلیات:

الف	۲۲۶	ر	۳۹	ک	۱۵	ہ	۳
ب	۱۲	ز	۲۰	گ	۲	ی	۴۳۵
ت	۱۹	س	۷	ل	۹	قصائد	۶۰
ج	۴	ش	۲	م	۸	قطعہ	۱۳
چ	۶	ع	۸	ن	۱۲۳	رباعیات	۱۶
د	۹	ف	۲	و	۲۹		۱۰۶۷

اشعار کی یہ تعداد متن تک محدود ہے۔ ۳۵ شعر نسخے کے حاشیوں پر بھی لکھے ہوئے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

غزلیات:	الف	۴	ن	۴	و	۱۱	ی ۹
قصائد	۱	قطعہ	۲	رباعیات	۴		

اس صورت میں متن و حواشی دونوں کے اشعار کی تعداد ۱۱۰۲ ہو جاتی ہے۔

نسخۂ رام پور قدیم میں بھی اشعار کی تعداد ۱۰۶۷ ہے۔ مگر اس نسخے میں ردیفِ ب کا یہ شعر موجود نہیں:

شرحِ ہنگامۂ ہستی ہے، زہے! موسمِ گل　　　رہبرِ قطرہ بدریا ہے، خوشا! موجِ شراب

چونکہ یہ شعر نسخۂ بھوپال کے حاشیے اور نسخۂ شیرانی کے متن دونوں میں ملتا ہے، جو نسخۂ رام پور قدیم سے پرانے ہیں، اس لیے اس شعر کو کاتب کے سہو سے محذوف مانا جائے گا، اور اس صورت میں نسخۂ رام پور قدیم کے اشعار کی کل تعداد ۱۰۶۸ ہوگی۔

لیکن جیسا کہ اوپر کے نقشے سے ظاہر ہوتا ہے، نسخۂ بدایوں کا متن ۱۰۶۷ شعروں پر

مشتمل ہے۔ اس سے بظاہر یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ نسخۂ بدایوں، نسخۂ رامپور قدیم سے پرانا ہے۔ لیکن میری رائے میں اس کمی کی وجہ نسخۂ بدایوں کے کاتب کا ایک سہو ہے۔ اُس نے ردیفِ نون کی ایک ٤ شعر کی غزل جس کا مطلع ہے:

یہ ہم جو ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں

کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں

متن میں نہیں لکھی، اور غلطی سے آگاہ ہونے کے بعد حاشیے میں اس کا اضافہ کیا۔ اگر یہ ٤ شعر متن میں ہوتے، تو نسخۂ بدایوں کی تعدادِ اشعارِ نون بھی ١٢٧ ہوجاتی اور اس اضافے سے کل شعر ١٠٧١ تک پہنچ جاتے۔ متن کے اشعار کی یہ تعداد نسخۂ رام پور قدیم سے ٣ کے بقدر اس لیے بڑھ گئی کہ نسخۂ بدایوں میں ایک غزل کے ٣ شعر ایسے ہیں جو نسخۂ رام پور قدیم میں سرے سے موجود نہیں۔ اور چونکہ یہ نسخہ ١٢٤٨ھ (١٨٣٣ع) کا مرتبہ ہے اور یہ شعر ١٢٥٠ھ (١٨٣٤ع) کے لگ بھگ کہے گئے ہیں، اس لیے ان کا نسخۂ رام پور کے متن میں ہونا کسی طرح ممکن نہ تھا۔

چونکہ نیر و رخشاں کی لکھی ہوئی فارسی تقریظ کا سال تالیف ١٢٥٤ھ ہے، جو مارچ ١٨٣٨ع سے شروع ہوکر ١٨٣٩ع کے مارچ پر ختم ہوتا ہے۔ نیز اس نسخے کے متن میں ایسی کوئی نظم موجود نہیں جو اس سال کے بعد لکھی گئی ہو۔ لہذا یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ اسی سال کا مرتبہ نسخہ ہے۔

آیا یہ وہی اصل نسخہ ہے جو نیر کی تقریظ کے ساتھ پہلی بار تیار ہوا تھا؟ اس کا جواب میری دانست میں «نہیں» ہے۔ کیونکہ اس میں اس قسم کی املائی غلطیاں ہیں جو نیر کو برداشت نہیں کرنا چاہییں۔ لیکن یہ ہے اُسی کی نقل، اور نقل بھی میری دانست میں میرزا صاحب کے اُن دوست نے کرائی تھی جن کے بارے میں انھوں نے اپنے اردو خطوں میں جگہ جگہ لکھا ہے کہ وہ میرا کلام جمع کرتے رہتے ہیں، یعنی حسین میرزا۔ اس خیال کی بنیاد اُس مہر پر ہے جو اس میں ثبت ہے اور جس میں «محمد ذوالفقار الدین ١٢٥٢» کندہ ہے، کیونکہ حسین مرزا کا بڑا نام یہی تھا۔ اس کی تائید حواشی کے مندرجات سے ہوتی ہے اس لیے کہ نئے نئے اشعار

کا اضافہ وہی کرتا رہے گا جسے میرزا صاحب کے کلام کو جمع کرنے کا شوق ہوگا۔

مذکورۂ بالا امور تسلیم کرانے کے بعد، یہ نسخہ تاریخی ترتیب میں نسخۂ رام پور قدیم کے بعد آتا ہے۔ کیونکہ نسخۂ رام پور میں نہ تو نیر کی تقریظ ہے اور نہ اس میں وہ ۳ اشعار ہیں جو پہلی بار نسخۂ بدایوں میں نظر آتے ہیں اور آئندہ سطور میں نقل ہو رہے ہیں۔

اس نسخے کی کچھ خصوصیات بھی ہیں۔ مثلاً:

(۱) اس میں پرانے رسمِ خط کے مطابق اعراب بالحروف کا طریقہ برتا گیا ہے۔ چنانچہ «دکھا» کو «دیکھا» اور «منہ» کو «مونہہ» لکھا گیا ہے۔ کئی جگہ «نے» کو نیں (نونِ غنہ درآخر) بھی لکھا ہے۔ «گھبرانا» کو ایک مقام پر «گھبڑانا» لکھا ہے جو اس لفظ کا ایک لہجہ ہے۔

(۲) اس میں بذیلِ غزلیات مندرجۂ ذیل تین شعر بھی ہیں:

اور تو رکھنے کو ہم دہر میں کیا رکھتے تھے
مگر اک شعر میں اندازِ رسا رکھتے تھے

اُس کا یہ حال کہ کوئی نہ ادا سنج ملا
آپ لکھتے تھے ہم اور آپ اُٹھا رکھتے تھے

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری، غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

اس کے پہلے دو شعر نو دریافت اور تمام دوسرے نسخوں سے زائد ہیں۔ بعد کے نسخوں میں میرزا صاحب نے صرف مقطع برقرار رکھا اور پہلے دونوں شعر حذف کردیے۔

جہاں تک پہلے دو شعروں کی خوبی کا تعلق ہے، اپنے اندازِ بیان و طرزِ فکر دونوں کے لحاظ سے یہ رکھنے کے قابل تھے۔ لیکن پھر بھی انہیں کاٹ دینے کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتی کہ ان کی موجودگی مقطع کے مضمون کو محدود کردیتی ہے اورصرف مقطع، وجہِ شکایت کی تعیین نہ ہونے کے باعث، آفاقی و ہمہ گیر رہتا ہے۔

(۳) اس نسخے میں ایسے ۲۵ شعر حاشیوں پر مندرج ہیں جو ترتیبِ نسخہ کے بعد کہے گئے تھے۔ اس امرِ واقعی سے جہاں یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ نسخے کا تعلق میرزا صاحب

کے کسی قریبی دوست یا عزیز سے تھا. وہاں یہ بھی پتا چل جاتا ھے کہ وہ اشعار تاریخی اعتبار سے کس زمانے سے علاقہ رکھتے ھیں۔ وہ اشعار یہ ھیں:

(۱) دھر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں	۱ شعر
(۲) دی سادگی سے جان، پڑوں کوھکن کے پانو	۹ "
(۳) تا ھم کو شکایت کی بھی باقی نہ رھے جا — ھمارا نہیں کرتے	۲ "
(٤) ھم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے	۳ "
(۵) لاغر اتنا ھوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے	٤ "
(٦) گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری — خاموش رھتے تھے	۲ "
(۷) بھیجی ھے جو مجھ کو شاہِ جمجاہ نے دال	۲ "
(۸) ھیں شہ میں صفاتِ ذوالجلالی باھم	۲ "

مذکورۂ بالا ۲۵ شعروں کے نسخۂ رام پور قدیم میں نہ ھونے سے یقین ھو جاتا ھے کہ یہ ۱۸۳۳ع اور ۱۸٤۱ع کے درمیان کسی وقت لکھے گئے ھیں۔

ان کے علاوہ ردیف الف کے وہ ٤ شعر جن کا گزشتہ صفحات میں نسخۂ رام پور قدیم کے تحت ذکر ھوا، نیز ٤ شعر جن کی ردیف «دیکھتے ھیں» ھے، اور دو شعر جن کی ردیف و قافیہ «تاثیر سے نہ ھو» ھے، اس نسخے کے حاشیے پر درج ھیں۔ ان میں سے پہلے چار شعر نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی میں پائے جاتے ھیں. اس لیے ان کا نسخۂ رام پور قدیم سے خارج ھونا اور نسخۂ زیرِ بحث کے حاشیے میں پایا جانا یا تو سہوِ کاتب کی تصحیح ھے یا پھر میرزا صاحب نے ان اشعار کو از سرِ نو داخلِ دیوان کیا ھے۔ اسی طرح ردیف ھائے نون و واو کے مذکورہ شعر نسخۂ رام پور قدیم میں موجود ھیں۔ اس لیے زیرِ بحث نسخے کے حواشی میں ان کا اندراج بھی مذکورۂ بالا دو اسباب ھی میں سے کسی ایک سبب سے ھو سکتا ھے۔

۸ - نسخۂ دیسنہ ۔ اس کی علامت قج ھے ۔

اس نسخے کا سائز ۲٦/۸ × ۲۰ ھے۔ کاغذ دیسی بانس کا بنا ھوا ھے جس پر کرم خوردگی اور آب رسیدگی کے اثرات نمایاں ھیں۔ اس کے اوراق کی تعداد ٤۸ ھے، اور ورق ٤۰ کے بعد

ایک ورق ضائع ہوگیا ہے۔ خط معمولی نستعلیق، روشنائی سیاہ اور عنوانات شنجرفی ہیں۔ اور یہ ۱۴ سطری مسطر پر کتابت کیا گیا ہے۔

یہ نسخہ الاصلاح لائبریری دیسنہ کی ملکیت ہے۔ مذکورہ لائبریری کو سید قمرالدین صاحب وکیل، بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ نے ۲۹ جنوری ۱۹۱۹ع کو تحفے میں پیش کیا تھا۔

اس نسخے میں دیباچہ اور تقریظ دونوں موجود ہیں۔ دیباچے میں کوئی تاریخ نہیں۔ مگر تقریظ کی تاریخ ۱۲۵۴ھ درج ہے۔ اس میں تعدادِ اشعار کی بابت لکھا ہے «غزل و قصیدہ و قطعہ و رباعی ہزار و نود و ہشت اند یافتم»۔ افسوس یہ ہے کہ میں خود شمار کرنے کا وقت نہ نکال سکا۔

غزلیات کے آخر میں «تمام شد غزلیات» اور تقریظ کے بعد بطورِ ترقیمہ «تمام شد دیوانِ اسد اللہ خاں بتاریخ ۲۶ ستمبر ۱۸۴۵ع» لکھا ہے۔

کتابت کی غلطیاں بہت ہیں، جن کی دو چار جگہ تصحیح بھی نظر آتی ہے۔ کہیں صاد بنا کر حاشیے پر متروکہ لفظ بڑھا دیا گیا ہے۔ مثلاً: تھا زندگی میں موت کا کھٹکا لگا ہوا، کا لفظ «میں» حاشیے پر بڑھایا گیا ہے۔ بعض مقامات پر «بدلہ» یا «نسخہ» لکھ کر حاشیے پر کچھ الفاظ لکھے گئے ہیں، مگر ان میں بھی غلطیاں ہیں مثلاً: چراغِ مردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا، اس مصرع کے لفظ «بے زباں» پر «نسخہ» لکھ کر حاشیے میں «میزباں» لکھا ہے جو صریحاً غلط ہے۔

بعض اشعار حاشیوں پر بھی نقل ہوئے ہیں۔ ردیفِ ع کا ایک شعر: جادۂ رہ خور کو، ردیفِ واو کے دو شعر: (۱) دی سادگی، (۲) بھاگے تھے، نیز قصیدۂ نونیہ کا شعر: نقش لاحول لکھ، اسی کی مثالیں ہیں۔

قصیدۂ رائیہ کے تین شعر: وہ شہنشاہ، فلک العرش، سبزۂ نہ چمن، بھی موجود نہیں۔

قصیدۂ نونیہ کے مصرع: وصل زنگارِ رخِ آئینۂ حسنِ یقیں، کے حاشیے پر لکھا ہے «روشنِ مرآۃِ یقیں»۔

املا اُس عہد کی روش کے مطابق ہے اور ہر جگہ کسی کو کسو لکھا ہے۔ کلکتے کی

تعریف والے ۳ شعر بذیلِ غزلیات درج ہیں۔

یہ نسخہ ترقیمے کی تاریخ کے اعتبار سے نسخۂ کریم الدین سے موخر معلوم ہوتا ہے۔ مگر تقریظ میں بتائی گئی تعدادِ اشعار سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ در اصل نسخۂ کریم الدین کے مقابلے میں یہ مخطوطہ کسی متقدم نسخے کی نقل ہے جو بعد میں تیار کی گئی ہے۔

۹۔ نسخۂ کریم الدین ۔ اس کی علامت قبد ہے ۔

اس نسخے کا ناپ ۲/۱ ۷ × ۵ انچ ہے۔ اس میں ٦٤ ورق اور فی صفحہ ۱۱ سطریں ہیں۔ روشنائی سیاہ اور عنوانات شنجرفی ہیں۔ کاغذ ولایتی ہلکے نیلے رنگ کا ہے، جس پر از اول تا آخر کرم خوردگی کے آثار موجود ہیں۔ خط نستعلیق ہے۔

ورق ۳ الف سے ورق ۷ ب تک کبھی ضائع ہو گئے تھے، جنھیں کتاب کو مکمل کرنے کی غرض سے کسی نے بعد میں نقل کر کے شامل کردیا ہے۔

ورق ۱ الف پر شکستہ دفتری خط میں یہ عبارت درج ہے: «مالکِ این کتاب کریم الدین، سررشتہ دارِ محکمۂ ڈائرکٹری پنجاب»۔ یہ مالکِ کتاب، صاحبِ تذکرۂ گلدستۂ نازنیناں وغیرہ ہیں۔

ورق ۱ ب سے دیباچہ شروع ہوکر ورق ۲ ب کے تقریباً درمیان میں ختم ہوا ہے۔ چونکہ دیباچے کا ایک حصہ جدید اضافہ ہے، اس لیے معلوم ایسا ہوتا ہے، کہ کسی متداول نسخے سے دیباچے کی تاریخ بھی نقل کردی گئی ہے۔

ورق ۲ ب ہی سے غزلیات شروع ہوتی ہیں۔ آغازِ دیوان کی ابتدائی چند غزلیں بھی مذکورہ جدید اوراق پر نقل ہوئی ہیں ۔ غزلیات کا سلسلہ ورق ٥٥ ب پر تمام ہوا ہے۔ اس ورق پر آخری غزل کے صرف دو شعر ہیں، باقی حصہ سادہ ہے ۔ ورق ٥٦ الف سے پہلا قصیدہ: سازِ یک ذرہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار، شروع ہوکر ورق ٥٧ ب پر ختم ہوا ہے ۔ اس کے بعد دوسرے قصیدے «دھر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں» کی ابتدا ہوئی ہے جو ورق ٥٨ ب پر اتمام پزیر ہوتا ہے ۔ آئندہ ورق ٥٩ الف سے ٥٩ ب تک قطعات اور ٦٠ الف سے ٦١ الف تک رباعیاں ہیں۔ ورق ٦١ ب سادہ ہے۔ ورق ٦٢ الف سے ٦٤ ب تک تقریظ ہے۔ تقریظ کا عنوان اور اُس کے اندر کے اشعار مذکورہ جدید خط میں ہیں اور اس کی تاریخ ١٥٤ھ

درج ہے جو دراصل ۱۲۵٤ھ ہے۔

تقریظ میں تعدادِ اشعار «غزل و قصیدہ و قطعہ و رباعی یك ہزار و یك صد و اند» (گیارہ سو سے کچھ اوپر) بتائی گئی ہے۔ اس کی تفصیل مندرجۂ ذیل ہے:

غزلیات:

الف	۲۳۰	س	۷	ن	۱۳٦
ب	۱۲	ش	۲	و	۳۷
ت	۱۹	ع	۸	ہ	۳
ج	٤	ف	۲	ی	٤۳۹
چ	٦	ك	۱۵	قصائد	٦۱
د	۹	گ	۲	قطعات	۱۹
ر	۳۹	ل	۹	رباعیات	۲۰
ز	۲۰	م	۸		۱۱۰۷

ترقیمے کی عبارت حسبِ ذیل ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نسخے کی نقل کا کام بھی مالكِ کتاب ہی کی فرمائش پر کیا گیا تھا:

«تمام شد این نسخہ پاسِ خاطرِ مولوی کریم الدین صاحب ساکنِ پانی پت از خطِ کم ربطِ بندۂ سید غلام عباس ساکنِ کول بتاریخ سی‌ام ماہِ اگست ۱۸٤۵ع و مطابقِ بست و ششمِ ماہِ شعبان المعظم ۱۲٦۱ھ روزِ یك شنبہ و بر آمدنِ دو گھڑی روز صورتِ اختتام پزیرفت»۔

اس نسخے کا املا اپنے عہد کی مروجہ روش کے مطابق ہے۔ البتہ رسمِ خط کے لحاظ سے یہ بات نئی ہے کہ اس میں «خورشید» کو بحذفِ واو «خرشید» لکھا گیا ہے، مگر «کسی» کو ہر جگہ «کسو» لکھا ہے۔ یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اس میں ردیف «ز» کی ایك غزل کے مقطع کا مصرعِ اول «اسد اللہ خاں تمام ہوا» کے بجاے «اب تو غالب ہی لے تمام ہوا» درج ہے جو کسی اور نسخے میں نہیں۔

یہ نسخہ لیاقت نیشنل میوزیم کراچی میں محفوظ ہے۔

۱۰ - نسخۂ لاہور - اس کی علامت قج ہے -

اس کی تقطیع ۱۰/۷ ۹ × ٦ انچ ہے - کل مکتوبہ ورق ٦٤ ہیں - مسطر ۱۵ سطر کا ہے - کاغذ دیسی بادامی ہے - عام حالت بہت اچھی ہے -

ورق ۱ ب پر سنہری، سفید، آبی، نیلی، سرخ اور زرد رنگ کی لوح کے نیچے فارسی دیباچہ شروع ہوا ہے - اس صفحے اور اگلے صفحے کے حاشیوں میں باریک اور نازک قلم سے مطلا و ملون بیل بنائی گئی ہے - نیز ان دونوں صفحوں کا بین السطور مذہب ہے - پوری کتاب میں چھے رنگ کی جدول ہے - ہر دو نظموں کے درمیان ایک سطر کے بقدر جگہ چھوڑی گئی ہے، اور اسے رنگین بیل سے بھرا گیا ہے - جہاں کہیں آخری شعر کو دو سطروں میں لکھا ہے، وہاں دونوں جانب کی جگھوں کو خوبصورت بیل بوٹوں سے بھر دیا ہے -

کاتب کا نام اور تاریخِ کتابت درج نہیں - تاہم خط بتاتا ہے کہ نواب فخرالدین محمد خاں بہادر کا لکھا ہوا ہے جو میرزا صاحب کے مشہور اور پسندیدہ کاتب تھے - روشِ خط، اصولِ فن پر پوری نہیں اُترتی، لیکن خط کی یکسانی اور پختگی نے بے حد دیدہ زیبی پیدا کردی ہے - پوری کتاب میں لفظ «اک» کو «اک» بدونِ نقاط لکھا ہے - «ٹ» میں ننھی «ط» کے نیچے دو نقطے بھی لگاتے ہیں - «نہ» اور «جگہ» کو «نھ» اور «جگھہ» بھی لکھتے ہیں - شعر میں ہندسے کو لفظوں میں لکھا جاتا ہے - انھوں نے ایسی جگھوں میں لفظ کے اوپر عدد کی شکل بھی بنائی ہے - مجھ سا، تجھ سا اور مجھکو، تجھکو وغیرہ کو بدونِ ہاے مخلوط اور «منہ» کو عموماً «منھہ» اور کبھی «مونھہ» لکھتے ہیں - میرزا صاحب کی ہدایت کے مطابق عموماً اردو، فارسی الفاظ میں «ذ» کی جگہ «ز» لکھتے ہیں، اور «خرشید» میں واو نہیں لکھتے - خوش نمائی اور دفعِ التباس دونوں کے لیے لفظوں پر اعراب بھی لگاتے ہیں -

اس نسخے کے مشتملات کی ترتیب سابق نسخوں جیسی ہے - چنانچہ ورق ۲ ب کی چوتھی سطر سے دوسری لوح کے نیچے غزلیں شروع ہوتی ہیں - ورق ۵۳ ب سے قصیدے، ورق ۵۸ الف سے قطعے اور ورق ٦۰ الف سے رباعیاں شروع ہوئی ہیں - آخر میں بعنوانِ «خاتمہ» نثر کی تقریظ ہے، جو ورق ٦۲ ب سے شروع ہوکر ٦٤ ب پر ختم ہوتی ہے - اس تقریظ میں نسخۂ م

(طبعِ اول) کی طرح سالِ ترتیبِ دیوان ۱۲۵٤ھ (مارچ ۱۸۳۸ع تا مارچ ۱۸۳۹ع) مندرج ھے۔ لیکن اس میں میرزا صاحب کی مشہور غزل: «سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں» بھی شامل ھے، جو دھلی اردو اخبار مورخۂ ۲۸ اگست ۱۸۵۲ع میں اس تصریح کے ساتھ شائع ہوئی تھی کہ اس ھفتے کے مشاعرے کا کلام ھے، اور ۱۸۵۳ع کی کہی ہوئی کوئی غزل وغیرہ موجود نہیں، اس لیے یہ قیاس کرنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ نسخہ ۱۸۵۲ع کے نصفِ آخر میں مرتب کیا گیا تھا، اور تقریظ کی تاریخ از راہِ سہو تبدیل نہیں کی گئی ھے۔

تقریظ میں اشعار کی تعداد «ہزار و پانصد و پنجہ و اند» (۱۵۵۰ سے کچھ اوپر) بتائی ھے۔ میں نے شمار کیا تو ۱۵٤۷ شعر نکلے، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ھے کہ اشعار کے گننے میں بھی احتیاط نہیں برتی گئی تھی۔ اشعار کی تفصیل یہ ھے:

غزلیات:

الف	۲۸٤	ر	٦٩	ك	۱۵	ه	۳
ب	۱۲	ز	۲۰	گ	۲	ی	۵۸۰
ت	۱۹	س	۷	ل	۹	قصائد:	۱٦۲
ج	٤	ش	۲	م	۸	قطعات:	۵۰
چ	٦	ع	۸	ن	۲۰۹	رباعیات:	۲٤
د	۹	ف	۲	و	٤٤		۱۵٤۷

اندرونی شہادت ثابت کرتی ھے کہ اسے اول سے آخر تک میرزا صاحب نے پڑھا ھے اور اکثر جگہ اغلاطِ کاتب کی اصلاح بھی کی ھے۔ چنانچہ مندرجۂ ذیل مقامات پر اُن کے قلم کی واضح اصلاحیں موجود ھیں:

۱۔ ورق ۱۰ ب: جس دل پہ ناز (تھا) مجھے، وہ دل نہیں رہا۔

۲۔ ورق ۲۰ الف: گرمیِ بزم (ھے) اك رقصِ شرر ہونے تك۔

۳۔ ورق ۲۱ ب: رونقِ ھستی ھے (عشق) خانہ ویراں ساز سے۔

٤۔ ورق ۲۳ الف: آپ بے بہرہ (ھے) جو معتقدِ میر نہیں۔

۵ - ورق ۲۵ ب: ظلم کر ظلم، اگر لطف دریغ آتا (ہو)۔
۶ - ورق ۳۷ الف: ساقی گری کی شرم کرو آج (ورنہ) ہم۔
۷ - ورق ٤٦ الف: ہم رشک کو اپنے (بھی) گوارا نہیں کرتے۔

ان میں سے ۱، ۲، ۳، ٤ اور ۷ میں جو لفظ بریکٹوں میں لکھے ہوئے ہیں، وہ اصل میں خود میرزا صاحب نے اپنے قلم سے بڑھائے ہیں۔ نمبر ۵ میں کاتب نے «ہو» کی جگہ «ہے» لکھ دیا تھا۔ میرزا صاحب نے اوّل کو چھیل کر دوسرا لفظ بنایا ہے۔ نمبر ۶ میں کاتب نے «ورنہ آج» لکھ کر «ورنہ» کے اوپر «خ» (جو موخر کا نشان ہے) اور «آج» کے اوپر «م» (جو مقدم کا نشان ہے) بنا دیا تھا۔ میرزا صاحب نے یہاں «ورنہ» کو مٹا کر «آج» کے بعد مذکورہ لفظ اپنے قلم سے لکھ دیا ہے۔

تاہم بہت سی خطی غلطیاں اب بھی موجود ہیں۔ مثلاً:

(۱) «کیا رہوں غربت میں خوش، ہو جب حوادث کا خیال» (٤ ب)، حالانکہ صحیح الفاظ «حوادث کا یہ حال» ہیں۔

(۲) «جلوہ از بسکہ — مژگاں ہوگا» (۵ ب) جب کہ صحیح ردیف «ہونا» ہے۔

(۳) ورق ۷ ب پر «سونچ»، ۱۰ الف پر «خورشید»، ١٤ الف پر «دھنواں» اور ۱۸ الف پر «تعذیر» ملتا ہے، جو میرزا صاحب کے املا کے خلاف ہے۔

(٤) «نہ سنو گر برا کہے کوئی   نہ کہو گر برا کہے کوئی» (٤۸ ب)، حالانکہ صحیح ردیف «کرے کوئی» ہے۔

(۵) «رہ گیا خط (میری) چھاتی پر کھلا» (۵۷ ب)، اس میں بریکٹ کے اندر کا لفظ کاتب اور مصحح دونوں سے چھوٹ گیا ہے۔

(۶) «شاہ (کے) آگے دھرا ہے آئنہ» (۵۸ الف)۔ یہاں بھی بریکٹ کا لفظ رہ گیا ہے۔

۱۱ - نسخۂ رام پور جدید۔ اس کی علامت ق د ہے۔

اس نسخے کا ناپ ۱/۲ ۱۱ × ۷ انچ اور کتابت کا سائز ۱/۲ ۸ × ۳/٤ ٤ انچ ہے۔ اوراق ۷٤ اور مسطر ۱۵ سطری ہے۔ متن کی روشنائی کالی اور عنوان، تخلص اور ممدوحین کے نام شنگرفی

ھیں۔ لوح، نسخۂ لاھور کی طرح نہایت عمدہ سنہری اور رنگین ھے۔ ورق ۱ ب اور ۲ الف کے حاشیے خوبصورت بیل سے آراستہ کیے گئے ھیں۔ ھر دو نظموں کے درمیان کی سادہ جگہ کو رنگین بیل بوٹوں سے مزین کیا گیا ھے۔ یہی صورت اُس جگہ نظر آتی ھے جہاں کسی نظم کے آخری شعر کو دو سطروں میں لکھا گیا ھے۔ جدولیں سنہری اور رنگین ھیں۔ ایک جدول حاشیے کی تحدید کے لیے بھی بنائی ھے، مگر یہ متن کی جدول سے باریک ھے۔

اس کا خط بھی نسخۂ لاھور کی طرح عمدہ نستعلیق ھے۔ کاتب کا نام اور سالِ کتابت یہاں بھی درج نہیں۔ لیکن یہ بات بالکل یقینی ھے کہ اس کے کاتب بھی نواب فخرالدین محمد خاں بہادر ھی ھیں۔ کتاب کا کاغذ بہت باریک ولایتی ھے، اس لیے رنگین بیل بوٹوں کی جگھوں پر گاتا جا رھا ھے۔ چونکہ یہ نسخہ میرزا صاحب نے نواب یوسف علی خاں بہادر ناظم والیِ رام پور (فردوس مکاں) کو ۱۱ مئی سنہ ۱۸۵۷ع سے پہلے تحفے میں بھیجا تھا، اس لیے اسے تاریخ مذکور سے پہلے کا نوشتہ ھونا چاھیے۔ اور چونکہ اس کو زیادہ اہتمام سے لکھوایا گیا ھے، اس لیے گمانِ غالب یہ ھے کہ نواب ناظم ھی کے لیے تیار بھی کرایا گیا تھا۔

اس نسخے کی تصحیح میرز اصاحب نے خود کی ھے: چنانچہ صفحات ۶، ۷، ۸، ۱٤، ۱۸، ۲۲، ۳٤، ٤۵، ۵۵، ۶۱، ۶۳، ۶۷، ۷۲، ۷٤، ۸۱، ۸۲، ۸۵، ۸۸، ۹۱، ۹۷، ۱۰۲، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۶، ۱۲۰، ۱۳۱، ۱۳۵، ۱۳۸، ۱٤۰، پر اُن کے ھاتھ کی اصلاحیں موجود ھیں۔

سرورق پر کتاب خانۂ رام پور کے رجسٹر موجودات کلاں کا نمبر ۳۳٤٤ اور «ملبر خورد ۷۶» درج ھے۔ نیز کتاب خانے کی ایک پرانی مہر سنہ ۱۲۶۸ھ کی کھدی ھوئی اور دوسری عہدِ نواب سید حامد علی خاں بہادر والیِ رام پور (جنت مکاں) کی بھی ثبت ھے۔

ورق ۱ ب پر لوح کے تحت فارسی دیباچہ ھے۔ ورق ۲ ب سے ورق ۶ ب تک قطعے، ورق ۷ الف سے ورق ۸ الف تک مثنوی، ورق ۸ الف سے ورق ۱۳ ب تک قصائد، ورق ۱٤ الف سے ورق ۷۰ الف تک غزلیات، ورق ۷۰ الف سے ورق ۷۱ ب تک رباعیاں اور ورق ۷۲ الف سے ورق ۷٤ ب تک نیر کی تقریظ ھے۔

اس تقریظ کا عنوان «خاتمہ» ھے، اور اس میں سالِ ترتیب ۱۲۷۱ھ درج ھے، جو ۲٤ ستمبر

۱۸۵٤ع سے شروع ہوکر ۱۳ ستمبر ۱۸۵۵ع پر ختم ہوتا ہے۔ اس نسخے کی سب سے آخری نظم جس کی تاریخ کا علم ہوسکا ہے، یہ رباعی ہے: ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے» میرزا صاحب کے خط بنامِ حقیر مورخۂ ۸ مارچ ۱۸۵۵ع سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس تاریخ سے کچھ ہی قبل لکھی گئی تھی۔ لہٰذا زیرِ نظر نسخے کو مارچ ۱۸۵۵ع اور ستمبر ۱۸۵۵ع کے درمیان مرتب ہو جانا چاہیے۔

تقریظ میں تعدادِ اشعار «۱٦۹۰ اور چند» بتائی گئی ہے، جب کہ خود نسخے میں حسبِ تفصیلِ تحت ۱۷۹۵ اشعار مندرج ہیں:

قطعات	۱۱۵	الف	۳۰۵	ز	۲۰	ل	۹
مثنوی	۳۳	ب	۱۲	س	۷	م	۸
قصائد	۱٦۲	ت	۱۹	ش	۲	ن	۲۲۵
غزلیات	۱٤۵۳ ←	ج	٤	ع	۸	و	۸۰
رباعیات	۳۲	چ	٦	ف	۲	ہ	۳
	۱۷۹۵	د	۹	ک	۱۵	ی	٦٤۸
		ر	٦۹	گ	۲		

اس سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ میرزا صاحب نے نیر کی تقریظ کی تاریخ تو بدل دی، لیکن سہواً تعدادِ اشعار منقول عنہ ہی کی باقی رکھی۔ یہی غلطی احمدی ایڈیشن کی تقریظ میں بھی موجود ہے، جس کا ذکر آیندہ آرہا ہے۔

نسخۂ رام پور جدید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے اسے لفظی، معنوی اور ترتیبی لحاظ سے خوب تر بنانے کی سعی کی تھی اور اس لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ ۱۲٤۸ھ والے ایڈیشن کے بعد اُن کے دیوان کا وہ ایڈیشن ہے، جو اُنھوں نے از سرِ نو خود مرتب کیا تھا۔ ان دونوں نسخوں کے درمیان کے جتنے نسخے ہیں، وہ حقیقی معنوں میں ایڈیشن نہیں کہلا سکتے، بلکہ وہ پچھلے ایڈیشن کی گویا نقل ہیں جن میں نئے کلام کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

ذیل میں نسخۂ رام پور جدید کی خصوصیات پیش کی جاتی ہیں۔ ان سے اندازہ کیا جا سکے

گا کہ یہ نسخہ صحیح معنی میں آخری اڈیشن ہے۔

میرزا صاحب نے ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۳ع) میں جب موجودہ انتخاب مرتب کیا، تو اُس کے اندر اصنافِ کلام کی ترتیب یہ رکھی: غزلیات، قصائد، قطعہ، رباعیات۔ ۱۸۴۱ع میں پہلی مرتبہ دیوان کی طباعت ہوئی تو اُس میں بھی یہی ترتیب رہی۔ یہی ترتیب «احمدی» اور اُس کی نقل «نظامی» کی بھی ہے اور اسی کو آج تک سب مطبوعہ نسخوں میں برقرار رکھا گیا ہے۔

اس کے بر خلاف نسخۂ رام پور جدید میں اس ترتیب کو بدل کر یوں کر دیا گیا: قطعات، مثنوی، قصائد، غزلیات، رباعیات۔ یہ ترتیب اُن کے کلیاتِ فارسی کے مطابق اور اُردو کے سب پچھلے مخطوطوں اور مطبوعہ نسخوں کے خلاف ہے۔ صرف منشی شیو نرائن کا مطبوعہ نسخہ اس سے اس لیے مستثنیٰ ہے کہ وہ اسی نسخۂ رام پور جدید کی نقل ہے۔

اب یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ متداول دیوانِ اُردو کی ترتیب دو بار ہوئی۔ پہلے ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۳ع) میں اور دوسری بار ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۵ع) میں، اور ۱۲۷۱ھ کی ترتیب زمانے کے لحاظ سے متاخر ہونے کے ساتھ اُن کے فارسی دیوان کی ترتیب ھی نہیں بلکہ رواجِ عام کے بھی مطابق ہے، اس لیے وھی اس کی مستحق ہے کہ کسی تحقیقی و تنقیدی اڈیشن میں اختیار کی جائے۔ چنانچہ اسی واسطے میں نے نسخۂ عرشی کی ترتیب میں نسخۂ رام پور جدید کی ترتیب کو برقرار رکھا ہے۔

چونکہ آخر زمانے میں میرزا صاحب بہت شکستہ خاطر اور بیمار رہنے لگے تھے، اس لیے نسخۂ احمدی کی طباعت کے وقت اُن کا اُس کی پرانی ترتیب کو نہ بدلنا، اُن کی آخری تجویز نہیں کہلا سکتا۔ یہ صرف حالات کے دباؤ کے تحت پیش آمدہ سہل انگاری ہے اور بس۔

نسخۂ رام پور جدید جس کاتب کا لکھا ہوا ہے، میرزا صاحب کے فارسی اور اُردو مصنّفات کے عمومی کاتب وھی صاحب ھیں۔ چنانچہ رضا لائبریری میں اُن کے ھاتھ کے لکھے ہوے تین فارسی دیوان موجود ھیں۔ اُنھوں نے دیوانِ اردو کی بھی ایک سے زائد نقلیں مختلف زمانوں میں تیار کی تھیں۔ تقسیمِ ہند سے پہلے ایک نسخہ خواجہ محمد شفیع صاحب دھلوی کے پاس میں نے خود دیکھا تھا۔ ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاھور میں محفوظ ہے۔ جس

کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ھے۔ اگر یہ وھی خواجہ صاحب کا نسخہ نہیں، تو اس کا یہ مطلب ھے کہ میں اس کاتب کے قلم کے تین دیوانِ اردو دیکھ چکا ھوں۔

مدعا یہ ھے کہ میں نے میرزا صاحب کے دیوانِ اردو کے جتنے نسخے دیکھے ھیں، خواہ وہ قلمی تھے یا مطبوعہ، اُن سب سے نسخۂ رام پور جدید املائی اعتبار سے برتر ھے۔ اس میں میرزا صاحب کے ایما سے کاتب نے الفاظ کی کتابت چند خصوصیتوں کو نظر میں رکھ کر کی ھے، اور جیسا کہ آیندہ ظاھر ھوگا، وہ خصوصیات ایسی ھیں کہ اُن کے ھوتے ھوے نسخۂ زیرِ بحث کو دوسرے نسخوں کے مقابلے میں ترقی یافتہ یا خوب تر کہنا چاھیے۔ مثلاً:

(۱) لفظ «ایک» کی ی، جہاں پڑھنے میں نہیں آتی، وھاں ی، کا شوشہ تو لکھا گیا ھے، مگر نقطے اُڑا دیے گئے ھیں، اور اس کی کتابت یوں کی ھے: اٮک۔

(۲) الفاظ «میری» اور «تیری» اور «میرا» اور «تیرا» کی ی، جہاں ملفوظی نہیں ھے، وہ بھی بدونِ نقاط لکھی گئی ھے۔

(۳) ھاے مختفی پر ختم ھونے والے الفاظ کی جمع جب «ھا» سے بنائی ھے تو پہلی «ہ»، بالالتزام لکھی ھے، اور اگر کسی جگہ کاتب سے سہو ھوا ھے، تو میرزا صاحب نے اپنے قلم سے اس غلطی کی اصلاح کر دی ھے۔ چنانچہ اس نسخے میں خندہ ھا، بادہ ھا، میوہ ھا، وغیرہ ملتا ھے، جب کہ دوسرے نسخوں میں اس کی خلاف ورزی نظر آتی ھے۔

(٤) نسخۂ احمدی اور نسخۂ نظامی میں لفظ «تھمے» کو «تھنبے» اور «تھنبھے» لکھا گیا ھے۔ یہ دونوں شکلیں «تھمے» کے مقابلے میں قدیم و پس ماندہ ھیں۔

(٥) میرزا صاحب کی ادھیڑ عمر تک دلی والے «کسو» بولتے تھے۔ اُنھوں نے بھی جگہ جگہ یہی لفظ استعمال کیا اور لکھوایا تھا۔ بعد ازاں اس کی شکل «کسی» مروّج ھوگئی، تو اُنھوں نے «کسو» کو ترک کر دیا اور اس ترک کے بعد نہ خود لکھا نہ اپنے یہاں لکھنے دیا۔

نسخۂ احمدی کی اصل میں یہ لفظ اپنی پرانی شکل کے ساتھ لکھا ھوا تھا، اس لیے اس میں «کسو» ھی چھپا۔ اس پر میرزا صاحب کو خاتمۃ الطبع میں لکھنا پڑا کہ یہ اب میری بولی نہیں ھے، اس لیے جہاں کہیں قافیے میں ھو اُسے چھوڑ کر ھر جگہ «کسی» بنا لیا جائے۔

نسخۂ زیرِ بحث میں بالالتزام ہر جگہ «کسی» لکھا گیا ہے اور اگر کہیں کاتب نے از راہِ سہو پرانا املا لکھ دیا تھا، تو میرزا صاحب نے اپنے قلم سے اُسے درست کردیا ہے۔

(٦) لفظ «دونوں» کا املا نسخہ ہاے احمدی و نظامی میں «دونو» ہے جو غلط ہے۔ کاتب نے پہلے نسخۂ رام پور جدید میں بھی یونہی لکھا تھا۔ میرزا صاحب نے اپنے قلم سے آخری نون بڑھایا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نسخۂ احمدی کی اصل کا املا میرزا صاحب کا پسندیدہ نہ تھا، اس لیے اُنھوں نے اپنے قلم سے درست کرنا ضروری جانا۔

(٧) یہی صورت لفظ «پانو» کے املا کی ہے کہ احمدی اور نظامی نسخوں میں اسے «پانوں» لکھا ہے جو میرزا صاحب کی راے میں غلط ہے اور اسی لیے اُنھوں نے «پانو» ردیف کی غزل کو حرف الواو میں درج کیا ہے۔

(٨) بعض مرکب الفاظ کو میرزا صاحب نے جان کر مفرد کر دیا ہے۔ چنانچہ لفظ «ماهتاب» کو مثال میں پیش کیا جا سکتا ہے جو اس شعر میں آیا ہے:

غالب، چھٹی شراب، پر اب بھی کبھی کبھی

پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماهتاب میں

یہ لفظ نسخہ ہاے احمدی و نظامی میں اسی طرح ملا کر لکھا گیا ہے۔ نسخۂ رام پور جدید کے کاتب نے بھی اسے یونہی مرکب لکھا تھا۔ مگر میرزا صاحب نے خود اسے «ماہ تاب» بنایا جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ «شبِ ماہ تاب» مرکبِ توصیفی ہے۔ اربابِ علم ان دونوں لفظوں کے فرق سے واقف ہیں۔ اس لیے وہ یہ تسلم کریں گے کہ میرزا صاحب نے اس شعر میں «ماهتاب» کو «ماہ تاب» بنا کر املائی ہی نہیں اصلاحِ معنوی بھی کی ہے۔

(٩) اسی طرح «ہ» پر ختم ہونے والے لفظوں کو محرف ہونے کی حالت میں احمدی و نظامی نسخوں میں بالعموم «ہ» کے ساتھ ہی لکھا ہے۔ مگر نسخۂ رام پور جدید میں ان کے برخلاف مذکورہ حالت میں «ہ» کو «ی» سے بدل دیا ہے۔ اور اگر کہیں اس کے خلاف نظر آتا ہے، تو وہ بالیقین سہوِ کاتب ہے۔

(١٠) احمدی و نظامی نسخوں میں ہے: مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا۔

لفظِ «خرچ» کی اصل «خرج» ھے جو عربی زبان کا ایک لفظ ھے اور جیم کے ساتھ لکھا جاتا ھے۔ میرزا صاحب نے اسے بحالتِ ترکیب «چ» لکھنا نا درست جانا، اور اس لیے نسخۂ رام پور جدید میں اسے «جمع و خرج» لکھوایا۔

سابق سطور میں بہت سی ترمیمیں گزر چکی ھیں جو ثابت کرتی ھیں کہ نسخۂ رام پور جدید آخری ایڈیشن ھے۔ ذیل میں کچھ اور ایسے اختلافات پیش کرتا ھوں جو اس نسخے کے آخری ایڈیشن ھونے کا ثبوت ھیں:

(۱) احمدی و نظامی نسخوں میں ھے: شایانِ دست و بازوے قاتل نہیں رھا۔ نسخۂ رام پور جدید میں «بازو» کی جگہ «خنجر» رکھا گیا ھے۔

(۲) مذکورہ نسخوں میں ھے: ھم نے یہ مانا کہ دلی میں رھیں، کھاویں گے کیا۔ نسخۂ رام پور جدید میں «رھیں» کی جگہ «رھے» لکھا گیا ھے۔

(۳) مذکورہ نسخوں میں ھے: وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ھوں میں۔ نسخۂ رام پور جدید میں «کہ کہتے تھے» کی جگہ «جو کہتے تھے» ھے۔

(٤) مذکورہ نسخوں میں ھے: سوزشِ باطن کے ھیں احباب منکر، ورنہ یاں۔ نسخۂ رام پور جدید میں «سوزش» کی جگہ «شورش» ھے۔

(٥) مذکورہ نسخوں میں ھے: شادی سے گزر کہ غم نہ ھووے۔ نسخۂ رام پور جدید میں «نہ ھووے» کی جگہ «نہ رھوے» ھے۔

(٦) مذکورہ نسخوں میں ھے: تب چاکِ گریباں کا مزہ ھے، دلِ نالاں۔ نسخۂ رام جدید میں «نالاں» کی جگہ «ناداں» ھے۔

(۷) مذکورہ نسخوں میں ھے: کیا تعجب ھے کہ اُس کو دیکھ کر آجائے رحم۔ نسخۂ رام پور جدید میں «کہ اُس کو» کی جگہ «جو اُس کو» ھے۔

(۸) مذکورہ نسخوں میں ھے: اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ھے منہ پر رونق۔ نسخۂ رام پور جدید میں «منہ پر رونق» کی جگہ «رونق منہ پر» ھے۔

(۹) مذکورہ نسخوں میں ھے: وہ بد خو اور میری داستانِ عشق طولانی۔ نسخۂ رام پور

جدید میں «داستانِ عشق» کی جگہ «داستانِ شوق» ھے۔

(۱۰) مذکورہ نسخوں میں ھے «باغِ معنی کی دکھاؤں گا بہار» نسخۂ رام پور جدید میں «دکھاؤں گا» کی جگہ «دکھادوں گا» ھے۔

حسبِ ذیل خصوصیات بھی اس نسخے کو دیگر نسخوں سے ممتاز کرتی ھیں:

(۱) ناموں اور اھم جملوں اور الفاظ کو شنگرفی روشنائی سے یا جلی قلم سے لکھا گیا ھے، مثلاً «مثنویِ انبہ» میں ورق ۷ ب پر:

فخرِ دیں، عزِ شان و جاہِ جلال　　　زینتِ طینت و جمالِ کمال

کے اندر «فخرِ دیں» کو سرخ لکھا ھے، جس کا یہ مطلب ھے کہ کاتب کے نزدیک یہ عَلَم ھے اور اس سے مرزا فخرو ولیعہدِ سلطنت مراد ھیں۔ اس کے بعد آسانی سے کہا جا سکتا ھے کہ مثنوی کی تاریخِ نظم نومبر ۱۸۵۴ع اور ۱۰ جولائی ۱۸۵۶ع کے درمیان ھے، کیونکہ مرزا فخرو اول الذکر تاریخ میں ولیعہد بنے تھے اور موخر الذکر کو انتقال کر گئے۔

کوئی یہ نہ کہے کہ ولیعہد کا لقب تو فخر الدین تھا، لہذا فخرِ دین سے وہ مراد نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ شاعر القاب میں اتنی ترمیم کرلیا کرتے ھیں، جیسا کہ میرزا صاحب نے نواب تجمل حسین خاں بہادر والیِ فرخ آباد کو، «نصیرِ دولت و دین اور معینِ ملت و ملک» (۷۰ الف) لکھا ھے، حالانکہ اُن کا لقب نصیر الدولہ، معین الملک تھا۔ چونکہ میرزا صاحب کا کاتب اس امر سے واقف تھا، اس لیے اُس نے زیرِ بحث نسخے میں لفظِ «نصیر» کو جلی قلم سے تحریر کیا ھے۔

(۲) اکثر جگہ علاماتِ اعراب بھی لگائی ھیں۔ اُن میں سے بعض اھم ھیں، مثلاً:

مے ھی پھر کیوں نہ میں پیے جاؤں　　　غم سے جب ھوگئی ھو زیست حرام

(۱۱ الف) میں «ھی» کو بکسرِ ھاے ھوز لکھا ھے، تاکہ اسے کوئی «مے ھے» نہ پڑھ لے۔

یا　　میرے ھونے میں ھے کیا رسوائی　　　اے وہ مجلس نہیں، خلوت ھی سہی

(۴۸ ب) «اے» کو بکسرِ الف لکھا ھے۔

یا　　ھر چند ھر ایک شے میں تو ھے　　　پر تجھ سی کوئی شے نہیں ھے

(۶۱ الف) میں «سی» بکسرِ سین لکھا ھے تاکہ اسے «تجھ سے» نہ پڑھا جا سکے۔

یا سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے

(۵۶ ب) میں «تو» بفتحِ تا لکھا ہے۔

(۳) نشہ کو عموماً بتشدیدِ شین لکھا ہے، اور جہاں کاتب سے تشدید رہ گئی تھی وہاں میرزا صاحب نے اپنے قلم سے بڑھائی ہے۔

(٤) عموماً گاف کے مرکز، اور بعض جگہ واوِ عطف بھی، شنگرفی لکھے ہیں۔ نیز مرکب ردیفوں سے پہلے ایک سرخ نقطہ لگایا ہے۔

مذکورہ امتیازات کے پیشِ نظر اہلِ ذوق کو یہ ماننا پڑے گا کہ انھوں نے دیوان کے لفظی و معنوی حسن میں بالیقین اضافہ کیا ہے، اور یہ نتیجہ ہے اُس خصوصی توجہ کا جس سے میرزا صاحب نے اس نسخے کی ترتیب میں کام لیا۔ اس لیے نسخۂ رام پور جدید ہی اس اعزاز کا پورے طور پر مستحق ہے کہ اسے میرزا صاحب کا آخری پسندیدہ ایڈیشن قرار دے کر آیندہ ایڈیشنوں میں اس کی قرائت اور ترتیب کو آخری قرائت اور ترتیب کے طور پر برقرار رکھا جائے، بجز اُن صورتوں کے جہاں میرزا صاحب نے مزید اصلاح کردی ہو۔

۱۲ - انتخاب غالب - اس کی علامت خ ہے -

یہ انتخاب ۱/٤ ۱۲ × ۳/٤ ۷ انچ کے طول و عرض کے ٦٤ صفحات پر مشتمل ہے۔ سطریں ۱۳ سے ۱٦ تک ہیں۔ کاغذ باریک، اور ولایتی سفید ہے۔ متن کی روشنائی سیاہ اور عنوان سرخ ہیں۔ قلم اول سے آخر تک ایک اور نستعلیق خط بہت معمولی، اور حسبِ قولِ میرزا صاحب اغلاط سے پُر ہے۔ انھیں میرزا صاحب نے جگہ جگہ درست کیا ہے، مگر پھر بھی اصلاحوں سے زیادہ غلطیاں باقی رہ گئی ہیں۔ ہر نئی غزل کے پہلے مصرعے کے آغاز میں سرخ روشنائی سے ایک چھوٹی سی لکیر کھینچ دی ہے، تاکہ سابق سے اُس کا امتیاز نمایاں ہو جائے۔ ٤۸ صفحوں تک صفحات کے ہندسے بھی ملتے ہیں۔ اوراق پر کرمخوردگی کے نشان اور کاغذ پر کہنگی کے اثرات موجود ہیں۔

معمولی نقطوں یا مرکزوں کی اصلاحوں سے قطعِ نظر، صفحات ٦، ۱۲، ١٤، ۱۷، ۲۲، ۲٦، ۲۷، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳٤، ۳٦، ۳۷، ۳۸، ٤۸، ٤۹، ۵٤، ۵۸، ٦۳، ٦٤ پر میرزا صاحب کے قلم کی

ممتاز لفظی اصلاحیں ملتی ھیں، جن میں اغلاطِ املا کی تصحیح اور ساقط لفظوں کا اضافہ دونوں شامل ھیں۔

معلوم ھوتا ھے کہ مطبع نظامی، کانپور کے مطبوعہ نسخہ پر اس انتخاب کی بنیاد رکھی گئی ھے، اس لیے کہ

(۱) دھلی اور آگرے کے نسخوں میں میرزا صاحب کی وہ غزل نہیں ھے، جس کا مطلع ھے:

کیوں کر اُس بت سے رکھوں جان عزیز

کیا نہیں ھے مجھے ایمان عزیز؟

نظامی پریس کے نسخے میں یہ غزل پائی جاتی ھے، اور اس انتخاب میں بھی موجود ھے۔

(۲) میرزا صاحب کی مشہور غزل: «نویدِ امن ھے بیدادِ دوست جاں کے لیے»، کا یہ شعر نسخۂ نظامی میں اس طرح چھپا ھے:

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری خوشامد سے

اُٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے

زیر بحث نسخے میں بھی یہی الفاظ مندرج ھیں۔

(۳) میرزا صاحب کی ایک رباعی کا مصرع دھلی اور آگرے کے نسخوں میں اس طرح ھے: «یعنی ہر بار کاغذِ باد کی طرح»۔ میرزا صاحب نے دھلوی نسخے کے غلط نامے میں اپنے مصرع: «دود کی طرح رھا سایہ گریزاں مجھ سے» میں «صورتِ دود» بنایا تھا، مگر یہ تغیر رباعی کے اندر سہواً رہ گیا تھا۔ نظامی میں اس کی اصلاح بھی پائی جاتی ھے۔ نسخۂ انتخاب اس محل پر بھی نظامی کے مطابق ھے۔

ان مواقع کے علاوہ بھی ھر جگہ انتخاب کا متن نسخۂ نظامی کے متن سے موافقت و اتحاد رکھتا ھے، جیسا کہ «اختلافِ نسخ» میں ظاھر کیا گیا ھے۔ اگر انتخابِ اشعار کی خاطر میرزا صاحب نے نسخۂ نظامی پر صاد نہ بنائے ھوتے، تو ان دونوں میں الفاظ کا مذکورۂ بالا اتحاد ناممکن تھا۔

نظامی ایڈیشن میں ۱۸۰۲ بیت تھے، جن میں سے زیرِ بحث انتخاب میں ۸۴۷ اشعار باقی

رکھے گئے ہیں۔ ان میں غزلیات کے ۱۴۶۰ شعروں میں سے ۶۷۲ منتخب اشعار کی تفصیل درج ذیل ہے۔

الف	۱۳۹	د	۵	ک	۴	و	۴۲
ب	۱	ر	۳۵	ل	۲	ی	۳۱۶
ت	۸	ز	۵	م	۴		
ج	۲	س	۳	ن	۱۰۶		

ان کے علاوہ قصائد کے ۱۶۲ ابیات میں سے ۹۲، مثنوی در صفتِ انبہ کے مکمل ۳۳ اور قطعات کے ۱۱۵ اشعار میں سے ۴۰ چنے گئے ہیں۔ ۱۶ رباعیات میں سے صرف ۵ انتخاب میں آئی ہیں۔

بظاہرِ حال نسخۂ نظامی کی موجودگی میں انتخاب کو استعمال کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن میرزا صاحب نے اس میں چند تازہ اصلاحیں کی ہیں، اور وہ اہم بھی ہیں، اس لیے میں نے اسے بھی اپنے ماخذوں میں شامل کر لیا ہے۔

ب: مطبوعہ نسخے

۱ - پہلا ایڈیشن - اس کی علامت م ہے -

میرزا صاحب کے دیوان کا پہلا مطبوعہ نسخہ مطبعِ سیدالاخبار دہلی میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ میرزا صاحب نے ختمِ طباعت سے کچھ پہلے میجر جان جاکوب کو لکھا ہے[1]۔

«نہان نماناد کہ نقشِ مطبعِ سیدالاخبار انگیختۂ طبعِ یکی از دوستانِ روحانی منست۔ همانا کارفرمای این نوآئین کدہ، آن می سگالد کہ درین کارگاہ نقشہای بدیع انگیزد و فرو ریختہ ہای خامۂ غالبِ بے نوا را بقالبِ انطباع فرو ریزد۔ ازاں جملہ دیوانِ ریختہ کہ در ناتمامی تمام است، عجب نیست کہ ہم درین ماہ بتمامی و آنگاہ بنظر گاہِ سامی رسد»۔

یہ مطبع سرسید کے بھائی، سید محمد خاں بہادر نے دہلی میں قائم کیا تھا اور سید المطابع یا مطبعِ سیدالاخبار کے نام سے مشہور تھا۔ شعبان ۱۲۵۷ھ (اکتوبر ۱۸۴۱ع) میں میرزا صاحب کا دیوان اس مطبع میں چھپنا شروع ہوا، اور ۲۷ رمضان (۱۲ نومبر) تک زیرِ طبع رہا۔ تاریخ

۱ - کلیات نثر، پنج آہنگ: ۸۲ -

آغاز سرورق پر مذکور ھے، اور ۲۷ رمضان تک اختتام نہ ہونے کی دلیل یہ ھے کی اس میں یہ رباعی بھی شامل ھے: ھے اب کے شبِ قدر و دوالی باہم۔ اور از روے حساب دوالی اور شبِ قدر کا اجتماع اسی تاریخ کو ھوا تھا۔ سرورق کا اصل نمبر کتاب کی ترتیبِ صفحات میں شامل ھے۔ اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ھے کہ یہ دیوان سرورق پر مذکور تاریخِ طباعت کے بعد تک چھپتا رہا تھا۔

صولت پبلک لائبریری رام پور میں اس ایڈیشن کا ایک نسخہ محفوظ ھے جس کے سرورق پر حسبِ ذیل عبارت اس طرح پانچ سطروں میں لکھی ھے:

دیوانِ اسد اللہ خان صاحب غالب تخلص

مرزا نوشہ صاحب مشہور کا دھلی میں سید محمد خان بہادر کے چھاپہ خانہ کے

لیتھو گرافک پریس میں شہرِ شعبان

سنہ ۱۲۵۷ ھجری مطابق ماہِ اکتوبر سنہ ۱۸۴۱ عیسوی کو سید عبدالغفور کے

اہتمام میں چھاپا ھوا

سرورق کی پہلی سطر کے آخر میں لفظِ تخلص کے اوپر سید محمد خاں کے دستخط ھیں۔

صفحات کی تعداد ۱۰۸ ھے۔ آخر میں ایک ورق اور شامل ھے، جس کے پہلے صفحے پر ۱۵ غلطیوں کا ایک غلط نامہ دیا گیا ھے۔ مگر کاتب نے اس پر مسلسل یا ئیے ھندسے نہیں ڈالے ھیں۔ اس کتاب کا مسطر ۱۳ سطری ھے۔ ھر دو غزلوں کے درمیان کی ایک سطر کاتب نے سادہ چھوڑ دی ھے، جس کے باعث سے اکثر و بیشتر صفحات میں مکتوبی سطریں ۱۳ سے کم رہ گئی ھیں۔ کاغذ پرانی وضع کا دیسی بانس کا بنا ھوا ھے۔ کتاب کا طول و عرض ۸۱/۲ × ۵۱/۴ انچ اور کتابت کا ۶ ۱/۴ × ۳ ۱/۲ انچ ھے۔ خط نستعلیق ھے اور پوری کتاب جدولوں سے خالی ھے۔

مضامین کی ترتیب یہ ھے:

ص ۱ سر نامہ (اس کی پوری عبارت نقل کی جا چکی ھے)

ص ۲ (سادہ ھے)

ص ۳-۵ (دیباچۂ فارسی۔ اس کے آخر میں کوئی تاریخ نہیں ہے)

ص ۵ سطر ٤ «یا اسد اللہ الغالب»

" سطر ۵ غزلیات، ردیف الالف (لیکن الفاظ «ردیف الالف» نسخے میں محذوف ھیں۔ اس ردیف کے دو مصرعے سہواً ساقط ہو گئے تھے جن کی تصحیح غلط نامے کی رو سے ہو جاتی ہے۔ تعدادِ اشعار: ۲۲۹)

ص ۲۵ ردیف الباء الموحدہ (تعدادِ اشعار: ۱۲)

ص ۲٦ ردیف التاء المثناۃ الفوقانیہ (تعدادِ اشعار: ۱۹)

ص ۲۸ ردیف الجیم المعجمۃ التازیہ (تعدادِ اشعار: ٤)

ص ۲۹ جیم الفارسی (لفظِ ردیف محذوف ہے۔ تعدادِ اشعار: ٦)

ص ۲۹ ردیف الدال المہملہ (ایک شعر: خوں ہے دل خاک میں الخ کاتب سے سہواً چھوٹ گیا ہے۔ تعدادِ اشعار: ۸)

ص ۳۰ ردیف الراء المہملہ (تعدادِ اشعار: ۳۹)

ص ۳۳ ردیف الزاء المعجمہ (تعدادِ اشعار: ۲۰)

ص ۳۵ ردیف السین المہملہ (تعدادِ اشعار: ۷)

ص ۳٦ ردیف الشین المعجمہ (تعدادِ اشعار: ۲)

" ردیف العین المہملہ (تعدادِ اشعار: ۸)

ص ۳۷ ردیف الفاء (تعدادِ اشعار: ۲)

" ردیف الکاف تازیہ (الف لامِ «التازیہ» محذوف ہے۔ تعدادِ اشعار: ۱۵)

ص ۳۸ کافِ فارسی (لفظِ ردیف وغیرہ محذوف ہے۔ تعدادِ اشعار: ۲)

" ردیفِ لام (الف لام محذوف ہے۔ تعدادِ اشعار: ۹)

ص ۳۹ ردیف المیم (تعدادِ اشعار: ۸)

ص ٤۰ ردیف النون (تعدادِ اشعار: ۱۲۷)

ص ۵۲ ردیف الواو (یہ عنوان پورا محذوف ہے۔ تعدادِ اشعار: ۳۸)

ص ۵۵ ردیف الہاء (تعدادِ اشعار: ۳)

" ردیف الیاء (تعدادِ اشعار ۴۴۱ - لیکن اس ردیف میں کلکتے کی تعریف والے قطعے کے ۳ شعر سہواً چھپ گئے ہیں، اس لیے مکرر اشعار کم کرنے کے بعد صحیح تعداد ۴۳۸ ہوتی ہے)

ص ۹۴ سطرِ آخر «تمام شد غزلیات»

ص ۹۵ «منتخبِ قصیدۂ منقبتِ علیِ مرتضیٰ علیہ السلام» (تعدادِ اشعار: ۲۵ - اس میں ۳ شعر غالباً کاتب سے چھوٹ گئے ہیں، کیونکہ وہ قب میں شامل ہیں -)

ص ۹۷ «انتخابِ قصیدۂ منقبتِ علیِ مرتضیٰ علیہ السلام» (تعدادِ اشعار: ۳۳)

ص ۹۹ سطر ۸ «قطعات»

" سطر ۹ «قطعه در نمایشِ عنوانِ دلاویزیِ گفتار، و آسان کردنِ اندوہِ پشیمانی بر دل دلدار» (تعدادِ اشعار: ۲)

" «چمن سرمایه کردنِ گفتار بستایش کلکته، که اگر فردوس نتوان گفت، ارم است البته» (تعدادِ اشعار: ۴)

ص ۱۰۰ با دوست از سپاسِ عطای هدیه سخن راندن، و متاعِ گزیدۂ سخن در برابرِ آن افشاندن» (تعدادِ اشعار: ۱۳)

ص ۱۰۱ سطر ۶ «رباعیات» (تعدادِ اشعار: ۲۰)

ص ۱۰۳ سطر ۷ تقریظ (نوشتۂ نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر نیر)

یہ تقریظ سنہ ہزار و دویست و پنجه و چهار هجریه نبویه (۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۸ع) میں لکھی گئی ہے - تعدادِ اشعار کے بارے میں لکھا ہے کہ:

«همگی اشعارِ شعریٰ شعارِ غزل و قصیده و قطعه و رباعی هزار و نود و هشت اند یافتم»-

لیکن سر سید احمد خاں نے آثار الصنادید[1] میں اس تقریظ کو نقل کرتے ہوئے سنہ ۱۲۵۴ھ کے ساتھ تعدادِ اشعار «یک هزار و هفتاد و اند» درج کی ہے - اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ترتیبِ دیوانِ ریختہ کے وقت اشعار کی کل تعداد ۱۰۷۰ سے کچھ اوپر تھی - جب طباعت

---

۱ - کتاب مذکور: باب ۴، ۱۵۵ - ۱۵۸، طبع اول ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۷ع مخزونۂ صولت پبلک لائبریری رام پور -

کے وقت اس میں اضافہ ہو کر کل اشعار ۱۰۹۰ سے کچھ زیادہ ہو گئے، تو تعداد میں ترمیم کر دی گئی۔ اصولاً یہاں تاریخ بھی بدلنا چاہیے تھی۔ لیکن کسی وجہ سے ایسا نہیں ہوا۔

اس عبارت سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ نیر نے اصل میں «ہزار و نود و اند» لکھا تھا۔ لفظ «ہشت» کتاب کے چھپ جانے کے بعد کاتب یا مصحح نے اشعار گن کر ایزاد کیا ہے۔ اس قیاس کی وجہ یہ ہے کہ «اند» بمعنیِ «چند» مبہم اکائی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جب «ہشت» نے اکائی کی جگہ پُر کر دی، تو اس لفظ کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اور بے ضرورت لفظ کا غلط استعمال نیر جیسے ادیب سے ناممکن ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اشعار کی یہ تعداد بھی درست نہیں۔ کتاب میں کل اشعار ۱۰۹۳ ہیں۔ البتہ میرزا صاحب کے قطعے:

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے، ہم نشیں

اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

کے تین بیت حصۂ غزلیات کی ردیف الیاء میں سہواً مکرر چھپ گئے ہیں، جس کے سبب سے میزان میں ۳ کا اضافہ ہو کر حاصل ۱۰۹۶ نکلا ہے۔

یہ ایڈیشن صولت پبلک لائبریری رام پور میں موجود، اور اس کی ایک جدید عکسی اور دوسری قدیم دستی نقل رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے۔

۲ - دوسرا ایڈیشن - اس کی علامت ما ہے -

اس نسخے کے چھ سال بعد مئی ۱۸۴۷ع میں دوسرا ایڈیشن مطبعِ دارالسلامِ دہلی نے جس کا دوسرا نام مطبعِ صادق الاخبار بھی تھا، چھاپ کر شائع کیا۔ اس ایڈیشن کے سرورق پر صفحہ نمبر ۱ درج ہے، اور بیضوی دائرے کے اندر حسبِ ذیل عبارت ۱۳ سطروں میں چھپی ہے:

«دیوانِ اردو تصنیفِ مشتریِ اوجِ حق پژوہی و خدادانی، رصد بندِ فلک البروجِ معارفِ سبحانی، افصحِ فصحای دوران، شاہنشہِ شعرای ممالکِ ایران و ہندوستان، دقاقِ غوامض و رموزِ سخن سنجی و نکتہ دانی، خلاقِ مضامین و معانی، سرآمدِ اربابِ فضل و کمال، مہرِ سپہرِ نبالت و اجلال، جنابِ مستطابِ منیع الالقاب، میرزا اسد اللہ خان بہادر، ادام اللہ برکاتہم و حسناتہم، المتخلص بغالب و اسد، بہ تصحیح و مقابلۂ جنابِ مصدر المدح در مطبعِ دارالسلامِ دہلی واقعِ محلۂ حوض

قاضی مبنیۂ اقل العباد عنایت حسین در ماہِ مئی سنہ ۱۸۴۷ع باہتمامِ نور الدین احمد لکھنوی حلیۂ انطباع پوشید»۔

اس نسخے میں ترتیبِ مضامین پہلے ایڈیشن کے مطابق ہے۔ مگر غزلوں کی ردیفوں کے عنوانات حذف کر دیے گئے ہیں، اور قصائد کے عنوانوں کی عبارتوں میں بھی ردّ و بدل کیا گیا ہے۔ چنانچہ پہلے قصیدے کا عنوان یہ قرار پایا ہے: «افزایشِ آبروی گوہرِ سخن بہ ثنائے ابوالایمہ حضرت علیِ مرتضیٰ علیہ التحیۃ و الثنا۔» دوسرے کا عنوان «ایضاً فی المنقبت» ہے۔

نیر کی تقریظ میں تاریخ سنہ ۱۲۵۴ھ ہی ہے۔ مگر اشعار کی تعداد «یک ہزار و یک صد و اند» بنادی گئی ہے۔ گویا چھے برس کے اندر میرزا صاحب نے اردو کے کل سولہ شعر کہے تھے جو اس نسخے میں بڑھا دیے گئے۔ دونوں ایڈیشنوں کے مقابلے سے معلوم ہوتا ہے کہ غزلیات میں صرف نواب تجمل حسین خاں کی مدحیہ غزل کا اضافہ ہوا ہے، جس کے چودہ شعر ہیں۔ نیز قطعات میں بیسنی روٹی والا دو شعر کا قطعہ بڑھایا گیا ہے۔

یہ نسخہ ۱/۲ ۱۰ × ۷، ۸ × ۱/۴ ٤ سائز کے ۱۵ سطری ۹۸ صفحوں پر چھپا ہے۔ کاغذ باریک انگریزی سفید اور خط معمولی نستعلیق ہے۔ ہر غزل کے آغاز میں عنوان پر لفظِ «غزل» یا «ولہ» لکھا گیا ہے۔ صرف ۲ جگہ لفظِ فرد ہے، اور ۵ جگھیں خالی رہ گئی ہیں۔

اس ایڈیشن کا ایک نسخہ دہلی یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ تھا جو اب وہاں سے گم ہو گیا ہے۔مگر اُس کی ہو بہو نقل اُسی سائز اُسی مسطر اور اُسی املے میں رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ خوش قسمتی سے اس کا ایک نسخہ ۱۹٤۷ع کے بعد ایک پرانی کتابیں بیچنے والے سے بھی مل گیا ہے۔ اس میں صفحات ۵ تا ٤۰ تو نہیں، لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کے آخری سادہ اوراق پر میرزا صاحب کا وہ کلام نقل کیا گیا ہے، جو اُنھوں نے اِس دیوان کی اشاعت کے بعد کہا تھا۔ اُس کی ترتیب حسبِ ذیل ہے:

۱۔ میں اور بزم — کیا ہوا تھا	۳ شعر	٤۔ ذکر اُس پریوش — بیاں اپنا	۸ شعر
۲۔ گھر ہمارا — ویراں ہوتا	۳ شعر	۵۔ گھر جب بنالیا — پر کہے بغیر	۹ شعر
۳۔ ہوئی تاخیر — تاخیر بھی تھا	۱۱ شعر	٦۔ حیراں ہوں — جگر کو میں	۱۰ شعر

۷ - دایم پڑا ہوا — در پر نہیں ہوں میں ۸ شعر
۸ تم جانو — راہ ہو ۷ شعر
۹ - تسکیں کو — نظار ملے ۷ شعر
۱۰ - کوئی دن گر زندگانی اور ہے ۶ شعر
۱۱ - کوئی امید بر نہیں آتی ۱۰ شعر
۱۲ - دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے ۱۱ شعر
۱۳ - کہتے تو — غالیہ مو آے ۹ شعر
۱۴ - حسن ِ مہ — کمال اچھا ہے ۱۰ شعر
۱۵ - شکوے کے نام — خفا ہوتا ہے ۱۳ شعر
۱۶ - ہر ایک بات — تو کیا ہے ۱۰ شعر
۱۷ - ابنِ مریم ہوا کرے کوئی ۱۰ شعر
۱۸ - اے شہنشاہ — عدیل ۱۷ شعر
۱۹ - یہ نہ تھی — یار ہوتا ۱۱ شعر
۲۰ - نہ تھا کچھ — خدا ہوتا ۳ شعر
۲۱ - اُس بزم — حیا کیے ۹ شعر
۲۲ - میں اُنھیں — پیے ہوتے ٤ شعر
۲۳ - منظور — نور کی ۹ شعر

۳ - تیسرا ایڈیشن - اس کی علامت مب ہے -

میرزا صاحب کے کلام کے جو قلمی نسخے نیر اور حسین میرزا کے پاس تھے، وہ ۱۸۵۷ع کے ہنگامے میں لٹ گئے۔ مگر اس فتنے کے پیدا ہونے سے کچھ دن پہلے میرزا صاحب نے اردو کلیات کا ایک قلمی نسخہ نواب یوسف علی خاں بہادر ناظم کو تحفے میں بھیج دیا تھا۔ وہ رام پور کے کتاب خانے میں محفوظ تھا۔ دلی کے بعض احباب کے پاس مطبوعہ نسخے کے علاوہ تازہ غیر مطبوعہ کلام بھی تھا، جسے اُنھوں نے حواشی پر درج کرلیا تھا۔ چنانچہ اپریل ۱۸۵۹ع میں منشی شیونرائن نے غالباً اخبار میں چھاپنے کے لیے میرزا صاحب سے کچھ اردو کلام طلب کیا، تو اُس کے جواب میں میرزا صاحب نے ۱۹ اپریل کو تحریر فرمایا[1]:

«صاحب، میں ہندی غزلیں بھیجوں کہاں سے؟ اردو کے دیوان چھاپے کے ناقص ہیں۔ بہت غزلیں اُس میں نہیں ہیں۔ قلمی دیوان جو اتم اور اکمل تھے، وہ لٹ گئے۔ یہاں سب کو کہہ رکھا ہے کہ جہاں یکتا ہوا نظر آجائے لے لو۔ تم کو بھی لکھ بھیجا.... ایک دوست کے پاس اردو کا دیوان چھاپے سے کچھ زیادہ ہے۔ اُس نے کہیں کہیں سے مسوداتِ متفرق بہم پہنچالیے ہیں۔ چنانچہ «پنہاں ہوگئیں، ویراں ہوگئیں» یہ غزل مجکو اُسی سے ہات آگئی ہے۔ اب میں نے اُس کو لکھا ہے اور تم کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ خط لکھ کر رہنے دوں گا۔

۱ - اردوے معلی: ۳٦۸، خطوط: ۱/۳۹۳ -

جب اُس کے پاس سے ایک غزل یا دو غزل آجائے گی، تو اُسی خط میں ملفوف کر کے بھیج دوں گا»۔

منشی شیونراین اور اُنھیں جیسے مخلص تلامذہ اور احباب کی دلچسپی میرزا صاحب کے دیوانِ ریختہ کی تبارہ طباعت کا موجب ہوئی۔ اس کی تفصیل خود میرزا صاحب نے رام پور سے دھلی واپس جاکر اپریل ۱۸۶۰ع میں شیو نراین کو اس طرح لکھی ھے[۱]:

«میاں، دیوان کے میرٹھ میں چھاپے جانے کی حقیقت بھی سن لو، تب کچھ کلام کرو۔ میں رام پور میں تھا کہ ایک خط پہنچا۔ سر نامے پر لکھا تھا: عرضداشتِ عظیم الدین احمد من مقامِ میرٹھ»۔ واللہ، باللہ، اگر میں جانتا ہوں کہ عظیم الدین کون ھے اور کیا پیشہ رکھتا ھے۔ بہر حال پڑھا۔ معلوم ہوا کہ ھندی دیوان اپنی سوداگری اور فایدہ اُٹھانے کے واسطے چھاپا چاھتے ھیں۔ خیر، چُپ ہو رھا۔ جب میں رام پور سے میرٹھ آیا، بھائی مصطفیٰ خاں صاحب کے ھاں اُترا۔ وھاں منشی ممتاز علی صاحب، میرے دوستِ قدیم، مجکو ملے۔ اُنھوں نے کہا کہ اپنا اُردو کا دیوان مجکو بھیج دیجیے گا۔ عظیم الدین، ایک کتاب فروش، اُس کو چھاپا چاھتا ھے۔

اب تم سنو: دیوانِ ریختہ اتم و اکمل کہاں تھا۔ مگر ھاں، میں نے غدر سے پہلے لکھوا کر نواب یوسف علی خاں بہادر کو رام پور بھیج دیا تھا۔ اب جو میں دلی سے رام پور جانے لگا، تو بھائی نواب ضیاءالدین خاں صاحب نے مجکو تاکید کردی تھی کہ تم نواب صاحب کی سرکار سے دیوانِ اُردو لے کر، اُس کو کسی کاتب سے لکھواکر مجکو بھیج دینا۔ میں نے رام پور میں کاتب سے لکھوا کر بسبیلِ ڈاک ضیاءالدین خاں کو دلی بھیج دیا تھا۔

آمدم بر سرِ مدعاے سابق۔ اب جو منشی ممتاز علی صاحب نے مجھ سے کہا، تو مجھے یہی کہتے بن آئی کہ اچھا دیوان تو میں ضیاءالدین خاں سے لے کر بھیج دوں گا، مگر کاپی کی تصحیح کا ذمہ کون کرتا ھے؟ نواب مصطفیٰ خاں نے کہا کہ «میں»۔ اب کہو میں کیا کرتا؟ دلی آکر، ضیاءالدین خاں سے دیوان لے کر، ایک آدمی کے ھات نواب مصطفیٰ خاں کے پاس بھیج دیا۔ اگر میں اپنی خواھش سے چھپواتا، تو اپنے گھر کا مطبع چھوڑ کر پرائے چھاپے خانے میں کتاب کیوں بھجواتا؟ آج اسی وقت میں نے تم کو یہ خط لکھا اور اسی وقت بھائی مصطفیٰ

۱ - اردوے معلی: ۳۸۱ خطوط: ۴۰۳/۱ -

خاں صاحب کو ایک خط بھیجا ہے اور اُن کو لکھا ہے: "اگر چھاپا شروع نہ ہوا ہو، تو نہ چھاپا جائے۔ اور دیوان جلد میرے پاس بھیجا جائے۔ اگر دیوان آ گیا، تو فوراً تمھارے پاس بھیج دوں گا۔ اور اگر وہاں کاپی شروع ہوگئی ہے، تو میں ناچار ہوں، میرا کچھ قصور نہیں ہے۔ اور اگر (اس) سرگذشت کو بھی سن کر مجکو گنہ گار ٹھہراؤ، تو اچھا، میرا بھائی، میری تقصیر معاف کیجیو۔ رمضان اور عید کا قصہ لگا ہوا ہے، یقین ہے کہ کاپی شروع نہ ہوئی ہو اور دیوان میرا میرے پاس آئے اور تم کو پہنچ جائے"۔

۹ مئی ۱۸۶۰ع تک یہ دیوان میرٹھ سے واپس نہیں آیا تھا۔ یوسف مرزا کو میرزا صاحب نے لکھا ہے[1]:

"میرا اردو کا دیوان میرٹھ کو گیا۔ سکندر شاہ لے گئے۔ مصطفیٰ خاں کو دے آئے۔ ڈاک میں اُس کی رسید آگئی"۔

دوشنبہ ۱۱ جون کو سیاح کو لکھا ہے[2]:

"دیوان کا چھاپا کیسا؟ وہ شخصِ ناآشنا موسوم بہ عظیم الدین جس نے مجھ سے دیوان منگا بھیجا، آدمی نہیں ہے، بھوت ہے، پلید ہے، غول ہے۔ قصہ مختصر، سخت نامعقول ہے۔ مجکو اُس کے طور پر انطباعِ دیوان نامطبوع ہے۔ اب میں اُس سے دیوان مانگ رہا ہوں اور وہ نہیں دیتا۔ خدا کرے ہات آجائے۔ تم دعا مانگو"۔

اس اثنا میں دیوان کا مسودہ میرٹھ سے واپس آ گیا۔ ۲۵ جون کو اُس کا پارسل میرزا صاحب نے شیو نراین کو ارسال کر کے لکھا[3]:

صاحب، میں تمھارا گناہ گار ہوں۔ تمھاری کتاب میں نے دبا رکھی ہے۔ بڑی کوشش اور محنت سے اُس کو وہاں نہ چھپنے دیا اور منگوا لیا۔ آج پیر کے دن ۲۵ جون کو پارسل کی ڈاک میں روانا کیا ہے۔ لو، اب میری تقصیر معاف کرو اور مجھ سے راضی ہو جاؤ اور اپنی رضا مندی کی مجھے اطلاع دو۔

یہ کتاب، یعنی دیوانِ ریختہ، تم کو میں نے دے ڈالا۔ اب اس کے مالک تم ہو۔ میں نہیں کہتا کہ چھاپو۔ میں نہیں کہتا کہ نہ چھاپو۔ جو تمھاری خوشی ہو، سو کرو۔ اگر چھاپو،

۱ - اردوے معلی : ۳۳۲ -
۲ - ایضاً:۱۶ -
۳ - خطوط:۱/۴۰۴ -

تو بیس جلد کا خریدار مجکو لکھ لو۔ اور اچھا، میرا میاں، زرا تصحیح کا بہت خیال رکھیو»۔

اور عید کے دن ۳۰ جون ۱۸۶۰ع کو سیاح کو تحریر کیا[1]:

«میں بہت خوشی سے تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ اردو کا دیوان غاصبِ ناانصاف سے ہات آگیا اور میں نے نور چشم منشی شیونراین کو بھیج دیا۔ یقینِ کلی ھے کہ وہ چھاپیں گے۔ جہاں تم ہو گے، ایك نسخہ تم کو پہنچ جائے گا»۔

اور علائی کو اس خط کے دو دن بعد لکھا[2]:

«اُردو کا دیوان رام پور سے لایا ھوں اور وہ آگرے گیا ھے۔ وھاں منطبع ہوگا»۔

شیو نراین نے اس مسودے کی جامعیت میں شبہے کا اظہار کیا۔ اس کے جواب میں میرزا صاحب نے ۳ جولائی ۱۸۶۰ع کو لکھا[3]:

«میاں، تمھاری باتوی پر ھنسی آتی ھے۔ یہ دیوان جو میں نے تم کو بھیجا ھے، اتم و اکمل ھے۔ وہ اور کون سی دو چار غزلیں ھیں جو مرزا یوسف علی خاں عزیز کے پاس ھیں اور اس دیوان میں نہیں؟ اس طرف سے آپ اپنی خاطر جمع رکھیں کہ کوئی مصرع میرا اس دیوان سے باھر نہیں»۔

کسی وجہ سے شیونراین نے اس کی طباعت میں تاخیر کی۔ میرزا صاحب نے محمد حسین خان تحسین کو چھاپنے کی اجازت دے دی۔ غالباً یہ مسئلہ نیر کی سفارش پر طے ھوا، اور اُنھوں نے اپنا نسخہ جس کی تکمیل نسخۂ رام پور سے کی جا چکی تھی عطا کیا[4]۔ ورنہ میرزا صاحب کو اُن کے مطبع میں دیوان چھپوانے کی خواھش نہ تھی، جیسا کہ خود اُنھوں نے اس نسخے کے خاتمۂ طبع میں لکھا ھے۔

۲۰ محرم ۱۲۷۸ھ (آخرِ جولائی ۱۸۶۱ع) کو یہ نسخہ۱/٤ ۱۰ × ۱/۲ ٦، ۳/٤ ۸ × ۳/٤ ٤ انچ ناپ کے ۲۵ سطری مسطر پر ۸۸ صفحات میں طبع ھوا۔ اس کے سرورق پر بیل بوٹوں کے درمیان

---

۱ - اردوے معلی:۲٦ - ۲ - ایضاً:٤۳٦، خطوط : ۳۲۱/۱ - ۳ - اردوے معلی:۳۸٤، خطوط ۱: ٤۰۵/۱ -

٤ - اس قیاس کی چند وجہیں ھیں: پہلی یہ کہ نسخۂ رام پور کی ترتیب انواع شعر اس کے بر خلاف ھے۔ دوسری یہ کہ غزلوں کی ترتیب بھی بدلی ھوئی ھے۔ تیسری یہ کہ احمدی ایڈیشن میں لفظ کسی کی جگہ کسو لکھا گیا ھے، جس کی خاتمے میں میرزا صاحب نے شکایت بھی کی ھے۔ اس کے برخلاف نسخۂ رام پور میں ھر جگہ کسی استعمال ھوا ھے، بجز مقامات قافیہ کے۔ چوتھی یہ کہ احمدی ایڈیشن میں یہ شعر پایا جاتا ھے: «مقطع سلسلہ — حرم ھے ھم کو» جب کہ نسخۂ رام پور میں یہ شعر نہیں ھے۔

مندرجِ ذیل عبارت چھپی ہے[1]:

والشعراء یتبعھم الغاؤن

دیوانِ غالب

در مطبعِ احمدی باہتمامِ اموّ جان طبع شد

اس کے شروع میں فارسی دیباچہ، اُس کے بعد ص ۳ سے ص ۷۰ تک غزلیات، اور اسی صفحے کی سولھویں سطر سے صفحۂ ۷۷ تک قصائد ہیں۔ آموں کی تعریف والی مثنوی صفحۂ ۷۷ کی بارھویں سطر سے صفحۂ ۷۸ کے آخرِ صفحہ سے تیسری سطر تک ہے۔ اس کے بعد قطعات ہیں جو صفحۂ ۸۴ کی دوسری سطر پر ختم ہوگئے ہیں۔ اُن کے بعد صفحۂ ۸۶ کی پہلی سطر تک رباعیاں ہیں۔ رباعیوں کے بعد نواب ضیاءالدین احمد خاں بہادر کی فارسی تقریظ ہے۔ اس میں تاریخِ تقریظ ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۴ع) اور تعدادِ اشعار «یك ہزار و شش صد و نود و پنج و اند» درج کی گئی ہے۔ چونکہ اصل میں الفاظ «نود و اند» تھے جن پر کاتبِ نسخہ نے لفظِ «پنج» اپنی طرف سے بڑھا دیا تھا، اس بنا پر غلط نامے میں لفظِ «پنج» کو حذف کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ کتاب خانۂ رام پور کے نسخے میں کسی نے اُسے کاٹ بھی دیا ہے۔ تاہم یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ خود نسخے کے اندر اشعار کی تعداد ۱۶۹۵ کی جگہ ۱۷۹۶ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریظ جوں کی توں نسخۂ رام پور جدید (قد) سے نقل کر کے شامل کردی گئی ہے۔ غلط نامے کے آخر میں «المذنب محمد مقصود» چھپا ہے، جو بظاہر کاتب کا نام ہے۔

صفحۂ ۸۸ کے تقریباً وسط میں تقریظ کے بعد نیر اور عزیز کے قطعاتِ تاریخِ طباعت ہیں جن سے سنہ ۱۲۷۸ھ مستخرج ہوتا ہے۔ ان کے بعد «عبارتِ خاتمۂ دیوان» کے تحت میرزا صاحب کی یہ تحریر ہے، جس کی توثیق کے لیے اُنھوں نے اپنی خطابی مہر بھی لگائی ہے:

«داد کا طالب غالب گزارش کرتا ہے کہ یہ دیوانِ اُردو تیسری بار چھاپا گیا ہے۔ مخلص وداد آئین میر قمرالدین کی کارفرمائی اور خان صاحبِ الطاف نشان محمد حسین خان کی دانائی مقتضی اس کی ہوئی کہ دس جزو کا رسالہ ساڑھے پانچ جزو میں منطبع ہوا۔ اگرچہ یہ انطباع میری خواہش سے نہیں، لیکن ہر کاپی میری نظر سے گزرتی رہی ہے اور اغلاط کی تصحیح ہوتی

۱۔ رضا لائبریری کے نسخے میں کسی شخص نے پہلی اور آخری سطر پہ سیاہی لگادی ہے۔

رهی ہے۔ یقین ہے کہ کسی جگہ حرفِ غلط نہ رہا ہو۔ مگر ہاں ایک لفظ میری منطق کے خلاف، نہ ایک جگہ بلکہ سو جگہ چھاپا گیا ہے۔ کہاں تک بدلتا؟ ناچار جابجا یونہی چھوڑ دیا، یعنی 'کسو'، بکافِ مکسور و سینِ مضموم و واوِ معروف۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ لفظ صحیح نہیں۔ البتہ فصیح نہیں۔ قافیے کی رعایت سے اگر لکھا جائے، تو عیب نہیں، ورنہ فصیح بلکہ افصح «کسی» ہے، واو کی جگہ یاے تحتانی۔ میرے دیوان میں ایک جگہ قافیہ 'کسو' بہ واو ہے، اور سب جگہ «کسی» بہ یاے تحتانی ہے۔ اس کا اظہار ضرور تھا۔ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ کیا آشفتہ بیانی ہے؟ اللہ بس، ماسوئی ہوس» ۔

اس کے بعد لکھا ہے: «مطبعِ احمدی میں واقعِ دلہای اموجان کے اہتمام سے بیسویں محرم الحرام سنہ ۱۲۷۸ھ کو مطبوع ہوا۔ اور اس کے بعد سید قمرالدین کی طرف سے بے اجازت چھاپنے کی ممانعت درج ہے۔

اس ایڈیشن میں میرزا صاحب نے اپنے کلام میں کچھ ضروری ترمیم بھی کی تھی۔ اور چونکہ وہ ترمیم طباعت کے بعد ذہن میں آئی تھی، اس لیے اُسے غلط نامے میں ظاہر کرنا پڑا ہے۔ مثلاً میرزا صاحب کا مصرع اس طرح تھا: «دود کی طرح رہا سایہ گریزاں مجھ سے»، اس کو بنایا ہے: «صورتِ دود رہا سایہ گریزاں مجھ سے»۔ بالکل یہی الفاظ ایک رباعی میں بھی باندھے گئے تھے۔ فرماتے ہیں:

یعنی، ہر بار کاغذِ باد کی طرح　　ملتے ہیں یہ بدمعاش لڑنے کے لیے

لیکن یہ مقام میرزا صاحب کی نظر سے رہ گیا، اس لیے یہاں اصلاح نہ ہوسکی[1]۔

لفظِ «کسو» کے متعلق میرزا صاحب کا ارشاد بھی ترمیم ہی کے اندر داخل سمجھنا چاہیے۔ یعنی، پہلے میرزا صاحب نے «کسو» ہی لکھا تھا۔ مگر بعد میں جدید محاورے کے ماتحت «کسی» بنایا ہے۔ چنانچہ نسخۂ رام پور جدید میں بھی جہاں کہیں «کسو» تھا، وہاں مقابلے کے وقت خود میرزا صاحب نے اصلاح کردی ہے۔

اس ایڈیشن کا چھاپا تمام ہوجانے کے فوراً بعد میرزا صاحب نے مجروح کو لکھا تھا[2]:

۱۔ اس اصلاح کے سلسلے میں میرزا صاحب کے ایک خط کا اقتباس ملاحظہ ہو: «طرح بفتح اول و سکون ثانی بمعنی فریب ہے، اور تصویر کے خاکے کو بھی کہتے ہیں، اور بمعنی آسایش دنیا بھی مجاز ہے۔ مرادف طرز و روش بھی طرح ہے بفتحتین۔ اس کا تفرقہ منظور رہا کرے۔ (عود ہندی: ۳۰، بنام سرور)

۲۔ اردوے معلی: ۱۸۶۔

«کلیاتِ اُردو کا چھاپا تمام ہوا۔ اغلب کہ اسی ہفتے میں، غایت اسی مہینے میں، ایک نسخہ بسبیلِ ڈاک تم کو پہنچ جائے گا»۔

۸ اگست ۱۸۶۱ع (۳۰ محرم ۱۲۷۸ھ) کو پھر لکھا[1]:

«دیوانِ اُردو چھپ چکا۔ ہائے! لکھنؤ کے چھاپے خانے نے جس کا دیوان چھاپا، اُس کو آسمان پر چڑھا دیا۔ حسنِ خط سے الفاظ کو چمکا دیا۔ دلی پر اور اُس کے پانی پر اور اُس کے چھاپے پر لعنت! صاحبِ دیوان کو اس طرح یاد کرنا جیسے کوئی کتّے کو آواز دے۔ ہر کاپی دیکھتا رہا ہوں۔ کاپی نگار اور تھا۔ متوسط جو کاپی میرے پاس لایا کرتا تھا وہ اور تھا۔ اب جو دیوان چھپ چکے، حق التصنیف ایک مجکو ملا۔ غور کرتا ہوں، تو وہ الفاظِ غلط جوں کے توں ہیں۔ یعنی، کاپی نگار نے نہ بنائے۔ ناچار غلط نامہ لکھا، وہ چھپا۔ بہر حال خوش و ناخوش کئی جلدیں مول لوں گا۔ اگر خدا چاہے، تو اسی ہفتے میں تین مجلد اصحابِ ثلثہ کے پاس پہنچ جائیں۔ نہ میں خوش ہوا ہوں، نہ تم خوش ہوگے۔

اور یہ جو لکھتے ہو کہ یہاں خریدار ہیں، قیمت لکھ بھیجو۔ میں دلال نہیں، سوداگر نہیں، مہتممِ مطبع نہیں۔ مطبعِ احمدی کے مالک محمد حسین خاں، مہتمم مرزا اموجان، مطبع شاہدرے میں، محمد حسین خاں دلی شہر رائے مان کے کوچے میں مصوروں کی حویلی کے پاس، قیمتِ کتاب ۶ آنے، محصولِ ڈاک خریدار کے ذمے»۔

آخر اگست ۱۸۶۱ع (مطابقِ آخرِ صفر ۱۲۷۸ھ) میں ایک نسخہ میرزا صاحب نے نواب مختارالملک بہادر نائبِ والیِ حیدرآباد (سر سالار جنگِ اول) کی خدمت میں بھیجا تھا[2]۔

ذکا کو ایک فارسی خط میں سہ‌شنبہ ۱۱ ربیع‌الاول کو اس کی اطلاع دی ہے[2]۔

اموجان نے ۲۷ صفر ۱۲۷۹ھ (ستمبر ۱۸۶۲ع) میں نگارستانِ سخن کے نام سے ایک مجموعہ شایع کیا، جس میں ذوق، غالب اور مومن کا کلام یک جا چھاپا گیا تھا۔ اس مجموعے میں میرزا صاحب کا پورا دیوان شامل ہے۔ ص ۱۷۶ کے نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ مجموعہ لالہ جے نراین کی فرمایش پر مطبع العلوم سینٹ اسٹیفنز کالج دہلی میں قاسم علی کے اہتمام سے چھپنا شروع ہوا تھا۔ مگر وہاں صرف ۳ جزو چھپے۔ باقی اموجان نے مطبعِ احمدی میں طبع کرا کے اُسے شایع

۱ - اردوے معلی: ۱۵۴، خطوط: ۱/۲۷۳ -

۲ - کلیات نثر، پنج آہنگ : ۱۱۸ -

کیا۔ میری دانست میں یہ اُس نسخے کی نقل تھا جس سے اموجان نے دیوان چھاپا تھا۔ یا خود اموجان کے مطبوعہ ایڈیشن پر مبنی تھا۔

۴۔ چوتھا ایڈیشن۔ اس کی علامت مح ہے۔

غالباً میرزا صاحب نے محمد حسین خاں مالکِ مطبعِ احمدی دھلی کے روبرو اپنے مذکورۂ بالا خیال کا اظہار کیا، اور وہ اس پر آمادہ ہوئے کہ میرزا صاحب ایک مطبوعہ نسخے کی تصحیح کردیں، اور محمد حسین خاں اُسے کسی دوسرے مطبع میں طبع کرادیں۔ میرزا صاحب نے ایک نسخے کی تصحیح کر کے اُس کی پشت پر یہ رقعہ لکھ بھیجا[1]:

«جناب محمد حسین خاں کو میرا سلام پہنچے۔ دو رات دن کی محنت میں میں نے اس نسخے کو صحیح کیا ہے۔ غلط نامہ بھی اسی میں درج کر دیا ہے۔ گویا اب غلط نامہ بیکارِ محض ہو گیا ہے۔ خاتمے کی عبارت، کیا میرا بیان. کیا میر قمرالدین کا اظہار اب کچھ ضرور نہیں۔ کس واسطے کہ اب یہ کتاب اور مطبع میں چھاپی جائے گی۔ یہ مجلد گویا مسودہ ہے۔ اسی کو بھیج دیجیے۔ غالب ۱۲»۔

محمد حسین خاں نے اس مسودے کو کانپور کے مطبعِ نظامی کو بھیجا۔ یہ ابتدائے سال کا قصہ معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ اس دیوان کا دوسرا ایڈیشن کانپور کے مطبعِ نظامی میں طبع ہوا، تو اُس کے خاتمۃ الطبع میں یہ لکھا گیا تھا[2]:

«بخدمتِ اربابِ سخن عرض کرتا ہے امیدوارِ رحمت و غفران، محمد عبدالرحمن بن حاجی محمد روشن خان، طیب اللہ ثراہ، کہ اس سے پہلے دیوانِ بلاغت نشان جناب نواب اسد اللہ خاں غالب کا دھلی میں چھپا۔ لیکن بسبب سہو و نسیان کے بعض مقام میں تغیر و تبدل ہوا، اس لیے جناب مجمعِ لطفِ بیکراں، محمد حسین خاں صاحب دھلوی نے بعدِ نظرِ ثانی اور تصحیح جناب

۱۔ میں نے کتاب خانۂ آصفیہ حیدر آباد میں ایک نسخہ دیکھا تھا جس کے دائیں حاشیے میں میرزا صاحب کی منقولۂ بالا تحریر تو موجود ہے مگر تصحیح گویا نہیں۔ اور جو چند اصلاحیں ہیں بھی تو وہ میرزا صاحب کے قلم کی نہیں۔ حتیٰ کہ غلط نامے کی تمام اغلاط بھی جوں کی توں موجود ہیں جن کی تصحیح کا ذکر میرزا صاحب کی منقولۂ بالا تحریر میں کیا گیا ہے۔ کما بیش وہ تمام مقامات جن کی تصحیح نہیں ہوئی تھی میں نے اپنی یاد داشت میں نوٹ کر لیے تھے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب خانۂ آصفیہ کے نسخے میں وہ شعر بھی نہیں پائے جاتے جو نظامی ایڈیشن میں بڑھائے گئے ہیں۔ بگمان غالب میرزا صاحب نے اغلاط کی درستی جس نسخے پر کی تھی از راہ سہو رقعہ اس پر نہیں لکھا، بلکہ کسی اور بغیر تصحیح شدہ نسخے پر لکھ دیا۔ جب اس پر تنبہ ہوا تو وہ رقعہ تصحیح شدہ پر لکھ کر بھیجا۔

۲۔ نظامی (کانپور) ایڈیشن: ۱۰۴۔

مصنف کے ایک نسخہ میرے پاس بھیجا۔ میں نے بافضالِ ایزدی مطابق اُس نسخے کے شہرِ ذیحجہ سنہ ۱۲۷۸ھ (جون ۱۸۶۲ء) مطبعِ نظامی واقعِ شہرِ کانپور میں صحتِ تمام اور درستیِ کمال سے چھاپا۔ امید کہ جب ناظرین اس کے مطالعے سے حلاوت سخن کی پائیں، مہتمم کو دعاے خیر سے یاد فرمائیں۔ فقط»۔

اس نسخے کا سائز احمدی کے برابر، مگر کتابت کا مسطر ۲۱ سطری ہے۔ خط قدرے جلی اور نسبتاً عمدہ نستعلیق اور کاغذ دو قسم کا ہے، اور پوری کتاب ۱۰۴ صفحات میں تمام ہوئی ہے۔ اشعار کی تعداد ۱۸۰۲ ہے، جن میں ۱۴۶۰ غزلوں کے، ۱۶۲ قصائد کے، ۱۱۵ قطعات کے، ۳۲ رباعیوں کے اور ۳۳ مثنوی در صفتِ انبہ کے ہیں۔ ترتیبِ مضامین بالکل احمدی کی ہے۔ مگر ایک تو اس میں نیر کی تقریظ شامل نہیں کی گئی، اور دوسرے حسبِ ذیل دو غزلیں اضافہ کی گئیں، جو نسخۂ رامپور جدید اور احمدی ایڈیشن کسی میں نہیں پائی جاتیں:

(۱) کیوں کر اُس بت سے رکھوں جان عزیز (۳ شعر)

(۲) بہت سہی غمِ گیتی، شراب کم کیا ہے (۳ شعر)

چونکہ اس کی اصل خود میرزا صاحب کی تصحیح کردہ تھی، بنابریں مذکورۂ سابق رباعی میں بھی لفظ «طرح» کو بدلنے کی خاطر «صورتِ کاغذِ باد» بنا دیا گیا تھا، اور ہر جگہ «کسو» کی اصلاح کردی گئی تھی۔ البتہ ایک فاحش غلطی اس میں رہ گئی ہے، اور وہ یہ کہ میرزا صاحب کا ایک شعر:

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا، مری جو شامت آے
اُٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے

اس طرح مسخ کیا گیا۔ ع: گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری خوشامد سے

مندرجِ ذیل اغلاط نے بھی اشعار کے املا یا مطالب کو مسخ کیا ہے:

زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جاویں کے کیا (بجاے «بھرتے تلک»)

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک (بجاے «ہوتے تک»)

ہر بُنِ مُو سے دمِ ذکر نہ ٹپکے خونناب (ہر جگہ پورے دیوان میں بجاے «خوناب»)

ننگ سجدے سے میرے سنگِ آستان اپنا (بجاے «ننگِ سجدہ»)

بھر کے بھیجیں ہیں سر بمہر گلاس (بجائے «بھیجے»)
میرے ایہام پہ ہوتی ہے تصدّق توضیح (بجائے «ابہام»)
قاصر ہے شکایت میں تری میری عبارت (بجائے «ستائش»)
پہلوِ اندیشہ وقفِ بسترِ سنجاب تھا (بجائے «پہلوے اندیشہ»)
افسوس کہ دنداں کا کیا رزق فلک نے (بجائے «دندان»)
کیا وہ بھی بیگنہ کش و حق ناسپاس ہیں (بجائے «حق ناشناس»)
پھر بھر رہا ہے خامۂ مژگاں بخونِ دل (بجائے «بھر رہا ہوں»)

یہ اور ان کے علاوہ بھی متعدد اغلاط اس بات کا ثبوت ہیں کہ پروف اور کاپی کی تصحیح غور سے نہیں کی گئی ۔ ہاں، ایک بات اس میں یہ ضرور مفید نظر آتی ہے کہ غزلوں پر مسلسل شمار کے ہندسے ڈالے ہیں ۔ لیکن اس شمار میں «کیونکر اُس بت سے رکھوں جان عزیز» پر نمبر شمار چھوٹ گیا ہے ۔ اس ایڈیشن کے سرورق کی عبارت یہ ہے جسے پھول پتیوں سے مزین کیا گیا ہے:

ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ

دیوانِ غالب

در مطبعِ نظامی ۱۲۷۸ھ واقعِ کانپور مطبوع گردید

آخری صفحے پر خاتمۃ الطبع کے بعد طالب حسین طالب کا لکھا ہوا قطعۂ تاریخِ طباعت ہے۔ اس کے چوتھے مصرع کے الفاظ «مرغوب ہے یہ» سے سال ۱۲۷۸ھ برآمد ہوتا ہے ۔ اس کے بعد مطبعِ نظامی کے چھپے ہونے کی سند کے طور پر محمد عبدالرحمٰن کے دستخط اور مہر ثبت ہیں ۔

خدا جانے میرزا صاحب کو یہ ایڈیشن پسند آیا یا نہیں ۔ سید بدرالدین کو ستمبر ۱۸۶۳ع میں صرف یہ لکھا ہے[1]: «رہا دیوان، اگر ریختہ کا منتخب کہتے ہو، تو وہ اس عرصے میں دلی اور کانپور دو جگہ چھاپا گیا، اور تیسری جگہ آگرے میں چھپ رہا ہے۔»
اس سے پسندیدگی و ناپسندی کا مطلق اظہار نہیں ہوتا ۔

۱ ۔ خطوط: ۱/۱۱۰ ۔

- پانچواں ایڈیشن - اس کی علامت مد ہے -

چونکہ میرزا صاحب نے نسخۂ رامپور جدید کی نقل میرٹھ سے واپس منگا کر منشی شیونراین کو بھیج دی تھی، اور اُن کی تاخیر سے یہ سمجھ کر دلی اور کانپور میں دیوان چھپوا لیا تھا کہ وہ طباعت کا خیال ترک کرچکے ہیں، اس لیے جب آخرِ ۱۸۶۱ع یا آغازِ ۱۸۶۲ع میں میرزا صاحب کو یہ معلوم ہوا کہ آگرے میں بھی دیوان چھپ رہا ہے، تو وہ اس پر متاسف ہوے اور شیونراین کی خفگی کا ازالہ کرنے کے لیے میر نیاز علی صاحب کی معرفت معذرت کی - اُنھوں نے اچھی وکالت نہ کی، اور شیونراین نے دیوان واپس کرنے کے خیال کو میرزا صاحب پر ظاہر کیا - اس کے جواب میں ۱۰ جنوری ۱۸۶۲ع کو میرزا صاحب نے اُنھیں لکھا[1]:

«میاں، میں جانتا ہوں کہ مولوی میر نیاز علی صاحب نے وکالت اچھی نہیں کی - میرا مدعا یہ تھا کہ وہ تم پر اس امر کو ظاہر کریں کہ دلی میں ھندی دیوان کا چھپنا پہلے اُس سے شروع ہوا ہے کہ حکیم احسن اللہ خاں صاحب تمھارا بھیجا ہوا فرمہ مجکو دیں - اور وہ جو میں نے یہاں کے مطبع میں چھاپنے کی اجازت دی تھی، یہ سمجھ کر دی تھی کہ اب تمھارا ارادہ اُس کے چھاپنے کا نہیں - غور کرو، میرٹھ کے چھاپے خانے والے محمد عظیم نے کس عجز و الحاح سے دیوان لیا تھا اور میں نے نظر تمھاری ناخوشی پر بجبر اُس سے پھیر لیا - یہ کیوں کر ہوسکتا تھا کہ اور کو چھاپنے کی اجازت دوں؟ تم نے جو خط لکھنا موقوف کیا، میں سمجھا، کہ تم خفا ہو - میں نے مولوی نیاز علی صاحب سے کہا کہ برخوردار شیونراین سے میری تقصیر معاف کروا دینا -

بھائی، خدا کی قسم! میں تم کو اپنا فرزندِ دلبند سمجھتا ہوں - اُس دیوان اور تصویر کا ذکر کیا ضرور ہے؟ رام پور سے وہ دیوان صرف تمھارے واسطے لکھوا کر لایا - دلی میں تصویر بہزار جستجو بہم پہنچا کر مول لی» -

اس خط کے لفظِ «فرمہ» سے یہ مترشح ہے کہ آگرے میں طباعتِ دیوان کا کام ۱۸۶۱ع ھی میں شروع ہوگیا تھا - لیکن ستمبر ۱۸۶۳ع میں میرزا صاحب نے سید بدرالدین صاحب کو جو خط لکھا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مہینے میں کتاب زیرِ طباعت تھی - نیز یہ

۱ - اردوے معلی : ۳۸۵ خطوط : ۱/۴۰۵ -

دیوان جب آگرے سے چھپ کر شایع ہوا، تو اُس کے سرورق پر نقش و نگار کے درمیان مندرجۂ ذیل عبارت چھپی:

العلم قوة

دیوانِ غالب ۱۸۶۳ع

مطبعِ مفید خلایق آگرہ میں اہتمام سے منشی شیونارائن کے چھپا

کتاب کے نام پر اندراجِ سنہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ نسخہ آغازِ ۱۸۶۳ع میں چھپنا شروع ہوا، اور یہ کہ میرزا صاحب کے خط میں «فرمہ» سے کاپی مراد ہے، ورنہ جو فرمہ جنوری ۱۸۶۲ع سے قبل چھپ جائے، اُس پر ۱۸۶۳ع کسی طرح نہیں بنایا جاسکتا تھا۔

بہر حال یہ نسخہ ستمبر ۱۸۶۳ع کے بعد چھپ کر شایع ہوا۔ اس کے مضامین کی ترتیب نسخۂ رام پور جدید (قد) کے مطابق یہ رکھی گئی:

«دیباچۂ فارسی (سیاہ لوح کے نیچے)، قطعات (سیاہ لوح کے نیچے)، مثنوی، قصائد، غزلیات، رباعیات، تقریظِ نیر بزبانِ فارسی»۔

اس کا سائز مذکورۂ بالا نسخوں سے قدرے بڑا، اور مسطر ۱۵ سطری ہے۔ کاغذ دیسی مشین کا بنا ہوا، اور خط قدرے جلی نستعلیق ہے۔

نیر کی تقریظ میں ۱۲۷۱ھ اور تعدادِ اشعار «یك ہزار و ہفصد و نود و اند» ہے، مگر نسخے میں اشعار کی واقعی تعداد ۱۷۹۵ ہے، جو نسخۂ قد کے بالکل مطابق ہے۔ اس تعداد میں بمقابلۂ نسخۂ احمدی ایك عدد کی کمی اس وجہ سے ہوگئی ہے کہ نسخۂ قد میں یہ شعر نہیں ہے:

مقطعِ سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر   عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو

اور اسی لیے نسخۂ آگرہ سے بھی ساقط ہوگیا ہے۔

باقی لفظ «ہفصد» خود نیر کی ترمیم نہیں معلوم ہوتی، بلکہ غالباً منشی شیو نراین نے اشعار شمار کر کے یہ تغیر کیا ہے، ورنہ نسخۂ احمدی کی تقریظ میں بھی یہ تغیر موجود ہوتا۔

اس نسخے کی یہ خصوصیت قابلِ بیان ہے کہ پوری کتاب میں کچھ مقامات کے سوا یاے معروف و مجہول اور ہاے سادہ و مخلوط میں فرق کیا گیا ہے۔ شاید اس سے پہلے کسی مطبوعہ کتاب میں یہ

التزام نہیں ہوا۔

٦ - نسخۂ حمیدیہ: اول - اس کی علامت ح ہے -

یہ نسخہ دوسرے مطبوعہ نسخوں کے مقابلے میں اس وجہ سے اہم ہے کہ اس کے ذریعے سے غالب پسندوں کو اُن کے اُس اُردو کلام کا پہلی بار مطالعہ نصیب ہوا جس کے متعلق دیباچۂ دیوان میں کہا تھا کہ:

«امید کہ سخن سرایانِ سخنورستای پراگندہ ابیاتی را کہ خارج ازین اوراق یابند، از آثارِ تراوشِ رگِ کلکِ این نامہ سیاہ نشناسند، و چامہ گرد آور را در ستایش و نکوهشِ آن اشعار ممنون و ماخوذ نسگالند» ۔

اس نسخے کو مفتی انوار الحق ابنِ مفتی عبداللہ ٹونکی مرحوم نے مرتب کیا تھا، اور یہ ١٩٢١ع میں ریاستِ بھوپال کی طرف سے چھپ کر شایع ہوا تھا۔ اس کا سرورق حسبِ ذیل عبارت پر مشتمل ہے:

باسمہ تعالیٰ

دیوانِ غالب جدید

المعروف بہ

نسخۂ حمیدیّہ

بہ تدوینِ

احقرالعباد ضیاءالعلوم مفتی محمد انوار الحق. ایم۔ اے، منشی فاضل

ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم

بھوپال

مفیدِ عام اسٹیم ١٩٢١ پریس آگرہ میں محمد قادر علی خاں صوفی کے اہتمام سے چھپا

قیمت مجلد ٣ رُپے ٤ آنے (منتظر امروہوی کتابت نمود) قیمت غیر مجلد ٢ رُپے ٨ آنے

کتاب میں دو سرورق ہیں، پہلا موٹے کاغذ کا ہلکا اُودا اور دوسرا دبیز کاغذ کا سفید۔ کتاب کی قیمت ہندسوں کی جگہ رقوں میں لکھی گئی ہے۔

صفحۂ ۱ پر سرنامہ ہے، جس کے آخر میں «محمد حمیداللہ خاں بھوپال» درج ہے۔ صفحۂ ۲ سے ۲۴ تک مفتی صاحب کی تمہید ہے، جس میں نسخۂ بھوپال (ق) کی کیفیت اور اپنے اصولِ ترتیب وغیرہ درج کیے ہیں۔ اس کے بعد آرٹ پیپر پر ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کی تصویر ہے۔ صفحۂ ۲۵ سے صفحۂ ۳۱ تک «عبدالرحمن بجنوری مرحوم» کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب کا تعارف ہے. جو مفتی صاحب ہی نے لکھا ہے۔ اس میں سوانح بیحد کم ہیں، مگر اُن کی ادبی شخصیت پر خاصی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد آرٹ پیپر پر میرزا صاحب کی تصویر کا عکس ہے۔ یہ تصویر بظاہر نئی معلوم ہوتی ہے، لیکن میری دانست میں اُس تصویر کا مرمہ ہے جو کلیاتِ فارسی کے پہلے نولکشوری ایڈیشن مطبوعۂ ۱۸۶۳ع میں چھپی تھی، اور اُس کا عکس لے کر میں نے مکاتیبِ غالب کی اشاعتِ اول (۱۹۳۷ع) میں شامل کیا تھا۔ اس پر خفی قلم سے «مرزا غالب» بھی مرقوم ہے۔ صفحۂ ۳۳ سے بجنوری مرحوم کا دیباچہ شروع ہوکر صفحۂ ۱۳۹ پر ختم ہوا ہے۔ یہ دیباچہ انجمنِ ترقیِ اُردو نے جداگانہ کتابی شکل میں بھی «محاسنِ کلامِ غالب» کے نام سے متعدد بار چھاپا ہے۔ اس کے بعد آرٹ پیپر پر مخطوطے کے ایک صفحے کا فوٹو ہے[1]۔ پھر اصل دیوان نئے صفحۂ ۱ سے شروع ہوکر صفحۂ ۳۴۲ پر ختم ہوا ہے۔ دیوان میں جگہ جگہ، مختلف ردیفوں کے آخر میں چھوٹ جانے والی سادہ جگہ کو ایس۔ اے۔ ایچ۔ جری نام کے کسی آرٹسٹ سے پھول پودے بنوا کر پُر کیا گیا ہے۔

ایک اور نسخے کے پیشِ نظر میرا خیال ہے کہ اولاً دیباچۂ بجنوری کتاب میں نہ تھا۔ بعد میں اسے شریک کیا گیا، تو اس کی اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کی شمولیت کا اظہار بھی ضروری جانا، اور اس مقصد کے لیے دوبارہ ٹائٹل چھپواکر مرتبِ کتاب کے نام سے پہلے مندرجِ ذیل اضافہ کیا:

مع مقدمۂ دیوان

فخرِ قوم جناب ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب بجنوری مرحوم، بی۔ اے۔ ایل۔ بی

بیرسٹر ایٹ لا۔ ڈی۔ جے

چونکہ بجنوری کے دیباچے کے اوراق بڑھ جانے سے کتاب کی لاگت میں بھی اضافہ ہو گیا

۱۔ اس سے متعلق استدراک کے صفحات ۴٦٤ تا ۴٦٦ ملاحظہ ہوں۔

تھا. اس لیے اس بار مجلد کتاب کی قیمت ۵ رُپے اور غیر مجلد کی قیمت ٤ رُپے رقوں میں لکھی گئی۔

چند معمولی لفظی ترمیموں کے علاوہ، جن سے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا، نئے سرورق میں ایک بے احتیاطی یہ ہوئی کہ پریس لائن سے سالِ طباعت کے ہندسے حذف ہوگئے۔ چنانچہ اس کی وجہ سے کتاب کے زمانۂ اشاعت کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں۔

میرے سامنے ایک تیسرا نسخہ ایسا بھی ہے جس کا سرورق گہرے سرمئی رنگ کا ہے اور گورنمنٹ پریس بھوپال میں چھپا ہے۔ اس کے اندراجات میں بھی سابقہ نسخے کی طرح کچھ اختلاف ہے۔ مثلاً «بہ تدوین» کی جگہ «مرتبہ»، «احقرالعباد» کی جگہ «خاکسار» اور «ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم بھوپال» کی جگہ «ڈائرکٹرِ تعلیماتِ ریاست بھوپال» ہے۔ نیز کاتب نے اپنا نام یوں لکھا ہے: (کتبہ نصیرالدین)۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مذکورۂ بالا سرورق کم پڑجانے پر اُنھیں دوبارہ بھوپال ہی میں طبع کرا لیا گیا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس پر یہ صراحت کردی گئی ہے کہ «صرف ٹائٹل گورنمنٹ پریس بھوپال میں طبع ہوا»۔ سنۂ اشاعت سوءِ اتفاق سے یہاں بھی غائب ہے، اور قیمت اضافہ شدہ ہی درج کی گئی ہے۔ اس نسخے میں صرف رنگین سرورق ہے۔

مذکورہ نسخوں میں میرزا صاحب کی تصویر اور مخطوطے کے ایک صفحے کا عکس کسی متعین مقام پر چسپاں نہیں کیے گئے ہیں۔ نیز دو میں بجنوری کی تصویر ندارد ہے اور ایک میں مخطوطے کا عکس موجود نہیں۔

کتاب میں تین اقسام کا کاغذ استعمال ہوا ہے۔ اور یہ خصوصیت میرے پیشِ نظر تینوں نسخوں میں مشترک ہے۔

تمہید میں مفتی صاحب لکھتے ہیں[1]:

«چونکہ ارادہ یہ ہے کہ ناظرین کے سامنے غالب کے کلام کا ایک مکمل مجموعہ پیش کیا جائے، اور ساتھ ہی قلمی اور مروجہ دیوانوں کے شعر بھی پہلو بہ پہلو دکھائے جائیں، تاکہ یہ بات آئینہ ہو جائے کہ اصلِ دیوان میں سے کون کون سے شعر حذف کردیے گئے تھے، اور پھر بعد میں غالب نے اُن میں کیا رد و بدل کیا، اس لیے اس کتاب میں یہ صورت اختیار

١۔ تمہید، ١٠، ١١۔

کی گئی ہے کہ ہر ایک ردیف میں پہلے دونوں دیوانوں کی ہمطرح غزلوں کو لکھا ہے، اور
اِن میں اول قلمی نسخے کی غزل بجنسہ نقل کردی ہے، اور اس میں جو شعر مروجہ دیوان میں
موجود ہیں، اُن کے سامنے «م» لکھ دیا ہے، تاکہ ناظرین کو معلوم ہوجائے کہ ابتداءً یہ غزل
اِس طرح کہی گئی تھی، اور اس میں فلاں فلاں اشعار (جن کے سامنے «م» لکھا ہوا ہے)
مروجہ دیوان میں موجود اور دونوں دیوانوں میں مشترک ہیں۔ اس کے بعد اس طرح کے جو
شعر قلمی دیوان کی کتابت یعنی سنہ ۱۲۳۷ھ کے بعد کہے گئے ہیں اور اب مطبوعہ دیوان میں
موجود ہیں، اُن کو لکھ دیا ہے، تاکہ پوری غزل پیشِ نظر ہوجائے۔ مشترک شعر جو قلمی نسخے
کی غزل میں اُوپر درج ہوچکے ہیں، اور جن کو «م» کے اشارے سے ممتاز کردیا ہے، اُن کو
اب دوبارہ مروجہ دیوان کے بقیہ شعروں کے ساتھ لکھنا غیر ضروری تھا، ناظرین آسانی سے اسے
امتیاز کرسکتے ہیں۔ بعض جگہ ایسا بھی ہے کہ شعر تو دونوں دیوانوں میں موجود ہیں، لیکن
کسی مصرع میں کوئی خفیف سی لفظی ترمیم ہوئی ہے، وہاں اُن مصرعوں کو اوپر نیچے لکھ
کر سامنے ایک قوس بناکر دوسرا مصرع لکھ دیا ہے، اور یہ التزام رکھا ہے کہ ہر جگہ جو
مصرع اوپر لکھا ہے وہ قلمی نسخے کا ہے. اور جو اُس کے نیچے لکھا ہے وہ مروجہ دیوان
کا۔ اس میں مصلحت یہ سمجھی ہے کہ تدریجی اصلاح کی کیفیت واضح ہوجائے۔ ہم طرح غزلوں
کے بعد اُس ردیف کی قلمی نسخے کی وہ غزلیں لکھ دی گئی ہیں جو بالکل نئی ہیں، یعنی جن کا
کوئی شعر بھی مروجہ دیوان میں موجود نہیں۔ اور پھر اُن کے بعد مروجہ دیوان کی وہ غزلیں
درج کی ہیں جو سنہ ۱۲۳۷ھ کے بعد بڑھائی گئی ہیں اور جن کا کوئی شعر قلمی نسخے میں نہیں
ہے۔ یوں ہر ایک ردیف کے کل شعر ایک جگہ جمع کردیے گئے ہیں جن میں ساتھ ہی ساتھ یہ
بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ ابتدا میں غالب کے دیوان کی کیا شان تھی، اور بعد میں کیا ہوگئی۔
اگر بوقتِ مطالعہ اس گذارش کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا، تو یقین ہے کہ کتاب زیادہ مفید اور
دلچسپ معلوم ہو۔ اس کی کتابت میں حتی المقدور صحتِ املائی کا بہت لحاظ رکھا گیا ہے، اور
جابجا علاماتِ اضافت و وقف بھی بنانے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ پڑھنے اور مطلب سمجھنے
میں آسانی ہو جائے: خدا کرے یہ مساعی مشکور ہوں»۔

مفتی صاحب نے یہ کام اُس زمانے میں انجام دیا تھا جب وہ محکمۂ تعلیمات کے افسر بھی تھے، اس لیے تصحیح کا حق ادا نہ کرسکے اور اس میں ہر طرح کی غلطیاں راہ پا گئیں۔ میں نے اُن کا ذکر حواشی میں کر دیا ہے۔ یہاں مثالاً دو چار بیان کیے دیتا ہوں:

۱۔ نسخۂ بھوپال کے بہت سے اشعار چھوڑ دیے ہیں، مثلاً

عالم، طلسمِ شہرِ خموشاں ہے سر بسر

یا میں غریبِ کشورِ گفت و شنود تھا

۲۔ متداول دیوان میں شعر موجود ہے، مگر اس کا اظہار نہیں کیا، مثلاً

تھی نو آموزِ فنا ہمتِ دشوار پسند

سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

۳۔ نسخۂ بھوپال کے حاشیے میں شعر موجود ہے، مگر اس کا اظہار نہیں کیا، مثلاً

جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے

سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

۴۔ نسخۂ بھوپال کا لفظ چھوڑ کر صرف متداول لفظ نقل کیا، مثلاً

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب

مگر ستمزدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا

چونکہ نسخۂ بھوپال میں «جنوں زدہ» ہے، اس لیے متن میں اسے بھی لکھنا چاہیے تھا۔

۵۔ نسخۂ بھوپال میں شعر نہیں ہے اور پھر بھی اُسے نسخۂ بھوپال کا ظاہر کیا ہے، مثلاً

نہ بندھے تشنگیِ شوق کے مضموں، غالب

گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

۶۔ محلِ اصلاح غلط بتایا ہے، مثلاً

شب نظارہ پرور تھا خواب میں خرام اُس کا

صبح، موجۂ گل کو نقشِ بوریا پایا

اس شعر کے لفظ «نقش» پر مصحح کا حاشیہ ہے: «متن میں 'وقف' لکھا ہوا ہے۔ مگر اسے کاٹ کر حاشیے پر 'نقش' بنایا ہے»۔ حالانکہ یہ ترمیم بین السطور میں ہے۔

۷۔ نسخۂ بھوپال کی صحیح قراءت کو غلط چھاپ دیا ہے، مثلاً

جنوں گرم انتظار و نالہ بیتابی کمند آیا
سویدا تا بلب زنجیر سے دودِ سپند آیا

اصل میں «زنجیری» ہے۔

۸۔ متداول قراءت کچھ ہے اور چھاپ کچھ دی گئی ہے، مثلاً

جراحت تحفہ، الماس ارمغاں، خونِ جگر ہدیہ
مبارکباد، اسد، غمخوارِ جانِ دردمند آیا

اس کے پہلے مصرع میں «داغِ جگر» ہونا چاہیے تھا۔

۹۔ کاپی نویس کی غلطیوں کی اصلاح نہیں ہوسکی ہے، مثلاً

تو یک جہاں قماشِ ہوس جمع کر کہ میں
حیرت متاعِ عالمِ نقصان و سود تھا

اس کے دوسرے مصرع میں «مطاع» چھپ گیا ہے۔

غرض کتاب میں اتنی غلطیاں ہیں کہ اسے اشاعتِ ثانی کے واسطے بے حد احتیاط سے مرتب کیا جانا چاہیے۔

۷۔ لطیف ایڈیشن۔ اس کی علامت لط ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللطیف حیدرآبادی نے دیوانِ غالب کے تاریخی مطالعے کی طرف توجہ کی، تو اپنے مقرر کیے ہوئے اصول کے مطابق ایک نسخۂ دیوان بھی مرتب کیا تھا۔ یہ نسخہ ۱۹۲۸ع کے قریب مرتب ہوکر اس کے کچھ ہی بعد حیدرآباد میں چھپنا شروع ہوا، مگر کسی وجہ سے ناتمام رہ گیا[1]۔ اس کا ایک حصہ ۲ جنوری ۱۹۳۵ع کو سید تمکین کاظمی مرحوم کے قبضے میں آیا، اور اُنھوں نے از راہِ کرم حیدرآباد سے میرے پاس بھیج دیا۔ یہی نسخہ دورانِ کار میں میرے سامنے رہا ہے۔

۱۔ غالب (عبداللطیف): ۳۱ حاشیہ

یہ دیوان ۱۸×۲۲/۸ پر چھپا ہے، اور جو حصہ میرے پاس محفوظ ہے، وہ صفحۂ ۷۱ سے صفحۂ ۱۲۶ تک ہے۔ اس کے سرورق پر لکھا ہے:

کتابِ دوم

حصۂ اول

سنہ ۱۲۲۵ھ تا سنہ ۱۲۳۷ھ

جس میں

اس دور کی وہ تمام غزلیں اور اشعار شامل ہیں

جن کو غالب نے موجودہ دیوان کے لیے منتخب کیا

فٹ نوٹ میں وہ اشعار دیے گئے ہیں جو انتخاب کے

وقت خارج کردیے گئے تھے

صفحۂ ۷۲ سے ردیفِ الف کے عنوان کے تحت دیوان کی مشہور غزل: «نقش فریادی ہے» شروع ہوتی ہے۔ اس کا نمبر ۱۴۷ ہے، جس کا یہ مطلب ہے کہ کتابِ اول میں جو ۷۰ صفحات پر مشتمل تھی، ۱۴٦ غزلیں مندرج تھیں۔ بظاہر یہ غزلیں وہ ہوں گی جو متداول دیوان سے یکسر خارج کردی گئی تھیں اور نسخۂ عرشی میں «گنجینۂ معنی» کے اندر داخل ہیں۔ آخری صفحے پر ردیفِ ھا کی غزل: «خزاں نپوچھ» ہے اور اس کا نمبر ۲۱٦ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ حصے میں ۷۰ غزلیں شامل ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ غزل نمبر ۵٦ کے مطلعِ ثانی سے دوسری غزل شمار کرلی ہے، جس کے باعث شمار میں ایک کا اضافہ ہوگیا ہے اور یہ غلطی آخری صفحے تک جاری رہی ہے۔ ورنہ اس حصے کے موجودہ اوراق میں صرف ٦۹ غزلیں ہیں۔

اس نسخے کی تصحیح میں بقدرِ بایست سعی نہیں کی گئی۔ پھر بھی نسخۂ بھوپال کی عدم موجودگی میں اس نے بہت کام دیا۔ اگر یہ نسخہ تمام و کمال چھپ گیا ہوتا، تو نسخۂ بھوپال کی کمی بڑی حد تک پوری ہوجاتی، اور نسخۂ حمیدیہ کی صحت میں بھی بہت کچھ مدد ملتی۔

۸۔ نسخۂ حمیدیہ: دوم۔ اس کی علامت حم ہے۔

نسخۂ بھوپال کے کلام کو پروفیسر حمید احمد خاں صاحب سے مرتب کرا کے مجلسِ ترقیِ ادب

لاهور نے جولائی ۱۹۶۹ع میں شایع کیا ھے۔ مرتب نے اس دیدہ زیب ایڈیشن کا ایک نسخہ اسی سال ستمبر میں مجھے عنایت کیا جو میرے سامنے ھے۔ یہ ۱۸×۲۲/۸ سائز پر ٹائپ میں چھپا ھے۔ ٹائٹل کے بعد ۲۹ صفحات میں فہرست اور دیباچہ ھے۔ پھر ایک ورق پر دیوان کا عنوان وغیرہ ھے۔ اس کے بعد جدید نمبر شمار کے ساتھ صفحۂ ۱ سے صفحۂ ۲۹۰ تک نسخۂ بھوپال کا کلام درج کیا گیا ھے۔ جس کے آخر میں ۱۵ صفحوں کا غلط نامہ شامل ھے۔

دیباچے میں مرتب نے لکھا ھے:

«مفتی انوارالحق کا نسخہ شایع ہوا، تو یہ حقیقت مخفی نہ رہی کہ مطبوعہ نسخہ، قلمی نسخے کی صحیح نقل نہیں ھے۔ اس بارے میں شاید سب سے بڑی قباحت یہ ہوئی کہ مفتی صاحب کے نسخے میں کئی جگہ حاشیے کے اندراجات اور متن کے درمیان ضروری امتیاز قائم نہ رہ سکا۔ چنانچہ صحیح صورتِ حال کی دریافت کے لیے قلمی نسخے کا معائنہ ضروری ہو گیا۔ اواخرِ اگست ۱۹۳۸ع میں حیدرآباد دکن کے ایک سفر سے واپس لاہور آتے ہوے میں بھوپال ٹھہر گیا، اور سرکاری کتب خانے میں بیٹھ کر مطبوعہ نسخے اور قلمی نسخے کے اندراجات کا مقابلہ کرتا رہا۔ اس موقع پر مجھے اندازہ ہوا کہ حواشی اور متن کا فرق ملحوظ نہ رہنے سے قطعِ نظر، مطبوعہ نسخے میں ایک بڑا فتور یہ پیدا ہو گیا ھے کہ قلمی نسخے میں غزلیات کی ترتیب مطبوعہ نسخے تک پہنچتے پہنچتے کچھ کی کچھ ہوگئی ھے۔ مثلاً مخطوطے کی پچیسویں غزل: بسکہ جوشِ گریہ سے زیر و زبر ویرانہ تھا، مطبوعہ نسخے کے صفحۂ ۳۳ پر شروع ہوتی ھے اور اس سے اگلی، یعنی چھبیسویں غزل: نہ ہو حُسنِ تماشا دوست رسوا بے وفائی کا، مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۱۲ پر۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر میرے لیے لازم ہوا کہ میں اپنی پوری توجہ دو باتوں پر مرکوز رکھوں؛ اول یہ کہ قلمی نسخے کے مندرجات کی صحیح ترتیب معین کروں، اور دوم یہ کہ حاشیے اور متن کے اندراج کے معاملے میں قلمی اور مطبوعہ نسخوں کے درمیان جہاں جہاں اختلاف ھے، اُس کے متعلق مفصل یاد داشتیں لے لوں۔ افسوس ھے کہ وقت کی کوتاہی کے باعث میرے لیے ممکن نہ ہوا کہ مخطوطے کے ہر شعر اور مصرع کو لفظ بلفظ دیکھ لیتا۔ تاہم یہ واقعہ ھے کہ ترتیبِ منظومات کی تصحیح اور حواشی کی تشخیص کرتے ہوے مطبوعہ نسخے کے کاتب کی لفظی فروگزاشتوں پر جا بجا نظر

پڑی۔ ان کا ذکر قارئین کو حسبِ موقع دیوان کے متعلقہ صفحات پر حاشیے کے اشارات میں ملے گا۔

۱۹۲۱ع کا نسخۂ حمیدیہ، بھوپال کے قلمی دیوان کی پہلی مطبوعہ نقل ہے۔ افسوس ہے کہ قلمی دیوان سے انحراف کی جتنی مختلف قسمیں تصور میں آسکتی ہیں وہ مفتی صاحب کے مطبوعہ نسخے میں موجود ہیں، بجز اس صورت کے کہ قلمی دیوان کا شاید کوئی شعر مطبوعہ نسخے سے حذف نہیں ہوا۔ تاہم قلمی دیوان کے نہ ہوتے ہوے مفتی صاحب کے نسخے پر تکیہ ناگزیر ہے۔
اس نسخے کی تیاری کے کام میں مجھے اپنی ۱۹۳۸ع کی یاد داشتوں کے ناکافی ہونے کا بار بار احساس ہوا۔ بعض موقعوں پر مجھے مولانا عرشی کے مرتبہ دیوان (علی گڑھ ۱۹۵۸ع) اور پروفیسر محمود شیرانی کے دریافت کردہ قلمی دیوان سے گراں قدر مدد ملی۔۔۔۔»۔

اس میں شک نہیں کہ فاضل مرتب نے نسخۂ بھوپال کے کلام کی اندرونی ترتیب کو بڑی حد تک صحیح شکل میں پیش کر دیا ہے، جس سے قصائد، غزلیات اور رباعیات کی اصل ترتیب بھی سامنے آتی ہے اور متن و حواشی کی تفریق بھی پہلے کے مقابلے میں بہتر طریقے پر واضح ہوجاتی ہے۔ پھر بھی متعدد مقامات ایسے رہ گئے جن کی تصحیح مرتب کے پیشِ نظر دو ماخذوں: نسخۂ شیرانی اور نسخۂ عرشی کی مدد سے کی جاسکتی تھی۔ چنانچہ اس نسخے میں ایسی جگہوں پر بھی مفتی انوارالحق مرحوم کے نسخے کا اتباع کیا گیا ہے جہاں بالیقین محولہ نسخے کے مرتب یا کاتب سے سہو ہوا ہے۔ مثلاً

شرحِ ہنگامۂ ہستی ہے، زہے! موسمِ گل

ہے تصور میں زِ بس جلوہ نما موجِ شراب

دراں حالے کہ اس شعر کا دوسرا مصرع یہ ہے: رہبرِ قطرہ بدریا ہے، خوشا! موجِ شراب۔ اس صورت کے بغیر شعر مہمل ہو جاتا ہے۔

ایسے کئی شعر ترک ہوگئے ہیں جو نسخۂ بھوپال میں موجود تھے۔ مثلاً

محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ بازِ خیال

ہیں ورق گردانیِ نیرنگِ یک بت خانہ ہم

ضعف نے باندھا ہے پیانِ گراں خوابی، اسد ہیں وبالِ تکیہ گاہِ ہمتِ مردانہ ہم

لیکن ایک ایسا شعر داخل کر لیا ہے جو نسخۂ بھوپال میں نہیں تھا اور وہ یہ ہے:

نہ دے نامے کو اتنا طول، غالب، مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستم ہائے جدائی کا

علاوہ ازیں قدیم اندازِ کتابت کے باعث نسخۂ بھوپال کے اندراجات کی صحیح قراءت بھی کہیں کہیں ممکن نہ ہوئی۔ مثال کے طور پر «حررہ» کو «محررہ» «مقابلہ کردہ شد» کو «معاملہ کردہ شد» اور «عبدالعلی» کو «آغا علی» پڑھ لیا گیا ہے۔

بہرحال پروفیسر حمید احمد خاں صاحب نے اپنی یادداشتوں کی بنیاد پر جتنی معلومات فراہم کردی ہیں، اتنی بھی نسخۂ بھوپال کی عدمِ موجودگی میں نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں اور اس لحاظ سے موصوف کی یہ کاوش قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ اس نسخے کی قابلِ ذکر معلومات کو عرشی زادہ نے استدراک میں داخل کر لیا ہے۔

۹۔ نسخۂ عرشی زادہ: ڈیلکس ایڈیشن۔ اس کی علامت عش ہے۔

نسخۂ عرشی زادہ کا عکس ستمبر ۱۹۶۹ع میں اکبر علی خاں عرشی زادہ نے تحقیقی مقدمے اور حواشی کے ساتھ ادارۂ یادگارِ غالب رام پور کی جانب سے پیش کیا، تو اس کے ظاہر و باطن کو اہلِ علم نے سراہا۔ چونکہ اصل مخطوطے سے متعلق استدراک عرشی زادہ ہی کا مرتب کیا ہوا ہے، اس لیے بظاہر یہاں مطبوعہ ایڈیشن کا ذکر کرنے کی چنداں حاجت نہ تھی۔ لیکن میں نے مقدمے میں کئی جگہ مقدمۂ عرشی زادہ کا حوالہ دیا ہے، بنابریں مستعملہ نسخے کی حیثیت سے اس کا شمار کر لینا بھی مناسب جانا۔ اس نسخے کے حواشی کو عرشی زادہ نے استدراک میں نقل کر دیا ہے۔ البتہ مقدمے کی تفصیلی مباحث کے لیے قارئین کا اس ایڈیشن کی طرف رجوع مفید ہوگا۔

ماخذوں کی تاریخی ترتیب

گزشتہ صفحوں میں اُن نسخوں کی تفصیلی کیفیت بیان کی جاچکی ہے، جو موجودہ نسخے کی ترتیب کے دوران میں زیرِ مطالعہ رہے تھے۔ ذیل میں اُن کا تاریخ وار اجمالی ذکر کرتا ہوں

تاکہ مطالعہ کرنے والے حضرات بیک نظر اُن کی علامتوں اور عہد سے واقف ہوجائیں:

نمبر شمار	نام نسخہ	علامت	تقریبی تاریخِ ترتیب یا طباعت
۱	نسخۂ عرشی زادہ	عز	۱۲۳۱ھ = ۱۸۱۶ع
۲	نسخۂ بھوپال	ق	۱۲۳۷ھ = ۱۸۲۱ع
۳	نسخۂ شیرانی	قا	۱۲۴۲ھ = ۱۸۲۶ع
٤	گلِ رعنا	گل	۱۲٤٤ھ = ۱۸۲۸ع
۵	نسخۂ رام پور قدیم	قب	۱۲٤۸ھ = ۱۸۳۳ع
٦	انتخابِ غالب	خب	۱۲۵۲ھ = ۱۸۳٦ع
۷	نسخۂ بدایوں	قبا	۱۲۵٤ھ = ۱۸۳۸ع
۸	پہلا مطبوعہ ایڈیشن	م	۱۲۵۷ھ = ۱۸٤۱ع
۹	نسخۂ دیسنہ	قبج	۱۲٦۱ھ = ۱۸٤۵ع
۱۰	نسخۂ کریم الدین (نسخۂ کراچی)	قبد	۱۲٦۱ھ = ۱۸٤۵ع
۱۱	دوسرا مطبوعہ ایڈیشن	ما	۱۲٦۳ھ = ۱۸٤۷ع
۱۲	نسخۂ لاہور	قج	۱۲٦۸ھ = ۱۸۵۲ع
۱۳	نسخۂ رام پور جدید	قد	۱۲۷۱ھ = ۱۸۵۵ع
۱٤	تیسرا مطبوعہ ایڈیشن	مب	۱۲۷۸ھ = ۱۸٦۱ع
۱۵	چوتھا مطبوعہ ایڈیشن	مج	۱۲۷۸ھ = ۱۸٦۲ع
۱٦	پانچواں مطبوعہ ایڈیشن	مد	۱۲۸۰ھ = ۱۸٦۳ع
۱۷	انتخابِ غالب	خ	۱۲۸۳ھ = ۱۸٦٦ع
۱۸	نسخۂ حمیدیہ: اوّل	ح	۱۳۳۹ھ = ۱۹۲۱ع
۱۹	لطیف ایڈیشن	لط	۱۳۵۷ھ = ۱۹۳۸ع
۲۰	نسخۂ حمیدیہ: دوم	حم	۱۳۸۹ھ = ۱۹٦۹ع
۲۱	نسخۂ عرشی زادہ: ڈیلکس ایڈیشن	عش	۱۳۸۹ھ = ۱۹٦۹ع

دیگر علامات مآخذ

مذکورۂ بالا ماخذوں کے علاوہ بھی متعدد کتب و رسائل سے نسخۂ عرشی میں استمداد کی گئی ہے ان میں سے جن ماخذوں کے لیے حواشی میں علامات استعمال میں آئی ہیں وہ یہ ہیں:

کلیاتِ فارسی نسخۂ بانکی پور پٹنہ مکتوبۂ ربیع الآخر ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ع (کف ب)۔ کلیاتِ نثرِ فارسی نسخۂ لوہارو (کفل)، گلشنِ بے خار طبعِ ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ع (گب)، گلدستۂ نازنیناں طبعِ ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ع (گن، گلدستہ)۔

چند اور کتابوں کے نام کا جزوِ اول بھی اختصار کی خاطر حوالوں میں ملے گا۔ مثلاً: تذکرۂ عمدۂ منتخبہ کے لیے (عمدہ) آثارالصنادید طبع ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ع کے لیے (آثار) پنج آہنگ طبعِ ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۸ع کے لیے (پنج) اور خطوطِ غالب مرتبۂ مہیش پرشاد کے لیے (خطوط) لکھا گیا ہے۔ لیکن ان کی تفصیل بتانا ضروری نہیں معلوم ہوتا اس لیے کہ کثرتِ استعمال کی وجہ سے قارئین کے لیے انھیں سمجھنا دشوار نہیں ہوگا۔ بعض حوالوں میں کتاب کے علاوہ کسی اور نسبت سے کام لیا گیا ہے۔ مثلاً: نظامی بدایونی کے مرتبہ دیوان کے لیے (بدایوں) اور مولانا غلام رسول مہر کی کتاب «غالب» کے لیے (مہر) بطورِ علامت لکھا ہے۔

حواشی

حواشی کے دو حصّے ہیں۔ پہلے حصّے میں اختلافِ نسخ کو جگہ دی ہے اور اُس کا خط خفی رکھا ہے۔ دوسرے حصّے میں جس کا خط جلی ہے، اشعار کی وہ تمام تشریحیں جمع کی گئی ہیں، جو میرزا صاحب نے احباب کے استفسار پر تحریر کی تھیں۔ نیز اُن کے خطوں کے وہ حصّے بھی اسی زمرے میں شامل کرلیے گئے ہیں، جن میں اُنھوں نے اپنا کوئی شعر استشہاداً لکھا تھا۔

کچھ مضامینِ شعری میرزا صاحب کو اس درجہ پسند تھے کہ اُنھیں بار بار مختلف پیرایوں میں باندھا ہے۔ میں نے اُن کے ایسے تمام متحدالمضمون فارسی و اُردو اشعار بھی حواشی میں درج کردیے ہیں، کیونکہ ان شعروں کے تقابلی مطالعے سے میرزا صاحب کا مدعا سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے اوز اشعار کا فنی مرتبہ متعین کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

بہت سے اشعار کے دائیں یا بائیں گ یا خ یا گخ لکھا ہوا ملے گا یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ اشعار گلِ رعنا یا انتخابِ غالب (۱۸۶۶ع) یا ان دونوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس طرح نسخۂ عرشی کا مطالعہ کرنے والوں کو گلِ رعنا اور انتخاب کے جداگانہ نسخوں کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ اور انھیں میرزا صاحب کے مختلف ادوار کے معیارِ انتخاب کا بآسانی اندازہ ہو سکے گا۔

فہرست اشعار

آخر میں ایک فہرستِ اشعار ہے جس میں دیوان کی تمام مستقل چھوٹی بڑی نظموں کا پتا اُن کے پہلے شعر کے ذریعے سے دیا گیا ہے۔ اس کی ترتیب حروفِ تہجی پر رکھی گئی ہے، مگر بنائے ترتیب ردیف کا آخری حرف ہے اور اشتراک دور کرنے کی خاطر اُلٹی چال چلی گئی ہے۔ ردیفیں مفرد اور مرکب دونوں طرح کی ہوتی ہیں۔ میں نے مفرد پہلے اور مرکب پیچھے رکھی ہیں، اور مشترک ردیفوں کی صورت میں تقسیم و تمیز کی بنا قافیوں پر ہے اور اُن کے اشتراک کی حالت میں بھی اُلٹی چال چلا ہوں۔

ترتیبِ ردیف و قوافی کے وقت جھ چھ وغیرہ مخلوط التلفظ حرفوں کو مرکب تسلیم کرکے اُنھیں ردیفِ ہائے ہوز میں داخل کیا ہے۔ لہٰذا «سمجھ» اور «نپوچھ» جیسی ردیفوں کو ردیفِ ہا میں تلاش فرمایا جائے۔

اشاریے

فہرستِ اشعار کے بعد تین اشاریے ہیں۔ ان میں سے پہلا اشخاص، اقوام اور فرقوں کا ہے، دوسرا مقامات کو ظاہر کرتا ہے اور تیسرے میں کتب و رسائل مذکور ہوئے ہیں۔ ان تینوں میں بنائے ترتیب ہر لفظ کا پہلا حرف ہے۔ اشاریۂ اشخاص کے ذیل میں خرشید و ماہ وغیرہ جیسے ناموں کو داخل نہیں کیا گیا ہے، کیونکہ یہ اعلام نہیں ہیں، ورنہ ہر زبان میں یکساں ہوتے۔ البتہ ایسے اسمائے صفت کو اس زمرے میں جگہ دے دی ہے جو کثرتِ استعمال کے سبب سے کسی شخص یا جماعت کے نام کی حیثیت اختیار کرچکے ہیں، جیسے آلِ عبا، آلِ نبی وغیرہ۔

میرزا صاحب نے بعض شعروں میں شاہِ ظفر کا نام نہیں لیا ہے، بلکہ اُنھیں حضور یا

حضورِ والا یا بادشہ جیسے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ میں نے ایسے لفظوں کو اشارے میں شامل کر لینا اس لیے مناسب جانا ہے کہ اس ذریعے سے ممدوح کی تشخیص و تعیین میں مدد مل جاتی ہے، اور اشارے کا دیکھنے والا بیک نظر یہ پتا چلا سکتا ہے کہ دیوان میں ظفر کا ذکر کہاں کہاں ہے۔

اشخاص یا مقامات کی نسبتوں کا ذکر بھی اسی مصلحت سے کر دیا گیا ہے، مگر اُنھیں مستقل جگہ کے عوض منسوب الیہ کی ذیلی جگہ دی گئی ہے۔

املا اور رسم الخط

اس نسخے کی کتابت میں موجودہ اصول اور میرزا صاحب کی پسندیدگی دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے، چنانچہ آپ یاے معروف و مجہول اور ہاے مخلوط بھی پائیں گے اور فارسی لفظوں میں «ذ» کی جگہ «ز» اور «خورشید» کے بجاے «خرشید» بھی دیکھیں گے۔ بعض لفظوں کو اُنھوں نے دو طرح لکھا تھا، مثلاً «جائے ہے» اور «جاے ہے»۔ اِن جیسی صورتوں میں وہ شکل اختیار کی گئی ہے جو موجودہ بول چال کے بھی مطابق ہے. اور اُن کی آخری تحریر کے بھی موافق تھی۔

میرزا صاحب کے زمانے میں، بلکہ اُن کے بہت بعد تک، «اُس» اور «اُدھر» وغیرہ الفاظ کو بقاعدۂ اعراب بالحروف «اوس» اور «اودھر» لکھا جاتا تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے بھی اس کا التزام رکھا تھا۔ میں نے واو گرا کر اُس کی جگہ پیش کا التزام کیا ہے۔ لہذا جس الف کو آپ مضموم نہ پائیں، اُسے یہ سمجھیں کہ میرزا صاحب نے اسے بے واو کے ہی لکھا تھا۔ اگر ایسا نہ کیا اور اپنی طرف سے مضموم قرار دے لیا، تو یہ اُن کی منشا و مراد کے خلاف ہو جائے گا اور آپ شاعر کے کلام کی وہ تاویل کر بیٹھیں گے جو اُسے منظور نہ تھی، جیسا کہ اس شعر میں واقع لفظ «ادھر» کو «اُدھر» پڑھ کر اس کا ایک مطلب بیان کیا جاتا ہے:

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے عرش سے ادھر ہوتا کاشکے مکاں اپنا

چوں کہ میرزا صاحب کی زندگی کے تمام قلمی و مطبوعہ نسخوں میں اس شعر کے اندر «ادھر» بے واو ہے، کسی ایک جگہ بھی «اودھر» بواو نہیں، اس لیے اس لفظ کو «اُدھر» پڑھنے والے کا مطلب قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح یہ کوشش بھی رہی ہے کہ مرکباتِ اضافی و توصیفی میں ہمزہ یا زیر ضرور استعمال کیا جائے۔ الا یہ کہ «ی» بطورِ علامت موجود ہو، کیونکہ اس صورت میں «ی» پر ہمزہ لکھنا بھی غلط ہے اور زیر لگانا بھی، ورنہ تکرارِ علامت کی غلطی سرزد ہوجائے گی۔ علامتِ اضافت نہ لگانے سے جس قسم کی غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے اُس کی مثال یہ شعر ہے:

دماغِ عطر پیراہن نہیں ہے　　　　غمِ آوارگیہائے صبا کیا

اس کے پہلے مصرع کے الفاظ «عطر پیراہن» کو بکسرۂ را اور بدونِ کسرہ دو طرح سے پڑھا جاسکتا ہے۔ مگر میرزا صاحب نے پہلے «بوے پیراہن» لکھا تھا، جس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ مقصودِ شاعر مرکبِ اضافی ہے اور اُس نے «بو» کی جگہ «عطر» اس لیے رکھا ہے کہ اوّل الذکر کی تعمیم دور ہو جائے۔ لہٰذا اگر یہاں علامتِ اضافت نہ لگائی جائے گی، تو ہم مرادِ شاعر سے دور جا پڑیں گے۔

علامات وقف

یوں تو اس نسخے میں وقف کی کئی عام علامتیں استعمال کی ہیں، مگر ان میں سے «کامے» کو حدِّ افراط تک برتا گیا ہے۔ چونکہ میرزا صاحب جیسے تعقید پسند استاد کے کلام کا مطلب سمجھنے اور سمجھانے کے لیے ایسا کرنا ناگزیر تھا، اس لیے امید ہے کہ دیدہ ور نقاد اس سے درگزر فرمائیں گے۔

تصاویر

اس نسخے میں پانچ تصویریں شامل کی گئی ہیں، ایک میرزا صاحب کی اور چار دیوان کے مخطوطوں کے ایک ایک نسخے کی۔ میرزا صاحب کی تصویر شیخ عبدالقادر مدیرِ رسالۂ مخزن نے اپنے شایع کردہ دیوانِ غالب (پاکٹ ایڈیشن) میں چھاپی تھی۔ اس دیوان کے دیباچے میں، جو ۸ جنوری سنہ ۱۹۱۹ع کا لکھا ہوا ہے، شیخ صاحب نے تصویر کی سند میں تحریر فرمایا ہے:

«اس دیوان کو ایک چیز ایسی دستیاب ہوئی ہے، جو پہلے کسی نسخے کو میسر نہیں۔ یعنی میرزا غالب مرحوم و مغفور کی ایک صحیح اور مستند عکسی تصویر زیبِ ورقِ اول ہے۔ اس تصویر

کے لیے میں اپنے ذی علم دوست، لالہ سری رام صاحب، ایم۔ اے، دھلوی، مولفِ خم خانۂ جاوید کا ممنون ہوں۔ اُن کے عمِ بزرگوار، راے بہادر پیارے لال صاحب سرگباش انسپکٹر مدارس، مرزا غالب مرحوم کے عزیز ترین دوستوں اور مداحوں میں تھے۔ یہ عکسی تصویر، راے صاحب ممدوح کو میرزا صاحب مرحوم نے دی تھی، اور راے صاحب سے بطور ایک قابلِ قدر یادگار کے لالہ سری رام صاحب کے پاس پہنچی تھی»۔

مخطوطوں کے صفحات کی تصویریں علی الترتیب نسخۂ عرشی زادہ، نسخۂ بھوپال، نسخۂ شیرانی اور نسخۂ رام پور جدید سے متعلق ھیں، اور ان میں سے تیسری کے حاشیے پر ایک غزل اور چوتھی کے بین السطور میں لفظ «رنج» خود میرزا صاحب کے قلم کا نوشتہ ھے۔


شکریہ

طبعِ اوّل میں اُن حضرات کا شکریہ نام بنام ادا کیا جا چکا ھے جنھوں نے اس نسخے کی ترتیب میں میری مدد فرمائی۔ طوالت کے خیال سے اب بغیر نام گنائے اُن سب مہربانوں کے تعاون کا ایک بار پھر شکر گزار ھوں اور امید کرتا ھوں کہ گزشتہ اشاعت کی طرح یہ جدید ایڈیشن بھی اربابِ علم و ادب اور صاحبانِ نقد و نظر میں قبولِ خاطر پائے گا۔

رام پور رضا لائبریری
رام پور
۲۵ مارچ ۱۹۷۱ع

امتیاز علی عرشی

دیوانِ غالب

حصّۂ اوّل

گنجینۂ معنی

گنجینۂ معنی کا طِلِسم اُس کو سمجھیے
جو لفظ کہ، غالب، مرے اشعار میں آوے

قصائد



ق

[1]

سنگ، بہ کارگہِ ربطِ نزاکت ہے کہ ہے — خندۂ بیخودیِ کبک، بدندانِ شرار[2]

کشتۂ افعیِ زلفِ سیہِ شیریں کو — بیستوں، سبزے سے ہے، ہے سنگِ زُمُرّد کا مزار[3]

حسرتِ جلوۂ ساقی ہے کہ ہر پارۂ ابر — سینہ، بیتابی سے، ملتا ہے بہ تیغِ کہسار

دشمنِ حسرتِ عاشق ہے، رگِ ابرِ سیاہ — جس نے برباد کیا ریشۂ چندیں شبِ تار

• چشم بر چشم چُنے ہے بتماشا، مجنوں — ہر دو سو خانۂ زنجیر، نگہ کا بازار

خانۂ تنگ، ہجومِ دو جہاں کیفیّت — جامِ جمشید، ہے یاں قالبِ خشتِ دیوار

۱— یہاں اور آیندہ دو شعروں کے درمیان سادہ لکیر کا مطلب یہ ہے کہ یہاں سے میرزا صاحب نے کچھ شعر نکال کر دیوان متداول (نوائے سروش) میں شامل کیے ہیں۔

۲— اس قصیدے کا عنوان ق میں «قصیدۂ حیدری بہ تمہید بہار مغفرت» ہے۔

۳— میرزا صاحب نے چودھری عبدالغفور سرور کو لکھا ہے کہ «قبول دعا وقت طلوع، منجملۂ مضامین شعری ہے، جیسے کتان کا پرتو ماہ میں پھٹ جانا اور زمرد سے افعی کا اندھا ہوجانا۔ آصف الدولہ نے افعی تلاش کر کر منگوایا اور قطعات زمرد اوس کے محاذی چشم رکھے، کچھ اثر نہوا۔ ایران و روم و فرنگ سے انواع کپڑے منگائے، چاندنی میں پھیلائے، مسکا بھی نہیں۔» (عود: ۲۲)

سنبل و دام کمیں خانۂ خوابِ صیاد — نرگس و جامِ سیہ مستیِ چشمِ بیدار
طرّہ ہا، بسکہ، گرفتارِ صبا ہیں، شانہ — زانوے آئنہ پر مارے ہے دستِ بیکار
بسکہ یکرنگ ہیں دل. کرتی ہے ایجاد نسیم — لالے کے داغ سے، جوں نقطہ و خط، سنبل زار
اے خوشا! فیضِ ہواے چمنِ نشو و نما — بادہ پُر زور، و نفس مست، و مسیحا بیمار

ہمتِ نشو و نما میں یہ بلندی ہے کہ سرو — پرِ قمری سے کرے صیقلِ تیغِ کہسار ٥
ہر کفِ خاک، جگر تشنۂ صد رنگ ظہور — غنچے کے میکدے میں مستِ تامل ہے، بہار
کس قدر عرض کروں ساغرِ شبنم، یارب؟ — موجۂ سبزۂ نوخیز، ہے لبریزِ خمار
غنچۂ لالہ، سیہ مستِ جوانی ہے ہنوز — شبنمِ صبح، ہوئی رعشۂ اعضاے بہار
جوشِ بیدادِ تپش سے ہوئی عریاں آخر — شاخِ گلبن پہ، صبا، چھوڑ کے پیراہنِ خار
سازِ عریانیِ کیفیّتِ دل ہے، لیکن — یہ مۓ تند، نہیں موجِ خرامِ اظہار ١٠
موجِ مے پر ہے، براتِ نگرانی امید — گل، نرگس سے کفِ جام پہ ہے، چشمِ بہار
گلشن و میکدہ، سیلابیِ یک موجِ خیال — نشّہ[1] و جلوۂ گل، بر سرِ ہم فتنہ غبار

پشتِ لب، تہمتِ خط کھینچے ہے بیجا، یعنی — سبز ہے، موجِ تبسم، بہواے گفتار

جاے حیرت ہے کہ گلبازیِ اندیشۂ شوق — اس زمیں میں نکرے سبز قلم کی رفتار

کسوتِ تاک میں ہے، نشّۂ ایجادِ ازل — سُبحۂ عرضِ دو عالم، بکفِ آبلہ دار ١٥

---

٩ الف، ق پہلے، بیدماغی تپش - غالب نے اس پر «ن» بنا کر حاشیے میں اصلاح کی ہے - مگر مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا -
٩ ب ح، پیراھن و خار (سہو کاتب) - ١٢ ب، ح، عیار (سہو کاتب) - ١٤ ب، ح. کا رفتار (سہو کاتب) -

---

١— «نشہ» عربی زبان کا لفظ ہے اور عرب میں «نشوۃ» بولا اور لکھا جاتا ہے - اہل ایران عربی (ۃ) و (ہ) اور «و» کو «ء» سے بدل کر «نشہ» لکھتے اور بولتے ہیں (فرھنگ عمید ١٢٧٠) - میرزا صاحب کے اپنے نسخوں میں «نشہ» بشین مشدد ملتا ہے - بلکہ بعض مقامات پر علامت تشدید خود میرزا صاحب کے قلم کی لکھی ہوئی ہے - آج کل اردو میں «نشہ» لکھنے کو پسند کیا جاتا ہے - لیکن میں نے میرزا صاحب کے رسم خط کے مطابق ہر جگہ بہ تشدید شین ہی لکھا ہے -

بنظر گاہِ گلستانِ خیالِ ساقی
بیخودی، دامِ رگِ گل سے، ہے پیمانہ شکار

بہوائے چمنِ جلوہ، ہے طاؤس پرست
باندھے ہے پیرِ فلک، موجِ شفق سے زنار

یک چمن جلوۂ یوسف ہے بچشمِ یعقوب
لالہ ہا داغ برافگندہ. و گلہا بے خار

بیضۂ قمری کے آئینے میں پنہاں، صیقل
سروِ بیدل سے عیاں. عکسِ خیالِ قدِ یار

۵ عکسِ موجِ گل و سرشاریِ اندازِ حباب
نگہِ آئنہ، کیفیّتِ دل سے ہے دوچار

کس قدر سازِ دو عالم کو ملی جرأتِ ناز
کہ ہوا، ساغرِ بیحوصلۂ دل، سرشار

ورنہ وہ ناز ہے، جس گلشنِ بیداد سے تھا
طور، بشعل بکف از جلوۂ تعزیہ بہار

سایۂ تیغ کو دیکھ اُس کے، بذوقِ یک زخم
سینۂ سنگ پہ کھینچے ہے الف، بالِ شرار

بتکدہ، بہرِ پرستشگریِ قبلۂ ناز
باندھے زنارِ رگِ سنگ. میانِ کہسار

۱۰ سُبحہ گرداں ہے اُسی کی کفِ امید کا، ابر
بیم سے جس کے، صبا، توڑے ہے صد جا زنار

رنگریزِ گل و جامِ دو جہاں ناز و نیاز
اوّلیں دورِ امامت،[1] طرب ایجادِ بہار

جوشِ طوفانِ کرم، ساقیِ کوثر ساغر
نُہ فلک، آئنہ ایجادِ کفِ گوہر بار

پہنے ہے پیرہنِ کاغذِ ابری، نیساں
بہ تُنُک مایہ، ہے فریادیِ جوشِ ایثار[2]

۱— اولین دور امامت، یعنی، امام اول۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میرزا صاحب، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہلا امام مانتے تھے۔ دوسرے قصیدے (۹:۱۰) میں «وصی ختم رسل» کہا ہے، جس کا مطلب، قائلین امامت کے نزدیک، یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امامت کی بھی وصیت فرمائی تھی۔ چونکہ یہ دونوں قصیدے صفر ۱۲۳۷ھ (نومبر ۱۸۲۱ع) سے پہلے کے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب ابتدائے عمر ہی سے مسلک آبا سے منحرف ہوگئے تھے۔ ابھی تک اس تغیر عقائد کا حقیقی سبب معلوم نہ ہوسکا، سوائے اس خیال کے کہ نواب حسام الدین حیدر خاں بہادر کے بیٹوں سے، جو شیعی مذہب تھے، ان کا لڑکپن سے بہت میل جول تھا۔ بعض قرینے ایسے بھی ہیں کہ ان کی ننھیال کو شیعی ہونا چاہیے۔ دیکھیے دیباچۂ مکاتیب غالب، طبع چہارم، ص ۱۸، ۱۹۔

اس عقیدے کے سلسلے میں، علاوہ ان دو قصیدوں کے، ملاحظہ ہو گنجینۂ معنی: ص ۵۰، ش ۴ و ۹، ص ۶۰، ش ۱۰، ص ۸۱، ش ۱ و ۷، ص ۰۰۰، ش ۱۲۔

۲— اس شعر میں میرزا صاحب نے وہی تلمیح برتی ہے جو اس مطلع:

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

میں استعمال کی گئی ہے۔ اس کے متعلق انھوں نے ایک خط میں لکھا ہے کہ «ایران میں رسم ہے کہ داد خواہ کاغذ کے کپڑے پہن کر حاکم کے سامنے جاتا ہے، جیسے مشعل دن کو جلانا، یا خون آلود کپڑا بانس پر لٹکا کر لے جانا» (عود: ۱۶۰)۔

پر یہ دولت، تھی نصیبِ نگہِ معنیِ ناز
کہ ہوا صورتِ آئینہ میں، جوہر، بیدار

اے خوشا! مکتبِ شوق و بلدستانِ مراد
سبقِ ناز کی، ہے عجز کو صد جا، تکرار

مشقِ نقشِ قدم، نسخۂ آبِ حیواں
جادۂ دشتِ نجف، عمرِ خضر کا طومار

جلوہ تمثال ہے، ہر ذرۂ نیرنگ سواد
بزمِ آئینۂ تصویر نما، مشتِ غبار

دو جہاں طالبِ دیدار تھا، یارب، کہ ہنوز
چشمکِ ذرہ سے ہے گرم، نگہ کا بازار ۵

ہے، نفس، مایۂ شوقِ دو جہاں ریگِ رواں
پائے رفتار کم، و حسرتِ جولاں بسیار

دشتِ الفت چمن، و آبلہ مہماں پرور
دلِ جبریل. کفِ پا پہ مَلے ہے رخسار

یاں تک انصاف نوازی کہ اگر ریزۂ سنگ
بے خبر دے بکفِ پائے مسافر آزار

یک بیاباں تپشِ بالِ شرر سے، صحرا
مغزِ کہسار میں کرتا ہے فرو، نشترِ خار

فرش اس دشتِ تمنا میں نہوتا، گر، عدل
گرمیِ شعلۂ رفتار سے جلتے خس و خار ۱۰

ابرِ نیساں سے ملے موجِ گہر کا تاواں
خلوتِ آبلہ میں گم کرے، گر تو، رفتار

یک جہاں بسملِ اندازِ پرافشانی ہے
دام سے اُس کے، قضا کو ہے رہائی دشوار

موجِ طوفانِ غضب، چشمۂ نُہ چرخ حباب
ذوالفقارِ شہِ مرداں، خطِ قدرت آثار

موجِ ابروے قضا، جس کے تصور سے، دونیم
بیم سے جس کے، دلِ شحنۂ تقدیر، فگار

شعلہ تحریر سے اُس برق کی، ہے کلکِ قضا
بالِ جبریل سے مسطر کشِ سطرِ زنہار ۱۵

موجِ طوفاں ہو، اگر خونِ دو عالم ہستی
ہے حنا کو سرِ ناخن سے گزرنا دشوار

دشت تسخیر ہو، گر گردِ خرامِ دلدل
نعل در آتشِ ہر ذرہ ہے، تیغِ کہسار

بالِ رعنائیِ دُم، موجۂ گلبندِ قبا
گردشِ کاسۂ سُم، چشمِ پری آئنہ دار

گردِ رہ اُس کی بھریں شیشۂ ساعت میں اگر
ہر نفس راہ میں ٹوٹے، نفسِ لیل و نہار

نرم رفتار ہو جس کوہ پہ وہ برق گداز
رفتنِ رنگِ حنا ہے، تپشِ بالِ شرار ۲۰

ہے سراسر رویِ عالمِ ایجاد اُسے
جیبِ خلوتکدۂ غنچہ میں، جولانِ بہار

جس کے حیرتکدۂ نقشِ قدم میں، مانی   خونِ صد برق سے باندھے بکفِ دست نگار
ذوقِ تسلیمِ تمنا سے بگلزارِ حضور   عرضِ تسخیرِ تماشا سے بدامِ اظہار
مطلعِ تازہ ہوا موجۂ کیفیّتِ دل   جامِ سرشارِ مَے، و غنچۂ لبریز بہار

گردِ جولاں سے ہے تیری، بگریبانِ خرام   جلوۂ طور، نمکِ سودۂ زخمِ تکرار
٥ جس چمن میں ہو، ترا جلوۂ محروم نواز   پرِ طاؤس، کرے گرم نگہ کا بازار
جس ادبگاہ میں تو آئنۂ شوخی ہو   جلوہ، ہے ساقیِ مخموریِ تابِ دیوار
تو وہ ساقی ہے کہ ہر موجِ محیطِ تنزیہ   کھینچے خمیازے میں تیرے لبِ ساغر کا خمار
گردباد آئنہ فتراکِ دماغِ دلہا   تیرا صحرائے طلب، محفلِ پیمانہ شکار
ذوقِ بیتابیِ دیدار سے تیرے، ہے ہنوز   جوشِ جوہر سے، دلِ آئنہ، گلدستۂ خار

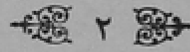
---

١٠ تیرا پیمانۂ مَے، نسخۂ ادوارِ ظہور   تیرا نقشِ قدم، آئینۂ شانِ اظہار
آیتِ رحمتِ حق، بَسملۂ مصحفِ ناز   مسطرِ موجۂ دیباچۂ درسِ اسرار
قبلۂ نورِ نظر، کعبۂ اعجازِ مسیح   مِژۂ دیدۂ نخچیر سے، نبضِ بیمار
تہمتِ بیخودیِ کفر نہ کھینچے، یارب   کمیِ ربطِ نیاز، و حظِ نازِ بسیار
ناز پروردۂ صد رنگ تمنا ہوں، ولے   پرورش پائی ہے، جوں غنچہ، بخونِ اظہار
١٥ تنگیِ حوصلہ، گردابِ دو عالم آداب   دیدِ یک غنچہ سے ہوں بسملِ نقصانِ بہار
رشکِ نظّارہ تھی یک برقِ تجلی کہ ہنوز   تشنۂ خونِ دو عالم ہوں بعرضِ تکرار
وحشتِ فرصتِ یک جیب کشش نے کھویا   صورتِ رنگِ حنا، ہاتھ سے دامانِ بہار
شعلہ آغاز، ولے حیرتِ داغِ انجام   موجِ مَے، لیک ز سر تا قدم آغوشِ خمار
ہے اسیرِ ستمِ کشمکشِ دامِ وفا   دلِ وارستۂ ہفتاد و دو ملت بیزار
٢٠ مِژۂ خواب سے کرتا ہوں، بآسایشِ درد   بخیۂ زخمِ دل، چاک، بیکدستہ شرار

---

١٢ الف، ح، ایجاد مسیح (سہو کاتب) -

محرمِ دردِ گرفتاریِ مستی معلوم — ہوں نفس سے، صفتِ نغمہ، بہ بندِ رگِ تار
تھا سرِ سلسلہ جنبانیِ صد عمرِ ابد — سازِہا مفتِ بریشمکدۂ نالۂ زار
لیکن اس رشتۂ تحریر میں سرتا سرِ فکر — ہوں، بقدرِ عددِ حرفِ علی[1] سُبحہ شمار
دوست اس سلسلۂ ناز کے، جوں سنبل و گل — ابرِ میخانہ کرِیں ساغرِ خُرشید[2] شکار
لنگرِ عیش بہ سرشارِ تماشاے دوام — کہ رہے خونِ خزاں سے بحنا پاے بہار ۵
زلفِ معشوق کشش، سلسلۂ وحشتِ ناز — دلِ عاشق، شکن آموزِ خمِ طرۂ یار
مَے تمثالِ پری، نشّۂ مینا آزاد — دلِ آئینہ طرب، ساغرِ بختِ بیدار



ق، قا

توڑے ہے عجزِ تنک حوصلہ، بر روے زمیں — سجدہ تمثال وہ آئینہ، کہیں جس کو جبیں[3]
توڑے ہے نالہ، سرِ رشتۂ پاسِ انفاس — سر کرے ہے، دلِ حیرت زدہ، شُغلِ تسکیں

———

یاس، تمثالِ بہار آئنۂ استغنا — وہم، آئینۂ پیدائیِ تمثالِ یقیں ۱۰
خوں ہوا، جوشِ تمنا سے، دو عالم کا دماغ — بزمِ یاس، آنسوے پیدائی و اخفا رنگیں

———

خانہ ویرانیِ امّید و پریشانیِ بیم — جوشِ دوزخ، ہے خزانِ چمنِ خلدِ بریں

———

بادِ افسانۂ بیمار ہے، عیسیٰ کا نفس — استخواں ریزۂ موراں ہے، سلیماں کا نگیں

———

۱۱ الف، ق، درد دو عالم سے تمنا ۔ قا کے الفاظ بعد کی اصلاح ہے۔

———

۱ — اسم «علی» کے عدد ابجدی حساب سے ۱۱۰ ہیں۔ میرزا صاحب نے یہ قصیدہ اتنے ہی اشعار کا لکھا تھا۔ بعد میں ۲۸ شعر چن کر باقی خارج کیے، تو یہ شعر بھی نکال دیا۔
۲ — «خرشید» کا مشہور املا «خورشید» ہے۔ مگر میرزا صاحب نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ اس لفظ کو تنہا «خور» اور بحالت ترکیب «خرشید» لکھنا اچھا سمجھتے ہیں (عود:۸۸، خطوط: ۱:۸۸، فرہنگ غالب:۱۰۱)۔
۳ — ق میں اس قصیدے کا عنوان «ایضاً فی المنقبت» ہے۔

موجِ خمیازۂ یک نشّہ، چہ اسلام، و چہ کفر
کجیِ یک خطِ مسطر، چہ توہّم، چہ یقیں
قبلہ و ابروے بُت، یک رہِ خوابیدۂ شوق
کعبہ و بتکدہ، یک محملِ خوابِ سنگیں

عیشِ بسمل کدۂ عیدِ حریفاں معلوم
خوں ہو آئینہ، کہ ہو جامۂ طفلاں رنگیں

نزع مخمور ہوں اُس دید کی دھن میں کہ مجھے
رشتۂ سازِ ازل ہے، نگہِ باز پسیں
٥ حیرت، آفت زدۂ عرضِ دو عالم نیرنگ
مومِ آئینۂ ایجاد ہے، مغزِ تمکیں
وحشتِ دل سے پریشاں ہے، چراغانِ خیال
باندھوں ہوں آئنے پر چشمِ پری سے آئیں
کوچہ دیتا ہے پریشاں نظری پر، صحرا
رمِ آہو کو ہے ہر ذرے کی چشمک میں کمیں
چشمِ امید سے گرتے ہیں، دو عالم، جوں اشک
یاس پیمانہ کشِ گریۂ مستانہ نہیں
کس قدر فکر کو ہے نالِ قلم موے دماغ
کہ ہوا خوں نگہِ شوق میں، نقشِ تمکیں
١٠ عذرِ لنگ، آفتِ جولانِ ہوس ہے، یارب
جل اُٹھے گرمیِ رفتار سے، پاے چوبیں
نہ تمنا، نہ تماشا، نہ تحیّر، نہ نگاہ
گردِ جوہر میں ہے، آئینۂ دل، پردہ نشیں
کھینچوں ہوں آئنے پر خندۂ گل سے مسطر
نامہ، عنوانِ بیانِ دلِ آزردہ نہیں
رنجِ تعظیمِ مسیحا نہیں اُٹھتا مجھ سے
درد ہوتا ہے مرے دل میں، جو توڑوں بالیں
بسکہ گستاخیِ اربابِ جہاں سے ہوں ملول
پرِ پروانہ، مری بزم میں ہے خنجرِ کیں
١٥ اے عبارت، تجھے کس خط سے ہے درسِ نیرنگ؟
اے نگہ، تجھ کو ہے کس نقطے میں مشقِ تسکیں؟

جلوۂ ریگِ رواں دیکھ کہ گردوں ہر صبح
خاک پر توڑے ہے آئینۂ نازِ پرویں
شورِ اوہام سے، مت ہو شبِ خونِ انصاف
گفتگو بے مزہ، و زخمِ تمنا نمکیں
ختم کر ایک اشارت میں عباراتِ نیاز
جوں مہِ نو، ہے نہاں گوشۂ ابرو میں، جبیں

---

٦ الف، ح میں۔ ٨ ب، ح، پاس (سہو کاتب)۔ ١٤ ب، ح، پرواز (سہو کاتب)۔ ١٦ الف، ح، مہ صبح (سہو کاتب)۔

معنیِ لفظِ کرم، بسملۂ نسخۂ حسن | قبلۂ اہلِ نظر، کعبۂ اربابِ یقیں
جلوہ رفتار سرِ جادۂ شرعِ تسلیم | نقشِ پا جس کا ہے توحید کو معراجِ جبیں

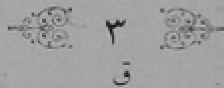
کوہ کو، بیم سے اُس کے، ہے جگر باختگی | نکرے نذرِ صدا، ورنہ، متاعِ تمکیں

وصفِ دُلدل، ہے مرے مطلعِ ثانی کی بہار | جنّتِ نقشِ قدم سے ہوں میں اُس کی گلچیں

۵ گردِ رہ، سرمہ کشِ دیدۂ اربابِ یقیں | مطلع نقشِ ہر گام، دو عالم صفہاں زیرِ نگیں
برگِ گل کا، ہو جو طوفانِ ہوا میں، عالم | اُس کے جولاں میں نظر آئے ہے یوں، دامنِ زیں
اُس کی شوخی سے، بحیرت کدۂ نقشِ خیال | فکر کو حوصلۂ فرصتِ ادراک نہیں
جلوۂ برق سے ہو جائے، نگہ، عکس پزیر | اگر آئینہ بنے حیرتِ صورتگرِ چیں

ذوقِ گلچینیِ نقشِ کفِ پا سے تیرے | عرش چاہے ہے کہ ہو در پہ ترے خاک نشیں
۱۰ تجھ میں اور غیر میں نسبت ہے، و لیکن بتضاد | وصیِ ختمِ رسل تو ہے باثباتِ یقیں

دادِ دیوانگیِ دل کہ ترا مدحت گر | ذرّے سے باندھے ہے خُرشیدِ فلک پر آئیں



ق

بگمانِ قطعِ زحمت نہ دوچار خامشی ہو | کہ زبانِ سُرمہ آلود، نہیں تیغِ اصفہانی[۱]
بفریبِ آشنائی، بخیالِ بیوفائی | نرکھ آپ سے تعلق، مگر ایک بدگمانی
۱۵ نظرے سوے کہستاں، نہیں غیرِ شیشہ ساماں | جو گدازِ دل ہو مطلب، تو چمن ہے سنگ جانی
بفرازگاہِ عبرت، چہ بہار و کو تماشا؟ | کہ نگاہ ہے سیہ پوش بعزائے زندگانی
بفراقِ رفتہ یاراں، خط و حرف، مو پریشاں | دلِ غافل از حقیقت، ہمہ ذوقِ قصّہ خوانی
تپشِ دلِ شکستہ، پئے عبرت، آگہی ہے | کہ نہ دے عنانِ فرصت بکشا کشِ زبانی

۶ ب، ح، دیں (سہو کاتب)۔ ۷ الف، ح، بحیرتکدۂ (سہو کاتب)۔

۱ اس قصیدے کا عنوان بھی ق میں مثل سابق ہے۔

نہ وفا کو آبرو ہے، نہ جفا تمیزجو ہے
چہ حسابِ جانفشانی؟ چہ غرورِ دلستانی؟

بشکنجِ جستجوہا، بسرابِ گفتگوہا
تگ و تازِ آرزوہا، بفریبِ شادمانی

نہیں شاہراہِ اوہام، بجز آنسوے رسیدن
تری سادگی ہے، غافل، درِ دل پہ پاسبانی

چہ امید و نا امیدی؟ چہ نگاہ و بے نگاہی؟
ہمہ عرضِ ناشکیبی، ہمہ سازِ جانستانی

اگر آرزو ہے راحت، توعبث بخوں تپیدن
کہ خیال ہو تعب کش بہواے کامرانی ٥

شر و شورِ آرزو سے تب و تابِ عجز بہتر
نکرے اگر ہوس پر، غمِ بیدلی، گرانی

ہوسِ فروختنہا، تب و تاب سوختنہا
سرِ شمع نقشِ پا ہے بسپاسِ ناتوانی

شررِ اسیرِ دل کو ملے اوجِ عرضِ اظہار
جو بصورتِ چراغاں کرے، شعلہ نردبانی

ہوے مشقِ جرأتِ ناز، رہ و رسمِ طرحِ آداب
خمِ پشت خوشنما تھا بگزارشِ جوانی

اگر آرزو رسا ہو، پئے دردِ دل دوا ہو
وہ اجل کہ خوں بہا ہو بشہیدِ ناتوانی ١٠

غمِ عجز کا سفینہ بکنارِ بیدلی ہے
مگر ایک شہپرِ مور کرے سازِ بادبانی

مجھے انتعاشِ غم نے پئے عرضِ حال بخشی
ہوسِ غزل سرائی، تپشِ فسانہ خوانی

دلِ ناامید کیونکر بہ تسلی آشنا ہو
جو امیدوار رہیے نہ بہرگِ ناگہانی

مجھے بادۂ طرب سے بخمارگاہِ قسمت
جو ملی، تو تلخ کامی، جو ہوئی، تو سرگرانی

نہ ستم کر اب تو مجھ پر کہ وہ دن گئے کہاں تھی
مجھے طاقت آزمانی، تجھے الفت آزمانی ١٥

بہزار امیدواری رہی ایک اشکباری
نہوا حصولِ زاری، بجز آستیں فشانی

کروں عذرِ ترکِ صحبت، سو کہاں وہ بیدماغی؟
نہ غرورِ میرزائی، نہ فریبِ ناتوانی

ہمہ یک نفس تپش سے تب و تابِ ہجرمت پوچھ
کہ ستمکشِ جنوں ہوں نہ بقدرِ زندگانی

کفِ موجۂ حیا ہوں بگزارِ عرضِ مطلب
کہ سرشک قطرہ زن ہے بہ پیامِ دل رسانی

یہی بار بار جی میں مرے آے ہے کہ غالب
کروں خوانِ گفتگو پر دل و جاں کی میہمانی ٢٠

غزلیّات

الف



ق، قا

شوخیِ نیرنگ، صیدِ وحشتِ طاؤس ہے
دام، سبزے میں ہے، پروازِ چمن تسخیر کا

لذتِ ایجادِ ناز، افسونِ عرضِ ذوقِ قتل
نعل، آتش میں ہے تیغِ یار سے، نخچیر کا

خشت پشتِ دستِ عجز و قالب آغوشِ وداع
پُر ہوا ہے سیل سے، پیمانہ کس تعمیر کا؟

وحشتِ خوابِ عدم، شورِ تماشا ہے، اسد
جو مِژہ جوہر نہیں آئینۂ تعبیر کا



ق، قا

جنوں گرم انتظار و نالہ بیتابی کمند آیا
سُوَیدا، تا بلب، زنجیریِ دودِ سپند آیا ۵

مہِ اختر فشاں کی، بہرِ استقبال، آنکھوں سے
تماشا، کشورِ آئینہ میں آئینہ بند آیا

تغافل، بدگمانی، بلکہ میری سخت جانی سے
نگاہِ بے حجابِ ناز کو بیمِ گزند آیا

---

۲ ب، لط، نعل آتش (بکسر لام، مگر یہ سہو کاتب ہے) ۔ ۴ الف، قا، تماشاے اسد ۔
لط، مژہ (ہر دو جا سہو کاتب) ۔ ب، قا، جز مژہ — ح،
۵ ب، ق میں کاتب نے «زنجیر دود» لکھا تھا ۔ غالب نے اپنے قلم سے «زنجیر»
کے اوپر «ی» کا اضافہ کیا۔ مرتب ح۔ اور لط نے «ی» کو «ے» سمجھا ۔ قا، زنجیر ہی ۔ ۶ الف، ق پہلے، بہ استقبال تمثال ز ماہ
اختر نشاں شوخی ۔ لط، زماں اختر (سہو کاتب) ۔ نیز اس میں مصرع جدید کا مذکور نہیں ۔

فضاے خندۂ گل تنگ و ذوقِ عیش بے پروا ۔۔ فراغتگاہِ آغوشِ وداعِ دل، پسند آیا

عدم، ہے خیر خواہِ جلوہ کو زندانِ بیتابی ۔۔ خرامِ ناز، برقِ خرمنِ سعیِ سپند آیا



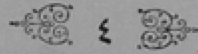
ق، حاشیۂ ق

سوادِ چشمِ بسمل، انتخابِ نقطہ آرائی ۔۔ خرامِ نازِ بے پروائیِ قاتل پسند آیا

روانیہاے موجِ خونِ بسمل سے ٹپکتا ہے ✲ کہ لطفِ بے تحاشا رفتنِ قاتل پسند آیا[1]

۵ ہوئی جس کو بہارِ فرصتِ ہستی سے آگاہی ۔۔ برنگِ لالہ، جامِ بادہ بر محمل پسند آیا

اسد، ہر جا سخن نے طرحِ باغِ تازہ ڈالی ہے ۔۔ مجھے رنگِ بہارِ ایجادیِ بیدل پسند آیا



ق، قا

عالم، جہاں بعرضِ بساطِ وجود تھا ۔۔ جوں صبح، چاکِ جیب، مجھے تار و پود تھا

بازی خورِ فریب ہے، اہلِ نظر کا ذوق ۔۔ ہنگامہ، گرمِ حیرتِ بود و نبود تھا

عالم، طلسمِ شہرِ خموشاں ہے سر بسر ۔۔ یا میں غریبِ کشورِ گفت و شنود تھا



ق، قا

۱۰ تنگی رفیقِ رہ تھی، عدم یا وجود تھا ۔۔ میرا سفر، بطالعِ چشمِ حسود تھا

تو یک جہاں قماشِ ہوس جمع کر، کہ میں ۔۔ حیرت متاعِ عالمِ نقصان و سود تھا

گردش محیطِ ظلم رہا جس قدر، فلک ۔۔ میں پایمالِ غمزۂ چشمِ کبود تھا

---

۲ ب، ق، ح، لط، پسند آیا۔ ۳ ق میں اس شعر پر "لا" لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسے معدوم یا خارج قرار دے دیا گیا، اور اسی لیے قا میں انتخاب نہ ہوا۔ ۴ ب، لط، بے تماشا۔ (سہو کاتب)۔ ۵ ب، ح، لط، بر۔ ۷ ب ح، لط، چوں صبح۔ ۹ ب، لط، شور (سہو کاتب)۔ ۱۱ ب، ح، لط، مطاع (سہو کاتب)۔

۱ــ جس شعر کے درمیان ایسا پھول (✲) بنا ہے وہ بعد کا اضافہ ہے۔

پوچھا تھا گرچہ یار نے احوالِ دل، مگر
کس کو دماغِ منّتِ گفت و شنود تھا!

خور، شبنم آشنا نہ ہوا، ورنہ میں، اسدؔ
سر تا قدم گزارشِ ذوقِ سجود تھا



ق، قا

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم، یا رب؟
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

بے دماغِ خجلت ہوں، رشکِ امتحاں تا کے؟
ایک، بیکسی، تجھ کو عالم آشنا پایا

خاکبازیِ امّید، کارخانۂ طفلی
یاس کو دو عالم سے لب بخندہ وا پایا ۵

کیوں نہ وحشتِ غالبؔ باج خواہِ تسکیں ہو؟
کشتۂ تغافل کو خصمِ خوں بہا پایا



ق، قا

فکرِ نالہ میں، گویا، حلقہ ہوں ز سر تا پا
عضو عضو، جوں زنجیر، یک دلِ صدا پایا

شب نظارہ پرور تھا خواب میں خرام اُس کا
صبح، موجۂ گل کو نقشِ بوریا پایا

جس قدر جگر خوں ہو، کوچہ دادنِ گل ہے
زخمِ تیغِ قاتل کو طرفہ دلکشا پایا

ہے نگیں کی پاداری، نامِ صاحبِ خانہ
ہم سے، تیرے کوچے نے، نقشِ مدعا پایا ۱۰

نَے اسدؔ جفا سائل، نَے ستم جنوں مائل
تجھ کو جس قدر ڈھونڈھا، الفت آزما پایا



ق، قا

کارخانے سے جنوں کے بھی میں عریاں نکلا
میری قسمت کا نہ ایک آدھ گریباں نکلا

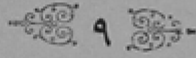
---

٨ الف، ح، لط، خیال اوسکا ۔ ب، ق پہلے، وقف بوریا ۔ اصلاح بین السطور میں لفظ «وقف» کے اوپر کی گئی ہے، مگر ح اور لط میں حاشیے کو محل اصلاح بتایا ہے ۔ ۹ الف، ح، لط، دل ہے ۔ ب، لط، طرز دلکشا ۔ (سہو کاتب) ۔ ۱۰ الف، ح، لط، مکیں ۔ (سہو کاتب) ۔ ب، ح، لط، ہم نے ۔ لط، کوچے میں ۔ ۱۱ الف، ح، لط، سم جنوں (سہو کاتب) ۔

ساغرِ جلوۂ سرشار ہے، ہر ذرّۂ خاک — شوقِ دیدار بلا آئنہ ساماں نکلا

کچھ کھٹکتا تھا مرے سینے میں؛ لیکن آخر — جس کو دل کہتے تھے، سو تیر کا پیکاں نکلا

۳ کس قدر خاک ہوا ہے دلِ مجنوں، یا رب! — نقشِ ہر ذرّہ، سُوَیدائے بیاباں نکلا



۹

ق، قا

شورِ رسوائیِ دل دیکھ کہ یک نالۂ شوق — لاکھ پردے میں چھپا، پر وہی عریاں نکلا

۵ شوخیِ رنگِ حنا، خونِ وفا سے، کب تک؟ — آخر، اے عہد شکن، تو بھی پشیماں نکلا

جوہرِ ایجادِ خطِ سبز ہے، خود بینیِ حسن — جو نہ دیکھا تھا، سو آئینے میں پنہاں نکلا

میں بھی معذورِ جنوں ہوں، اسد، اے خانہ خراب — پیشوا لینے مجھے گھر سے بیاباں نکلا



۱۰

ق، قا

نہوئی ہم سے رقم حیرتِ خطِّ رخِ یار — صفحۂ آئنہ، جولانگہِ طوطی نہوا

وسعتِ رحمتِ حق دیکھ کہ بخشا جاوے — مجھ سا کافر کہ جو ممنونِ معاصی نہوا



۱۱

ق، قا

۱۰ شبِ اختر، قدحِ عیش نے محمل باندھا — بارِ یک قافلۂ آبلہ منزل باندھا

سُبحہ واماندگیِ شوق، و تماشا منظور — جادہ پر، زیورِ صد آئنہ منزل باندھا

ضبطِ گریہ، گہرِ آبلہ لایا آخر — پائے صد موج، بطوفاں کدۂ دل باندھا

---

۲ الف، قا، کٹھکتا - لط، کچھ کھٹکتا مرے سینے میں ہے - ۴ ب، ح، لط، پھر وہی (سہو کاتب) - ۵ الف، قا، تلک (سہو کاتب) ۶ الف، لط، خط حسن (سہو کاتب). ۷ الف، لط، میں وہ مامور جنوں - ۸ ب، ق، ح، لط، صفحہ آئنہ ہوا، آئنہ -

حیف! اے ننگِ تمنا، کہ بپے عرضِ حیا — یک عرق آئنہ، بر جبہۂ سائل باندھا

حسنِ آشفتگیِ جلوہ، ہے عرضِ اعجاز — دستِ موسی بسرِ دعویِ باطل باندھا

تپش، آئنۂ پردازِ تمنا لائی — نامۂ شوق، بہ بالِ پرِ بسمل باندھا

دیدہ تا دل ہے یک آئینہ چراغاں، کس نے — خلوتِ ناز پہ پیرایۂ محفل باندھا؟

نا امیدی نے، بتقریبِ مضامینِ خمار — کوچۂ موج کو خمیازۂ ساحل باندھا ٥

مطربِ دل نے مرے تارِ نفس سے، غالب — ساز پر رشتہ، پئے نغمۂ بیدل، باندھا

١٢

ق، قا

ناتوانی ہے تماشائیِ عمرِ رفتہ — رنگ نے آئنہ آنکھوں کے مقابل باندھا

اصطلاحاتِ اسیرانِ تغافل مت پوچھ — جو گرہ آپ نکھولی، اُسے مشکل باندھا

نوکِ ہر خار سے تھا بسکہ سرِ دزدیِ زخم — جوں نمد، ہم نے کفِ پا پہ، اسد، دل باندھا

١٣

ق، قا

گ شب کہ ذوقِ گفتگو سے تیری دل بیتاب تھا — شوخیِ وحشت سے افسانہ فسونِ خواب تھا ١٠

لے زمیں سے آسماں تک فرش تھیں، بیتابیاں — شوخیِ بارش سے، مہ، فوارۂ سیماب تھا

گ واں ہجومِ نغمہ ہاے سازِ عشرت تھا، اسد — ناخنِ غم، یاں سرِ تارِ نفس، مضراب تھا

١٤

ق، قا

دیکھتے تھے ہم بچشمِ خود وہ طوفانِ بلا — آسمانِ سفلہ جس میں یک کفِ سیلاب تھا

---

١ الف، ق پہلے، داغ، اے حاجت بیدرد کہ در - غالب نے اس پر "ن" بناکر حاشیے میں دوسرا مصرع لکھا ہے - ٢ الف، ح، جلوہ سے (سہو کاتب) - ٩ الف، لط، نوک پر خار - (سہو کاتب) - ١١ ب، ح، لط، سیلاب تھا - (سہو کاتب) - ١٢ الف، ق پہلے، جوش یاد نغمۂ دمساز مطرب سے، اسد - ب، ح، برسرتار - بقول لط محل اصلاح حاشیہ ہے - نیز مرتب ح نے اس شعر کو مطبوعہ ظاہر کیا ہے - ١٣ الف، ق میں یہ اور اس سے اگلا شعر غزل نمبر ١٣ کے ہیں -

موج سے پیدا ہوے، پیراہنِ دریا میں، خار
گریہ، وحشت بیقرارِ جلوۂ مہتاب تھا

جوشِ تکلیفِ تماشا، محشرستانِ نگاہ
فتنۂ خوابیدہ کو آئینہ مشتِ آب تھا

بیخبرمت کہ ہمیں، بیدرد، خود بینی سے پوچھ
قُلزمِ ذوقِ نظر میں آئنہ پایاب تھا

بیدلیہاے اسد، افسردگی آہنگ تر
یادِ ایا ہے کہ ذوقِ صحبتِ احباب تھا

۱۵

ق، قا

رہِ خوابیدہ، تھی گردن کشِ یک درسِ آگاہی
زمیں کو سَیلیِ اُستاد ہے، نقشِ قدم میرا ۵

سراغ آوارۂ عرضِ دو عالم شورِ محشر ہوں
پرافشاں ہے غبار، آنسوے صحراے عدم، میرا

نہو وحشت کشِ درسِ سرابِ سطرِ آگاہی
غبارِ راہ ہوں، بیمدعا ہے پیچ و خم میرا

ہواے صبح، یک عالم گریباں چاکیِ گل ہے
دہانِ زخم پیدا کر، اگر کھاتا ہے غم میرا

اسد، وحشت پرستِ گوشۂ تنہائیِ دل ہوں
برنگِ موجِ مَے، خَمیازۂ ساغر ہے، رم میرا

۱۶

ق، قا

جہاں مٹ جاے سعیِ دید، خضرآبادِ آسایش
بجیبِ ہرنگہ پنہاں ہے، حاصل رہنمائی کا ۱۰

بعجزآبادِ وہمِ مدعا تسلیمِ شوخی ہے
تغافل کو نکر مغرور تمکیں آزمائی کا

اسد کا قصہ طولانی ہے، لیکن مختصر یہ ہے
کہ حسرت کش رہا عرضِ ستمہاے جدائی کا

---

۱ الف، لط، پراہن دریا (سہو کاتب) - ۲ الف، ح، لط، محشرآباد - نیز قا میں یہ شعر اگلے شعر کے بعد ہے - ۳ ب، ح لط یاد ایام (سہو کاتب) - ۶ الف، قا، سراغ آوازۂ (سہو کاتب) - ۷ ب، ق پہلے، گرد راہ ہوں - غالب نے "گرد" کے اوپر "غبار" بنایا ہے - مگر مرتب ح نے اصلاح کو حاشیے میں ظاہر کیا ہے - ۸ ب، لط، کھانا ہے - (سہو کاتب) - ۹ الف، ح، لط، دل ہے - (سہو کاتب) - ۱۱ ب، ق پہلے، مصروف - غالب نے اس کے اوپر "مغرور" بنایا - پھر یہی لفظ قا میں نقل ہوا - ح، مزول، جو سہو کتابت ہے - نیز ح میں اصلاح کو متن کی جگہ حاشیے میں تحریر کیا ہے - لط میں اصلاح ندارد ہے۔

۱۷

ق، قا

ہوس گستاخیِ آئینہ، تکلیفِ نظر بازی — بجیبِ آرزو پنہاں ہے، حاصل دلربائی کا
نظربازی، طلسمِ وحشت‌آبادِ پرستاں ہے — رہا بیگانۂ تاثیر، افسوں آشنائی کا
نپایا دردمندِ دوریِ یارانِ یکدل نے — سوادِ خطِ پیشانی سے، نسخہ مومیائی کا
اسدؔ، یہ عجز و بیسامانیِ فرعون توأم ہے — جسے تو بندگی کہتا ہے، دعوا ہے خدائی کا

۱۸

ق، قا

ہوں چراغانِ ہوس، جوں کاغذِ آتشزدہ — داغ، گرمِ کوششِ ایجادِ داغِ تازہ تھا ۵
بینوائی تر صدائے نغمۂ شہرت، اسدؔ — بوریا، یک نیستاں عالم بلند آوازہ تھا

۱۹

ق، قا

گ ہم نے وحشت کدۂ بزمِ جہاں میں، جوں شمع — شعلۂ عشق کو اپنا سروساماں سمجھا

۲۰

ق، قا

ملی نہ وسعتِ جولانِ یک جنوں ہم کو — عدم کو لے گئے دل میں غبارِ صحرا کا
مرا شمول ہر اک دل کے پیچ تاب میں ہے — میں مُدّعا ہوں تپشِ نامۂ تمنا کا

۲۱

ق، قا

کس کا خیال، آئنۂ انتظار تھا؟ — ہر برگِ گل کے پردے میں دل بیقرار تھا ۱۰

---

۲ الف، ق، پریشاں۔ ۸ الف، ق پہلے، نہ پائی وسعت جولان یک جنوں ہم نے — ح میں اس اصلاح کا متن کی جگہ حاشیے میں ہونا درج کیا ہے۔ لط، اصلاح ندارد۔ ۹ الف، ح، پیچ و تاب۔

کس کا جنونِ دید، تمنّا شکار تھا؟ — آئینہ خانـــہ، وادیِ جوہر غبار تھا

جوں غنچہ و گل، آفتِ فالِ نظر نپوچھ — پیکاں سے تیرے، جلوۂ زخم، آشکار تھا

دیکھی وفاے فرصتِ رنج و نشاطِ دھــر — خمیازہ، یک درازیِ عمرِ خمار تھا

صبحِ قیامت ایک دُمِ گرگ تھی، اسد — جس دشت میں وہ شوخِ دو عالم شکار تھا



۲۲

ق، قا

۵ زبس خوں گشتۂ رشکِ وفا تھا، وہم بسمل کا — چُرایا زخمہاے دل نے پانی تیغِ قاتل کا

نگاہِ چشمِ حاسد وام لے، اے ذوقِ خود بینی — تماشائی ہوں، وحدتخانۂ آئینۂ دل کا

شرر فرصت نگہ، سامانِ یک عالم چراغاں ھے — بقدرِ رنگ، یاں گردش میں ھے پیمانہ محفل کا

سراسر تاختن کوشش جہت یک عرصہ جولاں تھا — ہوا، واماندگی سے رہرواں کی، فرق منزل کا

مجھے راہِ سخن میں خوفِ گمراہی نہیں، غالب — عصاے خضرِ صحراے سخن ھے، خامہ بیدل کا



۲۳

ق، قا

۱۰ شگفتن، کمیں گاہِ تقریب جوئی — تصور ہوں، بیموجب آزردگاں کا

غریبِ ستم‌دیدۂ بازگشتن — سخن ہوں، سخن بر لب آوردگاں کا

سراپا یک آئینـــہ دارِ شکستن — ارادہ ہوں، یک عالم افسردگاں کا

بصورت تکلف، بمعنی تاسف — اسد، میں تبسم ہوں پژمردگاں کا

---

۹ الف، ق پہلے، مجھے اس قطع رہ میں - مرتب ح نے لکھا ہے کہ اسے قلمزد کرکے اصلاح کی ہے، حالانکہ غالب نے کاٹے بغیر پرانے لفظوں کے نیچے نئے الفاظ لکھے ہیں -

۱۰ الف، ق، کہیں دار -

۱۱ الف، ق پہلے، بدرجستہ - حاشیے میں اصلاح - مگر ح میں اسکا ذکر نہیں - لط میں اس شعر پر حسب ذیل حاشیہ لکھا ہے: "اس شعر کے مقابل حاشیہ پر "ستم‌دیدہ" لکھا ہے - غالباً یہ "بدرجستہ" کی تصحیح ہے - اس سے ہٹ کر "معاملہ کرد" بھی لکھا ہے" - عرشی عرض کرتا ہے کہ یہ "مقابلہ کرد" ہے -

۲۴

ق، حاشیۂ ق، قا

ضعفِ جنوں کو ،وقتِ تپش، در بھی دور تھا — اک، گھر میں، مختصر سا بیاباں ضرور تھا

اے واے غفلتِ نگہِ شوق! ورنہ یاں — ہر پارہ سنگ، لختِ دلِ کوہِ طور تھا

درسِ تپش ہے برق کو اب جس کے نام سے — وہ دل ہے یہ کہ جس کا تخلص صبور تھا

شاید کہ مرگیا ترے رخسار دیکھ کر — پیمانہ، رات، ماہ کا لبریزِ نور تھا

جنت ہے تیری تیغ کے کشتوں کی منتظر ٭ جوہر سواد، جلوۂ مژگانِ حور تھا ۵

ہر رنگ میں جلا اسدِ فتنہ انتظار — پروانۂ تجلیِ شمعِ ظہور تھا

۲۵

ق، قا

بہارِ رنگِ خونِ گل ہے، ساماں اشکباری کا — جنونِ برق، نشتر ہے رگِ ابرِ بہاری کا

براے حلِّ مشکل، ہوں زِپا افتادۂ حسرت — بندھا ہے عقدۂ خاطر سے پیماں خاکساری کا

بوقتِ سر نگونی ہے، تصور، انتظارستاں — نگہ کو آبلوں سے شغل ہے اختر شماری کا

اسد، ساغر کشِ تسلیم ہو، گردش سے گردوں کی — کہ ننگِ فہمِ مستاں ہے،گلہ بدروزگاری کا ۱۰

۲۶

ق، قا

طاؤس در رکاب ہے، ہر ذرّہ آہ کا — یارب، نفس، غبار ہے کس جلوہ گاہ کا؟

عزلت گزینِ بزم ہیں، واماندگانِ دید — مینائے مے ہے، آبلہ پاے نگاہ کا

---

۱ الف، لط، درد بھی۔قا، در پہ دور تھا -(سہو کاتب) - ۲ ب، لط، ہر بادہ سنگ - (سہو کاتب) - ۳ الف، ق، اوس کے نام۔ ۵ الف قا، کا منتظر - ۸ ب۔لط، عقدۂ قاتل -(سہو کاتب) -

هر گام، آبلے سے ہے، دل، در تہِ قدم — کیا بیم اہلِ درد کو سختیِ راہ کا!

جیبِ نیازِ عشق، نشاں دارِ ناز ہے — آئینہ ہوں، شکستنِ طرفِ کلاہ کا

۲۷

ق، قا

خود پرستی سے، رہے، با ہمدگر ناآشنا — بیکسی میری شریک، آئینہ تیرا آشنا

آتشِ موئے دماغِ شوق ہے، تیرا تپاک — ورنہ ہم کس کے ہیں، اے داغِ تمنا، آشنا؟

٥ جوہرِ آئینہ، جز رمزِ سرِ مژگاں نہیں — آشنا کی، ہمدگر سمجھے ہے، ایما آشنا

ربطِ یک شیرازۂ وحشت ہیں، اجزائے بہار — سبزہ بیگانہ، صبا آوارہ، گل ناآشنا[٦]

۲۸

ق، قا

جوشِ بہار، کلفتِ نظّارہ ہے، اسدؔ — ہے، ابر، پنبہ روزنِ دیوارِ باغ کا

۲۹

ق

گروہ مستِ ناز دیوے گا صلائے عرضِ حال — خارِ گل، بہرِ دہانِ گل، زباں ہوجائے گا

گر شہادت آرزو ہے، نشّے میں گستاخ ہو — بالِ شیشے کا، رگِ سنگِ فساں ہوجائے گا

---

٦ لط میں اسے متداول دیوان کا شعر قرار دیا ہے جو غلط ہے۔ ٨ الف، ق پہلے، «ناز نمکیں». غالب نے اس پر «لا» لکھ کر دائیں حاشیے میں «دیگا» بنایا ہے۔ یعنی، گر وہ مست ناز دیویگا. ب، ق پہلے، خار گلبن در دہاں۔ غالب نے «گلبن» کو «گل» بنایا، اور «در» کو کاٹ کر اوپر «بہر» لکھا ہے۔ مرتب ح نے ان امور کا ذکر نہیں کیا۔ قا میں یہ غزل اس لیے نہیں ملتی کہ اس جگہ سے ایک ورق کہیں گم ہو گیا ہے۔ لیکن اسکے ابتدائی الفاظ «گروہ» ورق ١٦ ب کے حاشیے میں بطور رکاب موجود ہیں۔

۳۰

ق، قا

گرمیِ دولت هوئی آتش‌زنِ نامِ نکو
خانهٔ خاتم میں، یاقوتِ نگیں، اخگر هوا

نشّے میں گم کرده ره آیا، وه مستِ فتنه خُو
آج رنگِ رفته، دَورِ گردشِ ساغر هوا

درد سے در پرده دی، مژگاں سپاهاں نے، شکست
ریزه ریزه اُستُخواں کا، پوست میں نشتر هوا

زهد، گردیدن هے گِردِ خانه هاے مُنعماں
دانهٔ تسبیح سے، میں مُهره در ششدر هوا

اے بضبطِ حال خُونا کردگاں، جوشِ جنوں
نشّهٔ مَے هے، اگر یک پرده نازکتر هوا [5]

اس چمن میں ریشه واری جس نے سر کھینچا، اسد
تر زبانِ شکرِ لطفِ ساقیِ کوثر هوا

۳۱

ق، قا

دود میرا، سنبلستاں سے کرے هے همسری
بسکه ذوقِ آتشِ گل سے سراپا جل گیا

شمع رویوں کی سرانگشتِ حنائی دیکھ کر
غنچهٔ گل، پَرفشاں پروانه آسا، جل گیا

خانمانِ عاشقاں، دوکانِ آتشباز هے
شعله رُو جب هوگئے گرمِ تماشا، جل گیا

تا کجا افسوسِ گرمیهاے صحبت؟ اے خیال
دل، بسوزِ آتشِ داغِ تمنا جل گیا [10]

---

۱ ب، ح، اختر هوا (سهو کاتب) ۔ ۳ الف، ح، سیاهاں ۔ قا، ساهاں (بدون نقاط، و هر دو سهو کاتب) ۔ ۴، ق میں اس شعر پر «لا لا» لکھا هوا هے، اسی لیے قا میں شامل نهیں کیا گیا ۔ ۵ الف، ق پهلے، حال ناافسردگاں ۔ مرتب ح نے اسے ظاهر نهیں کیا ۔ لط، ع یه ضبط حال ناافسردگاں ۔ (سهو کاتب) ۔ ۶ الف، ح، ریشه داری (سهو کاتب) ۔ ب، ق، تر زبان لطف عام ساقی ۔ ۷، قا میں یه شعر اگلے شعر کے بعد هے ۔ ب، ق، شوق آتش ۔ ۸ الف، ق، شمع رویاں ۔ ۹ ب، ق پهلے، شعله رویاں جب هوے ۔ ح اور لط میں اسکا ذکر نهیں ۔ ۱۰ ب، ق پهلے، دل ز آتش خیزی ۔ بقول مرتب ح، یه اصلاح حاشیے میں هے، حالانکه ق میں «آتش خیزی» کے نیچے بغیر اس کے کاٹے هوے «به سوز آتش» لکھا هے، اور اسی کو قا میں نقل کیا هے ۔ ح میں سهواً «به» کو «ز» سے بدل دیا گیا هے ۔ لط، اصلاح ندارد ۔

۳۲

ق، قا

جاں دادگاں کا حوصلہ، فرصت گداز ہے　　یاں عرصۂ تپیدنِ بسمل نہیں رہا

۲ ہوں قطرہ زن بمرحلۂ یاس روز و شب　　جز تارِ اشک، جادۂ منزل نہیں رہا

اے آہ، میری خاطرِ وابستہ کے سوا　　دنیا میں کوئی عقدۂ مشکل نہیں رہا

ہر چند میں ہوں طوطیِ شیریں سخن، ولے　　آئینہ، آہ! میرے مقابل نہیں رہا

۳۳

ق، حاشیۂ ق، قا

۵ خلوتِ آبلۂ پا میں ہے، جَولاں میرا　　خوں ہے، دل تنگیِ وحشت سے بیاباں میرا

✲ ذوقِ سرشار سے بے پردہ ہے، طوفاں میرا　　موجِ خمیازہ ہے، ہر زخمِ نمایاں میرا

عیشِ بازیکدۂ حسرتِ جاوید رسا　　خونِ آدینہ سے رنگیں ہے، دبستاں میرا

حسرتِ نشّۂ وحشت نہ بسعیِ دل ہے　　عرضِ خمیازۂ مجنوں ہے گریباں میرا

عالمِ بیسروسامانیِ فرصت مت پوچھ　　لنگرِ وحشتِ مجنوں ہے، بیاباں میرا

۱۰ بے دماغِ تپشِ رشک ہوں، اے جلوۂ حسن　　تشنۂ خونِ دل و دیدہ ہے پیماں میرا

فہم، زنجیریِ بیربطیِ دل ہے، یا رب!　　کس زباں میں ہے لقب «خوابِ پریشاں» میرا

بہوس، دردِ سرِ اہلِ سلامت تا چند؟　　مشکلِ عشق ہوں، مطلب نہیں آساں میرا

بوے یوسف مجھے گلزار سے آتی تھی، اسد　　دے نے برباد کیا پیرہنستاں میرا

۳۴

ق، قا

بت پرستی ہے، بہارِ نقش بندیہاے دھر　　ہر صریرِ خامہ میں، یك نالۂ ناقوس تھا

۱، قا میں ترتیب اشعار یہ ہے، ۳،۴،۲،۱.　۲ الف، ق، قا، بوادی حسرت شبانہ روز. متن کے الفاظ گل رعنا کے ہیں.

۴ الف، ق، ھوں میں.　۶، یہ شعر ق کے حاشیے کا ہے، مگر لط میں اسکا ذکر نہیں کیا گیا.　۷ ب، لط، ہر دبستاں - (سہو کاتب).

۱۴ الف، قا ہے، ندارد (سہو کاتب).　ب، لط، ہر حریر (سہو کاتب).

طبع کی واشُد نے رنگِ یک گلستاں گل کیا — یہ دلِ وابستہ، گویا، بیضۂ طاؤس تھا

کل اسد کو ہم نے دیکھا گوشۂ غم خانہ میں — دست بر سر، سر بزانوئے دلِ مایوس تھا

۳۵

ق، قا

خودآرا وحشتِ چشمِ پری سے شب وہ بدخو تھا — کہ موم، آئینۂ تمثال کو تعویذِ بازو تھا

بشیرینیٔ خواب آلودہ مژگاں، نشترِ زنبور — خودآرائی سے، آئینہ، طلسمِ مومِ جادو تھا

نہیں ہے بازگشتِ سیل. غیر از جانبِ دریا — ہمیشہ دیدۂ گریاں کو، آبِ رفتہ در جُو تھا ۵

رہا نظّارہ وقتِ بے نقابی آپ پر لرزاں — سرِ شک آ گیں مژہ سے، دست از جاں شستہ بررو تھا

غمِ مجنوں، عزادارانِ لیلیٰ کا پرستشگر — خُمِ رنگِ سیہ، پیمانۂ ہر چشمِ آہو تھا

رکھا غفلت نے دور افتادۂ ذوقِ فنا، ورنہ — اشارت فہم کو، ہر ناخنِ بُرّیدہ، ابرو تھا

اسد، خاکِ درِ میخانہ اب سر پر اُڑاتا ہوں — گئے وہ دن کہ پانی جامِ مے سے زانو زانو تھا

۳۶

ق، قا

دویدن کے کہیں، جوں ریشۂ زیرِ زمیں پایا — بگردِ سرمہ، اندازِ نگاہِ شرمگیں پایا ۱۰

اُگی اک پنبۂ روزن سے تھی، چشمِ سفید آخر — حیا کو، انتظارِ جلوہ ریزی کے کہیں پایا

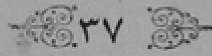
۱، ق میں پہلے اس قافیے کا یہ شعر تھا: غنچۂ خاطر نے رنگ صد گلستاں گل کیا ٭ گردۂ تصویر گلشن، بیضۂ طاؤس تھا
اس پر "لا لا" بنا کر حاشیے میں متن کا شعر لکھا ہے۔ ۴ الف، ح، رنبور (سہو کاتب)۔ ۶ الف، ق، ح، بے نقابیہا بخود۔
نیز قا میں یہ شعر "رکھا غفلت نے" کے بعد ہے۔ ب، ح، شیشہ برو (سہو کاتب)۔ ۷ ب، ق پہلے، از حلقہ ہائے۔
اس پر "لا لا" لکھ کر نیچے اصلاح کی ہے۔ مگر مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا۔ ۹ ق پہلے،
اسد، خاک در میخانہ ہا بر فرق پاشیدن ٭ خوشا روزے کہ آب از ساغر مے تا بزانو تھا۔ مقطع کا دوسرا
مصرع بین السطور میں لکھا ہے، اور اس میں سہواً "زنو زنو" تحریر ہو گیا ہے۔ مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا۔ نیز ح میں ہے،
مے کا تا بزانو۔ ۱۰ الف، ح، دمیدن (سہو کاتب) ب، ح، سر مو (سہو کاتب)۔ ۱۱ الف، ح، اگے۔ ق، بھی۔

بحسرتگاہِ نازِ کشتۂ جاں بخشیِ خوباں — خضر کو چشمۂ آبِ بقا سے تَرجبیں پایا

پریشانی سے، مغزِ سر، ہوا ہے پنبۂ بالش — خیالِ شوخیِ خوباں کو راحت آفریں پایا

نَفس، حیرت پرستِ طرزِ ناگیرائیِ مژگاں — مگر یک دست و دامانِ نگاہِ واپسیں پایا

اسد کو، پیچتابِ طبعِ برق آہنگ مَسکن سے — حصارِ شعلۂ جَوّالہ میں عُزلت گزیں پایا



۳۷

ق

۵ نزاکت، ہے فسونِ دعویِ طاقت شکستنہا — شرارِ سنگ، اندازِ چراغ از جسم خستنہا

سیہ مستیِ چشمِ شوخ سے ہیں، جوہرِ مژگاں — شرار آسا، ز سنگِ سرمہ یکسر بارِ جَستنہا

دلِ از اضطراب آسودہ، طاعتگاہِ داغ آیا — برنگِ شعلہ ہے، مُہرِ نماز، از پا نشستنہا

اسد، ہر اشک ہے یک حلقہ بر زنجیر افزودن — بہ بندِ گریہ ہے نقش بر آب، امّیدِ رَستنہا



۳۸

ق

بسانِ جوہرِ آئینہ، از ویرانیِ دلہا — غبارِ کوچہ ہائے موج ہے، خاشاکِ ساحلہا

۱۰ نگہ کی ہم نے پیدا، رشتۂ ربطِ علائق سے — ہوئے ہیں، پردہ ہائے چشمِ عبرت، جلوہ حائلہا

نہیں ہے، باوجودِ ضعف، سیرِ بیخودی آساں — رہِ خوابیدہ میں افگندنی ہے، طرحِ منزلہا

غریبی بہرِ تسکینِ ہوس درکار ہے، ورنہ — بوہمِ زر، گرہ میں باندھتے ہیں برق حاصلہا

تماشا کردنی ہے، انتظارِ آبادِ حیرانی — نہیں غیر از نگہ، جوں نرگستاں، فرشِ محفلہا

اسد، تارِ نَفس ہے ناگزیرِ عقدہ پَیرائی — بنوکِ ناخنِ شمشیر کیجے حلِّ مشکلہا

---

۳ الف، قا، باگیرائی ۔ ب: ق بھلے، مگر دستے بداماں۔ ح، دست داماں ۔ ۱۱ ب، ح، اوگندی (سہو کاتب) ۔

۳۹

ق

بشغلِ انتظارِ مَہوشاں در خَلوتِ شبہا
سرِ تارِ نظر، ہے رشتۂ تسبیحِ کوکبہا [۱]

کرے گر فکرِ تعمیرِ خرابیہاے دل، گردوں
نہ نکلے خشت، مثلِ اُستُخواں، بیرونِ قالبہا

عِیادتہاے طعن آلودِ یاراں زہرِ قاتل ہے
رفوے زخم کرتی ہے، بنوکِ نیشِ عقربہا

کرے ہے حسنِ خوباں پردے میں مَشّاطگی اپنی
کہ ہے تہبندیِ خط، سبزۂ خط در تہِ لبہا

فنا کو عشق ہے، بیمقصداں، حیرت پرستاراں
نہیں رفتارِ عمرِ تیزرو پابندِ مطلبہا ۵

اسد کو بت پرستی سے غرض دردِ آشنائی ہے
نہاں ہیں نالۂ ناقوس میں در پردہ یاربہا

۴۰

ق، قا

گ برہنِ شرم ہے، با وصفِ شوخی، اہتمام اُس کا
نگیں میں، جوں شرارِ سنگ، ناپیدا ہے نام اُس کا

سروکارِ تواضع، تا خمِ گیسو رسانیدن
بسانِ شانہ، زینت ریز ہے دستِ سلام اُس کا

گ مسی آلودہ ہے مُہرِ نوازشنامہ، ظاہر ہے
کہ داغِ آرزوے بوسہ دیتا ہے پیام اُس کا

لڑاوے گر وہ بزمِ میکشی میں قہر و شفقت کو
بھرے پیمانۂ صد زندگانی، ایک جام اُس کا ۱۰

گ بامیدِ نگاہِ خاص ہوں محمل کشِ حسرت
مبادا! ہو عنانگیرِ تغافل، لطفِ عام اُس کا

اسد، سوداے سرسبزی سے ہے تسلیم رنگیں تر
کہ کِشتِ خشک اُسکا، ابرِ بےپروا خرام اُس کا

---

۷ الف، ق، ح، شہرت ۔ ب، ق پہلے، شرر درسنگ ۔ مگر مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا۔ ۹ الف، ق، قا، پیدا ہے۔
ب، ق پہلے، لایا ہے ۔ اس پر حوالے کا نشان بنا کر حاشیے میں لکھا "دیوبگاہ"۔ مگر مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا۔ یہی
قرات قا کی ہے ۔ گل میں غالب نے موجودہ اصلاح کی ہے ۔ ۱۰ الف، قا، مہر ۔ ۱۱ ب، گل، مبادا ہوں (سہو کاتب) ۔

۱۔ یہ مطلع نیز اسکے بعد کا شعر اور پھر چوتھا غالب نے بتغیر الفاظ دیوان فارسی میں داخل کرلیے ہیں ۔ ملاحظہ ہو
کلیات فارسی ص ۳۶۰، طبع نولکشور ۱۲۷۹ھ ۔

۴۱

ق، حاشیۂ ق، قا

یادِ روزے کہ نفس سلسلۂ یارب تھا — نالۂ دل، بکمر دامنِ قطعِ شب تھا
بہ تحیر کدۂ فرصتِ آرایشِ وصل — دلِ شب، آئنہ دارِ تپشِ کوکب تھا
بہ تمنا کدۂ حسرتِ ذوقِ دیدار — دیدہ گو خوں ہو، تماشاے چمن مطلب تھا
جوہرِ فکر، پرافشانیِ نیرنگِ خیال — حسن آئینہ و آئینہ چمن مشرب تھا
٥ پردۂ دردِ دل، آئینۂ صد رنگ نشاط — بخیۂ زخمِ جگر، خندۂ زیرِ لب تھا
نالہ‌ها حاصلِ اندیشہ کہ جوں کشتِ سپند — دلِ ناسوختہ، آتشکدۂ صد تب تھا
عشق میں ہم نے ہی ابرام سے پرہیز کیا — ورنہ جو چاہیے، اسبابِ تمنا سب تھا
آخرکار گرفتارِ سرِ زلف ہوا — دلِ دیوانہ کہ وارستۂ ہر مذہب تھا
شوقِ سامان فضولی ہے، وگرنہ غالب — ہم میں سرمایۂ ایجادِ تمنا کب تھا

۴۲

ق، قا

١٠ رات، دل گرمِ خیالِ جلوۂ جانانہ تھا — رنگِ روے شمع، برقِ خرمنِ پروانہ تھا
شب کہ تھی کیفیتِ محفل بیادِ روے یار — ہر نظر میں، داغِ مے، خالِ لبِ پیمانہ تھا
شب کہ باندھا خواب میں آنے کا، قاتل نے، جناح — وہ فسونِ وعدہ میرے واسطے افسانہ تھا
کی دود کو آج اُس کے ماتم میں سیہ پوشی ہوئی — وہ دلِ سوزاں کہ کل تک شمعِ ماتمخانہ تھا
ساتھ جنبش کے بیک برخاستن طے ہوگیا — تو کہے، صحرا غبارِ دامنِ دیوانہ تھا

---

١ الف، ق پہلے، درگرہ. اصلاح حاشیے میں - مگر مرتب ح نے اس اصلاح کو متن کی جگہ حاشیے میں درج کیا ہے - ۷ الف، ق پہلے، باب ابرام نہ تھا دل ہی ہمارا، غالب - اس پر "لا لا" لکھ کر پہلا مصرع اور اگلے دو شعر حاشیے میں اضافہ کیے ہیں -
١٢ الف، ق، ح، غافل - قا، جناع (سہو کاتب) - ۷۴ ب، ق پہلے، گو نبا صحرا - مگر مرتب ح نے اسکا ذکر نہیں کیا -

دیکھ اُس کے ساعدِ سیمین و دستِ پُرنگار شاخِ گل جلتی تھی مثلِ شمع، گل پروانہ تھا
گ شکوۂ یاراں غبارِ دل میں پنہاں کردیا ٭ غالب، ایسے گنج کو شایاں یہی ویرانہ تھا

۴۳
ق، قا

بسکہ جوشِ گریہ سے زیر و زبر ویرانہ تھا چاکِ موجِ سَیل، تا پیراہنِ دیوانہ تھا
داغِ مُہرِ ضبطِ بیجا، مستیِ سعیِ سپند دودِ مجمر، لالہ ساں، دُردِ تہِ پیمانہ تھا
وصل میں بختِ سیہ نے سُنبلستاں گل کیا رنگِ شب، تہندیِ دودِ چراغِ خانہ تھا ۵
شب، تری تاثیرِ سحر شعلۂ آواز سے تارِ شمع، آہنگِ مضرابِ پرِ پروانہ تھا
موسمِ گل میں مَۓ گلگوں حلالِ میکشاں عقدِ وصلِ دختِ رز، انگور کا ہر دانہ تھا
انتظارِ جلوۂ کاکل میں ہر شمشادِ باغ صورتِ مژگانِ عاشق، صرفِ عرضِ شانہ تھا
حیرت، اپنے نالۂ بیدرد سے، غفلت بنی راہِ خوابیدہ کو غوغاے جرس افسانہ تھا
کو بوقتِ قتل حقّ آشنائی، اے نگاہ ؟ خنجرِ زہراب دادہ، سبزۂ بیگانہ، تھا ۱۰
جوشِ بے کیفیّتی ھے اضطراب آرا، اسد ورنہ بسمل کا تڑپنا، لغزشِ مستانہ تھا

۴۴
ق قا

کرے، گر حیرتِ نظّارہ، طوفاں نکتہ گوئی کا حَبابِ چشمۂ آئینہ ہووے، بیضہ طوطی کا
بروے قیس، دستِ شرم، ھے مژگانِ آہو سے مگر روزِ عروسی گم ہوا تھا شانہ لیلی کا
فسانِ تیغِ نازکِ قاتلاں، سنگِ جراحت ھے دلِ گرمِ تپش، قاصد ھے پیغامِ تسلّی کا

۲، ق، قا، اے اسد، رویا جو دشت غم میں میں حیرت زدہ ٭ آئنہ خانہ، ھجوم اشك سے ویرانہ تھا۔ ۴ الف، ح، پسند۔
۵ الف، ق، ح، بخت رسا۔ ۸، ق پہلے، انتظار زلف میں شمشاد ھمدست چناو ٭ نقشبند شکل مژگاں از نمود شانہ تھا
۱۱، ق پہلے، کا طپیدن۔

نہیں گرداب جز سرگشتگی ہاے طلب ہرگز | حبابِ بحر کے، ہے، آبلوں میں خار ماہی کا
نیازِ جلوہ ریزی، طاقتِ بالیںِ شکستنہا | تکلف کو خیال آیا ہو گر بیمار پرسی کا
نہ بخشی فرصتِ یک شبنمستاں جلوۂ خور نے | تصور نے کیا ساماں ہزار آئینہ بندی کا
اسد، تاثیرِ صافیہاے حیرت جلوہ پرور ہو | گر آبِ چشمۂ آئینہ دھووے عکس زنگی کا

٤٥

ق، قا

۵ یک گام بیخودی سے لوٹیں بہارِ صحرا | آغوشِ نقشِ پا میں کیجے فشارِ صحرا
وحشت اگر رسا ہے، بیحاصلی ادا ہے | پیمانۂ ہوا ہے، مشتِ غبارِ صحرا
اے آبلے، کرم کر، یاں رنجہ یک قدم کر | اے نورِ چشمِ وحشت، اے یادگارِ صحرا
دل در رکابِ صحرا، خانہ خرابِ صحرا | موجِ سرابِ صحرا، عرضِ خمارِ صحرا
ہر ذرّہ یک دلِ پاک، آئینہ خانہ ہے خاک | تمثالِ شوقِ بیباک، صد جا دوچارِ صحرا
۱۰ دیوانگی اسد کی حسرت کشِ طرب ہے | سر میں ہواے گلشن، دل میں غبارِ صحرا

٤٦

ق

وحشی بن صیّاد نے ہم رمخوردوں کو کیا رام کیا | رشتۂ چاکِ جیبِ دریدہ، صرفِ قماشِ دام کیا
عکسِ رخِ افروختہ تھا تصویر بہ پشتِ آئینہ | شوخ نے وقتِ حسن طرازی تمکیں سے آرام کیا
ساقی نے از بہرِ گریباں چاکی موجِ بادۂ ناب | تارِ نگاہِ سوزنِ مینا، رشتۂ خطّ جام کیا
مہر بجاے نامہ لگائی برلبِ پیکِ نامہ رساں | قاتلِ تمکیں سنج نے یوں خاموشی کا پیغام کیا
۱۵ شامِ فراقِ یار میں جوشِ خیرہ سری سے ہم نے اسد | ماہ کو، در تسبیح کواکب، جاے نشینِ امام کیا

---

٤ ب، ق، ح، ہووے۔ ۷ الف، ق، ح، اک۔ ۹ الف، ح، خانۂ خاک۔ ۱۰ ب، ق، ح، درسر — دردل۔

۵۶

ق

سحرگہ باغ میں وہ حیرتِ گلزار ہو پیدا — اُڑے رنگِ گل، اور آئینۂ دیوار ہو پیدا

بتاں. زہراب اس شدت سے دوپیکانِ ناوک کو — کہ خطِ سبز تا پشتِ لبِ سُوفار ہو پیدا

لگے گر سنگ سر پر، یار کے دستِ نگاریں سے — بجائے زخم، گل بر گوشۂ دستار ہو پیدا

کروں گر عرضِ سنگینیِّ کہسار اپنی بیتابی — رگِ ہر سنگ سے نبضِ دلِ بیمار ہو پیدا

بسنگِ شیشہ توڑوں، ساقیا، پیمانۂ پیماں — اگر ابرِ سیہ مست از سوئے کہسار ہو پیدا ۵

اسد، مایوس مت ہو. گرچہ رونے میں اثر کم ہے — کہ غالب ہے کہ بعد از زاریِ بسیار ہو پیدا

۵۷

حاشیۂ ق، قا

نہ بھولا اضطرابِ دم شماری، انتظار اپنا — کہ آخر شیشۂ ساعت کے کام آیا غبار اپنا

زبس آتش نے فصلِ رنگ میں رنگِ دگر پایا — چراغِ گل سے ڈھونڈھے ہے چمن میں شمع خار اپنا

اسیرِ بیزباں ہوں، کاشکے! صیّادِ بے پروا — بدامِ جوہرِ آئینہ، ہوجاوے شکار اپنا

مگر ہو مانعِ دامن کشی، ذوقِ خود آرائی — ہوا ہے نقشبندِ آئنہ، سنگِ مزار اپنا ۱۰

دریغ! اے ناتوانی، ورنہ ہم ضبط آشنایاں نے — طِلسمِ رنگ میں باندھا تھا عہدِ اُستوار اپنا

اگر آسودگی ہے مُدعائے رنجِ بیتابی — نیازِ گردشِ پیمانۂ مے روزگار اپنا

ب

۵۸

ق، قا

بسکہ ہے میخانہ ویراں، جوں بیابانِ خراب — عکسِ چشمِ آہوئے رمخوردہ ہے، داغِ شراب

---

۸ ب، ح، لط، ڈھونڈھے ہے ۔(سہو کاتب) - ۹ ب، لط، ہوجاوئے - (سہو کاتب) -

۱۰ ب، قا، ہوائے نقشبند - (سہو کاتب) ۱۱، لط ندارد - ۱۲ الف، لط، رنج کوششہا - ب، ق، ح، نثار گردش -

تیرگیِّ ظاہری، ہے طبعِ آگہ کا نشاں — غافلاں، عکسِ سوادِ صفحہ ہے، گردِ کتاب

یک نگاہِ صاف، صد آئینۂ تاثیر ہے — ہے رگِ یاقوت، عکسِ خطِّ جامِ آفتاب

ہے عرق افشاں مَشِی سے، ادہمِ مشکینِ یار — وقتِ شب اختر گنے ہے، چشمِ بیدارِ رکاب

ہے، شفق، سوزِ جگر کی آگ کی بالیدگی — ہر یک اختر ہے فلک پر قطرۂ اشکِ کباب

۵ بسکہ شرمِ عارضِ رنگیں سے حیرت جلوہ ہے — ہے شکستِ رنگِ گل، آئینہ پردازِ نقاب

شب کہ تھا نظّارگی روئے بتاں کا، اے اسد — گرگیا بامِ فلک سے صبح، طشتِ ماہتاب

۵۹

ق، قا

ہے بہاراں میں خزاں حاصل، خیالِ عندلیب — رنگِ گل آتشکدہ ہے زیرِ بالِ عندلیب

عشق کو ہر رنگ شانِ حسن ہے مدِّ نظر — مصرعِ سروِ چمن ہے حسبِ حالِ عندلیب

حیرتِ حسنِ چمن پیرا سے تیرے، رنگِ گل — بسملِ ذوقِ پریدن ہے بیالِ عندلیب

۱۰ عمر میری ہوگئی صرفِ بہارِ حسنِ یار — گردشِ رنگِ چمن ہے ماہ و سالِ عندلیب

منع مت کر حسن کی، ہم کو، پرستش سے کہ ہے — بادۂ نظّارۂ گلشن، حلالِ عندلیب

ہے مگر موقوف بر وقتِ دگر، کارِ اسد — اے شبِ پروانہ و روزِ وصالِ عندلیب

ت

۶۰

ق، حاشیۂ ق، قا

جاتا ہوں جدھر، سب کی اُٹھے ہے اُدھر انگشت — یکدست جہاں مجھ سے پھرا ہے، مگر انگشت

---

۱ الف، ق، ح، طبع موزوں - ۳ الف، قا، آدم (سہو کاتب) - ب، ح، اختر کنی (سہو کاتب) - ۷ الف، ق، ح: خزاں پرور - قا، بہ خبراں، - (سہو کاتب) - ۹ ب، ق پہلے، آہنگ پریدن - قا، بریدن (سہو کاتب) - ۱۲ ب، ق پہلے، صبح وصال - ۱۳ الف، ح، اٹھی (سہو کاتب) -

میں الفت ِ مژگاں میں جو انگشت نما ہوں — لگتی ہے مجھے تیر کے مانند، ہر انگشت

ہر غنچۂ گل، صورت ِ یک قطرۂ خوں ہے — دیکھا ہے کسو کا جو حنابستہ سر انگشت

گرمی ہے زباں کی، سبب ِ سوختن ِ جاں — ہر شمع، شہادت کو ہے یاں سر بسر انگشت

گ خوں دل میں جو میرے نہیں باقی، تو پھر اُس کی — جوں ماہی ِ بے آب، تڑپتی ہے ہر انگشت

شوخی تری کہدیتی ہے احوال ہمارا — رازِ دل ِ صد پارہ کی ہے پردہ در انگشت ۵

کس رتبے میں باریکی و نرمی ہے کہ جوں گل — آتی نہیں پنجے میں بس اُس کے نظر انگشت


۶۱

ق، قا

چشم بند ِ خلق، غیر از نقش ِ خودبینی نہیں — آئنہ ہے قالب ِ خشت ِ در و دیوار ِ دوست

برق ِ خرمن‌زار ِ گوہر ہے، نگاہ ِ تیز، یاں — اشک ہوجاتے ہیں خشک ازگرمی ِ رفتار ِ دوست

ہے سوا نیزے پہ، اُس کے قامت ِ نوخیز سے — آفتاب ِ روز ِ محشر ہے، گل ِ دستار ِ دوست

لغزش ِ مستانہ و جوش ِ تماشا ہے، اسد — آتش ِ مے سے بہار ِ گرمی ِ بازار ِ دوست ۱۰


۶۲

حاشیۂ ق، قا

دو عالم کی ہستی پہ خط ِ فنا کھینچ — دل و دست ِ ارباب ِ ہمت سلامت!

نہیں گر بکام ِ دل ِ خستہ، گردوں — جگرخائی ِ جوش ِ حسرت سلامت!

نہ اوروں کی سنتا، نہ کہتا ہوں اپنی — سر ِ خستہ و شور ِ وحشت سلامت!

---

۱ الف، ق، ح، لط، مژگاں کی محبت میں - قا میں ترتیب اشعار اور ہے - ۲ ب، ق پہلے، خوباں کا جو دیکھا ہے - ح، لط، کسی کا - ۳ ب، ق، لط، ہے شمع شہادت کے لیے سر بسر - ۴ الف، لط، تو ہے اوس کی - اور حاشیے میں لکھا ہے: «حاشیے میں «تو ہے اوس کی» درج ہے لیکن نسخۂ حمیدیہ والوں نے اس کو «توعجب کیا» سمجھا» - عرشی عرض کرتا ہے کہ ق میں «تو پھر اوس کی» ہے، اور یہی الفاظ قا اور گل میں بھی ہیں - لط میں «پھر» کو «ہے» پڑھ لیا گیا ہے - ۵ ب، قا، تڑپتی - ۶ الف، ق، جز تمثال - ۷ قا ندارد - ۸، قا ندارد - ۹ ب، ق، صبح محشر - ۱۰، قا ندارد - ۱۱ الف، ح، وفا (سہو کاتب) - ۱۲ ب، ح، خواہی (سہو کاتب).

وفورِ وفا ہے، ہجومِ بلا ہے ۔۔۔ سلامت ملامت، ملامت سلامت!
نہ فکرِ سلامت، نہ بیمِ ملامت ۔۔۔ زِ خود رفتگیہاے حیرت سلامت!
رہے، غالبؔ خستہ، مغلوبِ گردوں ۔۔۔ یہ کیا بے نیازی ہے، حضرت سلامت؟

ث

۶۳

ق

دودِ شمع کشتۂ گل، بزم سامانی عبث ۔۔۔ یک شبہ آشفتہ نازِ سنبلستانی عبث
ہے، ہوس. محمل بدوشِ شوخیِ ساقیؔ مست ۔۔۔ نشّۂ مے کے تصور میں نگہبانی عبث ۵
باز ماندنہاے مژگاں، ہے یک آغوشِ وداع ۔۔۔ عید، در حیرت سوادِ چشمِ قربانی عبث
جز غبارِ کردہ سیں، آہنگیِ پرواز کو؟ ۔۔۔ بلبلِ تصویر و دعواے پَر افشانی عبث
سر نوشتِ خلق، ہے طغراے عجزِ اختیار ۔۔۔ آرزوہا خار خارِ چینِ پیشانی عبث
جب کہ نقشِ مدعا ہووے نہ جز موجِ سراب ۔۔۔ وادیِ حسرت میں پھر آشفتہ جولانی عبث
۱۰ دستِ برہم سودہ ہے، مژگانِ خوابیدہ، اسدؔ ۔۔۔ اے دل از کفِ دادۂ غفلت، پشیمانی عبث

۶۴

ق، حاشیۂ ق، قا

نازِ لطفِ عشق، با وصفِ توانائی، عبث ۔۔۔ رنگ ہے سنگِ محک، دعواے مینائی عبث
ناخنِ دخلِ عزیزاں، یک قلم ہے نقب زن ۔۔۔ پاسبانیؔ طلسمِ گنجِ تنہائی عبث
محملِ پیمانۂ فرصت ہے بر دوشِ حَباب ۔۔۔ دعویِ دریاکشی و نشّہ پیمائی عبث.
جانِ عاشق حاملِ صد غلبۂ تاثیر ہے ۔۔۔ دل کو، اے بیداد خو، تعلیمِ خارائی عبث

---

۱۱ ب، ح، مہک (سہو کاتب) - ۱۲ ب، ح، کنج (سہو کاتب) - ۱۴ الف، ق پہلے، طبع نالاں - اصلاح، طبع عاشق - موجودہ الفاظ قا کے ہیں - ب، ق، پہلے، اے عاشق کشاں -

۴۷

ق، حاشیۂ ق، قا

کیا کس شوخ نے ناز از سرِ تمکیں نشستن کا؟ — کہ شاخِ گل کا خم، انداز ہے بالیں شکستن کا
نہاں ہے مردمک میں، شوقِ رخسارِ فروزاں سے — سپندِ شعلہ نادیدہ صفت، انداز جستن کا
گدازِ دل کو کرتی ہے، کشودِ چشم، شب پیما — نمک ہے شمع میں، جوں مومِ جادو، خواب بستن کا
نفس در سینہ ہا ے ہمدگر رہتا ہے پیوستہ — نہیں ہے رشتۂ الفت کو اندیشہ گسستن کا
ہوا نے ابر سے کی، موسمِ گل میں، نمدبافی — کہ تھا آئینۂ خور پر تصور زنگ بستن کا ۵
تکلف عافیت میں ہے، دلا، بندِ قبا وا کر — نفس، بعد از وصالِ دوست، تاواں ہے گسستن کا
ہر اشکِ چشم سے یک حلقۂ زنجیر بڑھتا ہے — بہ بندِ گریہ ہے نقش بر آب، اندیشہ رفتن کا
عیادت سے، اسد، میں بیشتر بیمار ہوتا ہوں — سبب ہے ناخنِ دخلِ عزیزاں، سینہ خستن کا

۴۸

ق، قا

شب کہ دل زخمیِ عرضِ دو جہاں تیر آیا — نالہ، برخود غلطِ شوخیِ تاثیر آیا
وسعتِ جیبِ جنونِ تپشِ دل مت پوچھ — محملِ دشت بدوشِ رمِ نخچیر آیا ۱۰
ہے گرفتاریِ نیرنگِ تماشا، ہستی — پرِ طاؤس سے، دل، پاے بزنجیر آیا
دید حیرت کش، و خرشیدِ چراغانِ خیال — عرضِ شبنم سے، چمن، آئنہ تعمیر آیا
عشقِ ترسا بچہ و نازِ شہادت مت پوچھ — کہ کلہ گوشہ، بہ پروازِ پرِ تیر آیا
اے خوشا! ذوقِ تمناے شہادت کہ اسد — بے تکلف بسجودِ خمِ شمشیر آیا

---

۵ الف، ق میں یہ اور اس کے بعد کا شعر غزل نمبر ۲۷ کے تھے۔ غالب نے بعد میں ردیف بدل کر اس غزل میں داخل کرلیے ہیں۔
ب، ق پہلے، خور بے نقاب رنگ بستنہا۔ ۶ الف، قا، عاقبت۔ ب، ق پہلے، نفسہا بعد وصل دوست تاوان گسستنہا
۷ ب، قا، رشتن (سہو کاتب)۔ ۸ الف، ق، رھتا۔ ۱۱ ب، قا، پاے بہ (سہو کاتب)۔

۴۹

ق، قا

سیرِ آں سوے، تماشا ہے طلبگاروں کا
خضر، مشتاق ہے اس دشت کے آواروں کا

سرخطِ بند ہوا، نامہ گنہگاروں کا
خونِ ہد ہد سے لکھا نقش گرفتاروں کا

فردِ آئینہ میں بخشیں شکنِ خندۂ گل
دلِ آزردہ پسند، آئنہ رخساروں کا

داد خواہ تپش، و مُہرِ خموشی بر لب
کاغذِ سرمہ، ہے جامہ ترے بیماروں کا

۵ وحشتِ نالہ، بہ واماندگیِ وحشت ہے
جرسِ قافلہ، یاں دل ہے گرانباروں کا

پھر وہ سوے چمن آتا ہے، خدا خیر کرے!
رنگ اُڑتا ہے گلستاں کے ہواداروں کا

جلوہ مایوس نہیں دل نگرانی، غافل
چشمِ امید ہے، روزن تری دیواروں کا

اسد، اے ہرزہ درا، نالہ بغوغا تاچند
حوصلہ تنگ نکر، بے سبب آزاروں کا

۵۰

ق، قا

عیادت سے زبس ٹوٹا ہے، دلِ یارانِ غمگیں کا
نظر آتا ہے موے شیشہ، رشتہ شمعِ بالیں کا

۱۰ صدا ہے کوہ میں حشر آفریں، اے غفلت اندیشاں
پۓ سنجیدنِ یاراں، ہو حاملِ خوابِ سنگیں کا

بجاے غنچہ و گل، ہے ہجومِ خار و خس، یاں تک
کہ صرفِ بخیۂ دامن ہوا ہے خندہ گلچیں کا

نصیبِ آستیں ہے، حاصلِ روے عرق آگیں
چُنے ہے کہکشاں، خرمن سے مہ کے خوشہ پرویں کا

بوقتِ کعبہ جوئیہا، جرس کرتا ہے ناقوسی
کہ صحرا فصلِ گل میں رشک ہے بتخانۂ چیں کا

تپیدن، دل کو سوزِ عشق میں خوابِ فرامُش ہے
رکھا اِسپند نے مجمر میں پہلو گرم تمکیں کا

۱۵ اسد، اربابِ فطرت قدردانِ لفظ و معنی ہیں
سخن کا بندہ ہوں، لیکن نہیں مشتاقِ تحسیں کا

---

۱۵ الف، ق پہلے، اسد، طرزِ آشنایاں قدردان نکتہ سنجی ہیں۔

۵۱

ق

وردِ اسمِ حق سے، دیدارِ صنم حاصل ہوا — رشتۂ تسبیح، تارِ جادۂ منزل ہوا
محتسب سے تنگ ہے، از بسکہ کارِ میکشاں — رز میں جو انگور نکلا، عقدۂ مشکل ہوا
قیس نے از بسکہ کی سیرِ گریبانِ نفس — یک دو چیں دامانِ صحرا، پردۂ محمل ہوا
وقتِ شب اُس شمع رو کے شعلۂ آواز پر — گوشِ نسریں عارضاں، پروانۂ محفل ہوا
عیب کا دریافت کرنا ہے ہنرمندی، اسدؔ — نقص پر اپنے ہوا جو مطّلع، کامل ہوا ۵

۵۲

ق

ہے تنگ زِ واماندہ شدن، حوصلۂ پا — جو اشک گرا خاک میں، ہے آبلۂ پا
سر منزلِ ہستی سے ہے، صحرائے طلب دور — جو خط ہے کفِ پا پہ، سو ہے سلسلۂ پا
دیدار طلب ہے دلِ واماند، کہ آخر — نوکِ سرِ مژگاں سے رقم ہو گلۂ پا
آیا نہ بیابانِ طلب گامِ زباں تک — تبخالۂ لب ہو نہ سکا آبلۂ پا
فریاد سے پیدا ہے، اسدؔ، گرمیِ وحشت — تبخالۂ لب ہے جرسِ آبلۂ پا ۱۰

۵۳

ق

بسکہ عاجز نارسائی سے کبوتر ہوگیا — صفحۂ نامہ، غلافِ بالشِ پر ہوگیا
صورتِ دیبا تپش سے میری، غرقِ خوں ہے آج — خارِ پیراہن، رگِ بستر کو نشتر ہوگیا

---

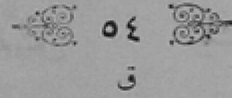
۱۲ ب، ح، رنگ نستر (سہو کاتب) ۔

بسکہ آئینے نے پایا گرمیِ رخ سے گداز — دامنِ تمثال، مثلِ برگِ گل، تر ہوگیا

شعلہ رخسارا، تحیّر سے تری رفتار کے — خارِ شمعِ آئنہ، آتش میں جوہر ہوگیا

بسکہ وقتِ گریہ نکلا تیرہ کاری کا غبار — دامنِ آلودۂ عصیاں گراں تر ہوگیا

حیرتِ اندازِ رہبر ہے عناں گیر، اے اسد — نقشِ پاے خضر، یاں، سدِّ سکندر ہوگیا



ق

٥ گرفتاری میں، فرمانِ خطِ تقدیر ہے پیدا — کہ طوقِ قمری از ہر حلقۂ زنجیر ہے پیدا

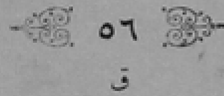
زمیں کو صفحۂ گلشن بنایا خونچکانی نے — چمن بالیدنیہا، از رمِ نخچیر ہے پیدا

مگر وہ شوخ ہے طوفاں طرازِ شوقِ خونریزی — کہ در بحرِ کماں بالیدہ موجِ تیر ہے پیدا

نہیں ہے کفِ لبِ نازک پہ فرطِ نشّۂ مے سے — لطافتہاے جوشِ حسن کا سرشیر ہے پیدا

عروجِ نا امیدی، چشمِ زخمِ چرخ کیا جانے؟ — بہارِ بیخزاں، از آہِ بے تاثیر ہے پیدا

١٠ اسد، جس شوق سے ذرّے تپش فرسا ہوں روزن میں — جراحتہاے دل سے، جوہرِ شمشیر ہے پیدا



ق

بہ مُہرِ نامہ جو بوسہ گلِ پیام رہا — ہمارا کام ہوا، اور تمہارا نام رہا

ہوا نہ مجھ سے بجز درد، حاصلِ صیاد — بسانِ اشک، گرفتارِ چشم دام رہا

دل و جگر تفِ فرقت سے جل کے خاک ہوے — ولے ہنوز خیالِ وصال خام رہا

شکستِ رنگ کی لائی سحر، شبِ سنبل — پہ زلفِ یار کا افسانہ ناتمام رہا

١٥ دہانِ تنگ مجھے کس کا یاد آیا تھا؟ — کہ شب خیال میں بوسوں کا ازدحام رہا

نہ پوچھ حال شب و روزِ ہجر کا، غالب — خیالِ زلف و رخِ دوست، صبح و شام رہا

---

١١ ح میں لکھا ہے کہ ق میں اس غزل کی ردیف "ہوا" ہے۔

١٥ ب، ح، اژدھام (سہو کاتب) ۔

یک نگاہِ گرم ہے، جوں شمع، سرتا پا گداز — بہرِ از خود رفتگاں، رنجِ خود آرائی عبث

گ قیس بھاگا شہر سے،شرمندہ ہو کر، سوے دشت ٭ بن گیا تقلید سے میری، یہ، سودائی عبث

اے اسد، بیجا ہے نازِ سجدۂ عرضِ نیاز — عالمِ تسلیم میں یہ دعوی آرائی عبث

ج

٦٥

ق، حاشیۂ ق، قا

گ معزولیِ تپش ہوئی، افراطِ انتظار — چشمِ کشودہ، حلقۂ بیرونِ در ہے آج

حیرت فروشِ صد نگرانی ہے، اضطرار — ہر رشتہ چاکِ جیب کا، تارِ نظر ہے آج ٥

ہوں داغِ نیمرنگیِ شامِ وصالِ یار — نورِ چراغِ بزم سے جوشِ سحر ہے آج

کرتی ہے عاجزی سفرِ سوختن، تمام ٭ پیراہنِ خسک میں غبارِ شرر ہے آج

تا صبح ہے بمنزلِ مقصد رسیدنی — دودِ چراغِ خانہ، غبارِ سفر ہے آج

دور اوفتادۂ چمنِ فکر ہے، اسد — مرغِ خیال، بلبلِ بے بال و پر ہے آج

٦٦

ق، قا

جنبشِ ہر برگ سے، ہے گل کے لب کو اختلاج — حبِّ شبنم سے صبا ہر صبح کرتی ہے علاج ١٠

شاخِ گل جنبش میں ہے،گہوارہ آسا، ہر نفس — طفلِ شوخِ غنچۂ گل، بسکہ، ہے وحشی مزاج

سیرِ ملکِ حسن کر، میخانہھا نذرِ خمار — چشمِ مستِ یار سے، ہے گردنِ مینا پہ باج

گریہھاے بیدلاں، گنجِ شرر در آستیں — قہرمانِ عشق میں،حسرت سے لیتے ہیں خراج

---

١ ب، ق، پہلے «ناز» بجاے رنج. مگر مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا. ٤، قا میں ترتیب اشعار بدلی ہوئی ہے - ب، ق، قا، کشادہ - موجودہ لفظ گل کا ہے - ٥ ب، ح، سررشتہ (سہو کاتب) - ٧ الف، ق پہلے، بیتابی نے کیا سفر - ١٠ الف، ق، گل برگ - ١١ ب، ح، وحشت مزاج -

ہے سوادِ چشمِ قربانی میں یک عالم مقیم
حسرتِ فرصت جہاں دیتی ہے حیرت کو رواج

اے اسد، ہے مستعدِّ شانۂ گیسو شدن
پنجۂ مژگاں بخود بالیدنی رکھتا ہے آج

چ

٦٧

ق

نہ کہہ کہ طاقتِ رسوائیِ وصال نہیں
اگر یہی عرقِ فتنہ ہے، مکرّر کھینچ

جنونِ آئنہ، مشتاقِ یک تماشا ہے
ہمارے صفحے پہ بالِ پری سے مسطر کھینچ

٥ خمارِ منّتِ ساقی اگر یہی ہے، اسد
دلِ گداختہ کے میکدے میں ساغر کھینچ

٦٨

ق، قا

بیدل، نہ نازِ وحشتِ جیبِ دریدہ کھینچ
جوں بوے غنچہ، یک نفسِ آرمیدہ کھینچ

یک مشتِ خوں ہے، پرتوِ خور سے، تمام دشت
دردِ طلب بہ آبلۂ نادمیدہ کھینچ

پیچیدگی، ہے حاملِ طومارِ انتظار
پاے نظر بدامنِ شوقِ دویدہ کھینچ

برقِ بہار سے ہوں میں پادرحنا ہنوز
اے خارِ دشت، دامنِ شوقِ رمیدہ کھینچ

١٠ بیخود بلطفِ چشمکِ عبرت ہے، چشمِ صید
یک داغِ حسرتِ نفسِ ناکشیدہ کھینچ

بزمِ نظر ہیں بیضۂ طاؤسِ خلوتاں
فرشِ طربِ بگلشنِ ناآفریدہ کھینچ

دریا بساطِ دعوتِ سیلاب ہے، اسد
ساغر بیارگاہِ دماغِ رسیدہ کھینچ

---

١ ب، ق، فرصت نے بخشا بس کہ۔ ٢ الف، ق پہلے، شانہ گشتن بہر زلف۔ اس کے نیچے «گیسو شدن» بنایا۔ مگر مرتب ح نے اس اصلاح کا ذکر نہیں کیا۔ ٣، قا میں ورق ٢٦ کے بعد کا ایک ورق ضائع ہوگیا ہے، اس لیے یہ تینوں شعر اس میں نہیں ہیں۔ مگر اس غزل کے مطلع کا پہلا لفظ «نفس» ورق ٢٦ ب کے نیچے حاشیے میں بطور رکاب موجود ہے۔

٦٩

ق، قا

قطعِ سفرِ ہستی و آرامِ فنا ہیچ — رفتار نہیں بیشتر از لغزشِ پا ہیچ

حیرت ہمہ اسرار، پہ مجبورِ خموشی — ہستی نہیں جز بستنِ پیمانِ وفا ہیچ

تمثال گداز آئنہ، ہے عبرتِ بینش — نظّارہ تحیّر، چمنستانِ بقا ہیچ

گلزارِ دمیدن، شررستانِ رمیدن — فرصت تپش، وحوصلۂ نشوونما ہیچ

آہنگ عدم نالہ بکہسارِ گرو ہے — ہستی میں نہیں شوخیِ ایجادِ صدا ہیچ ٥

کس بات پہ مغرور ہے، اے عجزِ تمنا؟ — سامانِ دعا وحشت، و تاثیرِ دعا ہیچ

آہنگِ اسدؔ میں نہیں جز نغمۂ بیدل — «عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ»

ح

۷۰

ق

دعویِ عشقِ بتاں سے بگلستاں گل و صبح — ہیں رقیبانہ بہم دست و گریباں گل و صبح

ساقِ گلرنگ سے، اور آئنۂ زانو سے — جامہ زیبوں کے،سدا ہیں، تہِ داماں گل و صبح

وصلِ آئینہ رخاں، ہمنفسِ یک دیگر — ہیں دعاہا ے سحرگاہ سے خواہاں گل و صبح ١٠

آئنہ خانہ ہے صحنِ چمنستاں یکسر — بسکہ ہیں بیخود و وارفتہ و حیراں گل و صبح

زندگانی نہیں بیش از نفسِ چند، اسد — غفلت آرامیِ یاراں پہ ہیں خنداں گل و صبح

د

۷۱

ق، قا

بکامِ دل کریں، کس طرح گمرہاں، فریاد؟ — ہوئی ہے، لغزشِ پا، لکنتِ زباں، فریاد![1]

---

۱ الف، قا؛ آرام و فنا (سہو کاتب) -

۱—یہ مطلع اور اگلا شعر دونوں قا سے ساقط ہیں -

کمالِ بندگیِ گل ہے رہنِ آزادی ز دستِ مشتِ پر و خارِ آشیاں فریاد!
نوازشِ نَفَسِ آشنا کہاں؟ ورنہ برنگِ نَے ہے نہاں در ہر اُستُخواں فریاد
تغافل، آئنہ دارِ خموشیِ دل ہے ہوئی ہے محو بتقریبِ امتحاں فریاد
ہلاکِ بیخبری، نغمۂ وجود و عدم جہان و اہلِ جہاں سے، جہاں جہاں فریاد!
۵ جوابِ سنگدلیہاے دشمناں، ہمت ز دستِ شیشہ دلیہاے دوستاں فریاد!
ہزار آفت و یک جانِ بے نواے اسد خدا کے واسطے، اے شاہِ بیکساں، فریاد!

۷۲

ق، حاشیۂ ق، قا

تھی، نگہ میری نہانخانۂ دل کی نَقّاب ٭ بے خطر جیتے ہیں اربابِ ریا میرے بعد[۱]
تھا میں گلدستۂ احباب کی بندش کی گیاہ متفرق ہوے میرے رُفقا میرے بعد

۷۳

ق

بسکہ وہ پا کوبیاں در پردۂ وحشت ہیں یاد ہے غلافِ دَفچۂ خُرشید، ہر یک گِرد باد
۱۰ طرفہ موزونی ہے صرفِ جنگ جوئیہاے یار ہے سرِ مصراعِ صافِ تیغ، خنجر، مستزاد
ہاتھ آیا زخمِ تیغِ یار سا پہلو نشیں کیوں نہ ہووے آج کے دن بیکسی کی روح، شاد؟
کیجیے آہوے خُتن کو خضرِ صحراے طلب مشک ہے سُنبُلستانِ زلف، میں، گردِ سواد
ہم نے سَو زخمِ جگر پر بھی زباں پیدا نکی گل ہوا ہے ایک زخمِ سینہ پر خواہانِ داد
بسکہ ہیں در پردہ مصروفِ سیہ کاری تمام آستر ہے خِرقۂ زُہّاد کا، صوفِ مداد
۱۵ تیغ در کف، کف بلب آتا ہے قاتل اس طرف مژدہ باد، اے آرزوے مرگِ غالب، مژدہ باد!

---

۵ ب، ق بجاے، ز دست شیشگی طبع . اصلاح، شیشۂ دلہاے موجودہ الفاظ قا کے ہیں ۔ ۷، قا میں ترتیب اشعار مختلف ہے ۔

۱ــفارسی میں کہا ہے: نگہم نقب بگنجینۂ دلہا میزد ٭ مژدہ باد اہل ریا را کہ ز میدان رفتم ۔ کلیات فارسی: ۳۰۹

٧٤

ق

تو پست فطرت اور خیالِ بسا بُلند — اے طفلِ خود معاملہ، قد سے عصا بلند!

ویرانیے، جز آمد و رفتِ نَفَس نہیں — ہے کوچہ ہاے نے میں، غبارِ صدا، بلند

رکھتا ہے انتظارِ تماشاے حسنِ دوست — مژگانِ بازماندہ سے، دستِ دعا، بلند

موقوف کیجیے یہ تکلف نگاریاں — ہوتا ہے، ورنہ، شعلۂ رنگِ حنا بلند ٥

قربانِ اوج ریزیِ چشمِ حیا پرست — یك آسماں ہے، مرتبۂ پشتِ پا، بلند

ہے، دلبری، کمینگرِ ایجادِ یك نگاہ — کارِ بہانہ جوئیِ چشمِ حیا بلند!

بالیدگیِ نیازِ قدِ جانفزا، اسد — در ہر نَفَس بقدرِ نَفَس ہے، قبا، بلند

٧٥

ق

حسرتِ دستگہ و پاے تحمّل تا چند؟ — رگِ گردن، خطِ پیمانۂ بے مُل تا چند؟

ہے گلیمِ سیہ بختِ پریشاں، کاکل — موئنہ بافتنِ ریشۂ سنبل تا چند؟ ١٠

کوکبِ بخت، بجز روزنِ پُردود نہیں — عینكِ چشمِ جنوں، حلقۂ کاکل تا چند؟

چشم بے خونِ دل، و دل تہی از جوشِ نگاہ — بزباں عرضِ فسونِ ہوسِ گل تا چند؟

بزم داغِ طرب، و باغ کشادِ پرِ رنگ — شمع و گل تا کے؟ و پروانہ و بلبل تا چند؟

نالہ دامِ ہوس، و دردِ اسیری معلوم — شرحِ برخود غلطیہاے تحمّل تا چند؟

جوہرِ آئنہ، فکرِ سخن، موے دماغ — عرضِ حسرت، پسِ زانوے تامّل تا چند؟

سادگی، ہے عدمِ قدرتِ ایجادِ غنا — ناکسی، آئنۂ نازِ توکل تا چند؟ ١٥

اسد خستہ، گرفتارِ دو عالم اوہام — مشکل آساں کنِ یك خلق، تغافل تا چند؟

ر

۷۶

ق، حاشیۂ ق، قا

بسکہ مائل ھے وہ رشکِ ماھتاب آئینے پر — ھے نَفَس، تارِ شعاعِ آفتاب، آئینے پر
باز گشتِ جادہ پیمائے رہِ حیرت کہاں؟ — غافلاں، غش جان کر، چھڑکے ھیں آب آئینے پر
بدگماں کرتی ھے عاشق کو خود آرائی تری — بیدلوں کو ھے براتِ اضطراب آئینے پر
نازِ خود بینی کے باعث، مجرمِ صد بیگناہ — جوھرِ شمشیر کو ھے پیچ تاب آئینے پر
۵ مدعی، میری صفائے دل سے ھوتا ھے خَجِل — ھے تماشا، زشت رویوں کا عتاب آئینے پر
سَدِّ اسکندر بنے بہرِ نگاہِ گلرخاں — گر کرے یوں امر، نہیِ بوتراب، آئینے پر
دل کو توڑا جوشِ بیتابی سے، غالب، کیا کیا؟ — رکھ دیا پہلو بوقتِ اضطراب آئینے پر؟

۷۷

ق، قا

دلِ خونیں جگر بے صبر، و فیضِ عشق مستغنی — الٰہی، یک قیامت خاور آ ٹوٹے بدخشاں پر

۷۸

ق، قا

خطِ نوخیز، نیلِ چشم زخمِ صافیِ عارض — لیا آئینے نے حرزِ پرِ طوطی بچنگ، آخر
۱۰ ھلال آسا تہی رہ، گر کشادنہاے دل چاھے — ھوا، مہ، کثرتِ سرمایہ اندوزی سے تنگ، آخر
تڑپ کر مر گیا وہ صیدِ بال افشاں کہ مضطر تھا — ھوا ناسورِ چشمِ تعزیت، زخمِ خدنگ، آخر

---

۴ الف، ق، خونی صد - ب، ق، ح، پیچ و تاب - ۶ الف، ق، ح، ھو از بہر - ۱۱ ب، ق، ح، چشم خدنگ - (سہو کاتب)

لکھی یاروں کی بدمستی نے میخانے کی پامالی ہوئی قطرہ فشانیہاے مے باران سنگ، آخر
اسد، پیری میں بھی آہنگِ شوقِ یار قائم ہے نہیں ہے نغمے سے خالی، خمیدنہاے چنگ، آخر

۷۹

ق، قا

بینش، بسعیِ ضبطِ جنوں، نوبہار تر دل، در گدازِ نالہ، نگہ آبیار تر
قاتل بعزمِ ناز، و دل از زخم در گداز شمشیر آبدار، و نگہ آبدار تر
ہے کسوتِ عروجِ تغافل، کمالِ حسن چشمِ سیہ، بہ برگِ نگہ، سوگوار تر ۵
سعیِ خرام، کاوشِ ایجادِ جلوہ ہے جوشِ چکیدنِ عرق، آئینہ کار تر
ہر گرد باد، حلقۂ فتراکِ بیخودی مجنونِ دشتِ عشق، تحیر شکار تر
اے چرخ، خاک بر سرِ تعمیرِ کائنات لیکن بناے عہدِ وفا اُستُوار تر
سمجھا ہوا ہوں عشق میں نقصاں کو فائدہ جتنا کہ نا امّید تر، امیدوار تر
آئینہ داغِ حیرت، و حیرت شکنجِ یاس سیماب بیقرار، و اسد بیقرار تر ۱۰

۸۰

ق، قا

دیا یاروں نے بیہوشی میں درماں کا فریب، آخر ہوا، سکتے سے، میں آئینۂ دستِ طبیب، آخر
رگِ گل، جادۂ تارِ نگہ سے حد موافق ہے ملیں گے منزلِ الفت میں ہم اور عندلیب، آخر
غرورِ ضبط، وقتِ نزع ٹوٹا بیقراری سے نیازِ پرفشانی ہوگیا صبر و شکیب، آخر
اسد کی طرح میری بھی، بغیر از صبح رخساراں ہوئی شامِ جوانی، اے دلِ حسرت نصیب، آخر

---

۲ الف، ح، پردے میں (سہوِ کاتب) ۔ ۳ ب، ح، بکاہ ۔ ۱۳ الف، ق، ح، لط، بیقرارانہ ۔ ب، ق، ح، لط، نیاز بال افشانی ہوا ۔

۸۱

ق، قا

فسونِ یکدلی ہے لذّتِ بیداد دشمن پر	کہ وجدِ برق، جوں پروانہ، بال افشاں ہے خرمن پر
تکلف، خار خارِ التماسِ بیقراری ہے	کہ رشتہ باندھتا ہے پیرہن انگشتِ سوزن پر
یہ کیا وحشت ہے؟ اے دیوانے، پیش از مرگ واویلا	رکھی بیجا بنائے خانۂ زنجیر شیون پر

۸۲

ق

شیشۂ آتشیں، رخِ پُر نور	عرق از خط چکیدہ، روغنِ مور
بسکہ ہوں بعدِ مرگ بھی نگراں	مردمک سے ہے خال بر لبِ گور
بار لائی ہے دانہ ہائے سرشک	مژہ، ہے ریشۂ رزِ انگور
ظلم کرنا گدائے عاشق پر	نہیں شاہانِ حسن کا دستور
دوستو، مجھ ستم رسیدہ سے	دشمنی ہے، وصال کا مذکور
زندگانی پہ اعتماد غلط	ہے کہاں قیصر اور کہاں فغفور؟
کیجیے، جوں اشک، اور قطرہ زنی	اے اسد، ہے ہنوز دلّی دور

(۵ ، ۱۰ line numbers in margin)

ز

۸۳

ق

بیگانۂ وفا ہے ہوائے چمن ہنوز	وہ سبزہ سنگ پر نہ اُگا، کوہکن، ہنوز
یارب، یہ دردمند ہے کس کی نگاہ کا؟	ہے ربطِ مشک و داغِ سوادِ ختن ہنوز

---

۱ ب، ق، چوں۔ ۶ الف، ح، لاتی ہے۔ ب، ح، مژہ سے۔ (سہو کاتب)۔

جوں جادہ، سر بکوے تمناے بیدلی — زنجیرِ پا ہے رشتۂ حُبّ الوطن ہنوز

میں دورگردِ قربِ بساطِ نگاہ تھا — بیرونِ دل نہ تھی تپشِ انجمن ہنوز

تھا مجھ کو خارِ خارِ جنونِ وفا، اسد — سُوزن میں تھا نہُفتہ گُلِ پیرہن ہنوز



۸۴

ق، قا

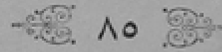
میں ہوں سرابِ یک تپش آموختن ہنوز — زخمِ جگر ہے تشنۂ لب دوختن ہنوز

اے شعلہ، فرصتے کہ سُوَیداے دل سے ہوں — کِشتِ سپندِ صد جگر اندوختن ہنوز ۵

فانوسِ شمع ہے کفنِ کشتگانِ شوق — در پردہ ہے معاملۂ سوختن ہنوز

مجنوں، فسونِ شعلہ خرامی فسانہ ہے — ہے شمعِ جادہ، داغِ نیفروختن ہنوز

کُو یک شرر؟ کہ سازِ چراغاں کروں، اسد — بزمِ طرب ہے پردگیِ سوختن ہنوز



۸۵

ق، حاشیۂ ق، قا

فریبِ صنعتِ ایجاد کا تماشا دیکھ — نگاہ عکس فروش، و خیال آئنہ ساز

ہنوز، اے اثرِ دید، ننگِ رسوائی — نگاہ فتنہ خرام، و درِ دو عالم باز ۱۰

زِ بس کہ جلوۂ صیّاد حیرت آرا ہے — اُڑی ہے صفحۂ خاطر سے صورتِ پرواز

ہجومِ فکر سے دل مثلِ موج لرزاں ہے — کہ شیشہ نازک، و صہبا ہے آبگینہ گداز

اسد سے ترکِ وفا کا گماں وہ معنی ہے — کہ کھینچیے پرِ طائر سے صورتِ پرواز

---

۴ و ۶ و ۷، قا ندارد۔ ۵ الف، ق "شعلہ" ندارد۔ مگر مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا۔ ۸ الف، لط، گو یک۔ (سہو کاتب)۔ ۱۲ الف، ق، ح، لط، لرزے۔ ب، ق، ح، لط، صہباے۔ ۱۳، ق میں اس پر "لا" لکھ کر دوسرا مقطع بہم پہنچایا ہے، جو نواے سروش میں آرہا ہے۔

۸۶

ق، قا

داغِ اطفال ہے دیوانہ بکہسار ہنوز
خلوتِ سنگ میں ہے نالہ طلبگار ہنوز

خانہ ہے، سَیل سے، خُوکردۂ دیدار ہنوز
دوربیں در زدہ ہے رخنۂ دیوار ہنوز

آئی یك عمر سے معذورِ تماشا نرگس
چشمِ شبنم میں نہ ٹوٹا مژۂ خار ہنوز

کیوں ہوا تھا طرفِ آبلۂ پا، یارب؟
جادہ، ہے واشدنِ پیچشِ طومار ہنوز

۵ ہوں خموشی چمنِ حسرتِ دیدار، اسد
مژہ ہے شانہ‌کشِ طرّۂ گفتار ہنوز

۸۷

ق، قا

حسنِ خودآرا کو ہے مشقِ تغافل ہنوز
ہے کفِ مَشّاطہ میں آئنۂ گل ہنوز

سادگیِ یك خَیال، شوخیِ صد رنگ نقش
حیرتِ آئینہ ہے جَیبِ تأمّل ہنوز

سادہ و پُرکارتر، غافل و ہشیارتر
مانگے ہے شمشاد سے شانۂ سنبل ہنوز

ساقی و تعلیمِ رنج، محفل و تمکیں گراں
سَیلیِ اُستاد ہے ساغرِ بے مُل ہنوز

۱۰ شُغلِ ہوس در نظر، لیك حیا بیخبر
شاخِ گلِ نغمہ ہے، نالۂ بلبل، ہنوز

دل کی صدائے شکست سازِ طرب ہے، اسد
شیشۂ بے بادہ سے چاہے ہے قلقل ہنوز

۸۸

ق، قا

چاكِ گریباں کو ہے ربطِ تأمّل ہنوز
غنچے میں دلتنگ ہے، حوصلۂ گل، ہنوز

دل میں ہے، سودائے زلف، مستِ تغافل ہنوز
ہے مژۂ خوابناك ریشۂ سنبل ہنوز

---

۴ الف، لط، طرب آبلہ - (سہو کاتب) - ۵ ب، قا، مز (سہو کاتب) - نیز دوسری جگہوں پر بھی یہی املا اختیار کیا ہے -

پرورش نالہ ہے وحشتِ پرواز سے
ہے تہِ بالِ پری بیضۂ بلبل ہنوز

عشق کمینگاہِ درد، وحشتِ دل دورگرد
دام تہِ سبزہ ہے، حلقۂ کاکل، ہنوز

لذتِ تقریرِ عشق، پردگیِ گوشِ دل
جوہرِ افسانہ ہے عرضِ تجمل ہنوز

آئنۂ امتحاں، نذرِ تغافل، اسد
شش جہت اسباب ہے وہمِ توکل ہنوز

۸۹

ق، قا

کُو بیابانِ تمنا و کجا جَولانِ عجز؟
آبلے پا کے، ہیں یاں رفتار کو دندانِ عجز ۵

ہو قبولِ کم نگاہی، تحفۂ اہلِ نیاز
اے دل‌وا‌ے جانِ ناز، اے دین‌وا‌ے ایمانِ عجز

بوسۂ پا، انتخابِ بدگمانیہاے حسن
یاں ہجومِ عجز سے تا سجدہ ہے جَولانِ عجز

حسن کو غنچوں سے ہے پوشیدہ چشمیہاے ناز
عشق نے واکی ہے ہر یک خار سے مژگانِ عجز

اضطرابِ نارسائی، مایۂ شرمندگی
ہے عرق ریزیِ خجلت، جوششِ طوفانِ عجز

وہ جہاں مسندنشینِ بارگاہِ ناز ہو
قامتِ خوباں، ہو محرابِ نیازستانِ عجز ۱۰

بسکہ بے پایاں ہے صحراے محبت، اے اسد
گِرد باد اس راہ کا، ہے عقدۂ پیمانِ عجز

۹۰

ق، قا

نہ بندھا تھا بعدم نقشِ دلِ مور ہنوز
تب سے ہے یاں دہنِ یار کا مذکور ہنوز

سبزہ ہے نوکِ زبانِ دہنِ گور ہنوز
حسرتِ عرضِ تمنا میں ہوں رنجور ہنوز

صد تجلی کدہ ہے صرفِ جبینِ غربت
پیرہن میں ہے غبارِ شررِ طور ہنوز

زخمِ دل میں ہے نہاں غنچۂ پیکانِ نگار
جلوۂ باغ ہے در پردۂ ناسور ہنوز ۱۵

---

۳ ب، ح: تحمل - ۸ ب، ح، د، ہ، ندارد (سہو کاتب) - ۹ الف، ق پہلے، موجد شرمندگی - مگر مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا۔

پا پُر از آبلہ راہِ طلبِ مے میں ہوا — ہاتھ آیا نہیں یك دانۂ انگور ہنوز

گل کھلے، غنچے چٹکنے لگے اور صبح ہوئی — سرخوشِ خوابِ ہے وہ نرگسِ مخمور ہنوز

اے اسد، تیرگیِ بختِ سیہ ظاہر ہے — نظر آتی نہیں صبحِ شبِ دیجور ہنوز

س

۹۱

ق. قا

حاصلِ دلبستگی ہے عمرِ کوتہ اور بس — وقفِ عرضِ عُقدہ ہاے متصل تارِ نفس

۵ کیوں نہ طوطیِّ طبیعت نغمہ پیرائی کرے — باندھتا ہے، رنگِ گل، آئینہ تا چاكِ قفس

اے ادافہماں، صدا ہے تنگیِ فرصت سے خوں — ہے بصحراے تحیّر، چشمِ قربانی، جرس

تیزتر ہوتا ہے خشمِ تندخویاں عجز سے — ہے رگِ سنگِ فسانِ تیغِ شعلہ، خار و خس

سختیِ راہِ محبت، منعِ دخلِ غیر ہے — پیچ تابِ جادہ، ہے یاں جوہرِ تیغِ عسس

اے اسد، ہم خود اسیرِ رنگ و بوے باغ ہیں — ظاہرا، صیادِ ناداں ہے گرفتارِ ہوس

۹۲

ق قا

۱۰ دشتِ الفت میں ہے خاكِ کشتگاں محبوس و بس — پیچ تابِ جادہ، ہے خطِّ کفِ افسوس و بس

نیم رنگیہاے شمعِ محفلِ خوباں سے ہے — پیچكِ مہ،صرفِ چاكِ پردۂ فانوس و بس

ہے تصور میں نہاں سرمایۂ صد گلستاں — کاسۂ زانو، ہے مجھ کو بیضۂ طاؤس و بس

کفر ہے، غیر از وفورِ شوق، رہبر ڈھونڈھنا — راہِ صحراے حرم میں ہے،جرس،ناقوس و بس

یك جہاں گل ،تختۂ مشق شگفتن ہے، اسد — غنچۂ خاطر رہا افسردگی مانوس و بس

---

۲ الف، قا، غنچہ (سہو کاتب) - ۴ ب، قا، عقدہاے - ۵ ب، ح، بر چاك - ۸ ب، ق، ح، پیچ و تاب - ۹ الف، ق، خود ہم - ۱۰ ق، ح، پیچ و تاب - ۱۳ الف، ق پہلے، گداز شوق، رہبر خواستن - ۱۴ الف، ق پہلے - اے اسد، گل تختۂ مشق شگفتن ہوگئے -

۹۳

ق، قا

کرتا ہے، بیادِ بتِ رنگیں، دلِ مایوس
رنگ ز نظر رفتہ، حنائے کفِ افسوس

تھا خواب میں کیا جلوہ پرستارِ زلیخا؟
ہے بالشِ دل سوختگاں میں، پرِ طاؤس

حیرت سے ترے جلوے کی، ازبسکہ، ہیں بیکار
خور، قطرۂ شبنم میں ہے، جوں شمع بفانوس

دریافتنِ صحبتِ اغیار غرض ہے
اے نامہ رساں، نامہ رساں چاہیے جاسوس

ہے مشق، اسد، دستگہِ وصل کی منظور
ہوں خاک نشیں از پئے ادراکِ قدمبوس ۵

۹۴

حاشیۂ ق، قا

کب فقیروں کو رسائی بُتِ میخوار کے پاس؟ ٭ تونبے بودیجیے میخانے کی دیوار کے پاس

ش

۹۵

ق، قا

ہوئی ہے بسکہ صرفِ مشقِ تمکینِ بہار، آتش
بانداز حنا، ہے رونقِ دستِ چنار آتش

شرر، ہے رنگ، بعد اظہارِ تابِ جلوۂ تمکیں
کرے ہے سنگ پر، خُرشید، آبِ روئے کار آتش

گدازِ موم ہے افسونِ ربطِ پیکر آرائی
نکالے کب، نہالِ شمع، بے تخمِ شرار آتش

---

۲ الف، ق، جلوہ نظر جوش۔ ۳ الف، ق، سے رخ دوست کی۔ ۷ الف، ق، پہلے، ز جوش اعتدال فصل۔ لط سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلاح حاشیے میں کی گئی ہے۔ ۹ الف، ق، نپاوے بے گداز موم ربط پیکر افسوں۔ لط میں حاشیہ ہے: "اس شعر میں "نپاوے بے" کو کاٹ دیا گیا ہے، لیکن کوئی تصحیح نہیں کی گئی۔ لفظ "افسوں" کو نسخۂ حمیدیہ والوں نے "آرائے" لکھ دیا ہے"۔ ب، ق، ح، نکالے کیا۔ لط میں حاشیہ ہے: "متن میں مصرع پہلے یونہی لکھا گیا، لیکن کسی نے "نکالے" کے بعد لفظ "کیا" لکھ دیا اور "از" کو کاٹ کر "بے" بنا دیا ہے"۔

خیالِ دود، تھا سرجوشِ سودائے غلط فہمی — اگر رکھتی نہ خاکسترنشینی کا غبار، آتش

ہوائے پرفشانی، برقِ خرمنہائے خاطر ہے — بہ بالِ شعلۂ بیتاب ہے پروانہ زار، آتش

نہیں، برق و شرر، جز وحشت و ضبطِ تپید نہا — بلا گردانِ بے پروا خرامیہائے یار، آتش

دھویں سے آگ کے، اک ابرِ دریا بار ہو پیدا — اسد، حیدر پرستوں سے اگر ہووے دوچار آتش

۹۲

ق، قا

۵ باقلیمِ سخن ہے جلوۂ گردِ سواد، آتش — کہ ہے، دودِ چراغاں سے، ہیولائے مداد آتش

اگر مضمونِ خاکستر کرے دیباچہ آرائی — نہ باندھے شعلۂ جوّالہ غیر از گردِ باد، آتش

کرے ہے لطفِ اندازِ برہنہ گوئیِ خوباں — بتقریبِ نگارشہائے سطرِ شعلہ یاد، آتش

دیا داغِ جگر کو آہ نے سامان شگفتن کا — ہو بالیدہ، غیر از جنبشِ دامانِ باد، آتش

اسد، قدرت سے حیدر کی، ہوئی ہر گبر و ترسا کو — شرارِ سنگِ بت، بہرِ بنائے اعتقاد، آتش

ع

۹۷

ق، قا

۱۰ شمع سے ہے، بزم، انگشتِ تحیّر در دہن — شعلۂ آوازِ خوباں پر، بہنگامِ سماع

جوں پرِ طاؤس، جوہر، تختہ مشقِ رنگ ہے — بسکہ ہے وہ قبلۂ آئینہ محوِ اختراع

رنجشِ حیرت سرشتاں، سینہ صافی پیشکش — جوہرِ آئینہ ہے یاں، گردِ میدانِ نزاع

---

۱ الف، لط، خیال دور - (سہو کاتب) - ۲ الف، لط، خاطر سے - (سہو کاتب) - ۴ الف، قا، «دمئوی» (سہو کاتب) اور حاشیے میں لکھا ہے: «نسخۂ حمیدیہ والوں نے «دمئوی» (سہو کاتب) کو «دھویں» سے بدل دیا ہے» - ۸ الف، ق، نے رنگ اور - ۹ ب، ق، ہی بر بنائے اعتقاد - ۱۱ ب، لط، بسکہ ہے وہ قبلہ آئین گر اختراع - اور حاشیے میں لکھا ہے کہ «گر» کو کاٹ کر «محو» بنایا ہے - عرشی عرض کرتا ہے کہ لط میں سہوا «گرم» کو «گر» لکھدیا ہے - اسی طرح «آئین» بھی «آئینہ» کی تصحیف ہے -

چار سوے دہر میں بازارِ غفلت گرم ہے
عقل کے نقصاں سے اُٹھتا ہے خیالِ انتفاع

آشنا، غالبؔ، نہیں ہیں دردِ دل کے آشنا
ورنہ کس کو میرے افسانے کی تابِ استماع؟

غ

۹۸

ق، قا

عشّاق، اشکِ چشم سے دھوویں ہزار داغ
دیتا ہے اور، جوں گل و شبنم، بہار داغ

جوں چشم، باز ماندہ ہے ہر یک بسوے دل
رکھتا ہے داغِ تازہ کا یاں انتظار، داغ

بے لالہ عارضاں مجھے گلگشتِ باغ میں
دیتی ہے، گرمیِ گل و بلبل، ہزار داغ ۵

جوں اعتماد نامہ و خط کا ہو مُہر سے
یوں عاشقوں میں ہے سببِ اعتبار، داغ

ہوتے ہیں محو جلوۂ خور سے، ستارگاں
دیکھ اُس کو دل سے مٹ گئے بے اختیار، داغ

وقتِ خیالِ جلوۂ حسنِ بتاں، اسدؔ
دکھلاے ہے مجھے دو جہاں لالہ زار، داغ

۹۹

ق، قا

بلبلوں کو دور سے کرتا ہے منعِ بارِ باغ
ہے، زبانِ پاسباں، خارِ سرِ دیوارِ باغ

[7] کون آیا جو چمن بیتابِ استقبال ہے؟
جنبشِ موجِ صبا، ہے شوخیِ رفتارِ باغ ۱۰

میں ہمہ حیرت. جنوں بیتابِ دورانِ خمار
مردمِ چشمِ تماشا، نقطۂ پرکارِ باغ

[8] آتشِ رنگِ رخِ ہر گل کو بخشے ہے فروغ
ہے دلِ سردِ صبا سے، گرمیِ بازارِ باغ

کون گل سے ضعف و خاموشیِّ بلبل کہہ سکے؟
نَے زبانِ غنچہ گویا، نَے زبانِ خارِ باغ

جوشِ گل، کرتا ہے استقبالِ تحریرِ اسدؔ
زیرِ مشقِ شعر، ہے نقش از پۓ احضارِ باغ

---

۱ ب، لط سے معلوم ہوتا ہے کہ ق میں پہلے تھا، ورنہ نقصان تصور ہے۔ ۷ الف، ق، «نیست» بجاے «محو»۔ ۸ الف، ق پہلے: در عالم تصور روی۔ مگر مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا۔

ف

۱۰۰

ق، حاشیۂ ق، قا

نامہ بھی لکھتے ہو، تو بخطِ غبار، حیف!
رکھتے ہو مجھ سے اتنی کدورت، ہزار حیف!

پیش از نفس، بتاں کے کرم نے وفا نکی
تھا محملِ نگاہ بدوشِ شرار، حیف!

تھی میرے ہی جلانے کو، اے آہِ شعلہ ریز
گھر پر پڑا نہ غیر کے کوئی شرار، حیف![۲]

گل، چہرہ ہے کسو خفقانی مزاج کا
گھبرا رہی ہے بیمِ خزاں سے بہار، حیف!

۵ ہیں میری مشتِ خاک سے اُس کو کدورتیں
پائی جگہ بھی دل میں، تو ہو کر غبار، حیف![۲]

بنتا، اسد، میں سرمۂ چشمِ رکابِ یار
آیا نہ میری خاک پہ وہ شہسوار، حیف!

۱۰۱

ق، حاشیۂ ق، قا

عیسیِ مہرباں ہے شفاریز یک طرف
درد آفریں ہے طبعِ الم خیز یک طرف

سنجیدنی ہے ایک طرف رنجِ کوہکن
خوابِ گرانِ خسروِ پرویز یک طرف

خرمن بیاد دادۂ دعوی ہیں، ہو، سو ہو
ہم یک طرف ہیں، برقِ شرربیز یک طرف

۱۰ مفتِ دل و جگر، خلشِ غمزہ ہائے ناز
کاوش فروشیِ مژۂ تیز یک طرف

ہر مو، بدن پہ شہپرِ پرواز ہے مجھے
بیتابیِ دلِ تپش انگیز یک طرف

یک جانب، اے اسد، شبِ فرقت کا بیم ہے
دامِ ہوس ہے، زلفِ دلاویز، یک طرف

---

۲ قا میں ترتیب اشعار یوں ہے: ۱، ۴، ۳، ۵، ۲، ۶ - ۴ الف، ح، کسی - ۸ الف، ح، سنجدگی ہے - (سہو کاتب) -
۹ ب ح، اک طرف (سہو کاتب) -

ك

۱۰۲

ق، قا

اس عمل میں عیش کی لذّت نہیں ملتی، اسدؔ — زور نسبت مَے سے رکھتا ہے، نصارا کا نمک

۱۰۳

ق، قا

تا قیامت شبِ فرقت میں گزر جائے گی عمر — سات دن ہم پہ بھی بھاری ہیں، سحر ہوتے تک

۱۰۴

ق، حاشیۂ ق، قا

آئے ہیں پارہ ہائے جگر درمیانِ اشک — لایا ہے لعل بیش بہا، کاروانِ اشک

ظاہر کرے ہے جنبشِ مژگاں سے مُدّعا — طفلانہ ہاتھ کا ہے اشارہ، زبانِ اشک

میں وادیِ طلب میں ہوا جملہ تن عرق — از بسکہ صرفِ قطرہ زنی تھا بسانِ اشک ۵

رونے نے طاقت اتنی نچھوڑی کہ ایک بار — ٭ مژگاں کو دوں فشار، بپۓ امتحانِ اشک

دل خستگاں کو ہے طربِ صد چمن بہار — باغِ بخوں تپیدن، و آبِ روانِ اشک

سیلِ بنائے ہستیِ شبنم ہے، آفتاب — ٭ چھوڑے نہ چشم میں، تپشِ دل، نشانِ اشک

ہنگامِ انتظارِ قدومِ بتاں، اسدؔ — ہے بر سرِ مژہ نگراں، دیدبانِ اشک

---

۲ ب، قا، ساتھ - ح، لط، ہونے تک (سہو کاتب) - ۳ الف، عمدہ: ۹۲، اب میاں - ۴ ب، قا، اشارا - ۶، ح میں یہ شعر پانچویں نمبر پر ہے - ۷ ب، قا، طپیدن - ۹ الف، ق پہلے، درحال انتظار - غالب نے «درحال» کو قلمزد کرکے اوپر اصلاح کی ہے - مگر مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا -

گ

۱۰۵

ق، قا

اے آرزو شہیدِ وفا، خوں بہا نمانگ — جز بہرِ دست و بازوے قاتل، دعا نمانگ

گستاخیِ وصال، ہے مَشّاطۂ نیاز — یعنی، دعا بجز خَمِ زلفِ دوتا نمانگ

برہم ہے، بزمِ غنچہ، بیک جنبشِ نشاط — کاشانہ بسکہ تنگ ہے، غافل، ہوا نمانگ

عیسی، طلسمِ حسنِ تغافل، ہے، زینہار — جز پشتِ چشم، نسخۂ عرضِ دوا نمانگ

٥ میں دورگردِ عرضِ رسومِ نیاز ہوں — دشمن سمجھ، ولے نگہِ آشنا نمانگ

نظّارہ دیگر، و دلِ خونیں نَفَس دگر — آئینہ دیکھ، جوہرِ برگِ دعا نمانگ

یک بختِ اوج، نذرِ سَبُکباریِ اسد — سر پر، وبالِ سایۂ بالِ ہما نمانگ

ل

۱۰٦

ق، قا

بدر، ہے آئینۂ طاقِ ہلال — غافلاں، نقصاں سے پیدا ہے کمال

ہے بیادِ زلفِ مشکیں سال و ماہ — روزِ روشن، شامِ آں سوے خیال

۱۰ بسکہ ہے اصلِ دمیدنہا، غبار — ہے نہالِ شکوۂ ریحاں سقال

صافیِ رخ سے ترے، ہنگامِ شب — عکسِ داغِ مہ، ہوا عارض پہ خال

نور سے تیرے ہے اس کی روشنی — ورنہ تھا خرشید یک دستِ سوال

---

٦ ب، ح، برگِ حنا — ٧ الف، لط، سبک ساری — ۱۱ الف، ق، ح، صافی رخسار سے — ب، ق، ح، داغ شب — ۱۲ الف، ق حاشیے، نور حیدر سے ہے — اسے کاٹ کر نیچے اصلاح کی ہے۔ مگر مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا — ب، ق، ح، ورنہ ہے

شورِ حشر اُس فتنہ قامت کے حضور
سایہ آسا ہوگیا ہے پایمال

ہو جو بلبل پیروِ فکرِ اسد
غنچۂ منقارِ گل ہو زیرِ بال

۱۰۷

ق

ہر عضو، غم سے ہے شکن آسا شکستہ دل
جوں زلفِ یار، ہوں میں سراپا شکستہ دل

ہے سرنوشت میں رقمِ واشکستگی
ہوں، جوں خطِ شکستہ، بہرجا شکستہ دل

امواج کی جو یہ شکنیں آشکار ہیں
ہے چشمِ اشک ریز سے، دریا، شکستہ دل •

ناسازیِ نصیب، درشتیِ غم سے ہے
اُمّید نا اُمید، و تمنا شکستہ دل

ہے سنگِ ظلمِ چرخ سے میخانے میں، اسد
صہبا فتادہ خاطر، و مینا شکستہ دل

۱۰۸

ق، قا

ہوں، بوحشت، انتظار آوارۂ دشتِ خیال
اک سفیدی مارتی ہے دور سے، چشمِ غزال

ہے قفس پرورده، گلشن، کس ہواے بام کا؟
طوقِ قمری میں ہے، سروِ باغ، ریحانِ سفال

ہم غلط سمجھے تھے، لیکن زخمِ دل پر رحم کر
آخر اس پردے میں تو ہنستی تھی، اے صبحِ وصال ۱۰

بیکسی افسرده ہوں، اے ناتوانی، کیا کروں؟
جلوۂ خرشید سے ہے گرم، پہلوے ہلال

شکوہ درد، و درد داغ، اے بیوفا، معذور رکھ
خوں بہاے یک جہاں اُمّید ہے، تیرا خیال

عرضِ دردِ بیوفائی، وحشتِ اندیشہ ہے
خوں ہوا دل تا جگر، یارب، زبانِ شکوہ لال!

اس جفا مشرب پہ عاشق ہوں کہ سمجھے ہے، اسد
مالِ سُنّی کو مُباح اور خونِ صوفی کو حلال

---

۱۲ ب، عمده : ۹۳، خون زاهد کو مباح اور مال صوفی کو حلال -

۱۰۹

ق، قا

بہرِ عرضِ حالِ شبنم سے رقم ایجاد گل — ظاہرا ہے اس چمن میں لالِ مادرزاد گل

گر کرے انجام کو آغاز ہی میں یاد، گل — غنچے سے منقارِ بلبل وار ہو فریاد گل

گر بزمِ باغ کھینچے نقشِ روے یار کو — شمع ساں ہوجاے قطِّ خامۂ بہزاد، گل

دستِ رنگیں سے جو رخ پر واکرے زلفِ رسا — شاخِ گل میں ہو نہاں، جوں شانہ در شمشاد، گل

۵ سعیِ عاشق ہے فروغ افزاے آبِ روے کار — ہے شرارِ تیشہ، بہرِ تربتِ فرہاد، گل

ہے، تصور، صافیِ قطعِ نظر از غیرِ یار — لختِ دل سے لاوے ہے شمعِ خیال آباد، گل

گلشن آبادِ دلِ مجروح میں ہوجاے ہے — غنچۂ پیکانِ شاخِ ناوکِ صیاد، گل

برقِ سامانِ نظر ہے، جلوۂ بیباکِ حسن — شمعِ خلوتخانہ کیجیے، ہرچہ بادا باد، گل

خاک ہے عرضِ بہارِ صد نگارستاں، اسد — حسرتیں کرتی ہے، میری خاطرِ آزاد، گل

۱۱۰

ق، قا

۱۰ گرچہ ہے یک بیضۂ طاؤس آسا تنگ، دل — ہے چمن سرمایۂ بالیدنِ صد رنگ، دل

بیدلوں سے ہے، تپش، جوں خواہشِ آب از سراب — ہے شررِ موہوم، اگر رکھتا نہووے سنگ دل

رشتۂ فہمیدِ مُمسک ہے بہ بندِ کوتہی — عُقدہ ساں ہے کیسۂ زر پر خیالِ تنگدل

ہوں زِ پا اُفتادۂ اندازِ یادِ حسنِ سبز — کس قدر ہے نشّہ فرساے خمارِ بنگ، دل!

شوقِ بے پرواکے ہاتھوں، مثلِ سازِ نادرست — کھینچتا ہے آج نالے خارج از آہنگ، دل

۱۵ اے اسد، خامُش ہے طوطیِ شکرگفتارِ طبع — ظاہرا رکھتا ہے آئینہ اسیرِ زنگ دل

---

۱ الف، ح: شبنم ہے۔ ۹ ب: ق پہلے، آرزوئیں کرتی ہیں ۔ مگر مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا۔ ح، حسرتیں کرتی ہیں۔

۱۱ ب، ق پہلے، شررِ معلوم۔ اصلاح در حاشیہ۔ ح، نہوئے۔ ۱۴ الف، قا، شوق پروا (سہو کاتب)۔

۱۱۱

حاشیۂ ق، قا

دیوانگاں کا چارہ ٔفروغِ بہار ہے — ہے شاخِ گل میں، پنجۂ خوباں، بجاے گل
مژگاں تلک رسائیِ لختِ جگر کہاں؟ — اے واے! گر نگاہ نہو آشناے گل

م

۱۱۲

ق، قا

اثر کمندیِ فریادِ نارسا معلوم — غبارِ نالہ، کمیں گاہِ مدّعا معلوم
بقدرِ حوصلۂ عشق جلوہ ریزی ہے — وگرنہ خانۂ آئینہ کی فضا معلوم
بہار، درگروِ غنچہ، شہر جولاں ہے — طلسمِ ناز، بجز تنگیِ قبا معلوم
طلسمِ خاک، کمیں گاہِ یک جہاں سودا — بمرگ، تکیۂ آسایشِ فنا معلوم
تکلف، آئنۂ دو جہاں مدارا ہے — سراغِ یک نگہِ قہرآشنا معلوم
اسد فریفتۂ انتخابِ طرز جفا — وگرنہ دلبریِ وعدۂ وفا معلوم

۱۱۳

ق، قا

بسکہ ہیں بدمستِ بشکنِ بشکنِ میخانہ ہم — موے شیشہ کو سمجھتے ہیں خطِ پیمانہ ہم
بسکہ ہریک موے زلف، افشاں سے، ہے تارِ شعاع — پنجۂ خرشید کو سمجھے ہیں دستِ شانہ ہم
ہے فروغِ ماہ سے، ہر موج، اک تصویرِ چاک — سیل سے، فرشِ کتاں کرتے ہیں تا ویرانہ ہم

---

۱ ب، ح میں ہر قافیے کی یاے اضافت پر ہمزہ ہے۔ ۱۱ الف، ق پہلے، نقشبند خاک ہے موج از فروغ ماہتاب۔ اس پر "لا" لکھ کر حاشیے میں اصلاح کی گئی ہے ق، ح، یک۔ ح، و لط، خاک۔

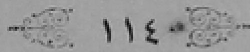
مشق ِ ازخود رفتگی سے، ہیں بگلزار ِ خیال — آشنا تعبیر ِ خواب ِ سبزۂ بیگانہ ہم

فرط ِ بیخوابی سے، ہیں شبہاے ہجر ِ یار میں — جوں زبان ِ شمع، داغ ِ گرمی ِ افسانہ ہم

جانتے ہیں، جوشش ِ سوداے زلف ِ یار میں — سنبل ِ بالیدہ کو موے سر ِ دیوانہ ہم

بسکہ وہ چشم و چراغ ِ محفل ِ اغیار ہے — چُپکے چُپکے جلتے ہیں، جوں شمع ِ خلوتخانہ، ہم

۵ شام ِ غم میں، سوز ِ عشق ِ آتش ِ رخسار سے — پرفشان ِ سوختن ہیں، صورت ِ پروانہ، ہم


۱۱۴

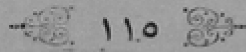
ق، قا

رہتے ہیں افسردگی سے سخت بیدردانہ، ہم — شعلہ ھا نذر ِ سمندر، بلکہ آتش خانہ ہم

حسرت ِ عرض ِ تمنا یاں سے سمجھا چاہیے — دوجہاں حشر ِ زبان ِ خشک ہیں، جوں شانہ، ہم

کشتی ِ عالم بطوفان ِ تغافل دے، کہ ہیں — عالم ِ آب ِ گداز ِ جوہر ِ افسانہ، ہم

وحشت ِ بیربطی ِ پیچ و خم ِ ہستی نپوچھ — ننگ ِ بالیدن ہیں، جوں موے سر ِ دیوانہ، ہم


۱۱۵

ق قا

۱۰ ازانجا کہ حسرت کش ِ یار ہیں ہم — رقیب ِ تمناے دیدار ہیں ہم

رسیدن، گل ِ باغ ِ واماندگی ہے — عبث محفل آراے رفتار ہیں ہم

تُفس ہو نہ معزول ِ شعلہ دُرُودن — کہ ضبط ِ تپش سے شررکار ہیں ہم

تغافل، کمیں گاہ ِ وحشت شناسی — نگہبان ِ دلہاے اغیار ہیں ہم

تماشاے گلشن، تمناے چیدن — بہار آفرینا، گنہگار ہیں ہم

---

۴ ب، لط، چپکے جلتے ہیں (سہو کاتب) - ق، ماتم خانہ - ۵ الف، ق پہلے، شمع رویاں ہے، اسد - لط میں سہواً دوسرا مصرع نواے سروش کا لکھ دیا ہے - ۱۱ ب، ح، محفل - ۱۴ ب، ق اور قا کے کاتب نے سہواً "بہار آفریں" لکھا تھا - غالب نے دونوں جگہ اپنے قلم سے "آفرینا" بنایا ہے -

نہ ذوقِ گریباں، نہ پروائے داماں
نگہ آشنائے گل و خار ہیں ہم

اسد، شکوہ کفر، و دعا ناسپاسی
ہجومِ تمنا سے لاچار ہیں ہم

۱۱٦

ق، قا

جس دم کہ جادہ وار ہو تارِ نفس تمام
پیمایشِ زمینِ رہِ عمر بس تمام

کیا دے صدا؟ کہ کلفتِ گم گشتگاں سے، آہ!
ہے سرمہ، گردِ رہ، بگلوے جرس تمام

ڈرتا ہوں کوچہ گردیِ بازارِ عشق سے
ہیں، خارِ راہ، جوہرِ تیغِ عسس تمام ۵

اے بالِ اضطراب، کہاں تک فسردگی؟
یک پر زدن تپش میں ہے، کارِ قفس، تمام

گزرا جو آشیاں کا تصور بوقتِ بند
مژگانِ چشمِ دام ہوے، خار و خس تمام

کرنے نپاے ضعف سے شورِ جنوں، اسد
اب کے، بہار کا یوہیں گزرا برس تمام

ن

۱۱۷

ق، قا

خوش وحشتے کہ عرضِ جنونِ فنا کروں
جوں گردِ راہ، جامۂ ہستی قبا کروں

گر بعدِ مرگ وحشتِ دل کا گلا کروں
موجِ غبار سے پرِ یک دشت وا کروں ۱۰

آ، اے بہارِ ناز، کہ تیرے خرام سے
دستار گردِ شاخِ گلِ نقشِ پا کروں

خوش افتادگی! کہ بصحراے انتظار
جوں جادہ، گردِ رہ سے نگہ سرمہ سا کروں

۱۔ قا کے کاتب نے "نگا" لکھا تھا۔ غالب نے اپنے قلم سے "نگہ" بنایا ہے۔ ۲۔ ب، لفظ لاچار ق اور قا کے مطابق ہے۔ آخر میں غالب نے ناچار لکھنا شروع کردیا تھا اور "لاچار" کو غلط محض قرار دیتے تھے۔ (مکاتیب غالب ۹۲، طبع چہارم)۔

۴۔ الف، ق، ح، الفت۔ ۸۔ ب، ح، یونہی۔ ۱۰۔ الف، ح، گلہ۔ ۱۱۔ الف، لط، آئے بہار (سہو کاتب)۔

۱۲۔ الف، لط، افتادگی (سہو کاتب)۔

صبر اور یہ ادا کہ دل آوے اسیرِ چاک ‏ درد اور یہ کمیں کہ رہِ نالہ وا کروں

وہ بیدماغِ منتِ اقبال ہوں کہ میں ‏ وحشت بداغِ سایۂ بالِ ہما کروں

وہ التماسِ لذتِ بیداد ہوں کہ میں ‏ تیغِ ستم کو پشتِ خمِ التجا کروں

وہ رازِ نالہ ہوں کہ بشرحِ نگاہِ عجز ‏ افشاں، غبارِ سرمہ سے، فردِ صدا کروں

۱۱۸

ق، قا

۵ آنسو کہوں کہ، آہ، سوارِ ہوا کہوں؟ ‏ ایسا عنانِ گسیختہ آیا کہ کیا کہوں!

اقبالِ کلفتِ دلِ بیمدعا رسا ‏ اختر کو داغِ سایۂ بالِ ہما کہوں

مضمونِ وصل ہاتھ نہ آیا، مگر اُسے ‏ اب طائرِ پریدۂ رنگِ حنا کہوں

دزدیدنِ دلِ ستم آمادہ ہے محال ‏ مژگاں کہوں کہ جوہرِ تیغِ قضا کہوں

طرز آفرینِ نکتہ سرائیِ طبع ہے ‏ آئینۂ خیال کو طوطی نما کہوں

۱۰ غالب، ہے رتبہ فہمِ تصور سے کچھ پرے ‏ ہے عجزِ بندگی، کہ علی کو خدا کہوں

۱۱۹

ق، قا

کسو کو زِخود رَستہ کم دیکھتے ہیں ‏ کہ آہو کو پابندِ رم دیکھتے ہیں

خطِ لختِ دل یک قلم دیکھتے ہیں ‏ مژہ کو جواہر رقم دیکھتے ہیں

---

۱ ب، لط، اور یہ کہیں (سہو کاتب) - ۹ الف، قا، طرز افسرین (سہو کاتب) - ۱۰ ب، ق، ح، جو علی - ۱۱ الف، لط، کسی کو از خود رختہ (سہو کاتب) -

۱۲۰

ق، قا

آئنہ دام کو سبزے میں چھپاتا ہے عبث
که پریزادِ نظر، قابلِ تسخیر نہیں

مثلِ گل، زخم ہے میرا بھی سناں سے توأم
تیرا ترکش ہی کچھ آبستنیِ تیر نہیں

میر کے شعر کا احوال کہوں کیا، غالب؟
جس کا دیوان کم از گلشنِ کشمیر نہیں

۱۲۱

ق، قا

جس جا که پائے سیلِ بلا درمیاں نہیں
دیوانگاں کو واں ہوسِ خانماں نہیں

کس جرم سے ہے چشم تجھے حسرتِ قبول
برگِ حنا مگر مژۂ خوں فشاں نہیں ۵

ہر رنگ گردش، آئنہ ایجادِ درد ہے
اشکِ سحاب، جز بوداعِ خزاں نہیں

جز عجز کیا کروں بتمنائے بیخودی؟
طاقت، حریفِ سختیِ خوابِ گراں نہیں

عبرت سے پوچھ دردِ پریشانیِ نگاہ
یہ گردِ وہم جز بسرِ امتحاں نہیں

گل، غنچگی میں غرقۂ دریائے رنگ ہے
اے آگہی، فریبِ تماشا کہاں نہیں

برقِ بجانِ حوصلہ آتش فگن، اسد
اے دلفسردہ، طاقتِ ضبطِ فغاں نہیں ۱۰

۱۲۲

ق، قا

ہے ترحم آفریں، آرایشِ بیداد، یاں
اشکِ چشمِ دام ہے، ہر دانۂ صیاد، یاں

ہے، گدازِ موم، اندازِ چکیدنہائے خوں
نیشِ زنبورِ عسل، ہے نشترِ فصاد، یاں

ناگوارا ہے ہمیں، احسانِ صاحبدولتاں
ہے، زرِ گل بھی، نظر میں جوہرِ فولاد، یاں

---

۱ الف، ق، ح، بردے میں۔ ۴ الف، ق، ح، جائے که۔ ۱۱ ب، ح، پروانۂ (سہو کاتب)۔

جنبشِ دل سے ہوے ہیں، عقدہ ہاے کار، وا
کمتریں مزدورِ سنگیں دست ہے، فرہاد، یاں

قطرہ ہاے خونِ بسمل زیبِ داماں ہیں، اسد
ہے تماشا کردنی گلچینیِ جلاد، یاں

۱۲۳

ق، قا

سرِ شک آشفتہ سر تھا قطرہ زن مژگاں سے جانے میں
رہے یاں، شوخیِ رفتار سے، پا آستانے میں

ہجومِ مژدۂ دیدار، و پروازِ تماشا ہا
گلِ اقبالِ خس ہے، چشمِ بلبل، آشیانے میں

۵ ہوئی یہ بیخودی چشم و زباں کو تیرے جلوے سے
کہ طوطی قفلِ زنگ آلودہ ہے آئینہ خانے میں گ

ترے کوچے میں ہے، مشّاطۂ واماندگی، قاصد
پرِ پروازِ زلفِ ناز ہے ہد ہد کے شانے میں

کجا معزولیِ آئینہ؟ کو ترکِ خود آرائی؟
نمد در آب ہے، اے سادہ پُرکار، اس بہانے میں

بحکمِ عجز، ابروے مہِ نو حیرت ایما ہے
کہ یاں گم کر جبینِ سجدہ فرسا آستانے میں

۱۲۴

ق، قا

فزوں کی دوستوں نے حرصِ قاتل ذوقِ کشتن میں
ہوے ہیں بخیہ ہاے زخم، جوہر تیغِ دشمن میں

۱۰ تماشا کردنی ہے لطفِ زخمِ انتظار، اے دل
سوادِ داغِ مرہم، مردمک ہے چشمِ سُوزن میں

دل و دین و خرد، تاراجِ نازِ جلوہ پیرائی
ہوا ہے، جوہرِ آئینہ، خیلِ مور خرمن میں

۱۲۵

ق، قا

پانو میں جب وہ حنا باندھتے ہیں
میرے ہاتھوں کو جدا باندھتے ہیں گ

حسنِ افسردہ دلیہا رنگیں
شوق کو پا بحنا باندھتے ہیں

---

۲ ب، لط، جلاو (سہو کاتب) - ۴ الف، لط، دیدار پرواز (سہو کاتب) - ۵ الف، لط، زیاں (سہو کاتب) -
ب، لط، رنگ - (سہو کاتب) ۶ ب، ح، باز (سہو کاتب) - ۱۰ ب، ح، لط، سویدا (سہو کاتب) -

تیرے بیمار پہ ھیں فریادی | وہ جو کاغذ میں دوا باندھتے ھیں
قید میں بھی ہے، اسیری، آزاد | چشمِ زنجیر کو وا باندھتے ھیں
شیخ جی، کعبے کا جانا معلوم | آپ مسجد میں گدھا باندھتے ھیں
کس کا دل زلف سے بھاگا؟ کہ اسد | دستِ شانہ بہ قفا باندھتے ھیں

١٢٦

ق، قا

صاف ہے از بسکہ عکسِ گل سے، گلزارِ چمن | جانشینِ جوہرِ آئینہ ہے، خارِ چمن ٥
ہے نزاکت بسکہ فصلِ گل میں معمارِ چمن | قالبِ گل میں ڈھلی ہے خشتِ دیوارِ چمن
تیری آرایش کا استقبال کرتی ہے بہار | جوہرِ آئینہ، ہے یاں نقشِ احضارِ چمن
بسکہ پائی یار کی رنگیں ادائی سے شکست | ہے، کلاہِ نازِ گل، بر طاقِ دیوارِ چمن
وقت ہے، گر بلبلِ مسکیں زُلیخائی کرے | یوسفِ گل جلوہ فرما ہے بیازارِ چمن
وحشت افزا گریہ‌ہا موقوفِ فصلِ گل، اسد | چشمِ دریا بار ہے میرآبِ سرکارِ چمن ١٠

١٢٧

ق، قا

جوں مردمکِ چشم میں ھوں جمع، نگاھیں | خوابیدہ بحیرتکدۂ داغ ھیں آھیں
پھر حلقۂ کاکل میں پڑیں دید کی راھیں | جوں دود، فراھم ھوئیں روزن میں نگاھیں
پایا سرِ ھر ذرّہ، جگر گوشۂ وحشت | ھیں داغ سے معمور، شقایق کی کلاھیں
کس دل پہ ہے عزمِ صفِ مژگانِ خودآرا؟ | آئینے کے پایاب سے اُتری ھیں سپاھیں

---

٣ الف، لط، کو جانا - ١٠ ب، ق، ح، دریا ریز ہے - ح، میزاب - (سہو کاتب) - ١١ الف، ح، ے
ھوں (سہو کاتب) - ١٢ الف، قا، پڑی (سہو کاتب) - ١٣ ب، لط، نگاھیں (سہو کاتب) - ١٤، قا میں یہ شعر اگلے
شعر کے بعد ہے۔ الف، لط، دل سے ہے -

دیر و حرم، آئینۂ تکرارِ تمنا — واماندگیِ شوق تراشے ہے پناہیں
یہ مطلع، اسد، جوہرِ افسونِ سخن ہو — گر عرضِ تپاکِ نفسِ سوختہ چاہیں
حسرت کشِ یک جلوۂ معنی ہیں نگاہیں — مطلع کھینچوں ہوں سُوَیدائے دلِ چشم سے آہیں

۱۲۸

ق، قا

تن بہ بندِ ہوس در ندادہ رکھتے ہیں — دلِ ز کارِ جہاں اوفتادہ رکھتے ہیں
۵ تمیزِ زشتی و نیکی میں لاکھ باتیں ہیں — بعکسِ آئنہ، یک فردِ سادہ رکھتے ہیں
برنگِ سایہ، ہمیں بندگی میں ہے تسلیم — کہ داغِ دل بجبینِ کشادہ رکھتے ہیں
بزاہداں، رگِ گردن، ہے رشتۂ زُنّار — سرِ بپائے بُتے نانہادہ رکھتے ہیں
معافِ بیہدہ گوئی ہیں ناصحانِ عزیز — دلِ بدستِ نگارے ندادہ رکھتے ہیں
برنگِ سبزہ، عزیزانِ بدزباں یکدست — ہزار تیغِ بزہراب دادہ رکھتے ہیں

۱۲۹

ق، قا

۱۰ طاؤس نمط، داغ کے گر رنگ نکالوں — یک فردِ نسب نامۂ نیرنگ نکالوں
کو تیزیِ رفتار؟ کہ صحرا سے زمیں کو — جوں قمریِ بسمل، تپش آہنگ نکالوں
دامانِ شفق، طرفِ نقابِ مہِ نو ہے — ناخن کو جگر کاوی میں بیرنگ نکالوں
کیفیّتِ دیگر ہے، فشارِ دلِ خونیں — یک غنچہ سے صد خُم مے گلرنگ نکالوں
پیمانۂ وسعتکدۂ شوق ہوں، اے رشک — محفل سے مگر شمع کو دلتنگ نکالوں

---

۱ ب، قا، تراشے ہیں (سہو کاتب) - ۲ الف، لط، سخن ہے - ب، ق، ح، جگر سوختہ - ۳ الف، ح، حیرت کش -
ب، ح، سرے - قا، بپائے بپائے بت نا نہادہ (سہو کاتب) - ۸ الف، ح، بیہودہ گوئی (سہو کاتب) ب، ح، دلے (سہو کاتب) -
۱۲ الف، ح، مہ نوسے (سہو کاتب)- ۱۴ ب، قا، شمع سے (سہو کاتب)-

گر ہو بَلَدِ شوق مری خاک کو وحشت
صحرا کو بھی گھر سے کئی فرسنگ نکالوں

فریاد! اَسد، غفلتِ رسوائیِ دل سے
کس پردے میں فریاد کی آہنگ نکالوں؟

۱۳۰

ق، قا

کیا ضعف میں اُمّید کو دلتنگ نکالوں؟
میں خار ہوں، آتش میں چبھوں، رنگ نکالوں

نے کوچۂ رسوائی و زنجیرِ پریشاں
کس پردے میں فریاد کی آہنگ نکالوں؟

یک نشوونما جا نہیں جولانِ ہوس کو
ہر چند بقدارِ دلِ تنگ نکالوں ۵

گر جلوۂ خُرشید خریدارِ وفا ہو
جوں ذرّہ، صد آئینۂ بیرنگ نکالوں

افسردۂ تمکیں ہے، نَفَس گرمیِ احباب
پھر شیشے سے عطرِ شررِ سنگ نکالوں

ضعف، آئنہ پردازیِ دستِ دگراں ہے
تصویر کے پردے میں مگر رنگ نکالوں

ہے غیرتِ الفت کہ، اَسد، اُس کی ادا پر
گر دیدہ و دل صلح کریں، جنگ نکالوں

۱۳۱

ق، حاشیۂ ق، قا

سودائے عشق سے دمِ سردِ کشیدہ ہوں
شامِ خیالِ زلف سے صبحِ دمیدہ ہوں ۱۰

دورانِ سر سے گردشِ ساغر ہے مُتّصِل
خُمخانۂ جنوں میں دماغِ رسیدہ ہوں

کی، مُتّصِل ستارہ شماری میں عمر، صرف
تسبیحِ اشکہائے زِ مژگاں چکیدہ ہوں

ظاہر ہیں میری شکل سے افسوس کے نشاں
خارِ الم سے، پشت بدنداں گزیدہ ہوں

---

۳ الف، ح: کس ضعف (سہو کاتب)۔ ۴ ب، ق، اے نالہ، میں کس پردے میں۔ ۶ الف، ق، ح: یک جلوۂ۔ ب، ح، ذرۂ صد آئنہ بیرنگ (سہو کاتب)۔ ۱۱، قا میں یہ شعر تیسرے نمبر پر ہے۔ ۱۳ ب، ق، ح، قا، جوں شانہ پشت دست۔ موجودہ متن «دیوان غالب، حسرت ایڈیشن» سے نقل کیا گیا ہے جو گلِ رعنا پر مبنی ہے۔

ہوں گرمیِ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج ٭ میں عندلیبِ گلشنِ ناآفریدہ ہوں؀
دیتا ہوں کشتگاں کو سخن سے سرِ تپش مضرابِ تارہاے گلوے بُریدہ ہوں؀
ہے جنبشِ زباں بدہن سخت ناگوار خونابۂ ہلاہلِ حسرت چشیدہ ہوں
جوں بوے گل، ہوں گرچہ گِراں بارِ مُشتِ زر لیکن، اسد، بوقتِ گزشتن جریدہ ہوں

۱۳۲

ق، حاشیۂ ق، قا

۵ خوں در جگر نہفتہ، بزردی رسیدہ ہوں خود آشیانِ طائرِ رنگِ پریدہ ہوں
ہے دستِ رد بسیرِ جہاں، بستنِ نظر پاے ہوس بدامنِ مژگاں کشیدہ ہوں
میں چشم واکشادہ، و گلشن نظر فریب لیکن عبث کہ شبنمِ خُرشید دیدہ ہوں
تسلیم سے یہ نالۂ موزوں ہوا حصول اے بیخبر، میں نغمۂ چنگِ خمیدہ ہوں
پیدا نہیں ہے اصلِ تگ و تازِ جستجو مانندِ موجِ آب، زبانِ بُریدہ ہوں
۱۰ سر پر مرے وبالِ ہزار آرزو رہا ٭ یارب، میں کس غریب کا بختِ رمیدہ ہوں؟؀
میں بے ہنر کہ جوہرِ آئینہ تھا، عبث پاے نگاہِ خلق میں خارِ خلیدہ ہوں
میرا نیاز و عجز ہے مفتِ بتاں، اسد یعنی کہ بندۂ بدرم ناخریدہ ہوں

۱۳۳

ق، قا

بقدرِ لفظ و معنی، فکرت اِحرامِ گریباں ہیں وگرنہ کیجیے جو ذرّہ عریاں، ہم نمایاں ہیں
عُروجِ نشّۂ واماندگی پیمانہ محمل تر برنگِ ریشۂ تاک، آبلے، جادے میں پنہاں ہیں

۹، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔

۱۰، مرتب ح نے یہ نہیں لکھا کہ شعر ھذا حاشیۂ ق کا ہے۔

بوحشتگاہِ امکاں اتفاقِ چشم مشکل ہے ۔ مہ و خُرشید باہم سازِ یک خوابِ پریشاں ہیں
نہ انشا معنیِ مضموں، نہ املا صورتِ موزوں عنایت نامہ‌ہاے اہلِ دنیا، ہرزہ عُنواں ہیں
طِلسمِ آفرینش، حلقۂ یک بزمِ ماتم ہے زمانے کے،شبِ یلدا سے،موے سرپریشاں ہیں
یہ کس بے مہر کی تِمثال کا ہے جلوہ سیمابی کہ مثل ذرّہ‌ہاے خاک، آئینے پَرافشاں ہیں
مگر آتش ہمارا کوکبِ اقبال چمکاوے وگرنہ، مثلِ خارِ خشک، مردودِ گلستاں ہیں ۵
اسد، بزمِ تماشا میں تغافل پردہ داری ہے اگرڈھانپے.توآنکھیں‌ڈھانپ،ہم‌تصویرِعریاں‌ہیں

۱۳٤

ق، قا

مرگِ شیریں ہوگئی تھی کوہکن کی فکر میں تھا، حریرِ سنگ سے، قطعِ کفن کی فکر میں
فرصتِ یک چشم حیرت،شش جہت آغوش ہے ہوں، سپند آسا، وِداعِ انجمن کی فکر میں
وہ غریبِ وحشت‌آبادِ تسلّی ہوں، جسے کوچہ‌دے ہےزخمِ دل،صبحِ وطن کی فکر میں
سایۂ گل داغ، و جوشِ نکہتِ گل موجِ دود رنگ کی گرمی ہے تاراجِ چمن کی فکر میں ۱۰
قالِ ہستی، خارِ خارِ وحشتِ اندیشہ ہے شوخیِ سُوزن ہے ساماں پیرہن کی فکر میں
غفلتِ دیوانہ جز تمہیدِ آگاہی نہیں مغزِ سر، خوابِ پریشاں ہے سخن کی فکر میں
مجھ‌میں‌اورمجنوں‌میں،وحشت.سازِدعوا ہے،اسد برگ برگِ بید ہے ناخن زدن کی فکر میں

۱۳۵

ق، قا

اے نواسازِ تماشا، سر بکف جلتا ہوں میں یک‌طرف جلتا ہے‌دل،اوریک‌طرف جلتا ہوں میں
شمع ہوں، لیکن بپا در رفتہ خارِ جستجو مدعا گم کردہ، ہرسو ہر طرف جلتا ہوں میں ۱۵

---

۲. قا میں یہ شعر «یہ کس بے مہر» کے بعد ہے - ۴ الف، ق، یہ کس ناھید - ۱۰ الف، ح، موج درد (سہو کاتب) -
۱۴ الف، قا، تماسا (سہو کاتب) - ب، ح، ایک طرف (ہر دو جا) -

ہے، مَساسِ دستِ افسوس، آتش انگیزِ تپش
بے تکلف آپ پیدا کر کے تَف جلتا ہوں میں

ہے تماشا گاہِ سوزِ ناز، ہر یک عُضوِ تن
جوں چراغانِ دوالی،صف بصف جلتا ہوں میں

شمع ہوں، تو بزم میں جا پاؤں غالب کی طرح
بے محل،اے مجلس آرائے نجف، جلتا ہوں میں

۱۳۶

ق، قا

فتادگی میں قدم اُستوار رکھتے ہیں
برنگِ جادہ، سرِ کوئے یار رکھتے ہیں

۵ برہنہ مستیِ صبحِ بہار رکھتے ہیں
جنونِ حسرتِ یک جامہ وار رکھتے ہیں

طلسمِ مستیِ دل آں سوئے ہجومِ سرشک
ہم ایک میکدہ دریا کے پار رکھتے ہیں

ہمیں، حریرِ شررباف سنگ، خلعت ہے
یہ ایک پیرہنِ زرنگار رکھتے ہیں

نگاہِ دیدۂ نقشِ قدم ہے، جادۂ راہ
گزشتگاں، اثرِ انتظار رکھتے ہیں

ہوا ہے، گریۂ بیباک، ضبط سے تسبیح
ہزار دل پہ ہم ایک اختیار رکھتے ہیں

۱۰ بساطِ ہیچ کسی میں، برنگِ ریگِ رواں
ہزار دل بہ وداعِ قرار رکھتے ہیں

جنونِ فرقتِ یارانِ رفتہ ہے، غالب
بسانِ دشت، دلِ پُر غبار رکھتے ہیں

۱۳۷

ق، قا

بغفلت عطرِ گل، ہم آگہی مخمور، مَلتے ہیں
چراغانِ تماشا چشمِ صد ناسور مَلتے ہیں

رہا کس جرم سے میں بیقرارِ داغِ ہمطرحی؟
سمندر کو پرِ پروانہ سے کافور مَلتے ہیں

چمن، نامحرمِ آگاہیِ دیدارِ خوباں ہے
سحر گلہائے نرگس چند چشمِ کور مَلتے ہیں

۱۵ کجا جوہر؟ چہ عکسِ خط؟ بتاں وقتِ خودآرائی
دلِ آئینہ زیرِ پائے خیلِ مور مَلتے ہیں

---

۱ ب، قا، آب (سہو کاتب) -   ۳ الف، قا، کس طرح (سہو کاتب) -

تماشائے بہار، آئینہ پرداز تسلّی ہے
کفِ گلبرگ سے پائے دلِ رنجور ملتے ہیں

گِراں جانیِ سُبکسار، و تماشا بیدماغ آیا
کفِ افسوسِ فرصت،سنگِ کوہِ طور، ملتے ہیں

اسد، حسرت کشِ یک داغِ مشک اندودہ ہے یارب
لباسِ شمع پر عطرِ شبِ دیجور ملتے ہیں

۱۳۸

ق، قا

ہوئی ہیں آب، شرمِ کوششِ بیجا سے، تدبیریں
عرق ریزِ تپش ہیں، موج کے مانند، زنجیریں

خیالِ سادگیہائے تصور، نقشِ حیرت ہے
پرِ عنقا پہ رنگِ رفتہ سے کھینچی ہیں تصویریں

زبس ہر شمع یاں آئینۂ حیرت پرستی ہے
کرے ہیں غنچۂ منقارِ طوطی نقش، گلگیریں

سپند آہنگیِ ہستی، و سعیِ نالہ فرسائی
غبار آلودہ ہیں، جوں دودِ شمعِ کشتہ، تقریریں

ہجومِ سادہ لوحی، پنبۂ گوشِ حریفاں ہے
وگرنہ خواب کی، مُضمَر ہیں افسانے میں، تعبیریں

بتانِ شوخ کی تمکینِ بعد از قتل کی حیرت
بیاضِ دیدۂ نخچیر پر کھینچے ہے تصویریں

اسد، طرزِ عروجِ اضطرابِ دل کو کیا کہیے
سمجھتا ہوں تپش کو الفتِ قاتل کی تاثیریں

۱۳۹

ق، قا

بیدماغی، حیلہ جوئے ترکِ تنہائی نہیں
ورنہ کیا موجِ نفس، زنجیرِ رسوائی نہیں؟

وحشیِ خو کردۂ نظّارہ ہے، حیرت، جسے
حلقۂ زنجیر، جز چشمِ تماشائی نہیں

قطرے کو جوشِ عرق کرتا ہے دریا دستگاہ
جز حیا، پرکارِ سعیِ بےسروپائی نہیں

چشمِ نرگس میں نمک بھرتی ہے شبنم سے، بہار
فرصتِ نشوونماۓ سازِ شکیبائی نہیں

١ الف، ق، ح، تماشائے بہار آئینۂ پرداز تسکیں ہے۔
٣ الف، ق، ح، حیرت کش۔
٦ ب، قا، کریں ہیں۔
٧ ب، قا، کھینچے ہے۔
٨ الف، ق، ح، درشتی تأمل پنبہ۔

کس کو دوں، یارب، حسابِ سوزنا کیھاے دل؟ — آمد و رفتِ نفس، جز شعلہ پیمائی نہیں
مت رکھ، اے انجام غافل، سازِ ھستی پر غرور — چیونٹی کے پر، سروبرگِ خود آرائی نہیں
سایۂ افتادگی بالین و بستر ہوں، اسد — جوں صنوبر، دل سراپا قامت آرائی نہیں

۱۴۰

ق، قا

ظاھرا سرپنجۂ افتادگاں گیرا نہیں — ورنہ کیا حسرت کشِ دامن یہ نقشِ پا نہیں
آنکھیں پتھرائی ھیں، نامحسوس ھے تارِ نگاہ — ھے زمیں از بسکہ سنگیں، جادہ بھی پیدا نہیں
ہوچکے ہم جادہ ساں صد بار قطع، اور پھر ہنوز — زینتِ یک پیرھن، جوں دامنِ صحرا، نہیں
ہوسکے ھے پردۂ جوشیدنِ خونِ جگر — اشک، بعدِ ضبط، غیر از پنبۂ مینا نہیں
ہوسکے کب کلفتِ دل، مانعِ سیلانِ اشک؟ — گردِ ساحل، سنگِ راہِ جوششِ دریا نہیں
ھے طِلسمِ دھر میں، صد حشر پاداشِ عمل — آگہی غافل، کہ ایک امروز بے فردا نہیں
۱۰ بسمل اس تیغِ دو دستی کا نہیں بچتا، اسد — عافیت بیزار، ذوقِ کعبتین اچھا نہیں

۱۴۱

ق، قا

ضبط سے مطلب، بجز وارستگی، دیگر نہیں — دامنِ تمثال، آبِ آئنہ سے تر نہیں
ھے وطن سے باھر اھلِ دل کی قدر و منزلت — عزلت آبادِ صدف میں قیمتِ گوھر نہیں
باعثِ ایذا ھے، برھم خوردنِ بزمِ سرور — لختِ لختِ شیشۂ بشکستہ، جز نشتر نہیں

---

۲ ب، ق، ح، مور کے پر ھیں - ۴ ب، ح، دامان کے حسرت پہ (سہو کاتب) - ۶ الف، ق، ح، قطع و تا هنوز - نیز یہ شعر ق میں اگلے شعر کے بعد ہے - ۸ الف، ق، ح، طوفان اشک - ۹ الف، ق، ح، دہر میں - ب، ق، ح، یک امروز - ۱۰ ب، ق، ح، شغل کعبتین - ۱۲ الف، ق، پہلے "ہوتے ھیں بیقدر ھو گنج وطن صاحبدلاں" -

واں سیاهی مردمك هے، اور یاں داغِ شراب — مه، حریفِ نازشِ هم چشمیِ ساغر نہیں

هے فلك بالانشینِ فیضِ خمِ گردیدنی — عاجزی سے، ظاهرا رتبه کوئی، برتر نہیں

دل کو اظهارِ سخن، اندازِ فتح الباب هے — یاں صریرِ خامه، غیر از اصطکاكِ در نہیں

کب تلك پهیرے اسد لبهاے تفته پر زباں؟ — تابِ عرضِ تشنگی، اے ساقیِ کوثر، نہیں

۱۴۲

ق، قا

دیکھیے مت چشمِ کم سے سوے ضبط افسردگاں — جوں صدف پُر دُر هیں، دنداں در جگر افشردگاں ۵

گرمِ تکلیفِ دلِ رنجیده هے از بسکه، چرخ — قُرصِ کافوری هے، مِهر، از بهرِ سرما خوردگاں

رنجشِ دل یك جهاں ویراں کرے گی، اے فلك — دشت ساماں هے، غبارِ خاطرِ آزُردگاں

هاتھ پر هو هاتھ، تو درسِ تأسّف هی سهی — شوق مفتِ زندگی هے، اے بغفلت مردگاں

خار سے گل سینه افگارِ جفا هے، اے اسد — برگ ریزی هے پرافشانیِّ ناوك خوردگاں

۱۴۳

حاشیهٔ ق، قا

فلكِ سِفله بے محابا هے — اس ستمگر کو انفعال کہاں؟

بوسے میں وه مضایقه نکرے — پر مجھے طاقتِ سوال کہاں؟

۱۴۴

قا

میکشی کو نه سمجھ بے حاصل — باده، غالب، عرقِ بید نہیں

---

۴ ب، ق، ح، طاقت لب تشنگی - ۶ ب، ق، ح، هے بهرجان سرما - ۷ ب، ق، ح، افسردگاں - ۱۱ الف، ق، مصاحقه (سهو کاتب).

۱۴۵
حاشیۂ قا

پشتِ محراب کی قبلے کی طرف رہتی ہے — محوِ نسبت ہیں، تکلف ہمیں منظور نہیں

و

۱۴۶
ق، قا

ہم بالیدنِ سنگ و گلِ صحرا یہ چاہے ہے — کہ تارِ جادہ بھی کہسار کو زُنّارِ مینا ہو
حریفِ وحشتِ نازِ نسیمِ عشق جب آؤں — کہ مثلِ غنچہ، سازِ یک گلستاں دل مُہیّا ہو
بجائے دانہ خرمن، یک بیاباں بیضۂ قمری — مرا حاصل وہ نسخہ ہے کہ جس سے خاک پیدا ہو
کرے کیا سازِ بینش وہ شہیدِ دردِ آگاہی؟ [۵] — جسے موئے دماغ بیخودی، خوابِ زلیخا ہو
وہ دل، جوں شمع، بہرِ دعوتِ نظّارہ لا، جس سے — نگہ لبریزِ اشک و سینہ معمورِ تمنّا ہو
ندیکھیں روئے یک دل سرد، غیر از شمعِ کافوری — خدایا، اس قدر بزمِ اسدؔ گرمِ تماشا ہو!

۱۴۷
ق

اگر وہ آفتِ نظّارہ جلوہ گستر ہو — ہلال، ناخنکِ دیدہ ہائے اختر ہو
بیادِ قامت اگر ہو بلند آتشِ غم — ہر ایک داغِ جگر، آفتابِ محشر ہو
ستم کشی کا، کیا دل نے، حوصلہ پیدا [۱۱] — اب اُس سے ربط کروں، جو بہت ستمگر ہو
عجب نہیں، پئے تحریرِ حالِ گریۂ چشم — بروئے آب جو، ہر موج، نقشِ مسطر ہو
امیدوار ہوں، تاثیرِ تلخ کامی سے — کہ قندِ بوسۂ شیریں لباں مکرر ہو
صدف کی، ہے ترے نقشِ قدم میں، کیفیت — سرشکِ چشمِ اسدؔ، کیوں نہ اس میں گوہر ہو

---

۵ الف، ق، پہلے، تماشا رنج آگاہی۔ ۶ الف، ق، ح، دل جوں شمع — یعنی۔

۱۴۸

ق، قا

بے درد، سر بہ سجدۂ الفت فرو نہ ہو — جوں شمع، غوطہ داغ میں کھا، گر وضو نہ ہو

دل دے کفِ تغافلِ ابروے یار میں — آئینہ ایسے طاق پہ گم کر کہ تو نہ ہو

زلفِ خیالِ نازک، و اظہار بیقرار — یارب، بیان شانہ کشِ گفتگو نہ ہو!

تمثالِ ناز، جلوۂ نیرنگِ اعتبار — ہستی عدم ہے، آئنہ گر روبرو نہ ہو

مژگاں خلیدۂ رگِ ابرِ بہار ہے — نشتر، بمغز پنبۂ مینا فرو نہ ہو ۵

عرضِ نشاطِ دید ہے، مژگانِ انتظار — یارب کہ خارِ پیرہن آرزو نہ ہو!

واں پرفشانِ دامِ نظر ہوں جہاں، اسد — صبحِ بہار بھی، قفسِ رنگ و بو نہ ہو

۱۴۹

ق، قا

مبادا! بے تکلف فصل کا برگ و نوا گم ہو — مگر طوفانِ مے میں پیچشِ موجِ صبا گم ہو

سبب، وارستگاں کو ننگِ ہمت ہے، خداوندا — اثر سر مے سے اور لبہاے عاشق سے صدا گم ہو!

نہیں جز درد، تسکینِ نکوھشہاے بیدرداں — کہ موجِ گریہ میں صد خندۂ دنداں نما گم ہو ۱۰

ہوئی ہے ناتوانی، بیدماغِ شوخیِ مطلب — فرو ہوتا ہے سر سجدے میں، اے دستِ دعا گم ہو

تجھے ہم مفت دیویں یک جہاں چینِ جبیں، لیکن — مباد! اے پیچتابِ طبع، نقشِ مدعا گم ہو

بلا گردانِ تمکینِ بتاں، صد موجۂ گوہر — عرق بھی جن کے عارض پر بتکلیفِ حیا گم ہو

اٹھاوے کب وہ جانِ شرم تہمت قتلِ عاشق کی — کہ جس کے ہاتھ میں، مانندِ خوں، رنگِ حنا گم ہو

کریں خوباں جو سیرِ حسن، اسد، یک پردہ نازکتر — دمِ صبحِ قیامت، در گریبانِ قبا گم ہو ۱۵

---

۱۱ ب، ق، ح، جبیں میں در لباس سجدہ اے۔

۱۵ الف، قا، «اسد» ندارد۔

۱۵۰

ق

خشکیِ مے نے تلف کی میکدے کی آبرو
کاسۂ دریوزہ ہے، پیمانۂ دستِ سبو

بہرِ جاں پروردنِ یعقوب، بالِ خاک سے
وام لیتے ہیں، پرِ پرواز، پیراہن کی بو

گردِ ساحل، ہے نمِ شرمِ جبینِ آشنا
گر نہ باندھے قلزمِ الفت میں سر، جائے کدو

گرمیِ شوقِ طلب، ہے عینِ تاپاکِ وصال
غافلاں، آئینہ داں ہے، نقشِ پائے جستجو

۵ رہنِ خاموشی میں ہے، آرایشِ بزمِ وصال
ہے پرِ پروازِ رنگِ رفتۂ خوں، گفتگو

ہے تماشا، حیرت‌آبادِ تغافلہائے شوق
یک رگِ خواب، و سراسر جوشِ خونِ آرزو

خوئے شرمِ سردِ بازاری، ہے سَیلِ خانماں
ہے، اسد، نقصاں میں مفت اور صاحبِ سرمایہ تو

۱۵۱

ق، قا

رنگِ طرب ہے، صورتِ عہدِ وفا، گرو
تھا کس قدر شکستہ کہ ہے جا بجا گرو

پروازِ نقدِ دامِ تمنائے جلوہ تھا
طاؤس نے اک آئنہ خانہ رکھا گرو

عرضِ بساطِ انجمنِ رنگ مفت ہے
موجِ بہار رکھتی ہے اک بوریا گرو

۱۰ ہر ذرّہ خاک، عرضِ تمنائے رفتگاں
آئینہ ہا شکستہ، و تمثالہا گرو

ہے تاک میں سلسلمِ ہوسِ صد قدح شراب
تسبیحِ زاہداں، بکفِ مُدّعا گرو

برق آبیارِ فرصتِ رنگِ دمیدہ ہوں
جوں نخلِ شمع، ریشے میں نشوونما گرو

طاقت، بساطِ دستگہِ یک قدم نہیں
جوں اشک، جب تلک نہ رکھوں دست‌وپا گرو

ہے وحشتِ جنونِ بہار اس قدر کہ ہے
بالِ پری، بشوخیِ موجِ صبا گرو

---

۹ و ۱۰ ب، قا، ایک۔

بیتابِ سیرِ دل ہے، مرِ ناخنِ نگار
یاں نعل ہے بآتشِ رنگِ حنا گرو

ہوں سخت جانِ کاوشِ فکرِ سخن، اسد
تیشے کی، کوہسار میں ہے، یک صدا گرو

۱۵۲
حاشیۂ قا

ابر روتا ہے کہ بزمِ طرب آمادہ کرو
برق ہنستی ہے کہ فرصت کوئی دم ہے ہم کو

طاقتِ رنجِ سفر بھی نہیں پاتے اتنی
ہجرِ یارانِ وطن کا بھی الم ہے ہم کو

لائی ہے معتمدالدولہ بہادر کی امید
جادۂ رہ، کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

۵

۱۵۳
ق، قا

حیرت، ہجومِ لذتِ غلطانیٔ تپش
سیماب بالش، و کمرِ دل ہے آئنہ

غفلت، بیالِ جوہرِ شمشیر پرفشاں
یاں پشتِ چشمِ شوخیٔ قاتل ہے آئنہ

حیرت نگاہ برق، تماشا بہار شوخ
در پردۂ ہوا پرِ بسمل ہے آئنہ

یاں رہ گئے ہیں ناخنِ تدبیر ٹوٹ کر
جوہرِ طلسمِ عقدۂ مشکل ہے آئنہ

ہم زانوئے تامل، و ہم جلوہ گاہِ گل
آئینہ بندِ خلوت و محفل ہے آئنہ

دل کارگاہِ فکر، و اسد بینوائے دل
یاں سنگِ آستانۂ بیدل ہے آئنہ

۱۵۴
ق، قا

جز دل سراغِ دردِ بدل خفتگاں نپوچھ
آئنہ عرض کر، خط و خالِ بیاں نپوچھ

۷ الف، ح، ہی۔ ۸ الف، لط، بہار شوق۔

ہندوستان سایۂ گل پاۓ تخت تھا ‖ جاہ و جلالِ عہدِ وصالِ بتاں نپوچھ [1]

پرواز، یک تپِ غمِ تسخیرِ نالہ ہے ‖ گرمیٔ نبضِ خار و خسِ آشیاں نپوچھ

تو مشق ناز کر، دلِ پروانہ ہے بہار ‖ بیتابیٔ تجلّیِ آتش بجاں نپوچھ

غفلت متاعِ کفّۂ میزانِ عدل ہوں ‖ یارب، حسابِ سختیٔ خوابِ گراں نپوچھ

٥ ہر داغِ تازہ یک دلِ داغ انتظار ہے ‖ عرضِ فضاۓ سینۂ درد امتحاں نپوچھ [6]

کہتا تھا کل وہ محرم راز اپنے سے کہ آہ ‖ دردِ جدائیٔ اسد اللہ خاں نپوچھ

١٥٥

ق، قا

رفتار سے شیرازۂ اجزاۓ قدم باندھ ‖ اے آبلے، محمل پۓ صحراۓ عدم باندھ

بیکاریٔ تسلیم، بہر رنگ چمن ہے ‖ گر خاک ہو، گلدستۂ صد نقشِ قدم باندھ

اے جادے، بسررشتۂ یک ریشہ دویدن ‖ شیرازۂ صد آبلہ، جوں سُبحہ، بہم باندھ

١٠ حیرت، حدِ اقلیم تمناۓ پری ہے ‖ آئینے پہ آئینِ گلستانِ ارم باندھ

پامردِ یک انداز نہیں قامتِ ہستی ‖ طاقت اگر اعجاز کرے، تہمتِ خم باندھ

دیباچۂ وحشت ہے، اسد، شکوۂ خوباں ‖ خوں کر دلِ اندیشہ، و مضمونِ ستم باندھ

١٥٦

ق، قا

خلق ہے صفحۂ عبرت سے سبق ناخواندہ ‖ ورنہ ہے چرخ و زمیں، یک ورقِ گرداندہ

دیکھ کر بادہ پرستوں کی دل افسردگیاں ‖ موجِ مے، مثلِ خطِ جام، ہے برجا ماندہ

---

١ ب، ق، قا، سامان بادشاھی وصل - متن کے الفاظ گل رعنا کے ھیں - نیز قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے - ٣ الف، ح، باز کر (سہو کاتب) - ٦ الف، ق، قا، عمدہ، وہ نامہ رساں سے بسوز دل - متن کے الفاظ گل رعنا کے ھیں - ١٠ ب، ح، یہ آئین - ١٤ الف، ق، ح، میکدے میں ز دل افسردگی بادہ کشاں ب، ح، ھرجا (سہو کاتب) -

خواهشِ دل ہے زباں کو سببِ گفت و بیاں
ہے، سخن، گردِ زِ دامانِ ضمیر افشانده

کوئی آگاه نہیں باطنِ ہمدیگر سے
ہے، ہر اک فرد، جہاں میں ورقِ ناخوانده

حیف! بیحاصلیِ اہلِ ریا پر، غالب
یعنی ہیں مانده ازاں سو و ازیں سو رانده

۱۵۷

ق، قا

بسکہ مے پیتے ہیں، اربابِ فنا پوشیده
خطِ پیمانۂ مے، ہے نفسِ دزدیده

بغرورِ طرحِ قامت و رعنائیِ سرو
طوق، ہے گردنِ قمری میں رگِ بالیده ۵

کی ہے وا اہلِ جہاں نے بگلستانِ جہاں
چشمِ غفلت نظرِ شبنمِ خور نادیده

یاس آئینۂ پیدائیِ استغنا ہے
ناامیدی ہے پرستارِ دلِ رنجیده

واسطے فکرِ مضامینِ متیں کے، غالب
چاہیے خاطرِ جمع و دلِ آرامیده

۱۵۸

ق، قا

جوشِ دل ہے مجھ سے حسنِ فطرتِ بیدل نپوچھ
قطرے سے میخانۂ دریاے بے ساحل نپوچھ

پُر گشتنہاے دل، بزمِ نشاطِ گردباد
لذتِ عرضِ کشادِ عقدۂ مشکل نپوچھ ۱۰

آبلہ، پیمانۂ اندازۂ تشویش تھا
اے دماغِ نارسا، خمخانۂ منزل نپوچھ

نَے صبا بالِ پری، نَے شعلہ سامانِ جنوں
شمع سے جز عرضِ افسونِ گدازِ دل نپوچھ

یک مژه برہم زدن، حشرِ دو عالم فتنہ ہے
یاں سراغِ عافیت، جز دیدۂ بسمل نپوچھ

بزم ہے یک پنبۂ مینا، گدازِ ربط سے
عیش کر، غافل، حجابِ نشّۂ محفل نپوچھ

تا تخلص جامۂ شنگرفی ارزانی، اسد
شاعری جز سازِ درویشی نہیں، حاصل نپوچھ ۱۵

---

۲ ب، قا، ایک ۔ ۳ ب، ق، ح، ز آں سو ۔ ۹ الف، ق، ح، نشہ ہاے فطرت ۔ ب، ح، قطره ہی میخانہ ہے ۔
۱۲ الف، ق، ح، سوداے جنوں ۔

۱۵۹

ق، قا

شکوہ و شکر کو ثمر بیم و اُمید کا سمجھ
خانۂ آگہی خراب! دل نہ سمجھ، بلا سمجھ

ریگِ رواں و ہر تپش درسِ تسلّیِ شعاع
آئنہ توڑ، اے خیال، جلوے کو خونبہا سمجھ

وحشتِ دردِ بیکسی، بے اثر اس قدر نہیں
رشتۂ عمرِ خضر کو نالۂ نارسا سمجھ

شوقِ عناں گسل اگر درسِ جنوں ہوس کرے
جادۂ سیرِ دو جہاں، یک مژہ خوابِ پا سمجھ

۵ گاہ بخلد امیدوار، گہ بہ جحیم بیمناک
گرچہ خدا کی یاد ہے، کلفتِ ماسوا سمجھ

اے بسرابِ حسنِ خلق تشنۂ سعیِ امتحاں
شوق کو منفعل نکر، ناز کو التجا سمجھ

شوخیِ حسن و عشق ہے آئنہ دارِ ہمدگر
خار کو بے نیام جاں، ہم کو برہنہ پا سمجھ

نغمۂ بیدلاں، اسد، سازِ فسانگی نہیں
بسملِ دردِ خفتہ ہوں، گریے کو ماجرا سمجھ

۱۶۰

ق، قا

کلفتِ ربطِ این و آں، غفلتِ مُدّعا سمجھ
شوق کرے جو سر گراں، محملِ خوابِ پا سمجھ

۱۰ جلوہ نہیں ہے دردِ سر، آئنہ صندلی نکر
عکس کجا؟ و کو نظر؟ نقش کو مدعا سمجھ

حیرت اگر خرام ہے، کارِ نگہ تمام ہے
گر کفِ دست بام ہے، آئنے کو ہوا سمجھ

ہے خطِ عجزِ ما و تو، اولِ درسِ آرزو
ہے یہ سیاقِ گفتگو، کچھ نہ سمجھ، فنا سمجھ

شیشہ شکستِ اعتبار، رنگ بگردش اُستُوار
گر نہ مٹیں یہ کوہسار، آپ کو تو صدا سمجھ

نغمہ ہے، محوِ ساز رہ، نشّہ ہے، بے نیاز رہ
رندِ تمام ناز رہ، خلق کو پارسا سمجھ

---

۱ الف، قا، شکر کا—کو سمجھ (سہو کاتب)۔ ۲ الف، ح، مر تپش (سہو کاتب)۔ ب، ح، آئنہ طور۔ (سہو کاتب)۔
۴ الف، ح، عنا گسل (سہو کاتب)۔ ۶، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔ ۸ الف، ق، ح، بیدلی۔ ب، ق، ح،
خفتہ ہو، گریۂ ماجرا۔ ۱۲ ب، ق پہلے، کہتے ہیں اہل گفتگو۔

چربیِ پہلوے خیال، رزقِ دو عالم احتمال
کل ہے جو وعدۂ وصال، آج بھی، اے خدا، سمجھ

نے سروبرگِ آرزو، نے رہ و رسمِ گفتگو
اے دل و جانِ خلق، تو ہم کو بھی آشنا سمجھ

لغزشِ پا کو ہے بلد، نغمۂ «یا علی مدد»
ٹوٹے گر آئنہ، اسد، سُبحہ کو خونبہا سمجھ

ی

۱۶۱

ق، قا

دل ہی نہیں کہ منّتِ درباں اٹھائیے
کس کو وفا کا سلسلہ جُنباں اُٹھائیے؟

تا چند داغ بیٹھیے، نقصاں اُٹھائیے؟
اب چار سوے عشق سے دوکاں اُٹھائیے ۵

ہستی، فریب نامۂ موجِ سراب ہے
یک عمر نازِ شوخیِ عُنواں اٹھائیے

ضبطِ جنوں سے، ہرسرِ مو ہے ترانہ خیز
یک نالہ بیٹھیے، تو نیستاں اٹھائیے

نذرِ خراشِ نالہ، سرشکِ نمک اثر
لطفِ کرم، بدولتِ مہماں اٹھائیے

انگور، سعیِ بے سروپائی سے سبز ہے
غالب، بدوشِ دل خُمِ مستاں اٹھائیے

۱۶۲

ق، قا

کیا پوچھے ہے بر خود غلطیہاے عزیزاں؟
خواری کو بھی اک عار ہے، عالی نسبوں سے ۱۰

گو تم کو رضا جوئیِ اغیار ہے، لیکن
جاتی ہے ملاقات کب ایسے سببوں سے؟[۱]

مت پوچھ، اسد، غصّۂ کم فرصتیِ زیست
دو دن بھی جو کاٹے، تو قیامت تعبوں سے

۸ الف، قا، ح، طرز خراش - ۱۰ ب، قا، ایک - ۱۲ الف، قا، ح، وعدۂ -

۱- اس مضمون کو یوں بھی ادا کیا ہے:

تم جانو، تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو ٭ مجھ کو بھی پوچھتے رہو، تو کیا گناہ ہو؟

۱۶۳

ق، قا

مجھے معلوم ہے جو تو نے میرے حق میں سوچا ہے — کہیں ہو جائے جلد، اے گردشِ گردونِ دوں، وہ بھی

نظر راحت پہ میری، کر نہ وعدہ شب کے آنے کا — کہ میری خواب بندی کے لیے ہوگا فسوں وہ بھی

۱٦٤

ق، قا

کرتے ہو شکوہ کس کا؟ تم اور بیوفائی! — سر پیٹتے ہیں اپنا، ہم اور نیکنامی

صد رنگ گل کترنا، در پردہ قتل کرنا — تیغِ ادا نہیں ہے پابندِ بے نیامی

۵ طرفِ سخن نہیں ہے مجھ سے، خدا نکردہ — ہے نامہ بر کو اُس سے دعوائے ہمکلامی

طاقت فسانۂ باد، اندیشہ شعلہ ایجاد — اے غم، ہنوز آتش! اے دل، ہنوز خامی!

ہر چند عمر گزری آزردگی میں، لیکن — ہے شرحِ شوق کو بھی، جوں شکوہ، ناتمامی

ہے یاس میں اسد کو ساقی سے بھی فراغت — دریا سے خشک گزری مستوں کی تشنہ کامی

۱٦۵

ق، قا

دلّی کے رہنے والو، اسد کو ستاؤ مت — بیچارہ، چند روز کا یاں میہمان ہے

۱٦٦

ق. قا

۱۰ گر مصیبت تھی، تو غربت میں اُٹھا لیتا، اسد — میری دلّی ہی میں ہونی تھی یہ خواری، ہائے ہائے!

---

۱ الف، قا، سونچا - ۸ الف، قا، «بھی» ندارد (سہو کاتب) - ۹ الف، ق، ح، دھلی - ۱۰ الف، ق، ح، اونٹھا لیتے - ب، ق، ح، دھلی -

۱٦۷
ق، قا

کیا غم ہے اس کو، جس کا علی سا امام ہو
اتنا بھی، اے فلک زدہ، کیوں بیحواس ہے؟

۱٦۸
ق، قا

پہلو تہی نکر غم و اندوہ سے، اسد
دل وقفِ درد رکھ کہ فقیروں کا مال ہے

۱٦۹
ق، قا

نظر بہ نقصِ گدایاں، کمالِ بے ادبی ہے
کہ خارِ خشک کو بھی دعویِ چمن نسبی ہے

ہوا وصال سے شوقِ دلِ حریص زیادہ
لبِ قدح پہ، کفِ بادہ، جوشِ تشنہ لبی ہے

خوشا! وہ دل کہ سراپا طلسمِ بیخبری ہو
جنونِ یاس و الم، رزقِ مدعا طلبی ہے ۵

چمن میں کس کی، یہ برہم ہوئی ہے، بزمِ تماشا؟
کہ برگ برگِ سمن، شیشہ ریزۂ حلبی ہے

امام ظاہر و باطن، امیرِ صورت و معنی
علی، ولی، اسداللہ، جانشینِ نبی ہے

۱۷۰
ق، قا

ظاہر ہے، طرزِ قید سے، صیاد کی غرض
جو دانہ دام میں ہے، سو اشکِ کباب ہے

بے چشمِ دل، نکر ہوسِ سیرِ لالہ زار
یعنی یہ ہر ورق، ورقِ انتخاب ہے

---

۲ ب، ق ح، دردکر - ۵ ب، ق، ح، جنون و یاس -

۱۷۱

ق، قا

ہے پیچتابِ رشتۂ شمعِ سحر گہی
خجلت گدازیِ نفسِ نارسا مجھے

واں رنگہا بہ پردۂ تدبیر ہیں ہنوز
یاں شعلۂ چراغ ہے، برگِ حنا مجھے

پروازہا، نیازِ تماشاے حسنِ دوست
بالِ کشادہ ہے، نگہِ آشنا مجھے

از خود گزشتگی میں خموشی پہ حرف ہے
موجِ غبارِ سرمہ ہوئی ہے، صدا مجھے

۵ تا چند پستِ فطرتیِ طبعِ آرزو؟
یا رب، ملے بلندیِ دستِ دعا مجھے!

یاں آب و دانہ، موسمِ گل میں، حرام ہے
زُنّارِ واگستہ ہے، موجِ صبا مجھے

یکبار امتحانِ ہوس بھی ضرور ہے
اے جوشِ عشق، بادۂ مردآزما مجھے

میں نے جنوں سے کی جو، اسد، التماسِ رنگ
خونِ جگر میں ایک ہی غوطہ دیا مجھے

۱۷۲

ق، قا

کہوں کیا گرمجوشی میکشی میں شعلہ رویاں کی
کہ شمعِ خانۂ دل، آتشِ مے سے فروزاں کی

۱۰ ہمیشہ مجھ کو طفلی میں بھی مشقِ تیرہ روزی تھی
سیاہی، ہے مرے ایام میں، لوحِ دبستاں کی

دریغ! آہِ سحرگہ کارِ بادِ صبح کرتی ہے
کہ ہوتی ہے زیادہ، سرد مہری شمع رویاں کی

مجھے اپنے جنوں کی، بے تکلف، پردہ داری تھی
ولیکن کیا کروں، آوے جو رسوائیِ گریباں کی

ہنر پیدا کیا ہے میں نے، حیرت آزمائی میں
کہ جوہر آئنے کا ہر پلک، ہے، چشمِ حیراں کی

خدایا، کس قدر اہلِ نظر نے خاک چھانی ہے!
کہ ہیں صد رخنہ، جوں غربال، دیواریں گلستاں کی

۱۵ ہوا شرمِ تہیدستی سے وہ بھی سرنگوں آخر
بس، اے زخمِ جگر، اب دیکھ لی شورش نمکداں کی

بیادِ گرمیِ صحبت، برنگِ شعلہ دہکے ہے
چھپاؤں کیونکہ، غالب، سوزشیں داغِ نمایاں کی

---

۲ ح، یہ پردہ (سہو کاتب) -

۱۷۳

ق، قا

نہ کھینچ، اے دستِ سعیِ نارسا، زلفِ تمنا کو — پریشاں تر ہے موے خامہ سے تدبیر مانی کی

کہاں ہم بھی رگ و پے رکھتے ہیں، انصاف بہتر ہے — نہ کھینچے، طاقتِ خمیازہ، تہمت ناتوانی کی

تکلف برطرف، فرہاد اور اتنی سبکدستی — خیال آساں تھا، لیکن خوابِ خسرو نے گرانی کی

اسد کو بوریے میں دھر کے پھونکا موجِ ہستی نے — فقیری میں بھی باقی ہے، شرارت نوجوانی کی

۱۷۴

ق، حاشیۂ ق، قا

بجز دیوانگی ہوتا نہ انجامِ خودآرائی — اگر پیدا نکرتا آئنہ زنجیر جوہر کی ۵

مرا دل مانگتے ہیں عاریت اہلِ ہوس، شاید ☆ یہ جایا چاہتے ہیں آج دعوت میں سمندر کی

غرورِ لطفِ ساقی نشّۂ بیباکیِ مستاں — نمِ دامانِ عصیاں ہے، طراوت موجِ کوثر کی

اسد، جز آب بخشیدن زِ دریا خضر کو کیا تھا؟ — ڈبوتا چشمۂ حیواں میں، گر، کشتی سکندر کی

۱۷۵

ق، قا

ہوا ہے مانعِ عاشق نوازی، نازِ خودبینی — تکلف بر طرف، آئینۂ تمییز حائل ہے

بسیلِ اشک، لختِ دل ہے دامنگیرِ مژگاں کا — غریقِ بحر، جویاے خس و خاشاکِ ساحل ہے ۱۰

بہا ہے یاں تک اشکوں میں، غبارِ کلفتِ خاطر — کہ چشمِ تر میں، ہر یک پارۂ دل، پاے درگل ہے

نکلتی ہے تپش میں بسملوں کی، برق کی شوخی — غرض اب تک خیالِ گرمیِ رفتارِ قاتل ہے

---

۱ الف، ق، ح. اے سعی دست نارسا ۔ ۲ الف، ح، کہاں ہم ۔ ۴ ب، قا "بھی" ندارد ۔ ۵، قا ندارد ۔
۶ ب، ح، جانا ۔ ۱۰، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے ۔ ۱۱ ب، ح، ہر اک ۔

۱۷٦

ق قا،

تشنۂ خونِ تماشا جو وہ پانی مانگے
آئنہ، رخصتِ اندازِ روانی مانگے

رنگ سے گل نے دمِ عرضِ پریشانیِ بزم
برگِ گل، ریزۂ مینا کی نشانی مانگے

زلفِ تحریرِ پریشانِ تقاضا ہے، مگر
شانہ ساں، مُو بزباں خامۂ مانی مانگے

آمدِ خط ہے، نکر خندۂ شیریں، کہ مباد!
چشمِ مور، آئنۂ دل نگرانی مانگے

۵ ہوں گرفتارِ کمینگاہِ تغافل کہ جہاں
خوابِ صیاد سے، پرواز، گرانی مانگے

چشمِ پرواز و نفس خفتہ، مگر ضعفِ امید
شہپرِ کاہ، پَۓ مژدہ رسانی مانگے

وحشتِ شورِ تماشا ہے کہ جوں نکہتِ گل
نمکِ زخمِ جگر بال فشانی مانگے

گر ملے حضرتِ بیدل کا خطِ لوحِ مزار
اسد آئینۂ پردازِ معانی مانگے

۱۷۷

ق، قا

ہمزباں آیا نظر فکرِ سخن میں تو مجھے
مردمک، ہے طوطیِ آئینۂ زانو مجھے

۱۰ خاکِ فرصت بر سرِ ذوقِ فنا! اے انتظار
ہے، غبارِ شیشۂ ساعت، رمِ آہو مجھے

یادِ مژگاں میں، بہ نشترزارِ سودائے خیال
چاہیے، وقتِ تپش، یکدست صد پہلو مجھے

کثرتِ جور و ستم سے، ہو گیا ہوں بیدماغ
خوبرویوں نے بنایا عاقبت بدخو مجھے

اضطرابِ عمر بے مطلب نہیں آخر، کہ ہے
جستجوئے فرصتِ ربطِ سرِ زانو مجھے

چاہیے درمانِ ریشِ دل بھی تیغِ ناز سے
مرہمِ زنگار ہے وہ وسمۂ ابرو مجھے

---

۲ الف، ح، رنگ نے گل سے - ۴ الف، ح، خط سے - ۱۱ الف، ق پہلے، صحرائے - ب، ق پہلے، ہر تپش -
۱۲ ب، ق پہلے، بنایا ہے، اسد - اصلاح، بنایا غالب بدخو - مگر مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا - ۱٤ الف، ح، تیغِ یار -

۱۷۸

ق، قا

باعثِ واماندگی ہے عمرِ فرصت جُو مجھے
کر دیا ہے پا بزنجیرِ رمِ آہو مجھے

فرصت آرامِ غشِ ہستی ہے، بُحرانِ عدم
ہے شکستِ رنگِ امکاں، گردشِ پہلو مجھے

سازِ ایمائے فنا ہے عالمِ پیری، اسد
قامتِ خم سے ہے حاصل شوخیِ ابرو مجھے

۱۷۹

ق، قا

دلِ بیمار از خود رفتہ، تصویرِ نہالی ہے
کہ مژگاں، ریشہ‌دارِ نیستانِ شیرِ قالی ہے

سرورِ نشّۂ گردش، اگر، کیفیّت افزا ہو
نہاں ہر گردبادِ دشت میں جامِ سفالی ہے ۵

عروجِ نشّہ ہے سر تا قدم، قدِّ چمن رویاں
بجائے خود، وگرنہ، سرو بھی مینائے خالی ہے

ہوا، آئینہ، جامِ بادہ عکسِ روئے گلگوں سے
نشانِ خالِ رخ، داغِ شرابِ پرتگالی ہے

پیائے خامۂ مو، طے رہِ وصفِ کمر کیجے
کہ تارِ جادۂ سرمنزلِ نازک خیالی ہے

اسد، اُٹھنا قیامت قامتوں کا وقتِ آرایش
لباسِ نظم میں بالیدنِ مضمونِ عالی ہے

۱۸۰

ق، قا

بتانِ شوخ کا دل سخت ہوگا کس قدر، یارب!
مری فریاد کو، کہسار، سازِ عجزِ نالی ہے ۱۰

نشانِ بیقرارِ شوق، جز مژگاں، نہیں باقی
کئی کانٹے ہیں، اور پیراہنِ شکلِ نہالی ہے

جنوں کر، اے چمن تحریر درسِ شغلِ تنہائی
نگاہِ شوق کو، صحرا بھی، دیوانِ غزالی ہے

سیہ مستی ہے اہلِ خاک کو ابرِ بہاری سے
زمیں، جوشِ طرب سے، جامِ لبریزِ سفالی ہے

---

۱ ب، قا، سردیا ہے (سہو کاتب)۔ ۱۱ ب، ح، عجز مالی۔ ۱۳ الف قا، «ہے» ندارد۔ ح، بہاری ہے (سہو کاتب)۔ ب، ق بہاسے، زمیں کیفیت یک۔

اسد، مت رکھ تعجب خر دماغیہاے مُنعم کا | کہ یہ نامرد بھی شیرافگنِ میدانِ قالی ہے

۱۸۱

ق، قا

نشّۂ مے، بے چمن، دودِ چراغِ کشتہ ہے | جام، داغِ شعلہ اندودِ چراغِ کشتہ ہے
داغِ ربطِ ہم ہیں اہلِ باغ، گر گل ہو شہید | لالہ، چشمِ حسرت آلودِ چراغِ کشتہ ہے
شور ہے کس بزم کی عرضِ جراحت خانہ کا؟ | صبح، یک زخمِ نمک سودِ چراغِ کشتہ ہے
۵ نامرادِ جلوہ، ہر عالم میں حسرت گل کرے | لالہ، داغِ شعلہ فرسودِ چراغِ کشتہ ہے
ہو جہاں، تیرا دماغِ ناز، مستِ بیخودی | خوابِ نازِ گلرخاں، دودِ چراغِ کشتہ ہے[۳]
ہے، دلِ افسردہ، داغِ شوخیِ مطلب، اسد | شعلہ، آخر فالِ مقصودِ چراغِ کشتہ ہے

۱۸۲

ق، قا

آئینہ، نفس سے بھی ہوتا ہے کُدورت کش | عاشق کو، غبارِ دل، اک وجہِ صفائی ہے
ہنگامِ تصور ہوں دریوزہ گرِ بوسہ | یہ کاسۂ زانو بھی اک جامِ گدائی ہے
۱۰ وہ، دیکھ کے حسن اپنا، مغرور ہوا، غالب | صد جلوۂ آئینہ، یک صبحِ جدائی ہے

۱۸۳

ق، قا

یوں، بعدِ ضبطِ اشک، پھروں گِرد یار کے | پانی پیے کسو پہ کوئی جیسے وار کے
بعد از وِداعِ یار، بخوں در تپیدہ ہیں | نقشِ قدم، ہیں ہم، کفِ پاے نگار کے
ظاہر ہے ہم سے، کلفتِ بختِ سیاہ روز | گویا کہ تختہ مشق ہیں خطِّ غبار کے

---

۳ الف، ق، ح، داغ ہمدیگر ہیں -

حسرت سے دیکھ رہتے ہیں، ہم، آب و رنگ گل   مانندِ شبنم، اشک ہیں مژگانِ خار کے
ہم، مشق فکرِ وصل و غمِ ہجر سے، اسد   لائق نہیں رہے ہیں، غمِ روزگار کے

۱۸۴

ق. قا

بنقصِ ظاہری، رنگِ کمالِ طبع، پنہاں ہے   کہ بہرِ مدعاے دل، زبانِ لال، زنداں ہے
خموشی، خانہ زادِ چشمِ بے پروا نگاہاں ہے   غبارِ سرمہ، یاں گردِ سوادِ نرگستاں ہے
صفاے اشک میں داغِ جگر جلوہ دکھاتے ہیں   پرِ طاؤس، گویا، برقِ ابرِ چشمِ گریاں ہے ۵
بوے زلفِ مشکیں یہ، دماغ، آشفتۂ رم ہیں   کہ شاخِ آہواں، دودِ چراغِ آسا پریشاں ہے

۱۸۵

ق. قا

تمام اجزاے عالم صیدِ دامِ چشمِ گریاں ہے   طلسمِ شش جہت، یک حلقۂ گردابِ طوفاں ہے
نہیں ہے مردنِ صاحبدلاں، جز کسبِ جمعیّت   سُوَیدا میں نَفَس، مانندِ خط نقطے میں، پنہاں ہے
غبارِ دشتِ وحشت، سرمہ سازِ انتظار آیا   کہ چشمِ آبلہ میں طولِ میلِ راہِ مژگاں ہے
زبس دوشِ رمِ آہو پہ ہے محملِ تمنا کا   جنونِ قیس سے بھی شوخیِ لیلی نمایاں ہے ۱۰
نقابِ یار ہے، غفلت نگاہیِ اہلِ بینش کی   مژہ پوشیدنیہا، پردۂ تصویرِ عریاں ہے
اسد، بندِ قباے یار ہے فردوس کا غنچہ   اگر وا ہو، تو دکھلادوں کہ یک عالم گلستاں ہے

۱۸۶

ق، قا

کجا مَے؟ کو عرق؟ سعیِ عروجِ نشہ رنگیں تر   خطِ رخسارِ ساقی، تا خطِ ساغر چراغاں ہے

---

۱ الف، ح، «ہیں» ندارد (سہو کاتب) - ۴ ب، ق، ح، سنبلستاں - ۷ الف، ق، ح، جہاں زندان موجستان دلہاے پریشاں ہے -
۸ ب، ق، ح، مانند خط در نقطہ - ۱۱، قا میں اس زمین کی یہ آخری غزل اس لیے ناقص ہے کہ قا کا اگلا ورق گم
ہوگیا ہے - گمان غالب ہے کہ یہ دو شعر بھی اس ورق کے ساتھ ضائع ہوگئے -

رها بیقدر دل، در پردۂ جوشِ ظهور آخر — گل و نرگس بہم، آئینہ و اقلیمِ کوراں ہے
تکلف سازِ رسوائی ہے، غافل، شرمِ رعنائی — دلِ خوں‌گشتہ،در دستِ حنا آلودہ عریاں ہے
تماشا، سرخوشِ غفلت ہے باوصفِ حضورِ دل — ہنوز آئینہ، خلوتگاہِ نازِ ربطِ مژگاں ہے
تکلف بر طرف، ذوقِ زلیخا جمع کر، ورنہ — پریشاں خوابِ آغوشِ وداعِ یوسفستاں ہے
۵ اسد، جمعیّتِ دل در کنارِ بیخودی خوشتر — دو عالم آگہی، سامانِ یک خوابِ پریشاں ہے

۱۸۷

ق، قا

عاشق، نقابِ جلوۂ جانانہ چاہیے — فانوسِ شمع کو پرِ پروانہ چاہیے
پیدا کریں دماغِ تماشائے سرو و گل — حسرت کشوں کو ساغر و مینا نہ چاہیے
دیوانگاں ہیں حاملِ رازِ نہانِ عشق — اے بے تمیز، گنج کو ویرانہ چاہیے
ساقی، بہارِ موسمِ گل ہے سروربخش — پیماں سے ہم گزرگئے، پیمانہ چاہیے
۱۰ جادو ہے یار کی روشِ گفتگو، اسد — یاں جز فسوں نہیں، اگر افسانہ چاہیے گ

۱۸۸

ق ،قا

ہاتھ پر گر ہاتھ مارے یار وقتِ قہقہہ — کرمکِ شب تاب آسا، مہ پرافشانی کرے
وقت اُس اُفتادہ کا خوش، جو قناعت سے، اسد — نقشِ پائے مور کو تختِ سلیمانی کرے

۱۸۹

ق. قا

ہے، صریرِ خامہ، ریزشہائے استقبالِ ناز — نامہ خود پیغام کو بال و پرِ پرواز ہے

---

۱۰ الف، ق و قا، جادو ہے طرزِ گفتگوئے یار، اے اسد ح، جادہ ہے۔ متن کے الفاظ گل کے ہیں۔ ۱۳ ب، ح، بال و پرواز (سہوِ کاتب)۔

سر نوشتِ اضطراب انجامیِ الفت نپوچھ
نالِ خامہ، خار خارِ خاطرِ آغاز ھے

نغمہ ھے کانوں میں اُس کے، نالۂ مرغِ اسیر
رشتۂ پا، یاں نوا سامانِ بندِ ساز ھے

شرم ھے طرزِ تلاشِ انتخابِ یک نگاہ
اضطرابِ چشمِ بر پا دوختہ، غمّاز ھے

شوخیِ اظہار غیر از وحشتِ مجنوں نہیں
لیلیِ معنی، اسد، محملِ نشینِ راز ھے

۱۹۰

ق، قا

خوابِ جمعیّتِ مخمل ھے پریشاں مجھ سے
رگِ بستر کو ملی شوخیِ مژگاں مجھ سے ۵

کنجِ تاریک و کمیں گیریِ اخترشُمری
عینکِ چشم بنا روزنِ زنداں مجھ سے

اے تسلی، ہوسِ وعدہ فریب افسوں ھے
ورنہ، کیا ہو نہ سکے نالہ بساماں مجھ سے؟

بستنِ عہدِ محبت ھمہ نادانی تھا
چشمِ نکشودہ رھا عقدۂ پیماں مجھ سے

آتش افروزیِ یک شعلۂ ایما تجھ سے
چشمک آرائیِ صد شہرِ چراغاں مجھ سے

اے اسد، دسترسِ وصلِ تمنا معلوم
کاش! ہو قدرتِ برچیدنِ داماں مجھ سے ۱۰

۱۹۱

ق، قا

بسکہ حیرت سے زِ پا افتادۂ زنہار ھے
ناخنِ انگشت، تبخالِ لبِ بیمار ھے

زلف سے شب درمیاں دادن نہیں ممکن، دریغ!
ورنہ، صد محشر برہنِ جلوۂ رخسار ھے

در خیال آبادِ سودائے سرِ مژگانِ دوست
صد رگِ جاں، جادہ آسا، وقفِ نشترزار ھے

---

۱ ب، ق، ح، خار در پیراہن۔ ۲ الف، ق، ح، نالۂ دل نغمہ ریزاں ھے بمضراب خیال ۔ نیز قا میں یہ شعر تیسرے نمبر پر ھے۔ ۴ الف، ق، کو جز وحشت مجنوں، اسد ب، ق، ح، بسکہ لیلائے سخن ۔ ۵ الف، قا، بجمل (سہو کاتب) ۔ ۷ ب، ح، بساماں (سہو کاتب) ۔ ۸ ب، قا، نکسودہ (سہو کاتب) ۔ ۱۲ ب، ق، ح، برہن صافی ۔ ۱۳، قا ندارد ۔

بسکہ ویرانی سے کفر و دیں ہوے زیر و زبر
گردِ صحراے حرم تا کوچۂ زُنّار ہے

اے سرِ شوریدہ، ذوقِ عشق و پاسِ آبرو!
جوشِ سودا کب حریفِ منّتِ دستار ہے؟

وصل میں دل انتظارِ طرفہ رکھتا ہے، مگر
فتنہ، تاراجِ تمنا کے لیے درکار ہے

خانماںہا، پایمالِ شوخیِ دعوی، اسد
سایۂ دیوار، سیلابِ در و دیوار ہے

۱۹۲

ق، قا

۵ تغافل مشربی سے، ناتمامی بسکہ پیدا ہے
نگاہِ ناز، چشمِ یار میں زُنّارِ مینا ہے

تصرّف وحشیوں میں ہے تصورہاے مجنوں کا
سوادِ چشمِ آہو، عکسِ خالِ روے لیلا ہے

محبت، طرزِ پیوندِ نہالِ دوستی جانے
دویدن، ریشہ ساں، مفتِ رگِ خوابِ زلیخا ہے

کیا یکسر گدازِ دل نیازِ جوششِ حسرت
سُوَیدا، نسخۂ تہ بندیِ داغِ تمنا ہے

ہجومِ ریزشِ خوں کے سبب رنگ اُڑ نہیں سکتا
حناے پنجۂ صیاد، مرغِ رشتہ برپا ہے

۱۰ اسد، گر نامِ والاے علی تعویذِ بازو ہو
غریقِ بحرِ خوں، تِمثال در آئینہ رہتا ہے

۱۹۳

ق، قا

اثر سوزِ محبت کا، قیامت بے مُحابا ہے
کہ رگ سے سنگ میں تخمِ شرر کا ریشہ پیدا ہے

نہاں ہے گوہرِ مقصود جیبِ خود شناسی میں
کہ یاں غَوّاص ہے تِمثال، اور آئینہ دریا ہے

عزیزو، ذکرِ وصلِ غیر سے مجھ کو نہ بہلاؤ
کہ یاں افسونِ خواب، افسانۂ خوابِ زلیخا ہے

---

۲ الف، ق، ح، ناز عشق۔ ب، ق، ح، یک طرف سودا و یک سو منت۔ ۵، قا میں اس غزل اور آیندہ غزل کی ترتیب اشعار بدلی ہوئی ہے۔ ۸ الف، ح، بناز جوشش۔ ۱۰، ۱۲، ۱۳، قا ندارد۔ ۱۳ الف، ق پہلے، عزیزاں گرچہ بہلاتے ہیں ذکر وصل سے، لیکن۔ ب، مجھے۔

تصور، بہرِ تسکینِ تپیدنہاے طفلِ دل
بباغِ رنگہاے رفتہ، گلچینِ تماشا ہے

بسعیِ غیر ہے، قطعِ لباسِ خانہ ویرانی
کہ تارِ جادۂ رہ، رشتۂ دامانِ صحرا ہے

مجھے شبہاے تاریکِ فراقِ شعلہ رویاں میں
چراغِ خانۂ دل، سوزشِ داغِ تمنا ہے

ترے نوکر ترے در پر اسد کو ذبح کرتے ہیں
ستمگر، ناخدا ترس، آشنا کش، ماجرا کیا ہے؟

۱۹۴

ق، قا

بزمِ مے پرستی، حسرتِ تکلیف بیجا ہے
کہ جامِ بادہ، کفِ برلب بتقریبِ تقاضا ہے ۵

نشاطِ دیدۂ بینا ہے۔ کو خواب؟ و چہ بیداری؟
بہم آوردہ مژگاں، روے بر روے تماشا ہے

نگہ، معمارِ حسرتہا۔ چہ آبادی؟ چہ ویرانی؟
کہ مژگاں جس طرف وا ہو، بکفِ دامانِ صحرا ہے

نہ سووے آبلوں میں، گر، سرِ شکِ دیدۂ نم سے
بجولاں گاہِ نومیدی، نگاہِ عاجزاں، پا ہے

بسختیہاے قیدِ زندگی معلوم آزادی
شرر بھی صیدِ دامِ رشتۂ رگہاے خارا ہے

اسد، یاسِ تمنا سے نہ رکھ امیدِ آزادی
گدازِ ہر تمنا آبیارِ صد تمنا ہے ۱۰

۱۹۵

ق، قا

بذوقِ شوخیِ اعضا تکلف بارِ بستر ہے
مُعافِ پیچ تابِ کشمکش، ہر تارِ بستر ہے

معماے تکلف، سر بمہرِ چشم پوشیدن
گدازِ شمعِ محفل، پیچشِ طومارِ بستر ہے

مژہ فرشِ رہ، و دل ناتوان، و آرزو مضطر
بپاے خفتہ، سیرِ وادیِ پُرخارِ بستر ہے

---

۵ ب، ق، ح، بتکلیف۔ ۶ ب، ق، ح، بوسۂ روے۔ ۷ ب، ق، ح، کف دامان۔ ۹ ب، ق، ح، شرر در بند دام۔
۱۰ ب، ق، ح، گداز آرزوها آبیار آرزوها۔ ۱۱، قا ندارد۔ الف، ح، پیچ و تاب۔

۱۹۶

ق، قا

پاسِ شوخیِ مژگاں، سرِ ہر خار، سُوزن ہے — تبسم، برگِ گل کو بخیۂ دامن نہ ہوجاوے

جراحت دوزیِ عاشق ہے جاے رحم، ترساں ہوں — کہ رشتہ، تارِ اشکِ دیدۂ سُوزن نہ ہوجاوے

غضب شرم آفریں ہے، رنگ ریزیہاے خودبینی — سفیدی آئنے کی، پنبۂ روزن نہ ہوجاوے

۱۹۷

ق، قا

دل سراپا وقفِ سوداے نگاہِ تیز ہے — یہ زمیں، مثلِ نیستاں، سخت ناوک خیز ہے

۵ ہوسکے کیا خاک دست و بازوے فرہاد سے؟ — بیستوں، خوابِ گرانِ خسروِ پرویز ہے

ان ستم کیشوں کے کھائے ہیں، ز بس، تیرِ نگاہ — پردۂ بادام، یک غربالِ حسرت بیز ہے

خوں چکاں ہے جادہ، مانندِ رگِ سودائیاں — سبزۂ صحراے الفت، نشترِ خوں ریز ہے

ہے، بہارِ تیزرو، گلگونِ نکہت پر سوار — یک شکستِ رنگِ گل، صد جنبشِ مہمیز ہے

۱۹۸

ق، قا

تر جبیں رکھتی ہے، شرمِ قطرہ سامانی مجھے — موجِ گردابِ حیا ہے، چینِ پیشانی مجھے

۱۰ شبنم آسا کو مجالِ سُبحہ گردانی مجھے؟ — ہے، شعاعِ مہر، زُنّارِ سلیمانی مجھے

بلبلِ تصویر ہوں بیتابِ اظہارِ تپش — جنبشِ نالِ قلم، جوشِ پرافشانی مجھے

۱، ح، ہوجاوے (ہر جگہ) - ۲ الف، ق، ح، ڈرتا ہوں - ۴ الف، ق، ح، وہ مژہ بر آہ روبانیدن از دل - ح، روبانیدن (سہو کاتب) - ۶، قا ندارد - ۸، ح میں اسے مطبوعہ ظاہر کیا ہے - ۱۰ الف، قا، محال (سہو کاتب) -

۱۱ ب، ح، جوش پریشانی -

ضبط سوز دل ہے وجہ حیرت اظہار حال
داغ ہے مُہر دہن، جوں چشم قربانی مجھے

شوخ، ہے مثل حباب از خویش بیروں آمدن
ہے گریباں گیر فرصت، ذوق عریانی، مجھے

وا کیا ہرگز نہ میرا عقدۂ تار نفس
ناخن بُرّیدہ، ہے تیغ صفاہانی مجھے

ہوں ہیولاے دو عالم، صورت تقریر، اسد
فکر نے سونپی خموشی کی گریبانی مجھے

۱۹۹
ق، قا

صبح، ناپیدا ہے کلفت خانۂ ادبار میں
توڑنا ہوتا ہے رنگ یک نفس، ہرشب مجھے ۵

شومی طالع سے ہوں ذوق معاصی میں اسیر
نامۂ اعمال ہے، تاریکی کوکب مجھے

درد ناپیدا، و بیجا تہمت وارستگی
پردہ دار یاوگی ہے، وسعت مشرب مجھے

۲۰۰
ق، قا

اسد، بہار تماشاے گلستان حیات
وصال لالہ عذاران سرو قامت ہے

۲۰۱
ق، قا

شوخی مضراب جولاں، آبیار نغمہ ہے
برگریز ناخن مُطرب، بہار نغمہ ہے

کس سے، اے غفلت، تجھے تعبیر آگاہی ملے؟
گوشہا سیمابی، و دل بیقرار نغمہ ہے ۱

ساز عیش بیدلی ہے، خانہ ویرانی، مجھے
سیل، یاں کوک صداے آبشار نغمہ ہے

سنبلی خواں ہے، بذوق تار گیسوے دراز
نالۂ زنجیر مجنوں، رشتہ دار نغمہ ہے

شوخی فریاد سے ہے پردۂ زنبور، گل
کسوت ایجاد بلبل، خار خار نغمہ ہے

غفلت استعداد ذوق، و مدعا غافل اسد
پنبۂ گوش حریفاں، پود و تار نغمہ ہے

۲۰۲
ق، قا

خود فروشیہاے ہستی بسکہ جاے خندہ ہے
ہر شکستِ قیمتِ دل میں صداے خندہ ہے

نقشِ عبرت در نظر، یا نقدِ عشرت در بساط
دو جہاں وسعت، بقدرِ یك فضاے خندہ ہے

جاے استہزا ہے، عشرت کوشی ہستی، اسد
صبح و شبنم، فرصتِ نشو و نماے خندہ ہے

۲۰۳
ق، قا

عجزِ دیدنہا بناز، و نازِ رفتنہا بچشم
جادۂ صحراے آگاہی، شعاعِ جلوہ ہے

۵ اختلافِ رنگ و بو، طرحِ بہارِ بیخودی
صلحِ گل، گردِ ادبگاہِ نزاعِ جلوہ ہے

حسنِ خوباں بسکہ بیقدرِ تماشا ہے، اسد
آئنہ، یك دستِ ردِّ امتناعِ جلوہ ہے

۲۰٤
ق، قا

تمثالِ جلوہ عرض کر، اے حسن، کب تلك
آئینۂ خیال کو دیکھا کرے کوئی؟

۲۰۵
ق، قا

وحشت کہاں کہ بیخودی انشا کرے کوئی؟
ہستی کو لفظِ معنیِ عنقا کرے کوئی

جو کچھ ہے، محوِ شوخیِ ابروے یار ہے
آنکھوں کو رکھ کے طاق پہ، دیکھا کرے کوئی

۱۰ عرضِ سرشك پر ہے، فضاے زمانہ، تنگ
صحرا کہاں کہ دعوتِ دریا کرے کوئی؟

---

۱ ب، ق، ح، تا شکست قیمت دلہا - ۲ الف، ح، در نظرہا -

خوانا نہیں ہے خط رقمِ اضطرار کا ٭ تدبیرِ پیچتابِ نفس کیا کرے کوئی؟
وہ شوخ اپنے حسن پہ مغرور ہے، اسد دکھلا کے اُس کو آئنہ توڑا کرے کوئی

۲۰۶

ق، قا

باغ تجھ بن گلِ نرگس سے ڈراتا ہے مجھے چاھوں گر سیرِ چمن، آنکھ دکھاتا ہے مجھے
شورِ تمثال ہے کس رشکِ چمن کا، یارب؟ آئنہ، بیضۂ بلبل نظر آتا ہے مجھے
حیرت آئینۂ انجامِ جنوں ھوں جوں شمع کس قدر داغِ جگر شعلہ اُٹھاتا ہے مجھے! ۵
میں ھوں اور حیرتِ جاوید، مگر ذوقِ خیال بفسونِ نگہِ ناز ستاتا ہے مجھے
حیرتِ فکرِ سخن، سازِ سلامت ہے، اسد دل پسِ زانوے آئینہ بٹھاتا ہے مجھے

۲۰۷

ق، قا

یاد رکھیے نازھاے التفاتِ اوّلیں آشیانِ طائرِ رنگِ حنا ھوجائیے
لطفِ عشقِ ھر یک، اندازِ دگر دکھلاے گا بے تکلف یک نگاہِ آشنا ھوجائیے
داد از دستِ جفاے صدمۂ ضربُ المَثَل! گر ھمہ افتادگی، جوں نقشِ پا، ھوجائیے ۱۰
وسعتِ مشرب، نیازِ کلفتِ وحشت، اسد یک بیابان سایۂ بالِ ھما ھوجائیے

۲۰۸

ق، قا

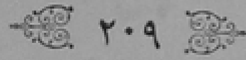
حیرتِ تپیدنہا خوں بہاے دیدنہا رنگِ گل کے پردے میں آئنہ پرافشاں ہے

۱، ق ندارد۔ ۲ ب، ح، اس کو (سہو کاتب)۔ ۳، قا ندارد۔ ۸ ب، ح، رنگ رسا (سہو کاتب)۔

عشق کے تغافل سے، ہرزہ گرد ہے عالم — روے شش جہت آفاق، پشتِ چشمِ زنداں ہے

وحشت انجمن ہے گل، دیکھ لالے کا عالم — مثلِ دودِ مجمر کے، داغ بال افشاں ہے

اے کرم، نہ ہو غافل، ورنہ ہے اسد بیدل — بے گہر صدف گویا، پشتِ چشم نیساں ہے



۲۰۹

ق، قا

غم و عشرت، قدمبوسِ دلِ تسلیم آئیں ہے — دعاے مدعا گم کردگاں، لبریزِ آمیں ہے

۵ تماشا ہے کہ ناموسِ وفا رسواے آئیں ہے — نفس تیری گلی میں خوں ہو، اور بازار رنگیں ہے

ہمارا دیکھنا گر ننگ ہے، سیرِ گلستاں کر — شرارِ آہ سے، موجِ صبا، دامانِ گلچیں ہے

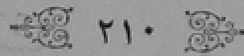
پیامِ تعزیت پیدا ہے اندازِ عیادت سے — شبِ ماتم، تہِ دامانِ دودِ شمع بالیں ہے

زبس جز حسن، منّت ناگوارا ہے طبیعت پر — کشادِ عقد، محوِ ناخنِ دستِ نگاریں ہے

نہیں ہے، سرنوشتِ عشق، غیر از بیدماغیہا — جبین پر میری، مدِّ خامۂ قدرت، خطِ چیں ہے

۱۰ بہارِ باغ، پامالِ خرامِ جلوہ فرمایاں — حنا سے دست، و خونِ کشتگاں سے تیغ، رنگیں ہے

بیابانِ فنا ہے بعدِ صحراے طلب، غالب — پسینہ توسنِ ہمت کا سیلِ خانۂ زیں ہے



۲۱۰

ق، قا

دیکھتا ہوں وحشتِ شوقِ خروش آمادہ سے — فالِ رسوائی، سرشکِ سر بصحرا دادہ سے

دامِ گر سبزے میں پنہاں کیجیے، طاؤس ہو — جوشِ نیرنگِ بہارِ عرضِ صحرا دادہ سے

---

۱ الف، ق، ح، گردی عالم - ب، ح، زنداں (سہو کاتب) - ۲ الف، ق، ح، گل بکوہ از لالہ بزم ساز بیتابی - ب، ق، ح، دود مجمرھا - ۳ ب، ق، ح، از گہر صدف خالی - ۴ ب، ق ح، عشق آمیں - ۵ ب، قا، حون (سہو کاتب) - ۷ ب، قا، نہ (سہو کاتب) - ۸ ب، ق، ح، عقدہ -

خیمۂ لیلیٰ سیاہ، و خانۂ مجنوں خراب
جوشِ ویرانی ہے عشقِ داغ بیروں دادہ سے

بزمِ ہستی وہ تماشا ہے کہ جس کو ہم، اسدؔ
دیکھتے ہیں چشمِ از خوابِ عدم نکشادہ سے

۲۱۱

ق. قا

منّتِ کشی میں حوصلہ بے اختیار ہے
دامانِ صد کفن، تہِ سنگِ مزار ہے

عبرت طلب ہے، حلِّ معمّائے آگہی
شبنم، گدازِ آئنۂ اعتبار ہے

خجلت کشِ وفا کو شکایت نچاہیے
اے مُدّعی، طلسمِ عرق بے غبار ہے ۵

کیفیّتِ ہجومِ تمنا رسا، اسدؔ
خمیازہ، ساغرِ مَئے رنجِ خمار ہے

۲۱۲

ق، قا

زنجیر یاد پڑتی ہے، جادے کو دیکھ کر
اس چشم سے ہنوز نگہ یادگار ہے

سودائی خیال ہے، طوفانِ رنگ و بو
یاں ہے کہ داغِ لالہ، دماغِ بہار ہے

بھونچال میں گرا تھا یہ آئینہ طاق سے
حیرت، شہیدِ جنبشِ ابروئے یار ہے

حیراں ہوں شوخیٔ رگِ یاقوت دیکھ کر
یاں ہے کہ صحبتِ خس و آتش برار ہے ۱۰

۲۱۳

ق، قا

بحلقۂ خمِ گیسو[11] ہے راستی آموز
دہانِ مار سے گویا صبا نکلتی ہے

برنگِ شیشہ ہوں[12] یک گوشۂ دلِ خالی
کبھی پری مری خلوت میں آنکلتی ہے

اسدؔ کو حسرتِ عرضِ نیاز تھی دمِ قتل
ہنوز، یک سخنِ بے صدا نکلتی ہے

---

۱۱ الف، ح، گیسوے۔ ۱۲ الف، قا میں لفظ «ہوں» خود غالب نے اپنے قلم سے بڑھایا ہے۔

٢١٤

ق. قا

ہے انتظار سے شررآبادِ رستخیز
مژگانِ کوہکن، رگِ خارا کہیں جسے

کس فرصتِ وصال پہ ہے گل کو، عندلیب
زخمِ فراق، خندۂ بیجا کہیں جسے

یارب، ہمیں تو خواب میں بھی مت دکھائیو
یہ محشرِ خیال کہ دنیا کہیں جسے

٢١٥

ق

سر رشتۂ بیتابیِ دل، در گرہِ عجز
پرواز بخوں خفتہ و فریاد رسا ہے

٢١٦

ق، قا

پھونکتا ہے نالہ ہر شب صور اِسرافیل کی
ہم کو جلدی ہے، مگر تو نے قیامت ڈھیل کی

کی ہیں کس پانی سے یاں یعقوب نے آنکھیں سفید؟
ہے جو آبی پیرہن، ہر موج رودِ نیل کی

عرش پر تیرے قدم سے ہے، دماغِ گردِ راہ
آج تنخواہِ شکستن ہے کلاہِ جبریل کی

مدعا در پردہ، یعنی جو کہوں باطل سمجھ
وہ فرنگی زادہ کھاتا ہے قسم انجیل کی

خیر خواہِ دید ہوں، از بہرِ دفعِ چشم زخم
کھینچتا ہوں اپنی آنکھوں میں سلائی نیل کی

١٠ نالہ کھینچا ہے،سراپا داغِ جرأت ہوں، اسد
کیا سزا ہے میرے جرمِ آرزو تاویل کی؟

٢١٧

ق، قا

کیا ہے ترکِ دنیا کاہلی سے
ہمیں حاصل نہیں بیحاصلی سے

خراجِ دیہِ ویراں، یک کفِ خاک
بیاباں خوش ہوں تیری عاملی سے

۴، قا ندارد

پر افشاں ہو گئے شعلے ہزاروں — رہے ہم داغ، اپنی کاہلی سے
خدا، یعنی پدر سے مہرباں تر — پھرے ہم در بدر ناقابلی سے
اسد قربانِ لطفِ جورِ بیدل — خبر لیتے ہیں لیکن بیدلی سے

۲۱۸

ق، قا

نگہ اُس چشم کی، افزوں کرے ہے ناتوانائی — پرِ بالش ہے وقتِ دید، مژگانِ تماشائی
شکستِ قیمتِ دل، آں سوے عذرِ شناسائی — طلسمِ ناامیدی ہے، خجالت گاہِ پیدائی ۵
تحیر ہے گریباں گیرِ ذوقِ جلوہ پیرائی — ملی ہے جوہرِ آئینہ کو، جوں بخیہ، گیرائی
پرِ طاؤس ہے نیرنگِ داغِ حیرت انشائی — دو عالم دیدۂ بسمل چراغاں جلوہ پیمائی
شرارِ سنگ سے پا در حنا گلگونِ شیریں ہے — ہنوز، اے تیشۂ فرہاد، عرضِ آتشیں پائی
غرورِ دستِ ردنے شانہ توڑا فرقِ ہدہد پر — سلیمانی، ہے ننگِ بیدماغانِ خود آرائی
جنوں افسردہ وجاں ناتواں، اے جلوہ، شوخی کر — گئی یک عمر خود داری باستقبالِ رعنائی ۱۰
نگاہِ عبرت افسوں، گاہ برق و گاہ مشعل ہے — ہوا ہر خلوت و جلوت سے حاصل، ذوقِ تنہائی
خدایا، خوں ہو رنگِ امتیاز اور نالہ موزوں ہو — جنوں کو سخت بیتابی ہے، تکلیفِ شکیبائی
جنونِ بیکسی ساغر کشِ داغِ پلنگ آیا — شرر کیفیتِ مے، سنگ محوِ ناز مینائی
خراباتِ جنوں میں ہے، اسد، وقتِ قدح نوشی — بعشقِ ساقیِ کوثر، بہارِ بادہ پیمائی

۲۱۹

ق

بسکہ زیرِ خاک با آبِ طراوت راہ ہے — ریشے سے، ہر تخم کا دلو، اندرونِ چاہ ہے ۱۵

۱، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔ ۳ الف، قا، لطف و جور۔ ۵ الف، قا، عذر ناشناسائی (سہو کاتب)۔
۶، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔ ۸ ب، قا، فریاد (سہو کاتب)۔ ۹ الف، قا، دست زد — ننگ بیدماں (سہو کاتب)۔ ۱۲ ب، ق، ح، عرض - نیز قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔

عکسِ گلہاے سمن سے چشمہ‌ہاے باغ میں
فلسِ ماہی آئنہ پردازِ داغِ ماہ ہے

واں سے ہے تکلیفِ عرضِ بیدماغیہاے دل
یاں صریرِ خامہ، مجھ کو نالۂ جانکاہ ہے

حسن و رعنائی‌میں وہم صد سرو گردن ہے فرق
سرو کے قامت پہ، گل، یک دامنِ کوتاہ ہے

رشک ہے آسایشِ اربابِ غفلت پر، اسد
پیچ و تابِ دل، نصیبِ خاطرِ آگاہ ہے

۲۲۰

ق، حاشیۂ ق، قا

۵ بسکہ چشم از انتظارِ خوش خطاں بے نور ہے
یک قلم، شاخِ گلِ نرگس، عصاے کور ہے

بزمِ خوباں، بسکہ، جوشِ جلوہ سے پُر نور ہے
پشتِ دستِ عجزیاں ہر برگِ نخلِ طور ہے

ہوں، تصور ہاے ہمدوشی سے، بدمستِ شراب
حیرتِ آغوشِ خوباں، ساغرِ بلّور ہے

ہے عجب مُردوں کو غفلتہاے اہلِ دہر سے
سبزہ، جوں انگشتِ حیرت در دہانِ گور ہے

حسرت‌آبادِ جہاں میں ہے، الم، غم آفریں
نوحہ، گویا خانہ زادِ نالۂ رنجور ہے

۱۰ کیا کروں؟ غمہاے پنہاں لے گئے صبر و قرار
دزد گر ہو خانگی، تو پاسباں معذور ہے

ہے ز پا افتادگیِ نشّہ بیماری مجھے
بے سخن، تبخالۂ لب، دانۂ انگور ہے

جس جگہ ہو مسندآرا جانشینِ مصطفیٰ
اُس جگہ تختِ سلیماں، نقشِ پاے مور ہے

واں سے ہے تکلیفِ عرضِ بیدماغی، اور، اسد
یاں صریرِ خامہ مجھ کو نالۂ رنجور ہے

۲۲۱

ق. قا

اے خیالِ وصل، نادر ہے مے آشامی تری
پختگیہاے کبابِ دل ہوئی خامی تری

---

۵. قا ندارد - ۸ الف، قا میں لفظ «عجب» خود غالب نے سطر کے اوپر لکھا ہے - ۱۰ ب، ق، ح، مجبور ہے
۱۱، قا میں یہ بیت آٹھویں شعر کے بعد ہے - الف، ق، ح، افتادگی ھی نشہ پیمائی - ۱۳ الف، ق، ح، ہے وھاں -

رچ گیا جوشِ صفاسے زلف کا، اعضا میں، عکس
ہے نزاکت جلوہ، اے ظالم، سیہ فامی تری

برگریزیہاے گل، ہے وضعِ زر افشاندنی
باج لیتی ہے گلستاں سے گل اندامی تری

بسکہ ہے عبرت لعیبِ یاوگیہاے ہوس
میرے کام آئی، دلِ مایوس، ناکامی تری

ہمنشینیِ رقیباں، گرچہ، ہے سامانِ رشک
لیکن اُس سے ناگوارا تر ہے بدنامی تری

سر بزانوے کرم رکھتی ہے شرمِ ناکسی
اے اسد، بیجا نہیں ہے غفلت آرامی تری ۵

۲۲۲

ق، قا

ربطِ تمیزِ اعیاں، دُردِ مَے صدا ہے
اعمیٰ کو سرمۂ چشم، آوازِ آشنا ہے

موے دماغِ وحشت، سر رشتۂ فنا ہے
شیرازۂ دو عالم، یك آہِ نارسا ہے

دیوانگی ہے، تجھ کو درسِ خرام دینا
موجِ بہار، یکسر زنجیرِ نقشِ پا ہے

پروانے سے ہو. شاید، تسکینِ شعلۂ شمع
آسایشِ وفاہا، بیتابیِ جفا ہے

اے اضطرابِ سرکش، یك سجدہ وار تمکیں
میں بھی ہوں شمعِ کشتہ، گر داغ خوں بہا ہے ۱۰

نَے حسرتِ تسلّی، نہ ذوقِ بیقراری
یك درد و صد دوا ہے، یك دست و صد دعا ہے

دریاے مَے ہے ساقی، لیکن خمار باقی
تا کوچہ دادنِ موجِ خمیازہ آشنا ہے

وحشت نہ کھینچ، قاتل، حیرت نَفَس ہے بسمل
جب نالہ خوں ہو، غافل، تاثیر کیا بلا ہے!

بتخانے میں اسد بھی بندہ تھا گاہ گاہے
حضرت چلے حرم کو، اب آپ کا خدا ہے

۲۲۳

ق، قا

گر یاس سر نہ کھینچے، تنگی عجب فضا ہے
وسعت گہِ تمنا، یك بام و صد ہوا ہے ۱۵

---

۱ الف، ح، جوش صفاے (سہو کاتب) - ۴ ب، ح، اس (سہو کاتب) - ۱۵ ب، ح، یك نام (سہو کاتب) -

برہمزنِ دو عالم، تکلیفِ یک صدا، ہے — مینا شکستگاں کو کہسار خوں بہا ہے

فکرِ سخن یک انشا زندانیِ خموشی — دودِ چراغ، گویا، زنجیرِ بے صدا ہے

موزونیِ دو عالم، قربانِ سازِ یک درد — مصراعِ نالۂ نَے، سکتہ ہزار جا ہے

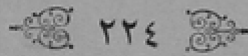
درسِ خرام تا کے خمیازۂ روانی؟ — اس موجِ مے کو، غافل، پیمانہ نقشِ پا ہے

۵ گردش میں لا، تجلّی، صد ساغرِ تسلّی — چشمِ تحیّر آغوش، مخمورِ ہر ادا ہے

یک برگِ بینوائی، صد دعوتِ نیستاں — طوفانِ نالۂ دل، تا موجِ بوریا ہے

اے غنچۂ تمنا، یعنی کفِ نگاریں — دل دے، تو ہم بتادیں، مُٹّھی میں تیری کیا ہے

ہر نالۂ اسد ہے مضمونِ دادخواہی — یعنی، سخن کو کاغذ اِحرامِ مُدّعا ہے


۲۲۴

ق، قا

ضبط سے، جوں مردمک، اِسپند اقامت گیر ہے — مجمرِ بزمِ فسردن، دیدۂ نخچیر ہے

۱۰ آشیاں بندِ بہارِ عیش ہوں ہنگامِ قتل — یاں پرِ پروازِ رنگِ رفتہ، بالِ تیر، ہے

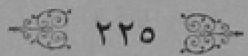
ہے جہاں فکرِ کشیدنہاے نقشِ روے یار — ماہتابِ ہالہ پیرا، گردۂ تصویر ہے

وقتِ حسن افروزیِ زینت طرازاں، جاے گل — ہر نہالِ شمع میں اک غنچۂ گلگیر ہے

گریے سے بندِ محبت میں ہوئی نام آوری — لختِ لختِ دل، نگینِ خانۂ زنجیر ہے

ریزشِ خونِ وفا ہے، جرعہ نوشیہاے یار — یاں گلوے شیشۂ مے، قبضۂ شمشیر ہے

۱۵ جو بشامِ غم چراغِ خلوتِ دل تھا، اسد — وصل میں وہ سوزِ شمعِ مجلسِ تقریر ہے


۲۲۵

ق، قا

ذوقِ خودداری، خرابِ وحشتِ تسخیر ہے — آئنہ خانہ، مری تمثال کو، زنجیر ہے

---

۹ الف، قا، اسید (سہو کاتب) ۔ ۱۲ ب، ق، ح، از نہال شمع پیدا ۔ ۱۳ ب، ح، مکین ۔ ۱۵ الف، قا «غم» ندارد (سہو کاتب) ۔ ۱۶ الف، ق، ح، ذوق بے پروا ۔

ذرّہ درّے مجنوں کے کس کس داغ کو پردازِ عرض؟   ہر بیاباں، یک بیاباں حسرتِ تعمیر ہے

میکشِ مضموں کو حسنِ ربطِ خط کیا چاہیے؟   لغزشِ رفتارِ خامہ، مستیِ تحریر ہے

خانمانِ جبریانِ غافل از معنیِ خراب!   جب ہوئے ہم بیگنہ، رحمت کی کیا تقصیر ہے؟

چاہیے گر جنت، جز آدم وارثِ آدم نہیں   شوخیِ ایمانِ زاھد، سُستیِ تدبیر ہے

شب دراز و آتشِ دل تیز، یعنی، مثلِ شمع   مہ، ز سر تا ناخنِ پا، رزقِ یک شبگیر ہے ۵

آب ہو جاتے ھیں، ننگِ ھمتِ باطل سے، مرد   اشک پیدا کر، اسد، گر آہ بے تاثیر ہے

۲۲۶

ق

یہ، سرنوشت میں میری ہے، اشک افشانی   کہ موجِ آب ہے، ہر ایک چینِ پیشانی

جنون وحشتِ ہستی یہ عام ہے کہ بہار   رکھے ہے کسوتِ طاؤس میں پَر افشانی

لبِ نگار میں آئینہ دیکھ، آبِ حیات   بہ گمرھیِ سکندر ہے محوِ حیرانی

نظر بغفلتِ اھلِ جہاں، ہوا ظاہر   کہ عیدِ خلق پہ حیراں ہے، چشمِ قربانی ۱۰

کہوں وہ مصرعِ برجستہ وصفِ قامت میں   کہ سرو ہو نہ سکے اُس کا مصرعِ ثانی

اسد نے کثرتِ دلہائے خلق سے جانا   کہ زلفِ یار ہے مجموعۂ پریشانی

۲۲۷

ق، قا

بیخود، زبسکہ خاطرِ بیتاب، ہوگئی   مژگانِ بازماندہ، رگِ خواب ہوگئی

موجِ تبسمِ لبِ آلودۂ مسی   میرے لیے تو تیغِ سیہ تاب ہوگئی

---

۱ الف، ق، ح، عرض سواد۔   ۳ الف، ق، ح، جبریان غفلت معنی۔   ۵ الف، قا، تیر۔ (سہو کاتب)۔

۱۰ ب، ق، کہ عید خلق پہ حیراں ہے قربانی۔   مرتب ح نے 'چشم' کا لفظ خود تجویز کرکے بڑھایا ہے، جو غالب کے شعر:

رتبۂ تسلیم خاتِ پیشگاں عالی سمجھ ٭ چشمِ قربانی، گلِ شاخِ ہلالِ عید ہے کے پیش نظر بالکل درست ہے۔

رخسارِ یار کی جو کُھلی جلوہ گستری
زلفِ سیاہ بھی، شبِ مہتاب ہوگئی

بیدادِ انتظار کی طاقت نہ لاسکی
اے جانِ بر لب آمدہ، بیتاب ہوگئی

غالب، زِ بسکہ سوکھ گئے چشم میں سِرشک
آنسو کی بوند گوہرِ نایاب ہوگئی

۲۲۸

ق، قا

ہر رنگِ سوز، پردۂ یک ساز ہے مجھے
بالِ سمندر، آئنۂ ناز ہے مجھے

۵ طاؤسِ خاک، حسنِ نظر باز ہے مجھے
ہر ذرّہ، چشمکِ نگہِ ناز ہے مجھے

آغوشِ گل ہے آئنۂ ذرّہ ذرّہ خاک
عرضِ بہار، جوہرِ پرداز ہے مجھے

ہے بوے گل غریبِ تسلّی گہِ وطن
ہر جزو آشیاں، پرِ پرواز ہے مجھے

ہے جلوۂ خیال، سُوَیداے مردمک
جوں داغ، شعلہ سرخطِ آغاز ہے مجھے

وحشت بہارِ نشّہ، و گل ساغرِ شراب
چشمِ پری، شفقکدۂ راز ہے مجھے

۱۰ فکرِ سخن، بہانۂ پردازِ خامُشی
دودِ چراغ، سُرمۂ آواز ہے مجھے

ہے خامہ فیضِ بیعتِ بیدل بکف، اسد
یک نیستان قلمروِ اعجاز ہے مجھے

۲۲۹

ق، قا

نگاہِ ناز نے جب عرضِ تکلیفِ شرارت کی
دیا ابرو کو چھیڑ، اور اُس نے فتنے کو اشارت کی

روانی موجِ مے کی، گر، خطِ جام آشنا ہووے
لکھے کیفیّت اُس سطرِ تبسم کی عبارت کی

شہِ گل نے کیا جب بندوبستِ گلشن آرائی
عصاے سبزدے نرگس کو دی خدمت نظارت کی

۱۵ نہیں ریزش عرق کی، اب اُسے ذوبانِ اعضا ہے
تبِ خجلت نے یہ نبضِ رگِ گل میں حرارت کی

زِبس نکلا غبارِ دل بوقتِ گریہ آنکھوں سے
اسد، کھائے ہوے سرمے نے آنکھوں میں بصارت کی

---

۱ الف، ق، ح، جو ہوئی -
۱۰ الف، قا، خاموشی -
۱۲ الف، ح، نگاہِ یار -
۱۳ ب، ح، اس (سہو کاتب) -
۱۵ ب، ق، ح، کیا نبض -

۲۳۰

ق، قا

خدایا، دل کہاں تک دن بصد رنج و تعب کاٹے
خمِ گیسو ہو شمشیرِ سیہ تاب اور شب کاٹے!

کریں گر قدرِ اشکِ دیدۂ عاشق، خود آرایاں
صدف، دندانِ گوہر سے، بحسرت اپنے لب کاٹے

دریغا! وہ مریضِ غم کہ فرطِ ناتوانی سے
بقدرِ یک نفس جادہ، بصد رنج و تعب کاٹے

یقیں ہے، آدمی کو دستگاہِ فقر حاصل ہو
دمِ تیغِ توکّل سے اگر پائے سبب کاٹے

اسد مجھ میں ہے اُس کے بوسۂ پا کی کہاں جرأت؟
کہ میں نے دست و پا باہم بہ شمشیرِ ادب کاٹے ۵

۲۳۱

ق، قا

ہوا جب حسن کم، خط برِ عذارِ سادہ آتا ہے
کہ بعد از صافِ مَے، ساغر میں دُردِ بادہ آتا ہے

نہیں ہے مزرعِ الفت میں حاصل غیرِ پامالی
نظر دانہ، سرِشکِ بر زمیں اُفتادہ، آتا ہے

محیطِ دہر میں بالیدن، از ہستی گزشتن ہے
کہ یاں ہریک، حباب آسا، شکست آمادہ آتا ہے

دیارِ عشق میں جاتا ہے جو سوداگری ساماں
متاعِ زندگانیہا بغارت دادہ آتا ہے

اسد، وارستگاں با وصفِ ساماں بے تعلق ہیں
صنوبر گلستاں میں با دلِ آزادہ آتا ہے ۱۰

۲۳۲

ق، قا

بفکرِ حیرتِ رم، آئنہ پرداز زانو ہے
کہ مشکِ نافہ تمثالِ سوادِ چشمِ آہو ہے

ترحّم مین ستم کوشوں کے ہے، سامانِ خونریزی
سرِشکِ چشمِ یار، آبِ دمِ شمشیرِ ابرو ہے

کرے ہے دست فرسودِ ہوس، وہمِ توانائی
پرِ افشاندہ در کنجِ قفس، تعویذِ بازو ہے

۸ ب، ق، ح، ہر اک -
۱۲ الف، ق، ح، کوشاں -

هوا، چرخِ خمیده، ناتوانِ بارِ علائق سے — که ظاهر، پنجهٔ خرشید، دستِ زیرِ پهلو هے
اسد، تا کے طبیعت طاقتِ ضبطِ الم لاوے؟ — فغانِ دل به پهلو، نالهٔ بیمارِ بدخو هے

۲۳۳

ق، قا

خبر نگه کو نگه چشم کو عدو جانے — وه جلوه کر که نه میں جانوں اور نه تو جانے
نفس بناله رقیب، و نگه باشک عدو — زیاده اس سے گرفتار هوں که تو جانے
۵ به کسوتِ عرقِ شرم قطره زن هے خیال — مباد، حوصله معذورِ جستجو جانے!
جنوں فسردهٔ تمکیں هے، کاش! عهدِ وفا — گدازِ حوصله کو پاسِ آبرو جانے
نهووے کیونکه اُسے فرض قتلِ اهلِ وفا — لهو میں هاتھ کے بهرنے کو جو وضو جانے
زباں سے عرضِ تمنائے خامُشی معلوم — مگر وه خانه برانداز گفتگو جانے
مسیحِ کشتهٔ الفت ببر علی خاں هے — که جو، اسد، تپشِ نبضِ آرزو جانے

۲۳۴

ق، قا

۱۰ دیکھ تری خوئے گرم، دل به تپش رام هے — طائرِ سیماب کو، شعله، رگِ دام هے
شوخیِ چشمِ حبیب، فتنهٔ ایام هے — قسمتِ بختِ رقیب، گردشِ صد جام هے
جلوهٔ بینش پناه، بخشے هے ذوقِ نگاه — کعبهٔ پوشش سیاه مردمکِ اِحرام هے
کو نفس؟ وچه غبار؟ جرأتِ عجز آشکار — در تپش آبادِ شوق، سرمه، صدا نام هے
غفلتِ افسردگی، تهمتِ تمکیں نهو — اے همه خوابِ گراں، حوصله بدنام هے
۱۵ بزمِ وداعِ نظر، یاس طرب نامه بر — فرصتِ رقصِ شرر، بوسه به پیغام هے

---

۲ الف ح، لاوے۔ ٦ ب، قا میں یه مصرع کاتب سے چھوٹ گیا تھا۔ غالب نے اپنے قلم سے بڑھایا هے۔ ۷ الف، قا میں یه مصرع بهی کاتب نے چھوڑ دیا تھا۔ غالب نے اپنے قلم سے بڑھایا هے۔ ۸، قا ندارد۔ ۱۰ الف، قا، اخوے (سہوِ کاتب)۔

گریۂ طوفاں رکاب، نالۂ محشر عناں — بے سروساماں اسدؔ، فتنہ سرانجام ہے

۲۳۵

ق، قا

کاوشِ دزدِ حنا پوشیدہ افسوں ہے مجھے — ناخنِ انگشتِ خوباں، نعلِ واژوں ہے مجھے
ریشۂ شہرت دوانیدن ہے، رفتنِ زیرِ خاک — خنجرِ جلاد، برگِ بیدِ مجنوں، ہے مجھے
ساقیا، دے ایک ہی ساغر میں سب کو مے، کہ آج — آرزوے بوسۂ لبہاے میگوں ہے مجھے
ہو گئے باہمدگر، جوشِ پریشانی سے، جمع — گردشِ جامِ تمنا، دورِ گردوں، ہے مجھے ۵
دیکھ لی جوشِ جوانی کی ترقی بھی کہ اب — بدر کے مانند، کاهش روز افزوں ہے مجھے
غنچگی ہے، بر نفس پیچیدنِ فکر، اے اسدؔ — واشگفتنہاے دل در رہنِ مضموں ہے مجھے

۲۳۶

ق

دلا، عبث ہے تمناے خاطر افروزی — کہ بوسۂ لبِ شیریں ہے اور گلوسوزی
طلسمِ آئنہ، زانوے فکر ہے، غافل — ہنوز حسن کو ہے، سعیِ جلوہ اندوزی
ہوئی ہے سوزشِ دل، بسکہ، داغِ بے اثری — اُگی ہے دودِ جگر سے شبِ سیہ روزی ۱۰
بہ پرفشانیِ پروانۂ چراغِ مزار! — کہ بعدِ مرگ بھی ہے لذتِ جگرسوزی
تپش تو کیا، نہوئی مشقِ پرفشانی بھی — رہا میں ضعف سے شرمندۂ نوآموزی
اسدؔ، ہمیشہ پۓ کفشِ پاے سیم تناں — شعاعِ مہر سے کرتا ہے چرخ زردوزی

۲۳۷

ق

محوِ آرامیدگی، سامانِ بیتابی کرے — چشم میں توڑے نمکداں، تا شکر خوابی کرے

---

۲ ب، ح، لعل (سہو کاتب) - ۷ ب، ح، درشگفتنہاے (سہو کاتب) -

آرزوے خانہ آبادی نے ویراں تر کیا
کیا کروں، گر سایۂ دیوار سیلابی کرے

نغمہ ہا، وابستۂ یک عقدۂ تارِ نَفَس
ناخنِ تیغِ بتاں، شاید کہ مضرابی کرے

صبحدم وہ جلوہ ریزِ بے نقابی ہو اگر
رنگِ رخسارِ گلِ خُرشید، مہتابی کرے

زخمہاے کہنۂ دل رکھتے ہیں جوں مردگی
اے خوشا! گر آبِ تیغِ ناز تیزابی کرے

۵ بادشاہی کا جہاں یہ حال ہو، غالب، تو پھر
کیوں نہ دلّی میں ہر اک ناچیز نوّابی کرے

۲۳۸

ق، قا

صبح سے معلوم، آثارِ ظہورِ شام، ہے
غافلاں، آغازِ کار، آئینۂ انجام ہے

بسکہ ہے صیادِ راہِ عشق میں محوِ کمیں
جادۂ رہ سربسر، مژگانِ چشمِ دام ہے

بسکہ تیرے جلوۂ دیدار کا ہے اشتیاق
ہر بتِ خُرشید طلعت، آفتابِ بام ہے

مستعدِّ قتلِ یک عالم ہے، جلادِ فلک
کہکشاں، موجِ شفق میں، تیغِ خوں آشام ہے

۱۰ کیا کمالِ عشق نقص آبادِ گیتی میں ملے
پختگیہاے تصوّر، یاں خیالِ خام ہے

ہو جہاں، وہ ساقیِ خُرشیدرو، مجلس فروز
واں، اسد، تارِ شعاعِ مہر خطِّ جام ہے

۲۳۹

ق، حاشیۂ ق، قا

اے خوشا! وقتے کہ ساقی یک خُمستاں وا کرے
تار و پودِ فرشِ محفل، پنبۂ مینا کرے

گر تبِ آسودۂ مژگاں تصرّف وا کرے
رشتۂ پا، شوخیِ بالِ نَفَس پیدا کرے

گر دکھاؤں صفحۂ بے نقشِ رنگِ رفتہ کو
دستِ رَد، سطرِ تبسم یک قلم انشا کرے

۱۵ جو عزادارِ شہیدانِ نَفَس در دیدہ ہو
نوحۂ ماتم باوازِ پرِ عنقا کرے

---

۷ الف، ق، ح، صرف کمیں - ۱۰ الف، قا، نقص آباد (سہو کاتب) - ۱۵ الف، ح، دز دیدہ (سہو کاتب) -

حلقۂ گردابِ جوہر کو بنا ڈالے تنُور — عکس، گر طوفانیِ آئینۂ دریا کرے
یک درِ بر روے رحمت بستہ دورِ شش جہت — ناامیدی ہے، خیالِ خانہ ویراں کیا کرے!
تـوڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سَبو، پھر ہم کو کیا؟ ٭ آسماں سے بادۂ گلفام گر برسا کرے
ناتوانی سے نہیں سر در گریبانی، اسد — ہوں سراپا یک خمِ تسلیم، جو مولا کرے

۲۴۰

ق، قا

بہارِ تعزیت آبادِ عشق، ماتم، ہے — کہ تیغِ یار، ہلالِ مہِ محرّم ہے ۵
برہنِ ضبط ہے، آئینہ بندیِ گوہر — وگرنہ بحر میں ہر قطرہ چشمِ پُرنم ہے
چمن میں کون ہے طرز آفرینِ شیوۂ عشق؟ — کہ گل ہے بلبلِ رنگین و بیضہ شبنم ہے
اگر نہووے رگِ خواب صرفِ شیرازہ — تمام دفترِ ربطِ مزاج، درہم ہے
اسد، بنازکیِ طبعِ آرزو انصاف! — کہ ایک وہمِ ضعیف و غمِ دو عالم ہے

۲۴۱

ق، قا

عِذارِ یار، نظر بندِ چشمِ گریاں ہے — عجب کہ پرتوِ خُور، شمعِ شبنمستاں ہے ۱۰
ہجومِ ضبطِ فغاں سے مری زبانِ خموش — بزنگ بستہ، بزہراب دادہ پیکاں ہے
قباے جلوہ فزا ہے، لباسِ عریانی — بطرزِ گل، رگِ جاں مجھ کو تارِ داماں ہے
لبِ گزیدۂ معشوق ہے، دلِ افگار — کہ بخیہ جلوۂ آثارِ زخمِ دنداں ہے
کُشودِ غنچۂ خاطر عجب نہ رکھ، غافل — صبا خرامیِ خوباں، بہار ساماں ہے

---

۱ الف، ح، صفحۂ گرداب - ۲، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے - ۳ الف، ح، گو برسا کرے - ۴ ب، ح، یک قلم - ۸ ب، ح، برہم - ۱۱ الف، ق، ح، زباں بکام خموشاں ز فرط تلخی ضبط - ب، ح، برنگ پستہ، بہ زہرآب (سہو کاتب) - قا، برنگ (سہو کاتب) - ۱۲ الف، ح، فزاے (سہو کاتب) - ۱۳ ب، ق، ح، نشان برش شمشیر - ۱۴ الف، ق، ح، غنچۂ دلہا -

فغاں! کہ بہرِ شفاے حصول ناشدنی ◦ دماغ، نازکشِ منّتِ طبیباں ہے

طلسمِ منّتِ یک خلق سے رہائی دی ◦ جہاں جہاں مرے قاتل کا مجھ پہ احساں ہے

جنوں نے مجھ کو بنایا ہے مُدّعی میرا ◦ ہمیشہ ہاتھ میں میرے مرا گریباں ہے

اسد کو زیست تھی مشکل، اگر نہ سن لیتا ◦ کہ قتلِ عاشقِ دلدادہ تجھ کو آساں ہے

۲٤۲

ق، قا

۵ شفق، بدعویِ عاشق گواہِ رنگیں ہے ◦ کہ ماہ، دزدِ حناے کفِ نگاریں ہے

عیاں ہے پاے حنائی برنگِ پرتوِ خور ◦ رکاب، روزنِ دیوارِ خانۂ زیں ہے

جبینِ صبحِ اُمیدِ فسانہ گویاں پر ◦ درازیِ رگِ خوابِ بتاں، خطِ چیں ہے

ہوا، نشانِ سوادِ دیارِ حسن، عیاں ◦ کہ خط، غبارِ زمیں خیزِ زلفِ مشکیں ہے

۲٤۳

ق، قا

جوہرِ آئینہ ساں، مژگاں بدل آسودہ ہے ◦ قطرہ جو آنکھوں سے ٹپکا، سو نگاہ آلودہ ہے

۱۰ دامگاہِ عجز میں سامانِ آسایش کہاں؟ ◦ پَرفشانی بھی فریبِ خاطرِ آسودہ ہے

اے ہوس، عرضِ بساطِ نازِ مشتاقی نمانگ ◦ جوں پرِ طاؤس، یکسر داغ مشک اندودہ ہے

ہے ریا کا رتبہ بالاتر تصور کردنی ◦ تیرگی سے داغ کی، مہ، سیمِ مس اندودہ ہے

کیا کہوں پرواز کی آوارگی کی کشمکش؟ ◦ عافیت، سرمایۂ بال و پرِ نکشودہ ہے

ہے، سوادِ خط، پریشاں موئیِ اہلِ عزا ◦ خامہ میرا شمعِ قبرِ کشتگاں کا دودہ ہے

۲، ۳، ق، ح، ندارد - ۴، ق، اسد، جہاں کہ علی بر سر نوازش ہو ◦ کشاد عقدۂ دشوار کار آساں ہے - ٦ الف، ق، ح، حنائی سے پرتو خورشید - ۱۱ ب، ق، ح، چندس داغ - ۱۳، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے - ۱۴ ب، قا، دود (سہو کاتب) -

جس طرف سے آئے ہیں، آخر اُدھر ہی جائیں گے — مرگ سے وحشت نہ کر، راہِ عدم پیمودہ ہے
پنبۂ مینائے مے رکھ لو تم اپنے کان میں — مے پرستاں، ناصحِ بے صَرفہ گو بیہودہ ہے
کثرتِ انشائے مضونِ تحیّر سے، اسدؔ — ہر سرِ انگشت، نوکِ خامۂ فرسودہ ہے

۲۴۴

ق

بہرِ پروردن سراسر لطف گستر، سایہ، ہے — پنجۂ مژگاں، بطفلِ اشک دستِ دایہ ہے
فصلِ گل میں، دیدۂ خونیں نگاہانِ جنوں — دولتِ نظّارۂ گل سے شفق سرمایہ ہے ۵
شورشِ باطن سے یاں تک مجھ کو غفلت ہے کہ آہ! — شیونِ دل، یک سرودِ خانۂ ہمسایہ ہے
کیوں نہ تیغِ یار کو مَشّاطۂ الفت کہوں؟ — زخم، مثلِ گل، سراپا کا مرے پَیرایہ ہے
اے اسدؔ، آباد ہے مجھ سے جہانِ شاعری — خامہ میرا تختِ سلطانِ سخن کا پایہ ہے

۲۴۵

ق

چشمِ گریاں، بسملِ شوقِ بہارِ دید ہے — اشک ریزی، عرضِ بالِ افشانیِ امید ہے
دامنِ گردوں میں رہ جاتا ہے ہنگامِ وداع — گوہرِ شب تاب، اشکِ دیدۂ خُرشید ہے ۱۰
رتبۂ تسلیمِ خُلّت مشرباں، عالی سمجھ — چشمِ قربانی، گلِ شاخِ ہلالِ عید ہے
کچھ نہیں حاصل تعلق میں بغیر از کشمکش — اے خوشا! رندے کہ مرغِ گلشنِ تجرید ہے
کثرتِ اندوہ سے حیران و مضطر ہے اسدؔ — یا علیؔ، وقتِ عنایات و دمِ تائید ہے

۲۴۶

ق، قا

فرصت، آئینۂ صد رنگ خود آرائی ہے — روز و شب، یک کفِ افسوسِ تماشائی ہے

---

۲ الف، ح، مینائی ہی (سہو کاتب) - ۷ ب، ح، سراپا کے (سہو کاتب) -

وحشتِ زخمِ وفا دیکھ کہ سر تا سرِ دل ‏ ‏ بخیہ، جوں جوہرِ تیغ، آفتِ گیرائی ہے

شمع آسا، چہ سرِ دعوی؟ و کو پائے ثبات؟ ‏ ‏ گلِ صد شعلہ، بیک جیبِ شکیبائی ہے

نالہ خونیں ورق، و دل گلِ مضمونِ شفق ‏ ‏ چمن آرائے قفس، وحشتِ تنہائی ہے

بوئے گل فتنۂ بیدار، و چمن جامۂ خواب ‏ ‏ وصلِ ہر رنگ جنوں کسوتِ رسوائی ہے

۵ شرم، طوفانِ خزاں رنگِ طربگاہِ بہار ‏ ‏ ماہتابی بکفِ چشمِ تماشائی ہے

باغِ خاموشیِ دل سے سخنِ عشق، اسد ‏ ‏ نفسِ سوختہ رمزِ چمن ایمائی ہے

٢٤٧

ق، قا

نوائے خفتۂ الفت، اگر، بیتاب ہوجاوے ‏ ‏ پرِ پروانہ، تارِ شمع پر مضراب ہوجاوے

اگر وحشت عرق افشانِ بے پروا خرامی ہو ‏ ‏ بیاضِ دیدۂ آہو، کفِ سیلاب ہوجاوے

زبس طوفانِ آب و گل ہے، غافل، کیا تعجب ہے! ‏ ‏ کہ ہر یک گردبادِ گلستاں گرداب ہوجاوے

۱۰ اثر میں یاں تک، اے دستِ دعا، دخلِ تصرف کر ‏ ‏ کہ سجدہ قبضۂ تیغِ خمِ محراب ہوجاوے

برنگِ گل، اگر، شیرازہ بندِ بیخودی رہیے ‏ ‏ ہزار آشفتگی، مجموعۂ یک خواب ہوجاوے

اسد، با وصف مشقِ بے تکلف خاک گردیدن ‏ ‏ غضب ہے، گر غبارِ خاطرِ احباب ہوجاوے

٢٤٨

ق، قا

تا چند نازِ مسجد و بتخانہ کھینچیے ‏ ‏ جوں شمع، دل بخلوتِ جانانہ کھینچیے

بہزاد، نقشِ یکدلِ صد چاک عرض کر ‏ ‏ گر زلفِ یار کھینچ نہ سکے، شانہ کھینچیے

۱۵ راحت، کمینِ شوخیِ تقریبِ نالہ ہے ‏ ‏ پائے نظر بدامنِ افسانہ کھینچیے

---

۳ الف، ق، خونی - ۴ ب، ق، ح، بر رنگ تپش - ۵ ب، ق، ح، گل مہتاب بکف - ۶، قا ندارد - ۱۰ الف، ق، ح، اعجاز پیدا کر - ۱۲ الف، ق، ح، وصف عجز - ۱۴ ب، قا، کھچ -

زلفِ پری، بسلسلۂ آرزو رسا — یک عمر، دامنِ دلِ دیوانہ کھینچیے

یعنی، دماغِ غفلتِ ساقی رسیدہ تر — خمیازۂ خمار سے پیمانہ کھینچیے

پروازِ آشیانۂ عنقاے ناز ہے — بالِ پری بوحشتِ بیجا نہ کھینچیے

عجز و نیاز سے تو نہ آیا وہ راہ پر — دامن کو اُس کے آج حریفانہ کھینچیے

ہے ذوق گریہ، عزمِ سفر کیجیے، اسد — رختِ جنونِ سیل بویرانہ کھینچیے ۵

۲۴۹

ق، قا

دامانِ دل بوہمِ تماشا نہ کھینچیے — اے مُدّعی، خجالت بیجا نہ کھینچیے

ک گل، سر بسر، اشارۂ جیبِ دریدہ ہے — نازِ بہار جز بتقاضا نہ کھینچیے[۱]

حیرت حجابِ جلوہ، و وحشت غبارِ چشم — پاے نظر بدامنِ صحرا نہ کھینچیے

واماندگی بہانہ، و دلبستگی فریب — دردِ طلب بہ آبلۂ پا نہ کھینچیے

کرتے ہوے تصورِ یار آے ہے حیا — کیا فائدہ کہ منتِ بیگانہ کھینچیے ۱۰

گر صفحے کو ندیجیے پردازِ سادگی — جز خطِّ عجز، نقشِ تمنا نہ کھینچیے

دیدارِ دوستانِ لباسی ہے ناگوار — صورت بکارخانۂ دیبا نہ کھینچیے

ہے بے خمار نشّۂ خونِ جگر، اسد — دستِ ہوس بگردنِ مینا نہ کھینچیے

۲۵۰

ق

زلفِ سیہ، افعی نظرِ بد قلمی ہے — ہر چند خطِ سبز و زُمُرّد رقمی ہے

ہے مشقِ وفا، جانتے ہیں، لغزشِ پا تک — اے شمع، تجھے دعوی ثابت قدمی ہے ۱۵

۲ الف علی گڑھ میگزین ج ۲ شمارہ ۸ و ۹، ص ۷ (اگست - دسمبر ۴۲۳)، خمار غفلت - ۳، قا میں یہ شعر آیندہ غزل کا تیسرا شعر ہے - ۸ الف ق، ح، غبار راہ - ۱۰ الف، ق، ح، خود نامہ بن کے جائیے اوس آشنا کے پاس نیز یہ شعر قا میں گذشتہ غزل کے مقطع سے پہلے ہے - ۱۱ الف، ح، پرواز (سہو کاتب) -

۱- اس مضمون کو یوں بھی ادا کیا ہے: چاک مت کر جیب بے ایام گل ۰ کچھ اودھر کا بھی اشارا چاہیے -

ہے عرضِ شکست، آئنۂ جرأتِ عاشق
جز آہ کہ سرلشکرِ وحشت علی ہے

واماندۂ ذوقِ طربِ وصل نہیں ہوں
اے حسرتِ بسیار، تمنا کی کمی ہے

وہ پردہ نشیں، اور اسد آئینۂ اظہار
شہرتِ چمنِ فتنہ و عنقا اِرمی ہے

۲۵۱

ق، قا

بسکہ سودائے خیالِ زلف وحشتناک ہے
تا دلِ شب، آبنوسی شانہ آسا، چاک ہے

۵ یاں، فلاخن باز، کس کا نالۂ بیباک، ہے؟
جادہ، تا کہسار، موئے چینیِ افلاک ہے

ہے دو عالم صیدِ اندازِ شہِ دُلدل سوار
یاں، خطِ پرکارِ ہستی، حلقۂ فتراک ہے

خلوتِ بال و پرِ قمری میں وا کر راہِ شوق
جادۂ گلشن، برنگِ ریشہ، زیرِ خاک ہے

عیش گرمِ اضطراب، و اہلِ غفلت سرد مہر
دورِ ساغر، یک گلستاں برگریزِ تاک ہے

عرضِ وحشت پر ہے، نازِ ناتوانیہائے دل
شعلۂ بے پردہ، چینِ دامنِ خاشاک ہے

۱۰ ہے، کمندِ موجِ گل، فتراکِ بے تابی، اسد
رنگ، یاں بُو سے، سوارِ توسنِ چالاک ہے

۲۵۲

ق، قا

مژہ، پہلوئے چشم، اے جلوۂ ادراک، باقی ہے
ہوا وہ شعلہ داغ، اور شوخیِ خاشاک باقی ہے

چمن میں کچھ نچھوڑا تونے غیر از بیضۂ قمری
عدم میں، بہرِ فرقِ سرو، مشتِ خاک باقی ہے

گدازِ سعیِ بینش، شست وشوئے نقشِ خودکامی
سراپا شبنم آئیں، یک نگاہِ پاک باقی ہے

ہوا ترکِ لباسِ زعفرانی دلکشا، لیکن
ہنوز آفت نسب یک خندہ، یعنی چاک، باقی ہے

۱۵ چمن زارِ تمنا ہوگئی صرفِ خزاں، لیکن
بہارِ نیمرنگِ آہِ حسرتناک باقی ہے

نہ حیرت چشم ساقی کی، نہ صحبت دورِ ساغر کی
مری محفل میں، غالب، گردشِ افلاک باقی ہے

---

۶ الف، ق، ح، دو عالم ناز یک صید شہ ۔ ۱۰ الف، ق، ح، گل آشفتہ فتراکی ۔ ۱۳ الف، ح، شست و شو سے نقش (سہو کاتب) ۔ ۱۴ ب، ح، یک عقدہ (سہو کاتب) ۔

۲۵۳

ق، قا

شکلِ طاؤس، گرفتار بنایا ہے مجھے ‏ — ہوں وہ گلدام کہ سبزے میں چھپایا ہے مجھے

پرِ طاؤس، تماشا نظر آیا ہے مجھے ‏ — ایک دل تھا کہ بصد رنگ دکھایا ہے مجھے

عکسِ خط، تا سخنِ ناصحِ دانا سرسبز ‏ — آئنہ، بیضۂ طوطی نظر آیا ہے مجھے

سنبلستانِ جنوں ہوں، ستمِ نسبتِ زلف ‏ — موکشاں خانۂ زنجیر میں لایا ہے مجھے

گردباد، آئنۂ محشرِ خاکِ مجنوں ‏ — یک بیاباں دلِ بیتاب اُٹھایا ہے مجھے ۵

حیرتِ کاغذِ آتشزدہ ہے، جلوۂ عمر ‏ — تہِ خاکسترِ صد آئنہ پایا ہے مجھے

لالہ و گل بہم آئینۂ اخلاقِ بہار ‏ — ہوں میں وہ داغ کہ پھولوں میں بسایا ہے مجھے

دردِ اظہارِ تپش کسوتِ گل معلوم! ‏ — ہوں میں وہ چاک کہ کانٹوں سے سِلایا ہے مجھے

بے دماغِ تپش، و عرضِ دو عالم فریاد ‏ — ہوں میں وہ خاک کہ ماتم میں اُڑایا ہے مجھے

گ جامِ ہر ذرّہ ہے سرشارِ تمنا مجھ سے ‏ — کس کا دل ہوں کہ دو عالم سے لگایا ہے مجھے؟ ۱۰

جوشِ فریاد سے لونگا دیتِ خواب، اسد ‏ — شوخیِ نغمۂ بیدل نے جگایا ہے مجھے

۲۵۴

ق، قا

جنوں رسوائیِ وارستگی، زنجیر بہتر ہے ‏ — بقدرِ مصلحت دل بستگی، تدبیر بہتر ہے

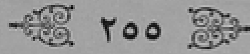
خوشا! خود بینی، و تدبیرِ غفلت نقد اندیشہ ‏ — بدینِ عجز اگر بدنامیِ تقدیر بہتر ہے

گ کمالِ حسن اگر موقوفِ اندازِ تغافل ہو ✡ ‏ — تکلف بر طرف، تجھ سے تری تصویر بہتر ہے

---

۱ ب، عمدہ، ہوں میں وہ دام ۔ ۲ ب، ق، ح، بصد چشم ۔ ۸ ب، ح، کانٹوں میں ۔ ۱۲ الف، قا، تدبیر ۔ (سہو کاتب) ۔
ب، ح، دلنگی (سہو کاتب) ۔ ۱۳ الف ح، تدبیر و غفلت (سہو کاتب) ۔ ۱۴ الف، گل (نسخۂ حسرت) تغافل ہے ۔ گل،
نسخۂ مالک رام میں بھی ”ہو“ تھا، مگر کسی نے نغیر واو کو چھیلے ”ی“ کا دائرہ بھی بنا دیا ہے ۔ ✡

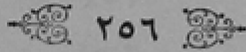
دلِ آگاہ تسکیں خیزِ بیدردی نہو، یا رب! | نفس، آئینہ دارِ آہِ بے تاثیر بہتر ہے
خدایا، چشم تا دل درد ہے، افسونِ آگاہی! | نگہ، حیرت سوادِ خوابِ بے تعبیر بہتر ہے
درونِ جوہرِ آئینہ، جوں برگِ حنا، خوں ہے | بتاں، نقشِ خود آرائی، حیا تحریر بہتر ہے
تمنا ہے، اسد، قتلِ رقیب اور شکر کا سجدہ | دعاے دل، بمحرابِ خمِ شمشیر بہتر ہے



۲۵۵

ق

۵ دریوزۂ سامانہا، اے بے سروسامانی | ایجادِ گریبانہا، در پردۂ عریانی
تمثالِ تماشاہا، اقبالِ تمناہا | عجزِ عرقِ شرمے، اے آئنہ حیرانی
دعواے جنوں باطل، تسلیم عبث حاصل | پروازِ فنا مشکل، میں عجزِ تن آسانی
بیگانگیِ خوہا، موجِ رمِ آہوہا | دامِ گلۂ الفت، زنجیرِ پشیمانی
پرواز تپش رنگی، گلزار ہمہ تنگی | خوں ہو قفسِ دل میں، اے ذوقِ پرافشانی
۱۰ سنگ آمد و سخت آمد، دردِ سرِ خود داری | معذورِ سبکساری، مجبورِ گرانجانی
گلزارِ تمنا ہوں، گلچینِ تماشا ہوں | صد نالہ اسد، بلبل در بندِ زباندانی



۲۵۶

ق، قا

گریہ، سرشاریِ شوق بہ بیاباں زدہ ہے | قطرۂ خونِ جگر، چشمکِ طوفاں زدہ ہے
گریہ بے لذتِ کاوش نکرے جرأتِ شوق | قطرۂ اشک، دلِ بر صفِ مژگاں زدہ ہے
بے تماشا نہیں جمعیتِ چشمِ بسمل | مژہ فالِ دو جہاں خوابِ پریشاں زدہ ہے
۱۵ فرصت آئینہ، و پروازِ عدم تا ہستی | یک شرر بال دل، و دیدہ چراغاں زدہ ہے

---

۴ الف، ق، ح، تمناے اسد۔ ۱۲ الف، ح، شوقے ہے۔ قا، شوق بیاباں (سہو کاتب)۔ ۱۳ ب، ح، دلے۔

درسِ نیرنگ ھے کس موجِ نگہ کا، یارب؟
غنچہ، صد آئنہ زانوے گلستاں زدہ ھے
سازِ وحشت رقمیہا، کہ باظہارِ اسد
دشت و ریگ، آئنۂ صفحۂ افشاں زدہ ھے

۲۵۷
ق، قا

خوابِ غفلت بہ کمیں گاہِ نظر پنہاں ھے
شام، سائے میں بتاراجِ سحر پنہاں ھے
دو جہاں، گردشِ یک سُبحۂ اسرارِ نیاز
نقدِ صد دل بگریبانِ سحر پنہاں ھے
خلوتِ دل میں نکر دخل، بجز سجدۂ شوق
آستاں میں، صفتِ آئنہ، در پنہاں ھے ۵
فکرِ پروازِ جنوں ھے، سببِ ضبط نپوچھ
اشک، جوں بیضہ، مژہ سے تہِ پر پنہاں ھے
ھوش، اے ھرزہ درا، تہمتِ بیدردی چند؟
نالہ، در گردِ تمناے اثر پنہاں ھے
وھمِ غفلت، مگر، احرامِ فسردن باندھے
ورنہ، ھر سنگ کے باطن میں شرر پنہاں ھے
وحشتِ دل ھے، اسد، عالمِ نیرنگ نشاط
خندۂ گل، بلبِ زخمِ جگر پنہاں ھے

۲۵۸
ق، قا

کلفت، طلسم جلوۂ کیفیّتِ دگر
زنگار خوردہ آئنہ، یک برگِ تاک ھے ۱۰
ھے عرضِ جوھرِ خط و خالِ ھزار عکس
لیکن ھنوز دامنِ آئنہ پاک ھے
ھوں، خلوتِ فسردگیِ انتظار میں
وہ بیدماغ جس کو ھوس بھی تپاک ھے

۲۵۹
ق، قا

نظر پرستی و بیکاریِ خود آرائی
رقیبِ آئنہ ھے، حیرتِ تماشائی
ز خود گزشتنِ دل، کاروانِ حیرت ھے
نگہ، غبارِ ادب گاہِ جلوہ فرمائی

---

٦ ب، ق، ح، جوں بیضۂ مژگاں -

۱۳ الف، ح، بیکاری و -

بچشم در شده مژگاں، ہے جوہرِ رگِ خواب
نہ پوچھ نازکیِ وحشتِ شکیبائی

خرابِ نالۂ بلبل، شہیدِ خندۂ گل
ہنوز دعویِ تمکین و بیمِ رسوائی

شکستِ سازِ خیال، آنسوے گریوۂ غم
ہنوز نالہ پرافشانِ ذوقِ رعنائی

ہزار قافلۂ آرزو، بیاباں مرگ
ہنوز محملِ حسرت بدوشِ خودرائی

• وداعِ حوصلہ، توفیقِ شکوہ، عجزِ وفا
اسد ہنوز گمانِ غرورِ دانائی!

۲۶۰

ق، قا

کوشش، ہمہ بیتابِ تردّد شکنی ہے
صد جنبشِ دل، یک مژہ برہمزدنی ہے

گو حوصلہ پامردِ تغافل نہیں، لیکن
خاموشیِ عاشق، گلۂ کم سخنی ہے

دی لطفِ ہوا نے بجنوں، طرفہ نزاکت
تا آبلہ، دعواے تنک پیرہنی ہے

رامشگرِ اربابِ فنا، نالۂ زنجیر
عیشِ ابد، از خویش بروں تاختنی ہے

۱۰ از بسکہ ہے محوِ چمن تکیہ زدنہا
گل برگ، پرِ بالشِ سروِ چمنی ہے

آئینہ و شانہ، ہمہ دست و ہمہ زانو
اے حسن، مگر حسرتِ پیماں شکنی ہے

فریاد، اسد، بے نگہہاے بتاں سے
سچ کہتے ہیں، واللہ، کہ اللہ غنی ہے

۲۶۱

ق، قا

کاشانۂ ہستی کہ برانداختنی ہے
یاں سوختنی، اور وہاں ساختنی ہے

ہے شعلۂ شمشیرِ فنا، حوصلہ پرداز
اے داغِ تمنا، سپر انداختنی ہے

۱۵ جز خاک بسر کردنِ بیفائدہ حاصل؟
ہرچند بمیدانِ ہوس تاختنی ہے

---

۷ الف، ح، پامزد (سہو کاتب)- ۱۲ الف، ح، اسد ہے نگہی ہای (سہو کاتب)- ۱۳ ب، ق، ح، چارہ گر ساختنی-
۱۴ الف، ق، ح، حوصلہ افگار-

اے بے ثمراں، حاصلِ تکلیفِ دمیدن — گردن، بتماشاے گل، افراختنی ھے
ھے سادگیِ ذھن، تمناے تماشا — جائے کہ، اسد، رنگ چمن باختنی ھے

۲۶۲

ق، قا

گلستاں، بے تکلف پیش پا افتادہ مضموں ھے — جو تو باندھے کفِ پا پر حنا، آئینہ موزوں ھے
بہارِ گل دماغِ نشّۂ ایجادِ مجنوں ھے — ھجومِ برق سے، چرخ و زمیں، یك قطرۂ خوں ھے
ھجومِ گریہ سوے دل، خوشا! سرمایۂ طوفاں — برانگشتِ حسابِ اشك، ناخن، نعلِ واژوں ھے ۵
عدم وحشت سراغ، و ھستی آئیں بندِ رنگینی — دماغِ دوجہاں پر، سنبل و گل، یك شبیخوں ھے
تماشا ھے علاجِ بیدماغیہاے دل، غافل — سُوَیدا مردمِ چشمِ پری، نظّارہ افسوں ھے
فنا، کرتی ھے زائل سرنوشتِ کلفتِ ھستی — سحر، از بہرِ شست وشوے داغِ ماہ، صابوں ھے
اسد، ھے آج مِژگانِ تماشا کی حنا بندی — چراغانِ نگاہ، و شوخیِ اشكِ جگرگوں ھے

۲۶۳

ق، قا

گداے طاقتِ تقریر ھے، زباں، تجھ سے — کہ خامُشی کو ھے پَیرایۂ بیاں تجھ سے ۱۰
فسردگی میں ھے فریادِ بیدلاں تجھ سے — چراغِ صبح، و گلِ موسمِ خزاں تجھ سے
بہارِ حیرتِ نَظّارہ، سخت جانی ھے — حناے پاے اجل، خونِ کشتگاں، تجھ سے
پری بشیشہ، و عکسِ رخ اندر آئینہ — نگاہِ حیرتِ مَشّاطہ، خوں فشاں تجھ سے
طراوتِ سحر ایجادیِ اثر یك سو — بہارِ نالہ و رنگینیِ فغاں تجھ سے
چمن چمن گلِ آئینہ در کنارِ ھوس — امید، محوِ تماشاے گلستاں تجھ سے ۱۵

---

۵ الف، ق، ح، رجوع گریہ – ۶، قا ندارد – ۱۲ الف، ح، جانی ہے –

نیاز، پردۂ اظہارِ خود پرستی ہے
جبینِ سجدہ فشاں تجھ سے، آستاں تجھ سے
بہانہ جوئیِ رحمت، کمیں گرِ تقریب
وفائے حوصلہ، و رنجِ امتحاں تجھ سے
اسد طِلسم قفس میں رہے، قیامت ہے!
خرام تجھ سے، صبا تجھ سے، گلستاں تجھ سے

۲۶۴

ق، قا

حکمِ بیتابی نہیں، اور آرمیدن منع ہے
با وجودِ مشقِ وحشتہا، رمیدن منع ہے
۵ شرم، آئینہ تراشِ جبہۂ طوفان ہے
آب گردیدن روا، لیکن چکیدن منع ہے
بیخودی، فرماں روائے حیرت آبادِ جنوں
زخم دوزی جرم، و پیراہن دریدن منع ہے
مژدۂ دیدار سے رسوائیِ اظہار دور
آج کی شب، شمع کوکب تک پریدن منع ہے
بیمِ طبعِ نازکِ خوباں سے، وقتِ سیرِ باغ
ریشۂ زیر زمیں کو بھی دویدن منع ہے
یارِ معذورِ تغافل ہے، عزیزاں شفقتے!
نالۂ بلبل بگوشِ گل شنیدن منع ہے
۱۰ مانعِ بادہ کشی نادان ہے، لیکن اسد
بے وِلائے ساقیِ کوثر کشیدن منع ہے

۲۶۵

ق، قا

قتلِ عُشّاق، نہ غفلت کشِ تدبیر آوے
یا رب، آئینہ بطاقِ خَمِ شمشیر آوے!
بالِ طاؤس ہے رعنائیِ ضعفِ پرواز
کون ہے داغ کہ شعلے کا عناں گیر آوے؟
عرضِ حیرانیِ بیمارِ محبت معلوم!
عیسیٰ، آخر بکف آئینۂ تصویر آوے
ذوقِ راحت اگر اِحرامِ تپش ہو، جوں شمع
پائے خوابیدہ، بدلجوئیِ شبگیر آوے
۱۵ اُس بیاباں میں گرفتارِ جنوں ہوں کہ جہاں
موجۂ ریگ سے دل، پائے بزنجیر آوے

---

۳ الف، ق، اسد بموسم گل در طلسم کنج قفس -
۱۰ الف، ق، ح نادان ہے، لیکن اے اسد - ۱۵ الف، ح، اس -
۵ الف، قا، طوفاں بہا (یہ لفظ سمجھ میں نہیں آیا) -

وہ گرفتارِ خرابی ہوں کہ فوّارہ نمط — سیل، صیادِ کمیں خانۂ تعمیر آوے
سرِ معنی بگریبانِ شقِ خامہ، اسد — چاکِ دل، شانہ کشِ طرّۂ تحریر آوے

۲۶۶

ق، قا

تا چند، نفس، غفلتِ ہستی سے بر آوے — قاصد تپشِ نالہ ہے، یارب، خبر آوے!
ہے طاقِ فراموشیِ سودائے دو عالم — وہ سنگ کہ گلدستۂ جوشِ شرر آوے
درد، آئنہ کیفیّتِ صد رنگ ہے، یارب — خمیازہ طرب، ساغرِ زخمِ جگر آوے! ۵
جمعیّتِ آوارگیِ دید نہ پوچھو — دل تا مژہ، آغوشِ وداعِ نظر آوے
اے ہرزہ دوی، منّتِ تمکینِ جنوں کھینچ — تا آبلہ محمل کشِ موجِ گہر آوے
زاہد کہ جنوں سُبحۂ تحقیق ہے، یارب — زنجیریِ صد حلقۂ بیرونِ در آوے!
وہ تشنۂ سرشارِ تمنا ہوں کہ جس کو — ہر ذرّہ بکیفیّتِ ساغر نظر آوے
تمثالِ بتاں گر نہ رکھے پنبۂ مرہم — آئینہ بعریانیِ زخمِ جگر آوے ۱۰
ہر غنچہ، اسد، بارگہِ شوکتِ گل ہے — دل فرشِ رہِ ناز ہے، بیدل اگر آوے

۲۶۷

ق. قا

چار سوئے عشق میں صاحب دکانی مفت ہے — نقد ہے داغِ دل، اور آتش زبانی مفت ہے
زخمِ دل پر باندھیے حلوائے مغزِ اُستخواں — تندرستی فائدہ، اور ناتوانی مفت ہے
نقدِ رنجم تا بکے از کیسہ بیروں ریختن؟ — یعنی، اے پیرِ فلک، شامِ جوانی مفت ہے
گر نہیں پاتا درونِ خانہ، ہر بیگانہ، جا — بر درِ نکشودۂ دل، پاسبانی مفت ہے ۱۵

---

۱ ب، قا، تعمیر آوے (سہو کاتب) - ۳ ب، ح، نالہ سے (سہو کاتب) - ۸ الف، ح، زاہد کو (سہو کاتب) - ۱۰ ب، ق، ح، داغ جگر -

چونکہ بالاے ہوس پر ہر قبا کوتاہ ہے | بر ہوسہاے جہاں دامن فشانی مفت ہے
یک نَفَس، ہر یک نَفس، جاتا ہے قسطِ عمر میں | حیف ہے اُن کو جو سمجھیں زندگانی مفت ہے!
مال وجاہ و دست و پاے زر خریدہ ہیں، اسد | پس بدلہاے دگر راحت رسانی مفت ہے

۲۶۸

ق، قا

بیتابیِ یادِ دوست، ہمرنگِ تسلّی ہے | غافل، تپشِ مجنوں، محمل کشِ لیلی ہے
۵ کلفت کشیِ ہستی، بدنامِ دورنگی ہے | یاں تیرگیِ اختر، خالِ رخِ زنگی ہے
دیدن ہمہ بالیدن، کردن ہمہ افسردن | خوشتر زِ گل وغنچہ، چشم ودلِ ساقی ہے
وہمِ طربِ ہستی، ایجادِ سیہ مستی | تسکیں دہِ صد محفل، یک ساغر خالی ہے
زندانِ تحمل میں مہمانِ تغافل ہیں | بیفائدہ یاروں کو فرقِ غم و شادی ہے
ہووے نہ غبارِ دل تسلیمِ زمیں گیراں | مغرور نہ ہو، ناداں، سر تا سر گیتی ہے
۱۰ رکھ فکرِ سخن میں تو معذور مجھے، غالب | یاں زَورقِ خود داری، طوفانیِ معنی ہے

۲۶۹

ق، قا

اگر گل حسن و الفت کی بہم جوشیدنی جانے | پرِ بلبل کے افسردن کو دامن چیدنی جانے
فسونِ حسن سے ہے، شوخیِ گلگونہ آرائی | بہار، اُس کی کفِ مَشّاطہ میں بالیدنی جانے
نواے بلبل و گل، پاسبانِ بیدماغی ہے | بیکِ مژگانِ خوباں، صد چمن خوابیدنی جانے
زہے! شب زندہ دارِ انتظارستاں، کہ وحشت سے | مژہ، پیچک میں مہ کی سُوزن آسا، چیدنی جانے
۱۵ خوشا! مستی، کہ جوشِ حیرتِ اندازِ قاتل سے | نگہ، شمشیر میں جوں جوہر، آرامیدنی جانے

---

۲ ب، ق، ح، جو کہویں - ۳ الف، ح، پاے زر (سہو کاتب) - ۴ ب، ق، موج تپش مجنوں - ۶ الف، ح، گردن (سہو کاتب) - ۹ الف، ق، ح، زمیں گیری - ۱۲ ب، ح، اس - ۱۴ ب، ق، ح، مژہ در پیچک مہ - ۱۵ الف، ق، ح، خوشا شوقے

جفا شوخ، و ھوس گستاخ مطلب ھے، مگر عاشق
نفَس، در قالبِ خشتِ لحد دزدیدنی جانے

نوائے طائرانِ آشیاں گم کردہ آتی ھے
تماشا ھے کہ رنگِ رفتہ برگردیدنی جانے

اسد، جاں نذرِ الطافے کہ ھنگامِ ھم آغوشی
زبانِ ھر سرِ مو، حالِ دل پرسیدنی جانے

٢٧٠

ق، قا

سوختگاں کی خاک میں ریزشِ نقشِ داغ ھے
آئنۂ نشانِ حال مثلِ گلِ چراغ ھے

لطفِ خمارِ مے کو ھے در دلِ ھمدگر اثر
پنبۂ شیشۂ شراب، کفِ لبِ ایاغ ھے ٥

مفتِ صفائے طبع ھے، جلوۂ نازِ سوختن
داغِ دلِ سیہ دلاں، مردمِ چشمِ زاغ ھے

رنجشِ یارِ مہرباں، عیش و طرب کا ھے نشاں
دل سے اُٹھے ھے جو غبار، گردِ سوادِ باغ ھے

شعر کی فکر کو، اسد، چاھیے ھے دل و دماغ
وائے! کہ یہ فسردہ دل، بیدل و بیدماغ ھے

٢٧١

حاشیۂ ق، قا

وہ بات چاھتے ھو کہ جو بات چاھیے
صاحب کے ھمنشیں کو کرامات چاھیے

٢٧٢

آخر ق، قا

زندگی میں بھی، رھا ذوقِ فنا کا مارا
نشّہ بخشا غضب اس ساغرِ خالی نے مجھے ١٠

بسکہ تھی فصلِ خزانِ چمنستانِ سخن
رنگِ شہرت نہ دیا تازہ خیالی نے مجھے

جلوۂ خور سے، فنا ھوتی ھے شبنم، غالب
کھو دیا سطوتِ اسمائے جلالی نے مجھے

---

٢ ب، ح، تماشائے۔ ٦ الف، قا، نار سوختن۔ ٨ ب، ق، ح، عذر کہ۔ ٩ الف، ق، چاھتے ھیں۔
١٢ الف، ق، ھے زاھد کو فنا کی تعلیم۔

۲۷۳

آخر ق، قا

دل تو ہو، اچھا، نہیں ہے گر دماغ
کچھ تو اسبابِ تمنا چاہیے

۲۷٤

آخر ق، قا

یہ کون کہوے ہے آباد کر ہمیں؟ لیکن
کبھی زمانہ مرادِ دلِ خراب تو دے

۲۷۵

قا

اے بیخبراں، میرے لبِ زخمِ جگر پر
بخیہ جسے کہتے ہو، شکایت ہے رفو کی
گو زندگیِ زاہدِ بیچارہ عبث ہے
اتنا ہے کہ رہتی تو ہے تدبیر وضو کی

۲۷٦

قا

انجامِ شمارِ غم نہ پوچھو
یہ مصرفِ تابکے نہیں ہے
جس دل میں کہ «تابکے» سما جاے
واں عزتِ تختِ کے نہیں ہے

۲۷۷

قا

پوچھے ہے کیا معاشِ جگر تفتگانِ عشق
جوں شمع، آپ اپنی وہ خوراک ہوگئے

۲۷۸

حاشیۂ قا

ہوکر شہیدِ عشق میں، پائے ہزار جسم
ہر موجِ گردِ راہ، مرے سر کو دوش ہے

رباعیّات

۱

ق

ہرچند کہ دوستی میں کامل ہونا ممکن نہیں یک زبان و یک دل ہونا
میں تجھ سے، اور مجھ سے تو پوشیدہ ہے مفت، نگاہ کا مقابل ہونا

۲

ق

سامانِ ہزار جستجو، یعنی، دل ساغر کشِ خونِ آرزو، یعنی دل
پشت و رخِ آئینہ ہے، دین و دنیا منظور ہے دو جہاں سے تو، یعنی دل

۳

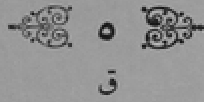
ق

اے کاش! بتاں کا خنجرِ سینہ شگاف پہلوے حیات سے گزر جاتا صاف
اک تسمہ لگا رہا کہ تا روزے چند رہیے نہ مشقّتِ گدائی سے مُعاف

۴

ق

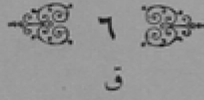
اے کثرتِ فہمِ بیشمار اندیشہ ہے اصلِ خرد سے شرمسار اندیشہ
یک قطرۂ خون، و دعوتِ صد نشتر یک وہم، و عبادتِ ہزار اندیشہ



ق

دل، سوزِ جنوں سے جلوہ منظر ہے آج
نیرنگِ زمانہ، فتنہ پرور ہے آج

یک تارِ نفس میں، جوں طنابِ صنّاع
ہر پارۂ دل، برنگِ دیگر ہے آج



ق

گر جوہرِ امتیاز ہوتا ہم میں
رسوا کرتے نہ آپ کو عالم میں

ہیں نام و نگیں، کمیں گہِ نقبِ شعور
یہ چور پڑا ہے خانۂ خاتم میں

دیوانِ غالب

حصّۂ دوم

نوائے سروش

آتے ہیں غیب سے، یہ مضامیں، خیال میں
غالب، صریرِ خامہ نوائے سروش ہے



دیباچه

مَشامِ شمیم آشنایان را صَلا، و نهادِ انجمن نشینان را مژده که لختی از سامانِ مجمره گردانی آماده، و دامنی از عُودِ هندی دست بهم داده است ـ نه چوبهای سنگ ژوپ خوردهٔ به هَنجارِ ناطیعی شکستهٔ، بی اندام تراشیده، بلکه به تبرِ شگافته، بکارد ریز ریز کرده، به سُوهان خراشیده ـ

۵ آیدون نفس گداختگیِ شوق به جستجوی آتشِ پارسی است ـ نه آتشی که در گُلخنهای هند افسرده و خاموش، و از کفِ خاکستر برگِ خودش سیه‌پوش بینی ـ چه بَرُوی مسَلّم است، از ناپاکی باُستخوانِ مرده ناهار شکستن، و از دیوانگی برشتهٔ شمعِ مزارِ

۲، م، خورده (بدون همزه) ـ ۳، کفب، بد، مد، ناطبعی ـ م، ما، مب، ح، شکسته (بدون همزه) ـ کفب، بلك، پنج، تبر ـ کفل میں بھی یونہی تھا، مگر بوقت تصحیح ایک نقطہ چھیل دیا گیا ہے ـ مج، مد، کفل کے علاوہ، شکافته ـ م، ما، شکافته ــ کرد، (بدون همزه) ـ کفب، ریزه ریزه ـ ۵، قب، گداختگیهای ـ به آتشی (سهو کاتب) ـ ۶، قب، به سیه ـ مد، سپه (هر دو سهو کاتب) ـ ۷، م «است» ندارد ـ مج، مردهٔ ـ قد، برشته (بدون همزه) ـ

کشته آویختن هرآینه بدل گداختن نیرزد، و بزم افروختن را نشاید - رخِ آتش به صنع برافروزنده، و آتش پرست را بپادافراه هم در آتش سوزنده نیك میداند که پژوهنده در هوای آن رخشنده آدر[1] نعل در آتش است که بچشم روشنیِ هوشنگ از سنگ برون تافته، و در آیوانِ لُهراسپ نَشو و نَما یافته، خس را فُروغست، و لاله را رنگ، و مُغ را چشم، و کده را چراغ - بخشنده یزدانِ دَرون بسخن برافروز را سپاسم که شراری ازان آتشِ تابناك بخاکسترِ خویش یافته، بکاوکاوِ سینه شتافته ام، و از نَفَس دَمه بر آن بر نهاده - بُو که در اندك مایه روزگاران آن مایه فراهم تواند آمد که مجمره را فرِّ روشنائی چراغ و رائحهٔ عود را بالِ شناسائی دماغ تواند بخشید -

همانا نگارندهٔ این نامه را آن در سر است که پس از انتخاب دیوانِ ریخته به گرد آوردنِ سرمایهٔ دیوانِ فارسی برخیزد، و باستفاضهٔ کمالِ این فَریور فن پسِ زانوی خویشتن نشیند - امید که سخن سرایانِ سخنور ستای، پراگنده ابیاتی را که خارج ازین اوراق یابند، از آثارِ تراوشِ رگِ کلکِ این نامه سیاه نشناسند، و چامه گرد آور را در ستایش و نکوهشِ آن اشعار ممنون و ماخوذ نسگالند -

یارب، این بوی هستی ناشنیدهٔ، از نیستی به پیدائی نارسیده، یعنی نقشِ به ضمیر آمدهٔ

۱، پنج کفل، گشته (سهو کاتب) - ۳، پنج، کفل، بیرون - ۴، م، حسن را - و لاله رنگ (هر دو سهو کاتب) - ۵، قب، م، بخشیده (سهو کاتب) - قب، میاسم (سهو کاتب) - ۶، پنج، کفل، قب، م، در خاکستر - ۷، قب، کم مایه - مج، مایهٔ - مب، روزگار - ۹، کفب، این نگارین نامه - ۱۲، مد، چامهٔ (سهو کاتب) - ۱۳، م، ما، مد، کفل، ناشنیده - م، کفل، آمده -

---

۱ — یه لفظ تمام نسخوں میں ذال منقوط سے لکھا گیا ہے - مگر خود غالب نے صراحت کردی ہے کہ آدر بدال بے نقطہ ہے، «بذالِ منقوط هرگز نیست» - ملاحظہ ہو قاطعِ برهان: ۶، درفشِ کاویانی: ۱۲ -

نقّاش که به اسد الله خان موسوم و به میرزا نوشه معروف و به غالب متخلص است، چنانکه اکبرآبادی مولد و دهلوی مسکن است، فرجام کار نجفی مدفن نیز باد! فقط۔

بست و چهارم شهر ذیقعده سنه ۱۲۴۸ھ[1]۔

۱، قب، بج، کذل، مرزا ۔ ۲، قب، مولد دهلوی (سهو کاتب) ۔ ۲، کفب، گار (سهو کاتب) ۔ ۳، اضافه از نسخهٔ قلمی مملوکهٔ شوق قدوائی مرحوم ۔ ملاحظه هو دیوان غالب مع شرح نظامی طبع دوم، ۱۹۱۸ع ۔

۱۔ عام نسخوں میں تاریخ نہیں ملتی۔ سب سے پہلے مولانا نظامی بدایونی نے منشی احمد علی شوق قدوائی کے مملوکہ نسخے سے اپنے شایع کردہ دیوان کے دوسرے ایڈیشن میں اس کا اضافہ کیا تھا (مکتوب نظامی بنام ڈاکٹر عبداللطیف، غالب (اردو): ۱۳٤)۔ چونکہ متداول دیوان، گل رعنا کے بعد مرتب ہوا، اورگل رعنا قیام کلکتہ کے دوران میں ربیع الاول ۱۲٤۵ھ (ستمبر ۱۸۲۹ع) سے پہلے اتمام کو پہنچا، اس لیے دیوان کو اس تاریخ کے بعد کا ہونا چاہیے۔ علاوہ ازیں گلشن بیخار کا آغاز ۱۲٤۸ھ (۱۸۳۲ع) میں اور اختتام ۱۲۵۰ھ (۱۸۳٤ع) میں ہوا، اور اُس میں جو اشعار دیے گئے ہیں، وہ سب متداول دیوان کے ہیں، نیز اِس کا بھی ذکر ہے کہ میرزا صاحب نے اپنے اردو کلام کا انتخاب کر کے ایک مختصر دیوان مرتب کیا ہے، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۱۲۵۰ھ (۱۸۳٤ع) سے پہلے ہی دیوان متداول مرتب ہو چکا تھا۔ ان وجوہ سے ذیقعدہ سنہ ۱۲٤۸ھ اس دیوان کی واقعی تاریخ انتخاب معلوم ہوتی ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ تاریخ دیباچہ کے سلسلے میں شیخ محمد اکرام، صاحب غالب نامہ نے کتاب خانۂ رامپور کے قلمی نسخے کا حوالہ دیا ہے۔ مگر یہاں ایسا کوئی نسخہ موجود نہیں جس میں تاریخ تالیف کا ذکر ہو۔ غالباً اُنھوں نے شوق قدوائی ہی کے مخطوطے کے بارے میں پڑھا ہوگا۔ اور چونکہ شوق عرصے تک رامپور میں مقیم رہے تھے، اس لیے یقین کرلیا ہوگا کہ تاریخ والا نسخہ رامپور میں ہے۔

قطعات



۱

قب

ہے جو صاحب[۱] کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی — زیب دیتا ہے، اسے جس قدر اچھا کہیے

خامہ، انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے — ناطقہ، سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

مُہرِ مکتوبِ عزیزانِ گرامی لکھیے — حِرزِ بازوے شگرفانِ خودآرا کہیے

مِسی آلودہ سرانگشتِ حسیناں لکھیے — داغِ طرفِ جگرِ عاشقِ شیدا کہیے

خاتمِ دستِ سلیماں کے مشابہ لکھیے — سرِ پستانِ پریزاد سے مانا کہیے

اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجے — خالِ مُشکینِ رخِ دلکشِ لیلا کہیے

۱، م، قج، ما، قج میں عنوان ہے: با دوست از سپاس عطای (ما، عطا) ہدیہ سخن راندن، و متاع گزیدۂ سخن در رابر آن (ما، و آن، ندارد) انشاندن۔ قب، قطعہ در تعریج چکنی ڈلی کہ دوستے بر کف دست نہادہ دادہ بود۔ مج، در مدح ڈلی۔ قج، مد، قطعہ۔
۱ الف، قب، ہے کف دست پہ صاحب کے جو۔ ۲ الف، قب، حسینا (سہو کاتب)۔

۱۔ یہ لفظ عربی زبان کا ہے اور ح کے زیر کے ساتھ بولا جاتا ہے. اردو میں اس کا تلفظ حاے مکسور اور مفتوح دونوں سے ملتا ہے۔ مگر خود میرزا صاحب نے ایک غزل میں اسے لب اور رب کا ہمقافیہ لکھا تھا، اس لیے میں نے یہاں ح پر زبر لگادیا ہے۔ میرزا صاحب نے اپنے ایک خط بنامِ میرزا حاتم علی مہر میں لکھا ہے: «ایک میرا قطعہ ہے۔ وہ میں نے کلکتے میں کہا تھا۔ تقریب یہ کہ مولوی کرم حسین صاحب ایک میرے دوست تھے۔ اُنھوں نے ایک مجلس میں «چکنی ڈلی» بہت پاکیزہ اور بے ریشہ اپنے کفِ دست پر رکھ کر مجھ سے کہا کہ اس کی کچھ تشبیہات نظم کیجیے۔ میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے نو دس شعر کا قطعہ کہہ کر اُن کو دیا، اور (باقی)

حجرُالاَسودِ دیوارِ حرَم کیجے فرض ‏ ‏ ‏ ‏ نافہ، آهوے بیابانِ خُتَن کا کہیے
وَضع میں اس کو اگر سمجھیے قافِ تریاق ‏ ‏ ‏ ‏ رنگ میں، سبزۂ نوخیزِ مسیحا کہیے
صَومعے[۱] میں، اسے ٹھہرائیے گر مُہرِ نماز ‏ ‏ ‏ ‏ میکدے میں، اسے خشتِ خُمِ صہبا کہیے
کیوں اسے قفلِ درِ گنجِ محبت لکھیے؟ ‏ ‏ ‏ ‏ کیوں اسے نقطۂ پَرکارِ تمنا کہیے؟
۵ کیوں اسے گوہرِ نایاب تصور کیجے؟ ‏ ‏ ‏ ‏ کیوں اسے مَردُمکِ دیدۂ عَنقا کہیے؟
کیوں اسے تکمۂ پیراهنِ لیلیٰ لکھیے؟ ‏ ‏ ‏ ‏ کیوں اسے نقشِ پۓ ناقۂ سَلما کہیے؟
بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجے فرض ‏ ‏ ‏ ‏ اور اس چکنی سُپاری کو سُوَیدا کہیے

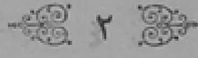
---

۱ الف، عود، کیجیے ۔ ۲ الف ما، تب، قد، صومعہ ۔ قب، م، قج، ما، قد، مب، اردوے معلی، عود، ٹھہرائیے ۔ ۳ ب، قب، م، اردوے معلی، میکدہ ۴ ب، مذ، پرگار (سہو کاتب) ۔ ۵ الف، اردو، عود، اپنے حضرت کے ۔ عود، کیجیے ۔

(بقیہ) صلے میں وہ ڈلی اُن سے لی ۔ اب سوچ رہا ہوں ۔ جو شعر یاد آتے جاتے ہیں، لکھتا جاتا ہوں ۔ (پہلا، دوسرا، چوتھا، چھٹا، ساتواں، اور نواں شعر لکھ کر فرماتے ہیں) غرض کہ بیس بائیس پھبتیاں ہیں ۔ اشعار سب کب یاد آتے ہیں ۔ اخیر کی بیت یہ ہے: اپنے حضرت کے کفِ دست کو الخ «(اردوے معلی: ۲۶۹، خطوط: ۱: ۳۰۹)

اسی زمین میں، مولوی علی بخش شرر بدایونی نے (دیوان: ۱۱۱، مطبع اسعد الاخبار، آگرہ، ۱۲۶۹ھ) پیچواں کی رسید میں ایک قطعہ لکھا ہے ۔ وہ بھی پڑھنے کے قابل ہے ۔ یہ قطعہ حواشی نسخۂ عرشی طبع اول (ص ۲۲۲-۲۲۳) میں نقل ہوچکا ہے ۔

۱ — دیوان کے نسخوں میں «ہ» پر ختم ہونے والے الفاظ بحالتِ تحریف کبھی «ی» سے اور کبھی «ہ» سے لکھے گئے ہیں ۔ خود غالب کے اپنے قلم کی تحریریں بھی مختلف ہیں ۔ میں نے آج کل کے قاعدے کے مطابق ہر جگہ «ی» سے لکھا ہے. اور جہاں کوئی نسخہ اس رواج کے خلاف تھا، وہاں اختلافِ نسخ میں اُس کا حوالہ دینا ضروری نہیں گردانا ۔



۲

قب

کلکتّے کا جو ذکر کیا تو نے، ہمنشیں[۱]	اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے! ہائے!
وہ سبزہ زار ہائے مُطرّا کہ ہے غضب!	وہ نازنیں بُتانِ خودآرا کہ ہائے! ہائے!
صبر آزما وہ اُن کی نگاہیں کہ حف[۲] نظر!	طاقت رُبا وہ اُن کا اشارا کہ ہائے! ہائے!
وہ میوہ ہائے تازۂ شیریں کہ واہ! واہ!	وہ بادہ ہائے نابِ گوارا کہ ہائے! ہائے!



۳

حاشیۂ قبا، م

خ گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری
کیا کرتے تھے تم تقریر، ہم خاموش رہتے تھے ۵

خ بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی! جانے دو، مل جاؤ
قسم لو ہم سے، گر یہ بھی کہیں: «کیوں، ہم نکہنے تھے»؟

۱، م، قبج، ما، قج میں عنوان ہے: چمن سرمایہ کردن گفتار بستایش کلکتہ، کہ اگر فردوس نتوان گفت، ارم ہست (قبج، ما، قج، است) البتہ - مد، قطعہ - ب، قج، قد، اک (بدون نقط - اور یہ ان دونوں نسخوں کی خصوصیت ہے کہ جہاں لفظ ایک کی «ی» پڑھنے میں نہیں آتی، وہاں بدون نقط لکھا ہے) - ۲ ب، قب، ناز بتان (سہو کاتب) - ۳ الف، قب، حیف (سہو کاتب) - ۴ الف، مج، مد، میوھای - م، تازہ و شیریں - ب، مج، مد، بادھاے - ۵، م، قبج، ما میں عنوان ہے: قطعہ در (ما، بر) نمایش عنوان دل آویزی گفتار، و آسان کردن اندوہ پشیمانی بر دل دلدار - مد، قطعہ - مج، ایضاً -

---

۱ — قب اور قبا میں یہ قطعہ بضمنِ غزلیات اور م اور قبج میں دونوں جگہ درج ہوا ہے۔
۲ — «حف نظر» کے معنی چشمِ بد دور ہیں۔ اس محاورے کا پہلا لفظ «حف» بھی عربی ہے۔ کسی کو بری نظر لگ جائے، تو کہا جاتا ہے: «حَفَّ الرجلُ»۔ اس صورت میں «حف نظر» سے مراد ہوگی «نظرِ بد لگنے کے قابل» جس نے رفتہ رفتہ «نظرِ بد نہ لگے» کا مفہوم اختیار کرلیا۔

٤

ما

نپوچھ اس کی حقیقت، حضورِ والا نے[1] مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی[2]
نکھاتے گیہوں، نکلتے نہ خُلد سے باہر جو کھاتے حضرتِ آدم یہ بیسنی روٹی

٥

آخر ما

اے شہنشاہِ فلک منظرِ بے مثل و نظیر[3] اے جہاندارِ کرم شیوۂ بے شبہ و عدیل
پانو[4] سے تیرے مَلے فرقِ ارادت، اورنگ فرق سے تیرے کرے کسبِ سعادت، اِکلیل
٥ تیرا اندازِ سخن، شانۂ زلفِ اِلہام تیری رفتارِ قلم، جنبشِ بالِ جبریل
تجھ سے[5]، عالم پہ کُھلا رابطۂ قربِ کلیم تجھ سے، دنیا میں[6] بچھا مائدۂ بذلِ خلیل
بسخن، اوجِ دہِ مرتبۂ معنی و لفظ بکرم، داغ نہِ[7] ناصیۂ قُلزُم و نیل

۱، ما میں عنوان ہے، ولہ ۔ قج، مب، بے عنوان ۔ مج، مد، قطعہ ۔ ۲، قد، مب، مج اور مد میں عنوان ہے، قطعات ۔
الف، آخر ما، قج، مد، و بیمثل ۔ آخر ما، مب، مثل نظیر (سہو کاتب) ۔ ب، آخر ما، کرم گستر و ۔ ۴ الف، آخر ما،
مد، پاوں ۔ مگر غالب کا املا پانو ہے، اس لیے آیندہ بغیر اختلاف ظاہر کیے غالب کا املا اختیار کیا گیا ہے ۔ ب، مب، ٭کرے،
ندارد (سہو کاتب) ۔ ۵ الف، آخر ما، تیرے ۔ ٦ الف، آخر ما،مد، تجھسے ۔ آخر ما، عالم میں ۔ ب، آخر ما، تجھسے ۔
تجھ اور مجھ کے مرکبات آیندہ بھی جگہ جگہ بے ہ کے لکھے گئے ہیں، اس لیے اس اختلاف کو نظر انداز کر کے ہر جگہ ہ
کے ساتھ لکھا گیا ہے ۔ ۷ الف، آخر ما، قرینۂ معنی (سہو کاتب) ۔ ب، قج، قد، مب، نہہ (سہو کاتب) ۔

۱ــ «جب بادشاہ کوئی عمدہ چیز پکواتے تھے، تو اکثر مصاحبین اور اہلِ دربار کے لیے بطور اُلوش کے بھیجا کرتے تھے ــ اُس کے شکریے میں کبھی کبھی مرزا کوئی قطعہ یا رباعی بادشاہ کے حضور میں گذرانتے تھے ۔ یہ قطعہ بھی اُسی سبیل کا ہے» ۔ (یادگار: ۱۷۰) ۔ چونکہ یہ قطعہ نسخۂ کراچی نوشتۂ ۳۰ اگست ۱۸۴۵ء میں موجود نہیں، اور نسخۂ مطبوعۂ مئی ۱۸۴۷ء میں مندرج ہے، لہذا اسے ان دونوں تاریخوں کے درمیان کا ہونا چاہیے۔

تا ترے وقت میں ہو عیش و طرب کی توفیر ق تا ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تقلیل

ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر زُہرہ نے ترک کیا حُوت سے کرنا تحویل

تیری دانش، مری اصلاحِ مَفاسد کی رَہین تیری بخشش، مرے اِنجاحِ مَقاصد کی کفیل

تیرا اقبالِ تَرَحّم، مرے جینے کی نَوید تیرا اندازِ تغافل، مرے مرنے کی دلیل

بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو اماں ق چرخِ کجباز نے تاکا کہ کرے مجھ کو ذلیل ۵

پیچھے ڈالی ہے، سَرِ رشتۂ اَوقات میں، گانٹھ پہلے ٹھونکی ہے، بُنِ ناخنِ تدبیر میں، کیل

تپشِ دل نہیں بے رابطۂ خوفِ عظیم کششِ دَم نہیں بے ضابطۂ جَرِّ ثقیل

دُرِ معنی سے، مرا صَفحہ، لقا کی داڑھی غمِ گیتی سے، مرا سینہ، عَمَر کی زنبیل

فکر میری، گہر اندوزِ اشاراتِ کثیر کلک میری، رقم آموزِ عباراتِ قلیل

میرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدّق، توضیح میرے اجمال سے کرتی ہے تراوش، تفصیل ۱۰

نیک ہوتی مری حالت، تو نہ دیتا تکلیف جمع ہوتی مری خاطر، تو نہ کرتا تعجیل

قبلۂ کون و مکاں، خستہ نوازی میں یہ دیر! کعبۂ امن و اماں، عُقدہ کُشائی میں یہ ڈھیل!



۶

قج

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی[۱] اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے

۱ الف، آخر ما، عہد میں ۔ مب، مج، مد، مجموعۂ سخن، ۵۶:۲، توقیر ۔ (سہو کاتب) ۔ ب، آخر ما، وقت میں ۔ ۳ الف، مد، میری (سہو کاتب ۔ قد اور مد کے علاوہ دوسرے نسخوں میں مری، تری اور مرا، ترا کو بھی "ی" کے ساتھ لکھا گیا ہے، جو اس زمانے کا دستور تھا ۔ اس لیے صرف قد اور مد میں اس کے خلاف نظر آیا ہے، تو اس کا اظہار کردیا ہے) ۔ ب، مد، میرے آخر ما، انجاح مفاسد (سہو کاتب) ۔ ۴ الف ب، آخر ما، ترا (سہو کاتب) ۔ ۵ ب، مب، مج، مجموعۂ سخن، چاہا ۔ ۶ الف، مجموعۂ سخن، ڈالے ہے ۔ ب، مجموعۂ سخن، ٹھونکے ہے ۔ ۸ ب، مج، امر ۔ مجموعۂ سخن، عمرو ۔ ۹ ب، آخر ما، زخم ۔ حلیل (سہو کاتب) ۔ ۱۰ الف، مج، مجموعۂ سخن، ایہام (سہو کاتب) ۔ ب، مجموعۂ سخن، تفضیل (سہو کاتب) ۔ ۱۳ ۔ مج میں عنوان ہے، بیان مصنف، اور مد میں، قطعہ ۔

۱ ۔ یہ قطعہ سب سے پہلے مولوی محمد باقر دہلوی کے دہلی اردو اخبار، جلد ۱۴ نمبر (باقی)

سو پشت سے، ہے پیشۂ آبا سپہگری
کچھ شاعری، ذریعۂ عزت نہیں مجھے

آزادہ رَو ہوں، اور مرا مسلک ہے صلحِ کُل
ہر گز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں؟
مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے

اُستادِ شہ سے ہو، مجھے، پرخاش کا خیال
یہ تاب، یہ مجال، یہ طاقت نہیں مجھے

۵ جامِ جہاں نُما ہے، شہنشاہ کا ضمیر
سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

میں کون اور ریختہ؟ ہاں، اس سے مدعا
جُز انبساطِ خاطرِ حضرت نہیں مجھے

سہرا لکھا گیا زرہِ امتثالِ امر
دیکھا کہ چارہ غیرِ اطاعت نہیں مجھے

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اُس سے قطعِ محبت نہیں مجھے

روے سخن کسی کی طرف ہو، تو رُوسیاہ!
سودا نہیں، جنوں نہیں، وحشت نہیں مجھے

۱۰ قسمت بُری سہی، پہ طبیعت بُری نہیں
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے خ

صادق ہوں اپنے قول میں، غالب، خدا گواہ!
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے خ

۱ ب، دهلی اردو اخبار، قج، علم و کمال و فضل سے نسبت -

۲ ب، قج، مب، کسو - قد میں بھی کاتب نے «کسو» لکھا تھا - غالب نے واو چھیل کر اپنے قلم سے «ی» لکھی ہے -

۸ الف، مجموعۂ سخن، ۲: ۶۰، آپڑی تھی -

۱۱ الف، دیوان ذوق مرتبۂ آزاد: ۲۹۳، اپنے قول کا -

(بقیہ) ۱۳ مورخۂ ۶ جمادی الآخرہ سنہ ۱۲۶۸ھ مطابق ۲۸ مارچ سنہ ۱۸۵۲ع میں اس تمہید کے ساتھ شایع ہوا تھا:

«حسب الحکمِ حضرتِ سلطانی، خلّد اللہ ملکہ، جو جناب نواب نجم الدولہ اسد اللہ خاں غالب اور جناب خاقانیِ ہند، ملک الشعرا، شیخ محمد ابراہیم خاں ذوق نے بتقریبِ شادی میرزا جواں بخت بہادر، مرشد زادۂ آفاق، کے کچھ اشعار بسبیلِ مبارکبادیِ سہرہ اس ہفتے میں حضورِ سلطانی میں سرِدربار گذرانے تھے، معہ چند اشعار علاوہ اس کے جو خاص نجم الدولہ بہادر نے پھر گذرانے، واسطے حظ و کیفیت اپنے ناظرینِ اہل بصر و بصیرت و ماہرین و واقفینِ فصاحت و بلاغت کے بموجب ترتیب درپیش ہونے کے ہم بھی درج اخبار کرتے ہیں» - (باقی)

۷

قد

اے شہنشاہِ آسماں اورنگ	اے جہاں دار آفتاب آثار[۱]
تھا میں اک بینوائے گوشہ نشیں	تھا میں اک دردمندِ سینہ فگار
تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی	ہوئی میری وہ گرمیِ بازار
کہ ہوا مجھ سا ذرّۂ ناچیز	رُوشناسِ ثَوابت و سَیّار
گرچہ، از روئے ننگِ بے ہنری،	ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار
کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی	جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار

۱۔ مج میں عنوان ہے، گزارش مصنف بحضور شاہ۔ ۳ ب، قد، مب، گرمئ۔

(بقیہ) ترتیب میں پہلے غالب کا سہرا، پھر ذوق کا سہرا اور بعد ازاں یہ چھٹا قطعہ بعنوانِ «قطعۂ اعتذار» مندرج ہوا ہے۔ غالب کا سہرا یادگارِ نالہ میں ملاحظہ ہو۔

۱ — میرزا صاحب نے اپنے ایک خط مورخۂ ۲ جنوری ۱۸۵۱ء میں منشی نبی بخش حقیر کو لکھا ہے: «اب چھ مہینے پورے ہوچکے، جولائی سے دسمبر سنہ ۱۸۵۰ء تک۔ اب میں دیکھوں، یہ ششماہہ مجھے کب ملتا ہے۔ بعد اس کے ملنے کے، اگر آیندہ ماہ بماہ کردیں گے، تو تو میں لکھوں گا۔ ورنہ اس خدمت کو میرا سلام ہے۔ ابھی بابر کا حال حضور میں بھی نہیں بھیجا۔ کل مُسوّدہ تمام ہوا ہے۔ صاف ہورہا ہے۔ اب صاف کر کر دیدوں گا، اور ماہ بماہ کی استدعا کروں گا۔ چھماہی آخر ہونےکو تھی، اس واسطے متوجہ ہوکر میں نے اس کو تمام کیا» (نادراتِ غالب: ۸)۔

چونکہ میرزا صاحب اس کے بعد بھی کام کرتے رہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اُنھوں نے جب بابر کا حال حضور میں پیش کیا، تو اُسی کے ساتھ یہ منظوم درخواست بھی گذرانی۔

شاد ہوں لیکن اپنے جی میں، کہ ہوں   بادشہ کا غلامِ کار گزار خ
خانہ زاد اور مرید اور مدّاح   تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار ،
بارے، نوکر بھی ہو گیا، صد شکر!   نسبتیں، ہو گئیں مُشخّص، چار ،
نکہوں آپ سے، تو کس سے کہوں؟   مُدّعاے ضروریُ الاظہار[1]
٥ پیر و مُرشد، اگرچہ مجھ کو نہیں   ذوقِ آرایشِ سر و دستار
کچھ تو جاڑے میں چاہیے، آخر   تا نہ دے، بادِ زمہریر، آزار
کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش؟   جسم رکھتا ہوں، ہے اگرچہ نزار
کچھ خریدا نہیں ہے، اب کے سال   کچھ بنایا نہیں ہے، اب کی بار
رات کو آگ، اور دن کو دھوپ   بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار
١٠ آگ تاپے کہاں تلک انساں!   دھوپ کھاوے کہاں تلک جاں دار
دھوپ کی تابش، آگ کی گرمی   وَ قِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النّار!
میری تنخواہ جو مقرّر ہے   اُس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار خ
رسم ہے، مردے کی چھماہی ایک   خلق کا، ہے اسی چلن پہ، مدار[2] ،

١ ب، مد، پادشہ۔   ٦ ب، یادگار: ١٦٨ میں اس مصرع کی جگہ سہواً اگلے شعر کا دوسرا مصرع لکھ دیا ہے۔
٨ الف، مد، مجموعۂ سخن، اب کی سال۔   ١٣ الف، مد، مردہ۔ مج، چھ ماہی (بفتح چھ)۔

١ - یہ شعر میرزا صاحب نے نواب کلبِ علی خاں بہادر کے نام کے خطوط مورخۂ ١٢ اگست ١٨٦٧ء و ٧ ستمبر ١٨٦٨ء میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مکاتیبِ غالب: ٧٢، ٨٢، طبعِ چہارم۔

٢ — ایک خط بنامِ میرزا تفتہ، مورخۂ ٢٠ جولائی ١٨٦٠ع، میں میرزا صاحب لکھتے ہیں: "اب میری کہانی سنو۔ آخرِ جون میں پنجاب سے حکم آگیا کہ پنسنداران قدیم ماہ بماہ نہ پائیں۔ سال میں دو بار بطریقِ ششماهه فصل بہ فصل پایا کریں۔ ناچار ساہوکار (باقی)

خ مجھ کو دیکھو کہ ہوں بقیدِ حیات ۔۔۔ اور چھماہی ہو سال میں دوبار!
بسکہ لیتا ہوں، ہر مہینے، قرض ۔۔۔ اور رہتی ہے سُود کی تکرار
میری تنخواہ میں چہارم کا ۔۔۔ ہو گیا ہے شریک، ساہوکار
آج مجھ سا نہیں زمانے میں ۔۔۔ شاعرِ نغز گوے خوش گفتار
رزم کی داستان گر سنیے ۔۔۔ ہے، زباں میری، تیغِ جوہردار[1]
بزم کا التزام گر کیجے ۔۔۔ ہے، قلم میری، ابرِ گوہربار
ظلم ہے، گر ندو سخن کی داد ۔۔۔ قہر ہے، گر کرو نہ مجھ کو پیار
آپ کا بندہ اور پھروں ننگا! ۔۔۔ آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار
خ میری تنخواہ کیجے ماہ بماہ ۔۔۔ تا نہ ہو، مجھ کو، زندگی دشوار

۱ مج، مجموعۂ سخن، دیکھو تو - ۳ الف، مب، مج، یادگار: ۱۶۹، مجموعۂ سخن، تہانی - ۴ ب، مد، گوی و - ۵ الف، قد، سنیے - ب، اردو، عود، زباں ایک - ۶ الف، اردو، کے التزام - ب، اردو، عود، ایک ابر -

(بقیہ) سے سود کاٹ کر روپیہ لیا گیا، تا رامپور کی آمد میں مل کر صرف ہو- یہ سود چھ مہینے تک اسی طرح کٹوان دینا پڑے گا- ایک رقم معقول گھاٹے میں جائے گی-

رسم ہے مردے کی چھماہی ایک ۔۔۔ خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
مجھ کو دیکھو کہ ہوں بقیدِ حیات ۔۔۔ اور چھماہی ہو سال میں دو بار

(اردوے معلی: ۷۵، خطوط: ۱:۷۶)-

۱- یہ اور اگلا شعر میرزا صاحب نے گلزارِ سرور، مصنفۂ میرزا رجب علی بیگ سرور لکھنوی، کی تقریظ میں لکھے ہیں- مگر وہاں دونوں کے آخری مصرعوں میں «میری» کی جگہ مقام کی مناسبت سے «ایک» کردیا ہے- (اردوے معلی: ۳۵۴، لاہور ایڈیشن، عود: ۱۸۱)

خَتم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام | شاعری سے نہیں مجھے سَروکار
تم سلامت رہو ہزار برس! | ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار![1]



قد

اے شاہِ جہانگیرِ جہان بخشِ جہاں دار | ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت[2]

---

۱ ب، مجموعۂ سخن، مجھے نہیں ۔ ۲، مج میں عنوان ہے، در مدح شاہ ۔

---

۱ — یہ شعر میرزا صاحب نے نواب یوسف علی خاں بہادر کے نام کے خطوں میں سب سے پہلے ۶ محرم ۱۲۷۸ھ (۱۲ اگست ۱۸۶۱ع) کے خط کے آخر میں اپنے نام سے پہلے لکھا ہے (مکاتیبِ غالب: ۲۱)۔ بعد ازاں نواب کلبِ علی خاں بہادر کے نام کے اکثر خطوں میں بھی لکھتے رہے ہیں۔

۲ — یہ قطعہ نوروز کی مبارکباد پر مشتمل ہے، اور نوروز، آفتاب کے برجِ حمل میں داخلے پر منایا جاتا ہے۔ میرزا صاحب سرور کو لکھتے ہیں: «تحویلِ آفتاب بہ حمل کے باب میں موٹی بات یہ ہے کہ ۲۲ مارچ کو واقع ہوتی ہے۔ کبھی ۲۱ کبھی ۲۳ بھی آپڑتی ہے۔ اس سے تجاوز نہیں» (عود: ۳۲)۔ دہلی اردو اخبار جلد ۱۵ نمبر ۱۳ مورخۂ جمادی الآخرہ ۱۲۶۹ھ مطابق ۲۷ مارچ ۱۸۵۳ع میں حضورِ والا کی نیازِ معمولیِ دسترخوان کا ذکر ہے، جو یک شنبہ ۹ جمادی الآخرہ کو نوروز کے دن کی گئی تھی۔ یہ واقعہ میرزا سلیمان شکوہ بہادر کے پوتے میرزا نورالدین شامی تخلص کی آمدِ دہلی کے بعد کا ہے، جن کی صحبت نے بہادر شاہ کو متہم بہ تشیع کیا تھا۔ اس لیے میری دانست میں یہ قطعہ مارچ ۱۸۵۳ع کا لکھا ہوا ہے۔

جو عُقدۂ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو ۔۔۔ تو وا کرے اُس عقدے کو، سو بھی بہ اِشارت
ممکن ہے، کرے خضر سکندر سے ترا ذکر؟ ۔۔۔ گر لب کو نہ دے، چشمۂ حیواں سے طَہارت
آصف کو سلیماں کی وزارت سے شرف تھا ۔۔۔ ہے فخر سلیماں، جو کرے تیری وزارت
ہے نقشِ مریدی ترا، فرمانِ الٰہی ۔۔۔ ہے داغِ غلامی ترا، توقیعِ اِمارت
ق
تو آب سے گر سَلب کرے طاقتِ سَیلاں ۔۔۔ تو آگ سے گر دفع کرے تابِ شرارت ۵
ڈھونڈھے نہ ملے، موجۂ دریا میں، روانی ۔۔۔ باقی نہ رہے، آتشِ سوزاں میں، حرارت
ہے، گرچہ، مجھے نکتہ سرائی میں تَوَغُّل ۔۔۔ ہے، گرچہ، مجھے سحر طرازی میں مَہارت
کیونکر نکروں مدح کو میں ختم دعا پر؟ ۔۔۔ قاصر ہے، ستایش میں تری، میری عبارت
نَو روز ہے آج، اور وہ دن ہے کہ ہوے ہیں ۔۔۔ نَظّارگیِ صَنعتِ حق، اہلِ بَصارت
تجھ کو، شرفِ مِہرِ جہاں تاب مبارک! ۔۔۔ غالب کو، ترے عَتَبۂ عالی کی زیارت! ۱۰

۹

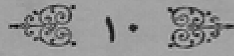
قد

نُصرُت الملک بہادر،[1] مجھے بتلا کہ مجھے ۔۔۔ تجھ سے جو اتنی ارادت ہے، تو کس بات سے ہے
گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے ۔۔۔ رونقِ بزمِ مہ و مِہر تری ذات سے ہے
اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں ۔۔۔ غیر کیا، خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے
خستگی کا ہو بھلا، جس کے سبب سے سر دست ۔۔۔ نسبت اک گونہ مرے دل کو، ترے ہات سے ہے
ہاتھ میں تیرے رہے، توسنِ دولت کی عِناں! ۔۔۔ یہ دعا، شام و سحر، قاضیِ حاجات سے ہے ۱۵

۱ الف، مب، مج، مد، مجموعۂ سخن، نہ وا ہو۔ ب، مب، اس (سہو کاتب)۔ قد، مجموعۂ سخن، عقدہ۔ ۶ الف، قد، مب، مد، ڈھونڈے۔ ۸ ب، مج، مجموعۂ سخن، شکایت میں۔ قد کے کاتب نے ستایش کی جگہ سگالش لکھا تھا۔ غالب نے اسے اپنے قلم سے بدلا ہے۔ ۱۱، مج میں عنوان ہے، مدح۔ مد، قطعہ۔ ۱۴ ب، قد، مب، ایک۔ ۱۵ الف، مب، ہات۔

۱ — اس قطعے کے مخاطب کی شخصیت ابھی تک مجہول ہے۔

تو سکندر ہے، مرا فخر ہے ملنا تیرا — گو، شرف خضر کی بھی، مجھ کو، ملاقات سے ہے
اس پہ گزرے نہ گماں ریو و ریا کا زنہار! — غالبِ خاک نشیں اہلِ خرابات سے ہے



۱۰

قد

ہے چارشنبہ آخرِ ماہِ صَفر، چلو — رکھدیں چمن میں، بھر کے مَے، مُشکبو کی ناند[1]
جو آئے، جام بھر کے پیے، اور ہو کے مست — سبزے کو رَوندتا پھرے، پھولوں کو جائے پھاند
۵ غالب، یہ کیا بیاں ہے؟ بجز مدحِ بادشاہ — بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت خواند
بٹتے ہیں سونے رُوپے کے چَھلّے حضور میں — ہے، جن کے آگے سیم و زر مِہر و ماہ، ماند
یوں سمجھیے کہ بیچ سے خالی کیے ہوئے — لاکھوں ہی آفتاب ہیں، اور بیشمار چاند

۳، مج میں عنوان ہے، متفرقات۔ ۵ الف، مد، پادشاہ۔

---

۱ — اس قطعے میں جس رسم کی طرف اشارہ ہے اُس کی اصل یہ ہے کہ ماہِ صفر کے آخری چہار شنبے کو رسولِ پاک، صلی اللہ علیہ و سلم، بیمار ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے اُس دن دعا و استغفار اور صدقہ و خیرات کرنا شروع کیا، اور باغوں میں جاکر پند و وعظ کے جلسے کرنے لگے۔ امرا خیر خیرات کے علاوہ اپنے عزیزوں اور متوسلوں کو سنہری اور روپہلی چھلے بھی تقسیم کیا کرتے تھے۔

شاہِ ظفر کے بارے میں طامس مٹکاف نے اپنے روز نامچے میں جمعہ ۲۶ جنوری ۱۸۴۹ء کو لکھا ہے کہ «ماہِ صفر کے آخری چارشنبہ کے دن باغِ حیات بخش میں تشریف لے گئے۔ مٹی کی ایک ہانڈی میں خود بدولت نے اشرفی ڈالی۔ ہانڈی کو پانو سے توڑکر زمیں کی گھانس کو پانوؤں سے روندا۔ پھر دیوان خانے میں آکر مسند آرا ہوکر دربار کیا۔ مرشدزادے اور ملازم آداب شاہی بجا لائے۔ (باقی)

۱۱

قد

سہل تھا مُسہل، ولے یہ سخت مشکل آپڑی:[۱]
مجھ پہ کیا گزرے گی، اتنے روز حاضر بِن ہوے
تین دن مُسہل سے پہلے، تین دن مسہل کے بعد،
تین مسہل، تین تبریدیں، یہ سب کَے دن ہوے؟

۱، مج، مد میں عنوان ہے، قطعہ۔

(بقیہ) منصرمِ جواہر خانہ نے کشتی میں چاندی سونے کے چھلے پیش کیے۔ حضور نے پانچ چھلے اُٹھا کر اپنی انگلی میں پہن لیے۔ پندرہ چھلے زینت محل بیگم کو اور پانچ پانچ دوسری بیگمات کو دیے۔ ولی‌عہد کے نام کے سات چھلے اپنے پاس رکھ لیے، اور پانچ پانچ مرزا فخرالدین اور دوسرے مرشدزادوں کو عنایت فرمائے.... (طامس مٹکاف کی ڈائری، شایع کردہ خواجہ حسن نظامی: ۲۹)۔ لیکن خود قطعہ ۱۸۵۲ء کے بعد کا ہے، ورنہ قج میں موجود ہوتا۔

۱- میرزا صاحب نے ۹ مارچ ۱۸۵۲ء کو ایک خط منشی نبی بخش حقیر کو لکھا تھا۔ اُس میں تحریر فرماتے ہیں کہ «حکیم احسن اللہ خاں میرے چارہ‌گر ہیں۔ اُنھوں نے فرمایا کہ آمدِ فصلِ نو ہے، تو مسہل لے ڈال۔ چنانچہ دس بارہ منضج اور تین مسہل ہوے۔ کل تیسرا مسہل تھا۔ آج تبرید پی کر تم کو یہ خط لکھ رہا ہوں» (نادراتِ غالب: ۲۱)۔ پھر ۱۷ مارچ ۱۸۵۳ء کو اُنھیں کو تحریر فرماتے ہیں کہ «مسہل مَیں نے اس واسطے لیا تھا کہ میرے اعضا میں درد رہتا تھا اور فضول معدے میں جمع ہوگئے تھے۔ سو عنایت ایزدی سے مقصود حاصل ہوگیا (ایضاً: ۳۲)۔ بظاہر یہ قطعہ آخری مسہل سے متعلق ہے، ورنہ قج میں مندرج ہوتا۔ (باقی)

۱۲

قد

افطارِ صوم کی کچھ، اگر، دستگاہ ہو ‌ ‌ ‌ اُس شخص کو ضرور ہے، روزہ رکھا کرے[۱]
جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو ‌ ‌ ‌ روزہ اگر نکھاے، تو ناچار کیا کرے؟

۱۳

قد

سیہ گلیم ہوں، لازم ہے، میرا نام نہ لے ‌ ‌ ‌ جہاں میں، جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
ہوا نہ غلبہ مُیَسّر کبھی کسی پہ مجھے ‌ ‌ ‌ کہ جو شریک ہو میرا، شریکِ غالب ہے[۲]

۱' مج، مد میں عنوان ہے قطعہ ۔ ‌ الف نادرات غالب: ۵۳، ۵۸، جسے کچھ دستگاہ ۔ ‌ ۲' ب، یادگار: ۱۷۱، نہ کھاوے ۔
۳. مج میں عنوان ہے، قطعات (حالانکہ یہ آغاز قطعات نہیں ہے) ۔ مد، قطعہ ۔ ‌ الف، مد، کوئی نام (سہو کاتب) ۔

(بقیہ) مولانا حالی فرماتے ہیں کہ «ایک شعر میں مسہل کے اُن تمام دنوں کی تفصیل جن میں حکیم چلنے پھرنے کو منع کرتے ہیں، کس عمدگی سے بیان کی ہے! یہ قطعہ دربار کی غیر حاضری کے عذر میں لکھا ہے» (یادگار: ۱۷۱) ۔

۱ — میرزا صاحب نے منشی نبی بخش حقیر کو جمعہ ٤ جون ۱۸۵٤ع کو لکھا ہے: «اگرچہ تاب مجھ میں روزہ رکھنے کی کہاں ۔ مگر بدتر روزہ داروں سے ہوں ۔ روزہ داروں کو کیا کہوں، کیا حال ہے؟ میرے چار خدمتگزار ہیں ۔ چاروں روزہ‌دار ۔ آخرِ روز مجھ کو یوں نظر آتا ہے کہ چار مردے پھر رہے ہیں ۔ یہ پریشانی اور یہ بے سامانی! نہ خس‌خانہ، نہ برف آب ۔ آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں الخ ۔ افطارِ صوم کی جسے کچھ دستگاہ ہو الخ ۔ یہ رباعی اور یہ قطعہ کل حضور میں پڑھا تھا ۔ بہت ہنسے اور خوش ہوے» (نادراتِ غالب: ۵۳، ۵۸) ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۳ جون کو یا اس سے ایک دو دن قبل یہ قطعہ کہا گیا تھا ۔

۲ — «شریکِ غالب اُس شریک کو کہتے ہیں جس کا حصّہ دوسرے شریکوں سے غالب ہو ۔ شریکِ غالب کے لفظ میں جو لطف ہے، وہ ظاہر ہے» (یادگار: ۱۷۱) ۔

۱۴

قد

خُجستہ انجمن طُوے میرزا جعفر — کہ جس کے دیکھے سے سب کا ہوا ہے جی محظوظ
ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں، غالب — نہ کیوں ہو مادّۂ سالِ عیسوی «محظوظ»؟
۱۸۵۴ء

۱۵

قد

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی — ہوا بزمِ طرب میں رقصِ ناہید
کہا غالب سے: «تاریخ اس کی کیا ہے؟» — تو بولا: «اِنشراحِ جشنِ جمشید»
۱۲۷۰ھ

۱۶

قد

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں — دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں[۱] ۵
کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں، کرتے ہوئے سلام — اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

۱، مج میں عنوان ہے، قطعۂ تاریخ - مد، قطعہ - ۲ الف، مد، ایسی ہی - ۳، مج میں عنوان ہے، قطعہ ۴ تاریخ دیگر - مد، قطعہ - ۵ مج، قطعہ ۵ - مد، قطعہ - الف، مد، یادگار ۱۶۹، پادشاہ - مج، خانزاد - ۶ الف، یادگار ۱۷۰، رکھتے ہیں - ب، یادگار، ہے اس سے یہ مراد -

---

۱ — بادشاہ کے دربار کا یہ آداب تھا کہ آپس میں جو وہاں ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے، تو ماتھے پر ہاتھ رکھنے کی جگہ دایاں ہاتھ دائیں کان پر رکھ لیتے تھے۔ چونکہ اُردو محاورے میں کانوں پر ہاتھ دھرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم آشنا نہیں، اس لیے میرزا نے اُس کو اس پیرائے میں بیان کیا ہے۔ (یادگار : ۱۷۰)

مثنوی



۱

قد

ہاں، دلِ دردمندِ زمزمہ ساز خ تا آخر کیوں نہ کھولے درِ خزینۂ راز؟

خامے کا صفحے پر رواں ہونا — شاخِ گل کا ہے گلفشاں ہونا

مجھ سے کیا پوچھتا ہے، کیا لکھیے؟ — نکتہ ہائے خرد فزا لکھیے

بارے، آموں کا کچھ بیاں ہوجائے — خامہ، نخلِ رُطب فشاں ہوجائے

۵ آم کا، کون، مردِ میداں ہے؟ — ثمر و شاخ، گوئے و چوگاں ہے

تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں؟ — آئے، یہ گوئے اور یہ میداں!

آم کے آگے پیش جاوے خاک — پھوڑتا ہے جلے پھپولے، تاک

نہ چلا، جب کسی طرح، مقدور — بادۂ ناب بن گیا، انگور

یہ بھی، ناچار، جی کا کھونا ہے — شرم سے پانی پانی ہونا ہے

۱۰ مجھ سے پوچھو، تمھیں خبر کیا ہے؟ — آم کے آگے نیشکر کیا ہے؟

نہ گُل اُس میں، نہ شاخ و برگ، نہ بار — جب خزاں آئے، تب ہو اُس کی بہار

اور دوڑائیے قیاس کہاں؟ — جانِ شیریں میں یہ مٹھاس کہاں؟

جان میں ہوتی، گر، یہ شیرینی — ق کوہکن، باوُجودِ غمگینی

جان دینے میں اُس کو یکتا جان — پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان

۱۵ نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر — ق کہ دواخانۂ ازل میں، مگر

---

۱. مج میں عنوان ہے، در صفت انبہ ۔ مد، مثنوی ۔ الف، قد، مب، مج، خامہ کا صفحہ ۔ ۳ الف، قد، بوچھتا (سہو کاتب) ۔ ب، مج، نکتہای ۔ ٦ ب، مج، مد، آئے ۔ ۷ ب، مب، مج پھپولے ۔ ۱۱ الف، مد، برگ و نہ بار ۔ ب، قد، مب، مج، آئے ۔

آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام — شیرے[1] کے تار کا ہے ریشہ نام
یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے — باغبانوں نے باغِ جنت سے
انگبیں کے، بحکمِ ربّ النّاس — بھر کے بھیجے ہیں، سر بمہر گلاس
یا لگا کر خضر نے شاخِ نبات — مدتوں تک دیا ہے آبِ حیات
تب ہوا ہے ثمر فشاں، یہ نخل — ہم کہاں، ورنہ، اور کہاں یہ نخل! ۵
ق تھا ترنجِ زر ایک، خسرو پاس — رنگ کا زرد، پر کہاں بو باس!
آم کو دیکھتا اگر یک بار[2] — پھینک دیتا طلائے دست افشار
رونقِ کارگاہِ برگ و نوا — نازشِ دودمانِ آب و ہوا
رہروِ راہِ خلد کا توشہ — طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ
صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے آم — ناز پروردۂ بہار ہے آم ۱۰
خاص وہ آم، جو نہ ارزاں ہو — نو برِ نخلِ باغِ سلطاں ہو[1]
وہ کہ ہے والیِ ولایتِ عہد — عدل سے اُس کے، ہے حمایت عہد
فخرِ دین، عزِ شان، و جاہِ جلال — زینتِ طینت، و جمالِ کمال
کار فرمائے دین و دولت و بخت — چہرہ آرائے تاج و مسند و تخت
سایہ اُس کا، ہُما کا سایہ ہے — خلق پر، وہ خدا کا سایہ ہے ۱۵
اے مُفیضِ وُجودِ سایہ و نور — جب تلک ہے نمودِ سایہ و نور
اس خداوندِ بندہ پرور کو — وارثِ گنج و تخت و افسر کو
شاد و دلشاد و شادماں رکھیو! — اور غالب پہ مہرباں رکھیو!

۱ ب، قد، مب، مج، شیرہ ۔ ۲ الف، قد، ایک بار ۔ مج، اک بار ۔

۱ــ میرزا صاحب نے اس شعر میں «سلطاں»، بارھویں شعر میں «والیِ ولایتِ عہد» اور ۱۳ویں شعر میں «فخرِ دیں» کہا ہے ۔ اس سے ولی عہدِ سلطنت، شاہزادہ غلام فخرالدین عرف میرزا فخرو متوفی ۱۰ جولائی ۱۸۵۶ع کی طرف اشارہ ہے، جو اُن کے شاگرد اور مربی تھے۔ لہذا مثنوی کو اس تاریخ سے پہلے کا ہونا چاہیے۔

قصائد

۱

ق

سازِ یک ذرّہ، نہیں، فیضِ چمن سے، بیکار
سایۂ لالۂ بے داغ، سُوَیدائے بہار خ

مستیِ بادِ صبا سے ہے، بعرضِ سبزہ،
ریزۂ شیشۂ مے، جوہرِ تیغِ کہسار

سبز ہے، جامِ زُمُرّد کی طرح، داغِ پَلنگ
تازہ ہے، ریشۂ نارنج صفت، روئے شرار خ

مستیِ ابر سے گلچینِ طرب ہے، حسرت
کہ اس آغوش میں ممکن ہے، دو عالم کا فِشار

٥ کوہ و صحرا ہمہ، معموریِ شوقِ بلبل
راہِ خوابیدہ ہوئی، خندۂ گل سے، بیدار

سونپے ہے فیضِ ہوا، صورتِ مژگانِ یتیم
سرنوشتِ دو جہاں ابر، بیک سطرِ غبار

کاٹ کر پھینکیے ناخن، تو بانداز ہلال
قوت نامیہ اُس کو بھی نچھوڑے بیکار خ

کفِ ہر خاکِ بگردوں شدہ، قمری پرواز
دامِ ہر کاغذِ آتش‌زدہ، طاؤس شکار

میکدے میں ہو، اگر، آرزوئے گل چینی
بھول جا یک قدحِ بادہ بطاقِ گلزار

١٠ موجِ گل ڈھونڈھ بخلوتکدۂ غنچۂ باغ
گم کرے، گوشۂ میخانہ میں گر تو، دستار

کھینچے گر مانیِ اندیشہ چمن کی تصویر
سبز، مثلِ خطِ نوخیز، ہو خطِّ پرکار

لعل سی، کی ہے پئے زمزمۂ مدحتِ شاہ
طوطیِ سبزۂ کہسار نے پیدا، منقار خ

وہ شہنشاہ کہ جس کی پئے تعمیرِ سرا،
چشمِ جبریل، ہوئی قالبِ خشتِ دیوار

۱، قب، آغاز شدن منتخب قصیدہ در منقبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ - م، قبج، منتخب قصیدۂ منقبت علی مرتضی علیہ السلام - ما، قج، افزایش آبروی گوہر سخن بہ ثنای ابوالائمہ حضرت علی مرتضی علیہ التحیۃ و الثنا - قد، مب، مج، مد، قصائد - الف، قبا، ایک ذرہ (سہو کاتب) - ۲ الف، م، قبج، یہ عرض (سہو کاتب) - ۳ الف ق، ح، سبز جوں جام زمرد نہ ہو گر - ب، ق، ح، ریشۂ نشو و نما کو سمجھ افسون بہار ۴ ب، قب «ممکن» ندارد - ۵، ح میں اسے سہواً غیر مطبوعہ ظاہر کیا ہے - الف، قب، کوہ صحرا (سہو کاتب) - ۷ الف، ق، ح، جوہر ناخن بریدہ بہ - ب، ق، ح، ریشۂ عجز کو کرتا ہے نمو سے سرشار - قب، نامہ (سہو کاتب) - نیز ق، ح میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔ ۸ الف، ق، ح، خاک چمن آئینۂ قمری صیقل - قبا، بہ گردوں (سہو کاتب) - ۹ الف، قب، م، ما، میکدہ - ب، قب، بہ صحن گلزار - م میں یہ فقرہ کرمخوردہ ہے - ۱۰ الف، ق، ح، بہ طوفاں کدۂ - ۱۱ الف، قب، کھینچ کر (سہو کاتب) - ب، قب، م، خط رخسار - مج، مد، پرگار - ۱۲ الف، ق، ح، لعل سے کی ہے بمدح چمن آرائے بہار مرتب ح نے اصلاحی مصرع میں بھی «لعل سے» ہی لکھا ہے۔ ۱۳، ۱۴، ۱۵، م ندارد - ۱۳ الف، ح، جس کے - ب، قب، بنی قالب -

خ فلکُ العرش، ہُجومِ خمِ دوشِ مزدور — رشتۂ فیضِ ازل، سازِ طنابِ معمار

سبزۂ نُہ چمن، و یک خطِ پشتِ لبِ بام — رفعتِ ہمتِ صد عارف، و یک اوجِ حصار

واں کے خاشاک سے، حاصل ہو جسے، یک پرِ کاہ — وہ رہے مروحۂ بالِ پری سے بیزار

خاکِ صحرائے نجف، جوہرِ سیرِ عُرفا — چشمِ نقشِ قدم، آئینۂ بختِ بیدار

ذرہ اُس گرد کا، خُرشید کو، آئینۂ ناز — گرد اُس دشت کی، امید کو، اِحرامِ بہار ۵

آفرینش کو ہے، واں سے، طلبِ مستیِ ناز — عرضِ خمیازۂ ایجاد ہے، ہر موجِ غبار

مطلع فیض سے تیرے ہے، اے شمعِ شبستانِ بہار — دلِ پروانہ چراغاں، پرِ بلبل گلزار

شکلِ طاؤس کرے آئنہ خانہ پرواز — ذوق میں جلوے کے تیرے، بہوائے دیدار

تیری اولاد کے غم سے ہے، بروئے گردوں — سلکِ اختر میں مہِ نو، مژۂ گوہر بار

ہم عبادت کو، ترا نقشِ قدم، مُہرِ نماز — ہم ریاضت کو، ترے حوصلے سے استظہار ۱۰

مدح میں تیری نہاں، زمزمۂ نعتِ نبی — جام سے تیرے عیاں، بادۂ جوشِ اسرار

جوہرِ دستِ دعا آئنہ، یعنی تاثیر — یک طرف نازشِ مژگاں، و دگر سُو غمِ خار

مردُمک سے، ہو عزاخانۂ اقبالِ نگاہ — خاکِ در کی ترے، جو چشم، نہ ہو آئنہ دار

دشمنِ آلِ نبی کو، بطرب خانۂ دہر — عرضِ خمیازۂ سیلاب ہو، طاقِ دیوار

دیدہ تا دل، اسد، آئینۂ یک پرتوِ شوق — فیضِ معنی سے، خطِ ساغرِ راقم سرشار ۱۵

---

۲ الف، قج، چمن یک ۔ ب، قب، موج (ہر دو سہو کاتب) ۔ ۳ الف، ح، واں کی خاشاک ۔ ۴، قبج، ح، میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے ۔ ۴ الف، ما، سپر عرفا ۔ ب، قب، جسم (ہر دو سہو کاتب) ۔ ۶ الف و ب، قب «سے» و «ہر» ندارد (سہو کاتب) ۔ ۷، قب، ما، قج، قد، مب، مج، مطلع ثانی ۔ مد، مطلع ۔ م، قبج، ندارد ۔ ب، قب، قبا، گلذار (سہو کاتب) ۔ ۸ الف، قبا، ما، مد، برداز (سہو کاتب) ۔ ب، ق، ح، جلوہ میں تیرے ہے تسخیر ہوائے دیدار ح میں اس اصلاح کو نظر انداز کردیا ہے، اور شعر کو غیر مطبوعہ ظاہر کیا ہے ۔ ما، مد کے سوا، جلوہ ۔ ۹ الف، ق، ح، غم میں ہے ۔ قبج «ہے» ندارد (سہو کاتب) ۔ ۱۰، ق، ح، میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے ۔ الف، قب، بہر (سہو کاتب) ۔ ب، مد کے سوا تمام نسخے، حوصلہ ۔ ۱۳ الف، ق، قب، قبج، م، عزا خانۂ یک شہر نگاہ ۔ ح، شر نگاہ (سہو کاتب) ۔ ۱۴ الف، قبا، طرف خانہ (سہو کاتب) ۔ ۱۵ الف، ق، یک سجدۂ شوق ۔ ب، ق، فیض الفت سے رقم تا دل معنی سرشار ۔ قب، م، قبج، فیض معنی سے رقم تا کف ۔

۲

ق

دھر، جز جلوۂ یکتائیِ معشوق نہیں ٭ ہم کہاں ہوتے، اگر حسن نہ ہوتا خود بیں؟ خ

بیدلیہاے تماشا، کہ نہ عبرت ھے، نہ ذوق ٭ بیکسیہاے تمنا، کہ نہ دنیا ھے، نہ دیں ۰

ہَرزہ ھے، نغمۂ زیر و بمِ ہستیّ و عدم ٭ لغو ھے، آئنۂ فرقِ جنون و تمکیں ۰

نقشِ معنیِ ھمہ، خمیازۂ عرضِ صورت ٭ سخنِ حق ھمہ، پیمانۂ ذوقِ تحسیں

۵ لافِ دانش غلط، و نفعِ عبادت معلوم ٭ دُردِ یك ساغرِ غفلت ھے، چہ دنیا، و چہ دیں

مثلِ مضمونِ وفا، باد بدستِ تسلیم ٭ صورتِ نقشِ قدم، خاك بفرقِ تمکیں خ

عشق، بیربطیِ شیرازۂ اجزاے حواس ٭ وصل، زنگارِ رخِ آئنۂ حسنِ یقیں

کوہ کن، گُرسَنہ مزدورِ طربگاہِ رقیب ٭ بیستوں، آئنۂ خوابِ گرانِ شیریں[1]

کس نے دیکھا، نَفَسِ اہلِ وفا آتش خیز؟ ٭ کس نے پایا، اثرِ نالۂ دلہاے حزیں[2]؟ خ

۱۰ سامعِ زَمزمۂ اہلِ جہاں ہوں، لیکن ٭ نہ سر و برگِ ستایش، نہ دماغِ نفریں ۰

کس قدر ہَرزہ سرا ہوں کہ عِیاذاً باللہ! ٭ یك قلم خارجِ آدابِ وَقار و تمکیں

نقشِ «لا حَول» لکھ، اے خامۂ ہذیاں تحریر! ٭ «یا علی» عرض کر، اے فطرتِ وَسواس قریں!

مظہرِ فیضِ خدا، جان و دلِ ختمِ رُسل ٭ قبلۂ آلِ نبی، کعبۂ ایجادِ یقیں

۱ قب، قبج، انتخاب قصیدۂ منقبت حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ - م، انتخاب قصیدۂ منقبت علی مرتضی علیہ السلام - ما، قج، ایضاً فی المنقبت - مج، قصیدہ - نیز یہ مطلع ق اور قب میں نہیں، اور قبا کے حاشیے میں ہے - ۴، ق، قا، قبج، م، ح میں ترتیب اشعار یہ ہے: مثل مضمون، لاف دانش، نقش معنی - ۷ ب، ق، قا ح، وصل افسانۂ اطفال پریشاں بالیں - قب، م، رخ روشن مرآت یقیں - مج، وصل زنگار (بکسرۂ اضافت - سہو کاتب) - ۸ ب، ق، ح، بیستوں، ساز گرانباری خواب شیریں ۹ الف، ق، قا ح، دیکھا جگر اہل جنوں نالہ فروش - ۱۱ الف، ق، قا، کس قدر نالہ پریشاں ہے - ب، ق، آداب جنوں - ح، آداب و جنوں (سہو کاتب) - ۱۲ الف، قب بزباں - قبا، م، ہزیاں (ہر دو سہو کاتب) - قبج، لکھے (سہو کاتب) - ۱۳، ح میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے - قا میں ترتیب ہے: کس سے ہوسکتی، ہو وہ سرمایۂ ایجاد، مظہر فیض، نسبت نام -

۱ — نیز ملاحظہ ہو: عشق و مزدوریِ عشر تگہِ خسرو، کیا خوب!
ہم کو تسلیم نکونامیِ فرھاد نہیں

۲ — نیز ملاحظہ ہو: وفاے دلبراں ھے اتفاقی، ورنہ، اے ہمدم
اثر فریادِ دلہاے حزیں کا کس نے دیکھا ھے؟

هو، وہ سرمایۂ ایجاد، جہاں گرمِ خرام — ہر کفِ خاک، ہے واں گردۂ تصویرِ زمیں

جلوہ پرداز ہو، نقشِ قدم اُس کا، جس جا — وہ کفِ خاک، ہے ناموسِ دو عالم کی امیں

نسبتِ نام سے اُس کے ہے یہ رتبہ کہ رہے — اَبَداً، پشتِ فلک، خم شدۂ نازِ زمیں

فیضِ خُلق اُس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا — بوے گل سے، نفسِ بادِ صبا، عطر آگیں

بُرِّشِ تیغ کا اُس کی، ہے جہاں میں چرچا — قطع ہوجاے نہ، سررشتۂ ایجاد، کہیں! ۵

کفرسوز اُس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے — رنگِ عاشق کی طرح، رونقِ بتخانۂ چیں

جاں پناہا! دل و جاں فیض رسانا! شاہا! — وَصیِ ختمِ رُسُل تو ہے، بفتواے یقیں

جسمِ اطہر کو ترے، دوشِ پیمبر، منبر — نامِ نامی کو ترے، ناصیۂ عرش، نگیں

کس سے ممکن ہے تری مدح، بغیر از واجب؟ — شعلۂ شمع، مگر، شمع پہ باندھے آئیں

آستاں پر ہے ترے جوہرِ آئینۂ سنگ — رقمِ بندگیِ حضرتِ جبریلِ امیں ۱۰

تیرے در کے کیے، اسبابِ نثار، آمادہ — خاکیوں کو جو خدا نے دیے جان و دل و دیں

تیری مدحت کے لیے ہیں دل وجاں،کام وزباں — تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم، دست و جبیں

کس سے ہوسکتی ہے، مداحیِ ممدوحِ خدا؟ — کس سے ہوسکتی ہے، آرایشِ فردوسِ بریں؟

جنسِ بازارِ معاصی، اسد اللہ اسد — کہ سوا تیرے کوئی اُس کا خریدار نہیں

شوخیِ عرضِ مطالب میں ہے گستاخ طلب — ہے، ترے حوصلۂ فضل پر از بسکہ، یقیں ۱۵

دے دعا کو مری وہ مرتبۂ حسنِ قبول — کہ اِجابت کہے ہر حرف پہ سو بار «آمیں»

غمِ شبیر سے ہو سینہ یہاں تک لبریز — کہ رہیں خونِ جگر سے، مری آنکھیں، رنگیں

---

۱ الف، ق، قا، ناز خرام - ۲ الف، ق، جلوہ تحریر - نیز یہ بیت ق، ح، میں اگلے شعر کے بعد ہے - ۳ ب، ح، ابد — شدہ ناز (ہر دو سہو کاتب) - ۴ الف، قب، قبا، قبج، م، ہوتا ہے اسد - ۵ ب، قب، قبج، م، ہوجاوے - ۶ الف، ق، ح، یا جارہ - ۷ الف، ق، قا ح، فیض رساں بادشہا - ب، ق، قا ح، اے کہ تجھ سے ہے بہار چمنستان یقیں - ۸ ب، مج عرش نگیں (بکسرۂ اضافت - سہو کاتب) ۹ ق، ح، میں یہ بیت صفحۂ گذشتہ کے بارھویں شعر کے بعد ہے - الف، ق، قا، ح، کس سے ہوسکی ہے مدح اس کی بغیر از ہمہ او - ۱۰ الف، ق، ح، قا قب، قبج، م، ما، آستاں پر ترے ہے - نیز ق، ح، میں ترتیب اشعار ہے: تیری مدحت، آستاں پر، تیرے در - ۱۱ الف، ق، ح، م، مج، در کے لیے - قبا میں «کیے» لکھا تھا - کسی نے بعد میں «لیے» کردیا ہے - ۱۴ الف، ق، ح، قا، یا علی، جنس معاصی - ۱۵ الف، ما، گستاخ طلب (بکسرۂ اضافت) - ب، ق، ح، قا، قب، قبج، قبد، م، ما، مج، فضل بہ - ۱۶ الف، قب، وہ حوصلۂ حسن قبول - قبج «کہ» ندارد (سہو کاتب) - ۱۷ الف، ما، قب، شپیر - مب، شپیر -

طبع کو، الفتِ دُلدُل میں، یہ سرگرمیِ شوق	کہ جہاں تک چلے، اُس سے قدم اور مجھ سے جبیں
دلِ الفت نسب، و سینۂ توحید فضا	نگہِ جلوہ پرست، و نفَسِ صدق گزیں
صَرفِ اعدا، اثرِ شعلہ و دودِ دوزخ	وقفِ احباب، گل و سنبلِ فردوس بریں



۳

قج

ہاں، مہِ نو، سُنیں ہم اُس کا نام	جس کو تو، جُھک کے، کر رہا ہے سلام خ
٥ دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صبح	یہی انداز اور یہی اندام '
بارے، دو دن کہاں رہا غائب؟	بندہ عاجز ہے، گردشِ ایّام '
اُڑ کے جاتا کہاں؟ کہ تاروں کا	آسماں نے بچھا رکھا تھا دام '
مرحبا! اے سُرورِ خاصِ خواص	حبّذا! اے نشاطِ عامِ عوام '
عُذر میں، تین دن نہ آنے کے	لے کے آیا ہے عید کا پیغام '
١٠ اُس کو بھولا نہ چاہیے کہنا	صبح جو جاوے اور آوے شام
ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا	تیرا آغاز اور ترا انجام خ
رازِ دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے؟	مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں نمّام؟
جانتا ہوں کہ آج دنیا میں	ایک ہی ہے اُمید گاہِ انام خ
میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش	غالب اُس کا، مگر نہیں ہے، غلام؟ '
١٥ جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو	تب کہا ہے بطرزِ استفہام '
مہرِ تاباں کو ہو تو ہو، اے ماہ	قُربِ ہر روزہ بر سبیلِ دوام '
تجھ کو کیا پایہ روشناسی کا؟	جز بتقریبِ عیدِ ماہِ صیام '

---

١ الف، قب، الفت دل میں ہو یہ (سہو کاتب) - ب، ح، چلکے - قب، قدم اس سے مہ چمن (ہر دو سہو کاتب) - ٢ الف، ق، ح، قا، قج، قبد، م، مد، قضا - ج، توحید فضا (بکسرۂ اضافت - سہو کاتب) - ٣ الف، ح، شعلۂ دود (سہو کاتب) - ب، ق، قا، گل و لالہ (مگر ح میں اس کا ذکر نہیں) - ما، سنبل و فردوس - ٤، قج میں عنوان ہے، در مدح شہنشاہ جمجاہ سلیمان بارگاہ سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی - ج میں عنوان ہے، قصیدہ - ١٠ ب، ج، جاے ــ آے -

ح جانتا ہوں کہ اُس کے فیض سے تو   پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام

• ماہ بن، ماہتاب بن، میں کون؟   مجھ کو کیا بانٹ دیگا تو اِنعام؟

• میرا اپنا جدا معاملہ ہے   اور کے لین دین سے کیا کام؟

• ہے مجھے آرزوے بخششِ خاص   گر تجھے ہے امیدِ رحمتِ عام

• جو کہ بخشیگا تجھ کو فرِّ فُروغ   کیا ندیگا مجھے مئے گلفام؟ ٥

• جب کہ چودہ مَنازلِ فلکی   ف   کرچکے قطع، تیری تیزیِ گام

• تیرے پَرتو سے ہوں فُروغ پزیر   کوے و مُشکوے و صحن و مَنظر و بام

• دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز   اپنی صورت کا، اک بَلُوریں جام

• پھر غزل کی روش پہ چل نکلا   تو سَنِ طبع چاہتا تھا لگام

• زہرِ غم کرچکا تھا میرا کام   غزل   تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام؟ ١٠

• مے ہی پھر کیوں نہ میں پیے جاؤں؟   غم سے جب ہو گئی ہو، زیست، حرام

• بوسہ کیسا؟ یہی غنیمت ہے   کہ نہ سمجھیں وہ لَذّتِ دُشنام[1]

کعبے میں جا، بجائیں گے ناقوس   اب تو باندھا ہے دَیر میں اِحرام

اُس قدح کا، ہے، دور مجھ کو نقد   چرخ نے لی ہے، جس سے گردش، وام

بوسہ دینے میں اُن کو ہے اِنکار   دل کے لینے میں جن کو تھا اِبرام[2] ١٥

خ چھیڑتا ہوں کہ اُن کو غصہ آے   کیوں رکھوں، ورنہ، غالب اپنا نام؟

٦، مب مج، مد «ق» ندارد۔   ب، مد، کرچکی (سہو کاتب)۔   ١١ الف، قد میں «ہی» کو بکسر ہا لکھا ہے، جس طرح قصیدۂ سابق کے مصرع: فیض خلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا (١٥١:٤ الف) میں بالقصد بکسر ہا تحریر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب کا مقصود یاے معروف و مجہول کا التباس دور کرنا تھا۔

١— نیز ملاحظہ ہو: کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب   گالیاں کھا کے بے مزا نہوا

٢— نیز ملاحظہ ہو: بوسہ دیتے نہیں، اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ

جی میں کہتے ہیں کہ «مفت آئے، تو مال اچھا ہے»

کہہ چکا میں تو سب کچھ، اب تو کہہ — اے پری‌چہرہ پیکِ تیز خرام! خ

کون ہے؟ جس کے در پہ ناصیہ سا — ہیں مہ و مہر و زُہرہ و بہرام

تو نہیں جانتا، تو مجھ سے سُن — نامِ شاہنشہِ بلند مقام

قبلۂ چشم و دل، بہادرشاہ — مظہرِ ذُوالجلالِ وَ الاکرام

شہسوارِ طریقۂ انصاف — نوبہارِ حدیقۂ اسلام

جس کا ہر فعل، صورتِ اِعجاز — جس کا ہر قول، معنیِ اِلہام

بزم میں، میزبانِ قیصر و جم — رزم میں، اوستادِ رستم و سام

اے ترا لطف زندگی افزا! — اے ترا عہد فرّخی فرجام!

چشمِ بد دور! خسروانہ شکوہ — لوحش اللہ! عارفانہ کلام

۱۰ جاں نثاروں میں تیرے، قیصرِ روم — جرعہ خواروں میں تیرے، مُرشدِ جام[1]

وارثِ ملک جانتے ہیں تجھے — اِیرج و تُور و خسرو و بہرام

زورِ بازو میں مانتے ہیں تجھے — گیو و گُودرز و بیژن و رُہّام

مرحبا! مُوشگافیِ ناوک — ق آفریں! آبداریِ صمصام خ

تیر کو تیرے، تیرِ غیر، ہدف — تیغ کو تیری، تیغِ خصم، نیام

۱۵ رعد کا، کر رہی ہے کیا دم بند! — ق برق کو دے رہا ہے کیا الزام!

تیرے فیلِ گراں جسد کی صدا — تیرے رخشِ سبک عناں کا خرام

فنِّ صورتگری میں، تیرا گرز — ق گر نہ رکھتا ہو دستگاہِ تمام

اُس کے مضروب کے سر و تن سے — کیوں نمایاں ہو صورتِ اِدغام؟

جب ازل میں رقم پذیر ہوئے — صفحہ ہائے لیالی و ایّام

۱۳، ۱۵، ۱۷، مد، مب، بج، ق، ندارد۔

۱- «مرشدِ جام» سے مراد ایران کے مشہور صوفی شیخ الاسلام احمدِ جام ژندہ پیل متوفی سنہ ۵۳۶ھ بھی ہوسکتے ہیں۔

خ اور اُن اوراق میں، بکلکِ قضا | مُجملاً مُندرج ہوئے احکام
لکھ دیا شاہدوں کو «عاشق کُش» | لکھ دیا عاشقوں کو «دشمن کام»
آسماں کو، کہا گیا کہ کہیں: | «گنبدِ تیز گردِ نیلی فام»
حکمِ ناطق لکھا گیا کہ لکھیں: | خال کو «دانہ» اور زلف کو «دام»
آتش و آب و باد و خاک نے لی | وضعِ سوز و نم و رَم و آرام ۵
مہرِ رخشاں کا نام «خسروِ روز» | ماہِ تاباں کا اسم «شحنۂ شام»
خ تیرے توقیعِ سلطنت کو بھی | دی، بدستور، صورتِ ارقام
، کاتبِ حکم نے، بموجبِ حکم، | اُس رقم کو دیا طرازِ دوام
، ھے ازل سے روائیِ آغاز | ھو ابد تک رسائیِ انجام!



٤

قح

خ صبحدم، دروازۂ خاور کھلا | مہرِ عالمتاب کا مَنظر کھلا ۱۰
، خسروِ انجم کے، آیا، صرف میں | شب کو تھا، گنجینۂ گوھر، کھلا
، وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود | صبح کو، رازِ مہ و اختر کھلا
، ھیں کواکب کچھ، نظر آتے ھیں کچھ | دیتے ھیں دھوکا، یہ بازیگر، کھلا
، سطحِ گردوں پر پڑا تھا، رات کو | موتیوں کا، ھر طرف، زیور کھلا
، صبح آیا، جانبِ مشرق، نظر | اِک نگارِ آتشیں رُخ، سر کھلا ۱۵
، تھی نظر بندی، کیا جب رَدِّ سحر | بادۂ گلرنگ کا ساغر کھلا
، لا کے، ساقی نے صَبوحی کے لیے | رکھ دیا ھے ایک جامِ زر کھلا

ے الف، مد، بھی (سہو کاتب)۔

بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ[1] — کعبۂ امن و اماں کا در کھلا خ

تاجِ زرّیں، مہرِ تاباں سے سوا — خسروِ آفاق کے مُنہ پر کھلا ،

شاہِ روشندل، بہادر شہ کہ ہے — رازِ ہستی اُس پہ سر تا سر کھلا ،

وہ کہ جس کی صورتِ تکوین میں — مقصدِ نُہ چرخ و ہفت اختر کھلا ،

۵ وہ کہ جس کے ناخنِ تاویل سے — عُقدۂ احکامِ پیغمبر کھلا ،

پہلے دارا کا، نکل آیا ہے، نام — اُس کے سرہنگوں کا جب دفتر کھلا

رُوشناسوں کی جہاں فہرست ہے — واں لکھا ہے، چہرۂ قیصر، کھلا

ق توسنِ شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب — تھان سے وہ غیرتِ صرصر کھلا

نقشِ پا کی صورتیں وہ دلفریب — تو کہے، بتخانۂ آزر کھلا

۱۰ مجھ پہ، فیضِ تربیت سے شاہ کے — منصبِ مہر و مہ و محور کھلا خ

لاکھ عقدے دل میں تھے، لیکن ہر ایک — میری حدِّ وُسع سے باہر کھلا ،

تھا، دلِ وابستہ، قفلِ بے کلید — کس نے کھولا؟ کب کھلا؟ کیونکر کھلا؟ ،

---

۸ مب، ج، ق، ندارد۔ ۹ ب، مب، آذر (سہوِ کاتب)۔

---

۱ — یہ شعر میرزا صاحب نے بہادر شاہ کی اُس کتاب کی تقریظ میں بھی نقل کیا ہے، جو اُنھوں نے اپنے اوپر سے الزامِ تشیع دور کرنے کے لیے لکھی تھی۔ (اردوے معلی، لاہور: ۳۵۳)۔ تقریظ کے مطابق یہ الزام سنہ ۱۸ جلوس میں لگایا گیا تھا۔ بادشاہ نے ۲۸ جمادی الآخرہ ۱۲۵۳ھ (۲۹ اکتوبر ۱۸۳۷ع) کو تختِ دہلی پر قدم رکھا۔ اس حساب سے ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۴ع) میں یہ جھگڑا اُٹھا ہوگا۔ دستور العملِ اودھ (ورق ۱۷۰ الف تا ۱۸۴ الف) میں اس سلسلے کے جو کاغذات منقول ہیں، اور حافظ احمد علی خاں شوق مرحوم، سابق ناظمِ کتابخانۂ رامپور، کی یاد داشتوں کے ساتھ معارف ۲۷۹:۹ میں شایع ہوچکے ہیں، اُن سے اسی سال کی تائید ہوتی ہے۔

باغِ معنی کی، دکھا دونگا بہار   مجھ سے، گر، شاہِ سخن گستر کھلا   خ

ہو جہاں گرمِ غزلخوانی، نَفَس   لوگ جانیں طَبلۂ عَنبر کھلا   ،

غزل

کُنج میں بیٹھا رہوں، یوں پر کھلا   کاشکے! ہوتا قفس کا در کھلا   ،

ہم پکاریں اور کھلے، یوں کون جاے؟   یار کا دروازہ پاویں، گر، کھلا   ،

۵ ہم کو ھے اس رازداری پر گھمنڈ   دوست کا، ھے، راز دشمن پر کھلا

واقعی، دل پر بھلا لگتا تھا داغ   زخم، لیکن، داغ سے بہتر کھلا

ھاتھ سے رکھدی، کب ابرونے، کماں؟   کب کمر سے غمزے کی خنجر کھلا؟

مفت کا، کس کو بُرا ھے، بَدَرقہ   رہبری میں، پردۂ رہبر کھلا   خ

سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشک؟   آگ بھڑکی، مِنہ اگر دم بھر کھلا   ،

۱۰ نامے کے ساتھ آگیا پیغامِ مرگ   رہ گیا، خط میری چھاتی پر، کھلا   ،

دیکھیو، غالب سے گر اُلجھا کوئی   ھے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا   ،

پھر، ہوا مِدحت طرازی کا خَیال   پھر، مہ و خُرشید کا دفتر کھلا   ،

خامے سے پائی، طبیعت نے، مدد   بادباں بھی، اُٹھتے ھی لنگر، کھلا   ،

مدح سے، ممدوح کی دیکھی شکوہ   یاں، عَرَض سے، رتبۂ جوہر کھلا   ،

۱۵ مِہر کانپا، چرخ چکر کھا گیا   بادشہ کا رایتِ لشکر کھلا   ،

بادشہ کا نام لیتا ھے خطیب   اب، عُلوِّ پایۂ منبر کھلا؟   ،

سکّۂ شہ کا، ہوا ھے، رُوشناس   اب، عِیارِ آبروے زر کھلا

شاہ کے آگے دھرا ھے آئنہ   اب، مآلِ سعیِ اِسکندر کھلا

ملک کے وارث کو دیکھا، خلق نے   اب، فریبِ طُغرل و سَنجر کھلا   خ

---

۱ الف، مب، ج: دکھاؤنگا بہار۔   ۳، مد «غزل» ندارد۔   ۴ ب، ج، پاؤیں (سہوکاتب)۔   ۷ الف، قد، مب، ھات۔
ب، قد، مب، ج، غمزہ۔   ۱۰ الف، قد، مب، ج، نامہ۔   ۱۳ الف، قد، مب، ج، خامہ۔ تمام نسخوں نے طبیعت سے۔
لیکن غالب نے انتخاب میں اپنے قلم سے یہ اصلاح کی ہے۔   ۱۶ الف پادشہ۔

ہو سکے کیا مدح؟ ہاں، اک نام ہے　　دفترِ مدحِ جہاں داور کھلا

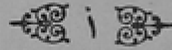
فکر اچھی، پر ستایش ناتمام　　عجزِ اعجازِ ستایشگر کھلا

جانتا ہوں، ہے خطِ لوحِ ازل　　تم پہ، اے خاقانِ نام آور، کھلا　خ

تم کرو صاحبقرانی، جب تلک　　ہے طلسمِ روز و شب کا در کھلا!　٥

غزلیات

الف



ق، حاشیۂ ق، قا

گ نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا؟ — کاغذی ہے، پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا[1]
گ کاو کاوِ سخت جانیہاے تنہائی نہ پوچھ — صبح کرنا شام کا، لانا ہے جوے شیر کا[2]

م، عنوان "یا اسد اللہ الغالب"۔ ج "غزلیات"۔

۱— اس شعر کی تشریح کرتے ہوے میرزا صاحب نے لکھا ہے کہ "ایران میں رسم ہے کہ داد خواہ کاغذ کے کپڑے پہن کر حاکم کے سامنے جاتا ہے، جیسے مشعل دن کو جلانا، یا خون آلود کپڑا بانس پر لٹکا کر لے جانا۔ بس شاعر خیال کرتا ہے کہ نقش کس کی شوخیِ تحریر کا فریادی ہے کہ جو صورتِ تصویر ہے، اُس کا پیرہن کاغذی ہے۔ یعنی، ہستی اگرچہ مثلِ تصاویر اعتبارِ محض ہو، موجبِ رنج و ملال و آزار ہے"۔ (عود: ۱۶۰)
اہلِ ایران کے کلام میں بھی اس رسم کی تلمیح نظر آتی ہے۔
خاقانی، متوفی ۵۹۵ھ (۱۱۹۸ع) نے لکھا ہے:
تاکہ دستِ قدر، از دستِ تو بربود قلم — کاغذین پیرہن از دستِ قدر باد بدرا!
کمال اسمعیلِ اصفہانی، متوفی ۶۳۵ھ (۱۲۳۷ع) کہتا ہے:
کاغذین جامہ بپوشید و بدرگہ آمد — زادۂ خاطرِ من، تا بدہی داد مرا (باقی)

جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے ٭ سینۂ شمشیر سے باہر ہے، دَم شمشیر کا ۲
آگہی، دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے ٭ مُدّعا عنقا ہے، اپنے عالم تقریر کا
بسکہ ہوں، غالب، اسیری میں بھی آتش زیر پا موے آتش دیدہ ہے، حلقہ مری زنجیر کا ۳



ق، قا

جراحت تحفہ، الماس ارمغاں، داغ جگر ہدیہ مبارکباد! اسد، غمخوارِ جانِ دردمند آیا



ق، قا

• شمارِ سُبحہ، مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا تماشاے بیک کف بردنِ صد دل پسند آیا

۱۔ ۲ مرتب ح نے ان دونوں شعروں کو حاشیۂ ق کا نہیں بتایا حالانکہ یہ خوشخط قلم سے اس میں مندرج ہیں۔ ۳ الف، ق، قا، آتشیں پا ہوں، گداز وحشت زنداں نپوچھ۔ ق قا میں یہ مصرع شعر نمبر ۲ کا ہے۔ قا میں کسی نے اسے یہاں قلمزد کیے بغیر اصلاحی متداول شعر غزل کے آخر میں حاشیے پر لکھ دیا ہے مگر یہ اندراج عہد غالب کا نہیں۔ ب، ق، قا، ہر حلقہ یہاں۔ ۴ الف، ق، قا، نادیدنی دعوت۔ قا میں ون، بنا کر حاشیے میں کسی شخص نے اصلاحی الفاظ «داغ جگر ہدیہ» لکھ دیے ہیں مگر یہ اندراج عہد غالب کا نہیں۔ ح، خون جگر (سہو کاتب)۔ ۵۔ یہ اشعار ایک دو غزلے سے چنے گئے ہیں۔ ان میں کا مطلع پہلی غزل کا اور باقی شعر دوسری کے ہیں۔

(بقیہ) سیف الدین اسفرنگی، متوفی ۶۶۶ھ (۱۲۶۷ع) لکھتا ہے:

کاغذین جامہ چو صبح آھی برآرم ھر شبی تا کجا خواھد رسیدن زین تظلم کارِ ما

متاخرین میں بابا فغانی شیرازی، متوفی ۹۲۵ھ (۱۵۱۹ع) نے فرمایا ہے:

ز خوباں داد می خواھم، فغانی، مہربانے کو؟ کہ سازد کاغذین پیراھن از طومارِ افسون ھم

(بہارِ عجم ۲:۴۹۵)

میرزا صاحب نے اور شعروں میں بھی اسے استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو گنجینۂ معنی ۱۳:۴، ۴:۳۰، ۱:۶۳۔

۲۔ جوے شیر نظیری کے اس شعر میں بھی ملتا ہے:

کوھکن را خود بناخن سنگ می باید برید جوی شیر و نقشِ شیرین کارِ ھر مزدور نیست

بفیضِ بیدلی، نومیدیِ جاوید آساں ہے — کشایش کو، ہمارا عقدۂ مشکل، پسند آیا

ہوائے سیرِ گل، آئینۂ بیمہریِ قاتل — کہ اندازِ بخوں غلتیدنِ بسمل پسند آیا[1]



٤

ق، قا

جز قیس، اور کوئی نہ آیا بروئے کار — صحرا، مگر، بتنگیِ چشمِ حسود تھا

آشفتگی نے نقشِ سُوَیدا کیا درست — ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دُود تھا

تھا، خواب میں، خیال کو تجھ سے معاملہ — جب آنکھ کھل گئی، نہ زیاں تھا، نہ سُود تھا ٥

لیتاھوں، مکتبِ غمِ دل میں، سبق ہنوز — لیکن یہی کہ «رفت» گیا اور «بُود» تھا

ڈھانپا کفن نے داغِ عُیوبِ برہنگی — میں، ورنہ، ہر لباس میں ننگِ وُجود تھا

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن، اسد — سرگشتۂ خمارِ رُسوم و قُیود تھا



٥

ق، قا

کہتے ہو: «ندیں گے ہم، دل اگر پڑا پایا» — دل کہاں کہ گم کیجیے؟ ہم نے مُدعا پایا

---

١ الف، قب، آساں است - ٢ الف، ق، قا، حجاب سیر - ب، قا، قب، م غلطیدن - (مگر فارسی لفظ میں خاص عربی حرف کا استعمال غالب کے ادبی عقیدے کے خلاف تھا، اس لیے ہر جگہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ متن ان کی رائے کے موافق ہو)۔ ۳، یہ شعر بھی ایک دو غزلے سے چنے گئے ھیں۔ ان میں سے ٤ اور ٥ دوسری غزل کے اور باقی پہلی کے ھیں۔ الف، ق، قا، جز قیس اور کو نہ ملا عرصۂ طپش لط «ملا» ندارد (سہو کاتب)۔ ٤ الف، ق، قا، کیا ہے عرض۔ قا میں کسی نے «ن» لکھ کر حاشیے میں موجودہ اصلاح کی ہے۔ ٥ ب، ق، قا، مژگاں جو وا ہوئی۔ لط، ہوئیں (سہو کاتب)۔ ٦ الف، گل، لکھتا ہوں۔ ٧ الف، قا، ڈھانپے۔ لط، بہرہنگی (سہو کاتب)۔ ٨ الف، قد، ج، تیشہ۔ حاشیۂ قبج، مر نہ گیا۔ ٩، یہ شعر ایک دو غزلے سے چنے گئے ھیں۔ ان میں سے ١، ٤، ٧، پہلی غزل کے اور باقی دوسری کے ھیں۔ نیز ق اور قا کی ترتیب اشعار میں فرق ہے۔ ٩ الف، لط، کہتے ھیں (سہو کاتب)۔

١ — نیز ملاحظہ ہو: اُنھیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا
اُٹھے تھے سیرِ گل کو، دیکھنا شوخی بہانے کی

عشق سے، طبیعت نے، زیست کا مزا پایا — درد کی دوا پائی، دردِ بے دوا پایا خ

دوستدارِ دشمن ہے، اعتمادِ دل معلوم — آہ بے اثر دیکھی، نالہ نارسا پایا ۰

سادگی و پُرکاری، بیخودی و ہُشیاری — حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

غنچہ پھر لگا کھلنے. آج ہم نے اپنا دل — خوں کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا[1]

۵ حالِ دل نہیں معلوم، لیکن اس قدر، یعنی — ہم نے بارہا ڈھونڈھا، تم نے بارہا پایا

شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا — آپ سے کوئی پوچھے: "تم نے کیا مزا پایا؟"



٦

ق، قا

شوق، ہر رنگ، رقیبِ سر و ساماں نکلا — قیس، تصویر کے پردے میں بھی عُریاں نکلا[2]

۱، مد میں اس شعر کے دونوں مصرعوں کے بیچ کی ساد، جگہ میں "مطلع ثانی" لکھا ہے - ۲، قب میں یہ شعر جداگانہ غزل کے طور پر مطلع اول سے بھی پہلے اور م، قبا، اور قبج میں؛ سب کے آخر میں مندرج ہے - ۳—٦، قب ندارد - ۳ الف، قا، ہوشیاری - ۴، ح میں اسے غیر مطبوعہ ظاہر کیا ہے - ۵ ب، قبا، لط، ڈھونڈا - ٦ الف، ق، قا، نمک باندھا - ۷، یہ شعر ایک دو غزلے سے چنے گئے ہیں - ان میں سے ۲، ۳، ٦ پہلی غزل کے اور باقی دوسری کے ہیں - الف، قبج، سروساں (سہو کاتب) - ب، قد، مب، مج، ہردو - ح، پردہ سے (سہو کاتب) -

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: پھر جگر کھودنے لگا ناخن — آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے

۲ — اس شعر کا مطلب میرزا صاحب نے مولوی عبدالرزاق شاکر کے خط میں اس طرح لکھا ہے: "رقیب بمعنیِ مخالف - یعنی، شوق سروسامان کا دشمن ہے - دلیل یہ کہ قیس جو زندگی میں ننگا پڑا پھرتا تھا، تصویر کے پردے میں بھی ننگا ہی رہا - لطف یہ ہے کہ مجنوں کی تصویر با تنِ عریاں ہی کھنچتی ہے جہاں کھنچتی ہے"۔ (عود: ۱۲۱)

زخم نے داد نہ دی تنگیِ دل کی، یارب! | تیر بھی سینۂ بسمل سے پَر افشاں نکلا[1]

خ بوئے گل، نالۂ دل، دودِ چراغِ محفل | جو تری بزم سے نکلا، سو پریشاں نکلا

خ دلِ حسرت زدہ، تھا مائدۂ لذتِ درد | کام یاروں کا بقدرِ لب و دنداں نکلا

[۳] تھی نوآموزِ فنا، ہمتِ دشوار پسند | سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

[۴] دل میں پھر گریے نے اک شور اُٹھایا، غالبؔ | آہ! جو قطرہ نہ نکلا تھا، سو طوفاں نکلا [۵]



ق، حاشیۂ ق، قا، گل

خ دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلّی نہ ہوا | ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

---

۲ الف، ق پہلے: عشرت ایجاد، چہ بوئے گل و کو دود چراغ (ح، بوئے و گل، سہو کاتب) - پھر اس مصرع پر "ن" لکھ کر موجودہ مصرع حاشیے میں درج کیا ہے - مرتب ح کہتے ہیں کہ غالب نے مصرع پر "لا" لکھا ہے - لیکن یہ درست نہیں - نیز انھوں نے محل اصلاح بھی نہیں بتایا - ب، گل، وہ پریشاں - ۳، ح میں اسے غیر مطبوعہ ظاہر کیا ہے - الف، گل، ع، ے - مب، اسے ق (متن)، دشواری ما - ق (حاشیہ)، قا، گل، دشواری شوق - ۵ الف، مد کے علاوہ گریہ - قب، مچایا -

---

۱ — اس شعر کے متعلق میرزا صاحب نے شاکر کو لکھا ہے: "یہ ایک بات میں نے اپنی طبیعت سے نئی نکالی ہے۔ جیسا کہ اس شعر میں

نہیں ذریعۂ راحت، جراحتِ پیکاں | وہ زخمِ تیغ ہے، جس کو کہ دلکشا کہیے

یعنی، زخمِ تیر کی توہین، بسبب ایک رخنہ ہونے کے۔ اور تلوار کے زخم کی تحسین، بسبب ایک طاق سا کھل جانے کے - "زخم نے داد ندی تنگیِ دل کی" یعنی، زائل نہ کیا تنگی کو - "پرافشاں" بمعنیِ بیتاب، اور یہ لفظ تیر کے مناسب - حاصل یہ کہ تیر تنگیِ دل کی داد کیا دیتا - وہ تو خود ضیقِ مقام سے گھبرا کر پرافشاں اور سراسیمہ نکل گیا" - (عود: ۱۲۱)

سبزۂ خط سے ترا کاکلِ سرکش نہ دبا — یہ زُمرّد بھی حریفِ دمِ افعی نہ ہوا[۱]

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں — وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا[۲]

دل، گزرگاہِ خیالِ مے و ساغر ہی سہی — گر نفَس، جادۂ سر منزلِ تقوی نہ ہوا[۳]

ہوں ترے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ کبھی — گوش، منّت کشِ گلبانگِ تسلّی نہ ہوا[۴]

۵ کس سے محرومیِ قسمت کی شکایت کیجیے؟ — ہم نے چاہا تھا کہ مرجائیں، سو وہ بھی نہ ہوا

مرگیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب — ناتوانی سے، حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا[۶]



۸

ق، قا

جب، بتقریبِ سفر، یار نے محمل باندھا — تپشِ شوق نے ہر ذرّے پہ اک دل باندھا

اہلِ بینش نے بحیرتکدۂ شوخیِ ناز — جوہرِ آئنہ کو طوطیِ بسمل باندھا

یاس و اُمّید نے یک عربدہ میداں مانگا — عجزِ ہمت نے طِلسمِ دلِ سائل باندھا

۱۰ نہ بندھے تشنگیِ شوق کے مضموں، غالب — گرچہ دل کھول کے، دریا کو بھی ساحل باندھا



۹

ق، حاشیۂ ق، قا

شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرۂ ابر آب تھا — شعلۂ جوّالہ، ہر یک حلقۂ گرداب، تھا[۱۱]

---

۱ الف، قا، م، دبا (سہو کاتب) - ۳، ح میں ظاہر نہیں کیا کہ یہ حاشیۂ ق کا شعر ہے - الف، قب، قبج، م، ج، مد، گذرگاہ - (غالب کا یہ ادبی عقیدہ تھا کہ ذال، فارسی اور اردو حرف نہیں ہے. اس لیے وہ ذال والے فارسی اور اردو لفظوں کو ”ز“ سے لکھتے تھے - میں نے بھی ہر فارسی و اردو لفظ میں ان کا اتباع کیا ہے مگر آیندہ اختلاف نسخ میں اس کا ذکر نہیں کیا) - قد میں ”ھی“ کو بکسر ھا لکھا ہے، تا کہ ”ہے“ نہ پڑھا جاسکے - ۴ الف، ق ”میں“ ندارد (سہو کاتب) - ح، لط، پہ بھی (سہو کاتب) - ۶ الف، ق، قا، مرگیا صدمۂ آواز سے قم کی غالب - لط، غم کی (سہو کاتب) - گل، مطابق متن - ۷، مد کے علاوہ ذرہ - ۹ الف، قب، قبا، مد، اک - قبج، لط، ایک - ۱۰ الف، ق، قا، یار نے تشنگی شوق کے مضموں چاہے - مب، ج، ح، لط، ذوق - ب، ق، قا، ہم نے دل - ۱۱، یہ غزل ایک دو غزلے سے چنی گئی ہے - اس کے پہلے تین شعر پہلی غزل کے ہیں. ان کے بعد کے ۵ شعر اس کے حاشیے میں اضافہ کیے گئے ہیں. ان کے بعد کا مطلع دوسری غزل کا ہے اور بقیہ شعر اس کے حاشیے میں بڑھائے گئے ہیں - مرتب ح نے یہ نہیں بتایا کہ اس غزل کے نشان زدہ شعر ق کے حاشیے میں مندرج ہیں، اور نہ یہ ذکر کیا کہ غالب نے گنجینۂ معنی کے اشعار کو بھی حاشیے کے شعروں میں داخل کرلیا تھا- مسودے کو صاف کراتے وقت حاشیے کے شعروں پر ترتیبی نمبر ڈالے. تو ان دونوں کو خارج کردیا - نیز حاشیے میں اس غزل کے اشعار ۴، ۵، ۶، ۷ کو سہواً دوبار لکھ دیا ہے - ۱۱ الف، ق، قا، گرمی برق تپش سے زہرۂ دل آب تھا - گل، زہرۂ از بس آب - لط ”دل“ ندارد - مرتب ح نے یہ نہیں بتایا کہ متداول مطلع اسی مطلع سے بنایا گیا ہے - ب، گل، مد، ہر اک - ما، ہر ایک -

گ واں کرم کو عذرِ بارش تھا عناں گیرِ خرام — گریے سے یاں، پنبۂ بالش، کفِ سیلاب تھا

واں خودآرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال — یاں ہجومِ اشک میں تارِ نگہ نایاب تھا

جلوۂ گل نے کیا تھا واں چراغاں، آبجو — یاں رواں مژگانِ چشمِ تر سے خونِ ناب تھا

یاں سرِ پُرشور، بیخوابی سے، تھا دیوار جُو — واں وہ فرقِ ناز، محوِ بالشِ کمخواب تھا

یاں نفس کرتا تھا روشن شمعِ بزمِ بیخودی — جلوۂ گل، واں بساطِ صحبتِ احباب تھا ۵

فرش سے تا عرش، واں طوفاں تھا موجِ رنگ کا — یاں زمیں سے آسماں تک، سوختن کا باب تھا

ناگہاں اس رنگ سے خونابہ ٹپکانے لگا — دل کہ ذوقِ کاوشِ ناخن سے لذت یاب تھا

خ نالۂ دل میں، شب، اندازِ اثر نایاب تھا — مطلع — تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیر، گو بیتاب تھا

مَقدمِ سیلاب سے، دل کیا نشاط آہنگ ہے! — خانۂ عاشق، مگر، سازِ صدائے آب تھا[1]

نازشِ ایامِ خاکستر نشینی کیا کہوں؟ — پہلوئے اندیشہ، وقفِ بسترِ سنجاب تھا ۱۰

کچھ نکی اپنی جنونِ نارسا نے، ورنہ یاں — ذرّہ ذرّہ، رُوکشِ خُرشیدِ عالمتاب تھا

خ آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے؟ — ق — کل تلک، تیرا بھی دل، مہر و وفا کا باب تھا

یاد کر وہ دن کہ ہریک حلقہ تیرے دام کا — انتظارِ صید میں اک دیدۂ بیخواب تھا

میں نے روکا رات غالب، کو وگرنہ دیکھتے — اُس کی سیلِ گریہ میں، گردوں کفِ سیلاب تھا

---

۱ الف، ح، عنا گیر (سہو کاتب) - مد کے علاوہ، گریہ - لط، گریا (سہو کاتب) - ۲ ب، ح، اشک سے (سہو کاتب) ۔ ۳، اس غزل کے پھولدار شعر حاشیۂ ق کے ہیں - الف، گل، چراغ آب جو (سہو کاتب) - ۴ الف، مد، سریر شور (سہو کاتب) - ۷ الف، ح، ج، مد، لط، خونابہ (سہو کاتب) - ۸، ما میں اس شعر کے پہلے "ولہ" ہے - ب، ج، غیر کو (سہو کاتب) - ۹، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے - ۱۰ ب، ج، مد، پہلو اندیشہ - ۱۱ الف، ح، لط، اپنے (سہو کاتب) - ۱۲ ب، قا، پیش ازیں تیرا - ۱۳ الف، قب، ج، ہر ایک - مد، ح، لط، ہر اک - ۱۴' یہ شعر سب سے پہلے قب میں نظر آتا ہے - الف، قج، دیکھیے (سہو کاتب) - ب، ح، لط، اوس کے - لط، گرد میں (سہو کاتب) -

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: نپوچھ بیخودیِ عیشِ مقدمِ سیلاب
کہ ناچتے ہیں پڑے سر بسر در و دیوار

۱۰

ق، قا

نہ ہوگا، یک بیاباں ماندگی سے، ذوق کم میرا — حبابِ موجۂ رفتار ہے، نقشِ قدم میرا[۱]

محبت تھی چمن سے، لیکن اب یہ بیدماغی ہے — کہ موجِ بوئے گل سے، ناک میں آتا ہے دَم میرا[۲] مخ

۱۱

ق، حاشیۂ ق، قا[۳]

بے نذرِ کرم، تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا — بخوں غلتیدۂ صد رنگ دعویٰ پارسائی کا

نہ ہو، حسنِ تماشا دوست، رسوا بیوفائی کا — بُمہرِ صد نظر ثابت ہے، دعویٰ پارسائی کا

۵ زکوٰۃِ حسن دے، اے جلوۂ بینش، کہ مِہر آسا — چراغِ خانۂ درویش ہو، کاسہ گدائی کا خ

نہ مارا جان کر بیجرم؛ غافل، تیری گردن پر — رہا، مانندِ خونِ بیگنہ، حق آشنائی کا

تمنائے زباں، محوِ سپاسِ بیزبانی ہے — مٹا جس سے، تقاضا شکوۂ بیدست وپائی کا

وہی اک بات ہے جو یاں نفس، واں نکہتِ گل ہے ۵ — چمن کا جلوہ، باعث ہے مری رنگیں نوائی کا[۲] مخ

---

۱ الف، مد، اک۔ ۲ الف، قبا، م، لیك اب پھر۔ قبج، ہے (بجائے پھر)۔ ح، لط، بد دماغی۔ ب، قبا، قبج، آیا ہے۔ گل، دم اپنا (سہو کاتب)۔ ۳، یہ غزل ایك دو غزلے سے چنی گئی ہے۔ اس کے اشعار ۲، ۵ دوسری غزل کے، ۶ حاشیے کا اور باقی پہلی کے ہیں۔ ب، مب کے علاوہ، غلطیدہ۔ لط «صد» ندارد (سہو کاتب)۔ ۵ الف، قد، مب، مج، مد، زکات۔ قبج، م، ذکوۃ (سہو کاتب)۔ ۶ الف، گب، لط، قاتل۔ ۸ الف، قا، ووہی۔ ما، ایك۔ ما، مب، لط، نگہت (عوامی غلطی)۔ نیز مرتب ح نے یہ نہیں بتایا کہ یہ ق کے حاشیے کا شعر ہے۔ ب، قد، میری (سہو کاتب)۔

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: رنجِ رہ کیوں کھینچیے؟ واماندگی کو عشق ہے!
اُٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے

۲ — نیز ملاحظہ ہو: غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو — مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا

۳ — نیز ملاحظہ ہو: ہاں، نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری، واہ، واہ!
پھر ہوا ہے تازہ، سودائے غزلخوانی، مجھے

دھانِ ہر بتِ پیغارہ جُو، زنجیرِ رسوائی — عدم تک، بیوفا، چرچا ہے تیری بیوفائی کا

ندے نامے کو اتنا طول، غالب، مختصر لکھ دے — کہ حسرت سنج ہوں، عرضِ ستمہاے جدائی کا

۱۲

ق، قا

شب، خمارِ شوقِ ساقی رستخیز اندازہ تھا — تا محیطِ بادہ، صورتخانۂ خمیازہ تھا

یک قدم وحشت سے، درسِ دفترِ امکاں کھلا — جادہ، اجزاے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا[۱]

مانعِ وحشت خرامیہاے لیلی کون ہے؟ — خانۂ مجنونِ صحرا گرد، بے دروازہ تھا

پوچھ مت رُسوائیِ اندازِ استغناے حسن — دست مرہونِ حنا، رخسار رہنِ غازہ تھا

نالۂ دل نے دیے، اوراقِ لختِ دل، بباد — یادگارِ نالہ، یک دیوانِ بے شیرازہ تھا

۱۳

ق، قا

وہ، مری چینِ جبیں سے، غمِ پنہاں سمجھا — رازِ مکتوب، بہ بیربطیِ عُنواں سمجھا

یک الف بیش نہیں صیقلِ آئینہ ہنوز — چاک کرتاہوں، میں جب سے کہ گریباں سمجھا[۲]

۱ الف، مب، بیغارہ (سہو کاتب) - ب، قا، غوغا ہے - لط میں یہ شعر نہیں ہے - ۲ الف، قب، قد، مب، نامہ - ق، قا، اسد کا قصہ طولانی ہے، لیکن مختصر یہ ہے - ب، ق، قا، کہ حسرت کش رہا - ۵ الف، مد، اک - ٦ الف، قبا، قبج، م، پرداز - ب، ق، قا، پابند حنا - ۷ الف، ق، قا، دیدۂ ترسے بآب - لط، وناله، ندارد - نیز، بہ یاد (سہو کاتب) - ب، ح، مج، مد، انتخاب، اک - ۸ ب، ما، بہ (سہو کاتب) - مد، ربطے (سہو کاتب) - ۹ الف، مد، اک -

۱ — نیز ملاحظہ ہو: نظر میں ہے ہماری جادۂ راہِ فنا، غالب
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزاے پریشاں کا

۲ — اس شعر کی شرح خود میرزا صاحب نے اس طرح کی ہے: "پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ آئینہ عبارت فولاد کے آئینے سے ہے، ورنہ حلبی آئینوں میں جوھر کہاں؟ اور اُن کو صیقل کون کرتا ہے؟ فولاد کی جس چیز کو صیقل کروگے، بے شبہ پہلے ایک لکیر پڑے گی - اُس کو الفِ صیقل کہتے ہیں - جب یہ مقدمہ معلوم ہوا، تو اب اس مفہوم کو سمجھیے - مصرع: "چاک کرتا ہوں میں، جب سے کہ گریباں (باقی)

شرحِ اسبابِ گرفتاریِ[۱] خاطر مت پوچھ — اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا[۲]

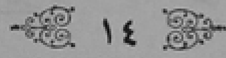
بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرمِ خرام — رخ پہ ہر قطرہ عرق ، دیدۂ حیراں سمجھا

عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا — نبضِ خس سے ، تپشِ شعلۂ سوزاں سمجھا

سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی — ہر قدم ، سائے کو میں اپنے شبستاں سمجھا

۵ تھا گریزاں مژۂ یار سے ، دل ، تا دمِ مرگ — دفعِ پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا[۳]

دل دیا جان کے ، کیوں ، اُس کو وفادار ، اسد ؟ — غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا[۴]



۱۴

ق ، حاشیۂ ق

گِلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیِ جا کا — گہر میں محو ہوا ، اضطراب دریا کا[۵]

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب — مگر ، ستمزدہ ہوں ، ذوقِ خامہ فرسا کا

حنائے پائے خزاں ہے ، بہار اگر ہے بھی ۞ دوام ، کلفتِ خاطر ہے ، عیش دنیا کا

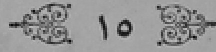
۲، ق میں یہ شعر مقطع سے پہلے اور قا میں اگلے دو شعروں کے بعد ہے ۔ ۳ الف ، ق ، میں جانا ۔ مرتب ح نے اس کا اظہار نہیں کیا ۔ لط میں البتہ اس کا مذکور ہے ۔ ۴ ب ، مد کے علاوہ ، سایہ ۔ ق ، اپنے میں ۔ مگر مرتب ح نے اس کا اظہار نہیں کیا ۔ ۵ ، ق اور قا میں یہ بیت غزل کے تیسرے شعر کے بعد ہے ۔ ۷ ، قا : بوجہ نقصان اوراق ندارد ۔ الف ، تمام نسخے گلا ۔ مد ، تنگے (سہو کاتب) ۔ ۸ الف ، ق ، اور جواب نامۂ شوق ۔ ب ، ق ، جنوں زدہ ۔ مگر مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا ۔ ہاں لط میں اس کا مذکور ہے ۔ ۹ الف ، قب ، ج ، مد ح ، بھی ۔ لط ، گر ہے بھی ۔

(بقیہ) سمجھا ۔ یعنی ، ابتدائے سنِ تمیز سے مشقِ جنوں ہے ۔ ابتک کمالِ فن حاصل نہیں ہوا ۔ آئینہ تمام صاف نہیں ہوگیا ۔ بس وہی ایک لکیر صیقل کی جو ہے ، سو ہے ۔ چاک کی صورت الف کی سی ہوتی ہے ، اور چاکِ جیب ، آثارِ جنون میں سے ہے ۔ (اردوئے معلی ، لاہور : ۳۸)

۱ — غالب کی رائے میں یہ لفظ بہ کسرۂ گاف و فتحۂ رائے مہملہ ہے ۔ مگر اس کا عمومی تلفظ بکسرۂ گاف و را ہے ۔

۲ — یہ غزل ق کے متن اور حاشیے کی ہے ۔ نیز اس کے دو شعر گلِ رعنا میں بھی انتخاب کیے گئے ہیں ۔ پھر بھی قا میں ندارد ہے ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ متداول دیوان کی ترتیب کے وقت میرزا صاحب نے ق اور قا دونوں کو سامنے رکھا تھا ۔

گ غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ ندو ✿ مجھے، دماغ نہیں خندہ ہاے بیجا کا[1]
گ ہنوز محرمیِ حسن کو ترستا ہوں ✿ کرے ہے، ہر بُنِ مو، کام چشمِ بینا کا
خ دل اُس کو، پہلے ہی نازوادا سے، دے بیٹھے ✿ ہمیں دماغ کہاں، حسن کے تقاضا کا؟[2]
نگہ کہ گریہ بمقدارِ حسرتِ دل ہے ✿ مری نگاہ میں ہے، جمع و خرج دریا کا
فلک کو دیکھ کے، کرتا ہوں اُس کو یاد، اسد ✿ جفا میں اس کی، ہے انداز کار فرما کا ۵



ق، حاشیۂ ق، قا

ایک ایک قطرے کا، مجھے دینا پڑا، حساب ✿ خونِ جگر، ودیعتِ مژگانِ یار تھا
اب میں ہوں اور ماتمِ یک شہر آرزو ✿ توڑا جو تو نے آئنہ، تِمثال دار تھا
خ گلیوں میں میری نعش کو کھینچے پھرو، کہ میں ✿ جاں دادۂ ہواے سرِ رہگزار تھا
موجِ سرابِ دشتِ وفا کا نپوچھ حال ✿ ہر ذرہ، مثلِ جوہرِ تیغ، آبدار تھا
خ کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو، پر اب ✿ دیکھا، تو کم ہوے پہ، غمِ روزگار تھا ۱۰

۱ الف، ق، گب، سیر گل مت دو۔ گل، کم دو۔ حاشیۂ لط سہواً «سیر گل مت پوچھ»۔ ب، مب، مد، خندھای۔ ۲، ح ندارد (سہو کاتب)۔ الف م، «ھی» ندارد۔ مد، ناز ادا (سہو کاتب)۔ ۳ الف، م، ما، قد، نگہ (سہو کاتب)۔ ب، قب، م، ما، مب، مج، ح لط، خرج۔ قب، قبج، م، «و» ندارد۔ ۵ الف، ق، کرتا ہے اوس کو یاد۔ ح، تجھکو یاد۔ قب، یاد اوس کو۔ ب، ق، پہلے، اگرچہ گم شدہ ہے کاروبار دنیا کا۔ اصلاح سطر کے نیچے کی گئی ہے۔ مج، ح، انتخاب، اس کی (بضمۂ الف)۔ ۶، ۸، ۱۰، ق کے حاشیے کے ہیں، مگر مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا۔ ہاں، لط میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ ۶ الف، مد کے علاوہ، قطرہ۔ ۷ الف، ق، اور خون دو عالم معاملہ۔ ب، قا، توڑ جو (سہو کاتب)۔ ۹ الف، ق، قا کا بیان نپوچھ۔ قبج، لط، شراب (سہو کاتب)۔ ۱۰، قا میں یہ بیت اوپر کے دو شعروں سے پہلے ہے۔ الف، قب، ہم بے (سہو کاتب)۔ قب، بر آب۔ مد، برآب (ہر دو سہو کاتب)۔

۱ — نیز ملاحظہ ہو: محبت تھی چمن سے، لیکن اب یہ بیدماغی ہے
که موجِ بوے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

۲ — اس مضمون کو میرزا صاحب نے فارسی میں یوں ادا کیا ہے (کلیاتِ فارسی: ۳۵۲):
مکن ناز و ادا چندین، دلی بستان و جانی ہم ✿ دماغِ نازکِ من برنمی‌تابد تقاضا را

١٦

ق، قا

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی — عبادت برق کی کرتا ہوں، اور افسوس حاصل کا

بقدرِ ظرف ہے، ساقی، خمارِ تشنہ کامی بھی — جو تو دریاے مَے ہے، تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

١٧

ق، قا

لبِ خشک در تشنگی مُردگاں کا — زیارتکدہ ہوں، دل آزُردگاں کا

ہمہ ناامیدی، ہمہ بدگمانی — میں دل ہوں فریبِ وفا خُوردگاں کا

١٨

ق، قا

٥ آئینہ دیکھ، اپنا سا مُنہ لے کے رہ گئے — صاحب کو، دل نہ دینے پہ کتنا غُرور تھا! گخ

قاصد کو، اپنے ہاتھ سے، گردن نمارِیے — اُس کی خطا نہیں ہے، یہ میرا قصور تھا خ

١٩

ق، قا

لطافت، بے کثافت، جلوہ پیدا کر نہیں سکتی — چمن، زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا[1]

حریفِ جوششِ دریا نہیں، خودداریِ ساحل — جہاں ساقی ہو تو، باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

---

١ ب، م، عبادت (سہو کاتب) ۔ ٢ الف، ق پہلے، تشنہ کامی ھا ۔ غالب نے اپنے قلم سے ھا کو ''بھی'' بنایا ہے، مگر مرتب ح و لط نے اسے ظاہر نہیں کیا ۔ ٥ الف، م، گب، قبج، قد، مونہہ ۔ ٦ ب، ق، قا گل، ھاں، اس معاملے میں تو ۔ ٧ ح میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے ۔ الف، ما، قد، مب، مد، کسافت (سہو کاتب) ۔ ٨ الف، قبا، قبج، م خودرائی ۔

---

١ ؎ نیز ملاحظہ ہو: صفاے حیرتِ آئینہ ہے سامانِ زنگ آخر
تغیرِ آبِ بر جا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر



۲۰

ق، حاشیۂ ق، قا

غافل، بوہمِ ناز، خودآرا ہے، ورنہ یاں ٭ بے شانۂ صبا نہیں، طُرّہ گیاہ کا
بزمِ قدح سے عیش تمنا نہ رکھ، کہ رنگ ٭ صیدِ زِ دام جَستہ ہے، اس دامگاہ کا
گنجِ رحمت اگر قبول کرے، کیا بعید ہے ٭ شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا
مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے ٭ پُر گل، خیالِ زخم سے، دامن نگاہ کا[1]
جاں، در ہوائے یک نگہِ گرم ہے، اسد ٭ پروانہ، ہے وکیل ترے دادخواہ کا ۵



۲۱

ق، حاشیۂ ق، قا

رشک کہتا ہے کہ «اُس کا غیر سے اخلاص حیف!» ٭ عقل کہتی ہے کہ «وہ بیمہر کس کا آشنا؟»
ذرّہ ذرّہ، ساغرِ میخانۂ نیرنگ ہے ٭ گردشِ مجنوں، بہ چشمکہائے لیلا آشنا
شوق، ہے ساماں طرازِ نازشِ اربابِ عجز ٭ ذرّہ صحرا دستگاہ، و قطرہ دریا آشنا
میں اور ایک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہ ہے ٭ عافیت کا دشمن، اور آوارگی کا آشنا
شکوہ سنجِ رشکِ ہمدیگر نہ رہنا چاہیے ٭ میرا زانو مُونس، اور آئینہ تیرا آشنا ۱۰
کوہ کن نقّاشِ یک تمثالِ شیریں تھا، اسد ٭ سنگ سے سر مار کر، ہووے نہ پیدا آشنا

۲، ۴، یہ دونوں شعر ق کے حاشیے میں موجود ہیں، مگر مرتب ح نے اس کا اظہار نہیں کیا - لط میں البتہ یہ بات مذکور ہے - ۳ الف، قب، رحمت سے گر - ۵ الف، ق پہلے، نفس گرم - لط میں سہواً اسے متداول متن اور متداول کو ق کا متن قرار دیدیا ہے - ب، قبا، میرے داد خواہ کا - ۶، اس غزل کے اشعار ۱، ۳، ۴ ق کے حاشیے میں مندرج ہیں، مگر مرتب ح نے اس کا اظہار نہیں کیا - لط سے معلوم ہوتا ہے کہ شعر ۲ تا ۵ کا حاشیے میں اندراج ہوا ہے - ۸ الف، ق، قا، گل، قبا، م، طراز - مد، برار (سہو کاتب) - قب، قبا، قبج، م، ارباب عشق - ۹ الف، مج، مد، لط، اک - ب، م، عاقبت - ۱۰ الف، ق، بیدماغی شکوہ سنج رشک ہم دیگر نہیں - ب، یار تیرا جام مے، خمیازہ میرا آشنا - موجودہ ترمیم سب سے پہلے قب میں نظر آتی ہے - ۱۱ ب، مد، گر ہووے (سہو کاتب) -

۱ — نیز ملاحظہ ہو: عجب نشاط سے جلّاد کے چلے ہیں ہم آگے
کہ اپنے سائے سے، سر، پانو سے ہے دو قدم آگے

۲۲

ق، حاشیۂ ق، قا

یک ذرّۂ زمیں نہیں بیکار، باغ کا — یاں جادہ بھی، فتیلہ ہے لالے کے داغ کا

بے مے، کسے ہے طاقتِ آشوبِ آگہی؟ — کھینچا ہے عجزِ حوصلہ نے خطِ ایاغ کا

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہاے گل — کہتے ہیں جس کو عشق، خلل ہے دماغ کا[1] خ

تازہ نہیں ہے، نشّۂ فکرِ سخن مجھے — تریاکیِ قدیم ہوں، دُودِ چراغ کا

۵ سو بار بندِ عشق سے آزاد ہم ہوے — پر کیا کریں؟ کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا

بے خونِ دل ہے چشم میں، موجِ نگہ، غبار — یہ میکدہ، خراب ہے مے کے سُراغ کا

باغِ شگفتہ، تیرا بساطِ نشاطِ دل — ابرِ بہار، خُمکدہ کس کے دماغ کا؟

۲۳

ق، قا

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا — آدمی کو بھی مُیسّر نہیں انساں ہونا خ

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی — در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا گخ

۱۰ واے دیوانگیِ شوق! کہ ہر دم مجھ کو — آپ جانا اُدھر، اور آپ ہی حیراں ہونا گ

جلوہ، از بس کہ، تقاضاے نگہ کرتا ہے — جوہرِ آئنہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا

۱، لط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر اور نمبر ۵ حاشیۂ ق کے ہیں۔ الف، مد، اك۔ ب، قب، قبا، قد، مب، ج، لالہ۔ ۲ الف، قب، قبج، قبد، مے کشی (سہو کاتب)۔ ب، مد، حوصلے (سہو کاتب)۔ ۳ الف، م ندارد۔ قبا، مب، ج، مد، خندھاے۔ ۴ الف، مد، نشاۂ۔ ب، م ندارد۔ مد، تریاکے (سہو کاتب)۔ ۵ ب، قد، ھی (بکسرۂ ھا)۔ ۶ الف، ق پہلے: چشم جنوں میں نگہ غبار۔ لط «میں» ندارد۔ ۷ الف، ق، قا، ہواے دل۔ لط میں غلطی سے اس جگہ بھی «نشاط» ھی لکھدیا ہے۔ ۹ الف، قا، قب، کاشانہ۔ قد میں بھی کاتب نے «کاشانہ» ھی لکھا تھا۔ غالب نے اپنے قلم سے «کاشانے» بنادیا ہے۔ ۱۱ ب، ما میں اوس عہد کے دستور کے مطابق «چاھی ھی» ہے۔ مگر کاتب نے پہلی «ی» کو مکسور اور دوسری کو مفتوح لکھا ہے، تا کہ التباس نہ رہے۔

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: ہے کس قدر ہلاکِ فریبِ وفاے گل؟ بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہاے گل

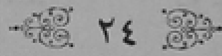
عشرتِ قتلگہِ اہلِ تمنّا مت پوچھ — عیدِ نظّارہ ہے، شمشیر کا عریاں ہونا

لے گئے خاک میں ہم داغِ تمنائے نشاط — تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستاں ہونا!

عشرتِ پارۂ دل، زخمِ تمنا کھانا — لذّتِ ریشِ جگر، غرقِ نمکداں ہونا

کی، مرے قتل کے بعد، اُس نے جفا سے توبہ — ہائے! اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

حیف! اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت، غالبؔ — جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا[۱]



۲۴

ق، حاشیۂ ق، قا

گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیاں ہوجائے گا — بے تکلف، داغِ مہ، مُہرِ دہاں ہوجائے گا

زہرہ، گر ایسا ہی شامِ ہجر میں ہوتا ہے آب — پرتوِ مہتاب سیلِ خانماں ہوجائے گا

---

۲ ب، لط، بہ صد (سہو کاتب)۔ ۳ الف، مد و کے، ندارد (سہو کاتب)۔ ب، گل، زود پشیمانی (سہو کاتب)۔ ۶، قا کے ورق ۱۶ کے بعد نقصان ہے، اس لیے یہ غزل جو ضایع ہوجانے والے ورق پر مندرج تھی، اب موجود نہیں لیکن ورق نمبر ۱۶ کے بائیں زیریں کونے میں اس غزل کا ایک لفظ بصور رکاب تحریر کیا گیا ہے، جس سے نسخۂ مذکور میں اس کے وجود کا یقین ہوجاتا ہے۔ الف، ق، احوال شب۔ ۸ الف، قبج، زہر۔ قبج، لط، م، اب (ہر دو سہو کاتب)۔

---

۱ — آزاد دہلوی نے آبِ حیات (۵۲۷، طبع دوازدہم) میں لکھا ہے کہ میرزا صاحب جس دن جیل سے نکلنے لگے، اور لباس تبدیل کرنے کا موقع آیا، تو وہاں کا کرتہ وہیں پھاڑ کر پھینکا اور یہ شعر پڑھا:

ہائے! اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت، غالبؔ
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

لے تو لوں سوتے میں اُس کے پانو کا بوسہ، مگر — ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہوجائے گا[گ]

دل کو ہم صرفِ وفا سمجھے تھے، کیا معلوم تھا ٭ یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحاں ہوجائے گا[خ]

سب کے دل میں ہے جگہ تیری؛ جو تو راضی ہوا ٭ مجھ پہ، گویا، اک زمانہ مہرباں ہوجائے گا[1] ۰

گر نگاہِ گرم فرماتی رہی تعلیمِ ضبط — شعلہ خس میں جیسے، خوں رگ میں نہاں ہوجائے گا

٥ باغ میں مجھ کو نہ لیجا، ورنہ میرے حال پر ٭ ہر گلِ تر، ایک چشمِ خونفشاں ہوجائے گا[گ]

وائے! گر میرا ترا انصاف محشر میں نہو ٭ اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائے گا[خ]

فائدہ کیا؟ سوچ، آخر تو بھی دانا ہے، اسد — دوستی ناداں کی ہے، جی کا زیاں ہوجائے گا

۲۵

ق، حاشیۂ ق، قا

قطرۂ مے، بس کہ حیرت سے نفس پرور ہوا — خطِ جامِ مے، سراسر رشتۂ گوہر ہوا[2]

اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا ٭ غیر نے کی آہ، لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا[خ]

---

۱ الف. ق، قب، قبا، بوسہ ھائے پا - قبج م، بوسہاے پا - گل، مطابق، متن - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے گل کی ترتیب کے وقت اصلاح کی، پھر متداول کے انتخاب کے وقت ق کے الفاظ دہرائے اور بعد ازاں گل کی طرح کردیا - ۲، یہ اور پانچواں اور چھٹا شعر ق کے حاشیے کے ہیں، مگر مرتب ح نے اس کا اظہار نہیں کیا - ۳، لط میں اسے ق کے حاشیے کا بتایا - غالباً یہ قا میں بڑھایا گیا تھا - مگر ہمارے قا کے نسخے میں نقصان کے باعث پوری غزل مفقود ہے، اس لیے سردست اتنا کہا جاسکتا ہے کہ یہ گل رعنا میں موجود ہے - الف، قد، ہے دل میں - ب، گل، ایک عالم - م، قبج، ما، زمانا - ۴ ب، ق، مثل خوں در رگ - ح، لط، جیسے خوں در رگ (سہو کاتب) - ٦ ب، م، قبج، پھر توقع - ۷ الف، ق، ما، قد، مب، مج، سونچ - ح، لط، تو بھی ہے دانا - ۸ ب، ق، قا، جام بادہ یکسر -

---

۱ — یہ شعر میرزا صاحب نے اپنی مرتب کردہ ایک درسی کتاب میں نقل کیا ہے، جو انتخاب غالب کے نام سے عبدالرزاق حیدرآبادی نے حیدرآباد سے ۱۳۴۵ھ میں شایع کردی ہے -

۲ — قاضی عبدالجمیل جنون بریلوی کو ۲۴ اگست ۱۸٦۴ع کو لکھا ہے: «اس مقطع میں (باقی)

۲۶

ق، حاشیۂ ق، قا

دل مرا سوزِ نہاں سے بے مُحابا جل گیا — آتشِ خاموش کے مانند، گویا جل گیا

دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں — آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

۲ میں عدم سے بھی پرے ہوں، ورنہ غافل، بارہا — میری آہِ آتشیں سے بالِ عَنقا جل گیا

۳ عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں؟ — کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

۴ دل نہیں، تجھ کو دکھاتا، ورنہ، داغوں کی بہار — اس چراغاں کا، کروں کیا، کارفرما جل گیا ۵

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو، غالبؔ، کہ دل — دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

۲۷

ق، حاشیۂ ق، قا، قب

۶ پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا — دل، جگر تشنۂ فریاد آیا

۱ دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز — پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

---

۲ الف، ق، قا، الف یہ کی گو سوز دل سے۔ ۳. یہ اور اگلے ۳ شعر ق کے حاشیے کے ہیں، مگر مرتب ح نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ ہاں لط میں یہ بات مذکور ہے۔ ۴. قا میں یہ شعر مقطع سے پہلے ہے۔ ۵ الف، ق، قا، گل، دکھاؤں۔ مگر مرتب ح اور مولف لط نے اسے ظاہر نہیں کیا۔ ۶ الف، ق پہلے، ے اسد بیگانہ، اے افسردگی، اے بیکسی۔ بعد ازاں اس پر «لا لا» لکھ کر حاشیے میں دوسرا مقطع بہم پہنچایا ہے۔ م، افسردگی آرزو (سہو کاتب)۔ ب، ق، پہلے، دل ز انداز۔

(بقیہ) خیال ہے دقیق، مگر کوہ کندن و کاہ بر آوردن، یعنی لطف زیادہ نہیں۔ قطرہ ٹپکنے میں بے اختیار ہے۔ بقدرِ یک مِژہ برہم زدن ثبات و قرار ہے۔ حیرت، ازالۂ حرکت کرتی ہے، قطرۂ مے، افراطِ حیرت سے ٹپکنا بھول گیا۔ برابر برابر بوندیں جو تھم کر رہ گئیں، تو پیالے کا خط بصورت اُس تاگے کے بن گیا جس میں موتی پروئے ہوں» (خطوط ۱: ۱۲۵)۔

سادگیہائے تمنا، یعنی ۔۔۔۔ پھر وہ نیرنگِ نظر یاد آیا

عذرِ واماندگی اے حسرتِ دل ۔۔۔۔ نالہ کرتا تھا، جگر یاد آیا

زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی ۔۔۔۔ کیوں ترا راہ گزر یاد آیا؟ خ

آہ! وہ جراَت فریاد کہاں ۔۔۔۔ دل سے تنگ آکے، جگر یاد آیا

پھر ترے کوچے کو جاتا ہے خیال ۔۔۔۔ دلِ گم گشتہ، مگر، یاد آیا گخ

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے! ۔۔۔۔ دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا ۰

کیا ہی رِضواں سے لڑائی ہوگی! ۔۔۔۔ گھر ترا، خلد میں گر، یاد آیا[1] خ

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں، اسد ۔۔۔۔ سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

۲۸

ق، حاشیۂ ق، قا

تو دوست کسی کا بھی، ستمگر، نہ ہوا تھا ۔۔۔۔ اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا خ

چھوڑا، مہِ نخشب کی طرح، دستِ قضا نے ۔۔۔۔ خُرشید، ہنوز، اُس کے برابر نہ ہوا تھا گخ ۱۰

توفیق باندازۂ ہمت ہے، ازل سے ۔۔۔۔ آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا ۰

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم ۔۔۔۔ میں معتقدِ فتنۂ محشر نہ ہوا تھا[2] گ

۱ ب، ما، نیرنگ نظر (بکسرۂ اضافت)۔ ۳، ق، قا، گل، ندارد۔ یہ شعر سب سے پہلے قب میں نظر آتا ہے۔ الف، لط، یونہی۔ ۴، قا میں مقطع سے پہلے اور قب میں اگلے شعر کے بعد ہے۔ ب، ق، قا، دل کے بردے میں۔ ما، آکے۔ ۵، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔ نیز یہ شعر ق کے حاشیے کا ہے، مگر مرتب نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ ہاں، لط میں یہ بات مذکور ہے۔ الف، قد، کوچہ۔ م، قبج، جانے ہے۔ ۶، م میں یہ شعر مقطع سے پہلے ہے۔ ب، ق، قا، تھا میں صحرا میں کہ۔ مگر ح اور لط میں اسے ظاہر نہیں کیا۔ ۷، ق، قا ندارد۔ سب سے پہلے قب میں بڑھایا گیا ہے۔ ما میں نمبر ۵ کے بعد ہے۔ ۹ الف، ق، قا، قب، م، قبج، قبد، ما، کسو۔ ب، ح، لط، ظلم جو (سہو کاتب)۔ ۱۰ ب، مد، کی برابر۔ ۱۲، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔

۱ — نیز ملاحظہ ہو: کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت
یہی نقشا ہے، ولے اس قدر آباد نہیں

۲ — نیز ملاحظہ ہو: ترے سروِ قامت سے یک قدِ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

گ میں سادہ دل، آزردگیِ یار سے خوش ہوں
یعنی، سبقِ شوق مکرّر نہوا تھا[۱]

گخ دریاے معاصی تُنُک آبی سے ہوا خشک
میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہوا تھا[۲]

جاری تھی، اسدؔ، داغِ جگر سے مری تحصیل
آتشکدہ، جاگیرِ سمندر نہوا تھا



۲۹

ق، حاشیۂ ق، قا، قب

گخ عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا
جس دل پہ ناز تھا مجھے، وہ دل نہیں رہا[۳]

گ جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوے
ہوں شمعِ کُشتہ، در خورِ محفل نہیں رہا[۵]

گخ مرنے کی، اے دل، اور ہی تدبیر کر کہ میں
شایانِ دست و خنجرِ قاتل نہیں رہا

---

۴ الف، مز، مرے۔ ۵، یہ اور دوسرے نشان زدہ شعر حاشیۂ ق کے ہیں، مگر مرتب ح نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ لط میں البتہ یہ بات مذکور ہے۔ ب، ق، قا، گل، جوں شمع۔ مگر ح میں اسے ظاہر نہیں کیا۔ ٦ ب، ق، قا، اب لایق توجہ۔ مگر ح اور لط میں اس کا اظہار نہیں ہوا۔ گل، قب، قبا، م، قبج، گب، گن، مب، مج، ح، لط، بازوے۔ نیز قامیں یہ اور اگلا شعر «کو میں رہا» کے بعد ہیں۔

---

۱ — میرزا صاحب نے یہ شعر خواجہ غلام غوث خاں بہادر بیخبر کے ایک خط کے شروع میں لکھا ہے، اور شعر لکھ کر کہتے ہیں: «پیر و مرشد، خفا نہیں ہوا کرتے۔ یوں سنا، مجھے باور نہ آیا۔ یہاں تک تو میں موردِ عتاب نہیں ہوسکتا»۔ (اردوے معلی: ۲۸۸)

۲ — نیز ملاحظہ ہو: بقدرِ حسرتِ دل چاہیے ذوقِ معاصی بھی
بھروں یک گوشۂ دامن، گر آبِ ہفت دریا ہو

۳ — میرزا صاحب نے ۲۴ ستمبر ۱۸۵۵ع کو جو خط حقیر کو لکھا ہے۔ اُس میں فرماتے ہیں: «افسوس ہے! تم کو میرے حال کی خبر نہیں۔ اگر دیکھو تو جانو۔ جس دل پہ ناز تھا مجھے، وہ دل نہیں رہا»۔ (نادراتِ غالب: ۸۰)

بر روے شش جہت در آئینہ باز ہے ⋆ یاں امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا[1]

وا کردیے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حسن ⋆ غیر از نگاہ، اب کوئی حائل نہیں رہا[2]

گو میں رہا رہینِ ستمہاے روزگار ⋆ لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا[3]

دل سے ہواے کِشتِ وفا مٹ گئی کہ واں ⋆ حاصل، سواے حسرتِ حاصل نہیں رہا[4]

بیدادِ عشق سے نہیں ڈرتا، مگر، اسد ⋆ جس دل پہ ناز تھا مجھے، وہ دل نہیں رہا[5]

۳۰

ق، حاشیۂ ق، قا

سرمۂ مفتِ نظر ہوں، مری قیمت یہ ہے ⋆ کہ رہے چشمِ خریدار پہ احساں میرا[6]

رخصتِ نالہ مجھے دے کہ مبادا! ظالم ⋆ تیرے چہرے سے ہو ظاہر غمِ پنہاں میرا

۳۱

ق، حاشیۂ ق، قا

شب کہ وہ مجلس فروزِ خلوت ناموس تھا ⋆ رشتۂ ہر شمع، خارِ کسوتِ فانوس تھا

---

۱ الف، مد، ہر (سہو کاتب) - ۲ الف. گن. بند قبائے - ب، گن، غیر از گناہ (سہو کاتب) - ۳ الف، گن، گر (سہو کاتب) - ۴ الف، گن. ایسی ہوائے (سہو کاتب) - ۵ الف، ق پہلے، انداز نالہ یاد تھے سب مجھ کو پر، اسد - اس پر ن بنا کر بائیں حاشیے میں لکھا ہے: بیداد عشق سے نہیں ڈرتا ہوں، پر اسد - قا اور گل میں بھی اسی طرح ہے - مرتب ح نے نہ تو محل اصلاح بتایا، اور نہ یہ مصرع صحیح نقل کیا، بلکہ اس کی جگہ متداول متن کا مصرع لکھ دیا، جو سب سے پہلے قب میں مندرج ہوا تھا - لط سے معلوم ہوتا ہے کہ حاشیے میں جو مصرع لکھا گیا ہے اوس میں "میں اسد" ہے - لیکن یہ بھی واقعے کے خلاف اور اس لیے سہو مرتب ہے - ٦ الف، قب، مد، مری قسمت (سہو کاتب) - ۷، یہ شعر ق کے حاشیے کا ہے، مگر مرتب ح نے اس کا اظہار نہیں کیا - ۸ ب ق پہلے، شمع سے یک خار در پیراہن - غالب نے اسے قلمزد کر کے مصرع کے شروع میں "رشتۂ ہر" اور قلمزد الفاظ کے اوپر "خار کسوت" لکھا ہے -

---

۱ — میرزا صاحب نے اس مضمون کو فارسی میں یوں کہا ہے (کلیاتِ فارسی: ۳۸۷):

ہر ذرہ. محوِ جلوۂ حسنِ یگانہ ایست ⋆ گوئی، طلسمِ شش جہت، آئینہ خانہ ایست

گ مشہدِ عاشق سے کوسوں تک جو اُگتی ہے حنا ✲ کس قدر، یارب، ہلاکِ حسرتِ پابوس تھا![1]

حاصلِ الفت نہ دیکھا جُز شکستِ آرزو   دل بدل پیوستہ، گویا، یک لبِ افسوس تھا

گع کیا کہوں بیمارئِ غم کی فراغت کا بیاں؟   جو کہ کھایا خونِ دل بے منّتِ کیموس تھا

۳۲

حاشیۂ ق، قا

اسد، ہم وہ جنوں جولاں، گدائے بیسروپا ہیں   کہ ہے، سر پنجۂ مژگانِ آہو، پشتخار اپنا

۳۳

حاشیۂ ق، قا

گ دھمکی میں مرگیا، جو نہ بابِ نبرد تھا   عشقِ نبرد پیشہ، طلبگارِ مرد تھا ٥

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا   اُڑنے سے پیشتر بھی، مرا رنگ، زرد تھا

تالیفِ نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں   مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا

دل تا جگر، کہ ساحلِ دریائے خوں ہے اب   اس رہگزر میں، جلوۂ گل، آگے گرد تھا

گ جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہِ عشق کی   دل بھی اگر گیا، تو وہی دل کا درد تھا

۱، یہ شعر ق کے حاشیے کا ہے۔ مگر مرتبین ح و لط نے اسے ظاہر نہیں کیا۔ الف. ق، عاشق کے۔ ۲ ب مد، اک، لط. ایک۔ ۳ الف، ق، قا، گل، پوچھ مت بیماری۔ ۴، مرتبین ح و لط نے اس کا اظہار نہیں کیا کہ یہ حاشیۂ ق کا شعر ہے۔ ۵، ح میں یہ غزل اون غزلوں کے زمرے میں نظر آتی ہے جن کا کوئی ہم طرح شعر ق میں نہیں، حالانکہ یہ ق کے حاشیے (ورق ۱۹ الف) میں موجود ہے۔ ٦ الف، ح، موت کا۔ ۷ الف، مب، مج، ح، نسخہائے۔ ۸ الف، قب، م، آب (سہو کاتب)۔ ب، قد، آکے (سہو کاتب)۔ ۹ الف، قب، جاتی۔ ب، گل، وہی دل میں۔

۱— میرزا صاحب نے اس مضمون کو فارسی میں یوں لکھا ہے: (کلیاتِ فارسی:۴۲۹)

لالہ و گل دمد از طرفِ مزارش پسِ مرگ   تا چہا، در دلِ غالب، ہوسِ روے تو بود!

احباب، چارہ سازیِ وحشت نہ کر سکے — زنداں میں بھی، خیال، بیاباں نورد تھا گ

یہ لاشِ بے کفن، اسدِ خستہ جاں کی ہے — حق مغفرت کرے! عجب آزاد مرد تھا ؂۱



٣٤

حاشیۂ ق، قا

محرم نہیں ہے تو ہی، نواہائے راز کا — یاں ورنہ جو حجاب ہے، پردہ ہے ساز کا گخ

رنگِ شکستہ، صبحِ بہارِ نظّارہ ہے — یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا خ

٥ تو اور سوئے غیر نظرہائے تیز تیز! — میں اور دُکھ تری مِژہ ہائے دراز کا گخ

صرفہ ہے ضبطِ آہ میں میرا، وگرنہ میں — طُعمہ ہوں، ایک ہی نَفَسِ جاں گداز کا

ہیں، بسکہ جوشِ بادہ سے، شیشے اُچھل رہے — ہر گوشۂ بساط، ہے سر شیشہ باز کا گخ

کاوش کا دل کرے ہے تقاضا، کہ ہے ہنوز — ناخن پہ قرض، اس گرہِ نیمباز کا

تاراجِ کاوشِ غمِ ہجراں ہوا، اسد، — سینہ، کہ تھا دفینہ گہرہائے راز کا گ



٣٥

حاشیۂ ق، قا

١٠ دوست، غمخواری میں میری، سعی فرماوینگے کیا؟ — زخم کے بھرتے تلک، ناخن نہ بڑھجاوینگے کیا؟ گخ

---

٣ یہ غزل بھی ق کے حاشیے میں موجود ہے، مگر مرتب ح نے اسے اون غزلوں کے ساتھ چھاپا ہے جن کا کوئی ہمطرح شعر ق میں نہیں ہے ۔ ب، قا، قب، م، ما، مب، ج، بردا۔ ۴ الف، قب، شگفتہ ۔ ٥ الف، گل، گب، نگہ ہائے ۔ ٧ الف، م، شیشہ (سہو کاتب) ۔ ٨ ب، م، فرض اسی (سہو کاتب) ۔ ١٠، یہ غزل بھی ق (ورق ١٨ الف) کے حاشیے میں موجود ہے ۔ پھر بھی مرتب ح نے اسے اون غزلوں کے زمرے میں جگہ دی ہے جن کا کوئی ہم طرح شعر ق میں نہیں ۔ ١٠ الف، گب، مد، ح، ئیں گے (ہر ردیف میں) ۔ ب، ج، ح، بھرنے ۔ قبد، بھرتے ہوئے ۔ گن، بھرے (سہو کاتب) ۔

١ــ نیز ملاحظہ ہو: مانعِ دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں
ایک چکّر ہے مرے پانو میں، زنجیر نہیں

گخ بے نیازی حد سے گزری، بندہ پرور، کب تلک — ہم کہیں گے حالِ دل، اور آپ فرماوینگے "کیا؟"

ح حضرتِ ناصح گر آویں، دیدہ و دل فرشِ راہ — کوئی مجھ کو یہ تو سمجھادو کہ سمجھاوینگے کیا

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوے جاتا ہوں میں — عذر، میرے قتل کرنے میں وہ اب لاوینگے کیا؟

گخ گر کیا ناصح نے ہم کو قید، اچھا، یوں سہی — یہ جنونِ عشق کے انداز چھُٹ جاوینگے کیا؟

گخ خانہ زادِ زلف ہیں، زنجیر سے بھاگیں گے کیوں؟ — ہیں گرفتارِ وفا، زنداں سے گھبراوینگے کیا؟ ۵

ہے اب اس معمورے میں قحطِ غمِ الفت، اسد — ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے، کھاوینگے کیا؟



۳۶

حاشیۂ ق، قا

گخ عشرتِ قطرہ ہے، دریا میں فنا ہو جانا — درد کا حد سے گزرنا، ہے دوا ہو جانا

تجھ سے، قسمت میں مری، صورتِ قفلِ ابجد — تھا لکھا، بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

دل ہوا، کشمکشِ چارۂ زحمت میں، تمام — مٹ گیا، گھسنے میں، اس عُقدے کا وا ہو جانا

گخ اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم، اللہ، اللہ! — اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا[۱] ۱۰

۱، م میں یہ غزل کا تیسرا شعر ہے۔ الف، م، مب کے علاوہ، گذری۔ ۲ الف، ح، آئیں۔ قب، قبا، م، گن، جو آویں۔ مد، گراویں (سہو کاتب)۔ گن، دیدۂ دل (سہو کاتب)۔ ب، قبا، سمجھاؤ۔ گن، وہ۔ ۴ الف، قبج، مجکو قید۔ ۵ الف، ما، خانزاد۔ م، بھاگے (سہو کاتب)۔ قا میں اس شعر سے پہلے بین السطور میں "قطعہ" لکھا ہے، جو سہو کاتب معلوم ہوتا ہے۔ ب، ح، گرفتار بلا (سہو کاتب)۔ ۶ الف، مد کے علاوہ معمورہ۔ م، قبج، معمور (سہو کاتب)۔ ب، قب، قبا، م، مب، ع، گن، ح، رھیں۔ ۷، یہ غزل بھی ق (ورق ۳۵ الف و ب) کے حاشیے میں موجود ہے، اور مرتب ح نے اس صفحے کا عکس بھی شایع کیا ہے۔ پھر بھی اپنے نسخے میں اسے اونھیں غزلوں کے ساتھ چھاپا ہے جن کا کوئی ھمطرح شعر ق میں نہیں ہے۔ ب، حاشیۂ ق، قبا، مد، گذرنا۔ ۸ ب، قا، باب (سہو کاتب)۔ ۹ الف، حاشیۂ ق، رحمت (سہو کاتب)۔ ب، حاشیۂ ق اور مد کے علاوہ، عقدہ۔

۱— نیز ملاحظہ ہو: واحسرتا! کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہم کو حریصِ لذتِ آزار دیکھ کر

ضعف سے، گریہ، مُبدّل بدمِ سرد ہوا — باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا گ

دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خَیال — ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا گخ

ہے مجھے، ابرِ بہاری کا برس کر کُھلنا — روتے رونے غمِ فرقت میں، فنا ہو جانا

گر نہیں نکہتِ گل کو ترے کوچے کی ہوس — کیوں ہے گردِ رہِ جولانِ صبا ہو جانا؟

۵ بخشے ہے جلوۂ گل، ذوقِ تماشا، غالب — ق چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا

تاکہ تجھ پر کُھلے اعجازِ ہوائے صیقل — دیکھ برسات میں سبز آئنے کا ہو جانا



۳۷

حاشیۂ قا

ستائشگر ہے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا — وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاقِ نسیاں کا[۱] گخ

بیاں کیا کیجیے، بیدادِ کاوشہائے مژگاں کا؟ — کہ ہر یک قطرۂ خوں، دانہ ہے تسبیحِ مَرجاں کا ۰

نہ آئی سَطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالوں کو — لیا دانتوں میں جو تنکا، ہوا ریشہ نَیستاں کا[۲] ۰

دِکھاؤں گا تماشا، دی اگر فرصت زمانے نے — مرا ہر داغِ دل، اک تخم ہے سروِ چراغاں کا

۱۰ کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے — کرے جو، پرتوِ خُرشید، عالمِ شبنمستاں کا

مری تعمیر میں مُضمَر ہے، اک صورت خرابی کی — ہَیولی برقِ خَرمن کا ہے، خونِ گرمِ دہقاں کا

---

۱ ب، حاشیۂ ق، جدا ہو جانا (سہو کاتب) - ۲ الف، مد، ترے - ۳ الف، قب، کہنا (سہو کاتب) - ۴ الف، ما، قد، مب، نگہت (غلطی عوام) - قا، قد، قب، مب، ج، کوچہ - ٥، قا، م، مد میں یہ قطعہ ہے، اسی لیے اول کے بین السطور میں «قطعہ» اور دوسری کے «ق» لکھا گیا ہے - ج میں یہ غزل کا آخری شعر ہے - ۷ الف، گل ندارد - ۸، مد میں دو مصرعوں کے بیچ کی ساد، جگہ میں لکھا ہے، مطلع ثانی - ب، گل، ہر اک - مب، ہر ایک - م، قطرہ خوں - ۱۰ الف، قد، دی (بکسرۂ دال) - قب، قد، زمانہ - ب، قبا، م، یہ داغ - ۱۱ الف، قا، م، قد، مد، نقشا - م، مد کے علاوہ، جلوہ - ۱۲ ب، قا، قبا، م، ہیولا -

---

۱— یہ زمین نواب آلہی بخش خاں معروف دہلوی (متوفی ۱۲۴۲ھ = ۱۸۶۲ع) کی ہے جو غالب کے خسر تھے - ملاحظہ ہو دیوانِ معروف: ۷ و ۱۴

۲— «ریشہ در دنداں گرفتن» کے معنی ہیں اظہارِ عجز و اطاعت کرنا - نیز ملاحظہ ہو:

ہجومِ نالہ حیرت عاجزِ عرضِ یک افغاں ہے — خموشی، ریشۂ صد نَیستاں سے، خس بدنداں ہے

خ اُگا ہے گھر میں ہر سو سبزہ، ویرانی تماشا کر — مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا

خموشی میں نہاں، خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں، ہیں — چراغِ مردہ ہوں، میں بےزباں، گورِ غریباں کا

خ ہنوز اك پرتوِ نقشِ خیالِ یار باقی ہے — دلِ افسردہ، گویا، حجرہ ہے یوسف کے زنداں کا

گخ بغل میں غیر کی، آج آپ سوتے ہیں کہیں، ورنہ — سبب کیا، خواب میں آکر، تبسمہاے پنہاں کا؟

گ نہیں معلوم، کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا! — قیامت ہے، سرشك آلودہ ہونا تیری مژگاں کا ٥

٠ نظر میں ہے ہماری، جادۂ راہِ فنا، غالب — کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزاے پریشاں کا[1]

٣٨

حاشیۂ قا

گخ ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا! — نہ ہو مرنا، تو جینے کا مزا کیا؟

٠ تجاہل پیشگی سے مُدّعا کیا؟ — کہاں تك، اے سراپا ناز، «کیا، کیا»؟[2]

نوازشہاے بیجا دیکھتا ہوں — شکایتہاے رنگیں کا گِلا کیا؟

گخ نگاہِ بے مُحابا چاہتا ہوں — تغافلہاے تمکیں آزما کیا؟ ١٠

گ فروغِ شعلۂ خس، یك نَفَس ہے — ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا؟

---

٣ الف، گل، سوئے - ٥، قا میں یہ شعر «اگا ہے گھر میں» سے پہلے ہے - ٦ الف، مد، ہمارے - ٧ قا میں ترتیب اشعار یہ ہے، ٣، ٩، ٥، ٧، ٦، ١٠، ٨ - نیز یہ غزل حاشیۂ قا میں بخط غالب تحریر ہے - ٨ الف، قا، فائدا -

---

١ — نیز ملاحظہ ہو: یك قدم وحشت سے، درسِ دفترِ امکاں کھلا
جادہ، اجزاے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

٢ — نیز ملاحظہ ہو: بے نیازی حد سے گزری، بندہ پرور، کب تلك
ہم کہیں گے حالِ دل، اور آپ فرماویں گے «کیا»؟

نفَس موجِ محیطِ بیخودی ہے — تغافلہائے ساقی کا گِلا کیا؟[۲]
دماغِ عطرِ پیراہن نہیں ہے — غمِ آوارگیہائے صبا کیا؟[۳]
سُن، اے غارتگرِ جنسِ وفا، سُن — شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا؟[۴]
دلِ ہر قطرہ، ہے سازِ «اَنا البحر» — ہم اُس کے ہیں، ہمارا پوچھنا کیا؟[۵]
مُحابا کیا ہے؟ میں ضامن، ادھر دیکھ — شہیدانِ نگہ کا خوں بہا کیا؟[۶]
کیا کس نے جگرداری کا دَعویٰ؟ — شکیبِ خاطرِ عاشق بھلا کیا؟[۷]
یہ، قاتل، وعدۂ صبر آزما کیوں؟ — یہ، کافر، فتنۂ طاقت رُبا کیا؟[۸]
بلائے جاں ہے، غالب، اُس کی ہر بات — عبارت کیا، اِشارت کیا، ادا کیا[۹]

۳۹

آخر ما

میں اور بزمِ مَے سے یوں تشنہ کام آؤں! — گر میں نے کی تھی توبہ، ساقی کو کیا ہوا تھا؟[۱۰]
۱۰ ہے ایک تیر جس میں دونوں چِھدے پڑے ہیں — وہ دن گئے کہ اپنا، دل سے، جگر جدا تھا[۱۱]
درماندگی میں، غالب، کچھ بن پڑے، تو جانوں — جب رِشتہ بے گرہ تھا، ناخن گرہ کُشا تھا[۱۲]

۴۰

آخر ما

گھر ہمارا، جو نروتے بھی تو، ویراں ہوتا — بحر گر بحر نہوتا، تو بیاباں ہوتا[۱][۲]

۱، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔ ۲ الف، گل، بوے پیراھن۔ ما، عطر پیراھن (بکسرۂ اضافت)۔ ۳، یہ بیت قب اور ما میں اگلے دو شعروں کے بعد، اور م میں اگلے ایک شعر کے بعد ہے۔ ۵، م ندارد۔ قبج محاباء ندارد۔ ۶ الف، گل، وعدہ۔ قا میں یہاں قطعہ لکھا ہے۔ ۸ ب، قب، قبا، قج، م، اشارت کیا، عبارت۔ ۱۱ الف، آخر ما، تو جانیں۔ ۱۲ ب، گب، بحر اگر۔

۱ — نیز ملاحظہ ہو:

غالب، کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے — خرمن جلے، اگر نہ ملخ کھائے کشت کو
خوشی کیا؟ کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے — سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈ ہے ابھی سے برقِ خرمن کو
مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر — کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے

خ تنگیِ دل کا گلہ کیا؟ یہ وہ کافر دل ہے — کہ اگر تنگ نہوتا، تو پریشاں ہوتا

بعدِ یک عمر وَرَع، بار تو دیتا، بارے — کاش! رضواں ہی درِ یار کا درباں ہوتا

٤١

آخر ما

خ ہوئی تاخیر، تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا — آپ آتے تھے، مگر کوئی عِناں گیر بھی تھا

• تم سے بیجا ہے، مجھے اپنی تباہی کا گِلہ — اُس میں کچھ شائبۂ خوبیِ تقدیر بھی تھا[1]

• تو مجھے بھول گیا ہو، تو پتا بتلادوں — کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا؟ ٥

قید میں ہے، ترے وحشی کو، وہی زلف کی یاد — ہاں، کچھ اک رنجِ گرانباریِ زنجیر بھی تھا

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے، تو کیا؟ — بات کرتے، کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

خ یوسف اُس کو کہوں، اور کچھ نکہے، خیر ہوئی — گر بگڑ بیٹھے، تو میں لائقِ تعزیر بھی تھا

دیکھ کر غیر کو، ہو کیوں نہ کلیجا ٹھنڈا؟ — نالہ کرتا تھا، ولے طالبِ تاثیر بھی تھا

خ پیشے میں عیب نہیں، رکھیے نہ فرہاد کو نام — ہم ہی آشفتہ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا ١٠

• ہم تھے مرنے کو کھڑے، پاس نہ آیا، نہ سہی — آخر، اُس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

---

١ الف، ح، کے علاوہ، گلا - ب، آخرما، تو بیاباں (سہو کاتب) - ٢ الف، مد، یار (سہو کاتب) - ۴ الف، ح کے علاوہ تمام نسخے، گلا - ٥ الف، ما، کیا ہو (سہو کاتب) - ب، قد، نخجیر - ٦ ب، قد میں کاتب نے «رنگ» لکھ دیا تھا - غالب نے اپنے قلم سے اسے کاٹ کر نیچے «رنج» لکھا ہے - ٨ ب، مد کے علاوہ، تمام نسخے، تعذیر (سہو کاتب) - ١٠ الف، قد، پیشہ -

---

١ — نیز ملاحظہ ہو:

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں — تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

خستگی کا، تم سے کیا، شکوہ؟ کہ یہ — ہتکھنڈے ہیں چرخِ نیلی فام کے

پکڑے جاتے ھیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق — آدمی کوئی ھمارا دمِ تحریر بھی تھا؟ خ
ریختے کے تمھیں اُستاد نہیں ھو، غالب — کہتے ھیں «اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا»

۴۲

آخر ما

ذکر اُس پَری‌وَش کا، اور پھر بیاں اپنا — بن گیا رقیب آخر، تھا جو رازداں اپنا خ
مے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں؟ یارب — آج ھی ھوا منظور اُن کو امتحاں اپنا؟ ۲
۵ منظر اک بُلندی پر اور ھم بناسکتے — عرش سے اِدھر ھوتا، کاشکے! مکاں اپنا ۳
دے وہ جس قدر ذلت، ھم ھنسی میں ٹالینگے — بارے، آشنا نکلا، اُن کا پاسباں، اپنا
دردِ دل لکھوں کب تک؟ جاؤں، اُن کو دکھلادوں — اُنگلیاں فگار اپنی، خامہ خوں چکاں اپنا خ
گھستے گھستے مٹ جاتا، آپ نے عبث بدلا — ننگِ سجدہ سے میرے، سنگِ آستاں اپنا ۸
تا کرے نہ غمازی، کر لیا ھے دُشمن کو — دوست کی شکایت میں، ھم نے، ھمزباں اپنا
۱۰ ھم کہاں کے دانا تھے؟ کس ھنر میں یکتا تھے؟ — بے سبب ھوا، غالب، دشمن آسماں اپنا[۱] خ

۴۳

آخر ما

یہ نہ تھی ھماری قسمت کہ وصالِ یار ھوتا — اگر اور جیتے رھتے، یہی انتظار ھوتا[۲] خ
ترے وعدے پر جیے ھم، تو یہ جان، جھوٹ جانا — کہ خوشی سے مر نہ جاتے، اگر اعتبار ھوتا ۱۲

---

۲ ب، مب، زمانہ - ۳ ب، آخر ما، ھوگیا رقیب اپنا - ۵ الف، آخر ما، بنالیتے - ۷ الف، آخر ما، اون کو دکھلانے -
۸ ب، آخر ما، مج، ننگِ سجدے - ۹ ب، آخر ما، مہرباں (سہوِ کاتب) - ۱۲ الف، آخر ما، وعدہ - دیوان حیا، جاناں -
چنانچہ حیا نے مخمس میں اس کے قافیے ارماں، آساں اور جاں قرار دیے ھیں - ب، دیوان حیا، مر نہ جاتا -

---

۱ — یہی مضمون غالب نے فارسی میں اس طرح لکھا ھے (کلیاتِ فارسی: ۳۹۶):
غالب، نخورد چرخ فریب، ار هزار بار — گفتم: «بروزگار سخنور چو من بسیست»
۲ — میرزا رحیم الدین بہادر حیا دھلوی، رامپوری نے اس غزل کی تخمیس کی ھے،
جو اُن کے دیوان: ۱۸۳، مطبوعۂ شوال ۱۲۷۰ھ (جولائی ۱۸۵۴ع) میں موجود ھے -

خ تری نازُکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا — کبھی تو نہ توڑ سکتا، اگر اُستوار ہوتا
• کوئی میرے دل سے پوچھے، ترے تیرِ نیمکش کو — یہ خلش کہاں سے ہوتی، جو جگر کے پار ہوتا؟
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح؟ — کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غمگسار ہوتا
رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا — جسے غم سمجھ رہے ہو، یہ اگر شرار ہوتا
خ غم اگرچہ جاں گسل ہے، پہ کہاں بچیں؟ کہ دل ہے — غمِ عشق گر نہ ہوتا، غمِ روزگار ہوتا[1] ۵
• کہوں کس سے میں کہ کیا ہے؟ شبِ غم بُری بلا ہے — مجھے کیا بُرا تھا مرنا، اگر ایک بار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رُسوا، ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا — نہ کبھی جنازہ اُٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا
خ اُسے کون دیکھ سکتا، کہ یگانہ ہے وہ یکتا — جو دوئی کی بو بھی ہوتی، تو کہیں دوچار ہوتا
• یہ مسائلِ تصوف، یہ ترا بیان، غالب! — تجھے ہم ولی سمجھتے، جو نہ بادہ خوار ہوتا[2]



۴۴

آخر ما

خ نہ تھا کچھ، تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا، تو خدا ہوتا — ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں، تو کیا ہوتا؟ ۱۰
• ہوا جب غم سے یوں بیحس، تو غم کیا سر کے کٹنے کا؟ — نہ ہوتا گر جدا تن سے، تو زانو پر دھرا ہوتا
• ہوئی مدت کہ غالب مر گیا، پر یاد آتا ہے — وہ ہر یک بات پر کہنا کہ «یوں ہوتا، تو کیا ہوتا» ؟

۲ الف، آخر ما، دیوان حیا، مرے دل سے کوئی۔ ۶ الف، دیوان حیا، کہیں کس سے ہم۔ ب، دیوان حیا، ہمیں کیا۔
۱۲ ب، ج، مد، ہراك۔

۱ — نیز ملاحظہ ہو: کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو، پر اب
دیکھا، تو کم ہوئے پہ غمِ روزگار تھا

۲ — مولانا حالی نے لکھا ہے: «سنا ہے کہ جس وقت یہ غزل مرزا نے بادشاہ کو سنائی، تو بادشاہ نے مقطع سنکر کہا: «بھئی، ہم تو جب بھی ایسا نہ سمجھتے» ۔ مرزا نے کہا: «حضور تو اب بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں ۔ مگر یہ اس لیے ارشاد ہوا ہے کہ میں اپنی ولایت پر مغرور نہ ہوجاؤں» ۔ (یادگارِ غالب: ۱۴۰) ۔

۴۵

قج

بزمِ شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کُھلا — رکھیو، یارب، یہ درِ گنجینۂ گوہر کُھلا!

شب ہوئی، پھر انجمِ رخشندہ کا منظر کھلا — اس تکلف سے کہ گویا بتکدے کا در کھلا [۲]

گرچہ ہوں دیوانہ، پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب؟ — آستیں میں دشنہ پنہاں، ہاتھ میں نشتر کھلا [۳]

گو نہ سمجھوں اُس کی باتیں، گو نپاؤں اُس کا بھید — پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا [۴]

۵ ہے خیالِ حُسن میں حُسنِ عمل کا سا خیال — خُلد کا اک در ہے، میری گور کے اندر، کھلا [۵]

مُنہ نہ کُھلنے پر، ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں — زلف سے بڑھکر نقاب اُس شوخ کے مُنہ پر کھلا [۶]

در پہ رہنے کو کہا، اور کہکے کیسا پھر گیا! — جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا [۷]

کیوں اندھیری ہے شبِ غم؟ ہے بلاؤں کا نزول — آج اُدھر ہی کو رہے گا، دیدۂ اختر، کھلا

کیا رھوں غربت میں خوش، جب ہو حوادث کا یہ حال — نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا [خ]

۱۰ اُس کی اُمت میں ہوں میں، میرے رہیں کیوں کام بند؟ — واسطے جس شہ کے، غالب، گنبدِ بےدر کھلا [۱۱]

۴۶

قد

جور سے باز آئے، پر باز آئیں کیا؟ — کہتے ہیں: «ہم تجھ کو مُنہ دکھلائیں کیا[۱]؟» [۱]

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں — ہو رہے گا کچھ نہ کچھ، گھبرائیں کیا[۲]؟ [۱]

---

۲ ب، آخر کتاب شجرۂ ثمرہ (رضا لائبریری لوھارو کلکشن)، بتخانے کا گویا۔ ۳ ب، قد، مب، ہات۔ ۶ الف، قد، قج، مونہہ۔ ۷ ب، قد، مب عرصہ۔ ۱۱ الف، اردوے معلی، عود۱، آئیں پر۔ ب، قد، اردوے معلی، مونہہ۔ عود۲ منہہ۔

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: کبھی نیکی بھی اُس کے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد، شرما جائے ہے مجھ سے

۲ — میرزا صاحب نے منشی نبی بخش حقیر کو ۳ اکتوبر ۱۸۵۴ع کو ایک خط لکھا تھا۔ اُس میں فرماتے ہیں: «یہاں بڑی بیماری پھیل رہی ہے.... آج تک انجام بخیر تھا۔ اب لوگ مرنے لگے۔ ہوا میں سمّیت پیدا ہوگئی۔ یہ قصے تو یوں رہے۔ بیت: (باقی)

لاگ ہو، تو اُس کو ہم سمجھیں لگاؤ جب نہ ہو کچھ بھی ، تو دھوکا کھائیں کیا ؟
۲ ہولیے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ ؟ یارب ، اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا ؟

---

۲. ج، پونہچائیں ۔

(بقیہ) رات دن گردش میں ہیں سات آسماں ہو رہے گا کچھ نہ کچھ ،گھبرائیں کیا؟
یہ ڈاک کا سررشتہ کیسا بگڑا! » (نادراتِ غالب: ٦٥)

مرزا حاتم علی مہر کو ایک خط میں لکھا ہے: « میں نے کتابیں جا بجا بہ سبیلِ پارسل ارسال کی ہیں ۔ اگرچہ پہنچنے کی خبر پائی ہے ، مگر نویدِ قبول ابھی کہیں سے نہیں آئی ہے:
رات دن گردش میں ہیں الخ ۔ دیکھنا ، بھائی ، اس غزل کا مطالع کیا ہے ! » اور اس کے بعد مطلع اور مقطع اور اُن کے بیچ میں دو اور شعر لکھ کر فرماتے ہیں کہ «غزل ناتمام ہے» ۔ (عودِ ہندی : ۱۱۲ ، اردوے معلی : ٢٦٦ و خطوطِ غالب : ۱: ۳۱۱) ۔

مرزا رحیم بیگ ، مولفِ ساطعِ برہان، کو ایک طویل خط میں ، جو « نامۂ غالب » کے نام سے الگ بھی شائع ہو چکا ہے ، لکھتے ہیں : «کہہ چکا ہوں کہ نہ مجھ کو مناظرے کا دماغ، نہ ہجومِ امراضِ جسمانی و آلامِ روحانی سے فراغ۔ آگے جو ہمت نہیں ہاری تھی، اور غیب سے توقعِ مددگاری تھی، تو اپنا یہ شعرِ اردو میرے وردِ زباں اور اس ہنجار سے میں زمزمہ سنجِ فغاں رہتا تھا ۔ شعر:
رات دن گردش میں ہیں سات آسماں ہو رہے گا کچھ نہ کچھ، گھبرائیں کیا ؟
اب جو اصلاحِ حال و حصولِ مطالب سے دل مایوس ہے، تو طبیعت اسی غزل کی اس بیت کے ترنم سے مانوس ہے ۔ شعر :
عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ مرگئے پر، دیکھیے، دکھلائیں کیا
(عود: ١٤٧)

موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا؟[1] خ
عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ مر گئے پر، دیکھیے، دکھلائیں کیا[2] ؟

---

[1] مد' ہے (سہو کاتب) - [2] الف' نادرات' علی گڑھ میگزین'غالب نمبر' دیکھا کیے -

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: اُس فتنہ خو کے در سے اب اُٹھتے نہیں، اسد
اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

۲ — میرزا صاحب نے ۲۴ ستمبر ۱۸۵۵ع کو حقیر کو لکھا ہے: «زندگی بری بھلی جس طرح بنی، کاٹی - اب فکر یہ ہے کہ دیکھیں، موت کیسی ہوتی ہے، اور بعد موت کے کیا درپیش آتا ہے - بیت: عمر بھر دیکھا کیے الخ - (نادارتِ غالب: ۸۰)

چودھری عبدالغفور سرور کو ایک خط میں لکھتے ہیں: «میں تو اب روز و شب اس فکر میں ہوں کہ زندگی تو یوں گزری - اب دیکھیے، موت کیسی ہو - بیت: عمر بھر دیکھا کیا الخ میرا ہی شعر ہے اور میرے ہی حسبِ حال ہے» - (عودِ ہندی: ۳۲ و اردوے معلی: ۱۳۹) -

قدر بلگرامی کو لکھتے ہیں: «نثرِ فارسی لکھنی یک قلم موقوف - اردو، سو اُس میں بھی عبارت آرائی متروک - جو زباں پر آوے، وہ قلم سے نکلے - پانو رکاب میں ہے، اور ہاتھ باگ پر - کیا لکھوں اور کیا کروں؟ یہ شعر اپنا پڑھتا ہوں - بیت: عمر بھر دیکھا کیا الخ - (اردوے معلی: ٤ طبع دسمبر ۱۹۰۷ء و خطوطِ غالب: ۱:۱۷۷) -

صوفی منیری کو لکھتے ہیں: «اکھتر برس کی عمر، پانووں سے اپاہج، کانوں سے بہرا - دن رات پڑا رہتا ہوں - دو سطریں لکھیں، بدن تھرایا، حرف سوجھنے سے رہا - قوتیں ساقط - غذا قلیل - بلکہ اقل - بیت: عمر بھر دیکھا کیے» الخ - (علی گڑھ میگزین، غالب نمبر: ۹۸) -

خ پوچھتے ہیں وہ کہ «غالب کون ہے؟» کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا[1]

---

۱ — شوکت بلگرامی نے رسالۂ اُردوے معلی، علی گڑھ، ماہِ جولائی ۱۹۱۰ع میں لکھا ہے:
«میرے ایک بزرگ نے مجھ سے بیان فرمایا تھا کہ میں ایک دفعہ مع چند احباب کے دھلی میں غالب کی ملاقات کو گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مرزا قوتِ سماعت سے بے بہرہ ہو چکے تھے، دوات، قلم، کاغذ ہر وقت سامنے رکھا رھتا تھا، اور جو حضرات ملنے آتے تھے وہ اپنا مدعا لکھ کر پیش کرتے تھے۔ چنانچہ جس وقت ہم لوگ اُن کی خدمت میں پہنچے، تو حسبِ عادت اُنہوں نے دوات، قلم، کاغذ آگے بڑھا دیا اور فرمایا: «ارشاد»۔ میں نے لکھا کہ ہم لوگ آپ کا کلامِ بلاغت نظام آپ کی زبانِ فیض ترجمان سے سُننا چاھتے ھیں۔ یہ دیکھ کر فرمایا: «بہت اچھا»، اور اس کے بعد «سمجھائیں کیا، دکھلائیں کیا» یہ غزل سُنانی شروع کی۔ اور جب یہ مقطع پڑھا کہ — پوچھتے ھیں وہ کہ غالب کون ھے الخ۔ تو فرمایا: «کچھ سمجھے بھی؟» ہم نے اس خیال سے کہ جو ہم سمجھے ھیں اگر اُن کا منشا نہ ھوا، تو بگڑ بیٹھیں گے، عرض کیا کہ «مطلق نہیں سمجھے»۔ اس پر مسکرا کر فرمایا: ھاں نہیں سمجھے ھو گے۔ سنو۔ ایک زمانہ ھوا جب وھاں گئے تھے۔ جانتے ھو کہاں؟ عرض کیا: «نہیں»۔ کہنے لگے: «اجی وھیں اپنے معشوق کے پاس۔ مگر یہ اُس زمانے کا ذکر ھے جب ہم جیتے تھے، یعنی جوان تھے۔ سر پر بال تھے، گھنی داڑھی، تنا ھوا سینا، بھرے بھرے بازو، چمپئی رنگ تھا۔ نگاہ اُٹھا کر دیکھتے، تو درودیوار دھلتے تھے۔ اُس وقت کے گئے گئے پھر کب گئے۔ اب جب کہ آنکھوں میں نور، دل میں سرور نہ رھا۔ سماعت میں فرق آگیا۔ کمر جھک گئی۔ اب ہم کو اس ھیئتِ کذائی میں دیکھ کر:
پوچھتے ھیں وہ کہ «غالب کون ھے؟» کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا»۔
اگر یہ واقعہ صحیح ھے، تو اس مطلب کی حیثیت لطیفے کی سی ھونا چاھیے۔

۴۷

قد

غ درد منّت کشِ دوا نہوا میں نہ اچھا ہوا، برا نہوا[1]
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو؟ اک تماشا ہوا، گِلا نہوا

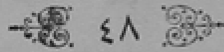
ا ب، عود، گلہ۔

۱ — نیز ملاحظہ ہو: رنجِ نومیدیِ جاوید گوارا رہیو!
خوش ہوں، گر نالہ زبونی کشِ تاثیر نہیں
دیوار بارِ منتِ مزدور سے ہے خم
اے خانماں خراب، نہ احساں اُٹھائیے

اس غزل کے متعلق مرزا حاتم علی مہر کو لکھا ہے: "میرا کلام میرے پاس کبھی کچھ نہیں رہا۔ نواب ضیاء الدین خاں اور نواب حسین مرزا جمع کر لیتے تھے۔ جو میں نے کہا، اُنھوں نے لکھ لیا۔ اُن دونوں کے گھر لُٹ گئے۔ ہزاروں روپے کے کتابخانے برباد ہوئے۔ اب میں اپنے کلام کے دیکھنے کو ترستا ہوں۔ کئی دن ہوئے کہ ایک فقیر، کہ وہ خوش آواز بھی ہے اور زمزمہ پرداز بھی ہے، ایک غزل میری کہیں سے لکھوا لایا۔ اُس نے وہ کاغذ جو مجھکو دکھایا، یقین سمجھنا کہ مجھکو رونا آیا۔ غزل تم کو بھیجتا ہوں، اور صلے میں اس کے اس خط کا جواب چاہتا ہوں۔ (اردوے معلی: ۲۵۹ و خطوطِ غالب: ۱: ۳۰۶)۔

نیز یہ غزل قج میں نہیں ہے، جو اگست ۱۸۵۲ع کے بعد کا مرتبہ ہے، اور گلستانِ سخن: ۳۸۳ میں اس کا ایک شعر انتخاب کیا گیا ہے، جو اپریل ۱۸۵۴ع سے قبل کی تالیف ہے۔ مزید بر آں دیوانِ میرزا رحیم الدین بہادر حیا دہلوی: ۱۸۳ مطبوعۂ جولائی ۱۸۵۴ع میں رمز دہلوی کی اسی زمیں کی غزل کا خمسہ پایا جاتا ہے۔ ان وجوہ سے میں اس غزل کو وسطِ ۱۸۵۲ع اور آغازِ ۱۸۵۴ع کے درمیان کی قرار دیتا ہوں۔

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں؟ — تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا
کتنے شیریں ہیں تیرے لب! کہ رقیب — گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا
خ ہے خبر گرم اُن کے آنے کی — آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی؟ — بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی — حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا ٥
زخم گر دب گیا، لہو نہ تھما — کام گر رُک گیا، روا نہ ہوا
رہزنی ہے کہ دِلستانی ہے! — لے کے دل. دلستاں روانہ ہوا
کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں: — «آج غالب غزل سرا نہ ہوا»



۴۸

قد

خ در خورِ قہر و غضب، جب کوئی ہم سا، نہ ہوا — پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا؟[1]
بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود بیں ہیں کہ ہم — اُلٹے پھر آئے، درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا ١٠
سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا — رو برو کوئی بُتِ آئنہ سِیما نہ ہوا

۲ ب، اردوے معلی ۲۵۹، بے مزہ ـ ٦ الف، قد، مب، عود، تنہا ـ ج تھنبا ـ

١ ــ میرزا صاحب نے ۲۲ رمضان ۱۲۷۰ھ (۱۸ جون ۱۸۵٤ع) کے بعد، مگر اغلب یہ ہے کہ ماہِ عیدالفطر کے اندر، منشی نبی بخش حقیر کو جو خط لکھا تھا، اُس میں فرمایا ہے کہ «یہ جو آپ نے لکھا کہ تیرے وہ اشعار سُنے جاتے ہیں، کہ جو کبھی نہیں سنے تھے ـ حال یہ ہے کہ میں نے ان دنوں میں دو غزلیں لکھی ہیں ـ ایک تو «دریا نہ ہوا، صحرا نہ ہوا» سو وہ آپ کے پاس بھیج چکا»: (نادراتِ غالب: ٥٦) ـ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے یہ غزل ۲۲ رمضان ۱۲۷۰ھ (۱۸ جون ۱۸۵٤ع) کے قریب کہی، اور اُسی زمانے میں منشی نبی بخش کو بھیجی تھی ـ

کم نہیں نازشِ ہمنامیِ چشمِ خوباں
تیرا بیمار، بُرا کیا ہے، گر اچھا نہوا

سینے کا داغ ہے، وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا
خاک کا رزق ہے، وہ قطرہ کہ دریا نہوا

نام کا میرے ہے، جو دکھ کہ کسی کو نملا
کام میں میرے ہے، جو فتنہ کہ برپا نہوا

ہر بُنِ مو سے، دمِ ذکر، نہ ٹپکے خوناب
حمزہ کا قصّہ ہوا، عشق کا چرچا نہوا

٥ قطرے میں دجلہ دکھائی نہ دے، اور جزو میں کُل
کھیل لڑکوں کا ہوا، دیدۂ بینا نہوا

تھی خبر گرم کہ غالب کے اُڑیں گے پُرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے، پہ تماشا نہوا

ب

٤٩

حاشیۂ ق، قا

پھر ہُوا وقت کہ ہو بال کُشا موجِ شراب
دے بطِ مے کو دل و دستِ شنا، موجِ شراب

پوچھ مت وجہِ سیہ مستیِ اربابِ چمن
سایۂ تاک میں ہوتی ہے، ہوا، موجِ شراب

جو ہوا غرقۂ مے، بختِ رسا رکھتا ہے
سر سے گزرے پہ بھی ہے بالِ ہما، موجِ شراب

١٠ ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے، اگر ق
موجِ ہستی کو کرے، فیضِ ہوا، موجِ شراب

چار موج اُٹھتی ہے، طوفانِ طرب سے ہر سو:
موجِ گل، موجِ شفق، موجِ صبا، موجِ شراب

جس قدر روحِ نباتی ہے جگر تشنۂ ناز
دے ہے تسکیں، بدمِ آبِ بقا، موجِ شراب

بسکہ دوڑے ہے رگِ تاک میں، خوں ہو ہو کر
شہپرِ رنگ سے ہے بال کشا، موجِ شراب

---

٢ الف، قد، مب، سینہ ۔ ٣ الف، مد، وہ دکھ ۔ ب، مد، وہ فتنہ ۔ ٤ الف، ج، خوناب (سہو کاتب) ۔ ٥ الف، قد، قطرہ ۔ ٧، م، عنوان، ردیف الباء الموحدہ ۔ ج، باب الباء ۔ یہ غزل ق کے حاشیے میں مندرج ہے، مگر مرتب ح نے اس کا ذکر نہیں کیا ۔ ٩ الف، قب، کہتا ہے (سہو کاتب) ۔ ب، حاشیۂ ق، تھی یہ ھی بال (سہو کاتب) ۔ ١٠، قا، قطعہ ۔ مد، ق، بجائے قطعہ ۔ ١١ الف، حاشیۂ ق، موج گل اوٹھتی (سہو کاتب) ۔ قا، اوٹھی ۔ قب، م، اوٹھتی ہیں ۔ ١٢ الف، مد، نار (سہو کاتب) ۔

موجۂ گل سے چراغاں ھے، گزر گاہِ خیال ‏ ‏ ھے تصور میں ز بس جلوہ نما، موجِ شراب

نشّے کے پردے میں ھے محوِ تماشاے دماغ ‏ ‏ بسکہ رکھتی ھے سرِ نشو و نما، موجِ شراب

ایک عالم پہ ھیں طوفانیِ کیفیّتِ فصل ‏ ‏ موجۂ سبزۂ نوخیز سے تا موجِ شراب

شرحِ ہنگامۂ ھستی ھے؛ زھے! موسمِ گل ‏ ‏ رھبرِ قطرہ بدریا ھے؛ خوشا! موجِ شراب

ھوش اُڑتے ھیں مرے، جلوۂ گل دیکھ، اسد ‏ ‏ پھر ھوا وقت کہ ھو بال کشا، موجِ شراب ٥

ت

٥٠

ق، حاشیۂ ق، قا

افسوس! کہ دنداں کا کیا رزق فلک نے ‏ ‏ جن لوگوں کی، تھی درخورِ عقدِ گہر، انگشت

کافی ھے نشانی، ترا چھلّے کا ندینا ‏ ‏ خالی مجھے دکھلا کے، بوقتِ سفر، انگشت

لکھتا ھوں، اسد، سوزشِ دل سے سخنِ گرم ‏ ‏ تا رکھ نہ سکے، کوئی مرے حرف پر، انگشت

٥١

ق، حاشیۂ ق، قا

آمدِ خط سے ھوا ھے سرد جو بازارِ دوست ‏ ‏ دودِ شمعِ کشتہ تھا شاید، خطِ رخسارِ دوست[١]

---

١ ب، ق، جلوہ نما ھو جانا (سہو کاتب) - ٢ الف، مد کے علاوہ نشہ — پردہ - ب، م، نشو نما (سہو کاتب) - ٣ الف، ق، عالم میں - مگر مرتب ح نے اسے ظاھر نہیں کیا - گل، قب، قبا، م، ما، ح، ھے - ٤، قب ندارد - الف، ق، قا، گل، شرح کیفیت - مگر مرتب ح نے اسے ظاھر نہیں کیا - ب، ح، ھے تصور میں ز بس جلوہ نما روح شراب (سہو کاتب) - ٦، م، عنوان، ردیف التاء المثناة الفوقانیہ - ج، باب التاء - الف، ج، دیداں (سہو کاتب) - قا، گل میں یہ شعر مقطع سے پہلے ھے - ب، ح، کے تھے (سہو کاتب) - ٧ الف، م، مب، ج، گب ١٨٨، ح، تری - ب، ق، بموقت (سہو کاتب) - م، دیکھلا کے (قدیم رسم خط) - ٩ الف، ق، قا، نیم رنگی جلوہ ھے بزم تجلی زار دوست -

---

١ — اس غزل کے مطلع کا دوسرا مصرع ق کا اور پہلا مصرع اور باقی شعر حاشیۂ ق کے ھیں -

اے دلِ ناعاقبت اندیش، ضبطِ شوق کر
کون لاسکتا ھے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست؟[1]

خانہ ویراں سازیِ حیرت تماشا کیجیے
صورتِ نقشِ قدم، ہوں رَفتۂ رفتارِ دوست

عشق میں بیدادِ رشکِ غیر نے مارا مجھے
کشتۂ دشمن ہوں آخر، گرچہ تھا بیمارِ دوست

چشمِ ماروشن! کہ اُس بیدرد کا دل شاد ھے
دیدۂ پُرخوں ھمارا، ساغرِ سرشارِ دوست

۵ غیر، یوں کرتا ھے میری پرسش اُس کے ھجر میں
بے تکلف دوست ہو، جیسے کوئی، غمخوارِ دوست
ق

تاکہ میں جانوں کہ ھے اس کی رسائی واں تلک
مجھ کو دیتا ھے پیامِ وعدۂ دیدارِ دوست

جب کہ میں کرتا ہوں اپنا شکوۂ ضعفِ دماغ
سر کرے ھے وہ حدیثِ زلفِ عنبربارِ دوست

چُپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ھے اگر
ھنس کے، کرتا ھے بیانِ شوخیِ گفتارِ دوست

مہربانیہاے دشمن کی شکایت کیجیے
یا بیاں کیجے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست؟

۱۰ یہ غزل اپنی، مجھے جی سے پسند آتی ھے آپ
ھے ردیفِ شعر میں، غالب، زبس تکرارِ دوست

---

۳ الف، قب، عشق نے (سہو کاتب)۔ ۵، قا، قطعہ، مد، ق۔ الف، ح، لط، پرسش مجھ سے اوس کے ھجر میں۔ ۶ الف، قب، قبا، اوس کی۔ ۱۰ الف، ح، پسند آئی۔ لط، پسند آئی، اسد۔ قب، اب۔ قبا، آتی ہے اب (ھرسہ سہو کاتب)۔

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: نظّارہ کیا حریف ہو اُس برقِ حسن کا
جوشِ بہار جلوے کو جس کے نِقاب ھے

نظّارے نے بھی کام کیا واں نِقاب کا
مستی سے ھر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

ناکامیِ نگاہ ھے برقِ نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

۵۲

حاشیۂ ق، قا

خ رہا گر کوئی تا قیامت سلامت — پھر اک روز مرنا ہے، حضرت سلامت

• جگر کو مرے، عشقِ خونابہ مشرب — لکھے ہے: «خداوندِ نعمت سلامت!»

• عَلی الرّغمِ دشمن شہیدِ وفا ہوں — مبارک! مبارک! سلامت! سلامت!

نہیں گر سر و برگِ ادراکِ معنی — تماشائے نیرنگِ صورت سلامت!

۵۳

قب

خ مندگئیں، کھولتے ہی کھولتے، آنکھیں، غالب — یار لائے مری بالیں پہ اُسے، پر کس وقت![1] ۵

ج

۵۴

ق، حاشیۂ ق، قا

گلشن میں بندوبست برنگِ دگر ہے آج — قمری کا طوق، حلقۂ بیرونِ در ہے آج

گ آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغاں کے ساتھ — ۵ تارِ نفَس، کمندِ شکارِ اثر ہے آج

گ اے عافیت، کنارہ کر، اے انتظام، چل — سیلابِ گریہ، درپئے دیوار و در ہے آج

---

۱ ب، قب، پر اک ـ قا، مرتا ہے (سہو کاتب) ـ ۲ الف، م، خونبابہ ـ مد، خونبانہ ـ ع، ح، خونسابہ (ہر سہ سہو کاتب) ـ ۴ الف، ق، قا، سودائے معنی ـ ۵ ب، ما، بالیں پر ـ ۶ م، عنوان، ردیف الجیم المعجمۃ التازیہ ـ ع، باب الجیم ـ الف، ق، قا، بضبط ـ ۸ الف، ح، لط، اے انتظار (سہو کاتب) ـ ب، ق، قا، دشمن دیوار ـ قب، دیدار در (سہو کاتب) ـ قب میں یہ شعر اگلی بیت کے بعد ہے ـ

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: مندگئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں، ہے ہے!
خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس

۵۵
قب

لو، ہم مریضِ عشق کے بیمار دار ہیں — اچھا اگر نہ ہو، تو مسیحا کا کیا علاج خ

ح

۵۶
قا، ق

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ — اگر شراب نہیں، انتظارِ ساغر کھینچ[۱]
کمالِ گرمیِ سعیِ تلاشِ دید نپوچھ — برنگِ خار، مرے آئنے سے جوہر کھینچ
تجھے بہانۂ راحت ہے انتظار، اے دل — کیا ہے کس نے اشارہ کہ نازِ بستر کھینچ؟
[۵] تری طرف ہے بحسرت. نظارۂ نرگس — بکوریِ دل و چشمِ رقیب، ساغر کھینچ
بہ نیم غمزہ، ادا کر حقِ ودیعتِ ناز — نیامِ پردۂ زخمِ جگر سے خنجر کھینچ
مرے قدح میں ہے صہبائے آتشِ پنہاں — بروئے سُفرہ، کبابِ دلِ سمندر کھینچ

---

۱ الف، مد، تو ہم (سہو کاتب) - ۲، م، عنوان، جیم الفارسی - ج، بابِ جیم فارسی - الف، م «نہ» ندارد - صحت نامۂ م، بانجمن (ہر دو سہو کاتب) - ۳ الف، ق، تلاش جلوہ - ب، قب، قد، مب، آئینہ - ج، آینہ - ۴ ب، قب، م، ما، قج، قد، مب، ج، مد، اشارا - قبا، م، تار بستر (سہو کاتب) - ۵، ح میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے - غالباً ق کی ترتیب اشعار بھی یہی تھی -

---

۱ — یہ غزل قا میں موجود تھی، مگر متعلقہ ورق گم ہوجانے کے باعث سوائے لفظ «نفس» کے جو رکاب ہے، اور کچھ باقی نہیں رہا۔

د

۵۷

ق، قا

گخ حسن، غمزے کی کشاکش سے چُھٹا میرے بعد — بارے، آرام سے ہیں اہلِ جفا، میرے بعد

گ منصبِ شیفتگی کے، کوئی، قابل نہ رہا — ہوئی معزولیِ انداز و ادا، میرے بعد

گ شمع بُجھتی ہے، تو اُس میں سے دھواں اُٹھتا ہے — شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا، میرے بعد

خ خوں ہے دل خاک میں احوالِ بتاں پر، یعنی — ان کے ناخن ہوئے محتاجِ حنا، میرے بعد

درخورِ عرض نہیں، جوہرِ بیداد کو، جا — نگہِ ناز ہے سرمے سے خفا، میرے بعد ۵

ہے جنوں، اہلِ جنوں کے لیے، آغوشِ وداع — چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا، میرے بعد

خ کون ہوتا ہے حریفِ مےِ مردافگنِ عشق؟ — ہے مُکرر لبِ ساقی میں صَلا، میرے بعد[1]

غم سے مرتا ہوں، کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی — کہ کرے تعزیتِ مہر و وفا میرے بعد

گ آئے ہے بیکسیِ عشق پہ رونا، غالب — کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد؟

---

۱ م، عنوان، ردیف الدال مہملہ ـ ج، باب الدال ـ ب، ج، ھارے (سہو کاتب) ـ ۳ الف، قب، بجتی ـ اس ـ قا، قد، دھنواں ـ ۴، م ندارد ـ ب، ح، اون ـ قب، اون کے ناحق (سہو کاتب) ـ ۷ ب، ح، لط، پہ صلا (سہو کاتب) ـ ۸ ب، قب، کرکرے (سہو کاتب) ـ ۹ الف، قب، قج، آئے ـ قد کے کاتب نے بھی اسیطرح لکھا تھا ـ غالب نے اس کا ھمزہ اور شوشہ چھیل دیا ہے ـ ب، ق، قا، گل، فنا ـ

---

۱ ــ خواجہ حالی مرحوم نے یادگارِ غالب (ص ۱۳۱) میں لکھا ہے کہ اس شعر کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جب سے میں مرگیا ہوں، مےِ مردافگنِ عشق کا ساقی یعنی معشوق بار بار صَلا دیتا ہے، یعنی لوگوں کو شرابِ عشق کی طرف بلاتا ہے ـ مطلب یہ کہ میرے بعد شرابِ عشق کا کوئی خریدار نہیں رہا، اس لیے اُس کو بار بار صَلا دینے کی ضرورت ہوتی ہے ـ مگر زیادہ غور کرنے کے بعد جیسا کہ میرزا خود بیان کیا کرتے تھے (باقی)

ر

۵۸

ق، قا

بلا سے، ہیں جو بہ پیشِ نظر در و دیوار
نگاہِ شوق کو ہیں بال و پر، در و دیوار

وُفورِ اشك نے کاشانے کا کیا یہ رنگ
کہ ہوگئے مرے دیوار و در، در و دیوار

نہیں ہے سایہ، کہ سُن کر نویدِ مَقدمِ یار
گئے ہیں چند قدم پیشتر، در و دیوار

ہوئی ہے کس قدر ارزانیِ مَے جلوہ!
کہ مست ہے ترے کوچے میں، ہر در و دیوار

٥ جو ہے تجھے سرِ سودائے انتظار، تو آ
کہ ہیں دُکانِ متاعِ نظر، در و دیوار

ہجومِ گریہ کا سامان کب کیا میں نے
کہ گر پڑے نہ مرے پانو پر، در و دیوار

وہ آرہا مرے ہمسایہ میں، تو سائے سے
ہوئے فدا در و دیوار پر، در و دیوار

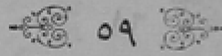
۱، م، عنوان، ردیف الراء المہملہ ع، باب الراء ۔ الف، قب، م، ح، لط، جو بہ ۔ مد، یہ جو ۔ ۲ الف، ق، قا. جنون اشك ۔ قب، م، قد، مب، مج. کاشانہ ۔ ۴ الف، ق، قا. کیا ہے تو نے مے جلوہ کس قدر ارزاں ب، قب، قد، مب، کوچہ ۔ ۵ الف، قبا، م، مجھسے (سہوِ کاتب) ۔ ۶ الف، مد، ہم سائے ۔ ب، گب، فدا ہوئے ۔

(بقیہ) اس میں ایك نہایت لطیف معنی پیدا ہوتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ پہلا مصرع ہی ساقی کی صَلا کے الفاظ ہیں۔ اور اس مصرع کو وہ مکرر پڑھ رہا ہے۔ ایك دفعہ بلانے کے لہجے میں پڑھتا ہے: «کون ہوتا ہے حریفِ مے٘ مردافگنِ عشق؟»، یعنی کوئی ہے جو مے٘ مردافگنِ عشق کا حریف ہو؟ پھر جب اس آواز پر کوئی نہیں آتا، تو اسی مصرع کو مایوسی کے لہجے میں مکرر پڑھتا ہے: «کون ہوتا ہے حریفِ مے٘ مردافگنِ عشق»، یعنی کوئی نہیں ہوتا۔ اس میں لہجے اور طرزِ ادا کو بہت دخل ہے۔ کسی کو بلانے کا لہجہ اور ہے، اور مایوسی سے چپکے کہنے کا اور انداز ہے۔ جب اس طرح مصرعِ مذکور کی تکرار کروگے، فوراً یہ معنی ذہن نشین ہوجائیں گے۔

خ نظر میں کھٹکے ہے، بِن تیرے، گھر کی آبادی — ہمیشہ روتے ہیں ہم، دیکھ کر در و دیوار

نہ پوچھ بیخودیِ عیشِ مقدمِ سیلاب — کہ ناچتے ہیں پڑے سر بسر، در و دیوار

نہ کہہ کسی سے کہ، غالب، نہیں زمانے میں — حریفِ رازِ محبت، مگر در و دیوار



۵۹

ق، قا

لرزتا ہے مرا دل، زحمتِ مہرِ درخشاں پر — میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خارِ بیاباں پر

گخ نچھوڑی حضرتِ یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی — سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر ۵

فنا تعلیمِ درسِ بیخودی ہوں اُس زمانے سے — کہ مجنوں «لام الف» لکھتا تھا دیوارِ دبستاں پر

خ فراغت کس قدر رہتی مجھے، تشویشِ مرہم سے! — بہم گر صلح کرتے پارہ ہائے دل نمکداں پر

نہیں اِقلیمِ الفت میں کوئی طُومارِ ناز ایسا — کہ پُشتِ چشم سے جس کے نہووے مُہر، عنواں پر

گخ مجھے اب، دیکھ کر ابرِ شفق آلودہ، یاد آیا — کہ فرقت میں تری، آتش برستی تھی گلستاں پر

بجز پروازِ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہوگا! — قیامت اک، ہوائے تُند، ہے خاکِ شہیداں پر[1] ۱۰

گخ نہ لڑ ناصح سے، غالب، کیا ہوا اگر اُس نے شدت کی؟ — ہمارا بھی تو، آخر، زور چلتا ہے گریباں پر

۱، ق، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔ لط میں سہواً لکھ دیا ہے کہ وقت انتخاب اس شعر کو حذف کر دیا گیا۔
۲ الف، ق، قا، قب، قبا، م، ما، قج، مب، کسو۔ قد میں بھی یونہی لکھا گیا تھا۔ غالب نے چھیل کر اصلاح کر دی ہے۔ قب، قد، مب، مج، زمانہ۔ ۵ الف، ق، قا، گل، نہیں بند زلیخا بے تکلف ماہ کنعاں پر قب، نے لیے یہاں خود آرائی (سہو کاتب)۔ ب، گل، پھیری ہے۔ ۶ الف، قب، قد، مب، زمانہ۔ ب، قب، دیواں (سہو کاتب)۔ ۷ ب، قب، م، مج، پارہای۔ ۹ الف، م، آب۔ مج، اپ (ہر دو سہو کاتب)۔ ب، گل، قب، برستی ہے۔ م، برتی۔ ما، پرستی (ہر دو سہو کاتب)۔ ۱۰ الف، قب، پرواز ناز شوق باقی۔ م، نار (سہو کاتب)۔ ۱۱ الف، ق، قا، گل، اسد، اے بے تحمل، عربدہ بیجا ہے ناصح سے (مگر گل میں سہواً «لے بے» ہے)۔ ب، ق، قا، گل، کہ آخر یکسوں کا۔

---

۱ — میرزا صاحب نے اس خیال کو فارسی میں یوں نظم کیا ہے (کلیاتِ فارسی: ۳۶۷):

کفِ خاکیم، از ما برنخیزد جز غبار آنجا — فزون از صرصری نبود، قیامت، خاکساران را

٦٠

ق، حاشیۂ ق، قا

صفائے حیرتِ آئینہ، ہے سامانِ زنگ آخر ۔۔۔ تغیّر آبِ برجا ماندہ کا، پاتا ہے رنگ آخر[1]

نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی ۔۔۔ ہوا جامِ زُمُرّد بھی، مجھے، داغِ پلنگ آخر[2]

٦١

ق، قا

ستمکش مَصلحت سے ہوں، کہ خوباں تجھ پہ عاشق ہیں ۔۔۔ تکلّف بر طرف، مل جائے گا تجھ سا رقیب آخر

٦٢

ق، حاشیۂ ق، قا

جنوں کی دستگیری کس سے ہو، گر ہو نہ عریانی؟ ۔۔۔ گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر[4]

برنگِ کاغذِ آتش‌زدہ، نیرنگِ بیتابی ۔۔۔ ہزار آئینہ دل باندھے ہے بالِ یک تپیدن پر[5]

فلک سے ہم کو عیشِ رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے! ۔۔۔ متاعِ بُردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر[6]

ہم اور وہ بے سبب رنج، آشنا دشمن کہ رکھتا ہے ۔۔۔ شُعاعِ مہر سے، تہمت نگہ کی، چشمِ روزن پر[7]

فنا کو سونپ، گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا ۔۔۔ فُروغِ طالعِ خاشاک، ہے موقوف گُلخن پر[8]

اسد بسمل ہے کس انداز کا؟ قاتل سے کہتا تھا ۔۔۔ کہ «مشقِ ناز کر، خونِ دو عالم میری گردن پر»[9]

---

۱ الف، قب، رنگ (سہو کاتب) - ۳ الف، قب، ستم کش (سہو کاتب) - قبا، م، تجھ پر - گب ۱۸۸، مائل ہیں - ب، گب، تجھے (سہو کاتب) - ۴، ۶، ۸، کو ح میں یہ نہیں بتایا کہ یہ حاشیۂ ق کے شعر ہیں - ۵ ب، ح، لط، باندھا ہے - قب «ہے» ندارد (ہر دو سہو کاتب) - قبا، م، شنیدن (سہو کاتب) - ٦ ب، گل، فلک کو ہم سے (سہو کاتب) - ق بخط غالب، تقضا (سہو کتابت) - ۷ الف، ق، قا، ح، لط، میں اور وہ - لط، دشمن کو - ۸ الف، ما، قد، مب، ج، سونپ کر (سہو کاتب) - ۹ الف، ق، قا، قبا، قبد، مب، ج، ح، لط، کہتا ہے - حاشیۂ لط میں لکھا ہے کہ حاشیے پر «ہے» کی جگہ «تھا» لکھا ہے - لیکن واقعہ یہ ہے کہ ق کے متن میں «تھا» اور حاشیے میں «ہے» تحریر ہے - ب، ق پہلے، خون تمنا - بقول لط، عمل اصلاح حاشیہ ہے - مب، کردن (سہو کاتب) -

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن، زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

٦٣

قب

خ کیوں جل گیا نہ، تابِ رخِ یار دیکھ کر؟ — جلتا ہوں، اپنی طاقتِ دیدار دیکھ کر[1]

آتش پرست کہتے ہیں اہلِ جہاں مجھے — سر گرمِ نالہ ہاے شرر بار دیکھ کر

خ کیا آبروے عشق، جہاں عام ہو جفا؟ — رُکتا ہوں، تم کو بے سبب آزار دیکھ کر

آتا ہے میرے قتل کو، پر جوشِ رشک سے — مرتا ہوں، اُس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر

ثابت ہوا ہے گردنِ مینا پہ خونِ خلق — لرزے ہے موجِ مَے، تری رفتار دیکھ کر ٥

وا حسرتا! کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ — ہم کو حریصِ لذّتِ آزار دیکھ کر[2]

خ بِک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ — لیکن عیارِ طبعِ خریدار دیکھ کر

زُنّار باندھ، سُبحۂ صد دانہ توڑ ڈال — رَہ رَو چلے ہے، راہ کو ہموار دیکھ کر

ان آبلوں سے پانو کے گھبرا گیا تھا میں — جی خوش ہوا ہے، راہ کو پُرخار دیکھ کر

کیا بدگماں ہے مجھ سے! کہ آئینے میں مرے — طوطی کا عکس سمجھے ہے، زنگار دیکھ کر[3] ١٠

---

٢ ب، مج، نالہاے۔ ٤ الف، قب، پھر (سہو کاتب)۔ ٧ الف، م، ہم اب (سہو کاتب)۔ ١٠ الف، مد کے علاوہ آئینہ۔

١ — نیز ملاحظہ ہو   دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجاے ہے
میں اُسے دیکھوں، بھلا کب مجھ سے دیکھا جاے ہے

دیوانِ شیفتہ (ورق ١٨ ب) میں، جو ١٢٤٧ھ (٣٢-١٨٣١ع) کا نوشتہ ہے، اس طرح کی غزل موجود ہے۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ غزل ١٨٣١ع سے قبل لکھی گئی تھی۔

٢ — نیز ملاحظہ ہو: اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم، اللہ! اللہ!
اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہوجانا!

٣ — نیز ملاحظہ ہو: بدگماں ہوتا ہے وہ کافر، نہوتا کاشکے!
اس قدر ذوقِ نواے مرغِ بستانی مجھے

گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلّی، نہ طور پر — دیتے ہیں بادہ، ظرفِ قدح خوار دیکھ کر خ

سر پھوڑنا وہ، غالبِ شوریدہ حال کا — یاد آگیا مجھے، تری دیوار دیکھ کر[1] '

٦٤

آخر ما

گھر جب بنالیا ترے در پر، کہے بغیر — جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر؟ خ

کہتے ہیں، جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن — جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر، کہے بغیر؟

٥ کام اُس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہان میں — لیوے نہ کوئی نام، ستمگر کہے بغیر خ

جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے، وگرنہ ہم — سر جائے یا رہے، نہ رہیں پر کہے بغیر

چھوڑوں گا میں نہ اُس بتِ کافر کا پوجنا — چھوڑے نہ خلق، گو، مجھے کافر کہے بغیر خ

مقصد ہے ناز و غمزہ، ولے گفتگو میں کام — چلتا نہیں ہے، دشنہ و خنجر کہے بغیر '

ھر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو — بنتی نہیں ہے، بادہ و ساغر کہے بغیر '

١٠ بہرا ہوں میں، تو چاہیے دونا ہو التفات — سُنتا نہیں ہوں بات، مکرّر کہے بغیر '

غالب، نکر حضور میں تو بار بار عرض — ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر، کہے بغیر

٦٥

قج

ہے بسکہ ہر اک اُن کے اشارے میں، نشاں اور — کرتے ہیں محبّت، تو گزرتا ہے گماں اور[2] خ

یارب، وہ نہ سمجھے ہیں، نہ سمجھیں گے مری بات — دے اور دل اُن کو، جو نہ دے مجھ کو زباں اور

---

١ الف، مد، گرتی (سہو کاتب) - ٤ ب، آخر ما، مب، کسو کے - ٦ الف، قد میں وھی، کو قصداً بکسرۂ ہ، لکھا ہے - ب، مد، رھی (سہو کاتب) - ٩ الف، آخر ما، ھر چند ہے (سہو کاتب) - ١١ ب، آخر ما، حال تو - ١٢ ب، مد، کماں (سہو کاتب) -

---

١ — نیز ملاحظہ ہو: مرگیا پھوڑ کے سر غالبِ وحشی، ہے ہے!
بیٹھنا اُس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

٢ — میرزا صاحب نے اس غزل کے سات شعر (١١،٩،٥،٣ کو چھوڑ کر) دو فارسی (باقی)

ابرو سے ہے کیا، اس نگہِ ناز کو، پیوند؟ ہے تیر مُقرّر، مگر اس کی ہے کماں اور

ح تم شہر میں ہو، تو ہمیں کیا غم؟ جب اُٹھیں گے لے آئیں گے بازار سے، جاکر، دل و جاں اور

ہر چند سبکدست ہوئے بُت شکنی میں ہم ہیں، تو ابھی راہ میں ہے سنگِ گراں اور

خ ہے خونِ جگر جوش میں، دل کھول کے روتا ہوتے جو کئی دیدۂ خونابہ فشاں اور[۱]

[۴] مرتا ہوں اس آواز پہ، ہرچند سر اُڑ جائے جلّاد کو، لیکن، وہ کہے جائیں کہ «ہاں، اور» [۵]

لوگوں کو ہے خُرشیدِ جہاں تاب کا دھوکا ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغِ نہاں اور

لیتا، نہ اگر دل تمھیں دیتا، کوئی دم چین کرتا، جو نہ مرتا، کوئی دن آہ و فغاں اور[۲]

۱ الف، مد، گیا اوس (سہو کاتب) - ب، خطوط، اوس کی - ۴ ب، مد، اردوے معلی، خونسابہ (سہو کاتب) - ۵ الف، ود میں کاتب نے «آزار» لکھ دیا تھا۔ غالب نے اسے اپنے قلم سے «آواز» بنایا ہے -

(بقیہ) غزلوں اور ایک اردو غزل (اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیے، ٦ شعر) کے ساتھ نواب علائی کو اپنے حافظے کی تحویل سے نکال کر جون ١٨٦١ع میں بھیجے تھے (اردوے معلی: ٤٠١، خطوط: ١: ٣٢٨) -

١ — نیز ملاحظہ ہو - نہ کہہ کہ گریہ بمقدارِ حسرتِ دل ہے
مری نگاہ میں ہے جمع و خرج دریا کا

٢ — میرزا صاحب نے قاضی عبدالجمیل جنونؔ بریلوی کو ایک خط میں لکھا ہے کہ "یہ بہت لطیف تقریر ہے - «لیتا» کو ربط ہے «چین» سے - «کرتا» مربوط ہے «آہ و فغاں» سے - عربی میں تعقیدِ لفظی و معنوی دونوں معیوب ہیں - فارسی میں تعقیدِ معنوی عیب اور تعقیدِ لفظی جائز ہے، بلکہ فصیح اور ملیح - ریختہ تقلید ہے فارسی کی - حاصلِ معنیِ مصرعین یہ کہ اگر دل تمھیں ندیتا، تو کوئی دم چین لیتا - اگر نہ مرتا، تو کوئی دن اور آہ و فغاں کرتا - » (خطوط: ١: ١٢٦) -

یہ پوری غزل (اس ایک شعر کو چھوڑ کر) میرزا صاحب نے مرزا حاتم علی مہرؔ کو بھی ارسال کی تھی (اردوے معلی: ٢٦٦، عود: ١١٢، خطوط: ١: ٣١١) - مگر ان کتابوں میں ترتیبِ اشعار دیوان سے مختلف ہے -

پاتے نہیں جب راہ، تو چڑھ جاتے ہیں نالے ‏ ‏ ‏ ‏ رُکتی ھے مری طبع، تو ھوتی ھے رواں اور خ
ھیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچّھے ‏ ‏ ‏ ‏ کہتے ھیں کہ «غالب کا ھے اندازِ بیاں اور»

٦٦

قج

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور ‏ ‏ ‏ ‏ تنہا گئے کیوں؟ اب رھو تنہا کوئی دن اور[١]
مٹ جائے گا سر، گر ترا پتّھر نہ گِھسے گا ‏ ‏ ‏ ‏ ھوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور خ
٥ آئے ھو کل، اور آج ھی کہتے ھو کہ «جاؤں؟» ‏ ‏ ‏ ‏ مانا کہ ھمیشہ نہیں، اچّھا کوئی دن اور
جاتے ھوئے کہتے ھو: «قیامت کو ملیں گے» ‏ ‏ ‏ ‏ کیا خوب! قیامت کا ھے گویا کوئی دن اور خ
ھاں، اے فلکِ پیر، جواں تھا ابھی عارف ‏ ‏ ‏ ‏ کیا تیرا بگڑتا، جو نہ مرتا کوئی دن اور؟
تم ماہِ شبِ چاردھم تھے، مرے گھر کے ‏ ‏ ‏ ‏ پھر کیوں نہ رھا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور؟
تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے؟ ‏ ‏ ‏ ‏ کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور
١٠ مجھ سے تمھیں نفرت سہی، نیّر سے لڑائی ‏ ‏ ‏ ‏ بچّوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور؟
گزری نہ، بہر حال، یہ مدّت خوش و ناخوش ‏ ‏ ‏ ‏ کرنا تھا، جواں مرگ، گزارا کوئی دن اور
ناداں ھو، جو کہتے ھو کہ «کیوں جیتے ھیں غالب؟» ‏ ‏ ‏ ‏ قسمت میں ھے مرنے کی تمنا کوئی دن اور خ

---

١ الف، عرد، پاتے ھیں — جڑھ (سہو کاتب) - ب، عود، رکھتی (سہو کاتب) - ٥ ب، یادگار، مانا کہ نہیں آج سے اچھا کوئی دن اور ٧ ب، ج، بکڑتا (سہو کاتب) - ١١ ب، ج، کرتا تھا (سہو کاتب) - ١٢ الف، مد، کہ کہتے ھو - یادگار، جیتے ھو -

---

١ — یہ غزل میرزا زین العابدین خاں عارف کا مرثیہ ھے - اُنھوں نے جمادی الثانیہ ١٢٦٤ھ (اپریل ١٨٥٢ع) میں سِل کے مرض سے انتقال کیا تھا (تاریخِ لطیف: ٩٦ الف، ذکرِ غالب ١٠٨، طبعِ دوم) - اس لیے اس غزل کو تاریخِ مذکور کے متّصل بعد کا ھونا چاھیے -

ز

۶۷

ق، حاشیۂ ق، قا

گ ہے، داغِ عشق، زینتِ جَیبِ کفن ہنوز[1] ٭ فارغ مجھے نجان، کہ مانندِ صبح و مہر
گ ہے نازِ مفلساں زرِ از دست رفتہ پر ٭ ہوں گلفروشِ شوخیِ داغِ کہن ہنوز
میخانۂ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں ٭ خمیازہ کھینچے ہے بتِ بےدادِ فن ہنوز

۶۸

ق، حاشیۂ ق، قا

حریفِ مطلبِ مشکل نہیں، فسونِ نیاز ٭ دعا قبول ہو، یارب، کہ «عمرِ خضر دراز!»
نہو، بہ ہرزہ، بیاباں نوردِ وہمِ وُجود ٭ ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فراز ۵
وصال جلوہ تماشا ہے، پر دماغ کہاں؟ ٭ کہ دیجے آئنۂ انتظار کو پرداز
ہر ایک ذرۂ عاشق ہے آفتاب پرست ٭ گئی نہ، خاک ہوئے پر، ہوائے جلوۂ ناز
نپوچھ وسعتِ میخانۂ جنوں، غالب ٭ جہاں یہ کاسۂ گردوں ہے ایک خاک انداز

۶۹

ق، قا، قب

گخ نہ گُلِ نغمہ ہوں، نہ پردۂ ساز ٭ میں ہوں اپنی شکست کی آواز[1]

۱، م، عنوان، ردیف الزاء المعجمہ - نیز یہ اشعار ایک دو غزلے سے چنے گئے ہیں، جن میں کا دوسرا پہلی غزل کا اور باقی دوسری کے ہیں - الف، ق، قا، گل، کہ جوں صبح و آفتاب - قب، صبح مہر - ب، قبد، ما، قج، ح، لط، جیب و کفن (سہو کاتب) - مب میں بھی واو چھپا تھا، مگر غالب نے صحت نامے میں اس کی تصحیح کردی ہے - ۶ الف، ما، وصال جلوہ تماشا (بکسرۂ لام) - لط، پھر دماغ (سہو کاتب) - ۷ الف، ق، زرہ (سہو کاتب) - ۹ ب، گل، ہوں میں -

۱ — میرزا صاحب نے اس بات کو فارسی میں یوں لکھا ہے (کلیاتِ فارسی: ۳۶۰):
دیگر زِ سازِ بیخودیِ ما صدا مجو ٭ آوازے از گُسستنِ تارِ خودیم ما

تو اور آرایشِ خمِ کاکُل | میں اور اندیشہ ہاے دور دراز[۱]
لافِ تمکیں، فریبِ سادہ دلی | ہم ہیں اور رازہاے سینہ گداز[۲]
ہوں گرفتارِ الفتِ صیّاد | ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز
وہ بھی دن ہو! کہ اُس ستمگر سے | ناز کھینچوں، بجاے حسرتِ ناز
نہیں دل میں مرے وہ قطرۂ خوں | جس سے مِژگاں ہوئی نہ ہو گلباز ۵
اے ترا غمزہ، یک قلم انگیز! | اے ترا ظلم، سر بسر انداز!
تو ہوا جلوہ گر، مبارک ہو | ریزشِ سجدۂ جبینِ نیاز!
مجھ کو پوچھا، تو کچھ غضب نہ ہوا | میں غریب اور تو غریب نواز
اسد اللہ خاں تمام ہوا ۵ | اے دریغا! وہ رندِ شاہد باز

۷۰
ق، قا

۱۰ وسعتِ سعیِ کرم دیکھ. کہ سر تا سرِ خاک | گزرے ہے آبلہ پا، ابرِ گہر بار ہنوز
یک قلم کاغذِ آتشزدہ ہے، صَفحۂ دشت | نقشِ پا میں ہے تبِ گرمیِ رفتار ہنوز

۷۱
ج

کیونکر اُس بت سے رکھوں جان عزیز؟ | کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز؟ [۲]

---

۱ الف، قا، خم گیسو - ب، لط، میں و (سہو کاتب) - ج، مد، ح، لط، اندیشہاے - گل، قب، ح، لط، دور و دراز - ۲ ب، قبا، م، آواز ہاے (سہو کاتب) - ۴، ۵ کو ح میں سہواً غیر مطبوعہ ظاہر کیا ہے - ۶ الف، ق پہلے، ترا جلوہ - لط میں سہواً متن کے اندر «جلوہ» اور حاشیے میں «غمزہ» لکھ دیا ہے - قد، انکیز (سہو کاتب) - ۷ الف، ما، نو ہوا (سہو کاتب) - م، مبازک (سہو کاتب) - ب، ق، قا، ریزش سجدہ ہاے اہل - ح میں ق کی اس قرات کا ذکر نہیں کیا گیا - ۸ الف، ق پہلے، یا علی، یک نگاہ سوے اسد، اس کے بعد پھر اسے بنایا، نگہ التفات سوے اسد، اور قا میں یہی الفاظ باقی رکھے - بعد ازاں موجودہ مقطع لکھا، تو سابق مقطع کا پہلا مصرع تبدیل کردیا - ۹ الف، قد، اب تو غالب ہی لے تمام ہوا - ۱۱ الف، مد، اک قلم - ب، قب، م، ما، مب، ج، مد، ح، لط، تپ -

خ دل سے نکلا، پہ نہ نکلا دل سے — ہے ترے تیر کا پیکان عزیز
تاب لائے ہی بنے گی، غالبؔ — واقعہ سخت ہے اور جان عزیز[1]

س

۷۲

حاشیۂ ق، قا

مژدہ، اے ذوقِ اسیری! کہ نظر آتا ہے — دامِ خالی، قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس[2]
جگرِ تشنۂ آزار، تسلّی نہوا — جوئے خوں ہم نے بہائی بُنِ ہر خار کے پاس

۲، م، عنوان، ردیف السین المہملہ - ج، باب سین مہملہ - ۳ الف، ما، آزار تسلی (بکسرۂ اضافت، سہو کاتب) - ب، م، ہم نیں (قدیم رسم خط) -

۱ — میرزا صاحب نے تقریباً ۱۸۵۸ء میں علائی کو لکھا ہے: «بھائیوں سے پھر نہیں ملا - بازار میں نکلتے ہوئے ڈر لگتا ہے - جواہرِ خبردار، میرا سلام آخوین کو اور اُن کا سلام مجھ کو پہنچا دیتا ہے - اسی کو غنیمت جانتا ہوں - تاب لائے ہی بنے گی الخ (اردوئے معلی: ۲۹۳، و خطوط ۱: ۳۶۸):

نیز ایک خط مورخۂ ۸ جنوری ۱۸۶۶ع میں تفتہ کو لکھا ہے: «کیوں ترکِ لباس کرتے ہو؟ پہننے کو تمہارے پاس ہے کیا جس کو اُتار پھینکو گے؟ ترکِ لباس سے قیدِ ہستی مٹ نہ جائے گی - بغیر کھائے پیے گزارا نہوگا - سختی و سُستی، رنج و آرام کو ہموار کردو - جس طرح ہو، اسی صورت سے بہر صورت گزرنے دو -
تاب لائے ہی بنے گی، غالبؔ — واقعہ سخت ہے اور جان عزیز»
(اردوئے معلی ۱۰۸، و خطوط ۱: ۱۱۳):

۲ — نواب الٰہی بخش خاں معروف دھلوی متوفی ۱۲۴۲ھ (۱۸۲۶ع) کے دیوان میں، جو میری دانست میں ۱۸۲۰ع کے لگ بھگ مرتب ہوا تھا، اس زمین کی غزل ملتی ہے (دیوانِ مطبوعہ: ۵۸) - نیز گلِ رعنا میں بھی اس کے ۵ شعر منتخب ہوئے ہیں -

مُندگئیں، کھولتے ہی کھولتے، آنکھیں، ہے ہے! — خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس[1] گخ

میں بھی رُک رُک کے نمرتا، جو زباں کے بدلے — دَشنہ اک تیز سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس گ

دہنِ شیر میں جا بیٹھیے، لیکن، اے دل — نہ کھڑے ہو جیے خوبانِ دل آزار کے پاس •

دیکھ کر تجھ کو، چمن بسکہ نُمو کرتا ہے — خودبخود پہنچے ہے گل، گوشۂ دستار کے پاس[2] گخ

٥ مرگیا، پھوڑ کے سر، غالبِ وحشی، ہے ہے! — بیٹھنا اُس کا وہ، آ کر، تری دیوار کے پاس[3] •

ش

۷۳

ق. قا

نہ لیوے گر، خسِ جوہر، طراوت سبزۂ خط سے — لگاوے خانۂ آئینہ میں، روے نگار، آتش گ

فُروغِ حسن سے ہوتی ہے حلّ ِ مُشکلِ عاشق — نہ نکلے شمع کے پاسے، نکالے گر نہ خار آتش •

---

۱ الف، گل، مندہ ـ قا، گل، آنکھیں ایک بار ـ ۲ الف، قب، ہی ـ مرتا تو (سہو کاتب) ـ ب، قب، دسنہ ـ تیر سا، ترے غمخوار (ہر دو سہو کاتب) ـ م، تیر سا (سہو کاتب) ـ ۳، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے ـ ۴ الف، مد، بجکو (سہو کاتب) ـ ب، ق، نمو (بتشدید واو) ـ ٥ الف، قب، مار کے سر ـ ب، مد، اگر (سہو کاتب) ـ ٦، م، عنوان، ردیف الشین المعجمہ ـ ج، باب شین معجمہ ـ الف، مد «نہ» ندارد (سہو کاتب) ـ ب، م، مد، اگادے ـ ۷، اس شعر کو ح میں سہواً غیر مطبوعہ ظاہر کیا ہے ـ الف، قب، حل ہر مشکل ـ ب، ق، نکالے ہے ز پاے شمع برجا ماندہ خار آتش موجودہ مصرع حاشیۂ ق کا ہے ـ

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: مُندگئیں کھولتے ہی آنکھیں، غالب
یار لائے مری بالیں پہ اُسے، پر کس وقت؟

۲ — میرزا صاحب نے اس مضمون کو فارسی میں یوں لکھا ہے (کلیاتِ فارسی: ۳۵٦):
گر بیائی مست ناگہ از درِ گلزارِ ما — گل، زِ بالیدن، رسد تا گوشۂ دستارِ ما

۳ — نیز ملاحظہ ہو: سر پھوڑنا وہ غالبِ شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے، تری دیوار دیکھ کر

ع

۷۴

ق، قا

جادهٔ رہ خُور کو وقتِ شام ہے، تارِ شُعاع
چرخ وا کرتا ہے، ماہِ نو سے، آغوشِ وَداع

۷۵

ق، قا

رخِ نگار سے ہے سوزِ جاودانیِ شمع
ہوئی ہے، آتشِ گل، آبِ زندگانیِ شمع

زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگ، خاموشی
یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانیِ شمع

کرے ہے، صِرف بایماے شعلہ، قصہ تمام
بطرزِ اہلِ فنا ہے، فسانہ خوانیِ شمع

غم اس کو حسرتِ پروانہ کا ہے، اے شعلے
ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانیِ شمع ۵

ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے
بجلوہ ریزیِ باد، و بہ پرفشانیِ شمع

نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نپوچھ
شگفتگی، ہے شہیدِ گُلِ خزانیِ شمع

جلے ہے، دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو
نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانیِ شمع

ف

۷۶

ق، حاشیهٔ ق

بیمِ رقیب سے نہیں کرتے وَداعِ ہوش
مجبور یاں تلک ہوئے، اے اختیار، حیف!

۱، م، عنوان، ردیف العین المهمله - ج، باب عین مهمله - الف، قبا، سوز کو (سہو کاتب) - ۲، قد میں مطلع کے دونوں مصرعوں کی درمیانی خالی جگہ میں شنجرف سے "م" لکھا ہے، جس کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ غزل ہذا مسلسل ہے - ۳ الف، ج، مرگِ خاموشی (بکسرهٔ اضافت - سہو کاتب) - ۵ الف، قب، اوس کی (سہو کاتب) - ما، مد، پروانے - ح، پرواز کا (ہر دو سہو کاتب) - ۶ الف، قب، ما، مب لط، اهتزاز - قد، اهتزار (ہر دو سہو کاتب) - ۷ ب، م، خرابی شمع (سہو کاتب) - ۸ الف، قب، دیکھ کہ (سہو کاتب) - ب، ق، قا، م، اسد ہے دل پہ - ۹، م، عنوان، ردیف الفاء - ج، باب الفاء -

اے ناتمامیِ نفسِ شعلہ بار، حیف! جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اکبار جل گئے [۱] گ

ك

۷۷

ق، حاشیۂ ق، قا

زخم پر چھڑکیں کہاں، طفلانِ بے پروا، نمک — کیا مزہ ہوتا، اگر پتّھر میں بھی ہوتا نمک! [۱] خ

گردِ راہِ یار، ہے سامانِ نازِ زخمِ دل — ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نمک!

مجھ کو ارزانی رہے! تجھ کو مبارک ہوجیو! — نالۂ بلبل کا درد، اور خندۂ گل کا نمک

شورِ جولاں تھا کنارِ بحر پر کس کا؟ کہ آج — گردِ ساحل، ہے بزخمِ موجۂ دریا نمک [۵]

داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی، واہ واہ! — یاد کرتا ہے مجھے، دیکھے ہے وہ جس جا نمک [گخ]

چھوڑ کر جانا تنِ مجروحِ عاشق حیف ہے! — دل طلب کرتا ہے زخم، اور مانگے ہیں اعضا نمک [گ]

۱، قب، «کہ» ندارد (سہو کاتب) ۔ ۲، م، عنوان، ردیف الکاف تازیہ ۔ ج، باب کاف تازی ۔ الف، ق، قا، باندھے ہیں کب ۔ ۴، ح میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے ۔ ب، ق، سینۂ بلبل کا زخم ۔ مگر ح میں اسے ظاہر نہیں کیا ۔ لط میں «کا درد» ہے ۔ ۵، قا میں یہ بیت پانچویں نمبر پر ہے ۔ نیز اس کے کاتب نے غلطی سے دوسرے مصرع میں لکھ دیا تھا «گرد ساحل ہے مجھے دیکھے ہے وہ جس جا نمک» غالب نے اپنے قلم سے غلط الفاظ کاٹ کر اون کے اوپر «بہ زخم موجۂ دریا» لکھدیا ہے ۔ ب، م، بہ (سہو کاتب) ۔ ۶، قا میں یہ غزل کا ساتواں شعر ہے اور غالب نے اپنے قلم سے لکھا ہے ۔ ۷، الف، قا، جاتا (سہو کاتب) ۔ قب، مانگے ہے ۔ قد میں بھی یونہی تھا ۔ غالب نے «ہے» کو چھیل کر اپنے قلم سے «ہیں» بنایا ہے ۔

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بُجھادے
میں بھی جلے ہوؤں میں ہوں داغِ ناتمامی

جی جلے ذوقِ فنا کی ناتمامی پر نہ کیوں؟
ہم نہیں جلتے، نفس ہرچند آتشبار ہے

غیر کی منّت نہ کھینچوں گا، پۓ توفیرِ درد ۞ زخم، مثلِ خندۂ قاتل، ہے سرتا پا نمک

گخ یاد ہیں، غالب، تجھے وہ دن کہ وجدِ ذوق میں ۞ زخم سے گرتا، تو میں پلکوں سے چُنتا تھا نمک

۷۸

ق، قا

آہ کو چاہیے اک عمر، اثر ہوتے تک ۞ کون جیتا ہے، تری زلف کے سر ہوتے تک؟[1]

گ دامِ ہر موج میں ہے، حلقۂ صد کامِ نہنگ ۞ دیکھیں، کیا گزرے ہے قطرے پہ، گہر ہوتے تک

عاشقی صبر طلب، اور تمنا بیتاب ۞ دل کا کیا رنگ کروں، خونِ جگر ہوتے تک؟ ۵

گخ ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے، لیکن ۞ خاک ہوجائیں گے ہم، تم کو خبر ہوتے تک

پرتوِ خُور سے، ہے شبنم کو فنا کی تعلیم ۞ میں بھی ہوں، ایک عنایت کی نظر ہوتے تک

گ یک نظر بیش نہیں، فرصتِ ہستی، غافل ۞ گرمیِ بزم ہے، اک رقصِ شرر ہوتے تک

غمِ ہستی کا، اسد، کس سے ہو، جز مرگ، علاج؟ ۞ شمع ہر رنگ میں جلتی ہے، سحر ہوتے تک

---

۱ الف، ق، ح، نہ چھوڑونگا۔ لط کے حاشیے میں لکھا ہے کہ یہ شعر حاشیے پر یوں درج ہے، غیر — نہ چھوڑونگا۔ ب، ق، قا. زخم دل جوں خندۂ خوباں۔ ح، لط، خوباں ہیں (سہو کاتب)۔ ۲ الف، ق، قا، گل، یاد ہیں اے ہم نشیں وہ دن کہ وجد ذوق میں (گل، ذوق وجد میں)۔ ح میں جہاں یہ مصرع قدیم نقل کیا ہے، وہاں سہواً «وجہ ذوق» چھاپ دیا ہے، اور جہاں متداول مقطع لکھا ہے وہاں «فرط ذوق» کردیا ہے۔ لط میں بھی «فرط ذوق» ہی چھپا ہے۔ ب، قب، گرتا تھا، میں۔ مد، تو پلکوں سے میں چنتا۔ ۳ الف، قد، ح، ایک۔ قب، گب ۱۸۹، ح، لط، ہوتے تک۔ ۴ الف، قب، ہر موج میں حلقہ (سہو کاتب)۔ قا، گل، قب، قج، م، ما، مد، ح، لط، کام۔ (مگر ان میں سے اکثر میں گاف کے دونوں مرکزوں کے لکھنے کا التزام نہیں)۔ ب، مد، کے علاوہ قطرہ۔ ۷ الف، مد، اک نظر۔ ۸ ب، قج میں لفظ «ہے» غالب نے اپنے قلم سے بڑھایا ہے۔ ۹، قج، «جز» ندارد۔

---

۱ — اس غزل کو نواب آلہی بخش خاں معروف دہلوی نے مخمس کیا تھا۔ چنانچہ اُن کے مطبوعہ دیوان: ۱۶۲ میں یہ خمسہ موجود ہے۔

گ

۷۹

ق، قا

گر تجھ کو ھے یقینِ اِجابت، دعا نمانگ　　یعنی، بغیر یک دلِ بے مدّعا نمانگ[گ]

آتا ھے، داغِ حسرتِ دل کا شمار، یاد　　مجھ سے مرے گنہ کا حساب، اے خدا، نمانگ[۱] [۱]

ل

۸۰

حاشیۂ ق، قا

ھے کس قدر ھلاکِ فریبِ وفاے گل!　　بلبل کے کاروبار پہ ھیں، خندہ ھاے گل[۲] [گ]

۱، م، عنوان، کاف فارسی - مج، باب کاف فارسی - ۲ ب، ق، قا، حساب بے گنہی - قب، قبا، م، میرے گنہ کا مجھ سے حساب - لط، گناہ (سہو کاتب)۔ ۳، م، عنوان، ردیف لام - مج، باب اللام - الف، گل، ھواے گل - ب، م، قج، مب، مج، مد، خندہ ھاے - قد میں بھی یونہی تھا - غالب نے اپنے قلم سے "،" بڑھائی ھے -

---

۱ — نیز ملاحظہ ھو:　ناکردہ گناھوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب، اگر اِن کردہ گناھوں کی سزا ھے

اسی مضمون کا یہ فارسی شعر بھی ھے (کلیاتِ فارسی: ۴۴۱):

اندران روز کہ پرسش رود از ھرچہ گزشت　　کاش! با ما سخن از حسرتِ ما نیز کنند

ایک فارسی رباعی میں بھی یہی مضمون باندھا ھے - فرماتے ھیں (کلیاتِ فارسی: ۵۴۶):

اے آن کہ دھی مایہ کم و خواھش بیش　　آن روز کہ وقتِ باز پُرس آید پیش
بگزار مرا کہ من خیالی دارم　　با حسرتِ عیشہاے ناکردۂ خویش

۲ — نیز ملاحظہ ھو:　بلبل کے کاروبار پہ ھیں خندہ ھاے گل
کہتے ھیں جس کو عشق، خلل ھے دماغ کا

آزادیِ نسیم مبارک! کہ ہر طرف
ٹوٹے پڑے ہیں حلقۂ دامِ ہوائے گل

جو تھا، سو موجِ رنگ کے دھوکے میں رہ گیا
اے وائے! نالۂ لبِ خونیں نوائے گل

گ خوش حال اُس حریفِ سیہ مست کا کہ جو
رکھتا ہو، مثلِ سایۂ گل، سر بپائے گل

خ ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لیے، بہار
میرا رقیب ہے، نَفَسِ عطر سائے گل

گ شرمندہ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے
مینائے بے شراب، و دلِ بے ہوائے گل ۵

سَطوت سے تیرے جلوۂ حسنِ غیور کی
خوں ہے مری نگاہ میں، رنگِ ادائے گل

خ تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک
بے اختیار دوڑے ہے گل در قفائے گل

غالب، مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آرزو
جس کا خَیال، ہے گلِ جَیبِ قبائے گل

م

۸۱

ق، قا

بنالہ، حاصلِ دلبستگی فراہم کر
متاعِ خانۂ زنجیر، جُز صدا، معلوم

۸۲

ق، قا

گخ غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نَفَس
برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم ۱۰

محفلیں برہم کرے ہے، گنجفہ بازِ خَیال
ہیں ورقگردانیِ نیرنگِ یک بُتخانہ ہم

۱ الف، ما، آبادی نسیم (سہو کاتب) - ۲ الف، مب، مج، مرگیا - ۳ الف، گل، کا ہے جو - ۴ الف، قب، تیرے بے (سہو کاتب) - ۷ الف، مد کے علاوہ، جلوہ - م، جاوہ گاہی یہ (سہو کاتب) - ب، گل، قبا، آج تک (سہو کاتب) - ۹، م، عنوان، ردیف المیم - مج، باب المیم - ۱۰، یہ شعر ایک دو غزلے سے چنے گئے ہیں - پہلا اور آخری شعر پہلی کے اور باقی دوسری کے ہیں - الف، ما، پیش (سہو کاتب) -

با وُجودِ یک جہاں ہنگامہ، پیدائی نہیں ہیں چراغانِ شبستانِ دلِ پروانہ ہم [1]

ضعف سے ہے، نے قناعت سے. یہ ترکِ جستجو ہیں وبالِ تکیہ گاہِ ہمتِ مردانہ ہم [2]

دائم الحبس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں، اسد جانتے ہیں سینۂ پُر خوں کو زنداں خانہ ہم [3]

۸۳

قب

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا، وطن سے دور رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم [4]

وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہیں، اے خدا رکھ لیجو، میرے دعوئِ وارستگی کی شرم [5]

ن

۸۴

ق، قا

لوں وام بختِ خُفتہ سے یک خوابِ خوش، و لے غالب، یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں [6]

---

۱ الف، ق، ح، قا، گل، ہنگامہ بر موہوم ہیں - قب، یکہ - مد، پیدائی ہیں (ہر دو سہو کاتب) - ب، ق، قا، گل، جوں چراغاں - ح اور لط میں اس اختلاف کا ذکر نہیں کیا، نیز ح میں اس شعر کو سہواً غیر مطبوعہ ظاہر کیا ہے - م، ہے چراغاں (سہو کاتب) - ۲ الف، ق، قا، ضعف نے باندھا ہے پیمان گراں خوابی، اسد قبد، قناعت ہے - م، نہ قناعت سے نہ (ہر دو سہو کاتب) - ۳ الف، ق، بہلے، شام غم میں سوز عشق شمع رویاں سے، اسد محل اصلاح حاشیہ ہے - لط میں سہواً پورے مقطع کو ق کے حاشیے میں مندرج بتایا ہے - ۵ الف، ح، مج، حلقہہائے - قب، کمیں ہے - م، کمیں میں ہے (ہر دو سہو کاتب) - ۶ م، عنوان، ردیف النون - مج، باب النون - الف، م، یوں وام (سہو کاتب) - مد، اک - قبا، م، گب ۱۸۹، ایک - مد، اک - ق، قا، خوش اسد - ب، ق، قا، لیکن یہ ہم ہے - ح اور لط میں سہواً متن کے اندر "ہم" لکھدیا ہے اور حاشیے میں یہ نہیں بتایا کہ اصل میں کیا تھا اور اصلاح کیا ہے -

۸۵

ق، حاشیۂ ق، قا

ح غنچۂ ناشگفتہ کو دُور سے مت دِکھا کہ یوں — بوسے کو پوچھتا ہوں میں، مُنہ سے مجھے بتا کہ یوں [1]

گ پُرسشِ طرزِ دلبری کیجیے کیا؟ کہ بِن کہے — اُس کے ہر ایک اشارے سے نکلے ہے یہ ادا کہ یوں

خ رات کے وقت مے پیے، ساتھ رقیب کو لیے — آوے وہ یاں، خدا کرے، پر نہ کرے خدا کہ یوں

«غیر سے رات کیا بنی؟» یہ جو کہا، تو دیکھیے — سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یوں

بزم میں اُس کے روبرو، کیوں نہ خموش بیٹھیے؟ — اُس کی تو خامُشی میں بھی، ہے یہی مُدّعا کہ یوں ۵

گخ میں نے کہا کہ «بزمِ ناز چاہیے غیر سے تہی» — سُن کے ستم ظریف نے مجھ کو اُٹھا دیا کہ یوں

مجھ سے کہا جو یار نے: «جاتے ہیں ہوش کس طرح؟» — دیکھ کے میری بیخودی، چلنے لگی ہوا کہ یوں

گ کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی؟ — آئنہ دار بن گئی حیرتِ نقشِ پا کہ یوں

گر ترے دل میں ہو خیال، وصل میں شوق کا زوال — موج، محیطِ آب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں [2]

---

۱ الف، م، مت دیکھا (قدیم رسم خط)۔ ب، تمام نسخے، بوسہ۔ ۲ الف، م، کیجیے کہ (سہو کاتب)۔ ب، ج، مد، ح، ہر اک۔ تمام نسخے، اشارہ۔ ۳، لط میں لکھا ہے کہ اشعار نمبر ۳، ۶، ۷ اور ۸ حاشیے پر درج ہیں۔ اور ح میں بتایا ہے کہ ۳، ۷، ۸، ۹ حاشیے کے ہیں۔ الف، ق، قبا، م، ساتھ لیے رقیب کو۔ ب، ج، مد، لط، آئے وہ۔ ح، آے۔ ۴ الف، لط میں لکھا ہے کہ حاشیے پر ،رات سے غیر، لکھا ہے۔ مگر یہ سہو معلوم ہوتا ہے۔ ۵ ب، قا، م، ح، لط، خاموشی۔ ۶ ب، گل، سن کر (سہو کاتب)۔ ۹ ب، ما، موج محیط آب میں یار ہے (سہو کاتب)۔

---

۱ — اس کی ہمطرح غزل دیوانِ معروف: ۱۰۳ میں بھی موجود ہے۔ نیز نثار احمد فاروقی صاحب نے بحوالۂ تذکرۂ بے جگر مولفۂ ۱۲۳۷ھ لکھا ہے کہ صاحبِ طبقاتِ سخن مولفۂ ۱۲۲۲ھ کی روایت ہے کہ ایک بار شاہ نصیر میرٹھ آئے تھے اور یہاں کے شاعروں کو یہ مصرعِ طرح دیا تھا کہ غزلیں کہیں: «کردے چمن میں تو ذرا بندِ قبا کو وا کہ یوں»۔ (نگار لکھنؤ، ستمبر ۱۹۵۹ع، ص ۴۱)۔

۲ — میرزا صاحب نے اس مضمون کو فارسی میں یوں ادا کیا ہے (کلیاتِ فارسی: ۴۳۹):

بلبل بہ چمن بنگر و پروانہ بہ محفل — شوق است کہ در وصل ہم آرام ندارد

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشکِ فارسی؟ ○ گفتۂ غالب ایکبار پڑھ کے اُسے سنا کہ یوں

۸۶

ق، حاشیۂ ق، قا

عُہدے سے مدحِ ناز کے باہر نہ آسکا ○ گر ایک ادا ہو، تو اُسے اپنی قضا کہوں [۲]

حلقے، ہیں چشمہائے کشادہ بسوئے دل ○ ہر تارِ زلف کو نگہِ سرمہ سا کہوں [۳]

میں اور صد ہزار نوائے جگر خراش ○ تو اور ایک وہ نشنیدن کہ کیا کہوں! [۴] [۵]

ظالم، مرے گماں سے مجھے مُنفعل نچاہ ○ ہَے ہَے! خدا نکردہ، تجھے بیوفا کہوں! [۶]

۸۷

ق، قا

ہم سے کُھل جاؤ بوقتِ مَے پرستی، ایک دن ○ ورنہ ہم چھیڑیں گے، رکھ کر عُذرِ مستی، ایک دن [۷]

غُرّۂ اوجِ بنائے عالمِ امکاں نہو ○ اِس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی، ایک دن

قرض کی پیتے تھے مَے، لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں ○ رنگ لاوے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن [۸] [۱]

---

۱ ب، ق، قا، شعر اسد کے ایک دو پڑھکے۔ موجودہ الفاظ قب کے ہیں۔ لط «گفتۂ» ندارد۔ ۲. اس غزل کا دوسرا شعر ق کے متن کا اور بقیہ حاشیے کے ہیں۔ مگر مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا۔ لط میں البتہ اس کا ذکر ہے۔ ب، ح، لط، مج، مد، اك۔ ۳، گل میں ترتیب اشعار یہ ہے: ۴، ۳، ۲۔ الف، گل، حلقہ (سہو کاتب)۔ گل، کشودہ۔ ب، قب، زلف لو (سہو کاتب)۔ ۴. قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔ ب، گل، ایک اور وہ۔ ٦ ب، ما، ھستی (سہو کاتب)۔ ۷ الف، ق، غرۂ رفعت۔ نیز ح میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔ ۸ الف، گن ۲۱۷، قرض لے، م، بھی مے۔ لیکن سمجھے (سہو کاتب)۔

---

۱ — آزاد دہلوی نے آبِ حیات: ۵۲٦ میں لکھا ہے کہ «ایک دفعہ مرزا بہت قرضدار ہوگئے۔ قرض خواہوں نے نالش کردی۔ جوابدہی میں طلب ہوئے۔ مفتی (صدر الدین) صاحب کی عدالت تھی۔ جس وقت پیشی میں گئے، یہ شعر پڑھا»۔

گ نغمه هاے غم کو بهی، اے دل، غنیمت جانیے — بے صدا هو جاے گا، یه سازِ هستی ایک دن[1]
[2] دهول دهپّا، اُس سراپا ناز کا شیوه نهیں — هم هی کر بیٹهے تهے، غالب، پیشدستی ایک دن

۸۸

ق، قا

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکهتے هیں — خیاباں خیاباں اِرَم دیکهتے هیں
دل آشفتگاں خالِ کُنجِ دهن کے — سُوَیدا میں سیرِ عدم دیکهتے هیں
ح ترے سروِ قامت سے، یک قدِّ آدم — قیامت کے فتنے کو کم دیکهتے هیں[2] ۵
تماشا که، اے محوِ آئینه داری — تجهے کس تمنا سے هم دیکهتے هیں!
سُراغِ تَفِ ناله لے داغِ دل سے — که شب‌رَو کا نقشِ قدم دیکهتے هیں[3]
بناکر فقیروں کا، هم، بهیس، غالب — تماشاے اهلِ کرم دیکهتے هیں

---

۱ الف، ع، ح، نغمهاے۔ م، جانتے (سهو کاتب) ۔ ۲ الف، قا، گل، قب، م، گب ۱۸۹، دهپه ۔ قا، قد، شیوا ۔ ح اس (بدون ضمه، سهو کاتب) ۔ ب، گن «تهے»، ندارد ۔ ۴ الف، ما، گنج (سهو کاتب) ۔ ۵ الف، م، گب ۱۸۹، ایک ۔ ع، مد، ح، لط، اك ۔ ب، قا، قب، م، ما، ح، فتنه ۔ ۶ الف، قا، آئینه سازی ۔ ح، لط، تماشا کر ۔ ۷، ح میں اس شعر کو از راه سهو غیر مطبوع، ظاهر کیا هے ۔ الف، قا، بے داغ (سهو کاتب) ۔ ۸ الف، قد، بناگر (سهو کاتب) ۔

۱— نیز ملاحظه هو:
دلا، یه درد و الم بهی تو مُغتَنَم هے که آخر
نه گریهٔ سحری هے، نه آهِ نیم شبی هے

۲— نیز ملاحظه هو:
جب تک که نه دیکها تها قدِ یار کا عالم
میں معتقدِ فتنهٔ محشر نه‌ہوا تها

۳— نیز ملاحظه هو:
قُمری کفِ خاکستر، و بلبل قفسِ رنگ
اے ناله، نشانِ جگرِ سوخته کیا هے؟

۸۹

ق، قا

مانعِ دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں
ایک چکّر ہے مرے پانو میں، زنجیر نہیں[۱]

شوق اُس دشت میں دوڑائے ہے مجھ کو کہ جہاں
جادہ، غیر از نگہِ دیدۂ تصویر، نہیں[۲]

حسرتِ لذتِ آزار رہی جاتی ہے
جادۂ راہِ وفا، جُز دمِ شمشیر نہیں[۳]

رنجِ نومیدیِ جاوید گوارا رہیو!
خوش ہوں، گر نالہ زبونی کشِ تاثیر نہیں[۴]

سر کھجاتا ہے جہاں زخمِ سر اچھا ہو جائے
لذّتِ سنگ، باندازۂ تقریر نہیں[۵]

جب کرم رخصتِ بیباکی و گستاخی دے
کوئی تقصیر، بجُز خجلتِ تقصیر نہیں

غالبؔ، اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخؔ:
"آپ بے بہرہ ہے، جو معتقدِ میرؔ نہیں"[۶]

۹۰

ق، حاشیۂ ق، قا

قیامت ہے کہ سُن لیلیٰ کا دشتِ قیس میں آنا
تعجب سے وہ بولا: "یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں؟"[۷]

دلِ نازک پہ اُس کے رحم آتا ہے مجھے، غالبؔ
نہ کر سرگرم اُس کافر کو اُلفت آزمانے میں[۸]

---

۱ ب، ما، چگر (سہو کاتب) - ۲ ب، قا، جادۂ غیر نگہ (سہو کاتب) - ۳ الف،م، ازار (سہو کاتب) - ۴ ب، ف، خوش ہو - ۵ الف، ق، قا، گل؛ ریختے کا وہ ظہوری ہے بقول ناسخ - ق، ریختہ - ب، گل، اب بے (سہو کاتب) - ۸، یہ شعر ق کے حاشیے کا ہے، مگر مرتب ح نے اس کا اظہار نہیں کیا - لط میں سہواً صرف پہلے مصرع کو حاشیے کا بتایا ہے - ب، گل، یونہی (سہو کاتب) - ۹ ب، ق، قا، نہ کر بیباک -

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: اجباب چارہ سازیِ وحشت نہ کرسکے
زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

۲ — نیز ملاحظہ ہو: درد، مِنّت کشِ دوا نہوا میں نہ اچّھا ہوا، بُرا نہوا

۹۱

ق، حاشیۂ ق، قا

خ نہیں ہے، زخم کوئی، بخیے کے درخور، مرے تن میں

ہوا ہے تارِ اشکِ یاس، رشتہ، چشمِ سوزن میں

گ ہوئی ہے مانعِ ذوقِ تماشا، خانہ ویرانی

کفِ سیلاب باقی ہے، برنگِ پنبہ، روزن میں

خ ودیعت خانۂ بیدادِ کاوشہاے مژگاں ہوں

نگینِ نامِ شاہد ہے مرے، ہر قطرہ خوں، تن میں[۱]

بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی؟

شبِ مہ ہو، جو رکھدوں پنبہ دیواروں کے روزن میں[۲]

نکوہش، مانعِ بیربطیِ شورِ جنوں آئی

ہوا ہے، خندۂ احباب، بخیہ جَیب و دامن میں[۵]

ہوے اس مہرِوَش کے جلوۂ تِمثال کے آگے

پرافشاں جوہر آئینے میں، مثلِ ذرّہ روزن میں

---

۱ الف، مد کے علاوہ، بخیہ۔ ۲ الف، ق، قا، ہوئی تقریب منع شوق دیدن خانہ ویرانی۔ گل، مانع شوق تماشا۔ نیز ق میں یہ شعر مقطع سے تیسرا ہے۔ ۳ ب، ح، مرا ہر قطرہ۔ ۴ الف، قب، شبستاں میں۔ ب، تمام نسخے، رکھدیں۔ موجودہ اصلاح، انتخاب غالب میں کی گئی ہے۔ ۵ الف، ق، مانع دیوانگیہاے۔ م، سوز۔ ب، ق، قا، لگایا خندۂ ناصح نے بخیہ۔ ۶ ب، قب، ما، ح، آئینہ۔

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: ایک ایک قطرے کا، مجھے دینا پڑا حساب
خونِ جگر، ودیعتِ مژگانِ یار تھا

۲ — نیز ملاحظہ ہو: کیا کہوں تاریکیِ زندانِ غم؟ اندھیر ہے
پنبہ نورِ صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں

نجانوں نیک ہوں یا بد ہوں، پر صحبت مخالف ہے
جو گل ہوں، تو ہوں گُلخن میں، جو خس ہوں، تو ہوں گلشن میں گ

ہزاروں دل دیے جوشِ جنونِ عشق نے مجھ کو
سیہ ہوکر سُوَیدا ہوگیا، ہر قطرہ خوں، تن میں

اسد، زندانیِ تاثیرِ اُلفتہائے خوباں ہوں
خمِ دستِ نوازش، ہوگیا ہے طوق گردن میں

۹۲

ق، قا

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں
ہم بھی مضموں کی ہوا باندھتے ہیں

۵ آہ کا، کس نے، اثر دیکھا ہے؟
ہم بھی ایک اپنی ہوا باندھتے ہیں [۱] گ

تیری فرصت کے مقابل، اے عمر
برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں

قیدِ ہستی سے رہائی معلوم!
اشک کو بے سروپا باندھتے ہیں گخ

نشّۂ رنگ سے ہے، واشُدِ گل
مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں؟ گ

غلطیہائے مضامیں مت پوچھ
لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

۱۰ اہلِ تدبیر کی واماندگیاں!
آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں خ

سادہ پُرکار ہیں خوباں، غالب
ہم سے پیمانِ وفا باندھتے ہیں

---

۱ ب، مد، جو جس (سہو کاتب) ۔ ۲، ۳ گل میں یہ شعر سب سے پہلے ہے ۔ ۴، یہ غزل ایک دو غزلے سے چنی گئی ہے ۔ اس کا دوسرا شعر پہلی غزل کا اور باقی دوسری کے ہیں ۔ گل میں ترتیب اشعار ہے، ۴، ۲، ۶، ۷، ۵، ۸، ۲، ۱۷، ۴ الف، گن، توسن کی ہوا (سہو کاتب) ۔ ب، لط، انتخاب، کو ہوا (سہو کاتب) ۔ ۵ ب، گل، ح، لط، ج، مد، اک ۔ ۸ الف، م، گن، واشدہ گل ۔ مد، کل (سہو کاتب) ۔ ب، مب ، بند ، ندارد ۔ (سہو کاتب) ۹ ب، لط، نالہ ۔ ۱۱ الف، ق، قا، قب، گن، کہ اسد ۔ م ، کہ ، ندارد ۔

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: وفائے دلبراں ہے اتّفاقی، ورنہ، اے ہمدم
اثر، فریادِ دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے؟

۹۳

ق، حاشیۂ ق، قا

خ برشکالِ گریۂ عاشق ہے، دیکھا چاہیے ◦ کِھل گئی، مانندِ گُل، سَو جا سے دیوارِ چمن
الفتِ گل سے، غلط ہے، دعویِ وارستگی ◦ سرو ہے، با وصفِ آزادی، گرفتارِ چمن

۹۴

ق، قا

زمانہ سخت کم آزار ہے بجانِ اسدؔ ◦ وگرنہ ہم تو توقّع زیادہ رکھتے ہیں

۹۵

حاشیۂ ق، قا

دل لگا کر، لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا ◦ بارے، اپنی بیکسی کی ہم نے پائی داد، یاں[1]
ہیں زوال آمادہ، اجزا آفرینش کے تمام ◦ مہرِ گردوں، ہے چراغِ رہگزارِ باد، یاں[5]

۹۶

حاشیۂ ق، قا

وہ فراق اور وہ وصال کہاں؟ ◦ وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں؟
فرصتِ کاروبارِ شوق کسے؟ ◦ ذوقِ نظّارۂ جمال کہاں؟
دل تو دل، وہ دماغ بھی نہ رہا ◦ شورِ سودائے خطّ و خال کہاں؟

۱، لط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ق کے حاشیے کا شعر ہے۔ مگر ح نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ الف، ما، مج، برشگال (غلطی عوام) ۔ ح، لط، دیدۂ عاشق ۔ ق، قا، م، گریۂ عشاق ۔ موجودہ الفاظ قب کے ہیں۔ ب، ح، لط، انتخاب، کھل (بضم کاف) ۔ ۲ ب، گل، دعوۂ، (سہو کاتب) ۔ ۳ الف، مد، کم ازاو (سہو کاتب) ۔ ۴ الف، ح، ان کو (سہو کاتب) ۔ ب، ح، اپنے درد دل کی ۔ لیکن ق میں واپنی بیکسی، ہی ہے، اس لیے یہ مرتب ح کا سہو معلوم ہوتا ہے ۔ ۵ الف، ق، قا، ہے مری وحشت عدوے اعتبارات جہاں۔ موجودہ ترمیم قب کی ہے ۔ ما، اجرا (سہو کاتب) ۔ نیز ح میں اس کی جگہ اوس شعر کو حاشیے کا بتایا ہے جو گنجینۂ معنی میں صفحۂ ۱:۶۲ پر درج ہے ۔ مگر لط کے مطابق حاشیے کے یہی شعر ہیں ۔ ۶ ب، ما، ماہ، سال (سہو کاتب) ۔ ۸ الف، گل، قب، ہی نہ رہا ۔

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: عاشق ہوئے ہیں آپ بھی ایک اور شخص پر
آخر ستم کی کچھ تو مُکافات چاہیے

تھی وہ اک شخص کے تصوّر سے　　اب وہ رعنائیِ خیال کہاں ؟[۱] گ

ایسا آساں نہیں لہو رونا　　دل میں طاقت، جگر میں حال کہاں ؟

ہم سے چھوٹا قمار خانۂ عشق　　واں جو جاویں، گِرہ میں مال کہاں ؟

فکرِ دنیا میں سر کھپاتا ہوں　　میں کہاں اور یہ وبال کہاں !

۵ مُضمحل ہو گئے قُویٰ، غالب　　وہ عناصر میں اعتدال کہاں؟[۱] گ



۹۷

حاشیۂ ق. قا

مت مَردُمکِ دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں　　ہیں جمع، سُوَیداے دلِ چشم میں، آہیں خ



۹۸

قا، قب

عشق، تاثیر سے نومید نہیں　　جانسپاری، شجرِ بید نہیں گ

سلطنت دست بدست آئی ہے　　جامِ مے، خاتمِ جمشید نہیں

---

۱ الف، ق، قا، گل، خوباں ھی کے تصور سے۔ مگر مرتب ح نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ م، ما، مب، ج، قد ایک۔ ۳ ب، ح، جائیں۔ ۵ الف، ج، مد، ح کے علاوہ، قوا۔ ۶ الف، ق، قا، حسرت کش یک جلوۂ معنی ھیں۔ ح، حیرت کش۔ مج، یہ نگاھیں (سہو کاتب) ب، ق، قا، کھنچوں ھوں — سے آھیں۔ ۸ الف، مد، انی ہے (سہو کاتب)۔

۱۔ شاکر کو ایک خط میں لکھتے ھیں: "بندہ نواز، زبانِ فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ھے۔ پیرانہ سری و ضعف کے صدموں سے محنت پژوھی و جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رھی۔ حرارتِ غریزی کو زوال ھے، اور یہ حال ھے: مضمحل ھوگئے قوا، غالب، الخ۔ (اردوے معلی: ۲۱۵، عود: ۱۵۶)۔

گخ ہے، تجلّی تری، سامانِ وُجود — ذرّہ، بے پرتوِ خرشید نہیں[1]
گ رازِ معشوق نہ رُسوا ہو جائے — ورنہ مرجانے میں کچھ بھید نہیں
گردشِ رنگِ طرب سے ڈرہے — غمِ محرومیِ جاوید نہیں
گخ کہتے ہیں: «جیتے ہیں اُمّید پہ لوگ» — ہم کو جینے کی بھی اُمّید نہیں[2]

۹۹

قا

ہوگئی ہے، غیر کی شیریں بیانی، کارگر — عشق کا، اُس کو، گماں ہم بیزبانوں پر نہیں[۵]

۱۰۰

قا، قب

گخ دیوانگی سے، دوش پہ زُنّار بھی نہیں — یعنی، ہمارے جَیب میں اک تار بھی نہیں
گ دل کو نیازِ حسرتِ دیدار کرچکے — دیکھا، تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں

---

۳ الف، ج، ح، ڈر ہے۔ ۴ الف، قا، گل، جیتی ہے امید پہ خلق۔ موجودہ لفظ قب کے ہیں۔ ۶ ب، مد، ہماری۔

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو:
ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ذرّے میں جان ہے

ہے وہی بدمستیِ ہر ذرّہ کا خود عُذر خواہ
جس کے جلوے سے زمیں تا آسماں سرشار ہے

۲ — نیز ملاحظہ ہو:
منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیے

ملنا ترا اگر نہیں آساں، تو سہل ہے — دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں[1] ح

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے، اور یاں — طاقت، بقدرِ لذّتِ آزار بھی نہیں

شوریدگی کے ہاتھ سے ہے، سر، وبالِ دوش — صحرا میں، اے خدا، کوئی دیوار بھی نہیں[2] گخ

گنجایشِ عداوتِ اغیار یك طرف — یاں دل میں، ضعف سے، ہوسِ یار بھی نہیں گ

ڈر نالہہاے زار سے میرے، خدا کو مان — آخر، نواے مرغِ گرفتار بھی نہیں

دل میں ہے، یار کی صفِ مژگاں سے رُوکشی — حال آنکہ طاقتِ خلشِ خار بھی نہیں

اِس سادگی پہ کون نہ مرجاے، اے خدا؟ — لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں گخ

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بارہا — دیوانہ گر نہیں ہے، تو ہُشیار بھی نہیں گ

۱۰۱

قا، قب

مزے جہان کے، اپنی نظر میں خاک نہیں — سواے خونِ جگر، سُو جگر میں خاک نہیں[2] خ

---

۲ ب، قا، طاقت حریف لذت ۔ موجود، الفاظ قب کے ہیں ۔ ۳ الف، گب ۱۸۹، ح، سر ہے وبال دوش ۔ یہ شعر گل میں مقطع سے پہلے ہے ۔ ۴ الف، مد، ح، اك طرف ۔ ۵ الف، ما، مج، ح، نالہاے ۔ ۶. ما ندارد ۔ قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے ۔ الف، گل، «کے» ندارد (سہو کاتب) ۔

---

۱ — میرزا صاحب نے جنون بریلوی کو اس کی حسبِ ذیل تشریح لکھی ہے: «یعنی اگر تیرا ملنا آسان نہیں، تو یہ امر مجھ پر آسان ہے۔ خیر، تیرا ملنا آسان نہیں نہ سہی۔ نہ ہم مل سکیں گے، نہ کوئی اور مل سکے گا۔ مشکل تو یہ ہے کہ وہی تیرا ملنا دشوار بھی نہیں۔ جس سے تو چاہتا ہے مل بھی سکتا ہے۔ ہجر کو تو ہم نے سہل سمجھ لیا تھا، مگر رشك کو اپنے اوپر آسان نہیں کر سکتے» (خطوط ۱ : ۱۲۶) ۔

۲ — نیز ملاحظہ ہو: کہاں تك روؤں اُس کے خیمے کے پیچھے؟ قیامت ہے!
مری قسمت میں، یارب، کیا نہ تھی دیوار پتھر کی؟

، زمین کی غزل دیوانِ معروف: ۱۰۱ میں بھی ہے ۔

خ مگر غبار ہوے پر، ہوا اُڑا لے جاے — وگرنہ تاب و تواں، بال و پر میں خاک نہیں

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے؟ — کہ غیرِ جلوۂ گل، رہگزر میں خاک نہیں

بھلا اُسے نہ سہی، کچھ مجھی کو رحم آتا — اثر، مرے نَفَسِ بے اثر میں خاک نہیں

خیالِ جلوۂ گل سے خراب ہیں مَیکش — شرابخانے کے دیوار و در میں خاک نہیں

خ ہُوا ہوں، عشق کی غارتگری سے شرمندہ — سواے حسرتِ تعمیر، گھر میں خاک نہیں[1] ۵

ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے، اسد — کُھلا کہ فائدہ عرضِ ہنر میں خاک نہیں

۱۰۲

حاشیۂ قا، قب

خ آبرو کیا خاک اُس گل کی کہ گلشن میں نہیں! — ہے گریباں ننگِ پیراہن، جو دامن میں نہیں[1]

ضعف سے، اے گریہ، کچھ باقی مرے تن میں نہیں — رنگ ہو کر اُڑ گیا، جو خوں کہ دامن میں نہیں

گخ ہو گئے ہیں جمع، اجزاے نگاہِ آفتاب — ذرّے، اُس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں

کیا کہوں تاریکیِ زندانِ غم، اندھیر ہے — پنبہ، نورِ صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں[2] ۱۰

رونقِ ہستی ہے، عشقِ خانہ ویراں ساز سے — انجمن بے شمع ہے، گر برق خرمن میں نہیں

۱ الف، قا، صبا اڑا۔ ۴ ب، مد کے علاوہ، خانہ۔ ۶ الف، قا، آب (سہو کاتب)۔ قد، مد، شعر میں (سہو کاتب)۔ ۷ الف، قب، ابرو (سہو کاتب)۔ ح، کی جوگلشن۔ ۸ الف، مد کے بین السطور میں «مطلع ثانی» لکھا ہے۔ ب، ج، اوڑ کیا (سہو کاتب)۔ ۹ ب، قب، زرہ۔ ج، مد کے علاوہ، ذرہ (سہو کاتب)۔ ۱۱ الف، قب، روزن ہستی (سہو کاتب)۔ م، ما، ویراں ساز ہے (سہو کاتب)۔ لفظ «عشق» قج میں غالب نے اپنے قلم سے لکھا ہے۔

۱ — نیز ملاحظہ ہو: گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا؟
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیر، سو ہے

۲ — یہ غزل قا کے حاشیے پر اِس عنوان سے درج ہے کہ «از باندہ رسیدہ»۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلکتّے کے راستے میں کہی گئی تھی۔

۳ — نیز ملاحظہ ہو: بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی؟
شبِ مہ ہو، جو رکھدوں پنبہ دیواروں کے روزن میں

زخم سلوانے سے، مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن　　غیر سمجھا ہے کہ لذّت زخمِ سوزن میں نہیں[1]

بسکہ ہیں، ہم، اک بہارِ ناز کے مارے ہوے　　جلوۂ گل کے سِوا، گرد اپنے مدفن میں نہیں[2]

قطرہ قطرہ، اک ہیولیٰ ہے نئے ناسور کا　　خوں بھی، ذوقِ درد سے فارغ مرے تن میں نہیں

لے گئی ساقی کی نخوت، قلزم آشامی مری　　موجِ مے کی، آج، رگ، مینا کی گردن میں نہیں[3] گ

[5] ہو فشارِ ضعف میں کیا ناتوانی کی نمود!　　قد کے جھکنے کی بھی گنجایش مرے تن میں نہیں گخ

تھی وطن میں شان کیا، غالب، کہ ہو غربت میں قدر؟　　بے تکلف، ہوں وہ مشتِ خس کہ گلخن میں نہیں[4]

۱۰۳

حاشیۂ قا، قب

ذکر میرا، بہ بدی بھی، اُسے منظور نہیں　　غیر کی بات بگڑجاے، تو کچھ دور نہیں[5] خ

۲ ب، ما، جلوۂ کل (سہو کاتب) - ۳ الف، قا، م، ہیولا - قب، ہیولا (سہو کاتب) - ب، قا، خالی مرے تن - موجودہ الفاظ قب کے ہیں - ۴، قا، قب، قبا اور م میں یہ شعر مقطع سے پہلے ہے - الف، مد، اشامی (سہو کاتب) - ب، قا، موجۂ صہبا کی رگ - موجودہ اصلاح گل کی ہے - قبا، م، میناے گردن (سہو کاتب) - ۵، ما میں یہ شعر «قطرہ قطرہ» الخ سے پہلے ہے - الف، ح، نمو (سہو کاتب) - ب، قب «بھی» ندارد - ۶ الف، قب، عبرت (سہو کاتب) - ب، قد میں کاتب نے «گلشن» لکھا تھا - غالب نے اسے اپنے قلم سے «گلخن» بنایا ہے - ۷ الف، م، بہ بدی (سہو کاتب) - ب، قب، قبا، م، بگڑ جاوے (سہو کاتب) -

۱ — نیز ملاحظہ ہو:　رفوے زخم سے مطلب، ہے لذّت زخمِ سوزن کی
سمجھیو مت کہ پاسِ درد سے دیوانہ غافل ہے

۲ — نیز ملاحظہ ہو:　ہے خیالِ حُسن میں حُسنِ عمل کا سا خیال
خُلد کا اک در ہے، میری گور کے اندر، کھلا

۳ — رگِ گردن بمعنی دعویٰ - حاشیۂ قبا -

۴ — نیز ملاحظہ ہو:　فنا کو سونپ، گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا
فُروغِ طالعِ خاشاک، ہے موقوف گلخن پر

۵ — یہ غزل بھی حاشیۂ قا پر درج ہے، اور «از باندہ رسیدہ» عنوان کی غزل کے تحت شروع ہوئی ہے - نیز اس مطلع کے ساتھ ملاحظہ ہو: (باقی)

گخ وعدۂ سیرِ گلستاں ہے، خوشا! طالعِ شوق — مژدۂ قتل مُقدّر ہے، جو مذکور نہیں[1]

خ شاہدِ ہستیِ مطلق کی کمر ہے، عالم — لوگ کہتے ہیں کہ ہے، پر ہمیں منظور نہیں[2]

گخ قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا، لیکن — ہم کو تقلیدِ تُنُک ظرفیِ منصور نہیں

گ حسرت، اے ذوقِ خرابی، کہ وہ طاقت نہ رہی — عشقِ پُر عَربَدہ کی گوں، تنِ رنجور نہیں

خ میں جو کہتا ہوں کہ «ہم لیں گے قِیامت میں تمھیں» — کس رُعونت سے وہ کہتے ہیں کہ «ہم حور نہیں»[3] ۵

گ ظلم کر ظلم، اگر لطف دریغ آتا ہو — تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

۱ الف، قب، وہ سیر (سہو کاتب) - ۳ ب، قب، منظور نہیں (سہو کاتب) - ۴ الف، گل، خرابی کی (سہو کاتب) - ۵ ب، م، «ے»، ندارد (سہو کاتب) - ۶ الف، قب، ظلم کر ظالم - قب، قبا، م، مد، ہے - قج میں بھی «ہے» تھا - غالب نے اپنے قلم سے اسے «ہو» بنادیا ہے - ب، گل، تغافل سے - گل، قب، قبا، قج، م، ما، مب، کسو - قد کے کاتب نے بھی یہی لکھا تھا - غالب نے اپنے قلم سے «کسی» کردیا ہے - گب ۱۸۹، طرح سے - گل، رنگ میں (سہو کاتب) -

(بقیہ) دُشمنی نے میری کھویا غیر کو — کس قدر دشمن ہے! دیکھا چاہیے

۱ — میرزا صاحب نے شاہ عالم مارہروی کو ایک خط میں لکھا ہے: «مشفق مکرمی چودھری عبدالغفور صاحب کو میرا سلامِ شوق کہیے گا اور یہ پیام پہنچائیے گا کہ حضرت صاحبِ عالم کی تمنائے دیدار بقیدِ مارہرہ کنایہ اس سے ہے کہ اور کسی کا بھی دیدار مطلوب ہے - ع - خواہشِ وصل مقدّر ہے جو مذکور نہیں» - (اردوے معلیٰ: ۲۰۰، عود: ۲۵)

۲ — نیز ملاحظہ ہو: ہستی کے مت فریب میں آجائیو، اسد — عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

ہاں، کھائیو مت فریبِ ہستی — ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

۳ — نیز ملاحظہ ہو: ان پریزادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام — قدرتِ حق سے، یہی، حوریں اگر واں ہوگئیں

صاف دُردی کشِ پیمانۂ جم ہیں، ہم لوگ وائے! وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہیں[1]
ہوں ظُہوری کے مقابل میں خَفائی، غالب میرے دعوے پہ یہ حُجّت ہے کہ مشہور نہیں[1]

۱۰۴

حاشیۂ قا، ب

نالہ، جُز حسنِ طلب، اے ستم ایجاد، نہیں ہے تقاضائے جفا، شکوۂ بیداد نہیں
عشق و مزدوریِ عشرتگہِ خسرو، کیا خوب! ہم کو تسلیم، نکونامیِ فرہاد، نہیں[2][3]
کم نہیں وہ بھی خرابی میں، پہ وُسعت معلوم[5] دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھریاد نہیں[6]
اہلِ بینش کو ہے، طوفانِ حوادث، مکتب لطمۂ موج، کم از سَیلیِ اُستاد نہیں[7]
وائے! محرومیِ تسلیم، و بدا! حالِ وفا جانتا ہے کہ ہمیں طاقتِ فریاد نہیں
رنگِ تمکینِ گل و لالہ پریشاں کیوں ہے؟ گر چراغانِ سرِ رہگزرِ باد نہیں[8]
سَبَدِ گل کے تلے بند کرے ہے گلچیں مژدہ، اے مرغ، کہ گلزار میں صیّاد نہیں[9]

---

۱ الف، م، پیمانۂ خم - ب، گل، افسردۂ (ہر دو سہو کاتب) - ۲ ب، گل، دعوہ (سہو کاتب) - ۴ الف، قب، عشق مزدوری - م، عشق مزدور ہے (ہر دو سہو کاتب) - ب، ما، تسلیم نکونامی (باضافت، سہو کاتب) - ۵ الف، گل، نہ وسعت - ما، بوسعت. قب، قبا، م، یہ (ہر سہ سہو کاتب) - ب، گل، دست (سہو کاتب) - گل، مجھے راحت وہ کہ گھر - ۷ الف، قب، بد احوال (سہو کاتب) ۸ الف، یج، تمگین (سہو کاتب) - ب، قبا، کہ - م، بباد (ہر دو سہو کاتب) - ۹، قا ندارد -

---

۱ — اس مضمون کو فارسی میں یوں نظم کیا ہے (کلیاتِ فارسی: ۳۹۳):

نادان، حریفِ مستیِ غالب مشو، کہ او دُردی کشِ پیالۂ جمشید بودہ است

۲ — اسی بات کو فارسی میں اس طرح کہا ہے (کلیاتِ فارسی: ۴۳۴):

از جوئے شیر و عشرتِ خسرو نشان نماند غیرت، ہنوز طعنہ بہ فرہاد میزند

خ نفی سے کرتی ہے، اِثبات، تراوش، گویا | دی ہے جائے دہن اُس کو دمِ ایجاد، نہیں[1]
کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے، بہشت | یہی نقشہ ہے، ولے اس قدر آباد نہیں[2]
گ کرتے کس مُنہ سے ہو غربت کی شکایت، غالب | تم کو بے مِہریِ یارانِ وطن یاد نہیں؟

۱۰۵

قب

خ مہرباں ہو کے بلالو مجھے، چاہو جس وقت | میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں[2]
ضعف میں طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے؟ | بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ اُٹھا بھی نہ سکوں
زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو، ستمگر، ورنہ | کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں؟

---

۱ الف، قب، کرتا ہے اثبات طروش (سہو کاتب) ۔ قد، نفی سے ہیں (سہو کاتب) ۔ ۲، قا ندارد ۔ الف، قد، کوچہ ۔ ب، مد، اباد (سہو کاتب) ۔ ۳ الف، قب، کرتے کس منہ سے غریبی کی (سہو کاتب) ۔ ب، قا، گل، تم کو دلتنگیِ زندان ۔ موجودہ اصلاح قب کی ہے ۔ مد، بیمہرئی (سہو کاتب) ۔ ۴ ب، قب، ہی نسکوں (تینوں شعروں میں) ۔ ۵ الف، قج، شکوا ۔

---

۱ — اس شعر میں میرزا صاحب نے «اثبات» کو مونث لکھا ہے، حالانکہ خود ہی «ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے» بھی فرماتے ہیں۔ اس دو رنگی کا منشا سمجھ میں نہیں آیا۔ (آسی، شرحِ دیوانِ غالب: ۲۰۷)

۲ — نیز ملاحظہ ہو: کیا ہی رِضواں سے لڑائی ہوگی!
گھر ترا، خُلد میں گر، یاد آیا

۳ — اس غزل کے چند نئے اشعار اور اُن کی دریافت کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو یادگارِ نالہ، غزلیاتِ ردیفِ ن۔

١٠٦

قب

یہ ہم جو ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں
کبھی صبا کو، کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں

وہ آئے گھر میں ہمارے، خدا کی قدرت ہے!
کبھی ہم اُن کو، کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

نظر لگے نہ کہیں اُس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں؟[١]

ترے جواہرِ طرفِ کُلَہ کو کیا دیکھیں؟
ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں[١]

١٠٧

ما

[٥] کی وفا ہم سے، تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں[٢]

آج ہم اپنی پریشانیِ خاطر اُن سے
کہنے جاتے تو ہیں، پر دیکھیے، کیا کہتے ہیں[١]

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ، انہیں کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ رُبا کہتے ہیں[١]

دل میں آجائے ہے، ہوتی ہے جو فرصت غش سے
اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں؟

ہے پرے سرحدِ اِدراک سے، اپنا مسجود
قبلے کو، اہلِ نظر، قبلہ نُما کہتے ہیں[ع]

---

٢ الف، گن ٢١٧، وہ گھر میں آئے ۔ ب، مد، گھر (سہو کاتب) ۔ ٤ ب، مد، گہر (سہو کاتب) ۔ ٨ الف، مب، اجائے (سہو کاتب) ۔ ب، قد، مب، ج، نالہ کو ۔ ٩ ب، قد، ما، مب، ج، قبلہ کو ۔

---

١ — نیز ملاحظہ ہو: گوہر کو عِقدِ گردنِ خوباں میں دیکھنا
کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے!

٢ — دیوانِ عنایت رامپوری، متوفی ١٢٦٤ھ (١٨٤٨ع) میں اس زمین کی غزل ملتی ہے۔ نیز حیا کے دیوان (مطبوعۂ ١٨٥٤ع) میں بھی اس طرح کی غزل ہے جس کے مقطع میں غالب کا مصرع «مرگیا غالبِ آشفتہ نوا کہتے ہیں» تضمین ہوا ہے۔

خ پاے افگار پہ، جب سے، تجھے رحم آیا ھے
خارِ رہ کو ترے، ہم مِہر گیا کہتے ھیں

اک شرر دل میں ھے، اُس سے کوئی گھبراے گا کیا؟
آگ مطلوب ھے ہم کو، جو ہوا کہتے ھیں

خ دیکھیے، لاتی ھے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ
اُس کی ہر بات پہ، ہم «نامِ خدا» کہتے ھیں

وحشت[1] و شیفتہ[2] اب مرثیہ کہویں شاید
«مر گیا غالبِ آشفتہ نوا» کہتے ھیں

۱۰۸

ما

خ ہم پر، جفا سے، ترکِ وفا کا گماں نہیں
اک چھیڑ ھے، وگرنہ مراد امتحاں نہیں[2] ۵

کس مُنہ سے شکر کیجیے اِس لطفِ خاص کا؟
پُرسش ھے، اور پاے سخن درمیاں نہیں

ہم کو ستم عزیز، ستمگر کو ہم عزیز
نامہرباں نہیں ھے، اگر مہرباں نہیں

بوسہ نہیں، ندیجیے، دُشنام ھی سہی
آخر زباں تو رکھتے ہو تم، گر دہاں نہیں

ق ہرچند جانگدازیِ قہر و عتاب ھے
ہرچند پشتِ گرمیِ تاب و تواں نہیں

جاں، مطربِ ترانۂ «ھَل مِن مَزید» ھے
لب، پردہ سنجِ زمزمۂ «الاَماں» نہیں ۱۰

خنجر سے چیر سینہ، اگر دل نہ ہو دونیم
دل میں چُھری چُبھو، مِژہ گر خوں چکاں نہیں

ھے ننگِ سینہ، دل اگر آتشکدہ نہ ہو
ھے عارِ دل، نَفَس اگر آذرفشاں نہیں

۱ الف، گن ۲۱۸، جیسے (سہو کاتب) - ب، گن، تیرہم (سہو کاتب) - ۲ الف، گن، اسے (بکسر الف و تشدید سین) -
۳ الف، گن، اس (سہو کاتب) - ٦ ب، ما، پاے طلب • موجودہ الفاظ مب کے ھیں - ۸ الف، مد، ندیجیے (سہو کاتب) -
۹ قد، ما، مب، مج، «ق» ندارد - مد «قطعہ» - ۱۱ ب، مج، چھبو (سہو کاتب) -

۱ — میر غلام علی خاں ولدِ میر فرحت اللہ خاں مرادابادی، دامادِ مولوی رشید الدین خاں دهلوی، و شاگردِ مومن خاں، متوفی بعد ۱۸۵۷ع (سخنِ شعرا : ۵٤۱ و یادگارِ غالب، طبعِ کراچی جلدِ اوّل : ۱۱۷) -

۲ — نواب محمد مصطفیٰ خاں دهلوی والیِ جہانگیرآباد، شاعرِ مشہور، شاگردِ مومن و غالب، صاحبِ دیوان و مؤلفِ گلشنِ بیخار، متوفی ۱۲۸٦ھ (۱۸٦۹ع) (تلامذۂ غالب : ۱۷۷) -

۳ — یہ بات قابلِ ذکر ھے کہ اس زمین کی ایک غزل دیوانِ شیفتہ، نوشتۂ ۱۲٤۷ھ (۳۲-۱۸۳۱ع) کے حاشیے پر درج ھے، اور خود یہ غزل دیوانِ غالب مطبوعۂ اکتوبر ۱۸٤۱ع میں شامل نہیں - اس سے معلوم ہوتا ھے کہ اِس سال کے بعد لکھی گئی تھی -

سَو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں[1] خ
نقصاں نہیں، جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب

گویا جبیں پہ سجدۂ بُت کا نشاں نہیں
کہتے ہو: «کیا لکھا ہے تری سرنوشت میں؟»

رُوحُ القُدُس اگرچہ مرا ہمزباں نہیں
پاتا ہوں اُس سے داد کچھ اپنے کلام کی

غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں
جاں ہے بہائے بوسہ، ولے کیوں کہے ابھی؟

۱۰۹

ما

کافر ہوں، گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں[2] خ
۵ ملتی ہے خوئے یار سے نار، اِلتہاب میں

شبہائے ہجر کو بھی رکھوں، گر حساب میں
کب سے ہوں. کیا بتاؤں. جہانِ خراب میں؟

آنے کا عہد کرگئے، آئے جو خواب میں خ
تا پھر نہ، انتظار میں، نیند آئے عمر بھر

میں جانتا ہوں، جو وہ لکھیں گے جواب میں
قاصد کے آتے آتے، خط اک اور لکھ رکھوں

ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں[3]
مجھ تک کب اُن کی بزم میں آتا تھا دورِ جام؟

کیوں بدگماں ہوں دوست سے دشمن کے باب میں؟[4]
۱۰ جو مُنکرِ وفا ہو، فریب اُس پہ کیا چلے؟

۶ ب، ما، کر (سہو کاتب) - ۷ ب، مد، کرگئی (سہو کاتب)- ۸ الف، ما، مب، اِک -

۱ — اس مضمون کو فارسی میں یوں ادا کیا ہے (کلیاتِ فارسی: ۴۷۳)

سرمایۂ خرد بجنون دہ، کہ ابن کریم — یک سود را ہزار زیان می دھد عوض

۲ — اس زمین میں کرامت علی شہیدی متوفی ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ ع) کی بھی غزل ہے- ملاحظہ ہو دیوانِ شہیدی: ۱۲۰ -

۳ — میرزا صاحب نے جنوری ۱۸۵۴ع میں تفتہ کو اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے: «یعنی «اب جو دور مجھ تک آیا ہے، تو میں ڈرتا ہوں» - یہ جملہ سارا مقدّر ہے - میرا فارسی کا دیوان جو دیکھے گا، وہ جانے گا کہ جملے کے جملے مقدّر چھوڑ جاتا ہوں - مگر «ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد» - یہ فرق البتہ وجدانی ہے، بیانی نہیں» (خطوط ۱: ۲۸) -

۴ — نیز ملاحظہ ہو: رشک کہتا ہے کہ «اُس کا غیر سے اخلاص حیف!»
عقل کہتی ہے کہ «وہ بیمہر کس کا آشنا؟»

میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب سے
ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں ؟

میں اور حظِّ وصل. خدا ساز بات ہے
جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

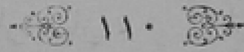
ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے
ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں

لاکھوں لگاؤ. ایک چُرانا نگاہ کا
لاکھوں بناؤ. ایک بگڑنا عتاب میں

وہ نالہ. دل میں خس کی برابر جگہ نپاے!
جس نالے سے شگاف پڑے آفتاب میں ۵

وہ سِحر، مدّعا طلبی میں نہ کام آئے!
جس سِحر سے سفینہ رواں دو سراب میں

غالب چُھٹی شراب. پر اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہ تاب میں



۱۱۰

ما

کل کے لیے، کر آج نہ خِسّت شراب میں
یہ، سُوءِ ظن ہے، ساقیِ کوثر کے باب میں

ہیں آج کیوں ذلیل؟ کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیِ فرشتہ، ہماری جناب میں

جاں کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دمِ سماع؟
گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب میں ۱۰

رَو میں ہے رَخشِ عمر، کہاں، دیکھیے، تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے، نہ پا ہے رکاب میں

اُتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے
جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں

اصلِ شُہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں، پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں!

ہے مشتمل نمودِ صُوَر پر وجودِ بحر
یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حَباب میں

شرم اک ادائے ناز ہے. اپنے ہی سے سہی
ہیں کتنے بےحجاب کہ یوں ہیں حجاب میں ۱۵

---

۲ الف، ما، خط وصل (سہو کاتب) - ۴ الف، مد، چورانا (قدیم رسم خط) - ب، ما، یبا — بکڑنا (سہو کاتب) -
۵ ب، مد کے علاوہ، نالہ - مد، بڑے (سہو کاتب) - ۶ الف، قد میں کاتب نے «آنے» لکھا تھا - غالب نے اپنے ہاتھ سے ہمزہ اور اوس کا شوشہ دونوں چھیل دیے ہیں - ۷ ب، تمام نسخے، ماھتاب - مگر قد میں غالب نے اپنے قلم سے «ماہ تاب» بنایا ہے - ۱۰ الف، قد، لگتی (سہو کاتب) - ۱۱ الف، ما، مب، تھبے - قج، تھبے - قد، تھبھے - ج، تھکے (آخری سہو کاتب)-
۱۵ الف، ما، مب، ایک - ب، ما، مب، ج، کہ ہیں یوں - قد کے کاتب نے «ہے» لکھا تھا - غالب نے اپنے قلم سے «ہیں» بنایا ہے -

آرایشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز — پیشِ نظر ہے آئنہ، دائم، نقاب میں

ہے غیبِ غیب، جس کو سمجھتے ہیں ہم شُہود — ہیں خواب میں ہنوز، جو جاگے ہیں خواب میں [۲]

غالب، ندیمِ دوست سے آتی ہے بوئے دوست — مشغولِ حق ہوں، بندگیِ بوتراب میں



۱۱۱

آخر ما

حیراں ہوں، دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں — مقدور ہو، تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں [۱]

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں — ہر یک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں [۲]

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار — اے کاش! جانتا نہ تِرے رہگزر کو میں [۱]

ہے کیا جو کَس کے باندھیے؟ میری بلا ڈرے — کیا جانتا نہیں ہوں تمھاری کمر کو میں؟ [۱]

لو، وہ بھی کہتے ہیں کہ "یہ بے ننگ و نام ہے" — یہ جانتا اگر، تو لُٹاتا نہ گھر کو میں [۱]

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیزرَو کے ساتھ — پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں [۱]

[۱۰] خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار — کیا پوجتا ہوں اُس بُتِ بیداد گر کو میں؟ [۱]

پھر بیخودی میں بھول گیا راہِ کوئے یار — جاتا، وگرنہ، ایک دن اپنی خبر کو میں

اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہلِ دہر کا — سمجھا ہوں دلپذیر متاعِ ہنر کو میں

غالب، خدا کرے کہ سوارِ سمندِ ناز — دیکھوں علی بہادرِ عالی گُہر کو میں!

۵ ب، آخر ما، ج، مد، ہر اک ۔ مب میں بھی یونہی تھا ۔ غلط نامے میں غالب نے "یک" بنایا، مگر ج میں اس کی تعمیل نہ ہوئی ۔ ۶ ب، مد، تری ۔ ۸ الف، آخر ما، "بھی" ندارد (سہو کاتب) ۔ ۹ الف، ج، ہر ایک ۔ ۱۰ ب، قج، پوجھتا (سہو کاتب) ۔ ۱۲ ب، آخر ما، ج، مد، دلپذیر ۔

۱ — مقطع میں نواب علی بہادر، والیِ باندہ کی طرف اشارہ ہے، جو نیمۂ رمضان ۱۲۶۵ھ (اگست ۱۸۴۹ع) میں نواب ذوالفقار الدولہ بہادر کے انتقال پر حاکمِ باندہ ہوئے تھے، اور بقولِ منیر (دیوان: ۵۳۵) ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ع) میں فوت ہوئے۔

۱۱۲
آخر ما

خ دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں — خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں[1]

کیوں گردشِ مُدام سے گھبرا نہ جائے دل؟ — انسان ہوں، پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

خ یارب، زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے؟ — لوحِ جہاں پہ حرفِ مُکرّر نہیں ہوں میں

[۳] حد چاہیے سزا میں عُقوبت کے واسطے — آخر گناہگار ہوں، کافر نہیں ہوں میں

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے؟ — لعل و زُمُرّد و زر و گوہر نہیں ہوں میں؟ [۵]

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ؟ — رتبے میں مہر وماہ سے کمتر نہیں ہوں میں

کرتے ہو مجھ کو منعِ قدمبوس کس لیے؟ — کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں؟

غالب، وظیفہ خوار ہو، دو شاہ کو دعا — وہ دن گئے جو کہتے تھے: «نوکر نہیں ہوں میں»

۱۱۳
قج

خ دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا — یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

---

۲ الف، مد، گردش (سہو کاتب) ۔ ۳ ب، مد، مگرر (سہو کاتب) ۔ ٦ ب، علاوہ قج کے، رتبہ ۔ ۸ ب، آخر ما، مب، ج، کہ کہتے ۔ ۹ الف، قد، مد، ج دونو ۔

---

۱ — میرزا صاحب نے نواب کلبِ علی خاں بہادر والیِ رامپور کو ۹ جون ۱۸٦٦ع کو لکھا ہے کہ «جب بادشاہِ دھلی نے مجھے نوکر رکھا اور خطاب دیا اور خدمتِ تاریخ نگاریِ سلاطینِ تیموریہ مجھ کو تفویض کی، تو میں نے ایک غزل طرزِ تازہ پر لکھی» ۔ میرزا صاحب کی نوکری اور خطاب کا واقعہ ٤ جولائی ۱۸۵۰ ع کا ہے ۔ لہذا اس غزل کو تاریخِ مذکور کے بعد کا ہونا چاہیے ۔
اس غزل کا نیا قطعہ «یادگارِ نالہ» میں ملاحظہ کیجیے ۔

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے — تیرا پتا نہ پائیں، تو ناچار کیا کریں ع
کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ، اہلِ بزم؟ — ہو غم ہی جانگداز، تو غمخوار کیا کریں

۱۱۴
قج

سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں — خاک میں، کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں![1] خ
یاد تھیں ہم کو بھی، رنگارنگ بزم آرائیاں — لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہوگئیں ؛
۵ تھیں بناتُ النعشِ گردوں دن کو پردے میں نہاں — شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عُریاں ہوگئیں؟
قید میں یعقوب نے لی، گو، نہ یوسف کی خبر — لیکن، آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہوگئیں خ
سب رقیبوں سے ہوں ناخوش، پر زنانِ مصر سے — ہے زُلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہوگئیں
جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق — میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہوگئیں خ
اِن پریزادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام — قدرتِ حق سے، یہی، حوریں اگر واں ہوگئیں ؛
۱۰ نیند اُس کی ہے، دماغ اُس کا ہے، راتیں اُس کی ہیں — تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہوگئیں ؛

---

۴ الف، مد، رنگا رنگ (سہوِ کاتب) - ۵ الف، قج کے علاوہ، پردہ - ب، قج، کیا آیا - ۷ الف، بیاض گرم: ۳۴، ہیں -
۱۰ الف، نادرات غالب ۲۷، نصیب اوس کا ہے - بیاض گرم، نصیب اوس کے ہیں - مب، مد، جس کی (سہوِ کاتب) -

---

۱ — یہ غزل دھلی اردو اخبار، جلد ۱۴ نمبر ۳۲ مورخۂ ۲۱ شوال ۱۲۶۸ ھ مطابق ۲۸ اگست ۱۸۵۲ ع، میں اس تمہید کے ساتھ شایع ہوئی تھی: « اس ہفتے مین جو مشاعرہ جناب مرزا نور الدین بہادر دام اقبالہ المتخلص بہ شاہی نبیرۂ جناب مرزا سلیمان شکوہ بہادر مرحوم نے کیا جو کہ لکھنو سے تشریف لائے ہیں، غزلہائے شاعرانِ کثیر پڑھی گئیں - اور شاہزادۂ والا تبار اکثر رونق افروزِ محفلِ مشاعرہ تھے - ایک غزل جناب مرزائے ممدوح، یعنی میر مشاعرہ اور غزل جناب نجم الدولہ محمد اسداللہ خاں بہادر المتخلص بغالب کی. راقمِ اخبار کے پاس پہنچی - سو درجِ اخبار ہوئی» - (باقی)

میں چمن میں کیا گیا، گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں، سن کر مرے نالے، غزلخواں ہوگئیں

وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں، یارب، دل کے پار ؟
جو، مری کوتاہیِ قسمت سے، مژگاں ہوگئیں

خ بسکہ روکا میں نے، اور سینے میں اُبھریں پے بہ پے
میری آہیں، بخیۂ چاکِ گریباں ہوگئیں

واں گیا بھی میں، تو اُن کی گالیوں کا کیا جواب
یاد تھیں جتنی دعائیں، صرفِ درباں ہوگئیں

جانفزا ہے بادہ، جس کے ہاتھ میں جام آ گیا
سب لکیریں ہاتھ کی، گویا، رگِ جاں ہوگئیں[1] ٥

خ ہم مُوَحّد ہیں، ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
مِلّتیں جب مٹ گئیں، اجزاے ایماں ہوگئیں

٢ رنج سے خوگر ہوا انساں، تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں انی کہ آساں ہوگئیں

یوں ہی گر روتا رہا غالب، تو اے اہلِ جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہوگئیں

---

٣ الف، قد، مد، ج. سینہ - بیاض گرم، سینے سے ۔ ٥ الف، مد اگیا (سہو کاتب) ۔

(بقیہ) منشی نبی بخش حقیر کو اس غزل کے بارے میں لکھتے ہیں: «بھائی، خدا کے واسطے غزل کی داد دینا! اگر ریختہ یہ ہے، تو میر و مرزا کیا کہتے تھے؟ اگر وہ ریختہ تھا، تو پھر یہ کیا ہے؟ صورت اس کی یہ ہے کہ ایک صاحب شاہزادگانِ تیموریہ میں سے لکھنو سے یہ زمین لائے۔ حضور نے خود بھی غزل کہی اور مجھے بھی حکم دیا۔ سو میں حکم بجالایا اور غزل لکھی» (نادارتِ غالب: ٢٦) ۔

مرتبِ نادارت نے اس خط کو اندازے سے مئی یا جون ١٨٥٢ع کا قرار دیا ہے۔ مگر اردو اخبار کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ غزل اور خط دونوں ٢٨ اگست ١٨٥٢ع کے قریب کے ہیں۔

٢ — نیز ملاحظہ ہو: میں جو کہتا ہوں کہ «ہم لیں گے قیامت میں تمھیں»
کس رُعونت سے وہ کہتے ہیں کہ «ہم حور نہیں»

١ — مجروح کے نام کے ایک خط میں مرزا صاحب نے اس مضمون کو نثر میں اس (باقی)

۱۱۵

قد

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں
شب فراق سے، روزِ جزا، زیاد نہیں

کوئی کہے کہ شبِ مہ میں کیا برائی ہے
بلا سے، آج اگر دن کو ابر و باد نہیں

جو آؤں سامنے اُن کے، تو «مرحبا» نکہیں
جو جاؤں واں سے کہیں کو، تو «خیرباد» نہیں

کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں، تو کہتے ہیں
کہ «آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں»

• علاوہ عید کے، ملتی ہے اور دن بھی شراب
گدائے کوچۂ میخانہ نامراد نہیں ^خ

جہاں میں ہو غم وشادی بہم، ہمیں کیا کام؟
دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں [۵]

تم اُن کے وعدے کا ذکر اُن سے کیوں کرو، غالب؟
یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ «یاد نہیں» [۶]

۱۱۶

قد

دل ہی تو ہے، نہ سنگ وخشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں؟
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں؟[۱] ^خ

---

۵ ب، مد، کدای (سہو کاتب) - ۶ الف، قد، مب، وعدہ -

(بقیہ) طرح لکھا ہے: «میر مہدی، صبح کا وقت ہے۔ جاڑا خوب پڑ رہا ہے۔ انگیٹھی سامنے رکھی ہوئی ہے۔ دو حرف لکھتا ہوں، ہاتھ تاپتا جاتا ہوں۔ آگ میں گرمی سہی، مگر وہ آتشِ سیّال کہاں کہ جب دو جُرعے پی لیے، فوراً رگ و پے میں دوڑ گئی۔ دل توانا ہو گیا۔ نفسِ ناطقہ کو تواجُد پہنچا۔ ساقیِ کوثر کا بندہ اور تشنہ لب، ہائے غضب! ہائے غضب!» (اردوے معلی: ۱۷۷ و خطوط: ۱: ۲۵۹)-

۱ — یہ غزل بھی دہلی اردو اخبار، جلد ۱۵ نمبر ۷ مورخۂ ۱۳ فروری ۱۸۵۳ع مطابق ٤ جمادی الاول ۱۲۶۹ھ میں اس تمہید کے ساتھ شائع ہوئی تھی:

• ایک مخمس جناب صاحبِ عالم مرشدزادہ بہادر مرزا نور الدین المتخلص بہ شاہی، جن کے (باقی)

خ دَیر نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستاں نہیں

بیٹھے ہیں رہگزر پہ ہم، غیر ہمیں اُٹھائے کیوں؟

جب وہ جمالِ دلفروز، صورتِ مہرِ نیمروز

آپ ہی ہو نظارہ سوز، پردے میں مُنہ چھپائے کیوں؟

خ دَشنۂ غمزہ جانستاں، ناوکِ ناز بے پناہ

تیرا ہی عکسِ رخ سہی، سامنے تیرے آئے کیوں؟

قیدِ حیات و بندِ غم، اصل میں دونوں ایک ہیں

موت سے پہلے، آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

حُسن اور اُس پہ حُسنِ ظن، رہ گئی بُوالہوَس کی شرم

اپنے پہ اعتماد ہے، اور کو آزمائے کیوں؟ ۵

---

۲ ب، قد، مب، پردہ - مد، چھپالے (سہو کاتب) - ۴ الف، مب، ج، دونو - قد کے کاتب نے بھی یونہی لکھا تھا - مگر غالب نے اپنے قلم سے "ں" بڑھایا ہے - ۵ الف، قد، مد، بلہوس - ب، مب، ج، غیر -

---

(بقیہ) محامدِ اوصاف اخبارات گذشتہ میں لکھے تھے، تحقیق سنا گیا کہ بفرمودۂ بندگانِ حضورِ والا، جناب نجم الدولہ اسداللہ خاں غالبِ سحربیان نے ایک غزل اسی ہفتے میں لکھی تھی، اور اس مقصود سے وہ غزل کہوائی گئی تھی کہ مصرع لگانا جس میں دشوار بلکہ ناممکن ہو - صاحبِ عالم بہادرِ ممدوح نے ادنیٰ غور و تامل میں کمالِ عجلت سے مخمس طیار کرکے پڑھ دیا - حضورِ والا اور سب حضارِ دربارِ والا نے نہایت پسند کیا - حضور نے پانچ دفعہ اس مخمس کو پڑھوایا اور بہت خوش ہوئے» -

۱ — میرزا صاحب نے اس شعر کی شرح کرتے ہوئے جنون بریلوی کو لکھا ہے: (باقی)

واں وہ غرورِ عزّ و ناز. یاں یہ حجابِ پاسِ وضع
راہ میں ہم ملیں کہاں؟ بزم میں وہ بُلائے کیوں؟ خ

ہاں، وہ نہیں خدا پرست، جاؤ، وہ بیوفا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیز. اُس کی گلی میں جائے کیوں؟

غالبِ خستہ کے بغیر، کون سے کام بند ہیں؟
روئیے زار زار کیا، کیجیے ہائے ہائے کیوں؟ خ

و

۱۱۷

ق، قا

حسد سے دل اگر افسردہ ہے، گرمِ تماشا ہو کہ چشمِ تنگ. شاید کثرتِ نظّارہ سے وا ہو

م، ج، عنوان، باب الواو۔ الف، ق، قا، حسد پیمانہ ہے دل عالم آب تماشا ہو ح، لط میں «ہے» کی جگہ سہواً «ت» چھپ گیا ہے۔ ب، ق ب، تنگ ہے (سہو کاتب)۔

(بقیہ) «مولوی صاحب، کیا لطیف معنی ہیں! داد دینا۔ حسنِ عارض اور حسنِ ظن دو صفتیں محبوب میں جمع ہیں۔ یعنی، صورت اچھی ہے اور گمان اُس کا صحیح ہے، کبھی خطا نہیں کرتا۔ اور یہ گمان اُس کو بہ نسبت اپنے ہے کہ میرا مارا کبھی نہیں بچتا، اور میرا تیرِ غمزہ خطا نہیں کرتا۔ پس جب اُس کو اپنے اوپر ایسا بھروسا ہے، تو رقیب کا امتحان کیوں کرے؟ اور حسنِ ظن نے رقیب کی شرم رکھ لی۔ ورنہ یہاں معشوق نے مغالطہ کھایا تھا۔ رقیب، عاشقِ صادق نہ تھا، ہوس ناک آدمی تھا۔ اگر ہاں امتحان درمیان آتا، تو حقیقت کھل جاتی»۔ (خطوط: ۱: ۱۲٦)۔

خ بقدرِ حسرتِ دل چاهیے، ذوقِ معاصی بھی — بھروں یک گوشۂ دامن، گر آبِ هفت دریا هو[1]

اگر وہ سروقد، گرمِ خرامِ ناز آجاوے — کفِ هر خاکِ گلشن، شکلِ قمری، ناله فرسا هو

۱۱۸

حاشیۂ ق، قا

خ وارسته اس سے هیں که محبت هی کیوں نہو — کیجے همارے ساتھ، عداوت هی کیوں نہو[2]

گخ چھوڑا نه مجھ میں ضعف نے رنگ اِختلاط کا — هے دل په بار، نقشِ محبت هی کیوں نہو

گ هے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گله — هر چند بر سبیلِ شکایت هی کیوں نہو[5]

خ «پیدا هوئی هے» کہتے هیں «هر درد کی دوا» — یوں هو، تو چارۂ غمِ الفت هی کیوں نہو

ڈالا نه بیکسی نے کسی سے معامله — اپنے سے کھینچتا هوں، خجالت هی کیوں نہو

گ هے آدمی، بجاے خود، اک محشرِ خیال — هم انجمن سمجھتے هیں، خلوت هی کیوں نہو

---

۱ الف، ق، قا، عیش معاصی ـ لط نے اس کا ذکر نہیں کیا ـ ب، لط، ایک گوشۂ دامن اگر (سهو کاتب) ـ قبا، م، که آب (سهو کاتب) ـ مد، هفت کشور هو (سهو کاتب) ـ ۲ الف، ق، اگر وہ سرو جاں بخش خرام اهتزاز آوے قا، اگر وہ سرو جاں بخش خرام ناز آجاوے ـ ب، قب، مد، کف بر خاک ـ مج، کلشن (سهو کاتب) ـ ۳، ح میں اس غزل کو اوس کلام کے زمرے میں درج کیا هے، جس کا همطرح کوئی شعر قلمی نسخے میں نہیں، اور حال یه هے که ق کے حاشیے میں یه موجود هے، جس کا خود مرتب نے بھی اپنے حاشیے میں ذکر کیا هے ـ الف، قب، هوں که ـ ۴ الف، ق، نه مجھ ضعیف نے اختلاط (سهو کاتب) ـ ب، گل، عشق محبت (سهو کاتب) ـ ۵ الف، گب ۱۹۰ و مد کے علاوہ، گلا، ما، کلا (سهو کاتب) ـ ب، مب، برسبیل (سهو کاتب) ـ ٦ الف، قب هیں، ندارد (سهو کاتب) ـ ۷ الف، قا، قبا، قبج، م، ما، مب، کسو ـ ب، ق، ے، ندارد ـ مد، اپنی سی (هر دو سهو کاتب) ـ ۸ ب، مد، ایک (سهو کاتب) ـ

---

۱ — نیز ملاحظه هو: دریاے معاصی، تُنُک آبی سے، هوا خشک
میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہوا تھا

۲ — نیز ملاحظه هو: قطع کیجے نه تعلق هم سے
کچھ نہیں هے، تو عداوت هی سہی

ہنگامۂ زبونیِ ہمت ہے انفعال — حاصل نکیجیے دہر سے، عبرت ہی کیوں نہ ہو [خ]

وارستگی بہانۂ بیگانگی نہیں — اپنے سے کر، نہ غیر سے، وحشت ہی کیوں نہ ہو

مٹتا ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی — عمرِ عزیز، صرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو [گخ]

اُس فتنہ خو کے در سے اب اُٹھتے نہیں، اسد — اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو [۱]

۱۱۹

حاشیۂ قا

۵ واں پہنچ کر جو غش آتا پئے ہم ہے ہم کو — صد رہ آہنگِ زمیں بوسِ قدم ہے ہم کو [۲ گخ]

دل کو میں اور مجھے دل محوِ وفا رکھتا ہے — کس قدر ذوقِ گرفتاریِ ہم ہے ہم کو [!گ]

---

۲. قبا، م، میں یہ شعر مقطع سے پہلے ہے۔ الف، ق، بہانئہ ۔ ق، قا، سنگی دل نہیں ۔ ب، ق «سے» ندارد۔ ما، گر (ہر دو سہو کاتب) ۔ ۳ الف، مد، خوف فرصت (سہو کاتب)۔ ب، ق، قا، ہر چند عمر ۔ مگر مرتب ح نے اس کا اظہار نہیں کیا ۔ موجود، الفاظ گل کے ہیں ۔ قب میں اس شعر کے بعد از راہ سہو دوسری زمین کے دو شعر لکھ دیے گئے ہیں ۔ ۴ الف، ما، ڈر سے (سہو کاتب) ۔ ۵ الف، انتخاب غالب کے کاتب نے حسب دستور «وہاں» لکھا تھا ۔ غالب نے اسے اپنے قلم سے «واں» بنایا ہے ۔

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا؟

۲ — یہ غزل قیامِ لکھنو کے دوران میں لکھی گئی تھی ۔ میرزا صاحب ۲۶ ذیقعدہ ۱۲۴۲ھ کو لکھنؤ سے روانہ ہوئے تھے (ذکرِ غالب: ۴۲ حاشیہ)۔ اُن کے مکتوب بنامِ سید ابن حسن خاں بہادر (اردو ادب، جولائی ۱۹۵۲ع : ۹۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ کمابیش ۵ مہینے وہاں قیام رہا تھا، اس لیے رجب ۱۲۴۲ھ کے قریب ورودِ لکھنؤ ہونا چاہیے۔ اس صورت میں اس غزل کی تاریخِ نظم رجب اور ذیقعدہ کے درمیان واقع ہوگی ۔

اس غزل کے ۲ متروک شعر یادگارِ نالہ میں آرہے ہیں ۔

گ ضعف سے، نقشِ پئے مور، ہے طوقِ گردن   تیرے کوچے سے کہاں طاقتِ رم ہے ہم کو

گخ جانکر کیجے تغافل، کہ کچھ اُمید بھی ہو   یہ نگاہِ غلط انداز تو سَم ہے ہم کو

گ رشکِ ہمطرحی و دردِ اثرِ بانگِ حزیں   نالۂ مرغِ سحر، تیغِ دو دم ہے ہم کو

، سر اُڑانے کے، جو، وعدے کو مکرر چاہا   ہنس کے بولے کہ "ترے سر کی قسم ہے ہم کو"،

، دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ؟ و لیکن ناچار   ق   پاسِ بیرونقیِ دیدہ. اہم ہے ہم کو ۵

گخ تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو   ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو

گ لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھُلتا، یعنی   ہوسِ سیر و تماشا، سو وہ کم ہے ہم کو

، مقطعِ سلسلۂ شوق نہیں ہے، یہ شہر   عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو

، لیے جاتی ہے کہیں ایک توقع، غالب   جادۂ رہ، کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

۱۲۰

قب

وا ں اُس کو ہَولِ دل ہے، تو یاں میں ہوں شرمسار   یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو[۱] ۱۰

اپنے کو دیکھتا نہیں، ذوقِ ستم تو دیکھ   آئینہ تا کہ دیدۂ نخچیر سے نہ ہو[۲]

---

۱ ب، قا، گل قب، م، قد، مب، کوچہ ۔   ۳ الف، قب، ہم ظرفی دور و اثر (سہو کاتب) ۔   ۴ الف، قا، گل، قب، م، ما، وعدہ ۔   ب، قا، بولا ۔ موجودہ الفاظ پہلی بار گل میں نظر آتے ہیں ۔   ۵ ب، مب، دیدۂ اہم (سہو کاتب) ۔   ۶ ب، قب، تغافل ھی ۔   ۷، قا، بین السطور میں "قطعہ" ۔ مد، ق ۔   الف، قا، کہاںا، غالب ۔   ۸، قد، مد ندارد ۔   ۹ الف، قا، لائی ہے معتمد الدولہ بہادر کی امید   موجودہ اصلاح سب سے پہلے گل میں نظر آتی ہے ۔   ۱۰، یہ غزل قبا کے حاشیے پر مندرج ہے ۔   الف، قب، م، اوس کے ۔   ۱۱ ب، قب "سے" ندارد ۔ قج، قد، نخجیر ۔

---

۱ — میرزا صاحب نے اس مضمون کو فارسی میں یوں لکھا ہے (کلیاتِ فارسی : ۵۰۸) :
دانمش در انتظار غیر، و نالم زار زار   وای! من، گر رفتہ باشد خوابش از غوغای من
۲ — تا کہ، جب تک ۔ حاشیۂ قبا ۔

۱۲۱

قب

رہیے اب ایسی جگہ چل کر، جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو، اور ہم زباں کوئی نہ ہو

بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
کوئی ہمسایہ نہ ہو، اور پاسباں کوئی نہ ہو

پڑیے گر بیمار، تو کوئی نہ ہو بیمار دار
اور اگر مر جائیے، تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو[۱]

۱۲۲

قبا

دھوتا ہوں جب میں، پینے کو، اُس سیم تن کے پانو
رکھتا ہے، ضد سے کھینچ کے، باہر لگن کے پانو[۴]

۵ دی سادگی سے جان، پڑوں کوہکن کے پانو!
ہیہات! کیوں نہ ٹوٹ گئے پیر زن کے پانو[۶]

بھاگے تھے ہم بہت، سو اُسی کی سزا ہے یہ
ہو کر اسیر، دابتے ہیں راہزن کے پانو

مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور
تن سے سوا فگار ہیں، اس خستہ تن کے پانو[۸]

اللہ رے! ذوقِ دشت نوردی کہ بعدِ مرگ
ہلتے ہیں خود بخود مرے، اندر کفن کے، پانو

ہے جوشِ گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف
اُڑتے ہوئے، اُلجھتے ہیں مرغِ چمن کے پانو[۹]

---

۱ ب، مد، سخن گوئی (سہو کاتب) - ۲ الف، قج، بنانا - ب، قج، قد، مد، ہمسایا - ۴، م، قبا، قبج میں یہ مطلع ثانی ہے - ۵، قد میں اس کے بین السطور میں "م" مخفف مطلع لکھا ہے - نیز یہ اور اگلا شعر قبا میں کسی نے بعد کو حاشیے میں لکھے ہیں - الف، م، سادہ گی (سہو کاتب) - ۶ الف، سراپا سخن ۳۴۷، سو اب اوس کی - ۸ الف، سراپا سخن، شوق دشت - ۹ الف، مد، کل (سہو کاتب) - ب، قبا، گن ۲۱۸، اوڑتے ہوئے اوچھلتے -

---

۱ — میرزا صاحب نے یہ شعر ۱۸۶۲ع کے ایک مکتوب بنامِ علائی میں نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں: "مجھ کو رشک ہے جزیرہ نشینوں کے حال پر عموماً اور رئیسِ فرخ آباد پر خصوصاً کہ جہاز سے اُتر کر سر زمینِ عرب میں چھوڑ دیا۔ اہا ہا ہا! بیت: پڑیے گر بیمار الخ (اردوے معلی: ۴۱۱، خطوط: ۱:۳۴۰)۔

۲ — اس غزل کا ایک متروک شعر یادگارِ نالہ میں آرہا ہے۔

خ سب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں؟ | دُکھتے ہیں، آج، اُس بتِ نازک بدن کے پانو
غالب، مرے کلام میں کیونکر مزا نہ ہو؟ | پیتا ہوں دھو کے خسروِ شیریں سخن کے پانو

۱۲۳

آخر ما

خ تم جانو، تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو | مجھ کو بھی پوچھتے رہو، تو کیا گناہ ہو[۱]
[۲] بچتے نہیں مُواخذۂ روزِ حشر سے | قاتل اگر رقیب ہے، تو تم گواہ ہو
[۳] کیا وہ بھی بیگنہ کُش و حق ناشناس ہیں؟ | مانا کہ تم بشر نہیں، خُرشید و ماہ ہو[۴]
[۵] اُبھرا ہوا نِقاب میں ہے اُن کے، ایک تار | مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
[۶] جب میکدہ چُھٹا، تو پھر اب کیا جگہ کی قید | مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو
[۷] سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف، سب درست | لیکن، خدا کرے، وہ ترا جلوہ گاہ ہو!
غالب بھی گر نہ ہو، تو کچھ ایسا ضرر نہیں | دنیا ہو، یا رب، اور مرا بادشاہ ہو!

---

۱ الف، آثار، ۲:۱۵۱، قبا، قبج، قج، م، ما، مب، کسو کے ۔ قد میں غالب نے اپنے قلم سے «کسو» کو «کسی» بنایا ہے ۔ ۳ الف، دیوان سالک ۳۰۸، گر رسم و راہ ہو ۔ ۵ الف، ج، ناسپاس ۔ ۶ الف، آخر ما، نقاب میں اون کے ہے ۔ ب، آخر ما، قج، مب، کسو ۔ قد میں اسے غالب نے اپنے قلم سے «کسی» بنایا ہے ۔ ۷ الف، آخر ما، تو رهی کیا ۔ ۹ الف، مد، کر (سہو کاتب) ۔ ب، مد، پادشاہ ۔

---

۱ ــ نواب علائی کو ایک خط میں لکھا ہے: «تمہارے دیکھنے کو دل بہت چاہتا ہے ۔ اور دیکھنا تمہارا موقوف اس پر ہے کہ تم یہاں آؤ ۔ کاش! اپنے والدِ ماجد کے ساتھ چلے آتے اور مجھ کو دیکھ جاتے ...... تم جانو، تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو، الخ (اردوے معلی: ۴۳۶ و خطوط: ۱:۳۲۱) ۔

۱۲۴

قد

کعبے میں جارہا، تو ندو طعنہ، کیا کہیں بھولا ہوں حقِّ صحبتِ اہلِ کُنِشت کو؟ ح

طاعت میں تا رہے نہ مَے و انگبیں کی لاگ دوزخ میں ڈالدو، کوئی لے کر بہشت کو[1] ،

ہوں مُنحرف نہ کیوں رہ و رسمِ ثواب سے؟ ٹیڑھا لگا ہے قط. قلمِ سر نوشت کو[2] ،

غالب، کچھ اپنی سعی سے لہنا[3] نہیں مجھے خَرمن جلے، اگر نہ ملخ کھائے کشت کو[4] ،

۱۲۵

قد

° گئی وہ بات کہ ہو گفتگو، تو کیونکر ہو کہے سے کچھ نہ ہوا، پھر کہو. تو کیونکر ہو؟[5] ح

۱ الف، تمام نسخے، کعبہ ۔ ۳ ب، قد، مد، ٹھیڑا ۔ مب، ٹھہرا ۔

۱ — نیز ملاحظہ ہو: کیا زہد کو مانوں، کہ نہ ہو گرچہ ریائی
پاداشِ عمل کی طمعِ خام بہت ہے

۲ — نیز ملاحظہ ہو: جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی

۳ —بمعنیِ فائدہ ۔ حاشیۂ قبا ۔

٤ — نیز ملاحظہ ہو: خوشی کیا، کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے
سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈھے ہے ابھی سے برق خَرمن کو
مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے

اس غزل کا ایک متروک شعر یادگارِ نالہ میں آرہا ہے ۔

٥ — دہلی اردو اخبار، جلد ۱۵، نمبر ۱۰، مورخۂ ۲۵ جمادی الاول ۱۲٦۹ھ مطابق ٦ مارچ ۱۸۵۳ع میں، غزلہاے مشاعرۂ قلعہ کے زیرِ عنوان کئی اور غزلوں کے ساتھ یہ غزل بھی شائع ہوئی تھی ۔

ہمارے ذہن میں، اس فکر کا ہے نام وصال
کہ گر نہ ہو، تو کہاں جائیں، ہو، تو کیونکر ہو؟

ادب ہے اور یہی کشمکش، تو کیا کیجے؟
حیا ہے اور یہی گو مگو، تو کیونکر ہو؟

خ تمہیں کہو کہ گزارا صنم پرستوں کا
بُتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو.تو کیونکر ہو؟

• اُلجھتے ہو تم، اگر دیکھتے ہو آئینہ
جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو، تو کیونکر ہو؟

• جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نکہے رات کو، تو کیونکر ہو؟ ۵

ہمیں پھر اُن سے اُمید، اور اُنہیں ہماری قدر
ہماری بات ہی پوچھیں نہ وُو، تو کیونکر ہو؟

غلط نہ تھا، ہمیں خط پر گماں تسلّی کا
نمانے دیدۂ دیدارجو، تو کیونکر ہو؟[1]

بتاؤ اُس مِژہ کو دیکھ کر، کہ مجھ کو قرار
یہ نیش ہو رگِ جاں میں فرو، تو کیونکر ہو؟

مجھے جنوں نہیں، غالب، ولے بقولِ حضور:
«فراقِ یار میں تسکین ہو، تو کیونکر ہو؟»[2]

۱۲۶

قد

خ قفس میں ہوں، گر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
مرا ہونا بُرا کیا ہے، نواسنجانِ گلشن کو؟[3] ۱۰

۱ ب، مد، کہاں (سہو کاتب)۔ ۲ الف، دہلی اردو اخبار، کیجیے کیا۔ ۶ ب، قد میں ھی کو بکسرۂ ما لکھا ہے۔

۱ — نیز ملاحظہ ہو: میں نامراد دل کی تسلّی کو کیا کروں؟
مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے

۲ — یہ مصرع بہادرشاہ ظفر کا ہے جو غالباً کسی مشاعرے اس طرح ہوا تھا۔ غالب کے مصرعِ اول میں «حضور» سے شاہِ ظفر ہی مراد ہیں۔

۳ — دہلی اردو اخبار، جلد ۱۵، نمبر ۱۹، مورخۂ ۲۸ رجب ۱۲۶۹ ھ مطابق ۸ مئی ۱۸۵۳ ع میں یہ غزل مشاعرے کی دوسری کئی غزلوں کے ساتھ درج ہے۔

نہیں گر ہمدمی آساں، نہو، یہ رشک کیا کم ہے؟
نہ دی ہوتی، خدایا، آرزوے دوست دشمن کو![1] خ

نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اُس جراحت پر
کیا سینے میں جس نے خوں چکاں مژگانِ سوزن کو!

خدا شرمائے ہاتھوں کو! کہ رکھتے ہیں کشاکش میں
کبھی میرے گریباں کو، کبھی جاناں کے دامن کو خ

ابھی ہم قتلگہ کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں
نہیں دیکھا شناور، جوے خوں میں، تیرے توسن کو ،

٥ ہوا چرچا جو میرے پانو کی زنجیر بننے کا
کیا بیتاب کاں میں جنبشِ جوہر نے آہن کو ،

خوشی کیا، کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے؟
سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈھے ہے ابھی سے برق خرمن کو[2] ،

---

۲ ب، قد، سینہ - ٥ الف، قد، مب، مد، بنسے (بتشدید نون) - ٦ ب، دہلی اردو اخبار، کہ تاکے ہے - مد، ڈھونڈے -

---

۱ — اسی مضمون کو فارسی میں یوں لکھا ہے (کلیاتِ فارسی : ۳۸۲) :
یاد از عدو نیارم، وین ہم ز دور بینی است کاندر دلم گزشتن، با یار ہم نشینی است

۲ — نیز ملاحظہ ہو: غالب، کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے
خرمن جلے، اگر نہ ملخ کھائے کشت کو

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے

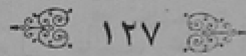
وفاداری بشرطِ اُستُواری اصلِ ایماں ھے
مَرے بتخانے میں، تو کعبے میں گاڑھو بَرہمن کو

شہادت تھی مری قسمت میں، جو دی تھی یہ خو مجھ کو
جہاں تلوار کو دیکھا، جھکا دیتا تھا گردن کو

خ نہ لٹتا دن کو، تو کب رات کو یوں بیخبر سوتا؟
رہا کھٹکا نہ چوری کا، دعا دیتا ہوں رہزن کو[1]

سخن کیا کہہ نہیں سکتے، کہ جویا ہوں جواہر کے؟
جگر کیا ہم نہیں رکھتے، کہ کھودیں جا کے معدن کو؟

مرے شاہِ سلیماں جاہ سے نسبت نہیں، غالب
فریدون و جم و کیخسرو و داراب و بہمن کو ۵


۱۲۷

قد

کسی کو دیکے دل، کوئی نواسنجِ فغاں کیوں ہو؟
نہ ہو جب دل ہی سینے میں، تو پھر مُنہ میں زباں کیوں ہو؟[2]

---

۱ ب، مد کے علاوہ، بتخانہ - کعبہ - مب، ج، مد، گاڑو - ۴ ب، دھلی اردو اخبار، جا کے کھودیں - ٦ ب، مد، اردوے معلی ۲٦۸، عود ۱۱۰، خطوط، ۳۰۸:۱، پہلو میں - قد، مب، مج، سینہ -

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: ہوسِ گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا
عجب آرام دیا بے پروبالی نے مجھے

۲ — میرزا صاحب نے منشی نبی بخش حقیر کو ۲۲ رمضان ۱۲۷۰ ھ مطابق ۱۸ جون (باقی)

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے، ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں؟
سَبُک سر بن کے کیا پوچھیں کہ «ہم سے سر گراں کیوں ہو؟» خ
کیا غمخوار نے رُسوا، لگے آگ اس محبت کو!
نہ لاوے تاب جو غم کی، وہ میرا راز داں کیوں ہو؟ '

(بقیہ) ۱۸۵٤ع کے بعد لکھا ہے کہ «میں نے ان دنوں میں دو غزلیں لکھی ہیں۔ ایک تو «دریا ہوا، صحرا ہوا»۔ سو وہ آپ کے پاس بھیج چکا۔ دوسری غزل: «رواں کیوں ہو، اور گماں کیوں ہو»۔ وہ اب بھیجتا ہوں» (نادراتِ غالب: ٥٦)۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس تاریخ سے کچھ قبل اُنھوں نے یہ غزل لکھی تھی۔ نیز میرزا صاحب نے مہر کو ایک خط میں لکھا ہے: «پہلے تم سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ برابر کئی خطوں میں تم کو غم و اندوہ کا شکوہ گزار پایا ہے۔ پس اگر کسی بیدرد پر دل آیا ہے، تو شکایت کی کیا گنجایش ہے؟ بلکہ یہ غم تو، نصیبِ دوستاں، درخورِ افزایش ہے۔ بقولِ غالب، علیہ الرحمہ:

کسی کو دیکے دل، کوئی نواسنجِ فغاں کیوں ہو؟
نہ ہو جب دل ہی پہلو میں، تو پھر مُنہ میں زباں کیوں ہو؟

ہے ہے! حسنِ مطلع:

یہ فتنہ، آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے؟
ہوے تم دوست جس کے، دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو؟

افسوس ہے کہ اس غزل کے اور اشعار یاد نہ آئے۔ اور اگر خدانخواستہ باشد، غمِ دنیا ہے، تو، بھائی، ہمارے ہمدرد ہو۔ ہم اس بوجھ کو مردانہ اُٹھارہے ہیں، تم بھی اُٹھاؤ، اگر مرد ہو۔ بقولِ غالب مرحوم:

دلا، یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر   نہ گریۂ سحری ہے، نہ آہِ نیم شبی ہے

(اردوے معلی: ۲٦۸، عود: ۱۱۰، خطوط: ۱:۳۰۸)

خ وفا کیسی؟ کہاں کا عشق؟ جب سر پھوڑنا ٹھہرا[1]

تو پھر، اے سنگدل، تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو؟

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر، ہمدم

گری ہے جس پہ کل بجلی، وہ میرا آشیاں کیوں ہو؟

یہ کہ سکتے ہو: «ہم دل میں نہیں ہیں»، پر یہ بتلاؤ

کہ جب دل میں تمھیں تم ہو، تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو؟

خ غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ، دیکھو، جرم کس کا ہے؟

نہ کھینچو گر تم اپنے کو، کشاکش درمیاں کیوں ہو؟

یہ فتنہ، آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے؟

ہوئے تم دوست جس کے، دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو؟[5]

خ یہی ہے آزمانا، تو ستانا کس کو کہتے ہیں؟

عَدو کے ہولیے جب تم، تو میرا امتحاں کیوں ہو؟

کہا تم نے کہ «کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی؟»

بجا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کہیو کہ «ہاں، کیوں ہو؟»

خ نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو، غالب؟

ترے بیمہر کہنے سے، وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو؟

---

۱ الف، قد، مب، ٹھہرا ۔ ۳ ب، قد میں «تم ہیں» لکھا گیا تھا ۔ غالب نے اپنے قلم سے «تمھیں» بنایا ہے ۔ ۵ ب، قد، مد، اوس کا دشمن ۔ اردوے معلیٰ، عود، ہوا تو دوست جس کا دشمن اوس کا ۔

ہ

۱۲۸

ق، قا

از مہر تا بہ ذرّہ دل، و دل ہے آئنہ   طوطی کو، شش جہت سے، مقابل ہے آئنہ

۱۲۹

حاشیۂ ق، قا

ہے سبزہ زار، ہر در و دیوارِ غمکدہ   جس کی بہار یہ ہو، پھر اُس کی خزاں نپوچھ
ناچار بیکسی کی بھی حسرت اُٹھائیے   دشواریِ رہ و ستمِ ہمرہاں نپوچھ [م]

ی

۱۳۰

ق، قا

صد جلوہ روبرو ہے، جو مژگاں اُٹھائیے   طاقت کہاں کہ دید کا احساں اُٹھائیے؟
ہے سنگ پر، براتِ معاشِ جنونِ عشق   یعنی، ہنوز مِنّتِ طفلاں اُٹھائیے [م]
دیوار، بارِ مِنّتِ مزدور سے ہے خم   اے خانماں خراب، نہ احساں اُٹھائیے [۱م]

۱، م، عنوان، ردیف الہاء ـ ج، باب الہاء - ب، قا، ہو آئنہ - ۲ الف، ما، سبزہ زار ہر در (باضافت، سہو کاتب) ۔
۳، م، عنوان، ردیف الیاء ـ ج، باب الیاء ـ الف، مد، مرگاں (سہو کاتب) - ب، قب، زیست کا (سہو کاتب)-

۱ — نیز ملاحظہ ہو: درد مِنّت کشِ دوا نہوا
میں نہ اچھا ہوا، بُرا نہوا

رنجِ نومیدیِ جاوید گوارا رہیو!
خوش ہوں، گر نالہ زبونی کشِ تاثیر نہیں

گویا میرے زخمِ رشک کو رُسوا نہ کیجیے ۔۔۔ یا پردۂ تبسمِ پنہاں اُٹھائیے؟

۱۳۱

ق، قا

ہے بزمِ بتاں میں، سخن، آزُردہ لبوں سے ۔۔۔ تنگ آے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے

ہے، دورِ قدح، وجہِ پریشانیِ صہبا ۔۔۔ یکبار لگادو خُمِ مَے میرے لبوں سے

رندانِ درِ میکدہ گستاخ ہیں، زاہد ۔۔۔ زنہار، نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے

خ بیدادِ وفا دیکھ، کہ جاتی رہی آخر ۔۔۔ ہرچند مری جان کو تھا ربط لبوں سے

۱۳۲

ق، قا

غمِ دنیا سے، گر پائی بھی، فرصت سر اُٹھانے کی ۔۔۔ فلک کا دیکھنا، تقریب تیرے یاد آنے کی

خ کھُلے گا کس طرح مضموں مرے مکتوب کا، یارب؟ ۔۔۔ قسم کھائی ہے اُس کافر نے، کاغذ کے جلانے کی

لپٹنا پرنیاں میں شعلۂ آتش کا آساں ہے ۔۔۔ ولے مشکل ہے حکمت دل میں سوزِ غم چھپانے کی

اُنہیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا ۔۔۔ اُٹھے تھے سیرِ گل کو، دیکھنا شوخی بہانے کی[1]

خ ہماری سادگی تھی، التفاتِ ناز پر مرنا ۔۔۔ ترا آنا نہ تھا، ظالم، مگر تمہید جانے کی ۱۰

لکدکوبِ حوادث کا تحمّل کر نہیں سکتی ۔۔۔ مری طاقت کہ ضامن تھی بُتوں کے ناز اُٹھانے کی

خ کہوں کیا خوبیِ اوضاعِ ابناے زماں، غالب ۔۔۔ بدی کی اُس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہا نیکی

۳ ب، مد، ایکبار ۔ ۴ ب، قب، قبج، م، اون ۔ ۵ الف، قب، دیکھ کے ۔ ۶ الف، م، پانی تھی ۔
ب، قب، فلک کو ۔ ۷ الف، ح، پنہاں ہے (سہو کاتب) ۔ ۱۱ الف، ق، قا، سے نہ سربر ہوسکی آخر ۔ ب، ق، قا،
وہی طاقت کہ ضامن تھی بتاں ح میں اس اختلاف کا ذکر نہیں ۔ نیز یہ بیت ق اور قا میں نمبر ۳ پر ہے ۔

۱ — نیز ملاحظہ ہو: ہواے سیرِ گل، آئینۂ بیمہریِ قاتل
کہ اندازِ بخوں غلتیدنِ بسمل پسند آیا

۱۳۳

ق، قا

بساطِ عجز میں تھا ایک دل، یک قطرہ خوں وہ بھی
سو رہتا ہے باندازِ چکیدن سرنگوں، وہ بھی

رہے اُس شوخ سے آزُردہ ہم چندے تکلف سے
تکلف بر طرف، تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی

خیالِ مرگ کب تسکیں دلِ آزُردہ کو بخشے؟
مرے دامِ تمنا میں ہے اک صیدِ زبوں وہ بھی

نکرتا کاش! نالہ، مجھ کو کیا معلوم تھا، ہمدم
کہ ہوگا باعثِ افزایشِ دردِ دروں، وہ بھی

۵ نہ اتنا بُرّشِ تیغِ جفا پر ناز فرماؤ
مرے دریائے بیتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی

مئے عشرت کی خواہش، ساقیِ گردوں سے کیا کیجے؟
لیے بیٹھا ہے اک دو چار جامِ واژگوں، وہ بھی

مرے دل میں ہے، غالبؔ، شوقِ وصل و شکوۂ ہجراں
خدا وہ دن کرے، جو اُس سے میں یہ بھی کہوں، وہ بھی

---

۱ ب، مد، اک قطرہ۔ ۳۔ یہ اور اگلا شعر ق میں "نہ اتنا برش" کے بعد، اور گل میں صرف یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔ ب، قا، یک صید۔ گل، قب، م، ما، مب ۔ قد، ایک (سہو کاتب)۔ ۵ ب، قا، قبج، یک موج۔ م، ما، مب، قد، ایک (سہو کاتب)۔ نیز قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔ ۶۔ یہ شعر ق میں نمبر ۳ پر ہے۔ ب، م، قبج، یک دو۔ ما، مب، ایک (سہو کاتب) ۷ ق، قا، اسد، ہے دل میں درد اشتیاق و۔

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: ندے نامے کو اتنا طول، غالبؔ، مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں، عرضِ ستمہائے جدائی کا

۱۳۴

ق، حاشیۂ ق، قا

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ، اے آرزو خرامی — دل، جوشِ گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی[1]

اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بُجھادے ٭ میں بھی، جلے ہووں میں، ہوں داغِ ناتمامی[۱]

۱۳۵

ق، حاشیۂ ق، قا

کنج کیا تنگ ہم ستمزدگاں کا جہاں ہے[۲] — جس میں کہ ایک بیضۂ مور، آسمان ہے

ہے کائنات کو حرکت، تیرے ذوق سے — پرتو سے آفتاب کے، ذرّے میں جان ہے[۲]

حال آں کہ ہے یہ سیلیِ خارا سے لالہ رنگ ٭ غافل کو میرے شیشے پہ مے کا گمان ہے[۵]

کی اُس نے گرم، سینۂ اہلِ ہوس میں، جا — آوے نہ کیوں پسند، کہ ٹھنڈا مکان ہے[۶]؟

---

۱ ب، قا، ڈوبی (سہو کاتب)۔ ۳ الف، قب، ما، ستمزدوں کا (سہو کاتب)۔ ۴ ب، قا، مد، ح کے علاوہ، ذرہ۔ کاتب انتخاب نے بھی "ذرہ" لکھا تھا۔ مگر غالب نے اپنے قلم سے "ہ" کو "ی" بنایا ہے۔ قب میں "آفتاب کے" مکرر لکھدیا گیا ہے۔ ۵ ب، مد کے علاوہ، شیشہ۔ ۶ ب، قا، تھنڈا، ج، ٹھندا (ہر دو سہو کاتب)۔

---

۱ – نیز ملاحظہ ہو: جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے

اے ناتمامیِ نفسِ شعلہ بار، حیف!

جی جلے ذوقِ فنا کی ناتمامی پر نہ کیوں؟

ہم نہیں جلتے، نفس ہر چند آتشبار ہے

۲ – نیز ملاحظہ ہو: ہے، تجلّی تری، سامانِ وجود

ذرّہ، بے پرتوِ خُرشید نہیں

ہے وہی بدمستیِ ہر ذرّہ کا خود عذرخواہ

جس کے جلوے سے، زمیں تا آسماں سرشار ہے

کیا خوب! تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا؟ — بس چپ رہو، ہمارے بھی مُنہ میں زبان ہے گغ

بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوارِ یار میں — فرماں رواے کشورِ ہندوستان ہے مگ

۵ ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا — کس سے کہوں کہ «داغ، جگر کا نشان ہے»؟ خ

ہے، بارے، اعتمادِ وفاداری اس قدر — غالب، ہم اس میں خوش ہیں کہ نا مہربان ہے گغ

۱۳۶

ق، حاشیۂ ق، قا

۱ درد سے میرے، ہے تجھ کو بیقراری، ہاےہاے! — کیا ہوئی، ظالم، تری غفلت شعاری؟ ہاےہاے![1]

تیرے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ — تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری؟ ہاےہاے!

کیوں مری غمخوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال؟ — دشمنی اپنی تھی، میری دوستداری. ہاےہاے!

عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا. تو کیا؟ — عمر کو بھی تو نہیں ہے پایداری، ہاےہاے!

زہر لگتی ہے مجھے آب و ہواے زندگی — یعنی، تجھ سے تھی اسے ناسازگاری، ہاےہاے!

۱۰ گلفشانیہاے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا؟ — خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری. ہاےہاے!

شرمِ رسوائی سے جا چُھپنا نقابِ خاک میں — ختم ہے الفت کی، تجھ پر، پردہ‌داری. ہاےہاے!

خاک میں ناموسِ پیمانِ محبت مِل گئی — اُٹھ گئی دنیا سے راہ و رسمِ یاری. ہاےہاے!

ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا — دل پہ اك، لگنے نپایا، زخمِ کاری، ہاےہاے!

---

۱ الف، قا، بوسا - نیز یہ شعر ق، ح، گل میں اگلے شعر کے بعد ہے - ۲ الف، قب، م، جو کے (سہو کاتب) - نیز قا میں یہ بیت اگلے دو شعروں کے بعد ہے - ۳ الف، قج «کا» ندارد (سہو کاتب) - ب، ج، داغ جگر (باضافت، سہو کاتب) - ۴ الف، قب، بار اعتماد (سہو کاتب) - ب، ق، قا، گل، ہم بھی اسی میں خوش ہیں کہ نامہربان ہے - نیز قا میں یہ غزل کا چھٹا شعر ہے، اور گل میں مطلع کے بعد درج ہوا ہے - ۸ الف، م، پیمانا (سہو کاتب) - ۹ ب، م، بھی (سہو کاتب) - قب، م، اوسے - ۱۰ ق، قا، میں یہ بیت اگلے دو شعروں کے بعد ہے - ۱۱ الف، قب «سے» ندارد - م، چھوتا، مد، چھنا (ہر دو سہو کاتب) - ۱۲، ق، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے - ج، ح، مل گئے - ۱۳ ب، قا، قب، م، ما، مب، اپك -

---

۱— میرزا صاحب نے مہر کو اُن کی محبوبہ کی موت پر ۱۸۶۰ء میں لکھا ہے: «بھئی، مغلچے بھی غضب ہوتے ہیں - جس پر مرتے ہیں، اُس کو مار رکھتے ہیں - میں بھی مغلچہ ہوں - عمر بھر میں ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو میں نے بھی مار رکھا ہے - خدا اُن دونوں کو بخشے، اور ہم تم کو بھی، کہ زخمِ مرگِ دوست کھائے ہوے ہیں، مغفرت کرے - (باقی)

ح کس طرح کاٹے کوئی شبہاے تارِ برشکال؟ ہے. نظر. خوکردۂ اختر شماری، ہایہاے،
، گوش مہجورِ پیام و چشم محرومِ جمال ایک دل، تس پر یہ نا اُمیدواری، ہایہاے!
عشق نے پکڑا نہ تھا، غالب، ابھی وحشت کا رنگ رہ گیا، تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری، ہایہاے!

۱۳۷

ق، قا

ح سرگشتگی میں، عالمِ ہستی سے یاس ہے تسکیں کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے
، لیتا نہیں مرے دلِ آوارہ کی خبر اب تک، وہ جانتا ہے کہ، میرے ہی پاس ہے ۵
کیجے بیاں سرورِ تبِ غم کہاں تلک؟ ہر مُو، مرے بدن پہ، زبانِ سپاس ہے
ہے وہ، غرورِ حُسن سے، بیگانۂ وفا ہر چند اُس کے پاس دلِ حق شناس ہے
ح پی، جس قدر ملے، شبِ مہتاب میں شراب اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے
ہریک مکان کو ہے مکیں سے شرف، اسد مجنوں جو مرگیا ہے، تو جنگل اُداس ہے

۱۳۸

ق، حاشیۂ ق، قا

ح گر خامشی سے فائدہ اخفاے حال ہے خوش ہوں، کہ میری بات سمجھنی محال ہے ۱۰
کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلہ؟ دل، فردِ جمع و خرجِ زبانہاے لال ہے

۱ الف، قب، ما، مج، برشگال - م، پرشکال (ہر دو سہو کاتب) - ۲ ب، قبج، دن - قب، تسپر بھی -
۳، ق، قا، گر مصیبت تھی، تو غربت میں اوٹھا لیتا، اسد میری دلی ہی میں ہونی تھی یہ خواری، ہایہاے! ق، ح،
اوٹھالیتے — دھلی - قب، عشق نے پکرھا تھا، غالب وحشت کا رنگ (سہو کاتب) - ۴ الف، قد "دے" ندارد -
۶ الف، قب، م، ما، مد، ح، تپ - ۷، یہ بیت، ق، قا میں اگلے شعر کے بعد ہے - ۸ الف، قا کے متن میں "تب
مہتاب" ہے - لیکن حاشیے پر کسی نے "شب" لکھدیا ہے - ب، مد، اوس (سہو کاتب) - ۹ الف، قب، ما، ہر ایک - مج، مد،
ح، ہر اک ب، قب، "جو" ندارد - ۱۰ الف، قا، قب، م، خاموشی - ۱۱ الف، قا، ح کے علاوہ، گلا - ب، قب، ما،
مد، ح، خرج (سہو کاتب) -

(بقیہ) چالیس بیالیس برس کا یہ واقعہ ہے - باآنکہ یہ کوچہ چُھٹ گیا. اس فن میں بیگانۂ محض ہوگیا. لیکن اب بھی کبھی وہ ادائیں یاد آتی ہیں - اُس کا مرنا زندگی بھر نہ بھولوں گا - (خطوط ۳۱۵:۱، عود ۱۱۶)

کس پردے میں ہے آئنہ پرداز؟ اے خدا — رحمت، کہ عذر خواہِ لبِ بے سوال ہے گخ

ہے ہے! خدا نخواستہ، وہ اور دشمنی — اے شوقِ مُنفعِل، یہ تجھے کیا خیال ہے[1] ٠

مُشکیں، لباسِ کعبہ، علی کے قدم سے جان — نافِ زمین ہے، نہ کہ نافِ غزال ہے[2]

وحشت پہ میری، عرصۂ آفاق، تنگ تھا — دریا، زمین کو عرقِ انفعال ہے

• ہستی کے مت فریب میں آجائیو، اسد ☆ — عالم تمام، حلقۂ دامِ خیال ہے[3] گخ

---

۱ الف، مد کے علاوہ، پردہ ۔ قب، پر اے خدا (سہو کاتب) ۔ ب، قب، رحمت کے ۔ نیز گ‌ل میں یہ شعر اگلی بیت کے بعد ہے ۔
۲ ب، ح، ذوق ۔ ۳، ق، قا، ح میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے ۔ الف، قب، قبج، قدم کو (سہو کاتب) ۔ ۴ الف، ق، قا، عالم بساط دعوت دیوانگی نہیں ۔ ۵ الف، ق، قا، گ‌ل، آجائیو کہیں ۔ نیز ق میں یہ مقطع حاشیے کا ہے ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ غالب نے ق میں گ‌ل کے بعد تک ترمیمیں کی ہیں ۔ نیز ق اور قا میں یہ غزل کا تیسرا شعر ہے ۔

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: ظالم، مرے گماں سے مجھے مُنفعِل نچاہ
ہے ہے! خدا نکردہ، تجھے بیوفا کہوں!

۲ — اس مضمون کو فارسی میں یوں لکھا ہے (کلیاتِ فارسی: ۱۸۹):
از مکرمتش، نافِ زمین، نافِ غزالست — مشکینِ زِ چہ شد، ورنہ، لباسِ حرم آیا؟

۳ — نیز ملاحظہ ہو: ہاں، کھائیو مت فریبِ ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستیِ اشیا مرے آگے

۱۳۹

ق، قا

ح تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو
حذر کرو مرے دل سے، کہ اس میں آگ دبی ھے[۱]

دلا، یہ درد و الم بھی تو مُغتَنَم ھے، کہ آخر
نہ گریۂ سحری ھے، نہ آہِ نیم شبی ھے[۲]

۱٤۰

ق، حاشیۂ ق، قا

خ رفتارِ عمر، قطعِ رہِ اضطراب ھے | اس سال کے حساب کو، برق، آفتاب ھے

گ میناے مَے ھے، سرو، نشاطِ بہار سے | بالِ تَدرو، جلوۂ موجِ شراب ھے

گخ زخمی ہوا ھے، پاشنہ پاے ثَبات کا ٭ نے بھاگنے کی گوں، نہ اِقامت کی تاب ھے[۲] ٥

---

۱ الف، ح کے علاوہ، شکوہ - قب، پوچھ (سہو کاتب) - ۲ الف، ق، قا، اسد، یہ درد و الم - قب «کہ» ندارد (سہو کاتب) -
۴ الف، ج، بہار مے (سہو کاتب) - ب، گُل، شراب ہے (سہو کاتب) - ٥ الف، مد، پائی ثبات (سہو کاتب) - ب، قا، مب، بھاگنے کوں (سہو کاتب) - قب، م، نہ (دونوں جگہ) -

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: ہوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت، کچھ نہ پوچھ
ھے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

پُر ہوں میں شکوے سے یوں، راگ سے جیسے باجا
اک زرا چھیڑیے، پھر دیکھیے، کیا ہوتا ھے

۲ — نیز ملاحظہ ہو: نغمہ ھاے غم کو بھی، اے دل، غنیمت جانیے
بے صدا ہوجاے گا، یہ سازِ ہستی ایک دن

۳ — نیز ملاحظہ ہو: ہوے ھیں پانو ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی
نہ بھاگا جاے ھے مجھ سے، نہ ٹھہرا جاے ھے مجھ سے

جادادِ بادہ نوشیِ رنداں ہے، شش جہت ❁ غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خراب ہے
نظّارہ کیا حریف ہو اُس برقِ حسن کا؟ جوشِ بہار، جلوے کو جس کے نِقاب ہے[1]
میں نامراد دل کی تسلّی کو کیا کروں؟ مانا کہ تیرے رُخ سے نگہ کامیاب ہے گخ
گزرا، اسد، مسرّتِ پیغامِ یار سے قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوال و جواب ہے ۰

۱۴۱

ق، حاشیۂ ق، قا

ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے ۰ صبحِ وطن، ہے خندۂ دنداں نما مجھے گخ
ڈھونڈھے ہے اُس مغنّیِ آتش نفس کو، جی ❁ جس کی صدا، ہو جلوۂ برقِ فنا مجھے
مستانہ طے کروں ہوں رہِ وادیِ خیال ❁ تا بازگشت سے نہ رہے مُدّعا مجھے[2] خ
کرتا ہے، بسکہ باغ میں تو، بیحجابیاں آنے لگی ہے نکہتِ گل سے حیا مجھے گخ
کُھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ؟ شعروں کے انتخاب نے رُسوا کیا مجھے ۰

---

۱ الف، قا، جا دادہ (سہو کاتب) - ۲ الف، گن، اس - ب، ح کے علاوہ تمام نسخے، جلوہ - ۳ الف، ج، نامراد دل (باضافت، سہو کاتب) - ٦ الف، ما، مد، ڈھونڈے - قا میں «ھے» غالب نے اپنے قلم سے بڑھایا ہے - ۷ ب، مد، بازگست (سہو کاتب) - ۸ الف، قب، تو لے جمائیاں (سہو کاتب) - ب، م، ما، قد، مب، انتخاب، نگہت (سہو کاتب) - ۹ الف، ق، کھلے کسو ــ معاملے - مگر مرتب ح نے اس کا اظہار نہیں کیا - قا، قب، قبج، قبد، م، ما، مب کسو - قد میں بھی یونہی تھا - غالب نے اپنے قلم سے «کسی» بنایا ہے - م، معاملا -

---

۱ ــ نیز ملاحظہ ہو: ناکامیِ نگاہ ہے برقِ نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

نظّارے نے بھی کام کیا واں نِقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رُخ پر بکھر گئی

۲ ــ اس مضمون کو فارسی میں یوں ادا کیا ہے (کلیاتِ فارسی: ۳۰۸):
بازگشتے نبود، گر ہمہ، ہوشم بخشند راہِ صحراے خیالِ تو چو مستان رفتم

۱۴۲

ق

جنوں، تہمت کشِ تسکیں نہ ہو، گر شادمانی کی
نمک پاشِ خراشِ دل ہے، لذّت زندگانی کی

کشاکشہائے ہستی سے کرے کیا سعیِ آزادی
ہوئی زنجیر، موجِ آب کو، فرصت روانی کی

پس از مردن بھی، دیوانہ، زیارتگاہِ طفلاں ہے
شرارِ سنگ نے تربت پہ میری گلفشانی کی

۱۴۳

ق، حاشیۂ ق، قا

نکوہش، ہے سزا فریادیِ بیدادِ دلبر کی
مبادا! خندۂ دنداں نما ہو، صبحِ محشر کی

رگِ لیلیٰ کو، خاکِ دشتِ مجنوں، ریشگی بخشے
اگر بووے بجائے دانہ، دہقاں، نوک نشتر کی

پرِ پروانہ، شاید، بادبانِ کشتیِ مے تھا
ہوئی مجلس کی گرمی سے، روانی دورِ ساغر کی

کروں بیدادِ ذوقِ پرفشانی عرض، کیا قدرت!
کہ طاقت، اُڑگئی اُڑنے سے پہلے، میرے شہپر کی

کہاں تک رووں اُس کے خیمے کے پیچھے؟ قیامت ہے!
مری قسمت میں، یارب، کیا نہ تھی دیوار پتھر کی؟[1]

۱ الف، ق، قا، قب، م، گو - مگر ق کے بارے میں مرتب ح نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ ب‘ مد‘ وند کانی (سہو کاتب) -
۲ ب، ما، زنجیر موج آب (بتوالی اضافات، سہو کاتب) - ۴ ب، مد، میرے (سہو کاتب) - ۵ الف، قب‘ رشکی (سہو کاتب) -
۶ الف‘ مد کے علاوہ، خیمہ - قبح‘ قیامت میں (سہو کاتب) -

۱ — نیز ملاحظہ ہو: شوریدگی کے ہاتھ سے ہے سر وبالِ دوش
صحرا میں، اے خدا، کوئی دیوار بھی نہیں

۱۴۴

ق

جو نہ نقدِ داغِ دل کی کرے، شعلہ پاسبانی   تو فسردگی نہاں ہے بکمینِ بےزبانی ۱ خ

مجھے اُس سے کیا توقع بزمانۂ جوانی   کبھی کودکی میں جس نے نہ سنی مری کہانی

یوں ہی دُکھ کسی کو دینا نہیں خوب، ورنہ کہتا   کہ مرے عدو کو، یارب، ملے میری زندگانی!

۱۴۵

ق، قا

آ، کہ مری جان کو قرار نہیں ہے   طاقتِ بیدادِ انتظار نہیں ہے گخ

دیتے ہیں جنّت، حیاتِ دہر کے بدلے   نشّہ باندازۂ خمار نہیں ہے

گریہ نکالے ہے تری بزم سے مجھ کو   ہائے! کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے

ہم سے عبث ہے، گمانِ رنجشِ خاطر   خاک میں عُشّاق کی غبار نہیں ہے ک

دل سے اُٹھا لطفِ جلوہ ہائے معانی   غیرِ گل، آئینۂ بہار، نہیں ہے

قتل کا میرے کیا ہے عہد تو، بارے   وائے! اگر عہد اُستوار نہیں ہے گخ

۱۰ تو نے قسم میکشی کی کھائی ہے، غالب؟   تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

---

۱ الف، مد، جو نقد - کرکے (سہو کاتب)۔ ۳ الف، قب، قبج، قبد، قج، م، ما، مب، کسو - قد میں بھی اسی طرح تھا۔ غالب نے اپنے قلم سے تصحیح کی ہے۔ ۴ الف، مد، میری - ۵ ب، تمام نسخے، نشہ (بتشدید شین) - قد کے کاتب نے نشئہ لکھا تھا۔ غالب نے اپنے ہاتھ سے ہمزہ چھیل کر شین پر تشدید بنائی ہے۔ ۸ الف، ما، مب، ندارد - ج، جلوہائے۔ ۹ الف، ح، میرے عہد تو کیا ہے (سہو کاتب)۔ ۱۰ ب، قد، تری قسم (سہو کاتب)۔

---

۱ — یہ غزل اُس قصیدے سے نکالی گئی ہے جو گنجینۂ معنی: ۹ میں شامل ہے۔ چونکہ قا آخر سے ناقص ہے، اس لیے اُس میں یہ اشعار موجود نہیں۔

۱٤٦

ق، حاشیۂ ق، قا

ح ہجومِ غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے
که تارِ دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے

گ رفوے زخم سے مطلب، ہے لذّت زخمِ سوزن کی *
سمجھیو مت که پاسِ درد سے دیوانه غافل ہے[۱]

[۳] وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے، غالبؔ
چٹکنا غنچۂ گل کا، صداے خندۂ دل ہے

۱٤۷

ق، قا

گ نقشِ نازِ بتِ طنّاز باغوشِ رقیب
پاے طاؤس. پۓ خامۂ مانی مانگے

[۴] تو وہ بدخو که تحیّر کو تماشا جانے
غم وہ افسانه که آشفته بیانی مانگے ۵

وہ تبِ عشق تمنا ہے که پھر، صورتِ شمع
شعله. تا نبضِ جگر ریشه دوانی مانگے

۱٤۸

ق، قا

گ پا بدامن ہورہا ہوں، بسکه، میں صحرا نورد
خارِ پا ہیں جوہرِ آئینۂ زانو مجھے

---

۳ الف، قج، گل جو -   ۴، ق، قا میں یه بیت اگلے شعر کے بعد ہے-   الف، قا، نفس (سهو کاتب) - قب، نقش بازیب به اغوش - قد، مب، باغوش (ہر دو سهو کاتب) -   ۵ الف، قب ، تحیر، ندارد-   ب، ق، قا، گل، قب، م، دل وہ-   ٦ الف، قا، قبح، قبد، قج، مب، ج، مد، ح، تپ - ما، بت عشق (سهو کاتب) - ق، قا، قب، م، جوں رشتۂ شمع - قب، قبج، م، چوں - ب، قب، قبج، م، تا مغز جگر -

---

۱ — نیز ملاحظه ہو: زخم سلوانے سے، مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن
غیر سمجھا ہے که لذّت زخمِ سوزن میں نہیں

دیکھنا حالت مرے دل کی، ہم آغوشی کے وقت   ہے نگاہِ آشنا، تیرا سرِ ہر مُو، مجھے گ

ہوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت، کچھ نہ پوچھ   ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے [1] گخ

۱۴۹

ق، قا

ہوئی گر مرے مرنے سے تسلّی، نہ سہی   امتحاں اور بھی باقی ہو، تو یہ بھی نہ سہی خ

خار خارِ المِ حسرتِ دیدار تو ہے   شوق، گلچینِ گلستانِ تسلّی نہ سہی

۵ مے پرستاں، خُمِ مے منھ سے لگائے ہی بنے   ایک دن گر نہ ہوا بزم میں ساقی، نہ سہی گخ

نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغِ صحرا   گر نہیں شمعِ سیہ خانۂ لیلی، نہ سہی گ

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق   نوحۂ غم ہی سہی، نغمۂ شادی نہ سہی '

نہ ستایش کی تمنا، نہ صِلے کی پروا   گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی، نہ سہی

عشرتِ صحبتِ خوباں ہی غنیمت سمجھو   نہ ہوئی، غالب، اگر عمرِ طبیعی، نہ سہی '

۱۵۰

ق، قا

۱۰ تغافل دوست ہوں، میرا دماغِ عجز عالی ہے   اگر پہلو تہی کیجے، تو جا میری بھی خالی ہے [2] خ

رہا آباد عالم، اہلِ ہمّت کے نہ ہونے سے   بھرے ہیں جس قدر جام و سبو، میخانہ خالی ہے '

---

۴ ب، مد، شوق گلچین (باضافت)۔ ۵ الف، قا، گل، قب، قبج، م، اگالو یعنی - ق میں بھی یہی لفظ ہوں گے۔ مگر ح میں اسے ظاہر نہیں کیا۔ ۷ الف، مد کے علاوہ، ہنگامہ۔ ۸ الف، قد، مب، ج، صلہ۔ ب، ق، پہلے، نہوے گر مرے۔ اصلاح حاشیے پر ہے - گل، نہیں ہے۔ ۱۰ الف، مد، میری جا۔

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو
حذر کرو مرے دل سے، کہ اس میں آگ دبی ہے

پُر ہوں میں شکوے سے یوں، راگ سے جیسے باجا
اک زرا چھیڑیے، پھر دیکھیے، کیا ہوتا ہے

۲ — اس خیال کو فارسی میں یوں تحریر کیا ہے (کلیاتِ فارسی: ۳۵۷):

در آغوشِ تغافل، عرضِ یکرنگی توان دادن   تہی تا میکنی پہلو، بما بنمودۂ جا را

۱۵۱

ق، حاشیۂ ق، قا

ک رحم کر، ظالم، کہ کیا بودِ چراغِ کشتہ ھے! | نبضِ بیمارِ وفا، دودِ چراغِ کشتہ ھے
دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ھے ھمیں | ورنہ یاں بیرونق، سودِ چراغِ کشتہ ھے

۱۵۲

ق، قا

گلشن کو تری صحبت، از بسکہ خوش آئی ھے | ھر غنچے کا گل ھونا، آغوش کشائی ھے
واں کُنگرِ استغنا، ھر دم ھے بلندی پر | یاں نالے کو اور اُلٹا دعوائے رسائی ھے
از بسکہ سکھاتا ھے غم ضبط کے اندازے | جو داغ نظر آیا، اک چشم نمائی ھے ۵

۱۵۳

ق، قا

سیماب، پشت گرمیِ آئینہ دے ھے، ھم | حیراں کیے ھوئے ھیں، دلِ بیقرار کے
آغوشِ گل، کشودہ برائے وداع ھے | اے عندلیب، چل کہ چلے دن بہار کے[1]

---

۲ الف، قب «کی» ندارد (سہو کاتب) ۔ ۳ ب، مد کے علاوہ، غنچہ ۔ ۴ ب، مد کے علاوہ، نالہ ۔ قج، قد، م، مد، دعوی ۔ ۵ الف، قب، قج، م، درد کے ۔ ب، ق، قا، داغوں کا نظر آنا خود ۔ قب، ایک ۔ ۶ ب، قب «کے» ندارد (سہو کاتب) ۔

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو:

چھڑ کے ھے شبنم آئنۂ برگِ گل پہ آب
اے عندلیب، وقتِ وداعِ بہار ھے

۱۵٤

ق، حاشیۂ ق، قا

ہجومِ نالہ، حیرت عاجزِ عرضِ یک افغاں ہے — خموشی، ریشۂ صد نیستاں سے، خس بدنداں ہے[۱]

تکلف برطرف، ہے جانستاں تر لطفِ بدخویاں — نگاہِ بیحجابِ ناز، تیغِ تیزِ عریاں ہے

ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلف، کیفیّتِ شادی — کہ صبحِ عید مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہے

دل و دیں نقد لا، ساقی سے گر سودا کیا چاہے — کہ اُس بازار میں ساغر، متاعِ دستگرداں ہے[۲،۳]

۵ غم، آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو — چراغِ روشن اپنا، قلزمِ صرصر کا مرجاں ہے[۴]

۱۵۵

ق، قا

ہے، وصل، ہجر عالمِ تمکین و ضبط میں — معشوقِ شوخ و عاشقِ دیوانہ چاہیے[۵،۶]

اُس لب سے مل ہی جائے گا بوسہ کبھی تو، ہاں — شوقِ فضول و جرأتِ رندانہ چاہیے[۷]

۱۵٦

ق، حاشیۂ ق، قا

چاک کی خواہش، اگر وحشت، بعریانی کرے — صبح کے مانند، زخمِ دل، گریبانی کرے[۸]

۱، یہ غزل ایک دو غزلے سے چنی گئی ہے ۔ اس کا دوسرا اور تیسرا شعر پہلی غزل کا اور باقی دوسری کے ہیں ۔
۲ الف، م، پر ۔ ما، خوباں ۔ ب، ح، یار تیغ ۔ ۳ الف، ق، پہلے، اسد، یہ فرط غم نے کی ۔ ۴، گل میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے ۔ ۵، ٦ گل میں یہ شعر اگلی بیت کے بعد ہے ۔ ۷ الف، قا، مل جایگا بوسے (سہو کاتب) ۔
ب، قب، حیرت ۔ ما، نصول (سہو کاتب) ۔

---

۱ ــ نیز ملاحظہ ہو: نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالوں کو
لیا دانتوں میں جو تنکا، ہوا ریشہ نیستاں کا

جلوے کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجے خیال ٭ دیدۂ دل کو زیارتگاہِ حیرانی کرے

ہے شکستن سے بھی دل نومید، یارب، کب تلک ٭ آبگینہ، کوہ پر عرضِ گرانجانی کرے؟

میکدہ، گر چشمِ مستِ ناز سے پاوے شکست ٭ موے شیشہ، دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے

ح خطِ عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد ٭ یک قلم منظور ہے، جو کچھ پریشانی کرے

۱۵۷

ق، حاشیۂ ق، قا

چشمِ خوباں، خامُشی میں بھی نوا پرداز ہے ٭ سُرمہ، تو کہوے کہ دودِ شعلۂ آواز ہے ۵

پیکرِ عُشّاق، سازِ طالعِ ناساز ہے ٭ نالہ، گویا، گردشِ سیّارہ کی آواز ہے

دستگاہِ دیدۂ خونبارِ مجنوں دیکھنا ٭ یک بیاباں جلوۂ گل، فرشِ پا انداز ہے

۱۵۸

ق

گخ ہر قدم، دوریِ منزل ہے نمایاں مجھ سے ٭ میری رفتار سے، بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

درسِ عنوانِ تماشا، بتغافل خوشتر ٭ ہے، نگہ، رشتۂ شیرازۂ مژگاں مجھ سے

گخ وحشتِ آتشِ دل سے، شبِ تنہائی میں ٭ صورتِ دود، رہا سایہ گریزاں مجھ سے[۱] ۱۰

۱، قا میں یہ شعر مقطع سے پہلے ہے۔ الف، ما، مد کے علاوہ، جلوہ۔ ح، ہے اگر کیجے۔ ۲ الف، قا، دل مایوس۔ ۳ الف، ق، قا قب، قبج، م، ما، ح، یار۔ ب، قب، م، موے مینا۔ مب، مرگانی۔ مد، مژگانی (ہر دو سہو کاتب)۔ ۴ ب، قب منظور ہو۔ ۵ الف، ق، چشم خوباں ہے فروش نشہ زار ناز ہے۔ ب، ق، سرمہ گویا، موج دود۔ ۶، قد میں اس شعر کے دونوں مصرعوں کے بیچ میں م، لکھا ہے جو مطلع کا مخفف ہے۔ ۷ ب، مد، اک۔ ۸، یہ غزل بھی ایک دو غزلے سے چنی گئی ہے۔ اس کا چوتھا شعر پہلی غزل کا اور باقی دوسری کے ہیں۔ گل، نمایاں مجھکو ۔ بیاباں مجھ کو (سہو کاتب)۔ ۹ الف م، عنواں کا تماشا۔ قا، بہتر۔ ب، ما، عنواں (سہو کاتب)۔ ۱۰ ب، ق، قا، گل، قب، قبج، قبد، قج، قد م، ما، دود کی طرح۔ مب میں بھی یہی تھا۔ مگر اوس کے غلط نامے میں غالب نے تصحیح کردی ہے۔

۱۔ نیز ملاحظہ ہو: سایہ میرا، مجھ سے، مثلِ دود بھاگے ہے، اسد
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے؟

غمِ عُشّاق، نہ ہو سادگی آموزِ بتاں
کس قدر خانۂ آئینۂ ہے ویراں مجھ سے

اثرِ آبلہ سے، جادۂ صحرائے جنوں
صورتِ رشتۂ گوہر، ہے چراغاں مجھ سے[2]

بیخودی، بسترِ تمہیدِ فراغت ہوجو!
پُر ہے،سائے کی طرح،میرا شبستاں مجھ سے

شوقِ دیدار میں، گر تو مجھے گردن مارے
ہو نگہ، مثلِ گلِ شمع، پریشاں مجھ سے[4]

۵ بیکسیہائے شبِ ہجر کی وحشت، ہے ہے!
سایہ، خُرشیدِ قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

گردشِ ساغرِ صد جلوۂ رنگیں، تجھ سے
آئنہ داریِ یک دیدۂ حیراں، مجھ سے

نگہِ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے، اسد
ہے چراغاں، خس و خاشاکِ گلستاں، مجھ سے[7]

۱۵۹

ق، حاشیۂ ق، قا

ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا، سو بھی مٹ گیا
ظاہرا، کاغذ ترے خط کا، غلط بردار ہے[8]

جی جلے ذوقِ فنا کی ناتمامی پر نہ کیوں؟
۵ ہم نہیں جلتے، نَفَس ہر چند آتشبار ہے[1]

---

۱ الف، م، بیاں (سہو کاتب) ۔ ب، ق، قا، آرزو خانۂ آئینہ ۔ ۲ الف، ق، قا، گل، اثر آبلہ کرتا ہے بیاباں روشن ب، ق، قا، گل، جادہ جوں ۔ قب میں یہ شعر اگلی بیت کے بعد ہے ۔ ۳ ب، قب، م، ما، سایہ ۔ ۴ ب، ق، قا، جوں گل شمع، ہو نظارہ ۔ قب وگل، ندارد (سہو کاتب) ۔ ۵، ق میں یہ شعر «اثر آبلہ» کے بعد ہے ۔ الف، ق، قا، وحشت مت پوچھ ۔ ۷، ح میں اسے غیر مطبوعہ ظاہر کیا ہے ۔ الف، قا، قب، قج، م، ما، مب، ایک ۔ ۸، قا میں ترتیب اشعار یہ ہے: ۲، ۴، ۵، ۶، ۱، ۰ اور گل میں ۸، ۹، ۱۰ ۔ ۹ الف، قب، چلے ۔

۱ــ نیز ملاحظہ ہو: جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے
اے ناتمامیِ نَفَسِ شعلہ بار، حیف!

اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھادے
میں بھی جلے ہووں میں، ہوں داغِ ناتمامی

گ آگ سے پانی میں بجھتے وقت، اُٹھتی ہے صدا ٭ ہر کوئی، درماندگی میں، نالے سے ناچار ہے

ہے وہی بدمستیِ ہر ذرہ کا خود عذر خواہ ٭ جس کے جلوے سے، زمیں تا آسماں سرشار ہے [1]

گخ مجھ سے مت کہہ "تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی" ٭ زندگی سے بھی، مرا جی ان دنوں، بیزار ہے

گ آنکھ کی تصویر سرنامے پہ کھینچی ہے، کہ تا ٭ تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے

۱۶۰

ق، حاشیۂ ق، قا

گخ تپش سے میری، وقفِ کشمکش، ہر تارِ بستر ہے ٭

مرا سر رنجِ بالیں ہے، مرا تن بارِ بستر ہے [5]

خ سرشکِ سر بصحرا دادہ، نورالعینِ دامن ہے

دلِ بیدست وپا اُفتادہ، برخوردارِ بستر ہے

خ خوشا! اقبالِ رنجوری، عیادت کو تم آئے ہو

فروغِ شمعِ بالیں، طالعِ بیدارِ بستر ہے

---

۱ الف، م، اک۔ مد، سی (سہو کاتب)۔ ب، قا و مد کے علاوہ، نالہ۔ ق، قا، گل، مجبور ہے۔ (یہ دراصل اوس غزل کا شعر تھا جو گنجینۂ معنی کے صفحہ ۱۰۰ پر درج ہے۔ غالب نے قافیہ بدلکر یہاں داخل کرلیا ہے)۔ ح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر ق کے حاشیے کا ہے۔ لیکن میری دانست میں یہ ترمیم قب کی اصل میں ہوئی ہے۔ ۲ ب، قب، م، ما، جلوہ۔ ۳ ب، قب، سے ہی۔ ۴ الف، قد، مب، ج، سرنامہ۔ ب، ق، قا، گل، کہ یاں تک حسرت۔ ۵ ب، قب، م، تن۔ گل، خار بستر ہے۔ ۶ الف، ما، سرشاں (سہو کاتب)۔ ق، قا، نور چشم دامانہا۔ ح کے مطابق ق میں پہلے "نورالعین دامانہا" تھا۔ اصلاح صرف "دامن ہے" ہوئی۔ ۷ الف، ق، قا، عیادت بسکہ تجھے گرمی بازار بستر ہے۔ ح، تم آئے تو۔

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو:

ہے تجلّی تری، سامانِ وجود
ذرّہ، بے پرتوِ خُرشید نہیں

ہے کائنات کو حرکت، تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے، ذرّے میں جان ہے

به طوفاں گاہِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی
شُعاعِ آفتابِ صبحِ محشر، تارِ بستر ہے گخ

ابھی آتی ہے بُو بالش سے اُس کی زلفِ مشکیں کی
ہماری دید کو، خوابِ زلیخا، عارِ بستر ہے خ

کہوں کیا، دل کی کیا حالت ہے ہجرِ یار میں، غالب؟
کہ بیتابی سے، ہر یك تارِ بستر، خارِ بستر ہے ٔ

۱۶۱

ق، قا

خطر ہے، رشتۂ الفت، رگِ گردن نہ ہو جاوے
غرورِ دوستی آفت ہے، تو دشمن نہ ہو جاوے

۵ سمجھ اس فصل میں کوتاہیِ نشوونما، غالب
اگر گل، سرو کے قامت پہ، پیراہن نہ ہو جاوے خ

۱۶۲

ق، قا

کرے ہے، بادہ ترے لب سے، کسبِ رنگِ فروغ
خطِ پیالہ، سراسر، نگاہِ گلچیں ہے

کبھی تو اس سرِ شوریدہ کی بھی داد ملے
کہ ایك عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے

بجا ہے، گر نہ سُنے نالہ ہائے بلبلِ زار
کہ گوشِ گل، نمِ شبنم سے پنبہ آگیں ہے

اسد ہے نزع میں، چل، بیوفا، برائے خدا!
مقامِ ترکِ حجاب و وَداعِ تمکیں ہے

---

۱ الف، ق، پہلے، اضطراب وحشت شبہا۔ ح، اضصراب و شام (سہو کاتب)۔ قا، گل، اضطرار۔ ۲ الف، ق، قا، اسد، جوش بہار دیدۂ بیدار کے صدقے۔ ح، کبھی آتی۔ ب، قب، قج، م، ہمارے ذوق۔ ب، قب، خار بستر (سہو کاتب)۔
۳ ب، م، ما، ہر ایك۔ مد، ح، ہراك۔ یہ شعر پہلی بار قب میں نظر آتا ہے۔ نیز قب سے از راہ سہو "خار بستر" حذف ہوگیا ہے۔
۴ الف و ب، ح، نہوجائے (تینوں جگہ)۔ ۵، ح میں اس شعر کو سہواً غیر مطبوعہ ظاہر کیا ہے۔ ۶، ح میں اس غزل کو از راہ سہو اون غزلوں کے ساتھ درج کیا ہے جن کا ہمطرح کوئی شعر دیوان متداول میں موجود نہیں۔ ۷، ح ندارد۔ قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔ الف، مب، ج، دل۔ قد میں بھی یہی لفظ تھا۔ غالب نے اسے چھیل کو "سر" بنایا ہے۔ نیز یہ شعر اور مقطع بظاہر حاشیے کے ہیں۔ مگر ح میں اس کا اظہار نہیں ہوا۔ ۸ الف، ما، قج، قد، مب، ج، مد، نالہہای۔ ب، قب "ے" ندارد۔ ۹، ح ندارد۔ الف، ما، نزغے میں۔ قد کے کاتب نے "براہ خدا" لکھا تھا۔ غالب نے اپنے قلم سے "ہ" کو "ی" بنایا ہے۔ ب، ق، قا، قب قج، م، کہ وقت ترك۔

١٦٣

ق، حاشیۂ ق، قا

کیوں نہ ہو، چشمِ بتاں، محوِ تغافل، کیوں نہ ہو؟ ✿ یعنی، اس بیمار کو نظّارے سے پرہیز ہے

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی ✿ وائے! ناکامی کہ اُس کافر کا خنجر تیز ہے

عارضِ گل دیکھ، روئے یار یاد آیا، اسد ✿ جوششِ فصلِ بہاری، اشتیاق انگیز ہے

١٦٤

ق ،قا

یاد ہے، شادی میں بھی، ہنگامۂ «یارب» مجھے ✿ سُبحۂ زاھد ہوا ہے، خندہ زیرِ لب، مجھے

ہے کُشادِ خاطرِ وابستہ، در رَہنِ سخن ✿ تھا طِلسمِ قُفلِ ابجد، خانۂ مکتب مجھے

یارب، اس آشفتگی کی داد کس سے چاہیے؟ ✿ رشک، آسایش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے

طبع ہے مشتاقِ لذتہائے حسرت، کیا کروں؟ ✿ آرزو سے ہے، شکستِ آرزو، مطلب مجھے

دل لگا کر آپ بھی، غالب، مجھی سے ہوگئے ✿ عشق سے آتے تھے مانع، میرزا صاحب مجھے[1]

---

١ الف، قا، مست تغافل - ب، ح، مد کے علاوہ، نظارہ - ٢ الف، گل، ارزو کی (سہو کاتب) - ب، گل، ناکا (سہو کاتب) - ح، اس کافر (سہو کاتب) - ٣ الف، ق، قا، قب، قبج، م، جلوۂ گل - ٤ الف، ق، قا، میں عقد نالۂ یارب - قب «بھی» ندارد - ٥ الف، قج، مد، کشادہ (سہو کاتب) - ح، وابستہ در، رھن (سہو کاتب) - ٦ ب، م، ما، زندانیو (سہو کاتب) - ٨ الف، ما، آپ ھی (سہو کاتب) -

---

١ — مولانا نجم الغنی خاں نے بحرالفصاحت: ٢٥٥ میں لکھا ہے: «توجیہ کے اختلاف کا نام اِقوا ہے، جیسے گُل بالضم کا قافیہ چل بالفتح سے کرنا، اور یہ عیوب میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس طرح کا قافیہ لانا ناروا ہے، جیسے عندلیبِ عجم مرزا غالب کے کلام میں ایک جگہ واقع ہوا ہے۔ لکھتے ہیں: عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے۔ لفظِ «صاحب» کی حائے حُطّی باعتبار قواعدِ صرف کے مکسور ہے. اور «لب» و «یارب» میں لام اور رے مفتوح۔ (باقی)

۱٦٥

ق، قا

ز بسکہ، مشقِ تماشا، جنوں علامت ہے　　کشاد و بستِ مِژہ، سیلیِ ندامت ہے

نجانوں، کیونکہ مٹے داغِ طعنِ بدعہدی　　تجھے کہ آئنہ بھی ورطۂ ملامت ہے

بہ پیچ و تابِ ہوس، سلکِ عافیت مت توڑ　　نگاہِ عجز، سررشتۂ سلامت ہے

---

۲. ق میں یہ شعر اگلے دو شعروں کے بعد اور قا میں صرف ایک کے بعد ہے۔　الف، قا، بجانوں۔　ب، قا، سلامت (ہر دو سہو کاتب)۔　۳ الف،قب، پیچتاب۔　ب، ق، قا، نگاہ خفتہ۔

(بقیہ) اگر کوئی کہے کہ محاورے میں «صاحب» کی حائے حُطّی بھی مفتوح ہے، تو ہم جواب دیں گے کہ انشا و قلق وغیرہ نے بکسرِ حائے حُطّی لکھا ہے۔ انشا:

ہیں فارسی میں کلاك صاحب　　وہ خاص حضور کے مصاحب

قلق:

کہیے تو، آپ کون صاحب ہیں؟　　کونسی شے کے مجھ سے طالب ہیں؟

اور راقم نے (۱۳۰۲ ھ میں) نواب مرزا خاں صاحب داغ سے اس باب میں استفسار کیا، تو جواب دیا کہ غالب نے مقولۂ غیر بیان کیا ہے، اور مثال میں یہ شعر ناظم کا پڑھا:

غلطی غیر کی گفتار کی دیکھی، ناظم؟　　واں میں جاتا ہوں، تو کہتا ہے، نواب آتے ہیں

اور حق یہ ہے کہ اب روزمرۂ اردو میں «صاحب» اَعلام کے ساتھ بفتحِ حائے حُطّی بیشتر مستعمل ہے۔ ہم کو اس سے کیا مطلب؟ کسی زبان میں کچھ ہو۔ جو الفاظ ہم لوگوں کی زبان پر جاری ہوں گے، وہ ہی صحیح سمجھے جاویں گے۔ ہاں، جس وقت عربی عبارت میں لکھیں، یا تلفظ کریں، اُس وقت اُن کی زبان کی پابندی لازم ہے۔ البتہ صحّتِ لفظی ضرور ہے»۔

نیز ملاحظہ ہو کتابِ مذکور، طبعِ ثانی ۱۹۱۷ع صفحہ ۲۹۳۔

وفا مقابل، و دعوائے عشق بے بنیاد　　جنونِ ساختۂ و فصلِ گل، قیامت ہے؟

۱۶۶

ق، قا

۲ نشّہ‌ھا شادابِ رنگ، و سازھا مستِ طرب　　شیشۂ مَے، سروِ سبزِ جویبارِ نغمہ ہے

۳ ہمنشیں، مت کہہ کہ «برہم کر نہ بزمِ عیشِ دوست»　　واں تو، میرے نالے کو بھی، اعتبارِ نغمہ ہے[1]

۱۶۷

ق، حاشیۂ ق، قا

۴ عرضِ نازِ شوخیِ دنداں، برائے خندہ ہے　　دعویِ جمعیتِ احباب، جائے خندہ ہے

۵ ہے عدم میں، غنچہ، محوِ عبرتِ انجامِ گل　　یک جہاں زانو تأمّل، در قفائے خندہ ہے

کلفتِ افسردگی کو عیشِ بیتابی حرام　　ورنہ، دنداں در دل افشردن، بنائے خندہ ہے

۷ شورشِ باطن کے ہیں احباب منکر، ورنہ یاں　　دل، محیطِ گریہ و لب، آشنائے خندہ ہے

---

۱ الف، ما، مقابل دعواے (سہو کاتب) - ۲ الف، قد میں «نشہء» بر تشدید خود غالب کے قلم کی معلوم ہوتی ہے - قب «و» ندارد (سہو کاتب) - ۳ الف، ق، قا، گل، قب، قبج، م، ح، عیش یار - ب، گل، مد کے علاوہ، نالہ - ۴ الف، ق پہلے، شوخی اظہار دندانہا - ب، گل، دعوہ - قب، دعوت - ۵ الف، ق، پہلے، ہیں - غنچہ ھا عبرت کش - م، غیرت (سہو کاتب) - نیز م میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے - ۶ الف، ق، قا، عیش بیتابی حرام کلفت افسردگی - م، خرام (سہو کاتب) - ب، ق، قا، عرض دنداں - ۷ الف، مب، مج، ح، سوزش - گل، ارباب -

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: دُور چشمِ بد تری بزمِ طرب سے! واہ، واہ!
نغمہ ہوجاتا ہے، واں گر نالہ میرا جائے ہے

۱۶۸

ق، قا

حسنِ بے پروا، خریدارِ متاعِ جلوہ ہے — آئنہ، زانوے فکرِ اختراعِ جلوہ ہے

تا کجا، اے آگہی، رنگِ تماشا باختن؟ — چشمِ وا گردیدہ، آغوشِ وَداعِ جلوہ ہے

۱۶۹

ق حاشیۂ ق، قا

جب تک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی — مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن وا کرے کوئی خ

عالم، غبارِ وحشتِ مجنوں ہے، سر بسر — کب تک خیالِ طُرّۂ لیلا کرے کوئی؟

• افسردگی، نہیں طرب اِنشاے التفات — ہاں، درد بن کے دل میں، مگر، جا کرے کوئی خ

رونے سے، اے ندیم، ملامت نہ کر مجھے — آخر، کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی گ

چاکِ جگر سے، جب رہِ پرسش نہ وا ہوئی — کیا فائدہ کہ جَیب کو رسوا کرے کوئی؟ گخ

لختِ جگر سے ہے، رگِ ہر خار، شاخِ گل — تا چند باغبانیِ صحرا کرے کوئی؟[1]

ناکامیِ نگاہ، ہے برقِ نظارہ سوز — تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی[2] گخ

۱۰ ہر سنگ و خشت، ہے صدفِ گوہرِ شکست — نقصاں نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی[2]

---

۲ ب، مب، واگردیدۂ آغوش و داغ جلوہ (سہو کاتب)۔ ۳، یہ غزل ایک دو غزلے سے چنی گئی ہے۔ اس کے اشعار ۱–۵، ۹، ۱۱، ۱۲ پہلی کے اور باقی دوسری کے ہیں۔ ۵ ب، ق، قا، جوں درد میرے دل۔ مگر مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا۔ ۸ الف، ق، قا، ہے لخت دل سے جوں مژہ۔ قبد، رگ شاخ خار گل (سہو کاتب)۔ ۹، ق میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔ ۱۰، ح میں یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ حاشیۂ ق کا شعر ہے۔ ب، قبد، کہ سودا۔

---

۱ — فارسی میں اس مضمون کو یوں کہا ہے: (کلیاتِ فارسی: ۴۹۳)

آغشتہ ایم ہر سرِ خارے بخونِ دل — قانونِ باغبانیِ صحرا نوشتہ ایم

۲ — نیز ملاحظہ ہو: اے دلِ ناعاقبت اندیش، ضبطِ شوق کر

کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست؟ (باقی)

سر بر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر — فرصت کہاں کہ تیری تمنّا کرے کوئی ؟

ہے، وحشتِ طبیعتِ ایجاد، یاس خیز — یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی

بیکاریِ جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل — جب ہاتھ ٹوٹ جائیں، تو پھر کیا کرے کوئی ؟

حسنِ فُروغِ شمعِ سخن دور ہے، اسد — پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

۱۷۰

ق، حاشیۂ ق، قا

باغ، پاکر خفقانی، یہ ڈراتا ہے مجھے — سایۂ شاخِ گل، افعی نظر آتا ہے مجھے °

جوہرِ تیغ بسرچشمۂ دیگر معلوم! — ہوں میں وہ سبزہ کہ زہراب اُگاتا ہے مجھے

مُدّعا، محوِ تماشاے شکستِ دل ہے — آئنہ خانے میں کوئی لیے جاتا ہے مجھے

نالہ، سرمایۂ یک عالم و عالم، کفِ خاک — آسماں، بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے

زندگی میں تو وہ محفل سے اُٹھادیتے تھے — دیکھوں، اب مرگئے پر کون اُٹھاتا ہے مجھے

۱۷۱

ق، قا

کوہ کے ہوں بارِ خاطر، گر صدا ہوجائیے — بے تکلف، اے شرارِ جستہ، کیا ہوجائیے ؟ ۱۰

۱ الف، قب، صبر آزماے عمر (سہو کاتب) - ۲ الف، ق، نالہ خیز - قب، پاس غیر (سہو کاتب) - ب، قبا، ے کہ پیدا کرے کوئی - ۳ ب، قب، قبج، م، جاویں - ۵، یہ شعر حاشیۂ ق کا ہے - مگر ح میں اس کا ذکر نہیں - ۷ ب، قب، م، ما، مد، ح کے علاوہ، خانہ - ۸، ق، قا میں یہ شعر مطلع کے بعد ہے - ۹ الف، قب، م، تو اوٹھاتے تھے وہ محفل سے مجھے - قبد، اوٹھادیتے ھیں (سہو کاتب) - یہ شعر سب سے پہلے قب میں نظر آتا ہے -

(بقیہ) نظّارہ کیا حریف ہو اُس برقِ حسن کا ؟
جوشِ بہار، جلوے کو جس کے نقاب ہے
نظّارے نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

۳ — نیز ملاحظہ ہو: نقصان نہیں جنوں میں، بلا سے ہو گھر خراب
سو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں

بیضہ آسا، تنگ بال و پر یہ ہے کنجِ قفس   از سرِ نو زندگی ہو، گر رِہا ہوجائیے[1]

۱۷۲

ق، قا

مستی، بذوقِ غفلتِ ساقی، ہلاک ہے   موجِ شراب، یک مِژۂ خوابناک ہے

جز زخمِ تیغِ ناز، نہیں دل میں آرزو   جَیبِ خیال بھی، ترے ہاتھوں سے چاک ہے[2]

جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں، اسد   صحرا ہماری آنکھ میں یک مشتِ خاک ہے

۱۷۳

ق، قا

[5] کارگاہِ ہستی میں لالہ، داغ ساماں ہے   برقِ خرمنِ راحت، خونِ گرمِ دہقاں ہے[1]

---

۱ الف، ح، تنگ بال و پر ہے یہ - ج پر ہے یہ - ب، م، مد کے علاوہ، ہوکر - قد کے کاتب نے "گر" لکھا تھا - غالب نے اپنے ہاتھ سے مٹا کر چھیل دیا ہے - ۲، ح میں سہواً اس غزل کو غیر مطبوعہ ظاہر کیا ہے - ب، مد، اك - ۳ ب، قب، خیال ہی - ۴ ب، ح، اك مشت -

---

۱ــ نیز ملاحظہ ہو: مری تعمیر میں مُضمَر ہے، اك صورت خرابی کی

ہیولٰی برقِ خرمن کا ہے، خونِ گرمِ دہقاں کا

اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے میرزا صاحب نے شاکر کو لکھا ہے: "داغ ساماں، مثلِ انجم انجمن، وہ شخص کہ داغ جس کا سرمایہ و سامان ہو - موجودیت لالے کی منحصر نمایشِ داغ پر ہے - ورنہ رنگ تو اور پھولوں کا بھی لال ہوتا ہے - بعد اس کے یہ سمجھ لیجیے کہ پھول کے درخت یا غلہ جو کچھ بویا جاتا ہے، دہقان کو جوتنے، بونے، پانی دینے میں مشقت کرنی پڑتی ہے، اور ریاضت میں لہو گرم ہو جاتا ہے - مقصود شاعر کا یہ ہے کہ وجود محض رنج و عَنا ہے - مزارع کا وہ لہو جو کشت و کار میں گرم ہوا ہے، وہی لالے کی راحت کے خرمن کا برق ہے - حاصل موجودیت داغ اور داغ، مخالفِ راحت اور صورتِ رنج" - (عود: ۱۵۹)

غنچہ تا شگفتہا، برگِ عافیت معلوم! با وُجودِ دلجمعی. خوابِ گل. پریشاں ہے[1]

ہم سے رنجِ بیتابی کس طرح اُٹھایا جائے؟ داغ، پشتِ دستِ عجز. شعلہ، خس بدنداں ہے[2]

۱۷۴

ق، قا

گخ لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی[3] قیامت، کُشتۂ لعلِ بُتاں کا خوابِ سنگیں ہے

۱۷۵

ق، قا

خ آمدِ سیلابِ طوفانِ صدائے آب ہے[4] نقشِ پا، جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادہ سے

۱ الف، قب، نا شگفتہا - ما، سکفتہا (سہو کاتب) - ۲ الف، ق اور قا میں اس مصرع کی جگہ تھا: اے ہوس، مبارک ہو، کار عشق آساں ہے - مگر یہ دوسرا مصرع تھا - موجودہ متن سب سے پہلے قب میں ملتا ہے - ب، قب، پست دست (سہو کاتب) - ۳ الف، قب، جنانی (سہو کاتب) - ب، قا، کی خواب - ۴ الف، ق، قا، پاتراب سیل طوفان - م، آمدی (سہو کاتب) - م، قب، سیلاب و طوفان - ب، ق، قا، کھنچے ہے - مگر ح میں اس کا ذکر نہیں ہوا - ب، مد، ح کے علاوہ، شیشہ -

۱ — اس شعر کی حسبِ ذیل تشریح کی ہے: «کلی جب نئی نکلے، بصورتِ قلبِ صنوبری نظر آئے - اور جب تک پھول بنے برگِ عافیت معلوم - یہاں «معلوم» بمعنیِ معدوم ہے - اور برگِ عافیت بمعنی مایۂ آرام - ع: برگِ عیشے بگورِ خویش فرست - برگ اور سرو برگ بمعنیِ ساز و سامان ہے - خوابِ گل، شخصیتِ گل، باعتبارِ خموشی و برجا ماندگی - پریشانی ظاہر ہے، یعنی شگفتگی: وہی پھول کی پنکھڑیوں کا بکھرا ہوا ہونا - غنچہ بصورتِ دل جمع ہے - با وصفِ جمعیتِ دل گل کو خوابِ پریشاں نصیب ہے» - (عود: ۱۵۹)

۲ — اسی خط میں تیسرے شعر کا یہ مطلب بتایا ہے: «پشتِ دست صورتِ عجز - اور «خس بدندان و کاہ بدندان گرفتن» بھی اظہارِ عجز ہے - پس جس عالم میں کہ داغ نے پشتِ دست زمیں پر رکھ دی ہو، اور شعلے نے تنکا دانتوں میں لیا ہو، ہم سے رنج اضطراب کا تحمّل کس طرح ہو؟» (عود: ۱۵۹)

بزمِ مے، وحشتکدہ ہے کس کی چشمِ مست کا؟ — شیشے میں، نبضِ پری، پنہاں ہے موجِ بادہ سے

۱۷٦

ق، حاشیۂ ق، قا

جس جا، نسیم شانہ کشِ زلفِ یار ہے — نافہ، دماغِ آہوے دشتِ تتار، ہے

کس کا سُراغِ جلوہ ہے، حیرت کو، اے خدا؟ — آئینہ، فرشِ شش جہتِ انتظار ہے

ہے ذرّہ ذرّہ، تنگیِ جا سے، غبارِ شوق — گر دام یہ ہے، وسعتِ صحرا شکار ہے

۵ دل مُدّعِی، و دیدہ بنا مُدّعیٰ عَلَیہ — نظّارے کا مُقَدّمہ پھر روبکار ہے[1] گخ

چھڑکے ہے شبنم، آئنۂ برگِ گل پہ، آب — اے عندلیب، وقتِ وَداعِ بہار ہے[2]

پچ آپڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے — وہ آے یا نہ آے، پہ یاں انتظار ہے گخ

بے پردہ سوے وادیِ مجنوں گزر نکر — ہر ذرّے کے نِقاب میں، دل بیقرار ہے

اے عندلیب، یک کفِ خس بہرِ آشیاں — طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار ہے گ

۱۰ دل مت گنوا، خبر نہ سہی، سَیر ہی سہی — اے بیدماغ، آئنہ تِمثال دار ہے

۲، یہ غزل ایک دو غزلے سے چنی گئی ہے - اس کے شعر ۲، ۳ اور ۵ ق کی پہلی غزل کے اور باقی دوسری کے ہیں - قا کے لحاظ سے ۲ - ۷ پہلی کے اور باقی دوسری کے ہیں - ب، ج، آہو دشت (سہو کاتب) - ۵ الف، گل، دل مدعی ہے - ب، مد کے علاوہ، نظارہ - ٦ الف، ج، گل پر - ۷ ب، قا، گل، قب، م، آوے یا نہ آوے - گب، ما، مب، ج، آئے یا نہ آئے - قد میں بھی اسی طرح تھا - لیکن غالب نے اپنے ہاتھ سے ہمزہ اور شوشہ دونوں چھیل دیے ہیں - قب، یہاں انتظار - ۸ ب، مد، ما کے علاوہ، ذرہ - ۹ الف، مد، اک - ۱۰، قا میں یہ شعر "بے پردہ" سے پہلے ہے -

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا — آج پھر اُس کی روبکاری ہے

۲ — نیز ملاحظہ ہو: آغوشِ گل، کشُودہ براے وداع ہے — اے عندلیب، چل کہ چلے دن بہار کے

خ غفلت کفیلِ عُمر، و اسؔد ضامنِ نشاط　　اے مرگِ ناگہاں، تجھے کیا انتظار ہے؟[1]

[1] الف، ق، قا، ضامن وفا۔

۱ــ اس مقطع کا دوسرا مصرع، میرزا تفتؔہ کے خط میں یہ کہکر نقل کیا ہے کہ «میرا حال اس فن میں اب یہ ہے کہ شعر کہنے کی روش اور اگلے کہے ہوے اشعار سب بھول گیا۔ مگر، ہاں اپنے ہندی کلام میں سے ڈیڑھ شعر، یعنی ایک مقطع اور ایک مصرع یاد رہ گیا ہے۔ سُو گاہ گاہ جب دل اُلٹنے لگتا ہے، تب دس پانچ بار یہ مقطع زبان پر آجاتا ہے: زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری، غالبؔ الخ۔ پھر جب سخت گھبراتا ہوں، اور تنگ آتا ہوں، تو یہ مصرع پڑھ کر چپ ہو جاتا ہوں: اے مرگِ ناگہاں الخ» (عود: ۱۰۰، اردوے معلی: ۱۲٤، خطوط: ۱:۳۸) نیز ۳ جولائی ۱۸٦۳ء کو علائؔی کو لکھتے ہیں: «میری حقیقت سنو۔ مہینا بھر سے زیادہ کا عرصہ ہوا، بائیں پانو میں ورم، کفِ پا سے پشتِ پا کو گھیرتا ہوا پنڈلی تک آماس۔ کھڑا ہوتا ہوں، تو پنڈلی کی رگیں پھٹنے لگتی ہیں۔ خیر، نہ اُٹھا۔ روٹی کھانے محل‌سرا نہ گیا۔ کھانا یہیں منگالیا۔ پیشاب کو کیونکر نہ اُٹھوں؟ حاجتی رکھ لی۔ بغیر اُکڑو بیٹھے بات نہیں بنتی۔ پاخانے کو اگرچہ دوسرے تیسرے دن جاؤں، مگر جاؤں تو سہی۔ یہ سب موقعے خیال میں لا کر سونچ لو کہ کیا گزرتی ہوگی۔ آغازِ فتق مزید علیہ یا مستزاد۔ پیری و صد عیب، چنین گفتہ اند۔ اپنا یہ مصرع بار بار چپکے چپکے پڑھتا ہوں: اے مرگِ ناگہاں، تجھے کیا انتظار ہے؟ مرگ اب ناگہاں کہاں رہی؟ اسباب و آثار سب فراہم ہیں۔ ہاے! الٰہی بخش خاں مغفور کا کیا مصرع ہے؛ آہ! جی جاؤں، نکل جاے اگر جان کہیں» (اردوے معلی: ٤۲۲، خطوط: ۱:۳۵۳)۔

۱۷۷

ق، قا

خموشیوں میں «تماشا ادا» نکلتی ہے — نگاہ، دل سے ترے سرمہ سا نکلتی ہے
فشارِ تنگیِ خلوت سے، بنتی ہے شبنم — صبا، جو غنچے کے پردے میں جا نکلتی ہے
نپوچھ سینۂ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ — کہ زخمِ روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے

۱۷۸

ق، قا

آئینہ کیوں ندوں، کہ تماشا کہیں جسے؟ — ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے؟ [۱]
حسرت نے لا رکھا تری بزمِ خیال میں [۵] — گلدستۂ نگاہ، سُوَیدا کہیں جسے
پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں، اے خدا؟ — افسونِ انتظار، تمنا کہیں جسے
سر پر ہجومِ دردِ غریبی سے، ڈالیے — وہ ایک مُشتِ خاک کہ صحرا کہیں جسے
ہے چشمِ تر میں، حسرتِ دیدار سے نہاں — شوقِ عناں گسیختہ، دریا کہیں جسے
درکار ہے شگفتنِ گلہائے عیش کو — صبحِ بہار، پنبۂ مینا کہیں جسے
[۱۰] غالب، برا نہ مان، جو واعظ برا کہے — ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے [۱]

---

۲ الف، ق، قا، صحبت سے ہوتی ہے - م، بیٹھی (سہو کاتب) - ح، آتی ہے (سہو کاتب) - ب، قا، مد کے علاوہ، غنچہ - ق، قا، کی خلوت میں جا - قا، قد، پردہ - ۶ ب، قب، انسوس (سہو کاتب) - ۹، ق، قا میں یہ بیت اوپر کے تین شعروں سے پہلے ہے - ۱۰ الف، ق، قا، ہے تار و پود فرش تبسم بزم عیش - موجودہ صورت پہلی بار قب میں نظر آتی ہے - اردوے معلی ۲۳، دشمن برا کہیں -

---

۱ — میرزا صاحب نے سیّاح کے خط میں یہ شعر قدرے تغیر کے ساتھ نقل کیا ہے - فرماتے ہیں: «تم برا نہ مانو - کس واسطے کہ اگر میں برا ہوں، تو اُس نے سچ کہا - اور اگر میں اچھا ہوں اور اُس نے برا کہا، تو اُس کو خدا کے حوالے کرو - بیت: غالب، برا نمان جو دشمن برا کہیں» الخ - (اردوے معلی: ۲۳)

١٧٩

ق، گل

شبنم، بگلِ لالہ، نہ خالی ز ادا ہے
داغِ دلِ بیدرد، نظر گاہِ حیا ہے

دل، خوں شدۂ کشمکشِ حسرتِ دیدار
آئینہ، بدستِ بُتِ بدمستِ حنا ہے

گخ شعلے سے نہ ہوتی، ہوسِ شعلہ نے جو کی
جی، کس قدر افسردگیِ دل پہ جلا ہے

گ تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق
آئینہ، بانداز گل، آغوش کشا ہے

قمری کفِ خاکستر، و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ، نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے؟[1] ٥

خو نے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو
معشوقی و بیحوصلگی، طرفہ بلا ہے

مجبوری و دعواے گرفتاریِ الفت
دستِ تہِ سنگ آمدہ، پیمانِ وفا ہے

معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ
تیغِ ستم، آئینۂ تصویر نما ہے

خ اے پرتوِ خُرشیدِ جہاںتاب، ادھر بھی
سائے کی طرح، ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

گخ ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب، اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے[2] ١٠

بیگانگیِ خلق سے بیدل نہ ہو، غالب
کوئی نہیں تیرا، تو، مری جان، خدا ہے

١، یہ غزل قا میں، بوجہ نقصان اوراق، ندارد ہے۔ ٢ الف، ق، ح، کشمکش کثرت اظہار۔ ٣ الف، قب، م، مب، ج، شعلہ سے۔ ب، قب هی (سہو کاتب)۔ نیز یہ اور دوسرے پھولدار شعر گل میں بڑھائے گئے ہیں۔ ۴ الف، قب، قبج، بصد شوق۔ ٥ الف، مد، قفسی (سہو کاتب)۔ ب، گل، جز نالہ۔ قب، نفس سوختہ۔ ٦ الف، مد، خونی (سہو کاتب)۔ ٧ ب، ق، ح، دامن — احرام وفا۔ ٨، ق میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔ ٩ الف، م، ایدھر (قدیم رسم خط)۔ ب، مد، ح کے علاوہ، سایہ۔ ١٠ الف، مد، ملی داد (سہو کاتب)۔ ب، قد میں «ان» کو التباس دور کرنے کے لیے، بکسر الف لکھا ہے۔

---

١ — نیز ملاحظہ ہو: سُراغِ تفِ نالہ لے داغِ دل سے
که شبرو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں

٢ — نیز ملاحظہ ہو: آتا ہے، داغِ حسرتِ دل کا شمار، یاد
مجھ سے مرے گنہ کا حساب، اے خدا، نمانگ

۱۸۰

حاشیۂ ق

مسجد کے زیرِ سایہ، خرابات چاہیے
بھوں پاس آنکھ، قبلۂ حاجات، چاہیے

عاشق ہوے ہیں آپ بھی ایک اور شخص پر
آخر، ستم کی کچھ تو مُکافات چاہیے

دے داد، اے فلک، دلِ حسرت پرست کی
ہاں، کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاہیے

سیکھے ہیں، مہ رُخوں کے لیے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیے[۱]

[۵] مَے سے غرض نشاط ہے، کس روسیاہ کو؟
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

ق

نشو و نما ہے اصل سے، غالب، فُروع کو
خاموشی ہی سے نکلے ہے، جوبات چاہیے

ہے رنگِ لالہ و گل و نسریں جدا جدا
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے

سر، پائے خُم پہ چاہیے ہنگامِ بیخودی
رُو، سوے قبلہ وقتِ مناجات چاہیے

یعنی، بحسبِ گردشِ پیمانۂ صفات
عارف، ہمیشہ مستِ مَےِ ذات چاہیے

۱۸۱

حاشیۂ ق، قا

[۱۰] مری ہستی، فضاے حیرت آبادِ تمنا ہے
جسے کہتے ہیں نالہ، وہ اسی عالم کا عنقا ہے

۱، ح میں یہ غزل اوس کلام کے زمرے میں چھپی ہے' جس کا مطرح کوئی شعر قلمی نسخے میں نہیں، حالانکہ یہ ق کے حاشیے میں موجود ہے۔ نیز یہ غزل بھی قا سے ساقط ہوگئی ہے۔ ۲ الف، گل، اور ایک۔ ج، مد، ح، اک۔ ۳، ح ندارد۔ ب، قب، آفات (ہر دو سہو کاتب)۔ ۴ الف، ق «مہ» ندارد (سہو کاتب)۔ ۵ الف، م، «ہے» ندارد (سہو کاتب)۔ ب، ما، مب، ایک۔ ۶، قب، م، ما، ج، ح، میں «ق» یا «قطعہ» نہیں ہے' اسی لیے ان میں (م، مب کے علاوہ) یہ شعر غزل کے آخر میں درج ہوا ہے۔ الف، گل، م، فروغ (سہو کاتب)۔ ۷ الف، گل، قب، م، گل نسرین۔ ب، ق، «کا» ندارد (سہو کاتب)۔ ۸ الف، ق، «یہ» ندارد (سہو کاتب)۔ قب، قبج، م، کیجیے۔ ق، قا، گل، کھنچیے۔ مگر مرتب ح نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ ۱۰، یہ غزل بھی ایک دو غزلے سے چنی گئی ہے۔ اس کا دوسرا شعر پہلی غزل کا اور باقی دوسری کے ہیں۔ الف، ق، فزاے (سہو کاتب)۔

---

۱ — اس خیال کو فارسی میں یوں لکھا ہے (کلیاتِ فارسی: ۵۰۱):

خود را ہمی بنقش طرازی علم کنم
تا با تو خوش نشینم و نظارہ ہم کنم

گخ خزاں کیا؟ فصلِ گل کہتے ہیں کس کو؟ کوئی موسم ہو
وہی ہم ہیں، قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے
۱ وفائے دلبراں ہے اتفاقی، ورنہ، اے ہمدم
اثر فریادِ دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے؟[۱]
نہ لائی، شوخیِ اندیشہ، تابِ رنجِ نومیدی
کفِ افسوس ملنا، عہدِ تجدیدِ تمنا ہے

۱۸۲

حاشیۂ ق، قا

گخ عشق مجھ کو نہیں، وحشت ہی سہی
میری وحشت، تری شہرت ہی سہی
۱ قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے، تو عداوت ہی سہی[۲] ۵
میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی؟
اے وہ مجلس نہیں، خلوت ہی سہی
ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی
اپنی ہستی ہی سے ہو، جو کچھ ہو
آگہی گر نہیں، غفلت ہی سہی

---

۱ ب، ق، وہ ہم (سہو کاتب) ۔ ۳ الف، مد، ح، نہ لائے ۔ قا، درد نومیدی ۔ ب، ق، افسوس سودن ۔ ۴، ح میں
یہ غزل اوس کلام کے زمرے میں چھپی ہے، جس کا ہمطرح کوئی شعر قلمی نسخے میں نہیں، حالانکہ یہ حاشیۂ ق میں
موجود ہے ۔ ۶ ب، ما، قج، قد اور مد میں "واے"، کو قصداً بکسر الف لکھا ہے ۔ ۸، قا میں یہ شعر چھٹے
نمبر پر ہے ۔

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے؟ ہم بھی ایک اپنی ہوا باندھتے ہیں
۲ — نیز ملاحظہ ہو: وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
کیجے ہمارے ساتھ، عداوت ہی کیوں نہ ہو

عمر، ہر چند کہ ہے برق خرام دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی
ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں نہ سہی عشق، مصیبت ہی سہی گخ
کچھ تو دے، اے فلکِ نا انصاف[1] آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی[3]
ہم بھی تسلیم کی خُو ڈالیں گے بے نیازی، تری عادت ہی سہی[4]
یار سے چھیڑ چلی جائے، اسد[5] گر نہیں وصل، تو حسرت ہی سہی[2] گخ

۱۸۳
حاشیۂ ق، قا

سیاہی جیسے گر جاوے دمِ تحریر کاغذ پر مری قسمت میں یوں تصویر ہے شبہائے ہجراں کی خ

۱۸٤
آخر ق، قا

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اُسے دیکھوں، بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے؟[2] خ

۱، ق، قا، قب، م میں یہ شعر مقطع سے پہلے ہے۔ الف، قب «ے» ندارد (سہو کاتب)۔ ۲، قبا، قبج میں یہ شعر مقطع سے پہلے ہے۔ ۳، ق، قا میں یہ شعر آٹھویں نمبر پر ہے۔ ۵ الف، ق، قا، چھیڑ خوباں سے۔ ب، قب، کہ نہیں (سہو کاتب)۔ ۶، ح میں یہ غزل اوس کلام کے زمرے میں چھپی ہے جس کا ہمطرح کوئی شعر قلمی نسخے میں نہیں، حالانکہ یہ ق کے آخر میں موجود ہے۔

---

۱ — مرزا صاحب کا ایک فارسی مصرع ہے: «داد از حاکمانِ نا انصاف»۔ اس کے لفظِ ناانصاف کے بالمقابل کلیاتِ فارسی (مخطوطۂ لوہارو، نمبر ۳۱ ص ۲۷) کے حاشیے پر اپنے قلم سے لکھتے ہیں: «یہ لفظ جائز ہے، اور اس کے نظائر بہت ہیں۔ غالب ۱۲»۔
۲ — قدر بلگرامی نے اس شعر کی ردیف «سہی» کا فارسی میں ترجمہ پوچھا تھا۔ اُس کے جواب میں لکھا ہے: «یہ روز مرۂ اردو ہے۔ اسی مطلب کے مطابق فارسی عبارت یوں ہوسکتی ہے: وصل اگر نیست، حسرت نیز عالمی دارد» (خطوط : ۱:۱۸۰) ۔ (باقی)

ہاتھ دھو دل سے، یہی گرمی گر اندیشے میں ہے
آبگینہ، تُندیِ صہبا سے پگھلا جاے ہے[1]

خ غیر کو، یا رب، وہ کیونکر منعِ گستاخی کرے؟
گر حیا بھی اُس کو آتی ہے، تو شرما جاے ہے

' شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے
دل کی وہ حالت، کہ دم لینے سے گھبرا جاے ہے

' دُور چشمِ بد تری بزمِ طرب سے! واہ، واہ!
نغمہ ہو جاتا ہے، واں گر نالہ میرا جاے ہے[2]

گرچہ ہے، طرزِ تغافل، پردہ دارِ رازِ عشق
پر ہم ایسے کھوے جاتے ہیں کہ وہ پا جاے ہے °

خ اُس کی بزم آرائیاں سُن کر، دلِ رنجور یاں
مثلِ نقشِ مُدّعاے غیر، بیٹھا جاے ہے

---

۱ الف، قا، قد، مد کے علاوہ، اندیشہ ۔ ۳ الف، مد کے علاوہ، نالہ ۔ قب، قبج، م، جاے ہے ۔ ب، قد، دلگی (سہو کاتب) ۔

(بقیہ) ۳ — نیز ملاحظہ ہو: تکلف بر طرف، نظّارگی میں بھی سہی، لیکن
وہ دیکھا جاے، کب یہ ظلم دیکھا جاے ہے مجھ سے؟

۱ — اس خیال کو فارسی میں یوں کہا ہے (کلیاتِ فارسی: ۳۸۱):
مینای مَی، از تندیِ این مَی، بگدازد — پیغامِ غمت، در خورِ تحویلِ صبا نیست

۲ — نیز ملاحظہ ہو: ہم نشیں مت کہہ کہ «برہم کر نہ بزمِ عیشِ دوست»
واں تو، میرے نالے کو بھی اعتبارِ نغمہ ہے

ہو کے عاشق، وہ پری رُخ اور نازک بن گیا
رنگ کھُلتا جاے ہے، جتنا کہ اُڑتا جاے ہے خ
نقش کو اُس کے، مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں!
کھینچتا ہے جس قدر، اُتنا ہی کھنچتا جاے ہے ۲
سایہ میرا، مجھ سے، مثلِ دود، بھاگے ہے، اسد
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جاے ہے؟

۱۸۵

آخر ق، قا

گرمِ فریاد رکھا شکلِ نہالی نے مجھے
تب اماں ہجر میں دی بَردِ لَیالی نے مجھے
۵ نسیہ و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم
لے لیا مجھ سے مری ہمتِ عالی نے مجھے
کثرت آرائیِ وحدت، ہے پرستاریِ وہم
کردیا کافر ان اصنامِ خیالی نے مجھے
ہوسِ گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا
عجب آرام دیا بے پروبالی نے مجھے ۱

۱۸۶

آخر ق، قا

چاہیے اچھوں کو، جتنا چاہیے
یہ اگر چاہیں، تو پھر کیا چاہیے؟
صحبتِ رنداں سے واجب ہے حذر
جاے مے اپنے کو کھینچا چاہیے ۹
۱۰ چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل؟
بارے، اب اس سے بھی سمجھا چاہیے خ

---

۱ الف، ق، پریوش - غالب نے "وش" کے اوپر بغیر اوس کو قلمزد کیے "رخ" لکھا ہے، مگر مرتب ح نے اس کا اظہار نہیں کیا - ۲ الف، م، آثار ۲: ۱۵۱، قب، م، گن، ناز ہے - ب، ح، اتنا، قا، آثار، ما، قج، قد، گن، مب، کھچتا - م، کھچا (سہو کاتب) - ۳ ب، قب، قیج، م، آتش زباں - قب، گن، ٹھیرا - قا، م، ما، قد، ٹھرا - ۴، یہ غزل بھی ح میں اوسی کلام کے زمرے میں چھپی ہے، جس کا ہمطرح کوئی شعر قلمی نسخے میں نہیں، حالانکہ یہ ق کے آخر میں موجود ہے - ۶ ب، قب، "ان" ندارد - قج، اس (سہو کاتب) - ۸، ح میں اس غزل کی نوعیت بھی مثل غزل سابق ہے - الف، ق، قا، خوباں کو، مگر مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا - م، جینا چاہیے (سہو کاتب) - ۱۰ الف، قب، قیج، م، چاہنے تیرے کو -

---

۱- نیز ملاحظہ ہو: نہ لٹتا دن کو، تو کب رات کو یوں بیخبر سوتا؟
رہا کھٹکا نہ چوری کا، دعا دیتا ہوں رہزن کو

گ چاک مت کر جَیب بے ایّامِ گل — کچُھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیے
گخ دوستی کا پردہ ہے، بیگانگی — مُنہ چُھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے [1]
خ دشمنی نے میری کھویا غیر کو — کس قدر دشمن ہے؟ دیکھا چاہیے [2]
گ اپنی، رسوائی میں کیا چلتی ہے، سعی؟ — یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے
گخ منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید — نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیے [2] ہ

---

۱ ب، قب، م، ح، ادھر (سہو کاتب) ۔ ۲، ۳، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے ۔ ۴ الف، گل، کب چلتی ۔ ب، گل، بار ۔ ما، یاد (ہر دو سہو کاتب) ۔ ۵ ب، گل، دیگھا (سہو کاتب) ۔

---

۱ — اس خیال کو فارسی میں یوں لکھا ہے (کلیاتِ فارسی: ۴۲۰):

می رمی از من و خلقی بگمانست زِ تو — بی مُحابا شو و بنشین که گمان برخیزد

۲ — نیز ملاحظہ ہو: ذکر میرا، بہ بدی بھی، اُسے منظور نہیں
غیر کی بات بگڑ جائے، تو کچھ دور نہیں

۳ — نیز ملاحظہ ہو: کہتے ہیں: « جیتے ہیں اُمّید پہ لوگ »
ہم کو جینے کی بھی اُمّید نہیں

میرزا صاحب نے منشی نبی بخش حقیر کو ۱۰ جنوری ۱۸۵۰ ع کو لکھا ہے: « کیا کروں؟ سخت غمزدہ اور ملول رہتا ہوں۔ مجھ کو اب اس شہر کی اقامت ناگوار ہے۔ اور موانع اور عوائق ایسے فراہم ہوئے ہیں کہ نکل نہیں سکتا۔ خلاصہ میرے رنج و الم کا یہ ہے کہ میں اب صرف مرنے کی توقّع پر جیتا ہوں۔ هیهات! منحصر مرنے پہ ہو » الخ (نادراتِ غالب: ۵):

ایک اور خط میں یوسف مرزا کو لکھا ہے کہ « بھائی، میں پہلے ہی جانتا تھا کہ یہ املاک قتل ہوئی اور وہ سوا لاکھ روپیہ، جو علاوہ زرِ مقرّرہ ملا ہے، وہ دلّی کی (باقی)

چاهتے هیں خوبرویوں کو اسدؔ ق — آپ کی صورت تو دیکھا چاهیے
غافل، ان مه طلعتوں کے واسطے — چاهنے والا بهی اچّها چاهیے

۱۸۷

آخر ق، قا

وه، آ کے خواب میں، تسکینِ اضطراب تو دے — ولے مجھے تپشِ دل، مجالِ خواب تو دے[۱،۲]

۱، ق کی ترتیب یہی ہے، مگر مرتب ح نے ج کے اتباع میں اوسے پلٹ دیا۔ م، مب، ج، ح «ق» ندارد۔ ب، قب، صورت کی۔ قبج، صورت کو (ہر دو سہو کاتب)۔ ۲، ح میں یہ غزل بھی اوسی کلام کے زمرے میں چھپی ہے، جس کا همطرح کوئی شعر قلمی نسخے میں نہیں، حالانکہ یہ ق کے آخر میں موجود ہے۔ ب، قب «سے» ندارد (سہو کاتب)۔

(بقیه) املاك کا خوں بہا هے۔ پرسوں ناظر جی کے نام کے سرنامے میں فردِ فهرستِ مجموعِ املاك بهیج چکا هوں۔ خیر، یه وار بهی خالی گیا۔ مولانا غالب، علیه الرحمه، خوب فرماتے هیں: منحصر مرنے په هو جس کی امید» الخ (اردوے معلی: ۳۴۷، خطوط: ۱:۱۶۶)

چودهری عبدالغفور سرور کے خط میں صاحبِ عالم صاحب مارهروی کو مخاطب کر کے لکھا هے: «حضرت، سچ تو یوں هے که غمهاے روزگار نے مجھے گهیر لیا هے۔ سانس نہیں لے سکتا، اتنا تنگ کردیا هے۔ هربات سو طرح سے خیال میں آئی، پر دل نے کسی طرح تسلّی نپائی۔ اب دو باتیں سوجهتا هوں: ایك تو یه هے که جب تك جیتا هوں، یوں هی رویا کرونگا۔ دوسری یه، آخر ایك نه ایك دن مرونگا۔ یه صغریٰ و کبریٰ دلنشین هے۔ نتیجه اس کا تسکین هے۔ هیهات! منحصر مرنے په هو جس کی امید الخ» (اردوے معلی: ۱۴۷)۔

۱۔ اس غزل کی شانِ نظم کے بارے میں میرزا صاحب نے ۲۷ جولائی ۱۸۶۲ع کو علائی کو لکھا هے: «پچاس برس کی بات هے که الٰهی بخش خاں مرحوم نے ایك زمین نئی نکالی۔ میں نے حسب الحکم غزل لکھی۔ بیت الغزل یه: پلادے اوك سے ساقی الخ مقطع یه: اسد خوشی سے الخ۔ اب میں دیکھتا هوں که مطلع اور چار شعر کسی نے لکھ کر اس مقطع اور اس بیت الغزل کو شامل اُن اشعار کے کر کے غزل بنالی (باقی)

گنج کرے ہے قتل، لگاوٹ میں تیرا رو دینا
تری طرح کوئی تیغِ نگہ کو آب تو دے[1]

۱. م میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔ الف، قب «ہے» ندارد (سہو کاتب)۔

(بقیہ) ہے، اور اُس کو لوگ گاتے پھرتے ہیں۔ مقطع اور ایک شعر میرا، اور پانچ شعر کسی اُلّو کے۔ جب شاعر کی زندگی میں گانے والے شاعر کے کلام کو مسخ کردیں، تو کیا بعید ہے کہ دو شاعرِ مُتَوفی کے کلام میں مطربوں نے خلط کردیا ہو»۔ (اردوے معلی: ۴۴۲، خطوط: ۱: ۳۴۳)۔

میرزا صاحب نے اس خط میں غزلِ مذکور کے جن پانچ شعروں سے اپنی برائت ظاہر کی ہے، وہ صاحبِ عالم صاحب مارہروی کے روزنامچے میں (مع ان دو شعروں کے: پلادے اوک سے ساقی، اور، اسد خوشی سے الخ) غالب کے نام سے درج ہیں۔ اس روزنامچے میں، جو حبیب گنج کلکشن (مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ) میں نمبر ۳۲: ۷۸ پر رکھا ہوا ہے، ۲۳ جولائی سنہ ۱۸۵۳ع کے اندراجات کے تحت حاشیے پر بہ عنوانِ «اسد اللہ خان غالب دهلوی» یہ سات شعر تحریر کیے گئے ہیں، جن میں تیسرا ذوق کا اور پانچواں، چھٹا، ساتواں غالب کا ہے۔ پانچواں شعر صرف نسخۂ قا میں ہے:

نہ بوسہ دے مجھے، میرا دلِ خراب تو دے
دلِ خراب بھی رہنے دے، کچھ جواب تو دے

ہزار بوسے ہیں تجھ پر مرے حساب کی رو
پر ایک بوسہ مجھے تو علی الحساب تو دے

زبانِ خنجرِ قاتل نے کیا کہا تجھ سے؟
دلِ شہید، پڑا چپ ہے، کچھ جواب تو دے

ایدھر تو گور میں چپ ہوں غمِ جدائی سے
اودھر کہے ہے فرشتہ: «مجھے حساب تو دے»

یہ کون کہوے ہے: «آباد کر ہمیں»، لیکن
کبھی زمانہ مرادِ دلِ خراب تو دے

پلادے اوک سے، ساقی، جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا، نہ دے، شراب تو دے

اسد، خوشی سے مرے ہاتھ پانو پھول گئے
وہ ہنس کے بولا: «ذرا میرے پانو داب تو دے»

یہ غزل معراج دھولپوری مرحوم نے بھی «باغِ مہر» نامی بیاض سے نقل کرکے «ہماری زبان» (۸ اگست ۱۹۶۱ع) میں اشعار کی کمی بیشی کے ساتھ چھاپی ہے۔

۱ — نیز ملاحظہ ہو:
نہیں معلوم، کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
قیامت ہے، سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا

دکھا کے جنبشِ لب ہی، تمام کر ہم کو ۔۔۔ نہ دے جو بوسہ، تو مُنہ سے کہیں جواب تو دے [1] خ

پلادے اوک سے، ساقی، جو ہم سے نفرت ہے ۔۔۔ پیالہ گر نہیں دیتا، نہ دے، شراب تو دے گخ

اسد، خوشی سے مرے ہاتھ پانو پھول گئے ۔۔۔ کہا جو اُس نے «ذرا میرے پانو داب تو دے» ٠

۱۸۸

آخر ق، قا

پھر کچھ اک، دل کو، بیقراری ہے ۔۔۔ سینہ، جویائے زخمِ کاری ہے گخ

پھر جگر کھودنے لگا ناخن ۔۔۔ آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے [2] ٠

قبلۂ مقصدِ نگاہِ نیاز ۔۔۔ پھر وہی پردۂ عماری ہے گ

چشم، دلّالِ جنسِ رسوائی ۔۔۔ دل، خریدارِ ذوقِ خواری ہے ٠

ووہی صد رنگ نالہ فرسائی ۔۔۔ ووہی صد گونہ اشکباری ہے ٠

دل، ہوائے خرامِ ناز سے پھر ۔۔۔ محشرستانِ بیقراری ہے ٠

---

۱ الف، م، دیکھا (قدیم رسم خط) ۔ ۲ ب، انتخاب غالب، عبدالرزاق : ۱۷، گلاس ۔ ۳ ب، قا، قج، ما، مب، مد، ح، ذرا ۔ قد میں بھی اسیطرح لکھا گیا تھا ۔ غالب نے اپنے ہاتھ سے ذال کا سر چھیل کر زے بنایا ہے ۔ ۴، ح میں یہ غزل بھی ؑوسی کلام کے زمرے میں چھپی ہے، جس کا ہمطرح کوئی شعر قلمی نسخے میں نہیں، حالانکہ یہ ق کے آخر میں موجود ہے ۔ الف، ما، مب، ایک ۔ ۷، قا میں اسے قطعہ قرار دیا گیا ہے ۔ ۸ الف و ب، گل، قب، م، گن، ح، وہی ۔ الف، گل، گن، لالہ ۔ م، مد، فرسا ہے ۔ ب، ما، وہی ۔ ۹ الف، قب، ناز سے (سہو کاتب) ۔

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: مرگیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب
ناتوانی سے، حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا

۲ — نیز ملاحظہ ہو: غنچہ پھر لگا کھلنے، آج ہم نے اپنا دل
خوں کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا

گ جلوہ، پھر عرضِ ناز کرتا ہے ۔۔۔ روزِ بازارِ جانسپاری ہے

گخ پھر اُسی بیوفا پہ مرتے ہیں ۔۔۔ پھر وہی زندگی ہماری ہے

گ پھر کھُلا ہے درِ عدالتِ ناز ق ۔۔۔ گرم، بازارِ فوجداری ہے

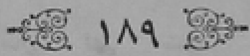
ہو رہا ہے جہان میں اندھیر ۔۔۔ زلف کی پھر سرِشتہ داری ہے

پھر دیا پارۂ جگر نے سوال ۔۔۔ ایک فریاد و آہ و زاری ہے ۔۔۔ ٥

پھر ہوے ہیں گواہِ عشق طلب ۔۔۔ اشکباری کا حُکم جاری ہے

دل و مژگاں کا جو مُقدّمہ تھا ۔۔۔ آج پھر اُس کی روبکاری ہے[1]

گخ بیخودی بے سبب نہیں، غالبؔ ۔۔۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے



۱۸۹

آخر ق، قا

خ کبھی نیکی بھی، اُس کے جی میں، گر آجاے ہے مجھ سے

جفائیں کرکے اپنی یاد، شرما جاے ہے مجھ سے[2]

---

۲ ب، ج، مب، ووہی (سہو کاتب) - ۳ قب، م، مب "قطعہ" ندارد - ۴ الف، عمدۂ منتخبہ، پھر ہوا ہے -۱ ب، مد، سررشتہ (سہو کاتب) - ۵ ب، قبد، مد، فریاد آہ (سہو کاتب) - ٦ ب، ق، قا، عمدہ، بیقراری کا - مگر مرتب ح نے اس کا اظہار نہیں کیا - ۹، ح میں یہ غزل بھی اوسی کلام کے زمرے میں چھپی ہے، جس کا ہمطرح کوئی شعر قلمی نسخے میں نہیں ہے، حالانکہ یہ ق کے آخر میں موجود ہے - الف، ما، اون کے -

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: ۔۔۔ دل مدّعی و دیدہ بنا مدّعیٰ علیہ

نظّارے کا مقدّمہ پھر روبکار ہے

۲ — نیز ملاحظہ ہو: ۔۔۔ جَور سے باز آئے، پر باز آئیں کیا؟

کہتے ہیں: "ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا؟"

اس مضمون کو فارسی میں بھی لکھا ہے۔ فرماتے ہیں (کلیاتِ فارسی: ٤٤١):

دلستانان بَجل اند، ارچہ وفا نیز کنند ۔۔۔ از وفائی کہ نکردند، حیا نیز کنند

خدایا، جذبۂ دل کی مگر تاثیر اُلٹی ہے؟
که جتنا کھینچتا ہوں، اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے[1]

وہ بد خو، اور میری داستان شوق طولانی[2]
عبارت مختصر، قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے

اُدھر وہ بدگمانی ہے، ادھر یہ ناتوانی ہے[3]
نہ پوچھا جائے ہے اُس سے، نہ بولا جائے ہے مجھ سے[4]

سنبھلنے دے مجھے، اے نااُمیدی، کیا قیامت ہے!
که دامان خیالِ یار چُھوٹا جائے ہے مجھ سے

° تکلّف بر طرف، نظّارگی میں بھی سہی، لیکن[5]
وہ دیکھا جائے، کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے؟[1] خ

ہوئے ہیں پانو ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے، نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے[6]

قیامت ہے که ہووے مدّعی کا همسفر، غالب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے[7]

---

۱ ب، م، ما، کھیچتا — کھچتا - قا، قج، قد، مب، ج، کھچتا - گل، گھنچتا (سہو کاتب) - قب، کھنچا (سہو کاتب) - ۲ الف، مب، ج، ح، داستان عشق - ۳ الف، قد، اودھر یہ (سہو کاتب) - قب، ایدھر (قدیم رسم خط) - قج، ادھر یہ - ب، ح، مجھ سے نہ بولا (سہو کاتب) - ۴ الف، قب، قج، م، اے ناتوانی - ۵، ق ندارد - ب، قا، قب، قج، م، کب یہ فتنہ - ۶ ب، قب، ٹھیرا - قا، م، ما، قج، قد، مب، ٹھہرا - ۷ الف، قب، ہوئے -

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: دیکھنا قسمت که آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اُسے دیکھوں، بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

۱۹۰

آخر ق، قا

مدّت ہوئی ہے، یار کو مہماں کیے ہوے ‏— جوشِ قدح سے بزمِ چراغاں کیے ہوے

کرتا ہوں جمع، پھر، جگرِ لخت لخت کو ‏— عرصہ ہوا ہے، دعوتِ مژگاں کیے ہوے

پھر، وضعِ احتیاط سے رُکنے لگا ہے دم ‏— برسوں ہوے ہیں چاک گریباں کیے ہوے

پھر، گرمِ نالہ ہاے شرربار ہے نَفَس ‏— مدت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کیے ہوے

پھر، پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق ‏— سامانِ صد ہزار نمکداں کیے ہوے ۵

پھر، بھررہا ہوں خامۂ مژگاں بخونِ دل ‏— سازِ چمن طرازیِ داماں کیے ہوے

باہمدگر ہوے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب ‏— نَظّارہ و خَیال کا ساماں کیے ہوے

دل، پھر، طوافِ کوے ملامت کو جاے ہے ‏— پِندار کا صنمکدہ ویراں کیے ہوے

پھر، شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب ‏— عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کیے ہوے

دوڑے ہے، پھر، ہر ایک گل و لالہ پر خَیال ‏— صد گلستاں نگاہ کا ساماں کیے ہوے ۱۰

پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا ‏— جاں نذرِ دلفریبیِ عُنواں کیے ہوے

مانگے ہے، پھر، کسی کو لبِ بام پر، ہوس ‏— زلفِ سیاہ رُخ پہ پریشاں کیے ہوے

چاہے ہے، پھر، کسی کو مقابل میں، آرزو ‏— سُرمے سے تیز دَشنۂ مژگاں کیے ہوے

۱، ح میں یہ غزل بھی اوسی کلام کے زمرے میں چھپی ہے، جس کا ہمطرح کوئی شعر قلمی نسخے میں نہیں، حالانکہ یہ ق کے آخر میں موجود ہے۔ ب، ما، بزم چراغاں (بکسرۂ اضافت سہو کاتب)۔ ۳، گل میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔ ۴، ق ندارد۔ الف، ما، ج، نالہاے۔ قج «ہے» ندارد۔ ب، قد، سیر بیاباں (ہر دو سہو کاتب)۔ ۶ الف، ج، ح، بھر رہا ہے (سہو کاتب)۔ ب، قج، چمن ترازی۔ ۷ الف، ما، قریب (سہو کاتب)۔ ب، قب، م، نظارۂ خیال (سہو کاتب)۔ ۹ ب، قبا، عقل دل (سہو کاتب)۔ ۱۰ الف، قبا، م، گل لالہ (سہو کاتب)۔ ۱۲ الف، ق، قا، گل، ڈھونڈھے۔ قب «ہے» ندارد (سہو کاتب)۔ ج، مد کے علاوہ، کسو۔ قد میں بھی یہی لفظ تھا۔ مگر غالب نے اپنے قلم سے «کسی» بنادیا ہے۔ نیز یہ شعر گل میں اگلے شعر کے بعد ہے۔ ۱۳ الف، ق، قا، گل، مانگیے۔ ق، قا، قبج، قبد، م، ما، مب، کسو۔ قد میں غالب نے اپنے قلم سے «کسو» کو «کسی» کردیا ہے۔ ب، قا، قج، مد کے علاوہ، سرمہ۔ قب «سے» ندارد (سہو کاتب)۔

اک نوبہارِ ناز کو تاکے ہے، پھر، نگاہ — چہرہ، فروغِ مَے سے گلستاں کیے ہوئے[۱]

پھر، جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں — سر زیرِ بارِ منّتِ درباں کیے ہوئے[۲]

جی ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن — بیٹھے رہیں تصوّرِ جاناں کیے ہوئے[۳]

غالب، ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے — بیٹھے ہیں ہم تہیّۂ طوفاں کیے ہوئے[۴]

۱۹۱

قا

بے اعتدالیوں سے، سَبُک سب میں ہم ہوئے — جتنے زیادہ ہوگئے، اُتنے ہی کم ہوئے

پنہاں تھا، دام، سخت قریب آشیان کے — اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے[۶]

ہستی ہماری، اپنی فنا پر دلیل ہے — یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے[۱]

سختی کشانِ عشق کی، پوچھے ہے کیا خبر؟ — وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے

---

۱ الف، ق، قا، چاہے ہے پھر - موجودہ لفظ گل کے ہیں - ۲ ق میں یہ بیت مقطع سے پہلے ہے - الف، ق، قا، گل، پھر دل - ق، قا، گل، قج، قبج، قبد م، ما، مب، کسو - قد میں غالب نے اپنے قلم سے «کسو» کو «کسی» بنایا ہے - ۳ الف، ما، مب، مج، ڈھونڈتا - ب، ح، رہے (سہو کاتب) - ۴ ب، قب، «ہم» ندارد (سہو کاتب) - قب میں اس شعر کے بعد لکھا ہے: «تمام شدن دیوان ریختہ و آغاز شدن منتخب قصیدہ در منقبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ» - ۶ الف، ما، دام سخت (بکسرۂ اضافت) - ۷ ب، ح، آپ ھی اپنی -

---

۱ — اس شعر کا مطلب مجروح کو یہ بتایا ہے: «پہلے یہ سمجھو کہ قسم کیا چیز ہے۔ قد اُس کا کتنا لمبا ہے، ہاتھ پانو کیسے ہیں، رنگ کیسا ہے۔ جب یہ نہ بتا سکوگے، تو جانو گے کہ قسم، جسم و جسمانیات میں سے نہیں۔ ایک اعتبارِ محض ہے۔ وجود اُس کا صرف تعقل میں ہے۔ سیمرغ کا سا اُس کا وجود ہے۔ یعنی، کہنے کو ہے، دیکھنے کو نہیں۔ پس شاعر کہتا ہے کہ جب ہم آپ اپنی قسم ہوگئے، تو گویا اُس صورت میں ہمارا ہونا ہمارے نہ ہونے کی دلیل ہے»۔ (خطوط: ۱: ۲۸۶)

خ تیری وفا سے کیا ہو تلافی؟ کہ دھر میں — تیرے سوا بھی، ہم پہ بہت سے ستم ہوئے[۱]

گخ لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خوں چکاں — ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

گ اللہ رے! تیری تندیِ خو، جس کے بیم سے — اجزاے نالہ، دل میں مرے رزقِ ہم ہوئے

اہلِ ہوس کی فتح ہے، ترکِ نبردِ عشق — جو پانو اُٹھ گئے، وہی اُن کے عَلم ہوئے

گخ نالے، عدم میں، چند ہمارے سُپرد تھے — جو واں نہ کھنچ سکے، سو وہ یاں آکے دم ہوئے [۵]

چھوڑی، اسد، نہ ہم نے گدائی میں دل لگی — سائل ہوئے، تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

۱۹۲

قا

خ عجب نشاط سے جلّاد کے، چلے ہیں ہم، آگے

کہ اپنے سائے سے، سر، پانو سے ہے دو قدم آگے[۲]

خ قضا نے تھا مجھے چاہا خرابِ بادۂ الفت

فقط «خراب» لکھا، بس نہ چل سکا قلم آگے

۲ الف، قد. خوں جگاں (سہو کاتب) - ب، م، قج. ہاتھ اس میں ہمارے - ۳ الف، قب، «خو» ندارد - م، تیر تندی (ہر دو سہو کاتب) - گل، تیری خو - مد، جس کی - قا، وہم سے - ۵ گل میں یہ شعر «لکھتے رہے جنوں میں» سے پہلے ہے - ب، قا، قج، قد، م، ما، مب، ع، مد، کھچ - ۷ ب، مد کے علاوہ، سایہ - قب «سے» ندارد -

۱ — نیز ملاحظہ ہو: تم سے بیجا ہے، مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اُس میں کچھ شائبۂ خوبیِ تقدیر بھی تھا

خستگی کا تم سے کیا شکوہ؟ کہ یہ
ہتکھنڈے ہیں چرخِ نیلی فام کے

۲ — نیز ملاحظہ ہو: مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں؟ کہ ہے
پُر گل، خیالِ زخم سے، دامن نگاہ کا

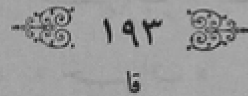
غمِ زمانہ نے جھاڑی[1] نشاطِ عشق کی مستی
وگرنہ ہم بھی اُٹھاتے تھے لذّتِ الم آگے[2]

خدا کے واسطے! داد اس جنونِ شوق کی دینا
کہ اُس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے، ہم، آگے[3]

۸، عمر بھر، جو پریشانیاں اُٹھائی ہیں ہم نے
تمھارے آئیو، اے طُرّہ ہائے خم بخم، آگے![4]

دل و جگر میں پَر افشاں جو ایک موجۂ خوں ہے
ہم، اپنے زعم میں، سمجھے ہوئے تھے اس کو دم آگے

قسم جنازے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں، غالب[5]
ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے



قا

جس زخم کی ہو سکتی ہو[6] تدبیر رفو کی
لکھ دیجیو، یا رب، اُسے قسمت میں عدو کی![1]

اچّھا ہے سرانگشتِ حنائی کا تصوّر
دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

کیوں ڈرتے ہو عشّاق کی بیحوصلگی سے؟
یاں تو کوئی سنتا نہیں فریاد کسو کی

---

۱ الف، مد، چھاڑی (سہو کاتب) - ۲ الف، قب، قبج، م، اوس - مد، جنون عشق - نیز یہ شعر قا اور گل میں مقطع سے پہلے ہے - ۳ الف، قب، اوٹھائیں - ب، م، ج، طرھاے - قب «ھاے» ندارد (سہو کاتب) - نیز قا میں یہ شعر چوتھے نمبر پر ہے - ۴ ب، قب، قبج، م، مد اوس - ۵ الف، قب، ما، قبج، قد، مب، ج، جنازہ - گل «میرے» ندارد (سہو کاتب) - ب، قد میں «کی» غالب نے اپنے قلم سے بڑھایا ہے - ۶ الف، قب، ہوسکی (سہو کاتب) - ۷ الف، قد میں «ہے» غالب نے اپنے قلم سے بڑھایا ہے - ۸ ب، قا، گل، صاحب کوئی سنتا - قب، نہیں سنتا نہیں (سہو کاتب) -

---

۱ — اس بات کو فارسی میں یوں ادا کیا ہے (کلیاتِ فارسی: ۳۸۱):

غالب، همه تن خستهٔ یار است، گدا نیست
دریوزهٔ راحت نتوان کرد ز مرهم

صد حیف! وہ ناکام کہ اک عمر سے، غالب — حسرت میں رہے، ایک بتِ عَربَدہ جو کی
دَشنے نے کبھی مُنہ نہ لگایا ہو جگر کو — خنجر نے کبھی بات نپوچھی ہو گلو کی

۱۹٤

قا

خ فریاد کی کوئی لَے نہیں ہے — نالہ، پابندِ نَے نہیں ہے
کیوں بوتے ہیں باغبان تونبے؟ — گر باغ گدائے مَے نہیں ہے
خ ہرچند ہر ایک شَے میں تو ہے — پر تجھ سی کوئی شَے نہیں ہے ۵
ہاں. کھائیو مت فریبِ ہستی! — ہرچند کہیں کہ ہے، نہیں ہے[1]
شادی سے گزر، کہ غم نہ رہوے — اُردی جو نہو، تو دَے نہیں ہے
خ کیوں ردِّ قدح کرے ہے، زاہد؟ — مَے ہے، یہ مگس کی قَے نہیں ہے

---

۱ م، مب، ج، ح «قطعہ» ندارد۔ اسی لیے م اور مب کے علاوہ اور نسخوں میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔ ب، ما، قج، عربدہ خو۔ ۲ الف، قج، دشنہ۔ ب، قب، کبھو بات۔ ۳ الف، مد، کوئی کے (سہو کاتب)۔ ۵ ب، ح، بر تجھ سی تو۔ ج، تجھسے۔ ما، مب، تجسی۔ مد، تجسے. لیکن قد کے کاتب نے اپنے دستور کے مطابق «سی» کو بکسرۂ سین لکھ کر التباس دور کر دیا ہے۔ ۷ الف، قب «سے» ندارد۔ م، مب، ج، ح، نہ ھووے۔

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو:

شاہدِ ہستیِ مطلق کی کمر ہے، عالم
لوگ کہتے ہیں کہ ہے، پر ہمیں منظور نہیں

ہستی کے مت فریب میں آجائیو، اسد
عالم تمام، حلقۂ دامِ خیال ہے

جُز نام، نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
جُز وہم نہیں، ہستیِ اشیا، مرے آگے

هستی هے، نہ کچھ عدم هے، غالب — آخر تو کیا هے، آے نہیں، هے؟ خ

۱۹۵

قا، قب

نپوچھ نسخۂ مرهم جراحتِ دل کا — کہ اُس میں ریزۂ آلماس جزوِ اعظم هے کخ

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی — وہ اك نگہ کہ بظاهر نگاہ سے کم هے ۲

۱۹۶

قا، قب

رونے سے، اور عشق میں بیباك هو گئے — دھوئے گئے هم اتنے کہ بس پاك هو گئے کخ

۵ صرفِ بہائے مے هوئے، آلاتِ میکشی — تھے یہ هی دو حساب، سو یوں پاك هو گئے ۵

رسوائے دهر گو هوئے، آوارگی سے، تم — بارے، طبیعتوں کے تو چالاك هو گئے گ

کہتا هے کون نالۂ بلبل کو بے اثر؟ — پردے میں گل کے، لاکھ جگر چاك هو گئے ۷

پوچھے هے کیا وجود و عدم اهلِ شوق کا؟ ٭ — آپ اپنی آگ کے خس و خاشاك هو گئے ۸

کرنے گئے تھے اُس سے تغافل کا، هم گلہ — کی ایك هی نگاہ کہ بس خاك هو گئے کخ

۱۰ اس رنگ سے اُٹھائی کل اُس نے اسد کی نعش — دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناك هو گئے گ

۱۹۷

قا

هوں میں بھی تماشائیِ نیرنگِ تمنّا — مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب هی بر آوے کخ

---

۲ ب، ح، اس (بکسرۂ الف)۔ قب، اسم اعظم (سہو کاتب)۔ ۳ ب، قب «کہ» ندارد (سہو کاتب)۔ ۴ ب، گب، ایسے۔
۵، یہ شعر گل میں مقطع سے پہلے هے۔ الف، قا اسباب میکشی۔ ب، م، قبج، وہ حساب (سہو کاتب)۔ قد میں «وہ یوں» تھا۔ غالب نے اپنے قلم سے «وہ» کو «سو» بنایا هے۔ ۶ ب، ما، سے تو۔ گل «طبیعتوں کے» ندارد (سہو کاتب)۔ ۷ ب، گل، پردہ۔
۸، یہ شعر پہلی بار قب میں نظر آتا هے۔ اس کی جگہ جو شعر قا میں هے، وہ یادگار نالہ میں ملاحظہ کیجیے۔ الف، م، وجود عدم (سہو کاتب)۔ ب، گل، آپ اپنے شعلے۔ ۹ الف، مد کے علاوہ، گلا۔ ۱۰ الف، قب، قبج، م، مد، لاش۔ ب، قب، .ی اوس کو۔ ۱۱، ح ندارد۔

۱۹۸

قا، گل، قب

خ دیکھ کر درپردہ گرمِ دامن افشانی مجھے ✡ کر گئی وابستۂ تن، میری عُریانی، مجھے [۱]

ک بن گیا تیغِ نگاہِ یار کا سنگِ فساں ✡ مرحبا! مَیں، کیا مبارک ہے گرانجانی مجھے

کخ کیوں نہ ہو بے التفاتی؟ اُس کی خاطر جمع ہے ✡ جانتا ہے محوِ پرسشہاے پنہانی مجھے [۲]

میرے غمخانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی ✡ لکھ دیا منجملۂ اسبابِ ویرانی مجھے

بدگماں ہوتا ہے وہ کافر، نہ ہوتا کاشکے! ✡ اس قدر ذوقِ نواے مرغِ بُستانی مجھے [۳]

ک واے! واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا ✡ لے گیا تھا گور میں، ذوقِ تن آسانی مجھے

کخ وعدہ آنے کا وفا کیجے، یہ کیا انداز ہے؟ ✡ تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

ک ہاں، نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری، واہ، واہ! ✡ پھر ہوا ہے تازہ، سوداے غزلخوانی مجھے [۴]

دی مرے بھائی کو حق نے از سرِ نو زندگی ✡ میرزا یوسف ہے، غالب، یوسفِ ثانی مجھے

---

۲. گل میں ترتیب اشعار یہ ہے: ۲، ۷، ۶، ۴، ۳، ۸ ۔ ۳ ب، قا، گل، صید پرسشہاے ۔ ۴ الف، قب، غم کھانے کی (سہو کاتب) ۔ ۶ م، قج، قد، خانہ ۔ ۷ الف، قب وفاہ ندارد (سہو کاتب) ۔

---

۱ — اس مضمون کو فارسی میں یوں تحریر کیا ہے (کلیاتِ فارسی: ۳۸۲):

فغاں! کہ نیست سر و برگِ دامن افشانی ✡ بہ بندِ خویش فروماندہ ام ز عریانی

۲ — اس مضمون کو فارسی میں یوں تحریر کیا ہے (کلیاتِ فارسی: ۳٦٤):

با ہمہ خرسندی، از وی شکوہ ہا دارم ہمی ✡ تا نداند صیدِ پرسشہای پنہانی مرا

۳ — نیز ملاحظہ ہو: کیا بدگماں ہے مجھ سے؟ کہ آئینے میں مرے
طوطی کا عکس سمجھے ہے، زنگار دیکھ کر

٤ — نیز ملاحظہ ہو: وہی اک بات ہے جو یاں نفس، واں نکہتِ گل ہے
چمن کا جلوہ، باعث ہے مری رنگیں نوائی کا

۱۹۹

حاشیۂ قا، گل، قب

ظلمتکدے میں میرے، شبِ غم کا جوش ہے اک شمع ہے دلیلِ سحر، سو خموش ہے[۱]

---

۱ الف، قا، قج، مد کے علاوہ، ظلمتکدہ۔ دیوان سالک ۳۰۹، میں اپنے۔ نیز اس غزل کا ایک شعر یادگار نالہ میں ملاحظہ کیجیے۔

---

۱ — عبدالرزاق شاکر کو اس شعر کی شرح کرتے ہوے لکھا ہے: «اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے، یہ خبر ہے۔ پہلا مصرع: ظلمتکدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے، یعنی اندھیرا ہی اندھیرا۔ ظلمت غلیظ۔ سحر ناپیدا۔ گویا خلق ہی نہیں ہوئی۔ ہاں، ایک دلیل صبح کے وجود پر ہے، یعنی، بجھی ہوئی شمع، اس راہ سے کہ شمع و چراغ صبح کو بجھ جایا کرتے ہیں۔ لطف اس مضمون کا یہ ہے کہ جس شے کو دلیلِ صبح ٹھہرایا ہے، وہ خود ایک سبب ہے منجملہ اسبابِ تاریکی کے۔ پس دیکھا چاہیے، جس گھر میں علامتِ صبح مویّدِ ظلمت ہوگی، وہ گھر کتنا تاریک ہوگا» (عود: ۱۵۸)۔
اس مطلب پر شاکر کے کوئی دوست معترض ہوے۔ اُنھوں نے میرزا صاحب کے پاس وہ اعتراض لکھ بھیجا۔ اس کے جواب میں لکھتے ہیں: «مولوی نظامی گنجوی علیہ الرحمہ کا ایک شعر طالب علموں کے ہاتھ پڑا۔ اُنھوں نے از روے قواعدِ نحو اُس میں کلام کرنا شروع کیا۔ مولوی کے پاس جب وہ کلمات پہنچے، تو فرمایا کہ «یاران، شعرِ مرا بمدرسہ کہ برد؟» جو صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مجموع پہلا مصرع مبتدا نہیں ہوسکتا، اُن سے پوچھا چاہیے کہ کیا آپ اُسی پہلے مصرع میں سے «ظلمتکدے میں میرے» اس کو مبتدا اور «شبِ غم کا جوش ہے» اس کو خبر ٹھہراتے ہیں؟ پس اگر یوں ہے، تو بھی مدّعا حاصل ہے۔ دوسرا مصرع، دوسری خبر سہی۔ آخر یہ بھی تو مسلّماتِ فنِّ نحو میں سے ہے کہ ایک مبتدا کی دو بلکہ زیادہ خبریں ہو سکتی ہیں۔ (باقی)

نے مژدۂ وصال، نہ نظّارۂ جمال
مدّت ہوئی کہ آشتیِ چشم و گوش ہے

مَے نے کیا ہے حُسنِ خودآرا کو بیحجاب
اے شوق، ہاں، اجازتِ تسلیمِ ہوش ہے

گوہر کو عقدِ گردنِ خوباں میں دیکھنا
کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے![1]

دیدار بادہ، حوصلہ ساقی، نگاہ مست
بزمِ خیال، میکدۂ بیخروش ہے

ق
اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل
زنہار! اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے [5]

دیکھو مجھے، جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو، جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

ساقی بجلوہ، دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بنغمہ، رہزنِ تمکین و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گلفروش ہے

لطفِ خرامِ ساقی، و ذوقِ صدائے چنگ
یہ جنّتِ نگاہ، وہ فردوسِ گوش ہے

---

۱ قا، قب، قبج، م، ما، قج میں اس کے بعد ایک شعر ہے جو یادگار نالہ میں آرہا ہے۔ ۲ ب، ج، یاں (سہو کاتب)۔
۴ الف، و ب، ما اور مد میں «دیدار بادہ» اور «خیال میکدہ» کو باضافت چھاپا ہے۔ نیز ما میں «نگاہ مست» بھی بکسرۂ اضافت
ہے (ہمہ سہو کاتب)۔ ۵ م، قج، ما، مب «ق» ندارد۔ قد میں غالب نے اپنے قلم سے «ق» لکھا ہے۔ ما، ناونوش (سہو کاتب)۔
۶ الف، قج، قب، م، نگاہ ہوں۔ ۹، قا ندارد۔ ب، گل، وہ جنت نگاہ۔ قد، ہوش (ہر دو سہو کاتب)۔

(بقیہ) ہاں ایک قاعدہ اور ہے۔ یعنی، جملۂ فعلیہ کے ماقبل جو عبارت ہوتی ہے، اُس کو مبتدا نہیں کہتے۔ اس مطلع کا مصرعِ ثانی جملۂ اسمیہ ہے۔ اپنے ماقبل مبتدا کو قبول کرتا ہے۔ اگر ہم نے نظر اس دستور پر مصرعِ اوّل کو مبتدا کہا، تو بھی قباحت لازم نہیں آتی۔ بہر حال، جو وہ صاحب اس پہلے مصرع کو قرار دیں، وہ مجھے قبول ہے۔ مگر شعر میرا مہمل نہیں۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں»۔ (عود : ۱۶۲)

۱ــ نیز ملاحظہ ہو:
ترے جواہرِ طرفِ کُلَہ کو کیا دیکھیں؟
ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

یا صُبحدم جو دیکھیے آکر، تو بزم میں ۔۔۔ نے وہ سُرور و سُور، نہ جوش‌وخروش ہے گخ

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی ۔۔۔ اک شمع رہ گئی ہے، سو وہ بھی خموش ہے [۱]

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں، خیال میں ۔۔۔ غالب، صریرِ خامہ، نوائے سروش ہے

۲۰۰

حاشیۂ قا

کب وہ سنتا ہے کہانی میری! ۔۔۔ اور پھر وہ بھی زبانی میری گ

خلشِ غمزۂ خونریز نہ پوچھ ۔۔۔ دیکھ خونابہ فشانی میری گخ [۵]

کیا بیاں کرکے مرا روئیں گے یار؟ ۔۔۔ مگر آشفتہ بیانی میری [۱]

ہوں زِ خود رفتۂ بیدائے خیال ۔۔۔ بھول جانا، ہے نشانی میری گ

متقابل ہے، مُقابل میرا ۔۔۔ رُک گیا، دیکھ روانی میری[۱] گخ

قدرِ سنگِ سرِ رہ رکھتا ہوں ۔۔۔ سخت ارزاں ہے، گِرانی میری[۲] گ

---

۱ الف، قب، آ کر کے بزم میں ۔ ب، گل، انتخاب، نہ وہ ۔ گل، قب، شور ۔ ج، انتخاب، سوز ۔ ۲ ب، ج، ایک ۔
۳ ب، قب، مضامین کے خیال ۔ ۴ الف، قا، عمدہ ۹۴، کب سنے ہے وہ ۔ موجودہ متن گل کا ہے ۔ ۵ ب، گل، ما، ج، مد، خونابہ (سہو کاتب) ۔ ۶ الف، عمدہ، روئیں کے لوگ ۔ ۷ ب، م، بھول جانا (سہو کاتب) ۔ ۹ الف، قج، م، کہتا ہوں (سہو کاتب) ۔ ب، گل ہے، ندارد (سہو کاتب) ۔ نیز گل میں یہ اگلے شعر کے بعد ہے ۔

---

۱ ــ شاکر کو ایک خط میں میرزا صاحب نے اس شعر کا مطلب اس طرح لکھا ہے:

«تقابل و تضاد کو کون نہ جانے گا ۔ نور و ظلمت، شادی و غم، راحت و رنج، و وجود و عدم ۔ لفظِ «مقابل» اس مصرع میں بمعنیِ مرجع ہے، جیسے حریف کہ بمعنیِ دوست بھی مستعمل ہے ۔ مفہومِ شعر یہ کہ ہم اور دوست، از روئے خوئے و عادت، ضدِ ہمدگر ہیں ۔ وہ میری طبع کی روانی دیکھ کر رُک گیا» (عود: ۱۵۸) ۔

۲ ــ فارسی میں بھی مضمون اس طرح نظم کیا ہے (کلیاتِ فارسی: ۳۹۸):

ناکس، زِ تنومندیِ ظاہر، نشود کس ۔۔۔ چون سنگِ سرِ رہ کہ گرانست و گران نیست

گ گردبادِ رہِ بیتابی ہوں صرصرِ شوق، ہے بانی میری

گخ دہن اُس کا جو نہ معلوم ہوا کُھل گئی ہیچمدانی میری

گ کردیا ضعف نے عاجز، غالب ننگِ پیری ہے، جوانی میری

۲۰۱

گل رعنا، قب

خ سادگی پر اُس کی، مرجانے کی حسرت دل میں ہے

بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے

گخ دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے ٥

گخ گرچہ ہے کس کس برائی سے، ولے با ایں ہمہ

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے

گ بس ہجومِ نااُمیدی، خاک میں مل جائے گی

یہ جو اک لذّت ہماری سعیِ بیحاصل میں ہے ۱

رنج رہ کیوں کھینچیے؟ واماندگی کو عشق ہے!

اُٹھ نہیں سکتا، ہمارا جو قدم منزل میں ہے

---

۱ الف، مد، گرد باد رہ (سہو کاتب) - ۲. یہ غزل قا میں نہیں، مگر اس کا گل میں ہونا اس کی علامت ہے کہ یہ قا کے توأم نسخے میں موجود تھی - قا سے بوجہ نقصان اوراق ساقط ہوگئی ہے - ٥ ب، قبج، م، یہ چاہا (سہو کاتب) - ٨ الف، قب، کیا کیجیے -

---

۱ — میرزا صاحب نے ۱۷ جنوری ۱۸۶۵ع کو مجروح کو لکھا ہے: «کیا کہوں کہ کیا حال ہے؟ پیش ازیں اپنا یہ شعر پڑھا کرتا تھا: بس ہجومِ نااُمیدی الخ - اب اس زمزمے کا بھی محل نہ رہا - یعنی، سعیِ بیحاصل کی لذّت خاک میں مل گئی - انا للہ وانا الیہ راجعون» - (اردوے معلی: ۱۶۰، خطوط: ۱: ۲۸۹) -

جلوہ زارِ آتشِ دوزخ، ہمارا دل سہی
فتنۂ شورِ قیامت کِس کی آب و گل میں ہے؟

ہے دلِ شوریدۂ غالبؔ طلسمِ پیچ و تاب
رحم کر اپنی تمنّا پر کہ کِس مشکل میں ہے

۲۰۲

قب

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیر سو ہے[۱] خ

۲۰۳

قب

پینس میں گزرتے ہیں جو کوچے سے، وہ، میرے
کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہیں دیتے

۳ الف، مد، کیا تھا - اردو، عود، خطوط، جو ترا - ب، قج، م، تعمیر ہوے (سہو کاتب) - ۴ الف، قج، قد، مب، کوچہ گن ۲۱۹، جو وہ کوچے سے -

۱ — میرزا صاحب نے مہر کو ایک خط میں، جو ۱۸۵۹ع کا ہے، لکھا ہے: «جناب مرزا صاحب. دلّی کا حال تو یہ ہے: گھر میں تھا کیا، جو ترا غم اُسے غارت کرتا الخ - یہاں دھرا کیا ہے جو کوئی لوٹے گا - وہ خبر محض غلط ہے - اگر کچھ ہے، تو بدیں نمط ہے کہ چند روز گوروں نے اہلِ بازار کو ستایا تھا - اہلِ قلم اور اہلِ فوج نے باتّفاق رائے ہمدگر ایسا بندوبست کیا کہ وہ فساد مٹ گیا» (اردوے معلی:۲۷۰،عود: ۱۳۴، خطوط: ۱:۳۱۴) -

نیز ملاحظہ ہو: ہُوا ہوں، عشق کی غارتگری سے، شرمندہ
سواے حسرتِ تعمیر، گھر میں خاک نہیں

۲۰۴

قب

خ اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ، غالبؔ — ہم بیاباں میں ہیں، اور گھر میں بہار آئی ہے!

۲۰۵

قب

خ دل سے، تری نگاہ، جگر تک اُتر گئی — دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

۲ شق ہو گیا ہے سینہ، خوشا! لذّتِ فراغ — تکلیفِ پردہ داریِ زخمِ جگر گئی

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں؟ — اُٹھیے بس اب، کہ لذّتِ خوابِ سحر گئی

خ اُڑتی پھرے ہے، خاک مری، کوے یار میں — بارے اب، اے ہوا، ہوسِ بال و پر گئی ۵

دیکھو تو، دلفریبیِ اندازِ نقشِ پا — موجِ خرامِ یار بھی کیا گل کتر گئی[1]

ہر بُوالہوَس نے حُسن پرستی شعار کی — اب آبروے شیوۂ اہلِ نظر گئی

ح نظّارے نے بھی کام کیا واں نقاب کا — مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی[1]

۹ فردا و دِی کا تفرقہ یکبار مٹ گیا — کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی

مارا زمانے نے، اسد اللہ خاں، تمھیں — وہ ولولے کہاں؟ وہ جوانی کدھر گئی؟ ۱۰

---

۲ ب، قب، ما، گن ۲۲۱، دونو ۔ قج، قد، ایک ۔ ۷ ب، قب، کب (سہو کاتب) ۔ ۸ الف، تمام نسخے، نظارہ ۔
۹ الف، قبد، اک بار ۔ ب، قد، گل تم (سہو کاتب) ۔ ۱۰ الف، مد کے علاوہ، زمانہ ۔

---

۱ — نیز ملاحظہ ہو: جب وہ جمالِ دلفروز، صورتِ مہرِ نیمروز
آپ ہی ہو نظّارہ سوز، پردے میں مُنہ چھپائے کیوں؟

ناکامیِ نگاہ، ہے برقِ نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

نظّارہ کیا حریف ہو اُس برقِ حسن کا؟
جوشِ بہار، جلوے کو جس کے نقاب ہے

۲۰۶

قب

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے — جاں، کالبدِ صورتِ دیوار میں آوے خ

سائے کی طرح ساتھ پھریں، سرو و صنوبر — تو اس قدِ دلکش سے جو گلزار میں آوے

تب نازِ گرانمایگیِ اشک بجا ہے — جب لختِ جگر، دیدۂ خونبار میں آوے

دے مجھ کو شکایت کی اجازت، کہ ستمگر — کچھ تجھ کو مزا بھی مرے آزار میں آوے

۵ اُس چشمِ فسونگر کا، اگر پائے، اشارہ — طوطی کی طرح آئنہ گفتار میں آوے خ

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے، یارب! — اک آبلہ پا وادیِ پُر خار میں آوے

مرجاؤں نہ کیوں رشک سے؟ جب وہ تنِ نازک — آغوشِ خمِ حلقۂ زُنّار میں آوے خ

غارت گرِ ناموس نہ ہو، گر، ہوسِ زر — کیوں شاہدِ گل باغ سے بازار میں آوے؟

تب چاکِ گریباں کا مزا ہے، دلِ نالاں — جب اک نفَس اُلجھا ہوا ہر تار میں آوے خ

۱۰ آتشکدہ ہے سینہ مرا، رازِ نہاں سے — اے وائے! اگر معرَضِ اظہار میں آوے

گنجینۂ معنی کا طلسم اُس کو سمجھیے — جو لفظ کہ، غالب، مرے اشعار میں آوے

۲۰۷

قبا

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری، غالب — ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے![1]

---

۲ الف، ما کے علاوہ، سایہ۔ ب، قب، گلذار (سہو کاتب)۔ ۵ الف، تمام نسخے، اشارا۔ ۶ ب، قج، قد، مب، مد، کے علاوہ، ایک۔ ۸ الف، قج، نہو کر (سہو کاتب)۔ ۹ الف، قد، دل ناداں۔ ب، قج، یک۔ قب، م، خار۔ ۱۲ الف، گب، اس رنگ سے۔ روز نامچۂ صاحب عالم مارہروی، ۲۴ جون و ۱۸ جولائی ۱۸۵۳ع: اسی طرح جو۔ عود، ۱۰۰، اسی ڈھب سے۔ ب، قد، جو خدا۔

---

۱ — یہ شعر قب میں نہیں، جو ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۸ھ (۱۶ اپریل ۱۸۳۳ع) کا مرتبہ ہے، اور گلشنِ بیخار مولفۂ آخرِ سنہ ۱۲۵۰ھ (اپریل ۱۸۳۵ع) میں پایا جاتا ہے (باقی)

۲۰۸

حاشیۂ قبا

تا ہم کو شکایت کی، بھی باقی نہ رہے، جا سُن لیتے ہیں، گو ذکر ہمارا نہیں کرتے خ

غالب، ترا احوال سُنادیں گے ہم اُن کو وہ سُن کے بُلالیں، یہ اجارا نہیں کرتے ۰

۲۰۹

حاشیۂ قبا

ہم، رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے مرتے ہیں، مگر اُن کی تمنّا نہیں کرتے خ

در پردہ اُنہیں غیر سے ہے ربطِ نہانی ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردا نہیں کرتے

---

۳ ب، مد کے علاوہ، ولے - قبا، قبج - م، اوس کی - ۴ ب، قبج، قد، م، مب، ج، مد، پردا ہے - قبا، پردہ نہیں کرتے -

---

(بقیہ) لہذا اسے مذکورۂ بالا تاریخوں کے درمیان کا ہونا چاہیے -

میرزا تفتہ کے نام کے ایک خط مورخۂ ۱۸ جولائی ۱۸۵۸ع میں لکھا ہے: « میرا حال اس فن میں یہ ہے کہ شعر کہنے کی روش اور اگلے کہے ہوے اشعار سب بھول گیا - مگر ہاں اپنے ہندی کلام میں سے ڈیڑھ شعر، یعنی ایک مقطع اور ایک مصرع یاد رہ گیا ہے - سو گاہ گاہ جب دل اُلٹنے لگتا ہے، تب دس پانچ بار یہ مقطع زبان پر آجاتا ہے: زندگی اپنی جب اس الخ - پھر جب سخت گھبراتا ہوں اور تنگ آتا ہوں، تو یہ مصرع پڑھ کر چُپ ہو جاتا ہوں: اے مرگِ ناگہاں، تجھے کیا انتظار ہے؟ » - (اردوے معلی: ۱۲۳، عود: ۹۹، خطوط: ۱: ۳۷) -

اس مقطع کے ساتھ کے دو شعر جو صرف قبا کے متن میں مندرج ملے، یادگار نالہ میں آرہے ہیں -

نیز اس بات کو میرزا صاحب نے فارسی میں یوں لکھا ہے:

گفتنی نیست کہ بر غالبِ ناکام چہ رفت میتوان گفت کہ این بندہ خداوند نداشت

یہ باعثِ نومیدیِ اربابِ ہوس ہے　　غالب کو برا کہتے ہو، اچھا نہیں کرتے

۲۱۰
حاشیۂ قبا

لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے
میرا ذمّہ، دیکھ کر گر کوئی بتلادے مجھے [خ]

کیا تعجّب ہے، جو اُس کو دیکھ کر آجائے رحم؟
واں تلک کوئی کسی حیلے سے پہنچادے مجھے

منہ نہ دکھلاوے، نہ دکھلا، پر بہ اندازِ عتاب [۵]
کھول کر پردہ، زرا آنکھیں ہی دکھلادے مجھے

یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں
زلف گر بن جاؤں، تو شانے میں اُلجھادے مجھے [خ]

۲۱۱
ما

نویدِ امن ہے، بیدادِ دوست، جاں کے لیے　　رہی نہ، طرزِ ستم کوئی، آسماں کے لیے[۱] [خ]

---

۳ الف، مب، ج، کہ اوس - ب، م، قج، قد، حیلہ - ۴ ب، م، ما، پردا - م کے علاوہ، ذرا - ۵ الف، آثار ۲:۱۵۱، خوش ہے کہ بس - ب، م، مب، ج، قد، شانہ - انتخاب میں بھی اسی طرح تھا - لیکن غالب نے اپنے قلم سے "ہ" کو "ے" سے بدل دیا ہے - ۶ ب، مد، رہے -

---

۱ - آزاد دہلوی نے دیوانِ ذوق: ۲۲۵ میں لکھا ہے کہ یہ زمین نواب اصغر علی خاں بہادر رامپوری، مقیمِ دہلی، کے مشاعرے میں طرح ہوئی تھی - دیوانِ غالب کے نسخۂ کراچی نوشتۂ ۳۰ اگست ۱۸۴۵ع میں یہ غزل نہیں، اور اس غزل میں نواب تجمل حسین خاں فرخ آبادی متوفی ۹ نومبر ۱۸۴۶ع کا ذکر ہے، لہذا اسے ان دو تاریخوں کے درمیان کا ہونا چاہیے - اکرام صاحب نے آثارِ غالب: ۸۱ میں اسے ۱۸۴۵ع کا بتایا ہے -

خ بلا سے، گر مژۂ یار تشنۂ خوں ہے — رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ خونفشاں کے لیے

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں رُوشناسِ خلق، اے خضر — نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاوداں کے لیے

رہا بلا میں بھی، میں، مبتلائے آفتِ رشک — بلائے جاں ہے، ادا تیری، اک جہاں کے لیے[1]

فلک، نہ دور رکھ اُس سے مجھے، کہ میں ہی نہیں — دراز دستیِ قاتل کے امتحاں کے لیے

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر — کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے[2] ٥

گدا سمجھ کے وہ چُپ تھا، مری جو شامت آئے — اُٹھا اور اُٹھ کے قدم، میں نے، پاسباں کے، لیے

بقدرِ شوق نہیں، ظرفِ تنگنائے غزل — کچھ اور چاہیے وسعت، مرے بیاں کے لیے

دیا ہے خلق کو بھی، تا اُسے نظر نہ لگے — بنا ہے عیش تجمّل حسین خاں کے لیے

زباں پہ، بارِ خدایا، یہ کس کا نام آیا؟ — کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے[3]

نصیرِ دولت و دیں، اور مُعینِ ملّت و ملک — بنا ہے چرخِ بریں، جس کے آستاں کے لیے ١٠

زمانہ، عہد میں اُس کے، ہے محوِ آرایش — بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لیے

١، مد، بلا سے (سہو کاتب) - ٥ الف، قج، چرخ اسیر (سہو کاتب) - ٦ الف، مج، مری خوشامد سے (سہو کاتب) -
٩ ب، مد، میری نطق (سہو کاتب) -

---

١ — نیز ملاحظہ ہو:

قہر ہو یا بلا ہو، جو کچھ ہو
کاشکے! تم مرے لیے ہوتے

٢ — نیز ملاحظہ ہو:

غالب، کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے
خرمن جلے، اگر نہ ملخ کھائے کشت کو

خوشی کیا، کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے؟
سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برق خرمن کو

٣ — میرزا صاحب نے اس مضمون کو فارسی میں یوں لکھا ہے (کلیاتِ فارسی: ١٨٣):

تا نامِ مَی و ساقیِ کوثر بزبان رفت — صد رہ، لبم، از مہر بیوسید زبان را

ورق تمام ہوا، اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے، اس بحرِ بیکراں کے لیے
اداے خاص سے، غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صَلاے عام ہے، یارانِ نکتہ داں کے لیے ح

۲۱۲

آخر ما

۵ تسکیں کو ہم نروئیں، جو ذوقِ نظر ملے
حورانِ خلد میں تری صورت، مگر، ملے[۱]
اپنی گلی میں مجھ کو نکر دفن، بعدِ قتل
میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے؟ خ
ساقیگری کی شرم کرو آج، ورنہ ہم
ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مَے، جس قدر ملے[۱]
تجھ سے تو کچھ کلام نہیں، لیکن، اے ندیم
میرا سلام کہیو، اگر نامہ بر ملے[۲]

۵ الف، قد کے کاتب نے «ورنہ آج ہم» لکھا تھا۔ غالب نے لفظ «ورنہ» کو چھیل کر دو بارہ «آج» کے بعد لکھا ہے۔

۱ — قِران السعدین، جلد ۳، نمبر ۱۳، ص ۴۹، مورخۂ ۲۷ مارچ ۱۸۴۸ع میں آزردہ کا ایک دو غزلہ اس زمین کا شائع ہوا ہے۔ بعید نہیں کہ یہ غزل بھی اُسی زمانے کی ہو۔

۲ — اس شعر کا مطلب جنون بریلوی کو یہ لکھا ہے: «یہ مضمون کچھ آغاز چاہتا ہے۔ یعنی، شاعر کو ایک قاصد کی ضرورت ہوئی۔ مگر کھٹکا یہ کہ قاصد کہیں معشوق پر عاشق نہوجائے۔ ایک دوست اس عاشق کا ایک شخص کو لایا، اور اُس نے عاشق سے کہا کہ «یہ آدمی وضعدار اور معتمد علیہ ہے۔ میں ضامن ہوں کہ یہ ایسی حرکت نکریگا»۔ خیر، اُس کے ہاتھ خط بھیجا گیا۔ قضا را، عاشق کا گمان سچ ہوا۔ قاصد مکتوب الیہ کو دیکھ کر والہ و شیفتہ ہوگیا۔ کیسا خط؟ کیسا جواب؟ دیوانہ بن، کپڑے پھاڑ، جنگل کو چل دیا۔ اب عاشق اس واقعے کے وقوع کے بعد ندیم سے کہتا ہے کہ «غیب داں تو خدا ہے۔ کسی کے باطن کی کسی کو کیا خبر۔ اے ندیم، تجھ سے کچھ کلام نہیں۔ لیکن اگر نامہ بر کہیں مل جائے، تو اُس کو میرا سلام کہیو کہ کیوں، صاحب، تم کیا کیا دعوے عاشق نہونے کے کر گئے تھے، اور انجامِ کار کیا ہوا۔» (خطوط: ۱: ۱۲۶)۔

خ تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا / فرصت، کشاکشِ غمِ پنہاں سے گر، ملے

خ لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں / جانا کہ اک بزرگ ہمیں ہمسفر ملے

اے ساکنانِ کوچۂ دلدار، دیکھنا / تم کو کہیں جو غالبِ آشفتہ سر ملے

۲۱۳

آخر ما

خ کوئی دن گر زندگانی اور ہے / اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے[۱]

• آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں؟ / سوزِ غمہائے نہانی اور ہے[۲]

بارہا دیکھی ہیں اُن کی رنجشیں / پر کچھ اب کے سرگرانی اور ہے

خ دیکے خط، مُنہ دیکھتا ہے نامہ بر / کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے

• قاطعِ اعمار ہیں، اکثر نجوم / وہ بلائے آسمانی اور ہے

• ہوچکیں، غالب، بلائیں سب تمام / ایک مرگِ ناگہانی اور ہے[۳]

---

۴ ب، آخر ما، ہم نے اپنے جی -   ۶ الف، آخر ما، مد، دیکھیں ہیں -   ب، مد، اب کی -

---

۱ — جنون بریلوی کو اس کا مطلب یہ لکھا ہے: «اس میں کوئی اشکال نہیں۔ جو لفظ ہیں، وہی معنی ہیں۔ شاعر اپنا قصد کیوں بتائے کہ میں کیا کروں گا۔ مُبہم کہتا ہے کہ کچھ کروں گا۔ خدا جانے شہر میں یا نواحِ شہر میں تکیہ بنا کر، فقیر ہو کر، بیٹھ رہے، یا دیس چھوڑ، پردیس چلا جائے»۔ (خطوط: ۱: ۱۲۷)۔

۲ — نواب انور الدولہ بہادر شفق کو لکھتے ہیں: «یہ دن مجھ پر بُرے گزرتے ہیں۔ گرمی میں میرا حال بعینہ وہ ہوتا ہے جیسا زبان سے پانی پینے والے جانوروں کا، خصوصاً اس تموز میں کہ غم و ہم کا ہجوم ہے۔ آتشِ دوزخ میں یہ گرمی الخ»۔ (اردوے معلی: ۳۱۱، عود: ۵۶، خطوط: ۱: ۱۴۳)

۳ — میر مہدی مجروح کو ۲۶ جولائی ۱۸۶۱ع کے ایک خط میں تحریر کیا ہے: «وبا (باقی)

۲۱٤

آخر ما

کوئی اُمّید بر نہیں آتی — کوئی صورت نظر نہیں آتی خ

موت کا ایک دن مُعیّن ہے — نیند کیوں رات بھر نہیں آتی ۲

آگے آتی تھی، حالِ دل پہ، ہنسی — اب کسی بات پر نہیں آتی ۳

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد — پر طبیعت ادھر نہیں آتی[۱] ٤

ہے کچھ ایسی ہی بات، جو چُپ ہوں — ورنہ، کیا بات کر نہیں آتی[۲] ۵

کیوں نہ چیخوں؟ کہ یاد کرتے ہیں — میری آواز، گر، نہیں آتی

---

۲ الف، آخر ما، مقرر ہے - ۳ ب، قج، مب، کسو - قد میں بھی "کسو" ہی تھا - غالب نے اپنے ہاتھ سے تصحیح کردی ہے - ٤ ب، اشرف الاخبار، مب، بہ (سہو کاتب) -

---

(بقیہ) کو کیا پوچھتے ہو؟ قدر اندازِ قضا کے ترکش میں یہی ایک تیر باقی تھا - قتل ایسا عام! لوٹ ایسی سخت! کال ایسا بڑا! وبا کیوں نہ ہو؟ لسان الغیب نے دس برس پہلے فرمایا ہے: ہو چکیں، غالب، بلائیں سب تمام الخ - میاں، سنہ ۱۲۷۷ھ کی بات غلط نہ تھی - مگر میں نے وبائے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا - واقعی، اس میں میری کسرِ شان تھی - بعدِ رفعِ فسادِ ہوا سمجھ لیا جائے گا - (اردوئے معلی: ۱۸٦، عود: ۹۰، خطوط ۱: ۲۷۲) -

۱ — یہ غزل اشرف الاخبار دہلی، جلد ۱ نمبر ۷، مطبوعۂ یکمِ دسمبر روزِ شنبہ سنہ ۱۸٦٦ع مطابق ۲۳ رجب المرجب سنہ ۱۲۸۳ھ میں بھی شایع ہوئی تھی -

نیز ملاحظہ ہو: ہوں مُنحرف نہ کیوں رہ و رسمِ ثواب سے؟
ٹیڑھا لگا ہے قط، قلمِ سرنوشت کو

۲ — یہ محاورہ میر محمد اثر دہلوی کے یہاں بھی موجود ہے - فرماتے ہیں - (دیوان: ۳۸):

حالِ دل، مثلِ شمع، روشن ہے — گو مجھے بات کر نہیں آتی

داغِ دل گر نظر نہیں آتا	بُو بھی، اے چارہ گر، نہیں آتی؟
غ ہم وہاں ہیں، جہاں سے ہم کو بھی	کچھ ہماری خبر نہیں آتی
؎ مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی	موت آتی ہے، پر نہیں آتی[1]
کعبے کس مُنہ سے جاؤ گے، غالب؟	شرم تم کو مگر نہیں آتی

۲۱۵

آخر ما

ح دلِ ناداں، تجھے ہوا کیا ہے؟	آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟
؎ ہم ہیں مشتاق، اور وہ بیزار	یا الٰہی، یہ ماجرا کیا ہے؟
؎ میں بھی مُنہ میں زبان رکھتا ہوں	کاش! پوچھو کہ "مُدّعا کیا ہے؟"[2]

۴ الف، تمام نسخے، کعبہ ۔ ۲ الف، اردوے معلی، خطوط، ہم بھی — رکھتے ہیں ۔ ب، ایضاً، ایضاً، ماجرا کیا ہے ۔

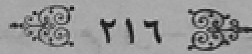
۱ — میرزا صاحب نے لطیف احمد بلگرامی کو لکھا ہے: "فخرِ ایجاد و تکوین، مولانا فضلِ حق ایسا دوست مرجائے، غالبِ نیم مردہ، نیم جان رہ جائے: مرتے ہیں آرزو الخ. آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی الخ۔ اگر جوان ہوتا اور بیمار، تو آپ سے دعاے خیریت چاہتا۔ اسّی برس کا بڈھا ہونے آیا ہوں۔ دعاے مغفرت کا امیدوار ہوں۔ شراب کمبخت اب بھی چھوٹتی نہیں۔ نماز کا اب بھی عادی ہوتا نہیں۔ جانتا ہوں ثوابِ طاعت الخ، کعبے کس مُنہ سے جاؤ گے الخ"۔ (اردوے معلی: ۲۳، مطبوعۂ دسمبر ۱۹۰۷ع، و ۴۲۰، لاہور ایڈیشن)۔

۲ — میر مہدی مجروح کو ایک خط میں لکھتے ہیں: "قرۃ العینین، میر مہدی و میر سرفراز حسین مجھ سے ناخوش اور گلہ مند ہونگے، اور کہتے ہونگے کہ دیکھو ہمیں خط نہیں لکھتا۔

ہم بھی مُنہ میں زبان رکھتے ہیں	کاش! پوچھو کہ "ماجرا کیا ہے؟"

ماجرا یہ ہے کہ تمھارا بھی تو کوئی خط نہیں آیا، میں جس کا جواب لکھتا"۔ (اردوے معلی: ۱۶۰، خطوط ۱: ۲۸۹)۔

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود ق پھر یہ هنگامہ، اے خدا، کیا ھے؟ خ
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ھیں؟ غمزہ و عشوہ و ادا کیا ھے؟ ۰
شکنِ زلفِ عنبریں کیوں ھے؟ نگہِ چشمِ سُرمہ سا کیا ھے؟ ۰
سبزہ و گل کہاں سے آئے ھیں؟ ابر کیا چیز ھے؟ ھَوا کیا ھے؟ ۰
ھم کو اُن سے وفا کی ھے اُمّید جو نہیں جانتے، وفا کیا ھے؟ ۰ ۵
«ھاں، بھلا کر، ترا بھلا ھوگا!» اور دَرویش کی صدا کیا ھے؟
جان تم پر نثار کرتا ھوں میں نہیں جانتا، دعا کیا ھے؟
میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب مفت ھاتھ آئے، تو بُرا کیا ھے؟ خ



آخر ما

کہتے تو ھو تم سب کہ بُتِ غالیہ مو آئے یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ «وو آئے»[۱] خ

۱، کسی نسخے میں اس کا قطعہ ھونا ظاھر نہیں کیا گیا۔ ۳ ب، آخر ما، قد، نگھ (سھو کاتب)۔ ۹ ب، عد، لکرتبہ (سھو کاتب)۔ نادرات، الف۔ آخر ما، کہے کوئی۔

۱ — مرزا صاحب نے منشی نبی بخش حقیر کو ایک خط میں لکھا ھے: «ایک بات تم کو یہ معلوم رھے کہ جب حضور میں حاضر ھوتا ھوں، تو اکثر بادشاہ مجھ سے ریختہ طلب کرتے ھیں۔ سو وہ کہی ھوئی غزلیں تو کیا پڑھوں؟ نئی غزل کہہ کر لے جاتا ھوں۔ آج میں نے دوپہر کو ایک غزل لکھی ھے۔ کل یا پرسوں جا کر پڑھوں گا۔ تم کو بھی لکھتا ھوں۔ داد دینا کہ اگر ریختہ پایۂ سحر یا اعجاز کو پہنچے، تو اُس کی یہی صورت ھوگی، یا کچھ اور شکل؟ کہتے تو ھو تم سب الخ۔»
(نادراتِ غالب: ۱۲) (باقی)

[1] ہوں کشمکشِ نزع میں، ہاں، جذبِ محبت — کچھ کہہ نسکوں، پر وہ مرے پوچھنے کو آئے

[2] ہے صاعقہ و شعلہ و سیماب کا عالم — آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں، گو آئے

[3] ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین — ہاں، مُنہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بو آئے

[4] جلّاد سے ڈرتے ہیں، نہ واعظ سے جھگڑتے — ہم سمجھے ہوے ہیں اُسے، جس بھیس میں جو آئے

[5] ہاں، اہلِ طلب، کون سُنے طعنۂ نایافت؟ — دیکھا کہ وہ ملتا نہیں، اپنے ہی کو کھو آئے ٥

[6] اپنا وہ نہیں شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں — اُس در پہ نہیں بار، تو کعبے ہی کو ہو آئے

[7] کی ہمنفسوں نے اثرِ گریہ میں، تقریر — اچھے رہے آپ اُس سے، مگر مجھ کو ڈبو آئے

[8] اُس انجمنِ ناز کی کیا بات ہے، غالب! — ہم بھی گئے واں، اور تری تقدیر کو رو آئے

۲۱۷

آخر ما

[9] حسنِ مہ، گرچہ بہنگامِ کمال، اچھّا ہے — اُس سے میرا مہِ خُرشید جمال اچھّا ہے

---

۱ الف، مد، ہو کشمکش (سہو کاتب) - ب، قد، کہ (سہو کاتب) - آخر ما، دیکھنے کو - ۲ الف، مد، ہے زلزلہ و صرصر و سیلاب کا عالم - ب، مد، آنا — مرے (سہو کاتب) - آخر ما، نادرات، آنا ہی (سہو کاتب) - ۴ ب، آخر ما وجوہ ندارد (سہو کاتب) - نادرات، سمجھے ہوے ہیں ہم اوسے - ۵ ب، آخر ما، ٹہا (سہو کاتب) - ۶ الف، انتخاب کے علاوہ، نہیں وہ شیوہ - انتخاب میں خود غالب نے یہ ترمیم کی ہے - ب، مد کے علاوہ، کعبہ - دھلی اردو اخبار میں بھی دکعبہ، ہی ہے - ۷ الف، آخر ما، گریہ کی - ب، آخر ما، ولے مجھ - ۹ ب، آخر ما، شہ خورشید -

---

(بقیہ) مرتبِ نادرات کے خیال میں یہ خط اپریل تا جولائی ۱۸۵۱ع کی کسی تاریخ کو لکھا گیا تھا - چونکہ یہ غزل، دھلی اردو اخبار، جلد ۱۳ نمبر ۱۹، صفحۂ ٤، مورخۂ ۸ رجب ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۸۵۱ع میں اس تمہید کے ساتھ چھپی ہے: «اس ہفتے میں ایک غزل جناب نواب اسد اللہ خاں صاحب بہادر المتخلص بغالب کی ہمارے ھاتھ آئی، سو درجِ اخبار ہوئی»، اس لیے اس خط کو اپریل ہی کا ہونا چاہیے -

بوسہ دیتے نہیں، اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ
جی میں کہتے ہیں کہ «مفت آئے تو مال اچّھا ہے» خ

اور بازار سے لے آئے، اگر ٹوٹ گیا
ساغرِ جم سے، مرا جامِ سفال، اچّھا ہے

بے طلب دیں، تو مزا اُس میں سِوا ملتا ہے
وہ گدا، جس کو نہ ہو خوئے سوال، اچّھا ہے

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے رونق مُنہ پر
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچّھا ہے خ

[۵] دیکھیے، پاتے ہیں عُشّاق بتوں سے کیا فیض!
اک برہمن نے کہا ہے کہ «یہ سال اچّھا ہے»

ہمسخن، تیشے نے فرہاد کو شیریں سے، کیا
جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال، اچّھا ہے

قطرہ دریا میں جو مل جائے، تو دریا ہو جائے
کام اچّھا ہے وہ، جس کا کہ مآل اچّھا ہے

خِضر سلطاں کو رکھے، خالقِ اکبر، سرسبز
شاہ کے باغ میں، یہ تازہ نہال اچّھا ہے[۱]

ہم کو معلوم ہے جنّت کی حقیقت، لیکن
دل کے خوش رکھنے کو، غالب، یہ خیال اچّھا ہے خ

۲۱۸

آخر ما

[۱۰] شکوے کے نام سے، بیمہر، خفا ہوتا ہے
یہ بھی مت کہہ، کہ جو کہیے، تو گِلا ہوتا ہے خ

---

۱ ب، آخر ما، قد، مد، آئے (سہو کاتب) - ۲ الف، آخر ما، قد، مد، آئے (سہو کاتب) - ٤ الف، مب، ج، منہ پر رونق - ۵ ب، آخر ما «کہا ہے» ندارد (سہو کاتب) - ٦ الف، تمام نسخے، تیشہ - ب، آخر ما، قج، کسو - مب میں بھی یونہی تھا - غالب نے غلط نامے میں تصحیح کردی ہے - ۷ الف، آخر ما، مد، جائے (سہو کاتب) - ۱۰ الف، مد کے علاوہ، شکوہ - ب، قد، کھ (سہو کاتب)۔

---

۱ — خضر سلطان، ظفر کے بیٹے اور غالب کے شاگرد تھے - ۱۸۳۱ع میں ان کی ولادت ہوئی، اور ۲۳ ستمبر ۱۸۵۷ع کو میجر ہڈسن کی گولی سے مارے گئے - (تلامذۂ غالب: ۱۰۲) - چونکہ یہ غزل ۱۸۴۷ع کے بعد کی ہے، اس لیے اس شعر کو خضر سلطان کی پیدائش سے متعلق نہ سمجھا جائے۔

خ پُر ہوں میں شکوے سے یوں، راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے، پھر دیکھیے، کیا ہوتا ہے![1]

---

۱ الف، مد کے علاوہ، شکوہ - آخر ما، جیسے جانا (سہو کاتب) - ب، تمام نسخے. ذرا -

---

۱ - میرزا صاحب نے شفق کو لکھا ہے: "پیر و مرشد، بارہ بجے تھے - میں ننگا اپنے پلنگ پر لیٹا ہوا حقہ پی رہا تھا کہ آدمی نے آکر خط دیا - میں نے کھولا، پڑھا - بھلے کو انگرکھا یا کُرتا گلے میں نہ تھا - اگر ہوتا، تو میں گریبان پھاڑ ڈالتا - حضرت کا کیا جاتا؟ میرا نقصان ہوتا - سِرے سے سُنیے - آپ کا قصیدہ بعدِ اصلاح بھیجا - اُس کی رسید آئی - کئی کٹے ہوئے شعر اُلٹے آئے - اُن کی قباحت پوچھی گئی - قباحت بتائی گئی - الفاظِ قبیح کی جگہ بے عیب الفاظ لکھ دیے گئے - لو، صاحب، یہ اشعار بھی قصیدے میں لکھ لو - اس نگارش کا جواب آج تک نہیں آیا - شاہ اسرارالحق کے نام کا کاغذ اُن کو دیا - جواب میں جو کچھ اُنھوں نے زبانی فرمایا، آپ کو لکھا گیا - حضرت کی طرف سے اس تحریر کا بھی جواب نہ ملا - پُر ہوں میں شکوے الخ - سونچتا ہوں کہ دونوں خط بیرنگ گئے تھے - تلف ہونا کسی طرح متصوّر نہیں - خیر، اب بہت دن کے بعد شکوہ کیا لکھا جائے" - (اردوے معلی: ۳۰۳، عود: ۶۰، خطوط: ۱: ۱۴۱) -

نیز اس سلسلے میں ملاحظہ ہو: تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو
حَذَر کرو مرے دل سے، کہ اس میں آگ دبی ہے

ہوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت، کچھ نہ پوچھ
ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

گو سمجھتا نہیں، پر حسنِ تلافی دیکھو
شکوۂ جَور سے، سر گرم جفا ہوتا ہے

عشق کی راہ میں، ہے چرخِ مُکَوکَب کی وہ چال
سُست رَو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

کیوں نہ ٹھہریں ہدفِ ناوکِ بیداد؟ کہ ہم
آپ اُٹھا لاتے ہیں، گر تیر خطا ہوتا ہے

خوب تھا، پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ
کہ بھلا چاہتے ہیں، اور بُرا ہوتا ہے

۵ نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا، اور اب
لب تک آتا ہے، جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

خامہ میرا کہ وہ ہے باربَدِ بزمِ سخن
شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے

ق

اے شَہَنشاہِ کواکب سِپہِ مہر عَلَم
تیرے اِکرام کا حق کِس سے ادا ہوتا ہے؟

سات اِقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے
تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے

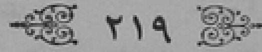
ہر مہینے میں جو یہ بدر سے ہوتا ہے ہلال
آستاں پر ترے، مہ، ناصیہ سا ہوتا ہے

---

۳ الف، آخر ما، ٹھہرے (سہو کاتب) - قد، مد، مب، ٹھہریں - ۵ الف، گن، پر اب - ۶ الف، قد، مب، ج، مد، باربد (بضم با - یہ خود غالب کا سہو ہے) - ۷، مب اور آخر ما میں اس کا قطعہ ہونا ظاہر نہیں کیا - ب، مد، ترے - ۸ الف، آخر ما ؎کا، ندارد (سہو کاتب) - ب، قد، تو (بفتح تا) - ۹ ب، آخر ما، ترے یہ (سہو کاتب) -

میں جو گستاخ ہوں، آئینِ غزلخوانی میں
یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے

رکھیو، غالب، مجھے اس تلخ نوائی میں مُعاف
آج کچھ درد مرے دل میں سِوا ہوتا ہے[1]



۲۱۹

آخر ما

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ «تو کیا ہے؟» — تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟[2]

نہ شعلے میں یہ کرشمہ، نہ برق میں یہ ادا — کوئی بتاؤ کہ وہ شوخِ تُند خو کیا ہے؟

---

۱ ب، آخر ما، ناصیہ سا ہوتا ہے - مد، یہ ترا ہی کرم ذوق (ہر دو سہو کاتب) - ۲ الف، دیوان حیدرآباد ۱۷۲، ہر ایک بات میں کہتے ہیں مجھ سے - ۸ الف، آخر ما، قج، قد، مب، بج، شعلہ - آخر ما «میں» ندارد (سہو کاتب) - آخر ما، وہ کرشمہ — وہ ادا - دیوان حیدرآباد، نہ برق میں وہ کرشمہ نہ شعلہ - ب، آخر ما، بتائے -

---

۱ — میرزا تفتہ کے نام کا ایک خط اس شعر سے شروع کیا گیا ہے - (اردوے معلی: ۱۲۳، عود: ۹۹، خطوط: ۱:۳۷) -

۲ — یہ غزل مہر نے ۱۸۵۹ع میں میرزا صاحب سے مانگی تھی - اُنھوں نے غزل بھیج کر مہر کو لکھا: «اگر ہم فقیر سچّے ہیں، اور اس غزل کے طالب کا ذوق پکّا ہے، تو یہ غزل اس خط سے پہلے پہنچ گئی ہو گی» (اردوے معلی: ۲۵۳، خطوط: ۱: ۳۱٤) - نیز منشی شیو نراین آرام کو اس کے نو شعر (سوائے شعر نمبر ۲ کے) لکھ کر فرمایا ہے: «یہ تمہارا اقبال ہے کہ نو شعر یاد آ گئے - ایک غزل یہ اور دو غزلیں وہ جو آیا چاہتی ہیں، تین ہفتے کا گودام تمہارے پاس فراہم ہو گیا» (اردوے معلی: ۳۷۰، خطوط: ۱ : ۳۹٤) اس خط سے جو ۱۹ اپریل ۱۸۵۹ع کا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب اپنا کلام شیو نراین کے اخبار میں چھپوایا کرتے تھے -

نہ رشك ھے کہ وہ ہوتا ھے ہمسخن تم سے — وگرنہ خوفِ بدآموزیِ عدو کیا ھے؟

چپك رہا ھے بدن پر لہو سے، پیراھن — ہمارے جَیب کو اب حاجتِ رفو کیا ھے؟[1] خ

جلا ھے جسم جہاں، دل بھی جل گیا ہوگا — کریدتے ہو جو اب راکھ، جستجو کیا ھے؟ ۰

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل — جب آنکھ سے ھی نہ ٹپکا، تو پھر لہو کیا ھے؟ ۰

۵ وہ چیز، جس کے لیے ہم کو ہو بہشت عزیز — سوائے بادۂ گلفامِ مُشکبو کیا ھے؟ ۰

پیوں شراب، اگر خُم بھی دیکھ لوں دوچار — یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سَبُو کیا ھے؟ ۰

رہی نہ طاقتِ گفتار، اور اگر ہو بھی — تو کس اُمید پہ کہیے کہ آرزو کیا ھے؟ ۰

ہوا ھے شہ کا مُصاحب، پھرے ھے اِتراتا — وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ھے؟



۲۲۰

آخر ما

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی — میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی خ

۱۰ شرع و آئین پر مدار سہی — ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی؟ ۰

چال جیسے کڑی کمان کا تیر — دل میں ایسے کے، جا کرے کوئی ۰

بات پر واں زبان کٹتی ھے — وہ کہیں اور سُنا کرے کوئی ۰

بك رہاھوں جنوں میں کیا کیا کچھ — کچھ نہ سمجھے، خدا کرے، کوئی ۰

نہ سنو، گر بُرا کہے کوئی — نہ کہو، گر بُرا کرے کوئی

---

۱ الف، اردوے معلی ۳۷۰، تجھ سے ۔ ۲ ب، مد، ہماری جیب ۔ ۴ الف، دیوان ھیدرلیے، ڈوڑنے (سہو کاتب) ۔ ب، دیوان ھیدرلیے، گر آنکھ ۔ ۵ الف، اردوے معلی، لیے ہو ھمیں ۔ ۸ الف، آخر ما، شاہ کا نوکر ۔ ۱۴ الف، قد میں «گو» لکھا گیا تھا ۔ بوقت تصحیح غالب نے واو چھیل کر «ر» بنادی ھے ۔ ب، آخر ما، قج، کہے کوئی (سہو کاتب) ۔ مب میں بھی یونہی تھا، مگر غالب نے غلط نامے میں تصحیح کردی ھے ۔

---

۱ ــ مرزا صاحب نے اس مضمون کو فارسی میں یوں باندھا ھے (کلیاتِ فارسی: ۳۷۱):

بہ تن چسپید بازم، از نمِ خونابہ، پیراھن — خراشِ سینہ، سطرِ بخیہ شد چاكِ گریبان را

روک لو، گر غلط چلے کوئی — بخش دو، گر خطا کرے کوئی

کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند؟ — کس کی حاجت روا کرے کوئی؟

خ کیا کیا خضر نے سکندر سے! — اب کسے رہنما کرے کوئی؟

جب توقّع ہی اُٹھ گئی، غالب — کیوں کسی کا گِلا کرے کوئی؟

۲۲۱

آخر ما

خ اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیے — بیٹھا رہا، اگرچہ اشارے ہوا کیے[۱] ۵

' دل ہی تو ہے، سیاستِ درباں سے ڈر گیا — میں، اور جاؤں در سے ترے بِن صدا کیے!

رکھتا پھروں ہوں، خِرقہ و سَجّادہ رہنِ مے — مدّت ہوئی ہے، دعوتِ آب و ہوا کیے

خ بےصرفہ ہی گزرتی ہے، ہو گرچہ عمرِ خضر — حضرت بھی کل کہیں گے کہ «ہم کیا کیا کیے!»

مقدور ہو، تو خاک سے پوچھوں کہ، «اے لئیم — تو نے وہ گنجہائے گِرانمایہ کیا کیے»؟

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو؟ — کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے؟ ۱۰

صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو، کہیں، یہ خو — دینے لگا ہے بوسہ، بغیر التجا کیے

خ ضد کی ہے اور بات، مگر خو بری نہیں — بھولے سے اُس نے سینکڑوں وعدے وفا کیے

' غالب، تمھیں کہو کہ ملے گا جواب کیا؟ — مانا کہ تم کہا کیے اور وہ سُنا کیے

---

۱ الف، مد، کر (سہو کاتب) ۔ ۴ ب، آخر ما، قج، کو کا ۔ قد میں بھی یونہی تھا، مگر غالب نے اپنے قلم سے ترمیم کر دی ہے ۔ ۱۲ ب، قد، مد، سیکڑوں ۔ آخر ما، مب، وعدہ (سہو کاتب) ۔

---

۱ — میرزا صاحب نے حقیر کو اس غزل کے متعلق تقریباً جولائی ۱۸۵۴ع میں لکھا ہے کہ: «کہا کیے، اور ہوا کیے» یہ غزل پرانی ہے» ۔ (نادراتِ غالب: ۵۹) ۔

۲۲۲
آخر ما

میں اُنھیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں! | چل نکلتے، جو مَے پیے ہوتے خ
قہر ہو یا بلا ہو، جو کچھ ہو | کاشکے! تم مرے لیے ہوتے '
میری قسمت میں غم، گر. اتنا تھا | دل بھی، یارب، کئی دیے ہوتے! '
آ ہی جاتا وہ راہ پر، غالب | کوئی دن اور بھی جیے ہوتے! '

۲۲۳
آخر ما

۵ منظور تھی یہ شکل، تجلّی کو، نور کی | قسمت کھُلی، ترے قد و رخ سے، ظُہور کی
اک خوں چکاں کفن میں کروڑوں بناو ہیں | پڑتی ہے آنکھ، تیرے شہیدوں پہ، حور کی خ
واعظ، نہ تم پیو، نہ کسی کو پلا سکو | کیا بات ہے تمھاری شرابِ طَہور کی![1] '
لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل، کہ کیوں اُٹھا؟ | گویا، ابھی سُنی نہیں آواز صُور کی
آمد بہار کی ہے، جو بلبل ہے نغمہ سنج | اُڑتی سی اک خبر ہے، زبانی طُیور کی
۱۰ گو واں نہیں، پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں | کعبے سے، ان بتوں کو بھی، نسبت ہے دور کی[2]

۵ ب، ج، رخ کے (سہو کاتب)۔ ۶ الف، مد، کروروں ۔ آخر ما، لگاو ہیں (سہو کاتب)۔ ۹ ب، آخر ما، کچھ خبر ہے۔ ۱۰ الف، مب، گر ۔ قد اور انتخاب میں بھی یونہی تھا ۔ غالب نے اپنے قلم سے دونوں جگہ تصحیح کی ہے ۔ ب، آخر ما اور مد کے علاوہ، کعبہ ۔

۱ ــ یہ شعر میرزا صاحب نے دو اور شعروں کے ساتھ سیّاح کے خط میں نقل کیا ہے۔ وہ دو شعر یہ ہیں: «کیا فرض ہے کہ سب کو ملے» الخ اور «گو، واں نہیں، پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں» الخ۔ (اردوے معلی، لاهور ایڈیشن: ۳۸۶)۔

۲ ــ سیّاح کے مذکورۂ بالا خط میں لکھتے ہیں: «دیکھو، یہ "پر" کا مخفف "پہ" ہے بمعنی لیکن»۔

خ کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب؟ آؤ نہ، ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی[1]

گرمی سہی کلام میں، لیکن نہ اِس قدر کی جس سے بات، اُس نے شکایت ضرور کی

غالب، گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی[2]

۲۲۴

قج

حضورِ شاہ میں، اہلِ سخن کی آزمایش ہے
چمن میں، خوشنوایانِ چمن کی آزمایش ہے

خ قد و گیسو میں، قیس و کوہکن کی آزمایش ہے
جہاں ہم ہیں، وہاں دار و رسن کی آزمایش ہے[5]

[6] کریں گے کوہکن کے حوصلے کا امتحان، آخر
ابھی اُس خستہ کے نیروے تن کی آزمایش ہے

نسیمِ مصر کو کیا پیرِ کنعاں کی ہوا خواہی؟
اُسے یوسف کی بوے پیرہن کی آزمایش ہے

---

۱ ب، آخر ما، آو تو ۔ ۵ الف، «کی» اور ب «وهاں» قج میں غالب کے قلم کے ہیں ۔ ٦ ب، قج میں «کے» بقلم غالب ہے ۔

---

۱ ــ میرزا صاحب نے یہ شعر بھی گزشتہ خط میں نقل کیا ہے ۔
۲ ــ اکرام صاحب نے آثارِ غالب: ۹۸ میں لکھا ہے کہ «دسمبر ۱۸۵۱ع میں ریزیڈنٹِ دهلی نے رپورٹ بھیجھی تھی کہ بادشاہ بیمار اور زندگی سے بیزار ہے، اور حج کے لیے مکّۂ معظّمہ جانے کا ارادہ رکھتا ہے ۔ غالباً اسی موقع پر غالب نے یہ غزل لکھی تھی» ۔

وہ آیا بزم میں، دیکھو، نہ کہیو پھر کہ غافل تھے
شِکیب و صبرِ اہلِ انجمن کی آزمایش ہے خ

رہے دل ہی میں تیر، اچھّا، جگر کے پار ہو، بہتر
غرض شَستِ بُتِ ناوَک فگن کی آزمایش ہے

نہیں کچھ، سُبحہ و زُنّار کے پھندے میں، گیرائی
وفاداری میں، شیخ و برَہمن کی آزمایش ہے

پڑا رہ، اے دلِ وابستہ، بیتابی سے کیا حاصل؟
مگر پھر تابِ زلفِ پُر شکن کی آزمایش ہے؟

٥ رگ و پےَ میں جب اُترے زہرِ غم، تب دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخیِ کام و دہن کی آزمایش ہے خ

وہ آویں گے مرے گھر، وعدہ کیسا، دیکھنا، غالبؔ
نئے فتنوں میں اب چرخِ کہن کی آزمایش ہے

۲۲۵

قج

غم کھانے میں بودا، دلِ ناکام، بہت ہے — یہ رنج کہ کم ہے مَے گلفام، بہت ہے خ
کہتے ہوے ساقی سے حیا آتی ہے، ورنہ — ہے یوں کہ مجھے دُردِ تہِ جام بہت ہے
نَے تیر کماں میں ہے، نہ صیّاد کمیں میں — گوشے میں قفس کے، مجھے آرام بہت ہے [۱]

---

۲ الف، مد، جکر ـ ب، قد، فکن (ہر دو سہوِ کاتب) ـ ۳ الف، ج، گیر آئی (سہوِ کاتب) ـ ۷ ب، قج، کلفام (سہوِ کاتب) ـ
۹ ب، قد، مب، ج، گوشہ ـ

---

۱ ـــ میرزا صاحب نے اس بات کو فارسی میں یوں لکھا ہے (کلیاتِ فارسی: ۴۳۹)
رَو تن بہ بلا دہ، کہ دگر بیمِ بلا نیست — مرغِ قفسے کشمکشِ دام ندارد

کیا زهد کو مانوں؟ که نه هو گرچه ریائی
پاداشِ عمل کی طمعِ خام بهت هے[1]

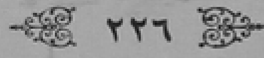
هیں اهلِ خرد کس روشِ خاص په نازاں؟
پا بستگیِ رسم و رهِ عام بهت هے

خ زمزم هی په چهوڑو، مجهے کیا طوفِ حرم سے؟
آلوده به مَے جامهٔ اِحرام، بهت هے

هے قهر، گر اب بهی نه بنے بات، که اُن کو
انکار نهیں، اور مجهے اِبرام بهت هے

خوں هو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نهیں، اے مرگ
رهنے دے مجهے یاں، که ابهی کام بهت هے ۵

خ هوگا کوئی ایسا بهی که غالبؔ کو نه جانے؟
شاعر تو وه اچّها هے، په بدنام بهت هے



۲۲٦

قد

خ نکته چیں هے، غمِ دل اُس کو سُنائے نه بنے
کیا بنے بات، جهاں بات بنائے نه بنے؟[2]

۴ الف. قد. مد. که اب بهی (سهو کاتب). ۵ الف، ج، ابرك (سهو کاتب).

۱ — نیز ملاحظه هو: طاعت میں تا، رهے نه مَے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی، لے کر بهشت کو

۲ — یه غزل مرتّبِ نادارتِ غالبؔ نے اپنی کتاب کے صفحهٔ ۱۳ پر خط نمبر ۱۰ کے آخر میں درج کی هے۔ اس خط میں میرزا صاحب نے صرف ایك غزل کے بهیجنے کا ذکر کیا هے، اور وه هے: « کهتے تو هو تم سب که بُتِ غالیه مو آے۔» مرتّب کے نزدیك یه خط اپریل — جولائی ۱۸۵۱ ع کی کسی تاریخ کو لکها گیا تها۔ زیرِ بحث غزل پهلی بار قد میں شامل کی گئی هے، جس سے یه نتیجه نکلتا هے که یه اگست ۱۸۵۲ ع کے بعد کهی گئی تهی۔ چونکه ۸ جون سنه ۱۸۵۳ ع کے خط میں میرزا صاحب نے اُنهیں اس شعر کا مطلب سمجهایا هے، اور ظاهر هے که حقیرؔ نے (باقی)

میں بُلاتا تو ہوں اُس کو، مگر، اے جذبۂ دل

اُس پہ بَن جائے کچھ ایسی، کہ بِن آئے نہ بنے

کھیل سمجھا ہے، کہیں چھوڑ نہ دے، بھول نہ جائے

کاش! یوں بھی ہو کہ بِن میرے ستائے نہ بنے

غیر پھرتا ہے لیے یوں ترے خط کو کہ اگر

کوئی پوچھے کہ «یہ کیا ہے؟» تو چُھپائے نہ بنے

اِس نزاکت کا بُرا ہو؛ وہ بھلے ہیں، تو کیا؟

ہاتھ آویں، تو اُنھیں ہاتھ لگائے نہ بنے

کَہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے؟

پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اُٹھائے نہ بنے

موت کی راہ نہ دیکھوں؟ کہ بِن آئے نہ رہے

تم کو چاہوں؟ کہ نہ آؤ، تو بُلائے نہ بنے[1]

---

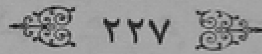
۴ الف، قد، بھلے ہیں (سہو کاتب) - ب، نادرات، نقوش، آئیں -

(بقیہ) اس غزل کو پا کر مہینوں بعد مطلب کبھی نہ پوچھا ہو گا، لہٰذا اسے ۸ جون ۱۸۵۳ع سے کچھ قبل کا ہونا چاہیے-

۱ - اس شعر کا مطلب میرزا صاحب نے حقیر کو اس طرح سمجھایا ہے: «بھائی، مجھ کو تم سے بڑا تعجّب ہے کہ اس بیت کے معنی میں تم کو تامّل رہا- اس میں دو استفہام آپڑے ہیں کہ وہ بطریقِ طعن و تعریض معشوق سے کہے گئے ہیں- «موت کی راہ نہ دیکھوں؟» کیوں نہ دیکھوں؟ میں تو دیکھوں ہی گا «کہ بن آے نہ رہے»، کیوں کہ موت کی شان میں سے یہ بات ہے کہ ایک دن آے ہی گی- (باقی)

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اُٹھائے نہ اٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں، ہے یہ وہ آتش، غالب
کہ لگائے نہ لگے، اور بُجھائے نہ بنے



قد

خ دبا ہے دل اگر اُس کو، بشر ہے، کیا کہیے؟
ہوا رقیب، تو ہو، نامہ بر ہے، کیا کہیے؟[1]

(بقیہ) انتظار ضائع نہ جائے گا۔ «تم کو چاہوں؟» کیا خوب! کیوں چاہوں؟ «کہ نہ آؤ، تو بلائے، نہ بنے»، یعنی، اگر تم آپ سے آئے، تو آئے، اور اگر نہ آئے، تو پھر کیا مجال کہ کوئی تم کو بلا سکے۔ گویا، یہ عاجز معشوق سے کہتا ہے کہ اب میں تم کو چھوڑکر اپنی موت کا عاشق ہوا ہوں۔ اس میں یہ خوبی ہے کہ بِن بلائے بغیر آئے نہیں رہتی۔ تم کو کیوں چاہوں؟ کہ اگر نہ آؤ، تو تم کو بلا نہ سکوں۔

بات یہ ہے کہ پڑھنے میں «تم کو چاہوں کہ نہ آؤ» یہ جملہ ملا ہوا سمجھ میں آتا ہے تو آدمی حیران ہوتا ہے۔ «تم کو چاہوں» الگ ہے، «کہ نہ آؤ، تو بلائے نہ بنے» یہ جملہ الگ ہے۔ تم نے غور نہ کی، ورنہ خود بخود کیفیت اس تعریض و استفہام کی حاصل ہوجاتی»۔ (نادراتِ غالب: ۳۰)

۱- میرزا صاحب نے حقیر کو اپریل ۱۸۵۳ع میں لکھا ہے: «بھائی، یہاں بادشاہ نے قلعے میں مشاعرہ مقرر کیا ہے۔ ہر مہینے میں دوبار مشاعرہ ہوتا ہے، پندرھویں کو اور اُنتیسویں کو۔ حضور فارسی کا ایک مصرع اور ریختے کا ایک مصرع طرح کرتے ہیں۔ اب کے (باقی)

یہ ضد کہ آج نہ آوے، اور آئے بن نہ رہے

قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے، کیا کہیے؟ ۲ ج

رہے ہے یوں گہ و بیگہ، کہ کوئے دوست کو اب

اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے، کیا کہیے؟

زہے کرشمہ، کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو فریب

کہ بن کہے بھی اُنہیں سب خبر ہے، کیا کہیے؟ ۳ ج

سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پُرسشِ حال

کہ یہ کہے کہ "سرِ رہگزر ہے، کیا کہیے؟"

۵ تمھیں نہیں ہے سرِ رشتۂ وفا کا خیال

ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے، مگر ہے کیا؟ کہیے

---

۱ الف. دہلی اردو اخبار، نادرات غالب ۳۷، نہ آئے اور آئے - ۳ ب، مب، ج، کہے ہی - نادرات، ہمیں سب -

---

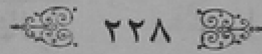
(بقیہ) جُمادی الثانی کی تیسویں کو جو مشاعرہ ہوا، اُس میں مصرعِ فارسی یہ تھا: "زین تماشا گاہ گریان میرود" - ریختے کا مصرع یہ تھا: "خمارِ عشق ہمیں کس قدر ہے، کیا کہیے؟" نظر ہے، کیا کہیے، خبر ہے. کیا کہیے - میں نے ایک غزل فارسی اور ایک ریختہ موافق طرح کے اور دوسرا ریختہ اسی طرح میں سے ایک اور صورت نکال کر لکھا - وہ تینوں غزلیں تم کو لکھتا ہوں - پڑھ لینا اور میاں تفتہ کو بھی دکھا دینا" - (نادرات: ۳۵)

غزلِ مذکور، سب سے پہلے دہلی اردو اخبار (تتمہ) جلد ۱۵، نمبر ۱۷، مورخہ ۱۴ رجب ۱۲۶۹ھ مطابق ۲۴ اپریل ۱۸۵۳ع میں مشاعرے کی اور غزلوں کے ساتھ چھپی تھی -

[۲] انھیں سوال پہ زعمِ جنوں ہے، کیوں لڑیے؟
ہمیں جواب سے قطعِ نظر ہے، کیا کہیے؟

حسد، سزاے کمالِ سخن ہے، کیا کیجے؟
ستم، بہاے متاعِ ہنر ہے، کیا کہیے؟

کہا ہے کس نے کہ غالبؔ بُرا نہیں؟ لیکن
سواے اس کے کہ آشفتہ سر ہے، کیا کہیے؟



۲۲۸

[۱]

[۲] کہوں جو حال، تو کہتے ہو: «مُدّعا کہیے»
تمھیں کہو کہ جو تم یوں کہو، تو کیا کہیے

[۳] نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ «ہم ستمگر ہیں»
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو «بجا کہیے» [۵]

وہ نیشتر سہی، پر دل میں جب اُتر جاوے
نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے؟

[۶] نہیں ذریعۂ راحت، جراحتِ پیکاں
وہ زخمِ تیغ ہے، جس کو کہ دلکشا کہیے

---

۱ الف، مد، لڑکے (سہو کاتب) ۔ نادرات، کڑھیے ۔ ۲ الف، مد، سزا ہے (سہو کاتب) ۔ ب، مد، کیا ہے (سہو کاتب) ۔
۳ الف، دھلی اردو اخبار، کہا یہ کس نے ۔ ۶ الف، مد، سہے (سہو کاتب) ۔ نادرات غالب ۳۸، اتر جائے ۔
۷ الف، مد، پیکاں (سہو کاتب) ۔

---

۱ — اس غزل کے متعلق میرزا صاحب نے مہر کو لکھا ہے «کہ کیا کہیے، بھلا کہیے یہ زمین ایک بار یہاں طرح ہوئی تھی ۔ مگر بحر اور ہی تھی: کہوں جو حال الخ رہے نہ جان الخ سفینہ جب کہ الخ (اردوے معلی ۲۶۸، عود ۱۱۱، خطوط ۱: ۳۰۹) ۔ نادراتِ غالب کے گزشتہ اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۰ جُمادی الثانی سنہ ۱۲۶۹ھ (۹ اپریل ۱۸۵۳ع) کے شاہی مشاعرے میں میرزا صاحب نے جو طرحی غزل پڑھی تھی، اُس زمین سے یہ دوسری زمین خود نکالی تھی ۔

جو مُدّعی بنے، اُس کے نہ مُدّعی بنیے
جو ناسزا کہے، اُس کو نہ ناسزا کہیے ۲

کہیں حقیقتِ جانکاہیِ مرض لکھیے
کہیں مصیبتِ نا سازیِ دوا کہیے ۳

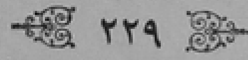
کبھی شکایتِ رنجِ گراں نشیں کیجے
کبھی حکایتِ صبرِ گریزپا کہیے ۴

رہے نہ جان، تو قاتل کو خوں بہا دیجے
کٹے زبان، تو خنجر کو مرحبا کہیے ۵

نہیں نگار کو الفت، نہو، نگار تو ہے
روانیِ روش و مستیِ ادا کہیے ۶

نہیں بہار کو فرصت، نہو، بہار تو ہے
طراوتِ چمن و خوبیِ ہوا کہیے ۷

سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا، غالب
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے ۸



۲۲۹

قد

بازیچۂ اطفال ہے، دنیا، مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے[۱] خ

اک کھیل ہے، اورنگِ سلیماں، مرے نزدیک
اک بات ہے، اعجازِ مسیحا، مرے آگے ۲

۳ ب. ج. کہیں (سہو کاتب) نادرات، شکایت صبر (سہو کاتب). ۴ الف، اردوے معلی ۲۶۸، رہے بجان (سہو کاتب).
۵ الف، نادرات، نہو نگار میں الفت۔ ۶ الف، نادرات، نہو بہار۔

۱۔ اس غزل کے متعلق حقیر کو جولائی ۱۸۵۴ع کے قریب لکھا ہے کہ «اس (غزل) پر بھی ایک سال گزر چکا ہے۔ قلعۂ مبارک کے مشاعرے کی غزل ہے» (نادرات: ۵۹)۔ دهلی اردو اخبار (تتمہ)، جلد ۱۵، نمبر ۲۱، مورخۂ ۱۳ شعبان ۱۲۶۹ھ مطابق ۲۲ مئی ۱۸۵۳ع میں یہ غزل اس تمہید کے ساتھ چھپی ہے: «منگل کے دن صبح کو شعرا قلعۂ مبارک اور شہر کے، دیوانِ خاص میں مجتمع ہوے۔ حضورِ اقدسِ اعلی برآمد اور جلوہ فرماے تخت ہوے۔ جناب حضرت ولیعہد بہادر زیب افزاے کرسی اور مرزا مغل بہادر اور مرزا خضر سلطان بہادر اور مرزا جواں بخت بہادر اور شاہزادگانِ والا تبار بعدِ باریابیِ مُجرا حسب الحکم قضا توأم شرفِ نشست سے حسبِ مراتبِ مقام معزز و مکرم ہوے۔ بارہ پر ایک بجے تک حضورِ اقدس جلوہ فرما رہے»۔

ح جُز نام، نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
جُز وہم نہیں، ہستیِ اشیا، مرے آگے[1]

ہوتا ہے نہاں گرد میں، صحرا، مرے ہوتے
گِھستا ہے جبیں خاک پہ، دریا مرے آگے

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا تیرے پیچھے
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے

سچ کہتے ہو، خودبین و خودآرا ہوں، نہ کیوں ہوں؟
بیٹھا ہے بُتِ آئنہ سیما مرے آگے

پھر دیکھیے اندازِ گل افشانیِ گفتار
رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے ۵

نفرت کا گماں گزرے ہے، میں رشک سے گزرا
کیوں کر کہوں: «لو نام نہ اُن کا مرے آگے»؟

ح ایماں مجھے روکے ہے، جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے

عاشق ہوں، پہ معشوق فریبی ہے مرا کام
مجنوں کو بُرا کہتی ہے لیلا مرے آگے

خوش ہوتے ہیں، پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے
آئی شبِ ہجراں کی تمنّا مرے آگے

ہے موجزن اک قُلزُمِ خوں، کاش! یہی ہو
آتا ہے ابھی، دیکھیے، کیا کیا مرے آگے[2] ۱۰

۹ ب، مد، آئے (سہو کاتب) - ۱۰ الف، ج، ایک -

۱ — نیز ملاحظہ ہو:

شاہدِ ہستیِ مطلق کی کمر ہے، عالم
لوگ کہتے ہیں کہ ہے، پر ہمیں منظور نہیں

ہستی کے مت فریب میں آجائیو، اسد
عالم تمام، حلقۂ دامِ خیال ہے

ہاں، کھائیو مت فریبِ ہستی!
ہرچند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

۲ — مجروح کے نام کے خط مورخۂ ۷ فروری ۱۸۵۸ع میں میرزا صاحب نے لکھا ہے: «میرا حقیقی بھائی، میرزا یوسف خاں دیوانہ، بھی مرگیا۔ کیسا پنسن اور کہاں اُس کا ملنا۔ یہاں جان کے لالے پڑے ہیں۔ ہے موجزن اک قلزمِ خوں الخ»۔ (اردوے معلی: ۱۵۶، خطوط: ۱:۲۳۴)۔

گو ہاتھ کو جنبش نہیں، آنکھوں میں تو دم ہے رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے خ

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمراز ہے میرا غالب کو برا کیوں کہو، اچھا، مرے آگے؟

۲۳۰

قد

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

بہت نکلے مرے ارمان، لیکن پھر بھی کم نکلے[۱] خ

ڈرے کیوں میرا قاتل؟ کیا رہے گا اُس کی گردن پر

وہ خوں، جو چشمِ تر سے عمر بھر یوں دمبدم نکلے[۴]

[۵] نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں، لیکن

بہت بے آبرو ہوکر، ترے کوچے سے ہم نکلے[۴]

بھرم کھل جائے، ظالم، تیرے قامت کی درازی کا

اگر اس طرۂ پُر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے[۴]

مگر لکھوائے کوئی اُس کو خط، تو ہم سے لکھوائے

ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے[۴]

---

۴ ب، قد، جسم تر (سہو کاتب) - ۵ ب، قد، کوچہ - ۶ الف، ج، مد، ہم سے لکھوائے -

---

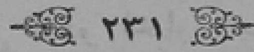
۱ — یہ شعر میرزا صاحب نے علائی کے خط میں یہ کہکر نقل کیا ہے کہ گو مندرجۂ دیوان ہے، مگر حسبِ حال ہونے کے باعث لکھا گیا - (اردوے معلی: ۳۹۳، خطوط: ۳۶۸:۱) - نیز یہ غزل بھی شاہی مشاعرے کی ہے، اور تتمۂ دہلی اردو اخبار، جلد ۱۵، نمبر ۲۵، مورخۂ ۱۱ رمضان ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۹ جون ۱۸۵۳ع میں دوسری غزلوں کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔

ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے، بادہ آشامی
پھر آیا وہ زمانہ، جو جہاں میں جامِ جم نکلے

ہوئی جن سے توقّع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغِ ستم نکلے

مَحبّت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا
اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں، جس کافر پہ دم نکلے

کہاں میخانے کا دروازہ، غالبؔ، اور کہاں واعظ!
پر اتنا جانتے ہیں، کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے



۲۳۱

قد

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے
ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے!

خستگی کا تم سے کیا شکوہ؟ کہ یہ
ہتکھنڈے ہیں، چرخِ نیلی فام کے[1]

خط لکھیں گے، گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

رات پی زمزم پہ مَے اور صُبحدم
دھوئے دھبّے جامۂ اِحرام کے

دل کو آنکھوں نے پھنسایا، کیا مگر
یہ بھی، حلقے ہیں تمہارے دام کے؟

ا ب، قد، زمانا - مد، پھرایا (سہو کاتب) - ۴ الف، قد، مب، ع، میخانہ - ۷ ب، ع، تمارے - ۹ الف، مب، ستایا (سہو کاتب) -

۱ – نیز ملاحظہ ہو:

تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اُس میں کچھ شائبہ خوبیِ تقدیر بھی تھا

تیری وفا سے کیا ہو تلافی؟ کہ دہر میں
تیرے سوا بھی، ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

شاہ کے ہے، غسلِ صحّت کی خبر   دیکھیے، کب دن پھریں حمام کے[1]

عشق نے ،غالب، نکمّا کردیا   ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے[2] خ

---

۲ الف، اردوے معلی ۱۰۰، خطوط ۱:۸۵، رسالۂ دھلی سوسائٹی نمبر ۱، ۱۸٦٦ع، سرو ریاض ۲۳، ضعف نے (مگر بہ تغیر بلحاظ مقام کیا گیا ہے)۔

---

۱ ــ اس شعر کا پہلا مصرع بدل کر، نواب یوسف علی خاں بہادر، ناظم، والیِ رام‌پور کو آخرِ سنہ ۱۸٦٤ع میں لکھا ہے: «دیکھیے، کب غسل فرماتے ہیں آپ؟» ـ بادشاہ عیدِ شوال ۱۲٦۹ھ (جولائی ۱۸۵۳ع) سے بیمار ہوکر ۲۳ ماہِ مذکور (۲۱ جولائی ۱۸۵۳ع) تک علیل رہے ـ شفا ہوئی، تو غسلِ صحت کی ٹھہری ـ مگر غالباً ضعف کے باعث یہ تقریب ٹلتی رہی، تا آنکہ دھلی اردو اخبار، جلد ۱۵، نمبر ۱۹، مورخۂ ۲ ربیع الثانی ۱۲۷۰ھ مطابق ٤ دسمبر ۱۸۵۳ع کی حسبِ اطلاع ۲۱ صفر کو غسلِ صحت فرمایا، اور ۲۲ کو دیگر شعرا کے ساتھ میرزا صاحب نے بھی قصیدۂ تہنیت پیش کیا۔

۲ ــ میرزا صاحب نے ۲۱ ستمبر ۱۸٦۰ع کو مولوی احمد حسن قنوجی کو لکھا ہے: «یہ درویشِ گوشہ نشین تمھارا دوست اور تمھارا دعاگو ہے۔ تمھاری نثر کی طرز پسند۔ تمھاری خواہش مقبول ـ جناب حکیم سید احمد حسن صاحب کی خدمت گزاری منظور۔ عشق نے، غالب الخ۔ ٦۵ برس کی عمر ہوئی۔ اضمحلالِ قوا، ضعفِ دماغ، فکرِ مرگ، غم۔ عقبیٰ ـ جو آپ مجھے دیکھ گئے ہیں، میں اب وہ نہیں ہوں» ـ (اردوے معلی: ۲۳۹)ـ میرزا تفتہ کے خط مورخۂ ۲۷ نومبر ۱۸٦۲ع میں بتغیرِ لفظ یہ شعر لکھا ہے ـ فرماتے ہیں: «بھائی، مجھ میں کچھ باقی نہیں ہے ـ برسات کی مصیبت گزر گئی ـ لیکن بڑھاپے کی شدّت بڑھ گئی ـ تمام دن پڑا رہتا ہوں ـ بیٹھ نہیں سکتا ـ اکثر لیٹے لیٹے لکھتا ہوں .... ضعف نے، غالب نکمّا کردیا الخ» ـ (اردوے معلی: ۱۰۰، خطوط: ۱:۸۵) ـ (باقی)

۲۳۲

قد

خ پھر اس انداز سے بہار آئی — کہ ہوے، مہر و مَہ، تماشائی

دیکھو، اے ساکنانِ خطّۂ خاک — اِس کو کہتے ہیں عالم آرائی

کہ زمیں ہو گئی ہے سرتاسر — رُوکشِ سطحِ چرخِ مینائی

سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی — بن گیا، روے آب پر، کائی

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے — چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی ۵

ہے ہَوا میں شراب کی تاثیر — بادہ نوشی ہے، باد پیمائی

کیوں نہ دُنیا کو ہو خوشی، غالب — شاہِ دیندار نے شِفا پائی

۴ الف، قد، مب، مج، سبزہ۔ ۶ ب، مد، باد، پیمائی (سہوِ کاتب)

(بقیہ) ۱۱ اگست ۱۸۶۵ع کو دھلی سوسائٹی کے جلسے میں میرزا صاحب نے ایک مضمون پڑھا تھا۔ اُس میں بھی فرماتے ہیں: «بوڑھا ہوں، ناتوان ہوں۔ سچ اگر پوچھیے، تو نیم جان ہوں۔ بیت: ضعف نے، غالب الخ۔ (رسالۂ دھلی سوسائٹی، نمبر ۱، سنہ ۱۸۶۶ع: ۲۳)۔ ریاض الدین امجد سندیلوی متخلص بہ ریاض نے اپنے سفرنامے موسومہ بہ سیرِ ریاض: ۲۳ (مطبع حیدری آگرہ ۱۸۶۰ع) میں غالب سے ۶ محرم ۱۲۷۷ھ مطابق ۲۶ جولائی ۱۸۶۰ع کی اپنی ملاقات کے تحت لکھا ہے کہ «میں نے یہ شعر اُن کے سامنے پڑھا، تو فرمایا: «بھئی، چپ رہو۔ یوں کہو کہ ضعف نے غالب نکمّا کردیا، یا، دھر نے غالب نکمّا کردیا۔ عشق کیسا، عاشق کا وہ زمانہ نہ رہا»۔ صفیر بلگرامی نے جلوۂ خضر ۲: ۶۰ میں لکھا ہے کہ برکات حسن مارہروی بھی غالب کی ملاقات کو دھلی گئے اور حضرت نے کچھ اپنا کلام سنایا۔ اس مقطع کو بھی پڑھا: ضعف نے غالب نکمّا کردیا۔ حضرت برکات حسن نے کہا کہ دیوان میں تو عشق نے غالب الخ لکھا ہے۔ فرمایا: «یہ عشق کا لفظ اُس زمانے کے واسطے تھا۔ اب اس لفظ سے شرم آتی ہے»۔

۲۳۳

قد

رَوندی ہوئی ہے کوکبۂ شہریار کی ‫ ‬ اِترائے کیوں نہ، خاک سرِ رہگزار کی

جب اُس کے دیکھنے کے لیے آئیں بادشاہ ‫ ‬ لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی؟

بھوکے نہیں ہیں سیرِ گلستاں کے ہم، ولے ‫ ‬ کیونکر نہ کھائیے؟ کہ ہوا ہے بہار کی

۲۳۴

بج

بہت سہی غمِ گیتی، شراب کم کیا ہے؟ ‫ ‬ غلامِ ساقیِ کوثر ہوں، مجھ کو غم کیا ہے؟[1]

تمھاری طرز و رَوش، جانتے ہیں ہم، کیا ہے ‫ ‬ رقیب پر ہے اگر لطف، تو ستم کیا ہے؟

سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی ‫ ‬ یقیں ہے ہم کو بھی، لیکن اب اُس میں دم کیا ہے؟

---

۲ الف، مد، پادشاہ۔

---

۱ — اس غزل کا مطلعِ اوّل اور مقطع میرزا صاحب نے مہر کے خط میں نقل کیا ہے۔ (اردوے معلیٰ: ۲۴۸، خطوط: ۱: ۲۹۵) نیز اس کے بارے میں علائی کو ۲۲ ستمبر ۱۸۶۵ع کے خط میں لکھا ہے کہ «تم نے اشعارِ جدید مانگے۔ خاطر تمھاری عزیز۔ ایک مطلع صرف دو مصرعے آگے کے کہے ہوئے، یاد آگئے کہ وہ داخلِ دیوان بھی نہیں۔ اُن پر فکر کر کے ایک مطلع اور پانچ شعر لکھ کر، سات بیت کی ایک غزل تم کو بھیجتا ہوں۔

بھائی، کیا کہوں کہ کس مصیبت سے یہ چھ بیتیں ہات آئی ہیں، اور وہ بھی بلند رتبہ نہیں .... لو صاحب، تمھارا فرمانِ قضا توآمان بجا لایا۔ مگر اس غزل کا مسوّدہ میرے پاس نہیں ہے۔ اگر باحتیاط رکھو گے اور اردو کے دیوان کے حاشیے پر چڑھا دوگے، تو اچّھا کرو گے۔» (اردوے معلیٰ: ۳۹۳، خطوط: ۱: ۳۶۸)۔

عرشی عرض کرتا ہے کہ اردوے معلیٰ میں اس مطلع کے مصرعوں میں تقدم و تاخر ہے۔ نیز وہ چار شعر جو مطبوعہ دیوان سے زائد ہیں، یادگارِ نالہ میں آرہے ہیں۔

رباعیّات

۱

ق

مشکل ہے، زِبس، کلام میرا، اے دل ، سُن سُن کے اُسے سخنورانِ کامل
آساں کہنے کی، کرتے ہیں فرمایش ، «گویم مشکل، و گر نگویم مشکل»

۲

ق

بعد از اِتمامِ بزمِ عیدِ اطفال ، ایّامِ جوانی رہے ساغر کشِ حال
آپہنچے ہیں تا سوادِ اِقلیمِ عدم ، اے عمرِ گزشتہ، یک قدم استقبال!

۳

ق

ع شب زُلف و رُخِ عَرَق فشاں کا غم تھا ، کیا شرح کروں؟ کہ طرفہ تر عالم تھا ٥
رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تلک ، ہر قطرۂ اشک، دیدۂ پُرنم تھا

۴

ق

دل تھا کہ جو جانِ دردِ تمہید سہی ، بیتابیِ رشک و حسرتِ دید سہی
ہم اور فسردن، اے تجلّی، افسوس! ، تکرار روا نہیں، تو تجدید سہی

ا ب، عمدۂ منتخبہ: ۹۴، ارمغان غالب ۳۶، ہوتے ہیں ملول اوس کو سن کے جاہل ۲ ب. ق. ہر قطرۂ اشک
چشم، چشم نم تھا۔ قب، نقطۂ اشک ۷ الف، ما، درد تمہید (بکسرۂ اضافت)۔

۵

ق

ھے خلق حسد قماش لڑنے کے لیے — وحشتکدۂ تلاش لڑنے کے لیے[٢]

یعنی، ھر بار صورتِ کاغذِ باد — ملتے ھیں یہ بدمعاش لڑنے کے لیے[٣]

٦

قب

آتشبازی ھے جیسے شغلِ اطفال — ھے سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال

تھا موجدِ عشق بھی قیامت کوئی — لڑکوں کے لیے گیا ھے کیا کھیل نکال!

٧

قب

٥ دل، سخت نژند ہوگیا ھے، گویا — اُس سے گلہ مند ہو گیا ھے، گویا

پر یار کے آگے بول سکتے ھی نہیں — غالب، مُنہ بند ہو گیا ھے، گویا

٨

قب

دُکھ، جی کے پسند ہوگیا ھے، غالب — دل، رُک رُک کر، بند ہوگیا ھے، غالب[١]

واللہ، کہ شب کو نیند آتی ھی نہیں! — سونا، سوگند ہوگیا ھے، غالب

---

٢ الف، ق، مغرور وفا نہو کہ جوں کاغذ باد - قب، قج، قبد، م، ما، قج، قد، مب، مد، کاغذ باد کی طرح - ٣ ب، قب، قج، م، کچھ ایسا ھی حال - ما، قبد، قج، اسی طرح کا - قد میں بھی یونہی تھا - غالب نے اپنے قلم سے «طرح»، کو «طور»، بنایا ھے - ٦ الف، م، یاد کے آگے (سہو کاتب) -

---

١ — اس رباعی کے دوسرے مصرع میں میرزا صاحب نے از راہِ سہو ایک رُکن بڑھا دیا ھے - ملاحظہ ہو شرحِ طباطبائی: ٣٦٢



۹

حاشیۂ قبا

خ بھیجی ہے جو، مجھ کو شاہِ جمجاہ نے دال   ہے لطف و عنایتِ شہنشاہ پہ دال[1]

یہ شاہ پسند دال، بے بحث و جدال   ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

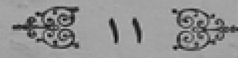


۱۰

حاشیۂ قبا

ہیں شہ میں صفاتِ ذوالجلالی باہم؟   آثارِ جلالی و جمالی باہم

ہوں شاد نہ کیوں، سافل و عالی باہم؟   ہے اب کے شبِ قدر و دِوالی باہم[2]

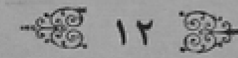


۱۱

قج

حق، شہ کی بقا سے، خلق کو شاد کرے!   تا شاہ، شیوعِ دانش و داد کرے

یہ، دی جو گئی ہے رشتۂ عمر میں، گانٹھ   ہے صِفر کہ افزایشِ اعداد کرے



۱۲

قج

اس رشتے میں لاکھ تار ہوں، بلکہ سِوا!   اتنے ہی برس شمار ہوں، بلکہ سِوا!

---

۱ ب، مج، عنایات۔ ۲ الف، م، قبج، اسفل۔ ب، مد، اب کی۔ مب، شب قدر والی (سہو کاتب)۔ ۴ الف، قبج، قد، مب، مج، رشتہ۔ ب، مد، اونی ہی (سہو کاتب)۔

---

۱ ــ بادشاہ کے ہاں مونگ کی دال پکا کرتی تھی، جو «بادشاہ پسند» کہلاتی تھی۔ یہ رباعی اُس کے شکریے میں لکھی گئی ہے۔ (یادگارِ غالب: ۱۷۲)۔

۲ ــ یہ رباعی ۲۷ رمضان ۱۲۵۷ھ (۱۲ نومبر ۱۸۴۱ع موافق ۱۴ کاتک بدی سمت ۱۸۹۸) سے دو چار دن پہلے کہی گئی تھی، کیونکہ مذکورۂ بالا تاریخوں کو شبِ قدر اور دیوالی ایک ساتھ واقع ہوئی تھیں۔

ہر سینکڑے کو ایک گرہ فرض کریں	ایسی گرہیں ہزار ہوں، بلکہ سوا!

۱۳

قد

سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں؟	آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں؟[1]
روزہ مرا ایمان ہے، غالبؔ، لیکن	خس خانہ و برفاب کہاں سے لاؤں؟

۱۴

قد

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں	عشاق کی پرسش سے اُسے عار نہیں[2]
۵ جو ہاتھ کہ ظلم سے اُٹھایا ہوگا	کیونکر مانوں کہ اُس میں تلوار نہیں

۱۵

قد

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے	کرتے ہیں درنگ، کام کرنے والے[3] خ

---

۱ الف، مب، ج، سینکڑہ - ۲ الف، نادرات غالب ۵۳ میں یہ دوسرا مصرع ہے - ۶ الف، نادرات غالب ۷۱، گرچہ ہوئے -

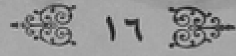
---

۱ — میرزا صاحب نے حقیرؔ کے نام کے خط میں جو ۴ جون ۱۸۵۴ ع کا نوشتہ ہے، یہ رباعی اور ایک قطعہ لکھ کر کہا ہے کہ «یہ رباعی اور یہ قطعہ کل حضور میں پڑھا تھا - بہت ہنسے اور خوش ہوئے» - (نادرات: ۵۳)

۲ — میرزا صاحب نے ۸ مارچ ۱۸۵۵ ع کو حقیرؔ کے نام کے خط میں لکھا ہے: «ان دنوں میں دو رباعیاں اردو میں لکھیں ہیں - اُن کو بنظرِ اصلاح دیکھو: کہتے ہیں کہ اب الخ» - (ایضاً: ۷۱)

۳ — محولۂ بالا خط میں یہ رباعی دوسرے نمبر پر درج ہے -

خ کہتے ہیں: «کہیں خدا سے»۔ اللہ، اللہ!　　وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے



قد

ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے؟　　بھیجے ہیں جو ارمغاں، شہِ والا نے[1]

گن کر دیویں گے ہم دعائیں سَو بار　　فیروزے کی تسبیح کے، ہیں یہ، دانے

---

۲ ب، قد، مب، مج، فیروزہ۔

---

۱ — بادشاہ نے سیم کے بیجوں کا سالن بھیجا ہے، اُس کے شکریے میں یہ رباعی لکھی ہے۔ بڑا فیروزہ جو بیضوی شکل کا ہوتا ہے، وہ سیم کے بیج سے بہت مشابہ ہوتا ہے۔ (یادگارِ غالب: ۱۷۳)۔

حقیر عرشی کی رائے میں بادشاہ نے سیم کے بیج بھیجے ہوں گے، ورنہ غالب اس کا اظہار کرتے کہ شاہ کی طرف سے ارمغاں میں سیم کے بیجوں کا سالن آیا تھا۔

خاتمه

دمیدنِ سپیدهٔ سحری از تیره شبِ سوادِ اوراق، بفـرِّ فُروغ گستری
عبارتِ تقریظ که پیدائیِ آن اثریست از آثارِ خرامِ خامهٔ دلربا برادر،
بدل نزدیكِ بجان برابر، عالی دودمانِ والا گهر،
۵ نوّاب ضیاء الدین احمد خان بهادر، سلّمهُ اللهُ تعالی!

* * *

بنامیزد سهی بالا ناظوره ایست، از قدسی خانوادهٔ فکر سربرزده، گرمِ جلوه گری - لااُبالی خرام محبوبه ایست، مقنعه از رخ برداشته و دامن بکمر زده، در اندازِ پرده دری - یوسفستانی است حورا نژادانِ معانی در وی دوش بر دوش - عبهرزاریست جلوه گاهِ حیرتیانِ باخته هوش - پهناور پرندیست، مانندِ سپهرِ ثوابت، گوهر آگین - خورنق رونق ۱۰ شارسانیست، بارنامه شکنِ صد نگار خانهٔ چین - فُروغانیِ چراغیست پری پروانه - سماوی هیکلی ست حرزِ بازوے فرزانه - گوئی میکائیل نوال موکلی فراخ سماطی نهاده است، و گُرسنه چشمانِ سخن را صلای عام درداده - بیت الله تقدس معبدیست که کلیدش بدستِ فهمِ درست داده اند، و درش بر احرام بندانِ مُزدلفهٔ دل کشاده - سومناتیست یك صنمستان زنّاربندانِ خیال در وی جبین سای - آرتنگیست بنمایشِ نقشهای بدیع پشتِ دستِ ۱۵ مانی و ارژنگ بر زمین سای - هر صفحه ازین اوراق، برهمنیست بید خوان - هر ورق ازین کتاب موبدی است اُستادان - آئینه خانه ایست گیتی نما - صفوتکده ایست مصفّا -

۱، م، عنوان، تقریظ - ما، نثر - ما، بفر بفروع (سهو کاتب) - ۵، مب، نواب محمد - ۶، م، میں یہاں سے ہے - ۶، م، آثار، ناطوره (سهو کاتب) - قبا، سربر کرده - ۷، م، ولا و بالی - قب، م، ما، آثار، محجوبه - م، برکمر - ما، مب، آثار، بر زده - قبا، مستعد پرده دری - ۸، مد، یوسف ثانی است - م، آثار، قبا، بدوش - ۹، م، حیرتیان (سهو کاتب) - ما، پهنا پرندیست - ۱۰، م، کارنامه شکن - ۱۱، م، موکل - ۱۲، م، قبا، برگرسنه - م، قبا، وراه ندارد - ۱۳، مد ویك، ندارد - ۱۵، م، قبا، مانی وبهزاد - آثار، هر، ندارد -

پرده گیانند حجله نشینِ سُرادقِ مریم کرداری - شوخ چشمانند پرده درتر از شاهدانِ بازاری - تهیدستانند توانگر دل - آزادگانند پا در گِل - عُشّاق طینتانند بخویشتن مائل - ساده پیکرانند نگارین دل - هاروت پیشگانند زُهره فن - بَرینی گوهرانند بابِل مسکن - سمندرانند قُلزُم کَش - نهنگانند سینه پُر آتش - بِرشتگانند پخته مغز - هم بمغز پخته و هم بپوست نغز - باده آشامانند سیه مست - از خود رفتگانند با یکدگر همدست - هندی صنمانند پارسی گَرد - دهلی ۵ نژادانند صفاهان پرورد -

هان و هان، ترسم که آنچه سُرودم نَسُخته باشی - همانا، منتخبِ دیوانِ اردو زبان است ریختۀ کلکِ مسیحی فرتابِ خُدّامِ قُسطاسِ دانش، اُسطُرلابِ بینش، جوهرِ آئینۀ آفرینش، معیارِ نقدِ گرانمایگی، معراجِ سُلّمِ بُلند پایگی، قهرمانِ قلمروِ معنی پروری، فرمانفرمای گیهانِ سخنوری، گیتی خدایگانِ نوآئین نگاری، جهان سالارِ تازه گفتاری، رَوان بخشِ کالبدِ سخن گستری، ۱۰ بینائی افزای چشمِ دیده‌وری، فرازندۀ لِوای شوکتِ خامه، فروزندۀ چراغِ دودۀ آمه، آیۀ ناسخِ شهرتِ همدستانان، سرخیلِ انجمنِ نکته دانان - مثنوی:

سخن را از خیالش آرجمندی	معانی را زِ فکرش سربلندی
صریرِ خامه اش بس دلپذیر است	بهشتی عندلیبان را صفیر است
بهین فرزندِ نُه آبای عُلوی	بهین شاگردِ عقلِ کُلِّ عالی ۱۵
جهان را بیدریغ آموزگار است	گزین معنی شناسِ روزگار است
سر و سردفترِ شیوه بیانان	درین فن، افتخارِ همزبانان
بجولا نگاهِ معنی یَکّه تازے	فلاطون فطرتے، حکمت طرازے
ز کلکش ریزشِ گنجِ معانی	چو ابرِ آذری، در دُرفشانی

۱، م، مد، حریم بجاے «مریم» - ما، بے پرده تر - ۲، م، ما، آثار الصنادید، قد، مب، تونگر - ۳، م، بر بینی (سهو کاتب) - ۴، م، بر آتش - م «پخته» ندارد (هردو سهو کاتب) - ۷، م، قبا، به پخته - قد، مب، ناسخته - ۱۱، م، ما، مب، مد، فزای - قبا، مینا فزای (سهو کاتب) - ۱۲، قد، همداستانان، - م، آثار، لفظ «مثنوی» ندارد - قبا، ابیات بجاے «مثنوی» - ۱۴ الف، ما، مب، مد، دلپذیر - ۱۵ الف، قد، نُه (سهو کاتب) - ب، م، دم روح القدس در کشف معنی - آثار، بهین شاگرد روح القدس عالی ۱۶، مد، از موزگار (سهو کاتب) - ۱۸ ب، مب، فطرت - م، آثار، قبا، طرازے -

ز صهبای سخن، سرشار گشته　　　ورق، از فکرِ او، گلزار گشته

موحّد کیشِ صافی مَنش، ستوده خوی فروهیده کیش، بزرگ نهادِ پاکیزه گوهر، فرشته سرشتِ آزرم گستر، کین گزارِ مهر پرور، خرشید فروغِ کیوان فر، نکوهش نکوهِ ستایش ستای، کشورِ معنی را دِه خدای، سر تا سر وفا و فتوّت، دیده تا دل حیا و مروّت،

۵ دَرکِ مُصوّر، روحِ مُجسّم　　　عالمِ جان، و جانِ عالم

والا حسب، عالی نسب، سَمیّ وَصیّ واپسین وَخشور، آداشِ حضرتِ چارمین دَستور، اعنی، استادی، مرشدی، مولائی، اخی، میرزا اسد الله خان بهادر غالب - اَللّٰهُمّ کَمّلِ الکَلامَ بِدیمُومَةِ بَقائهِ، وَ حَصّلِ المَرامَ بِجدیونةِ لِقائهِ!

پوزش آئینِ نیاز گستر، ضیا الدین نَیّر، از دیرباز والائی اندیشهٔ پست درآن اندیشیدے ۱۰ و گرانیِ قدرِ سُبُك اندران سَنجیدے، که این گرامی برادرزادهها را، که یگان یگان خلف الصدق دومانِ ضمیر، بل ابوالآبای مضامینِ دلپزیر است، بتعلیمِ نوآموزانِ نکو از بد نشناس برانگیزد، و این ارزنده جواهر پاره ها را، که هریك ازان سیمین ساعدِ شخصِ خرد را یاره، و نازنین پیکرِ هوش را گوشواره است، بر شمسهٔ پیش طاقِ شناسائی برآویزد.

بارے، کارساز ایزدِ بزرگ را هزاران سپاس که درین زمان که سنهٔ مقدسهٔ هجریهٔ نبویه، ۱۵ عَلی صَاحِبِها اَفضَلُ التّحیّاتِ وَ اَکمَلُ الصّلوَاتِ، به یکهزار و دو صد و هفتاد و یك رسیده، آن دیرین بَسیچ و دلنشین آرزو، بمساعدتِ روزگارِ راست هنجار، و قلاوُزیِ بختِ بیدار، خوشتر ازان که میخواستم، روائی گرفت. شادکامی در دل جا گزید، و اندوه تَرَدّدِ

۲، ما، موجه کیش (سهو کاتب) - م، ستوده خوی و فرخنده کیش (سهو کاتب) - قبا، فرخنده - ۳، ما، آثار، آرزم - ۵، الف، مد «درك» ندارد - ب، مد «جان» ندارد (هر دو سهو کاتب) - ۶ م، مب، اداش - ۷، آثار، استاذی - مب، و مولائی - م، قبا، المتخلص به - ۹، م، قبا «گستر» ندارد (سهو کاتب) - م، ما، آثار، مب، محمد ضیاء الدین - مد، دیر یاز (سهو کاتب) - ۱۰، قبا، بر ادر زاده ها را در حیطهٔ شمار آورده، و این جواهر پاره هارا که هریکے آویزهٔ گوش هوش است بر شمسهٔ آه- ۱۲ ما، ارژنده - مد، پارها را - م، هریکے - ما، خرد یاره (سهو کاتب) - ۱۳، مب، باره - م، ما، قد، مد، به شمسهٔ - ۱۴، قبا، ما، سنه ۱۲۵۴ - مد، سنه ۱۲۷۱ - ۱۵، قد «به» ندارد - قبا، م، ما، آثار، و دویست و پنجه و چار - ۱۶، م، بسیج - ما، بسیج - قبا، از «بمساعدت» تا «بدر رفت» ندارد - ۱۷، م «تردد» ندارد -

گرد آوری بدر رفت -

چون به احصای افراد این همایون صحیفه شتافتم، همگی اشعار شعری شعار غزل و قصیده و قطعه و مثنوی و رباعی یکهزار و هفصد و نود و اند یافتم -

آلا، یا توانا هوشان، هوشے! و شنواگوشان، گوشے! بر شاهراه شناخت فراوانی نیکو معانی باید رفت، نه در پیغولهٔ پیغاره زنی خرده بر قلت ابیات گرفت - چنانکه آن والا آموزگار، در گزارش این هنجار، پارسی نامهٔ خویشتن در پردهٔ ساز آن گفتار خود می سراید - آرے، راست میفرماید - بیت :

نگویم، تا نباشد نغز، غالب — چه غم، گر هست اشعار من اندك ؟

از من یادگارے وبرای دیگران تذکارے باد!

۱، م، گراوری (سهو کاتب) - ۲، قبا «این» ندارد - قبا، نثری نثار بجاے «شعری شعار» - ۳، قبا، م، ما، آثار، قد، مب «مثنوی» ندارد - قبا، هزار و بیست و هفت - آثار، یك هزار و هفتاد و اند - م، هزار و نود و هشت اند - ما، یك هزار و یك صد و اند - قد، مب، و ششصد و نود و اند - ۴ مد، الا (بتشدید لام، سهو کاتب) - م، که بر - قبا از سطر ۲ تا ۶ ندارد - ۵ ما، بیغولهٔ بیغاره (سهو کاتب) - ۶ م، ما، مب، مد، خود آن - ۷، مد «خود» ندارد - م «بیت» ندارد - ما، فرد - آثار، شعر - ۹، م، از ما — و بر — قبا، بر - آمین یارب العالمین -

دیوانِ غالب

حصّۂ سوم

یادگارِ نالہ

نالۂ دل نے دیے اوراقِ لختِ دل بباد
یادگارِ نالہ، یک دیوانِ بے شیرازہ تھا

قطعات



بسکہ فعّالِ ما یُرید ہے آج — ہر سِلَحشور اِنگلستاں کا[1]

گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے — زَہرہ، ہوتا ہے آب، انساں کا

چَوک جس کو کہیں، وہ مقتل ہے — گھر، بنا ہے نمونہ زنداں کا

شہرِ دہلی کا ذرّہ ذرّۂ خاک — تشنۂ خوں ہے، ہر مسلماں کا

کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک — آدمی، واں نہ جاسکے، یاں کا ٥

میں نے مانا کہ مل گئے، پھر کیا؟ — وہی رونا تن و دل و جاں کا

گاہ جل کر کیا کیے شکوہ — سوزشِ داغہاے پنہاں کا

گاہ رو کر کہا کیے باہم — ماجرا دیدہ ہاے گریاں کا

اس طرح کے وصال سے، یا رب! — کیا مٹے دل سے داغ ہجراں کا؟

---

٧ الف، مہر، چل کر (سہو کاتب) ۔ ٩ الف، مہر، وصال سے، غالب (سہو کاتب) ۔

---

١ — یہ قطعہ اردوے معلی: ٤١٠ میں علائی کے نام کے ایک خط کے ساتھ بغیر کسی حوالے کے چھپا ہے۔ مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ ١٨٥٧ع کے ہنگامے سے متعلق ہے۔ نیز ملاحظہ ہو مولانا مہر کی کتاب، غالب: ٣٣٠



اُٹھا اک دن بگولا سا جو کچھ، میں، جوشِ وحشت میں
پھرا آسیمہ سَر، گھبرا گیا تھا جی بیاباں سے[1]

[1] الف، مخزن، دشت و وحشت ۔ ب، مخزن، دل بیاباں ۔

۱ ــ یہ قطعہ رسالۂ مخزن اپریل ۱۹۰۷ع میں اس تمہید کے ساتھ شائع ہوا تھا:
«تھوڑے دن ہوے میجر سید حسن صاحب بلگرامی سے تذکرۂ شعرا ہو رہا تھا، جس میں اُنھوں نے غالب کا ایک قطعہ سنایا ۔ قطعے کے عمدہ ہونے میں کیا شک ہے ۔ مگر اِس کے ساتھ ہی اُن کے اس بیان نے کہ یہ قطعہ اُن کے والدِ مرحوم سے اُن کو پہنچا اور اب تک غالب کے کسی کلام میں شایع نہیں ہوا، اس کی خوبی زیادہ کردی ۔ میں نے اُن سے لکھ لیا اور اُن کی اجازت سے مخزن کو بھیجتا ہوں ۔ شیدا، از کیمبرج» ۔

مولانا نظامی بدایونی مرحوم نے اپنی شرحِ دیوان غالب: ۲۴۸ میں اس قطعے اور قطعۂ نمبر ۳ کے متعلق لکھا ہے کہ «سب سے پہلے ان قطعات کا اضافہ طبعِ سوم میں اس ریمارک کے ساتھ ہوا تھا کہ بعض نقادانِ سخن ان قطعات کے طرزِ بیان کو حضرتِ غالب کے رنگ سے جداگانہ سمجھتے ہیں ۔ اس پر طبعِ سوم کے ناظرین میں سے بعض اھل الرائے حضرات نے شکایت کی کہ ان قطعات کو دیوانِ غالب میں جگہ دینا غالب کے کلام کی توہین کرنا ہے ۔ ہم نے نواب عماد الملک (میجر سید حسن بلگرامی کے بھائی) سے ان کے متعلق دریافت کیا ۔ وہ فرمانے لگے کہ وہ یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ غالب کے مصنّفہ ہیں ۔ اُنھوں نے اپنے ایک بزرگ سے سُنے تھے، جو ان کو غالب سے منسوب کرتے تھے ۔ ممکن ہے کہ یہ غالب کا ابتدائی کلام ہو» ۔

نظر آیا مجھے اک طائرِ مجروحِ پَر بستہ
پٹکتا تھا سرِ شوریدہ دیوارِ گلستاں سے
کہا میں نے کہ "او گمنام، آخر ماجرا کیا ہے؟
پڑا ہے کام تجھ کو کس ستمگر آفتِ جاں سے؟"
ہنسا کچھ کھِل کھلا کر پہلے، پھر مجھ کو جو پہچانا
تو یہ رویا کہ جوئے خوں بَہی پلکوں کے داماں سے
کہا: "میں صید ہوں اُس کا کہ جس کے دامِ گیسو میں
پھنسا کرتے ہیں طائر روز آ کر باغِ رضواں سے
اُسی کے زُلف و رُخ کا دھیان ہے شام و سحر مجھ کو ۵
نہ مطلب کفر سے ہے، اور نہ ہے کچھ کام ایماں سے
بچشمِ غور جو دیکھا، مرا ہی طائرِ دل تھا
کہ جل کر، ہوگیا یوں خاک، میری آہِ سوزاں سے

۳

ایک اہلِ درد نے سُنسان جو دیکھا قفس یوں کہا: "آتی نہیں کیوں اب صدائے عندلیب؟"[۱]
بال و پَر دو چار دکھلا کر، کہا صیّاد نے: "یہ نشانی رہ گئی ہے اب بجائے عندلیب"

٤

مسلمانوں کے میلوں کا ہوا قُل پُجے ہے جوگ مایا اور دیبی[۲]

۲ الف، مخزن، او ناکام۔ ۳ ب، مخزن، تو یوں — اشکوں کے۔ ٦ ب، مخزن، اپنی آہ۔ ۹ ب، اصل میں "مایہ" ہے۔

۱ — یہ قطعہ فریادِ دہلی، ۸۰، نظامی پریس، بدایوں، ۱۹۳۱ع میں بھی شائع ہوا ہے۔
۲ — یہ ایک مندر ہے قطب صاحب کی لاٹھ کے پاس سرحد یوسف سرائے پائے مینار میں۔ اور یہ ایک دیبی ہے جس کی ہندو پوجا کرتے ہیں۔ اس مندر میں ایک پتھر ہے۔ (باقی)

نشاں باقی نہیں ہے سلطنت کا مگر، ہاں، نام کو اورنگ زیبی



جب کہ سیّد غلام بابا نے مسندِ عیش پر جگہ پائی[1]

(بقیہ) اُس کے گِرد سنگِ مرمر کا تھولہ بنا رکھا ہے، اور اُس کی پرستش کرتے ہیں۔ اور راجہ پتھورا کے وقت سے جس کو آٹھ سے سوا آٹھ سے برس کے قریب عرصہ گذرا، اس پتھر کی پرستش ہوتی ہے۔

کوئی ہندو اس دیبی کا بخوبی حال نہیں بتا سکتا کہ یہ کون دیبی ہے۔ مگر ہندو لوگ ایسا کہتے ہیں کہ کرشن اوتار کی جوگ مایا بہن تھی۔ بسبب آپس کی لڑائی کے کہ اُس کا قصّہ مشہور ہے، وہ بجلی بن کر الوپ ہوگئی اور یہاں آن پڑی۔ جب سے یہ مکان جوگ مایا جی کا استھان ہو گیا۔ ....

مکانات اس مندر کے کچھ عمدہ نہیں ہیں، رسمی مکان بنے ہوے ہیں۔ لیکن ہندوؤں کی بڑی پرستش گاہ ہے۔ اور ہر ہفتے میں ایک دن میلے کا مقرر ہے۔ یہاں کے پوجاری اس دیبی کو کالکا دیبی سے اچھا جانتے ہیں کہ وہاں تو جیو چڑھتا ہے اور یہاں پھول پنکھڑی۔ آثارالصنادید ۱:۲۰۰

دیبی سے مراد کالی دیبی ہیں جن کا استھان دلی سے کوئی ٦ کوس کے فاصلے پر جنوب کی طرف موضع بہاپور میں واقع ہے، اور ہندوؤں کی بڑی پرستشگاہ ہے۔ تفصیل کے لیے آثارالصنادید ۱:۱۷ ملاحظہ ہو۔

آخر میں یہ عرض کردوں کہ نواب صاحب لوہارو کے کتابخانے میں دبستانِ مذاہب کا ایک مخطوطہ ہے۔ اُس کے آخری صفحے پر میرزا صاحب کے نام سے یہ قطعہ لکھا ہوا ملتا ہے، اور پہلی بار نسخۂ عرشی میں شایع ہو رہا ہے۔

۱ — میرزا صاحب نے سہ شنبہ ۳۱ جولائی ۱۸٦۰ ع (۱۱ محرم ۱۲۷٦ ھ) کو نوّاب (باقی)

ایسی رونق ہوئی برات کی رات　　　　کہ کواکب ہوے تماشائی



۶

ہزار شکر کہ سیّد غلام بابا نے　　　　فرازِ مسندِ عیش و طرب جگہ پائی
زمیں پہ ایسا تماشا ہوا برات کی رات　　　　کہ آسماں پہ کواکب بنے تماشائی



۷

اس کتابِ طرب نصاب نے جب　　　　آب و تاب اِنطباع کی پائی[1]

(بقیہ) سید غلام بابا خاں رئیسِ سورت کا قطعۂ تاریخِ نکاح نہ لکھنے کا عذر کرتے ہوے سیّاح کو لکھا ہے: «بھائی، تمھاری جان کی اور اپنے ایمان کی قسم کہ میں فنِ تاریخ گوئی و مُعَمّا سے بیگانۂ محض ہوں۔ اردو زبان میں کوئی تاریخ میری نہ سُنی ہوگی۔ فارسی دیوان میں دوچار تاریخیں ہیں۔ اُن کا حال یہ ہے کہ مادّہ اوروں کا ہے اور اشعار میرے ہیں۔ تم سمجھے کہ میں کیا کہتا ہوں؟ حساب سے میرا جی گھبراتا ہے، اور مجھ کو جوڑ لگانا نہیں آتا ہے۔ جب کوئی مادّہ بناؤں گا، حساب درست نہ پاؤں گا۔.... یہ جو لکھتے ہو کہ سیّد غلام بابا کسی بحر میں نہیں آتا، کیوں نہیں آتا؟ بیت: جب کہ سیّد الخ دوسری بحر سنو۔ بیت: ہزار شکر الخ۔ اس بحر میں سماتا ہوا کوئی مادّہ بہم پہنچاؤ۔ تاریخ کہہ لو۔ وہ دوست جو مادّہ ڈھونڈھ دیتے تھے، وہ جنّت کو سدھارے۔ میں جیسا کہ اوپر کہہ آیا ہوں، معذور اور مجبور ہوں» (اردوے معلی: ۳۸۶، لاہور ایڈیشن)

۱ — یہ قطعۂ تاریخ، جس سے ۱۲۷۷ نکلتے ہیں، میر محسن علی محسن لکھنوی متوفی قبل سنہ ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ع) کے تذکرۂ سراپا سخن کے انطباع کا ہے، اور اس کتاب کے صفحۂ ۲۹۳ پر اس عنوان کے ساتھ چھپا ہے: «قطعۂ تاریخ مرزا اسداللہ خان صاحب غالب دھلوی»۔

فکرِ تاریخِ سال میں، مجھ کو — ایک صورت نئی نظر آئی
ہندسے پہلے سات سات کے دو — دے ناگاہ مجھ کو دکھلائی
اور پھر ہندسہ تھا بارہ کا — با ہزاراں ہزار زیبائی
سالِ ہجری تو ہوگیا معلوم — بے شمولِ عبارت آرائی
مگر، اب ذوقِ بذلہ سنجی کو — ہے جداگانہ کار فرمائی
سات اور سات ہوتے ہیں چودہ — بامیدِ سعادت افزائی
غرض اس سے ہیں چاردہ معصوم — جن سے ہے چشمِ جاں کو بینائی
اور بارہ امام ہیں، بارہ — جن سے ایماں کو ہے توانائی
اُن کو، غالب، یہ سال اچھا ہے — جو ائمّہ کے ہیں تولّائی


۸

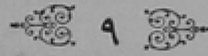
سلیم خاں کہ وہ ہے نورِ چشمِ واصل خاں — حکیمِ حاذق و دانا ہے، وہ لطیف کلام[1] ۱۰

۷ الف، سراپا سخن. اسے (بتشدید سین، قدیم رسم خط) - ب، سراپا سخن، جس سے - ۸ ب، سراپا سخن، جس سے -

۱ — یہ قطعہ حکیم محمد سلیم خاں بن حکیم محمد عظیم خاں بن حکیم عبداللطیف خاں دہلوی کی کتاب موسوم بہ «تکشیفِ حکمت» کے اختتام کی تاریخ کا ہے۔ اس کے مادۂ تاریخ سے ۱۲۷۹ھ (۱۸۶۲ع) نکلتے ہیں۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۲۸۵ھ (مارچ ۱۸۶۹ع) میں اور دوسری بار جولائی ۱۸۸۵ع میں منشی نولکشور کے مطبع میں چھپ کر شایع ہوئی تھی۔ یہاں یہ قطعہ پہلی طباعت کے صفحۂ ۱۸۸ سے نقل کیا گیا ہے۔ اس میں قطعے کا عنوان ہے: «قطعۂ تاریخِ اختتامِ کتاب از نتائجِ افکارِ سرآمدِ فارسی دانانِ ایران، سلطان الشعراء ہندوستان، اعنی نجم الدولہ دبیرالملک اسداللہ خان بہادر نظام جنگ المشہور مرزا نوشہ دہلوی متخلص باسد و غالب»۔

تمام دہر میں اُس کے مطب کا چرچا ہے　　کسی کو یاد بھی لقمان کا نہیں ہے نام
اُسے فضائلِ علم و ہنر کی افزایش　　ہوئی ہے، مُبدعِ عالم سے، اس قدر اِنعام
کہ بحثِ علم میں، اطفالِ آبجدی اُس کے　　ہزار بار فلاطوں کو دے چکے اِلزام
عجیب نسخۂ نادر، لکھا ہے، ایک، اُس نے　　کہ جس میں حکمت و طب ہی کے مسئلے ہیں تمام
۵ نہیں کتاب، ہے اک منبعِ نکاتِ بدیع　　نہیں کتاب، ہے اک معدنِ جواہر کام
کل، اُس کتاب کے سالِ تمام میں، جو مجھے　　کمالِ فکر میں دیکھا، خِرَد نے، بے آرام
کہا یہ جَلد کہ «تو اس میں سوچتا کیا ہے؟　　لکھا ہے «نسخۂ تحفہ»، یہی ہے سالِ تمام»

۱۲۷۹ھ (۱۸۶۲ء)



۹

خوشی ہے یہ، آنے کی برسات کے　　پییں بادۂ ناب اور آم کھائیں[۱]

---

۴ الف، تکشیف، طبع اول، مسئلہ نادر ـ تکشیف، طبع دوم، اک ـ　　ب، تکشیف، طبع دوم، مسئلہ ہیں (سہو کاتب) ـ
۵ الف. تکشیف، طبع دوم، اک نکتۂ نکات ـ

---

۱ ــ یہ قطعہ نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی والیِ لوہارو کی بیاض (ورق ۴۳ الف) سے نقل کیا گیا ہے ـ وہاں عنوان ہے: «از مولانا غالب بہ علائی بسوے لوہارو» ـ اس کے بعد فارسی کا یہ قطعہ درج ہے:

خوانی بسوی خویش و ندانی کہ مردہ ام　　دانی کہ مردہ را رہ و رسمِ خرام نیست
نی شیخ سَدّو ام، نہ الہ بخش، مرگِ من　　از عالمِ جنابت و مرگِ حرام نیست

اس کے بعد لکھا ہے: «جواب از مولانا علائی بحضرتِ غالب»:

خوشی ہے ہمیں آنے کی آپ کے　　کہ باہم پییں بادہ اور آم کھائیں
سرآغازِ موسم میں کیا خوب ہے　　کہ دلّی سے حضرت لوہارو کو آئیں
عجب لطف ہے یاں کی برسات میں　　کہ کیچڑ کہیں نام کو بھی نہ پائیں
سرولی کے وہ ڈاک پر سبز آم　　وہ دلّی کے انگور ہر شام آئیں (باقی)

سرآغازِ موسم میں، اندھے ہیں ہم
کہ دلّی کو چھوڑیں، لوہارو کو جائیں
سِوا ناج کے، جو ہے مقلوبِ جاں
نہ واں آم پائیں، نہ انگور پائیں
ہوا حکم باورچیوں کو کہ ہاں
ابھی جا کے پوچھو کہ «کل کیا پکائیں؟»
وہ کھٹّے، کہاں پائیں، اِملی کے پھول
وہ کڑوے کریلے کہاں سے منگائیں؟
فقط گوشت، سو بھیڑ کا ریشے دار
کہو، اُس کو، کیا، کھا کے ہم، حظ اُٹھائیں؟ ۵

۱ الف، مہر، آندھی ہیں ہم - ۲ الف، مہر، ناج ہے جو کہ مطلوب جاں - ۵ الف، مہر، ریشہ دار -

(بقیہ) کریں حکم باورچیوں کو کہ ہاں
ابھی جا کے ہر چیز جلدی پکائیں
وہ لیں باغ سے جا کے املی کے پھول
وہ جنگل سے کڑوے کریلے منگائیں
وہ بے ریشہ بکری کا لحمِ طری
کہ کیا کیا اُسے کھا کے ہم حظ اُٹھائیں
کہیں اُن کو بے مہر و کاہل، اگر
لوہارو وہ اس بات پر بھی نہ آئیں

قطعہ

خوانمت سوی خویش وگر چند مردۂ
دانم کہ بہرِ چون توئے منعِ خرام نیست
پندارمش چو حُسنِ تجلّیِ لال بیگ
مرگش چو شیخ سَدّو ز راہِ حرام نیست

اس بیاض کی نقل میں جو نواب صاحب لوہارو کے پاس محفوظ ہے، علائی کے قطعے کے پہلے شعر پر کسی نے حاشیہ لکھا ہے: «و اللہ باللہ، برای تفریحِ خاطرِ مرزا غالب فرمودہ اند و خود بری اند ازین» - یعنی علائی شراب نہیں پیتے تھے -

ان قطعات کی تاریخ معلوم نہ ہوسکی - بیاض کے اندراجات میں ترتیبِ تاریخی کا لحاظ نہیں ہے، چنانچہ ان سے پہلے ۲۷ جنوری ۱۸۶۷ع کا اور ان کے بعد ۵ اپریل ۱۸۶۵ع کا اندراج ملتا ہے - اس لیے انھیں تقریباً اسی زمانے کا مان لیا ہے -

مرزا غالب کا قطعہ مولانا مہر کی کتاب، غالب: ۳۹٤ طبعِ سوم پر بھی درج ہے -

۱۰

مقامِ شکر ہے، اے ساکنانِ خطّۂ خاک — رہا ہے زور سے، ابرِ ستارہ بار، برس[1]

کہاں ہے ساقیِ مہوش؟ کہاں ہے ابرِ مُطیر — «بیار»، لا مۂ گلنارگوں، «بیار»، برس

خدا نے تجھ کو عطا کی ہے گوہر افشانی — درِ حضور پر، اے ابر، بار بار برس

ہر ایك قطرے کے ساتھ آے جو مَلَك، وہ کہے: — «امیر کلبِ علی خاں جییں ہزار برس!»

٥ فقط ہزار برس پر کچھ انحصار نہیں — کئی ہزار برس، بلکہ بیشمار برس

جنابِ قبلۂ حاجات، اس بلا کش نے — بڑے عذاب سے کاٹے ہیں پانچ چار برس

شفا ہو آپ کو، غالب کو بندِ غم سے نجات — خدا کرے کہ یہ ایسا ہو سازگار برس!

۱۱

گڑگانوں کی ہے جتنی رعیّت، وہ یک قلم — عاشق ہے اپنے حاکمِ عادل کے نام کی[2]

سو یہ نظر فروز قلمدان نذر ہے — مسٹر کوان صاحبِ عالی مقام کی

م الف، بخط غالب، قطرہ ـ

---

۱ — یہ قطعہ میرزا صاحب نے ۱۱ اگست ۱۸۶۵ع کے خط کے ساتھ نواب کلبِ علی خان بہادر والیِ رامپور کی خدمت میں بھیجتے ہوے لکھا ہے: «اگرچہ یہاں مینہ اسی قدر برسا ہے کہ جس کے پانی سے زمیندار حاصلِ فصلِ ربیع سے ہاتھ دھولیں، مگر چونکہ بفرمانِ ازلی میرے رزق کی برات آپ پر ہے، اور آپ کے ملك میں بارش خوب ہوئی ہے، ابرِ رحمت کے شکریے میں ایك قطعہ ملفوف اس عرضی کے بھیجتا ہوں۔ بنظرِ اصلاحِ نظم و اصلاحِ حال ملاحظہ ہو۔» مکاتیبِ غالب ٤٠، طبعِ چہارم۔

۲ — مولفِ خمخانۂ جاوید (۱: ۸۰ و ۸۱) نے لکھا ہے کہ «راے بہادر ماسٹر پیارے لال آشوب (جو مولف کے چچا تھے) غالب مرحوم کی پہلی ملاقات کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں کہ «جب ہم گوڑگانوے میں ہیڈماسٹر تھے، تو وہاں کے اسسٹنٹ (باقی)

۱۲

ہندوستان کی بھی عجب سر زمین ہے ‏ جس میں وفا و مہر و محبّت کا ہے وفور[۱]
جیسا کہ آفتاب نکلتا ہے شرق سے ‏ اِخلاص کا ہوا ہے اسی ملک سے ظہور
ہے اصلِ تخم ہند سے، اور اس زمین سے ‏ پھیلا ہے سب جہان میں یہ میوہ دُور دُور

(بقیہ) کمشنر کووان صاحب بہادر کی تبدیلی کا موقع پیش آیا۔ صاحبِ موصوف ہمارے حال پر خاص نظرِ عنایت رکھتے تھے۔ اُن کی مفارقت کے متعلق جو جلسہ قرار پایا، اُس میں لوگوں کی راے ہوئی کہ صاحبِ ممدوح کو کوئی چیز بطورِ یادگار نذر دینی چاہیے۔ چنانچہ کمیٹی کی راے سے چاندی کا ایک قلمدان تجویز ہوا۔ قلمدان پر کوئی شعر بھی کندہ کرادینا قرار پایا»۔

راے صاحب فرماتے ہیں کہ «اُس وقت تک مرزا صاحب سے ہمیں خاص تعارف نہ تھا۔ ہم اس شعر کے واسطے اپنے ایک دوست کے ساتھ مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوے۔ اُسی وقت سے روزافزوں تعارف کی بنیاد پڑی۔ مرزا صاحب نے قلمدان کے واسطے جو قطعہ موزوں فرمایا وہ یہ ہے»۔

مسٹر جے ایل کوان صاحب فروری ۱۸۶۶ع میں دھلی سوسائٹی کے رکن بنائے گئے، تو وہ اُس وقت تک گوڑگانوے ہی میں اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ ملاحظہ ہو رسالۂ دھلی سوسائٹی، نمبر ۳ ص ۹۔ لہذا اس قطعے کو تاریخِ مذکور کے بعد کا ہونا چاہیے۔

۱ — یہ قطعہ رسالۂ دھلی سوسائٹی کے تیسرے شمارے میں سوسائٹی کے سکریٹری پیارے لال کے «مضمون در بابِ راہ و رسمِ صاحبانِ انگریز و ہندوستانی» میں اس عبارت کے ذیل میں بطورِ استشہاد مندرج ہوا ہے: «اس ملک کے آدمی احسان فراموش نہیں ہیں۔ جو شخص ان سے ذرہ سی محبت کرتا ہے، یہ اُس سے سہ چند محبت کرنے کو تیار ہیں، بقولِ جناب اسد اللہ خان بہادر غالب بیت: ہندوستان کی بھی الخ»۔
جناب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب نے اپنے مقالے — «دھلی سوسائٹی اور مرزا غالب» — میں اسے نقل کیا ہے۔ مقالے کے لیے ملاحظہ ہو احوالِ غالب: ۱۷۲ — ۱۹۲۔

۱۴

ہند میں اہلِ تسنّن کی ہیں دو سلطنتیں
حیدرآبادِ دکن، رشکِ گلستانِ اِرَم[1]

رامپور، اہلِ نظر کی ہے نظر میں وہ شہر
کہ جہاں ہشت بہشت آ کے ہوئے ہیں باہم

حیدرآباد بہت دور ہے؛ اس ملک کے لوگ
اُس طرف کو نہیں جاتے ہیں؛ جو جاتے ہیں، تو کم

رامپور آج ہے وہ بُقعۂ معمور کہ ہے
مَرجع و مَجمعِ اَشرافِ نژادِ آدم

۵ رامپور ایک بڑا باغ ہے، از روئے مِثال،
دلکش و تازہ و شاداب و وسیع و خُرّم

جس طرح باغ میں ساون کی گھٹائیں برسیں
ہے اسی طور پہ یاں دجلہ فِشاں، دستِ کرم

ابرِ دستِ کرمِ کلبِ علی خاں سے مُدام
دُرِّ شہوار ہیں، جو گرتے ہیں قطرے پیہم

صبحدم باغ میں آجائے، جسے ہو نہ یقیں
سبزہ و برگِ گل و لالہ پہ دیکھے شبنم

حَبّذا! باغِ ہمایونِ تَقَدّس آثار
کہ جہاں چرنے کو آتے ہیں غَزالانِ حرم

۱۰ مَسلکِ شرع کے، ہیں، راہرو و راہ شناس
خضر بھی یاں اگر آجائے، تو لے اُن کے قدم

مدح کے بعد دعا چاہیے، اور اہلِ سخن
اس کو کرتے ہیں، بہت بڑھ کے بہ اِغراق، رقم

حق سے کیا مانگیے؟ ان کے لیے جب ہو موجود
ملک و گنجینہ و خَیل و سِپہ و کُوس و عَلَم

ہم نہ تبلیغ کے مائل، نہ غُلو کے قائل
دو دعائیں ہیں کہ وہ دیتے ہیں نوّاب کو ہم

یاخدا، غالبِ عاصی کے خداوند کو دے
دو وہ چیزیں کہ طلبگار ہے جن کا، عالم

۱۵ اولاً، عمرِ طبیعی بدوامِ اقبال
ثانیاً، دولتِ دیدارِ شہنشاہِ اُمم!

---

٦ الف، بخط غالب، گھٹھائیں (سہو کتابت)۔

---

۱ — یہ قطعہ میرزا صاحب نے نواب کلب علی خاں بہادر کی خدمت میں اپنے خط مورخۂ ۵ رجب سنہ ۱۲۸۴ ھ (۳ نومبر ۱۸۶۷ ع) کے ساتھ بھیجا تھا۔ ملاحظہ ہو مکاتیب غالب: ۷۵، (طبع چہارم)۔

مثنویات



۱

ایک دن مثلِ پتنگِ کاغذی لے کے، دل، سررشتۂ آزادگی[1]
خودبخود کچھ ہم سے کَنیانے لگا اس قدر بگڑا کہ سر کھانے لگا

۱- اس مثنوی کے بارے میں مولانا حالی نے لکھا ہے: "منشی بہاری لال مشتاق کا بیان ہے کہ لالہ کنہیا لال ایک صاحب آگرے کے رہنے والے، جو مرزا صاحب کے ہم عمر تھے، ایک بار دلّی میں آئے اور مرزا صاحب سے ملے، تو اثنائے کلام میں اُن کو یاد دلایا کہ جو مثنوی آپ نے پتنگ بازی کے زمانے میں لکھی تھی، وہ بھی آپ کو یاد ہے؟ اُنھوں نے انکار کیا۔ لالہ صاحب نے کہا: "وہ اردو مثنوی میرے پاس موجود ہے"۔ چنانچہ اُنھوں نے وہ مثنوی مرزا کو لا کر دی، اور وہ اُس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اُس کے آخر میں یہ فارسی شعر کسی اُستاد کا پتنگ کی زبان سے لاحق کردیا تھا:

رشتۂ در گردنم افگند دوست می کشد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

لالہ صاحب کا بیان تھا کہ مرزا صاحب کی عمر جب کہ یہ مثنوی لکھی تھی، آٹھ نو برس کی تھی"۔ (یادگار: ۱۰۷ حاشیہ) (باقی)

میں کہا «اے دل، ہوائے دلبراں   بسکہ تیرے حق میں رکھتی ہے زیاں

---

۱ ب، حسن خیال: کہتی ہے زیاں۔

(بقیہ) رسالۂ اردو، جولائی ۱۹۳۱ع میں «مرزا غالب کی ایک تضمین» کے عنوان سے یہ مثنوی شائع کی گئی، تو اُس کے ساتھ ایڈیٹر نے یہ تمہید لکھی: «صفدر مرزاپوری مرحوم نے میرزا غالب کے بچپن کی ایک تضمین مجھے بھیجی تھی، جو میرے کاغذوں میں پڑی رہ گئی اور اب شایع کی جاتی ہے..... ایڈیٹر»۔

اس تمہید کے بعد صفدر میرزا پوری کی حسبِ ذیل عبارت نقل کی ہے، جس سے اس مثنوی کی سندی حیثیت پر روشنی پڑتی ہے: «کسی تذکرے میں کسی نے مرزا غالب کے حالات میں لکھا ہے کہ اُن کو بچپن میں پتنگ اُڑانے کا بہت شوق تھا۔ اکبر آباد میں اُن کی پتنگ بازی کا شُہرہ تھا۔ اُس زمانے میں مرزا نے پتنگ کے تلازمے میں فارسی کے اس مشہور شعر پر: رشتۂ در گردنم الخ بطورِ ترکیب بند چند شعر اردو میں لکھے تھے۔ لیکن وہ ترکیب بند کسی کے ھاتھ نہ لگا، نہ کسی نے نقل کیا۔ محترمی مولانا حضرت زاھد سہارنپوری کے جدِّ امجد مرحوم حاجی و زائر سید اکبر علی صاحب بلیغ، ابو ظفر شاہ، آخری تاجدارِ دھلی کے معتمد اور وکیل تھے، اور بادشاہ کی پنشن کا مقدمہ جو کمپنی سے لڑ رہا تھا، اُس میں اوّل سے آخر تک وکیلِ شاھی کی حیثیت سے اُس زمانے میں برابر اکبرآباد میں عدالت العالیہ ہونے کی وجہ سے آتے جاتے رہتے تھے۔ خود بھی اچھّے شاعر اور ذی علم تھے۔ اُن کی بیاض میں یہ ترکیب بند لکھا ہوا ملا، جو دلدادگانِ کلامِ غالب کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ہے، جسے ہمارے محترم بزرگ حضرت زاھد، مد ظلہ، نے ہماری جدید تالیف «حسنِ خیال» کے لیے نقل فرما کر بھیج دیا ہے»۔ مثنوی کے لیے حسنِ خیال از صفدر مرزاپوری: ۱۰۶ کے علاوہ غالب از مولانا مہر: ۴۵۰ حاشیہ (طبع سوم) بھی ملاحظہ ہو۔ (باقی)

پیچ میں ان کے نہ آنا، زینہار! | یہ نہیں ہیں گے کسو کے یارِ غار
گورے پنڈے پر، نہ کر، ان کے، نظر | کھینچ لیتے ہیں یہ، ڈورے ڈال کر
اب تو مل جائے گی تیری اِن سے سانٹھ | لیکن آخر کو پڑے گی ایسی گانٹھ
سخت مشکل ہوگا سُلجھانا تجھے | قہر ہے، دل ان سے اُلجھانا تجھے
یہ جو محفل میں بڑھاتے ہیں تجھے | بھول مت اس پر، اُڑاتے ہیں تجھے
ایک دن تجھ کو لڑادیں گے کہیں | مفت میں ناحق کٹادیں گے کہیں »
دل نے سُن کر، کانپ کر، کھا پیچ و تاب | غوطے میں جاکر، دیا کٹ کر جواب
«رشتۂ در گردنم افگندہ دوست | می برد ہر جاکہ خاطر خواہِ اوست »


۲

مژدہ! اے رہروانِ راہِ سخن | پایہ سنجانِ دستگاہِ سخن[۱]

---

۲ الف،مہر، نہ ان کے کر نظر - ۳، الف، مہر، اون سے تیری - ۴ الف، مہر، تیرا (سہو کاتب) - ۵ الف، مہر، بڑھاتے ہیں (سہو کاتب) - ۶ الف، مہر، لڑادیں گے - ۷ ب، مہر، غوطہ -

---

(بقیہ) میرزا صاحب نے خود بھی منشی شیونرائن کے نام کے ایک خط مورخۂ ۱۹ اکتوبر ۱۸۵۸ع میں اپنی پتنگ بازی کا ذکر کیا ہے - فرماتے ہیں: «ہماری بڑی حویلی وہ ہے کہ جو اب لکھمی چند سیٹھ نے مول لی ہے - اُسی کے دروازے کی سنگین بارہ دری پر میری نشست تھی - اور پاس اُس کے ایک «کھٹیا والی حویلی»، اور سلیم شاہ کے تکیے کے پاس دوسری حویلی، اور «کالے محل» سے لگی ہوئی ایک اور حویلی، اور اُس سے آگے بڑھکر ایک کٹرا کہ وہ «گڈریوں والا» مشہور تھا، اور ایک کٹرا کہ وہ «کشمیرن والا» کہلاتا تھا - اُس کٹرے کے ایک کوٹھے پر میں پتنگ اُڑاتا تھا، اور راجا بلوان سنگھ سے پتنگ لڑا کرتے تھے» خطوط ۱:۳۸۰ -

۱ - یہ مثنوی قاضی عبدالودود صاحب نے مآثرِ غالب میں اس تمہید کے ساتھ شائع کرائی تھی: «پنج آہنگ کی اشاعتِ اوّل کے نسخے نہایت (باقی)

طے کرو راہِ شوق زُودا زُود | آن پہنچی ہے منزلِ مقصود
پاس ہے، اب، سوادِ اعظمِ نثر | دیکھیے، چل کے، نظمِ عالمِ نثر
سب کو اُس کا سواد ارزانی! | چشمِ بینش ہو جس سے نورانی
یہ تو دیکھو کہ کیا نظر آیا | جلوۂ مُدّعا نظر آیا
۵ ہاں، یہی شاہراہِ دہلی ہے | مطبعِ بادشاہِ دہلی ہے
منطبع ہو رہی ہے پنج آہنگ | گل و ریحان و لالہ رنگا رنگ
ہے یہ وہ گلشنِ ہمیشہ بہار | بارَوَر جس کا سرو، گل بے خار
نہیں، اس کا جواب، عالم میں | نہیں ایسی کتاب، عالم میں
اس سے اندازِ شوکتِ تحریر | اخذ کرتا ہے آسماں کا دبیر
۱۰ مَرحبا! طرزِ نغز گفتاری | حَبّذا! رسم و راہِ نثّاری

(بقیہ) کمیاب ہیں۔ اس کا منظوم اشتہار اسعدالاخبار آگرہ (۱۲ مارچ ۱۸۴۹ع) میں چھپا تھا۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد علی الترتیب یہ عبارتیں تھیں (۱) نقلِ اشتہارِ منظومِ طبعِ پنج آہنگ مصنفۂ حضرت مرزا اسد اللہ خان صاحب بہادر غالب۔ جو اپریل کے مہینے میں قیمت بھیج دے تین روپیے اور جو بعد اس کے بھیجے گا چار روپیے دینے پڑیں گے (۲) مخفی نہ ہے کہ یہ اشتہار دہلی سے بہ سبیلِ ڈاک میرے ایک مخدومِ والا شان نے واسطے درج کرنے اخبار کے میرے پاس بھیجا۔ غلام نجف خاں جن کے نام سے یہ اشتہار ہے، غالب کے شاگرد تھے (خطوط ۱:۲۲۴ و ۲۳۲)۔ لیکن یہ تلمذ ظاہرا فارسی پڑھنے تک محدود تھا۔ شاعر کی حیثیت سے اُن کا ذکر کہیں نظر نہیں آیا۔ اشتہار غالب کی طرز میں ہے، اور قریب بہ یقین ہے کہ اُنہیں کا لکھا ہوا ہے۔ غالب کے لیے خود ستائی کوئی نئی بات نہیں۔ اور اشتہار کی تو ذمہ‌داری بھی اُن کے سر نہیں»۔ (مآثرِ غالب ۷ و ۴۵، و رسالۂ جامعہ دہلی، فروری ۱۹۶۱ع)۔

نثرِ مدحت سرائے ابراہیم | ہے مُقرّر جو، اب، پئے تعلیم
اُس کے فقروں میں کون آتا ہے؟ | کیا کہیں، کیا وہ راگ گاتا ہے
نین نثروں سے کام کیا نکلے؟ | اُن کے پڑھنے سے نام کیا نکلے؟

ورزشِ قصّۂ کہن کب تک؟ | داستانِ شہِ دکن کب تک؟
تا کجا درسِ نثرہائے کہن؟ | تازہ کرتا ہے دل کو، تازہ سخن
تھے ظُہوری و عرفی و طالب | اپنے اپنے زمانے میں غالب
نہ ظُہوری ہے اور نہ طالب ہے | اسد اللہ خانِ غالب ہے
قول حافظ کا ہے بجا، اے دوست: | «ہر کرا پنج روز نوبتِ اوست»[1]
کل وہ سرگرمِ خود نمائی تھے | شمعِ بزمِ سخن سرائی تھے
آج یہ قدر دانِ معنی ہے | بادشاہِ جہانِ معنی ہے
نثر اس کی، ہے کارنامۂ راز | نظم اس کی، نگار نامۂ راز
دیکھو اس دفترِ معانی کو | سیکھو آئینِ نکتہ دانی کو
اس سے جو کوئی بہرہ ور ہوگا | سینہ، گنجینۂ گُہر ہوگا
ہو سخن کی جسے طلبگاری | کرے اس نسخے کی خریداری

۸ ب، دیوان حافظ، ہر کسے پنج روزہ۔

۱ — دیوانِ حافظ (طبعِ بمبئی و نولکشور ۱۲۷۹ھ و نامی لکھنو ۱۳۰۸ھ و نامی کانپور ۱۳۲۰ھ و چاپخانۂ مجلس تہران، ۱۳۲۰ھ ش، مگر اس آخری دیوان میں روزہ کی جگہ روز ہے) میں مصرع یوں ہے: ہر کسی پنج روزہ نوبتِ اوست۔ اور اس کا پہلا مصرع ہے: دورِ مجنون گذشت و نوبتِ ماست۔

آج جو دیدہ‌ور کرے درخواست
تین بھیجے رُپے، وہ بے کم و کاست

منطبع جب کہ ہو چکے گی کتاب
زرِ قیمت کا ہو گا اور حساب

چار سے، پھر نہ ہوگی، کم قیمت
اس سے لیویں گے کم، نہ ہم، قیمت

جس کو منظور ہو کہ زر بھیجے
احسن اللہ خاں کے گھر بھیجے

۵ وہ بہارِ ریاضِ مہر و وفا
جس کو کہتے ہیں عُمدۃُ الحُکما

میں جو ہوں درپئے حصولِ شرف
نام عاصی کا ہے غلام نجف

ہے یہ، القصّہ، حاصلِ تحریر
کہ نہ ارسالِ زر میں ہو تاخیر

چشمۂ انطباع جاری ہے
ابتدائے ورق شماری ہے



قادر نامہ

(قادر) اور (اللہ) اور (یزداں) خدا
ہے (نبی، مُرسَل، پیمبر) رہنما[1]

۱۰ پیشوائے دیں کو کہتے ہیں (اِمام)
وہ رسول اللہ کا قائم مَقام

---

۱ — یہ مثنوی جو خالق باری کی طرز پر لکھی گئی ہے، قادر نامے کے نام سے پہلے مطبعِ سلطانی دھلی سنہ ۱۲۷۲ھ (۱۸۵۶ء) میں، اور پھر محبس پریس دھلی میں کنھیا لال کے اھتمام سے ۲۲ محرم سنہ ۱۲۸۰ھ (جولائی ۱۸۶۳ع) کو چھپی تھی۔ رضا لائبریری رامپور میں دوسرا ایڈیشن بالاصل اور پہلے ایڈیشن کی نقلِ مطبوعۂ کراچی محفوظ ہے۔ میرزا صاحب کے اپنے کلام میں قادر نامے کا تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن اس کے کلامِ غالب ہونے میں کسی طرح کا شبہہ نہیں، کیوں کہ یہ کتاب اُن کی زندگی میں اُن کے نام سے دوبار شائع ہوچکی تھی۔ علاوہ ازیں ہماری زبان، ۸ اگست ۱۹۶۱ء میں حسبِ ذیل اشعار شائع ہوئے ہیں: (باقی)

ہے (صَحابی) دوست، خالص (ناب) ہے
جمع اُس کی، یاد رکھ، (اَصحاب) ہے
بندگی کا، ہاں، (عبادت) نام ہے
نیک بختی کا (سَعادت) نام ہے
کھولنا (افطار) ہے، اور روزہ (صَوم)
(لَیل) یعنی رات، دن اور روز (یَوم)
ہے (صلوٰۃ)، اے مہرباں، اسمِ نماز
جس کے پڑھنے سے ہو راضی، بے نیاز
جانماز اور پھر (مُصَلّا) ہے وہی
اور (سَجّادہ) بھی گویا ہے وہی ؏
(اِسم) وہ ہے، جس کو تم کہتے ہو نام
(کعبہ، مکّہ) وہ، جو ہے (بَیتُ الحرام)

(بقیہ) از کرمہاے الٰہی، رفعتا
ختم شد عبّاس نامہ، مرحبا!
از کلامِ حضرتِ استادِ من
غالبِ سحرالبیان جادو سخن
ہست براین نہج قادر نامہ نظم
من تتبع کردہ ام، اے نورچشم
آن کلام واین کلامم یاد گیر
ہر دو را انگار تنگِ شہد و شیر

یہ اشعار مولوی محمد عباس رفعت بھوپالی کے عباس نامے کے خاتمے کے ہیں، جو غالب کے شاگرد تھے۔ اس لیے اُن کا قادر نامے کو غالب کی تالیف قرار دینا ہوائی بات نہیں ہو سکتی۔

شوکت بھوپالی نے بھی انشاے نور چشم: ۴۶ میں اسے غالب کی تصنیفات میں شمار کیا ہے۔ امیر مینائی مرحوم بڑے ثقہ راوی اور غالب کے معاصر ہیں۔ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ "مرزا غالب مرحوم کا قادر نامہ میری نظر سے گزرا ہے"۔ (خطوطِ امیر: ۲۸۶) نیز اُنھوں نے انتخابِ یادگار: ۲۴۱ میں بھی اسے بذیلِ تالیفاتِ غالب درج کیا ہے۔

مولوی عبدالحق مرحوم نے میرن صاحب پر ایک مقالہ رسالۂ اردو (جولائی ۱۹۳۶ع) میں لکھا تھا۔ اس میں اُنھوں نے میرن صاحب کے حوالے سے لکھا ہے کہ میرزا صاحب نے یہ کتاب باقر علی خاں اور حسین علی خاں کے لیے لکھی تھی (ذکرِ غالب: ۲۱۵ طبعِ چہارم)۔

گرد پھرنے کو کہیں گے ہم (طَواف)   بیٹھ رہنا گوشے میں ہے (اِعتکاف)

پھر (فلک، چرخ) اور (گردون) اور (سِپہر)   آسماں کے نام ہیں، اے رشکِ مِہر

(مِہر) سورج، چاند کو کہتے ہیں (ماہ)   ہے محبّت (مِہر)، لازم ہے نباہ

(غرب) پچّھم، اور پورب (شرق) ہے   (ابر) بدلی، اور بجلی (برق) ہے

۵ آگ کا (آتش) اور (آذر) نام ہے   اور انگارے کا (آخگر) نام ہے

(تیغ) کی ہندی اگر تلوار ہے   فارسی پگڑی کی بھی (دستار) ہے

نیولا (راسُو) ہے اور (طاؤس) مور   (کَبک) کو ہندی میں کہتے ہیں چکور

(خُم) ہے مٹکا، اور ٹھلیا ہے (سَبُو)   (آب) پانی، (بحر) دریا، نہر (جُو)

(چاہ) کو کہتے ہیں ہندی میں کنُواں   (دُود) کو ہندی میں کہتے ہیں دُھواں

۱۰ دودھ جو پینے کا ہے وہ (شِیر) ہے   (طفل) لڑکا، اور بوڑھا (پیر) ہے

(سینہ) چھاتی، (دست) ہاتھ، اور (پاے) پانو   (شاخ) ٹہنی، (برگ) پتّا، (سایہ) چھانو

(ماہ) چاند، (اختر) ہیں تارے، رات (شب)   دانت (دنداں)، ہونٹ کو کہتے ہیں (لب)

(اُستُخواں) ہڈّی ہے، اور ہے (پوست) کھال   (سگ) ہے کُتّا اور گیدڑ ہے (شغال)

تل کو (کُنجد) اور (رُخ) کو گال کہ   گال پر جو تِل ہو، اُس کو (خال) کہ

۱۵ کینکڑا (سرطاں) ہے، کچھوا (سنگ پُشت)   (ساق) پنڈلی، فارسی مُٹّھی کی (مُشت)

ہے (شِکم) پیٹ، اور بغل (آغوش) ہے   کُہنی (آرنج) اور کندھا (دوش) ہے

ھندی میں (عَقرَب) کا بچّھو نام ہے   فارسی میں بَھوں کا (آبرو) نام ہے

ہے وہی (کژدُم)، جسے (عقرب) کہیں   (نِیش) ہے وہ، ڈنک جس کو سب کہیں

ہے، لڑائی (حَرب) اور (جنگ) ایک چیز   (کَعب) ٹخنا اور (شِتالنگ) ایک چیز

---

۵ الف، نسخۂ دہلی و کانپور دونوں میں ذال منقوطہ سے ہے۔ مگر یہ غالب کے پسندیدہ املے کے خلاف ہے۔ ملاحظہ ہو قاطع برہان و درفش کاویانی۔ ۹ ب، نسخۂ دہلی، دھنواں۔ ۱۱ الف، نسخۂ دہلی، ھات۔ ۱۵ الف، نسخۂ کانپور، کیکڑا۔ ۱۹، نسخۂ کانپور میں یہ بیت یہاں کے بجاے اس شعر کے بعد ہے: (انگبیں، شہد) اور (عسل) یہ، اے عزیز۔

ناک (بینی)، (پَرّہ) نتھنا، (گوش) کان — کان کی لو (نرمہ) ہے، اے مہربان
(چشم) ہے آنکھ، اور (مژگاں) ہے پلک — آنکھ کی پتلی کو کہیے (مَردُمک)
منھ پہ گر جھرّی پڑے، (آژنگ) جان — فارسی چھینکے کی تو (آونگ) جان
مَسّا (آژخ) اور چھالا (آبلہ) — اور ہے دائی جنائی (قابلہ)
اونٹ (اُشتُر)، اور (اُشغُر) سیہ ہے — گوشت ہے (لحم)، اور چربی (پیہ) ہے ۵
ہے (زَنَخ) ٹھوڑی، گلا ہے (حَنجرہ) — سانپ ہے (مار)، اور جھینگر (زَنجرہ)
ہے (زَنَخ) ٹھوڑی. (ذَقَن) بھی ہے وہی — (خاد) ہے چیل، اور (زَغَن) بھی ہے وہی
پھر (غَلیواز) اُس کو کہیے، جو ہے چیل — چیونٹی ہے (مور) اور ہاتھی ہے (پیل)
لومڑی (روباہ)، اور (آہو) ہِرَن — (شمس) سورج، اور (شُعاع) اُس کی کِرَن
(اسپ) جب ہندی میں گھوڑا نام پائے — (تازیانہ) کیوں نہ کوڑا نام پائے ۱۰
(گربہ) بلّی، (مُوش) چوھا، (دام) جال — (رِشتہ) تاگا، (جامہ) کپڑا، (قحط) کال
(خَر) گدھا، اور اُس کو کہتے ہیں (اُلاغ) — (دیگداں) چولھا، جسے کہیے (اُجاغ)
ہندی چڑیا، فارسی (کُنجشک) ہے — مینگنی جس کو کہیں، وہ (پِشک) ہے
(تابہ) ہے، بھائی، توے کی فارسی — اور (تیہو) ہے لَوے کی فارسی
نام مکڑی کا (کَلاش) اور (عَنکبوت) — کہتے ہیں مچھلی کو (ماھی) اور (حُوت) ۱۵
(پَشّہ) مچّھر، اور مَکّھی ہے (مَگس) — (آشیانہ) گھونسلا، پنجرہ (قَفَس)
بھیڑیا (گُرگ) اور بکری (گوسپند) — (میش) کا ہے نام بھیڑ، اے خود پسند
نام (گل) کا پھول، (شبنم) اوس ہے — جس کو نقّارہ کہیں، وہ (کُوس) ہے
(سَقف) چھت ہے، (سَنگ) پتھر، اینٹ (خِشت) — جو بُرا ہے، اُس کو ہم کہتے ہیں (زِشت)
(خار) کانٹا، (داغ) دھبّا، (نغمہ) راگ — (سیم) چاندی، (مِس) ہے تانبا، (بَخت) بھاگ ۲۰

---

۳ الف، نسخۂ دھلی، مونھہ - ۵ الف، نسخۂ کانپور، اسغر - ۱۲ ب، نسخۂ دھلی، چھولا - ۱۹ الف، نسخۂ دھلی، خشت اینٹ (سہو کاتب) -

(زر) ھے سونا، اور (زرگر) ھے سُنار ‏ (مَوز) کیلا، اور ککڑی ھے (خِیار)

(رِیش) داڑھی، موچھ (سَبلَت) اور (بُرُوت) ‏ (احمق) اور (نادان) کو کہتے ھیں اُوت

زندگانی ھے (حیات)، اور (مرگ) مَوت ‏ (شُوے) خاوند، اور ھے (آنباغ) سَوت

(جمله) سب، اور (نصف) آدھا، (رُبع) پاؤ ‏ (صَرصَر) آندھی، (سَیل) نالا، (باد) باؤ

۵ ھے (جَراحت) اور (زخم) اور گھاؤ (رِیش) ‏ بھینس کو کہتے ھیں، بھائی، (گاومیش)

(هفت) سات، اور (هشت) آٹھ، اور (بست) بیس ‏ (مِی) اگر کہیے، تو هندی اُس کی تیس

ھے (چِہل) چالیس، اور (پَنجه) پچاس ‏ (ناامیدی) یاس، اور (اُمّید) آس

(دوش) کل کی رات، اور (اِمروز) آج ‏ (آرد) آٹا اور (غلّه) ھے اناج

چاهیے ھے ماں کو (مادر) جاننا ‏ اور بھائی کو (برادر) جاننا

۱۰ پھاوڑا (بیل) اور درانتی (داس) ھے ‏ فارسی (کاه) اور هندی گھاس ھے

سبز هو جب تک، اُسے کہیے (گِیاه) ‏ خشک هو جاتی ھے، تب کہتے هیں (کاه)

(چَکسه) پُڑیا، (کِیسے) کا تھیلی ھے نام ‏ فارسی میں ڈھپے کا (سَیلی) ھے نام

(آخاَگَندو) جُھنجُھنا (نَیرو) ھے زور ‏ (بادفر) پھرکی ھے، اور ھے (دُزد) چور

(انگبیں، شهد) اور (عسل)، یه، اے عزیز ‏ نام کو هیں تین، پر ھے ایک چیز

۱۵ (آجُل) اور (آروغ) کی هندی ڈکار ‏ (مے) شراب، اور پینے والا (میگُسار)

روئی کو کہتے هیں (پَنبه) سُن رکھو ‏ آم کو کہتے هیں (آنبه) سُن رکھو

(خانه) گھر ھے، اور کوٹھا (بام) ھے ‏ قَلعه (دِژ)، کھائی کا (خَندق) نام ھے

ھے بِنولا (پَنبه دانه) لاکلام ‏ اور تَربُز (هِندوانه) لاکلام

گر (دریچه) فارسی کھڑکی کی ھے ‏ (سرزَنِش) بھی فارسی جِھڑکی کی ھے

---

۲ الف، نسخۂ دهلی، ریش دهاڑی۔ ‏ ۶ الف، نسخۂ دهلی، هفت ساتھ۔ ‏ ۷ الف، نسخۂ دهلی، پنجاه۔ ‏ ۹ الف، نسخۂ دهلی، ما کو۔ ‏ ۱۰ الف، نسخۂ دهلی، دانتی۔ ‏ ۱۲ الف، نسخۂ دهلی، کیسه۔ ‏ ب، نسخۂ دهلی، دهپه۔ ‏ ۱۳ الف، نسخۂ کانپور، اخلکدو۔

ہے کہانی کی (فَسانہ) فارسی　　اور شعلے کی (زبانہ) فارسی
(نعل در آتش) اُسی کا نام ہے　　جو کہ بے چین اور بے آرام ہے
(پست) اور سَتّو کو کہتے ہیں (سَویق)　　(ژرف) اور گہرے کو کہتے ہیں (عَمیق)
(تار) تانا، (پُود) بانا، یاد رکھ　　(آزمودن) آزمانا یاد رکھ
(بوسہ) مَچّھی، چاہنا ہے (خواستن)　　کم ہے (اندك)، اور گھٹانا (کاستن) ۵
خوش رہو، ہنسنے کو (خندیدن) کہو　　گر ڈرو، ڈرنے کو (تَرسیدن) کہو
ہے (ہِراسیدن) بھی ڈرنا، کیوں ڈرو ؟　　اور (جنگیدن) ہے لڑنا، کیوں لڑو ؟
ہے گزرنے کی (گزشتن) فارسی　　اور پھرنے کی ہے (گشتن) فارسی
وہ (سُرُودن) ہے، جسے گانا کہیں　　ہے وہ (آوردن)، جسے لانا کہیں
(زیستن) کو، جانِ من، جینا کہو　　اور (نوشیدن) کو تم پینا کہو ۱۰
دوڑنے کی فارسی ہے (تاختن)　　کھیلنے کی فارسی ہے (باختن)
(دوختن) سینا، (دریدن) پھاڑنا　　(کاشتن) بونا ہے، (رُفتن) جھاڑنا
(کاشتن) بونا ہے، اور (کِشتن) بھی ہے　　کاتنے کی فارسی (رِشتن) بھی ہے
ہے ٹپکنے کی (چکیدن) فارسی　　اور سُننے کی (شُنیدن) فارسی
کودنا (جَستن)، (بُریدن) کاٹنا　　اور (لِیسیدن) کی ہندی چاٹنا ۱۵
دیکھنا (دیدن)، (رمیدن) بھاگنا　　جان لو، (بیدار بودن) جاگنا
(آمدن) آنا، بنانا (ساختن)　　ڈالنے کی فارسی (انداختن)
(سوختن) جلنا، چمکنا (تافتن)　　ڈھونڈھنا (جُستن) ہے، پانا (یافتن)
باندھنا (بستن)، (کشادن) کھولنا　　(داشتن) رکھنا ہے، (سُختن) تولنا
تولنے کو اور (سنجیدن) کہو　　پھر خفا ہونے کو (رَنجیدن) کہو ۲۰

۱ ب، نسخۂ دہلی، شعلہ کی زبانا - ۳ ب، نسخۂ دہلی، ژرف اور گہڑے کو - ۵ ب، نسخۂ کانپور، کم ہے تھوڑا اور گھٹنا - ۸ الف، نسخۂ دہلی، گذرنے کی گذشتن - ۱۴ ب، نسخۂ دہلی، اور سنے کی (بتشدید نون) - ۲۰ الف، نسخۂ کانپور، تولنا سختن اور سنجیدن کہو

فارسی سونے کی (خُفتن) جانیے — منہ سے کچھ کہنے کو (گُفتن) جانیے

کھینچنے کی ہے (کشیدن) فارسی — اور اُگنے کی (دَمیدن) فارسی

اونگھنا پوچھو، (غُنودن) جان لو — مانجھنا چاھو، (زَدُودن) جان لو

ہے قلم کا فارسی میں (خامہ) نام — ہے غزل کا فارسی میں (چامہ) نام

۵ کس کو کہتے ہیں غزل؟ ارشاد ہو — ہاں، غزل پڑھیے، سبق گر یاد ہو

غزل

صبح سے دیکھیں گے رستا یار کا — جمعے کے دن وعدہ ہے دیدار کا

وہ چُراوے باغ میں میوہ جسے — پھاند جانا یاد ہو، دیوار کا

پُل ہی پر سے پھیر لائے ہم کو لوگ — ورنہ، تھا اپنا ارادہ پار کا

شہر میں چھڑیوں کے میلے کی ہے بھیڑ — آج عالم اور ہے بازار کا

۱۰ لال ڈگّی پر کرے گا جا کے کیا؟ — پُل پہ چل، ہے آج دن اتوار کا

گر نہ ڈر جاؤ، تو دکھلاؤں تمھیں — کاٹ، اپنی کاٹھ کی تلوار کا

واہ بے! لڑکے، پڑھی اچھّی غزل — شوق، ابھی سے ہے تجھے، اشعار کا

لو سنو کل کا سبق، آجاؤ تم — پُوزی (آفسار) اور دُمچی (پاردُم)

چھلنی کو (غِربال، پَرویزن) کہو — چھید کو تم (رَخنہ) اور (رَوزَن) کہو

۱۵ (چِہ) کے معنی کیا، (چِگویم) کیا کہوں — (من شوم خاموش) میں چپ ہو رہوں

(باز خواہم رفت) میں پھر جاؤں گا — (نان خواہم خورد) روٹی کھاؤں گا

فارسی کیوں کی (چِرا) ہے، یاد رکھ — اور گھنٹا لا (دِرا) ہے، یاد رکھ

(دشت)، (صحرا) اور جنگل ایک ہے — پھر (سِہ شنبہ) اور منگل ایک ہے

جس کو (ناداں) کہیے وہ انجان ہے — فارسی بینگن کی (بادِنجان) ہے

---

۱ ب، نسخۂ دھلی، مونہہ سے۔ ۳. نسخۂ کانپور میں اس کی جگہ یہ شعر ہے: اونگھنے کی ہے غنودن فارسی مانجنے کی ہے زدودن فارسی ۶ الف، نسخۂ دھلی، رستہ۔ ب، نسخۂ دھلی، جمعہ۔ ۹ الف، نسخۂ کانپور، میلے کی ہے دھوم۔ ۱۱ ب، نسخۂ دھلی، کاٹ کی تلوار۔ ۱۳ ب. نسخۂ کانپور، پارہ دم۔ ۱۴ الف، نسخۂ کانپور، غربال و پرویزن۔ ب. نسخہ کانپور، چھید کو رخنہ بھی اور روزن کہو ۱۷ ب، نسخۂ کانپور، اور گھنٹے کی درا ہے، یاد رکھ

جس کو کہتے ہیں جمائی، (فازہ) ہے — جو ہے انگڑائی، وہی (خمیازہ) ہے

(پارہ) کہتے ہیں کپڑے کو، ہم سے پوچھ — پھاڑ ہے (تالار)، ایک عالم سے پوچھ

جس طرح گہنے کی (زیور) فارسی — اُس طرح ہنسلی کی (یرگر) فارسی

بِھڑ کی، بھائی، فارسی (زَنبور) ہے — دسپنا (آنبُر) ہے اور (آنبُور) ہے

فارسی (آئینہ)، ہندی آرسی — اور ہے کنگھے کی، (شانہ)، فارسی ۵

هینگ (آنگوُزہ) ہے، اور (آرزیر) رانگ — (ساز) باجا، اور ہے آواز (بانگ)

(زَوجہ) جورُو، (یَزنہ) بہنوئی کو جان — (خشم) غصّے اور بدخوئی کو جان

لوہے کو کہتے ہیں (آہن) اور (حدید) — جو نئی ہو چیز، اُسے کہیے (جدید)

ہے (نَوا) آواز، سامان اور اُول — (نِرخ)، (قیمت) اور (بَہا) یہ سب ہیں مول

(سِیر) لہسن، (تُرب) مولی، (تَرّہ) ساگ — کہا (بخُور)، برخیز اُٹھ، (بگریز) بھاگ ۱۰

روئی کی پونی کا ہے (پاغُند) نام — (دُوک) تکلے کو کہیں گے لاکلام

(گیتی) اور (گیہاں) ہے دُنیا، یاد رکھ — اور ہے (ندّاف) دُھنیا، یاد رکھ

(کوہ) کو ہندی میں کہتے ہیں پہاڑ — فارسی (گُلخَن) ہے، اور ہندی ہے بھاڑ

تکیہ (بالِش)، اور بچھونا، بسترا — اصل (بستر) ہے، سمجھ لو تم ذرا

بِسترا بولیں سپاہی اور فقیر — ورنہ (بِستر) کہتے ہیں بَرنا و پیر ۱۵

(پیر) بوڑھا اور (بَرنا) ہے جوان — جان کو البتہ کہتے ہیں (رَوان)

اینٹ کے گارے کا نام (آژند) ہے — ہے (نصیحت) بھی وہی، جو (پَند) ہے

(پند) کو (آندرز) بھی کہتے ہیں، ہاں — (آرض) ہے، پر (مَرز) بھی کہتے ہیں، ہاں

کیا ہے (آرض) اور (مَرز)، تم سمجھے؟ (زمیں) — (عُنق) گردن، اور پیشانی (جَبیں)

---

۲ ب، نسخۂ کانپور، اک عالم۔ ۴ الف، نسخۂ کانپور، بھڑ کی، دیکھو، فارسی زنبور ہے۔ ۶ الف، نسخۂ دہلی، هینگ ہے انگوزہ، ہے ارزیر رانگ۔ ۷ ب، نسخۂ دہلی، غصہ۔ ۸ ب، نسخۂ کانپور، جو نئی ہے چیز۔ ۱۱ الف، نسخۂ کانپور، پاغند۔

(آس) چکّی، (آسیا) مشہور ھے — اور (فوفَل) چھالیا مشہور ھے
بانسلی (نَے) اور (جَلاجِل) جھانجھ ھے — پھر (سترَون) اور (عَقیمہ) بانجھ ھے
(کُحل) سُرمہ، اور سلائی (مِیل) ھے — جس کو جھولی کہیے، وہ (زَنبیل) ھے
پایا قادر نامے نے آج اختتام — اک غزل تم اور پڑھ لو، والسلام!

غزل

۵ شعر کے پڑھنے میں کچھ حاصل نہیں — مانتا، لیکن ھمارا دل، نہیں
علم سے ھی قدر ھے انسان کی — ھے وھی انسان، جو جاھل نہیں
کیا کہیں کھائی ھے حافظ جی کی مار؟ — آج ھنستے آپ جو کِھل کِھل نہیں
کس طرح پڑھتے ھو، رُک رُک کر، سبق؟ — ایسے پڑھنے کا تو میں قائل نہیں
جس نے قادر نامہ سارا پڑھ لیا — اُس کو آمد نامہ کچھ مشکل نہیں



۴

۱۰ اے جہاں آفریں، خدائے کریم — صانعِ ھفت چرخ و ھفت اِقلیم[1]
نام مکلوڈ جن کا ھے مشہور — یہ ھمیشہ بصد نشاط و سرور

م الف، نسخۂ دھلی. قادر نامہ ۔

۱ — یہ مثنوی میرزا غالب کے مرتّبہ اُس بے نام اُردو کتابچے کے دیباچے کے آخر میں ملتی ھے، جو اُنھوں نے ھندوستان میں مقیم انگریزوں کو اردو سکھانے کے لیے اپنے منتخب رقعات اور اشعار پر مشتمل ترتیب دیا تھا۔ میرزا صاحب نے یہ کتابچہ جس زمانے میں میکلوڈ صاحب کی نذر کیا ھے، اُس زمانے میں وہ پنجاب کے فنانشل کمشنر تھے۔ تاریخِ پنجاب مصنفۂ دیبی پرشاد: ۱۹۷ سے معلوم ھوتا ھے کہ ۱۰ جنوری ۱۸۶۵ع کو منٹگمری نے پنجاب کی گورنری سے استعفا دیا، تو اُن کی جگہ میکلوڈ صاحب کا تقرّر کیا گیا۔ لہٰذا اِس کتابچے کو کم از کم ۱۸۶۴ع میں مرتب ھونا چاھیے۔ (باقی)

عمر و دولت سے شادمان رہیں! اور غالبؔ پہ مہربان رہیں!

(بقیہ) اس کی اصل ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب (الہ آباد) کے پاس محفوظ ہے وہ اپنے مکتوب بنامِ مالک رام صاحب مورخۂ ۸ فروری سنہ ۱۹۵۴ع میں تحریر فرماتے ہیں: «رقعاتِ غالب (انتخاب) میرے پاس بہت مدّت سے ہے۔ جب وہ نسخہ میری مِلک میں آیا تھا، اُسی دوران میں ایک صاحب نے اُسے مستعار لے کر نقل کر لیا (چھوٹا سا تو رسالہ ہے) اور چھپوا ڈالا۔ جو شخص میرے ہاتھ بیچ رہا تھا، اُس نے مجھے خبر کی۔ میں نے باوجود اس سانحے کے اُسے لے لیا۔ بعد کو چھپا ہوا نسخہ دیکھا۔ غارت کر کے چھپوایا تھا۔ پھر ایک شخص نے اُن حضرت کی اجازت سے لاہور میں چھپوایا۔ صورت بہتر، لیکن غلط جیسا وہ تھا ویسا یہ۔ اب میں خود چھپوانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔» : نقوش، خطوط نمبر ۳ : ٦٦، بابت اپریل مئی ۱۹٦۸ع۔

ڈاکٹر صاحب کا اشارہ محمد عبدالرزاق حیدرابادی متوفی ۱۵ دسمبر ۱۹٦۷ع کی طرف ہے، جنھوں نے اس کتابچے کو انتخابِ غالب کے نام سے سنہ ۱۳۴۵ ھش میں حیدرآباد سے شائع کیا تھا۔

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کتابچہ مرزا غالب کی حیات میں بھی چھپا تھا یا نہیں۔ لیکن مرزا صاحب نے اسی قسم کا ایک کتابچہ فارسی سکھانے کے لیے بھی «نکات و رقعات» کے نام سے مرتب کیا تھا، اور وہ فروری سنہ ۱۸٦۷ع میں مطبعِ سراجی دھلی میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اس کے پیش نظر بعید نہیں کہ یہ اردو کتابچہ بھی اُن کی زندگی میں چھپ چکا ہو۔ بہر حال چند درسی کتابوں کی ترتیب پر اُنھیں دربارِ گورنری میں موردِ تحسین قرار دیا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو تعارفِ نکات و رقعات از اکبر علی خاں۔

قصائد



ملاذِ کشور و لشکر، پناہِ شہر و سپاہ　　　جنابِ عالیِ ایلن برونِ والا جاہ[1]

۱ — یہ قصیدہ میرزا صاحب نے منشی شیونراین کی طرف سے مسٹر ایلن برون کے یہاں بیٹا پیدا ہونے کی مبارکباد پر لکھا تھا۔ چنانچہ منشی جی کو خط میں لکھتے ہیں: "کل آپ کا خط آیا۔ رات بھر میں نے فکرِ شعر میں خونِ جگر کھایا۔ ۲۱ شعر کا قصیدہ کہہ کر تمھارا حکم بجالایا۔ میرے دوست، خصوصاً میرزا تفتہ، جانتے ہیں کہ میں فنِ تاریخ کو نہیں جانتا۔ اس قصیدے میں ایک روشِ خاص سے سنہ ۱۸۵۸ع کا اظہار کردیا ہے۔ خدا کرے، تمھارے پسند آوے۔ تم خود قدردانِ سخن ہو، اور تین اُستاد اس فن کے تمھارے یار ہیں۔ میری محنت کی داد مل جائے گی"۔ (اردوے معلی: ۳۵۰، و خطوط ۱:۳۷۵)۔

ممدوح کا نام اردوے معلی اور خطوط دونوں میں ایلن برون ہے۔ اس نام کے کسی انگریز افسر کا مجھے پتا نہ چل سکا۔ ایک مشہور شخصیت ایلن برو گورنر جنرل کی ہے۔ مگر وہ اُس زمانے میں انگلستان میں بورڈ آف کنٹرول کے صدر تھے۔ بظاہر شیونراین کا اُن سے ایسا تعلق نہونا چاہیے کہ یہ اُنھیں انگلستان تک مبارکباد کا قصیدہ لکھوا کر بھیجیں۔ ہاں، اگر یہ قصیدہ ملکہ وکٹوریا کی مدح میں ہوتا، تو اُن کے توسّط سے ملکہ کی خدمت میں پیش ہونا تسلیم کرلیا جاتا، جس طرح میرزا صاحب نے ۱۸۴۵ع میں وکٹوریا کی مدح کا قصیدہ اُن کے پاس انگلستان بھیج کر پیش کرایا تھا۔

بُلند رتبہ وہ حاکم، وہ سرفراز امیر — کہ، باج تاج سے لیتا ہے، جس کا طرفِ کلاہ

وہ محضِ رحمت و رافت، کہ بہرِ اہلِ جہاں — نیابتِ دَمِ عیسیٰ کرے ہے، جس کی نگاہ

وہ عینِ عدل کہ دہشت سے جس کی پُرسش کی — بنے ہے، شعلۂ آتش، انیسِ پرّۂ کاہ

زمیں سے سُودۂ گوہر اُٹھے، بجاے غبار — جہاں ہو، توسنِ حشمت کا اُس کے جولاں گاہ

وہ مہرباں ہو، تو انجم کہیں: «الٰہی، شُکر!» — وہ خشمگیں ہو، تو گردوں کہے: «خدا کی پناہ!» ۵

ق

یہ، اُس کے عدل سے اَضداد کو ہے، آمیزش — کہ دشت و کوہ کے اَطراف میں، بہرِ سَرِ راہ

ہِزَبر، پنجے سے لیتا ہے کام شانے کا — کبھی جو، ہوتی ہے اُلجھی ہوئی، دُمِ روباہ

نہ آفتاب، ولے آفتاب کا ہم چشم — نہ بادشاہ، ولے مرتبے میں ہمسرِ شاہ

خدا نے اُس کو دیا ایک خوبرو فرزند — ستارہ جیسے چمکتا ہوا بہ پہلوے ماہ

زہے! ستارۂ روشن، کہ جو اُسے دیکھے — شُعاعِ مہرِ درخشاں ہو، اُس کا تارِ نگاہ ۱۰

خدا سے ہے یہ توقّع کہ عہدِ طفلی میں — بنے گا، شرق سے تا غرب، اِس کا بازی گاہ

جوان ہو کے کرے گا، یہ، وہ جہانبانی — کہ تابع اِس کے ہوں روز و شبِ سپید و سیاہ

کہے گی خلق اِسے: «داورِ سپہر شکوہ» — لکھیں گے لوگ اِسے: «خسروِ ستارہ سپاہ»

عطا کرے گا خداوندِ کارساز اِسے — روانِ روشن و خوے خوش و دلِ آگاہ

ملے گی اِس کو وہ عقلِ نہفتہ داں کہ اِسے — پڑے نہ، قطعِ خُصومت میں، احتیاجِ گواہ ۱۵

یہ، تُرکتاز سے، برہم کرے گا کِشورِ روس — یہ لے گا، بادشہِ چیں سے، چھین تخت و کلاہ

سِنینِ عیسوی اٹّھارہ سو اور اٹّھاون — یہ چاہتے ہیں جہاں آفریں سے، شام و پگاہ

یہ جتنے سینکڑے ہیں، سب ہزار ہو جاویں — دراز اِس کی ہو عمر اس قدر، سخن کوتاہ

اُمیدوارِ عنایات، شیو نارائن — کہ آپ کا ہے نمک خوار اور دولت خواہ

۶، اردوے معلی ۳۵۰، خطوط ۱:۲۷۵ (ق)، ندارد۔ ۷ الف، اردوے معلی، خطوط، پنجہ۔ ۸ ب، اردوے معلی، مرتبہ۔
۱۸ الف، اردوے معلی، سینکڑیں۔

یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں عِزّ و جاہ کے ساتھ　　تمھیں اور اِس کو سلامت رکھے سدا، اللہ!



۲

گِنی ہیں سال کے رشتے میں بیس بار گِرہ　　ابھی حساب میں باقی ہیں، سو ہزار گرہ[۱]

---

۲ الف. طاہر، رشتہ۔

---

۱ — یہ قصیدہ راجہ شیودان سنگھ والیِ الور کی شان میں لکھا گیا ہے۔ مصرعِ اوّل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اُن کی ۲۰ ویں سالگرہ کا جشن منایا جارہا تھا۔ چونکہ وہ، راجہ بنی سنگھ کے ۱۸۵۷ع میں مرنے پر، ۱۳ برس کی عمر میں مسند نشین ہوے، اور ستمبر ۱۸۶۳ع میں بلوغ کو پہنچ کر بااختیار کیے گئے (ریاض الامرا مصنفۂ مولوی رحمن علی خاں: ۹۴، طبعِ نولکشور ۱۸۷۳ع)، اس حساب سے یہ قصیدہ اسی مہینے میں لکھ کر پیش کیا گیا ہوگا۔

رہی اس کی اشاعت، تو یہ سب سے پہلے رسالۂ اردو، اکتوبر ۱۹۲۵ع میں شائع ہوا تھا۔ علاوہ ازیں یہ دیوانِ غالب کے طاہر ایڈیشن: ۱۴۰ (مطبوعہ ۱۹۳۶ع) میں بھی شامل ہے۔ طاہر ایڈیشن کی بنیاد ایک ایسا مخطوطہ ہے جو حسین میرزا ابنِ حسام الدین حیدر خاں نے غالب کی حیات میں پنجشنبہ ۶ جمادی الثانی ۱۲۷۷ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۸۶۰ع کو کتابت کر کے تمام کیا ہے اور غالب کی نظر سے گزر چکا ہے۔ لیکن اس میں کچھ ایسا کلام بھی ہے جو متداول دیوان سے زیادہ ہے۔ اس کے بارے میں آغا طاہر مرتبِ طاہر ایڈیشن نے یہ نہیں بتایا کہ یہ کلام اُنھیں مستعملہ مخطوطے میں ملا یا دوسرے ذرائع سے جمع کیا گیا۔ چونکہ یہ کلام اِس ایڈیشن کی طباعت سے پہلے مختلف رسائل و اخبارات میں شائع ہو چکا تھا، اس لیے ہوسکتا ہے کہ یہ سب حسین میرزا کے مخطوطے میں نہ ہو۔ تاہم اس قصیدے کے شعر: متاعِ عیش کا ہے الخ اور آئندہ قصیدے کے شعر: بزم گہ میں امیرِ شاہ نشاں الخ سے پہلے لفظ «تتمہ» لکھا ہوا ہے۔ یہ لفظ تازہ کلام کے حاشیے پر اضافے کی صورت میں جگہ ختم ہو جانے کے بعد بقیّہ حصّۂ کلام دوسرے صفحے کے حاشیے پر درج (باقی)

گرہ کی ہے یہی گنتی کہ تا بروزِ شمار — ہوا کرے گی ہر اک سال آشکار، گرہ
یقین جان، برس گانٹھ کا جو تاگا ہے — یہ کہکشاں ہے،کہ ہیں اس میں بے شُمار گرہ
گرہ سے اور گرہ کی اُمید کیوں نہ بڑھے؟ — کہ ہر گرہ کی گرہ میں ہیں، تین چار گرہ
دکھا کے رشتہ، کسی جوتشی سے پوچھا تھا — کہ «دیکھ کتنی، اُٹھالاے گا یہ تار، گرہ؟»
کہا کہ «چرخ پہ ہم نے گِنی ہیں نو گرہیں — جو یاں گِنیں گے، تو پاویں گے نو ہزار گرہ» ۵
خود آسماں ہے مہاراؤ راجہ پر صدقے — کرے گا سینکڑوں، اس تار پر نثار، گرہ
وہ راؤ راجہ بہادر کہ حُکم سے جن کے — رواں ہو تار پہ فی الفور، دانہ وار، گرہ
اُنھیں کی سالگرہ کے لیے ہے سال بسال — کہ لاے غیب سے غنچوں کی، نوبہار، گرہ
اُنھیں کی سالگرہ کے لیے بناتا ہے — ہوا میں بوند کو، ابرِ تگرگ بار، گرہ
اُنھیں کی سالگرہ کی یہ شادمانی ہے — کہ ہو گئے ہیں، گہرہاے شاہوار، گرہ ۱۰
اُنھیں کی سالگرہ کے لیے ہے یہ توقیر[۱] — کہ بن گئے ہیں، ثمرہاے شاخسار، گرہ
سُن، اے ندیم، برس گانٹھ کے، یہ، تاگے نے — تجھے بتاؤں کہ کیوں کی ہے اختیار، گرہ؟

۱ ب، طاہر، پیشکار۔ ۲ الف، طاہر، جو ہے تاگا۔ ۳ الف، طاہر، کیوں نہ پڑے۔ ۵ ب، اردو، پائیں گے۔
۶ الف، اردو، مہاراجہ راو۔ ب، اردو، سیکڑوں۔ ۷ الف، اردو، وہ راجہ راو بہادر۔ ۸ الف، طاہر، انہی۔ آئندہ اشعار میں بھی یہی املا ہے۔

(بقیہ) کرنے سے پہلے لکھ دیا جاتا ہے تاکہ تسلسل معلوم ہو جائے۔ چنانچہ دیوانِ غالب فارسی (رضالائبریری، لوہارو کلکشن) کے ورق ۱۰۴ الف کے حاشیے پر میرزا غالب نے اپنا قصیدہ «تا چہ نیرنگ است ایں کاندر جہان آوردہ اند» اضافہ کرتے ہوے اس صفحے پر جگہ تمام ہوجانے کی وجہ سے قصیدے کا بقیّہ حصّہ ورق ۱۰۴ ب پر نقل کیا تو اس سے پہلے لفظ «تتمہ» لکھا۔ اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ طاہر ایڈیشن میں یہ قصیدے کسی رسالے سے نقل نہیں کیے گئے ہیں، بلکہ خود حسین میرزا کے نسخے کے حاشیے میں موجود تھے۔

۱ — ماخذوں میں یونہی ہے مگر میری دانست میں صحیح لفظ «توفیر» ہے۔

بے دعاے بقاے جناب فیض مآب
لگے گی، اس میں، ثوابت کی اُستوار گرہ

ہزار دانے کی تسبیح چاہتا ہے بنے
بلا مبالغہ، درکار ہے ہزار گرہ

عطا کیا ہے خدا نے وہ جاذبہ اُس کو
کہ چھوڑتا ہی نہیں، رشتہ، زینہار گرہ

کشادہ رُخ نہ پھرے کیوں؟ کہ اس زمانے میں
بچی نہ، از پئے بندِ نقابِ یار، گرہ

۵ متاعِ عیش کا، ہے، قافلہ چلا آتا
کہ جادہ رشتہ ہے، اور ہے شتر قطار گرہ

خدا نے دی ہے وہ، غالب کو، دستگاہِ سخن
کروڑوں ڈھونڈھ کے لاتا یہ خاکسار گرہ

کہاں مجالِ سخن؟ سانس لے نہیں سکتا
پڑی ہے، غم کی، مرے دل میں، پیچدار گرہ

گرہ کا نام لیا، پر نہ کر سکا کچھ بات
زباں تک آ کے، ہوئی اور اُستوار گرہ

کُھلے یہ گانٹھ، تو البتہ دم نکل جاوے
بُری طرح سے ہوئی ہے گلے کا ہار گرہ

۱۰ ادھر ہوگی، توجّہ حضور کی جب تک
کبھی کسی سے کُھلے گی نہ، زینہار گرہ

دعا یہ ہے کہ مخالف کے دل میں، از رہِ بُغض
پڑی ہے یہ جو بہت سخت نابکار گرہ

دل اُس کا پھوڑ کے نکلے، بشکل پھوڑے کے
خدا کرے کہ کرے اس طرح اُبھار گرہ!



۳

مرحبا! سالِ فرّخی آئیں
عیدِ شوّال و ماہِ فروردیں[1]

۱ الف، طاہر، ئیص، (سہو کاتب) - ۲ الف، طاہر، دانہ - طاہر، چاہتا ہے یہی - ۳ الف، طاہر، یہ جاذبہ - ۴ الف، طاہر، جب اس زمانہ - اردو، طاہر، بچے (سہو کاتب) - ۶ ب، اردو، کروروں، طاہر، کروڑ - ۷ ب، طاہر، دل میں مرے غم کی - ۹ الف، اردو، جاے - ۱۱ الف، طاہر، دعا ہے یہ - ۱۳ ب، طاہر، شوال ماہ -

۱ — یہ قصیدہ مرزا سعید الدین احمد خاں بہادر طالب دھلوی جاگیردارِ ریاستِ لوھارو کے ذریعے سے رسالۂ کمال دھلی کی اشاعتِ جنوری ۱۹۱۰ع میں شایع ہوا تھا - اس کے بعد البلاغ کلکتہ، ۱۷ مارچ ۱۹۱۶ع اور دبدبۂ سکندری رام پور، ۱۷ اپریل ۱۹۱۶ع میں چھپا - مولانا نظامی بدایونی نے بھی اپنے مرتبہ دیوانِ غالب کے آخر میں اسے غیر مطبوعہ کلام کے تحت درج کیا، اور یہ بھی لکھا کہ "یہ قصیدہ نواب کلبِ علی خاں بہادر والیِ رامپور کے غسل صحت کی مبارک تقریب میں لکھا گیا تھا - اُن کی یہ اطلاع رسالۂ کمال کے تمہیدی نوٹ پر مبنی تھی جس میں پیارے لال (باقی)

شب و روز، افتخارِ لیل و نہار | مه و سال، اشرفِ شُہور و سِنیں
گرچہ ہے بعد عید کے نوروز | لیک، بیش از سہ ہفتہ بُعد نہیں
سو، اس اکّیس دن میں، ہولی کی | مجلسیں، جا بجا، ہوئیں رنگیں
شہر میں، کُو بکُو، عبیر و گُلال | باغ میں سُو بسُو، گل و نسریں
شہر، گویا، نمونۂ گلزار | باغ، گویا، نگار خانۂ چیں ۵
تین تیوہار اور ایسے خوب | جمع ہرگز ہوئے نہوں گے کہیں
پھر ہوئی ہے اِسی مہینے میں | منعقد، محفلِ نشاط قریں
محفلِ غسلِ صحّتِ نوّاب | رونق افزائے مسندِ تمکیں
بزمگہ میں، امیرِ شاہ نشاں | رزمگہ میں، حریفِ شیر کمیں
پیشگاہِ حضور، شوکت و جاہ | خیرخواہِ جناب، دولت و دیں ۱۰
جن کی مسند کا، آسماں، گوشہ | جن کی خاتم کا، آفتاب، نگیں
جن کی دیوارِ قصر کے نیچے | آسماں، ہے گدائے سایہ نشیں

۴ الف، کمال البلاغ، ہولی کے - ۶ الف، کمال، طاہر، تہوار - ۸ ب، طاہر، مسند و تمکیں - ۱۰ الف، طاہر، پیشکار - ۱۱ ب، طاہر، جن کے (سہو کاتب) -

(بقیہ) رونق ایڈیٹر کمال نے سہواً اس قصیدے کو خلد آشیاں (نواب کلب علی خاں بہادر) کی مدح میں قرار دیا تھا - در اصل یہ نواب یوسف علی خاں بہادر ناظم کے جشنِ صحت کے موقع پر لکھا گیا تھا - اس لیے کہ اس میں عید، نوروز اور ہولی کا جمع ہونا تحریر ہے - امیر مینائی کے قطعۂ تاریخ (انتخابِ یادگار: ۵۰ و مرآۃ الغیب: ۳۴۰) سے معلوم ہوتا ہے کہ تیوہاروں کا یہ اجتماع نواب ناظم کے غسلِ صحت کے وقت ہوا تھا - امیر مینائی کے قطعے کا آخری مصرع یہ ہے: «مہینا عید کا، نوروز کا دن، روزِ صحّت ہے» - نیز منشی سیل چند کے نام میرزا صاحب کے مکتوب مورخۂ ۱۹ جنوری ۱۸۶۵ع سے پتا چلتا ہے کہ یہ قصیدہ ۲۵ دسمبر ۱۸۶۴ع اور ۸ جنوری ۱۸۶۵ع کے درمیان لکھا گیا تھا - مرض اور افاقے سے متعلق مکاتیبِ غالب، طبعِ چہارم، میں خطوط ۳۶ — ۴۴ و ۱۲۲ — ۱۲۴ اور اُن کے متعلقہ حواشی ملاحظہ ہوں -

دھر میں اس طرح کی بزمِ سرور — ہوئی ہو کبھی بروے زمیں

انجمِ چرخ، گوھر آگیں فرش — نورِ مَے، ماہ ساغرِ سیمیں

راجہ اِندر کا جو اکھاڑا ھے — ھے وہ بالاے سطحِ چرخِ بریں

وہ نظر گاہِ اہلِ وہم و خَیال — یہ، ضیا بخشِ چشمِ اہلِ یقیں

۵ واں کہاں یہ عطا و بذل و کرم — کہ جہاں گدیہ گر کا نام نہیں

یاں زمیں پر نظر جہاں تک جاے — ژالہ آسا، بچھے ھیں، دُرِّ ثمیں

نغمۂ مُطربانِ زُہرہ نوا — جلوۂ لُولیانِ ماہ جبیں

اُس اکھاڑے میں جو کہ ھے مظنوں — یاں، وہ دیکھا بچشمِ صورت بیں

سَرورِ مہر فَر ہوا جو سوار — ق بکمالِ تجمّل و تزئیں

۱۰ سب نے جانا کہ ھے پری توسَن — اور بالِ پری ھے، دامنِ زیں

نقشِ سُمِّ سمند سے، یکسر — بن گیا، دشت، دامنِ گلچیں

فوج کی گردِ راہ مُشک فشاں — رہرووں کے مَشام، عطر آگیں

بسکہ بخشی ھے فوج کو عزّت — فوج کا ہر پیادہ، ھے فرزیں

مَوکِبِ خاص، یوں زمیں پر تھا — جس طرح ھے سپہر پر، پرویں

۱۵ چھوڑ دیتا تھا گور کو، بہرام — ق ران پر داغِ تازہ دے کے، وھیں

اور داغ آپ کی غلامی کا — خاص بہرام کا ھے زیبِ سُریں

بندہ پرور، ثناطرازی سے — مدّعا، عرضِ فنِّ شعر نہیں

آپ کی مدح اور میرا مُنھ — گر کہوں بھی، تو کس کو آے یقیں

اور پھر اب، کہ ضعفِ پیری سے — ہوگیا ہوں نزار و زار و حزیں

---

۳ الف، طاہر، اکھاڑہ ۔ ۵ ب، طاہر: داد گر کا نام (سہو کاتب) ۔ ۷ ب، طاہر، بولیان (سہو کاتب) ۔

۹ کامل، بدایوں، طاہر «ق» ندارد ۔ ۱۱ الف، البلاغ، سمند ھے (سہو کاتب؟) ۔ ۱۵ کامل، بدایوں «ق» ندارد ۔

۱۸ ب، کامل، آئے کس کو ۔

پیری و نیستی، خدا کی پناہ! | دستِ خالی و خاطرِ غمگیں
صرف، اظہار ہے، ارادت کا | ہے قلم کی، جو سجدہ ریز، جبیں
مدح گستر نہیں، دعا گو ہے | غالبِ عاجزِ نیاز آگیں
ہے دعا بھی یہی کہ دنیا میں | تم رہو زندہ جاوداں، آمیں!



کرتا ہے، چرخ، روز بصد گونہ احترام [10] | فرمانروائے کشورِ پنجاب کو، سلام [1]

---

۲ ب، کمال، بدایوں، ارمغان غالب، ہے قلم کو (کمال، کی) جو سجدہ ریز زمیں۔ طاہر، ہے قلم کے جو سجدہ زیر جبیں ۳ ب، طاہر، نیاز گزیں۔

---

۱ — «مرزا غالب مرحوم کا ایک غیر مطبوعہ قصیدہ» کے عنوان سے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اخبار الہلال ۱۷ جون ۱۹۱۴ء میں ایک مضمون لکھا تھا، جسے رسالۂ زمانہ کانپور، جولائی ۱۹۱۴ء، میں بھی نقل کیا گیا۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ لارڈ کیننگ کے دربارِ آگرہ منعقدۂ ۱۳ جنوری سنہ ۱۸۶۰ء کے موقع پر میرزا صاحب نے لکھا تھا۔ لیکن میری دانست میں یہ تاریخ درست نہیں۔ اوّل اس بنا پر کہ اس میں میکلوڈ صاحب کو فرمانروائے پنجاب بتایا ہے، اور وہ ۱۰ جنوری سنہ ۱۸۶۵ء کو منٹگمری کے مستعفی ہونے کے بعد، فنانشل کمشنریِ پنجاب کے عہدے سے ترقّی پا کر، لفٹنٹ گورنر پنجاب ہوئے تھے۔ (تاریخِ پنجاب از منشی دیبی پرشاد: ۱۹۷، مطبعِ نولکشور لکھنو ۱۸۷۲ء)۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اس کے ۱۹ ویں شعر میں ریل کے کھلنے کا ذکر ہے۔ اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۸۵۷ء میں ایسٹ انڈیا ریلوے کلکتے سے رانی گنج تک، جو ۱۲۰ میل کا فاصلہ ہے، جاری تھی۔ تعمیر کا کام برابر دلّی تک جاری رہا۔ پہلے (باقی)

حق گوے وحق پرست وحق اندیش وحق شناس — نوّابِ مُستطاب، امیرِ شہ احتشام
جَم رتبہ میکلوڈ بہادر کہ وقتِ رزم — تُرکِ فلک کے ہاتھ سے، وہ، چھین لیں حُسام
جس بزم میں کہ ہو اُنھیں آہنگِ مَیکشی — واں، آسمان شیشہ بنے، آفتاب جام
چاھا تھا میں نے، تم کو مہِ چاردہ کہوں — ق — دل نے کہا کہ «یہ بھی ھے تیرا خَیالِ خام
۵ دو رات میں تمام ھے، ہنگامہ ماہ کا — حضرت کا عِزّ و جاہ رھے گا عَلی الدّوام»
سچ ھے تم آفتاب ہو، جس کے فُروغ سے — دریاے نور ھے، فلکِ آبگینہ فام
میری سنو، کہ آج تم اِس سرزمین پر — حق کے تَفَضّلات سے، ہو مرجعِ اَنام
اخبارِ لودھیانہ میں میری نظر پڑی — تحریر ایک، جس سے ہوا بندہ تلخ کام

---

۲ الف، الہلال، مکلوڈ ـ طاہر، مگلوڈ ـ ۳ الف، الہلال، ارمغان غالب، آئین میکشی ـ ۴ طاہر «ق» ندارد ـ
۸ الف، طاہر، لدھیانہ (سہو کاتب) ـ

(بقیہ) آگرے سے جمنا کے غربی کنارے کے ساتھ ساتھ داغ بیل ڈالی گئی ـ شورشِ ۱۸۵۷ع کے بعد اُس کی جگہ ٹونڈلا جنکشن سے علی گڑھ ہوتی ہوئی جمنا کے مشرقی کنارے چولا تک کا حصہ سنہ ۱۸۶٤ع میں کھولا گیا ـ اُس وقت جمنا کا پل بن رہا تھا ـ سنہ ۱۸۶۶ع کے آخر میں یہ پل بن کر تیّار ہوا اور یکم جنوری ۱۸۶۷ع کو پہلی بار اس پر سے ریل گزری ـ (واقعاتِ دارالحکومتِ دھلی ۱:۷٤۳ و ۲:۲۲۳)ـ
تیسرے اس وجہ سے کہ ۱۳ ویں شعر میں میرزا صاحب نے اپنی عمر ۷۰ برس کی بتائی ھے ـ چونکہ اُن کا سالِ پیدایش ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۷ع) ھے، اور ان میں ۷۰ کا اضافہ کیا جائے، تو ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۷ع) ہوتے ہیں ـ اس صورتِ حال کے پیش نظر یہ قصیدہ جنوری ۱۸۶۷ع کے پہلے کا نہیں ہوسکتا ـ اور چونکہ اس کے ۱٤ ویں شعر میں ۱۳ جنوری کا ذکر ھے، لہذا اس تاریخ کے بعد کا ہونا چاھیے ـ

ٹکڑے ہوا ہے، دیکھ کے تحریر کو، جگر
کاتب کی آستیں ہے، مگر، تیغ کا نیام

وہ فرد، جس میں نام ہے میرا غلط لکھا
جب یاد آگئی ہے، کلیجا لیا ہے تھام

سب صورتیں بدل گئیں، ناگاہ، یک قلم
لمبر رہا، نہ نذر، نہ خِلعت کا اِنتظام

ستّر برس کی عمر میں یہ داغِ جانگُداز
جس نے، جلا کے، راکھ مجھے کر دیا تمام

تھی، جنوری مہینے کی تاریخ، تیرھویں
اِستادہ ہو گئے لبِ دریا پہ جب خِیام ۵

اُس بزمِ پُرفُروغ میں، اِس تِیرہ بخت کو
لمبر ملا نشیب میں، از روے اہتمام

سمجھا اُسے گِراب، ہوا پاش پاش، دل
دربار میں جو، مجھ پہ چلی، چَشمکِ عوام

عزّت پہ، اہلِ نام کی ہستی کی، ہے، بِنا
عزّت جہاں گئی، تو نہ ہستی رہی، نہ نام

تھا ایک گونہ ناز جو اپنے کمال پر
اُس ناز کا، فلک نے لیا مجھ سے، انتقام

آیا تھا، وقت ریل کے کُھلنے کا بھی، قریب
تھا بارگاہِ خاص میں خِلقت کا اِزدحام ۱۰

اس کشمکش میں آپ کا مدّاحِ دردمند
آقاے نامور سے نہ کچھ کر سکا کلام

جو واں نہ کہ سکا، وہ لکھا ہے حضور کو
دیں آپ میری داد، کہ ہوں فَائزُالمرام

ملک و سپہ نہو، تو نہو، کچھ ضرر نہیں
سلطانِ بَرّ و بحر کے در کا، ہوں میں، غلام

وکٹوریا کا، دہر میں جو، مدح خوان ہو
شاہانِ عصر، چاہیے، لیں عزّت اُس سے وام

خود، ہے تدارک اس کا، گورمنٹ کو ضرور
بے وجہ کیوں ذلیل ہو، غالب ہے جس کا نام ۵

امرِ جدید کا، تو نہیں ہے مجھے، سوال
بارے قدیم قاعدے کا، چاہیے، قیام

---

۱ ب، الہلال، ارمغان غالب، تیغ بے نیام (سہو کاتب)۔ ۲ ب، طاہر، ارمغان غالب، کلیجہ (سہو کاتب)۔ ۳ ب، الہلال، طاہر، ارمغان غالب، نمبر (سہو کاتب)۔ ۵ ب، طاہر، بز فروغ (سہو کاتب)۔ یہی سہو شرح ملسیانی: ۱۴۴ طبع اول، میں بھی ہوا ہے۔ ۶ الف، طاہر، جو خیام۔ ب، الہلال، طاہر، ارمغان غالب، نمبر۔ ارمغان غالب، نشست میں (ہر دو سہو کاتب)۔ ۷ الف، طاہر، گر آب (سہو کاتب)۔ یہی سہو شرح ملسیانی میں بھی ہوا ہے۔ ارمغان غالب، گر اب تو، (سہو کاتب)۔ ۸ الف، الہلال، ارمغان غالب، نام کے۔ طاہر، کی تھی۔ ۱۰ ب، ارمغان غالب، طاہر، اژدھام (سہو کاتب)۔ ۱۲ الف، ارمغان غالب، نہ کر سکا تھا وہ لکھا حضور کو۔ ۱۴ الف، طاہر، ارمغان غالب، وکٹوریہ (سہو کاتب)۔ ۱۵ الف، ارمغان غالب، گورنمنٹ (سہو کاتب)۔ ۱۶ الف، طاہر، امر جدید کا نہیں ہے سوال (سہو کاتب)۔ ب، طاہر، قاعدہ۔

ھے بندے کو اِعادۂ عزّت کی آرزو — چاھیں اگر حضور، تو مشکل نہیں یہ کام

دستورِ فنِّ شعر یہی ھے، قدیم سے — یعنی، دعا پہ مدح کا، کرتے ھیں اختتام

ھے یہ دعا کہ زیرِ نگیں آپ کے رھے — اِقلیمِ ھند و سند سے تا ملکِ روم و شام!

---

۱ الف، طاہر، ارمغان غالب، بندہ ۔ ۲ الف، طاہر، نہیں ہے قدیم سے (سہو کاتب) ۔ ب، طاہر، یعنی دعا کا مدح پہ (سہو کاتب) ۔ ۳ ب، الہلال، طاہر، ھندو سندھ ۔

مرثیہ

۱

ہاں، اے نفسِ بادِ سحر، شعلہ فشاں ہو	اے دجلۂ خوں، چشمِ ملائک سے رواں ہو[۱]
اے زمزمۂ قُم، لبِ عیسی پہ فغاں ہو	اے ماتمیانِ شہِ مظلوم کہاں ہو؟

بگڑی ہے بہت بات، بنائے نہیں بنتی
اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں بنتی

۱ الف، بیاض علائی: ۱۱۱ ب، باد صبا - ب، بیاض، ملائک میں - رد واقعات انیس: ۲۸ میں یہ بند کا تیسرا مصرع ہے -
۲ ب، جلوۂ خضر، رد واقعات، شہ معصوم - لیکن سرو ریاض میں مظلوم ہی ہے -

۱ — خواجہ حالی نے یادگارِ غالب: ۹۱ میں لکھا ہے کہ «ایک بار غالباً مجتہد العصر سید محمد صاحب مرحوم و مغفور نے مرزا سے اس بات کی خواہش کی کہ اردو میں جنابِ سیّد الشہدا کا مرثیہ لکھیں - چونکہ مرزا اُن کی بہت تعظیم کرتے تھے اور اُن کے سوال کو رد کرنا نہیں چاہتے تھے، اُن کے حکم کی تعمیل کے لیے مرثیہ لکھنے بیٹھے - چونکہ اس کوچے میں کبھی قدم نہ رکھا تھا، اور فرمایش ایسی چیز کی ہوئی تھی جس کو اور لوگ حدِ کمال تک پہنچا چکے تھے اور قوا میں انحطاط شروع ہوگیا تھا، مشکل سے مسدس کے تین بند لکھے، جن میں سے پہلا بند ہم کو یاد ہے اور یہاں نقل کیا جاتا ہے.... ایک یہ اور دو بند اور لکھ کر مجتہد العصر کی خدمت میں بھیج دیے اور صاف لکھ بھیجا کہ یہ تین بند صرف امتثالِ امر کے لیے لکھے ہیں، ورنہ میں اس میدان کا مرد نہیں ہوں -(باقی)

تابِ سخن و طاقتِ غوغا نہیں ہم کو ماتم میں شہِ دیں کے ہیں، سودا نہیں ہم کو
گھر پھونکنے میں اپنے، مُحابا نہیں ہم کو گر چرخ بھی جل جائے، تو پروا نہیں ہم کو
یہ خرگہِ نُہ پایہ جو مدّت سے بپا ہے
کیا خیمۂ شبّیر سے رتبے میں سِوا ہے؟

---

۳ الف، سرو ریاض، جلوۂ خضر، رد واقعات، بجا - ب، جلوۂ خضر، رتبہ -

---

(بقیہ) یہ اُن لوگوں کا حصّہ ہے جنھوں نے اس وادی میں عمریں بسر کی ہیں - مجھ کو اُن کے درجے تک پہنچنے کے لیے ایک دوسری عمر درکار ہے - پس مجھے اِس خدمت سے معذور و معاف رکھا جائے» -

ریاض الدین امجد سندیلوی متخلص بریاض نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ «.... پھر چاندنی چوک میں ہوتا ہوا بلّی ماروں میں ہو کر شیرافگن خاں کی بارہ‌دری میں، جہاں اسداللہ خاں غالب عرف مرزا نوشاہ رہتے تھے، گیا - مرزا کی ملاقات سے شرفیابِ سعادت ہوا.... بعدہ مرزا نے تین بند مرثیے کے اپنی تصنیف کے سنائے - لوگ رونے پیٹنے چلّائے وہ بند میں نے طلب کیے - مرزا نے اپنے دستِ خاص سے لکھ کر دیے -.... مرزا خود فرماتے تھے کہ یہ حصّہ دبیر کا ہے - وہ مرثیہ گوئی میں فوق لے گیا ہے - ہم سے آگے نہ چلا - ناتمام رہ گیا» (سروِ ریاض: ۲۳ تا ۲۷)

یہ واقعہ ۶ محرم ۱۲۷۷ھ مطابق ۲۶ جولائی ۱۸۶۰ع کا ہے -

صفیر بلگرامی ۱۲۸۲ھ میں میرزا صاحب سے ملنے دلّی گئے تھے - وہ جلوۂ خضر (۱: ۲۲۴ — ۲۲۵) میں لکھتے ہیں کہ «ایک دن مرثیے کا ذکر آگیا - فرمانے لگے کہ: «میں نے بھی ایک مرثیہ شروع کیا تھا - تین بند کہکر دیکھا، تو واسوخت ہوگیا» وہ بند یہ ہیں .... پھر فرمایا «واقعی یہ حق مرزا دبیر کا ہے - دوسرا اس راہ میں قدم نہیں اُٹھا سکتا» -

کچھ اور ہی عالم ہے، دل و چشم و زباں کا　　کچھ اور ہی نقشا نظر آتا ہے، جہاں کا
کیسا فلک؟ اور مہرِ جہانتاب کہاں کا؟　　ہوگا دلِ بیتاب کسی سوختہ جاں کا

اب صاعقہ و مہر میں کچھ فرق نہیں ہے
گِرتا نہیں، اس رُو سے کہو، برق نہیں ہے

---

۱ الف و ب، بیاض علائی. اب اور ہی نقشہ ہے دل و چشم و زباں کا　اب اور ہی عالم نظر آتا ہے جہاں کا، سرو ریاض و جلوۂ خضر. کچھ اور ہی عالم نظر آتا ہے جہاں کا　کچھ اور ہی نقشہ ہے دل و چشم و زباں کا۔ رد واقعات میں بھی اسی طرح ہے، لیکن وہاں مصرع ثانی تیسرا مصرع قرار پا گیا ہے ۔　۲ الف، سرو ریاض، جلوۂ خضر، رد واقعات، اب مہر میں اور برق ۔ ب، رد واقعات، اس رو سے کہ وہ (سہو کاتب)۔

سلام



۱

سلام اُسے کہ اگر بادشا کہیں اُس کو — تو پھر کہیں کہ کچھ اس سے سِوا کہیں اُس کو[۱]

نہ بادشاہ، نہ سلطاں، یہ کیا سِتایش ہے؟ — کہو کہ خامسِ آلِ عَبا کہیں اُس کو

خدا کی راہ میں شاہیّ و خسروی کیسی؟ — کہو کہ رہبرِ راہِ خدا کہیں اُس کو

خدا کا بندہ، خداوندگار بندوں کا — اگر کہیں نہ خداوند، کیا کہیں اُس کو؟

---

۱ الف، دستور العمل، پادشا، ارمغان غالب : ۲۷۵، بادشاہ (سہو کاتب) ۔ ب، دستور العمل، اسے (بتشدید سین قدیم رسم خط) ۔
۲ الف، دستور، پادشاہ ۔

---

۱ — رامپور رضا لائبریری میں ایک مخطوطہ «دستور العملِ اودھ» کے نام سے محفوظ ہے ۔ اُس میں مجتہدالعصر مولانا سید محمد لکھنوی کی شاہِ اودھ کے سامنے پیش کی ہوئی تحریریں اور اُن پر شاہ کی توقیعیں منقول ہیں ۔ اسیرؔ لکھنوی، جو شاہ کے میر منشی تھے، اس کتاب کے مرتب معلوم ہوتے ہیں ۔ یہ سلام اُس دستور العمل میں مجتہدالعصر کے مکتوب مورخۂ ٤ ذیقعدہ ۱۲۷۰ھ (۳۰ جولائی ۱۸۵٤ع) کے متصل بعد (۱۸٤ب) نقل کیا گیا ہے ۔ جس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان تاریخوں کے کچھ ہی بعد میرزا صاحب کی طرف سے موصول ہوا ہو گا ۔ سلام کا عنوان ہے «یااسد اللہ الغالب» اور خاتمے پر میرزا صاحب کی مُہر (اسد اللہ الغالب) بھی نقل کر دی گئی ہے ۔

فروغِ جوہرِ ایماں، حسین ابنِ علی ۔۔۔ کہ شمعِ انجمنِ کبریا کہیں اُس کو
کفیلِ بخششِ اُمّت ہے، بَن نہیں پڑتی ۔۔۔ اگر نہ شافعِ روزِ جزا کہیں اُس کو
مسیح جس سے کرے اخذِ فیضِ جاں بخشی ۔۔۔ ستم ہے، کشتۂ تیغِ جفا کہیں اُس کو
وہ، جس کے ماتمیوں پر ہے، سَلسبیل، سَبیل ۔۔۔ شہیدِ تشنہ لبِ کربلا کہیں اُس کو
عَدو کے سمعِ رضا میں جگہ نپائے وہ بات ۔۔۔ کہ جنّ و اِنس و مَلَک سب بجا کہیں اُس کو ۵
بہت ہے، پایۂ گردِ رہِ حسین، بلند ۔۔۔ بقدرِ فہم ہے، گر کیمیا کہیں اُس کو
نظارہ سوز ہے یاں تک، ہر ایک ذرّۂ خاک ۔۔۔ کہ لوگ جوہرِ تیغِ قضا کہیں اُس کو
ہمارے درد کی، یارب، کہیں دوا نہ ملے! ۔۔۔ اگر نہ درد کی اپنے دوا کہیں اُس کو
ہمارا مُنھ ہے کہ دیں اُس کے حُسنِ صبر کی داد؟ ۔۔۔ مگر نبیؐ و علیؑ مرحبا کہیں اُس کو
زِمامِ ناقہ، کفِ اُس کے میں ہے کہ اہلِ یقیں ۔۔۔ پس از حسینِ علی، پیشوا کہیں اُس کو ۱۰
وہ ریگِ تَفتۂ وادی پہ گام فرسا ہے ۔۔۔ کہ طالبانِ خدا رہنما کہیں اُس کو
امامِ وقت کی یہ قدر ہے کہ اہلِ عنادِ ۔۔۔ پیادہ لے کے چلیں اور ناسزا کہیں اُس کو
یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمنِ دیں ۔۔۔ علیؑ سے آکے لڑے اور خطا کہیں اُس کو
یزید کو تو نہ تھا اجتہاد کا پایہ ۔۔۔ بُرا نمانیے، گر ہم بُرا کہیں اُس کو
علیؑ کے بعد حسنؑ اور حسنؑ کے بعد حسینؑ ۔۔۔ کرے جو اُن سے بُرائی، بھلا کہیں اُس کو؟ ۱۵
نبیؐ کا ہو نہ جسے اعتقاد، کافر ہے ۔۔۔ رکھے امام سے جو بُغض، کیا کہیں اُس کو؟
بھرا ہے، غالبِ دلخستہ کے کلام میں، درد ۔۔۔ غلط نہیں ہے کہ خونیں نوا کہیں اُس کو

---

۲ الف، متفرقات غالب ۱۴۲، کفیل بخشش امت کبھی نہیں مرتے
۳ الف، دستور، جسے (بتشدید سین قدیم رسم خط) -
۵ الف، دستور، جگہہ - ۷ الف، متفرقات، کہ نوک جوہر - ۹ الف، دستور، مونہہ - ۱۱ الف، دستور، پر (سہو کاتب) -
۱۲ الف، دستور "کی" ندارد (سہو کاتب) - ۱۳، متفرقات غالب میں یہ شعر قصداً شامل نہیں کیا گیا تھا -
۱۵ ب، متفرقات، ان سے - ۱۷ ب، دستور، خونی نوا -

سہرا



۱

خوش ہو، اے بخت، کہ ہے آج ترے سر سہرا — باندھ، شہزادہ جواں بخت کے سر پر، سہرا[1]

کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے! — ہے ترے حسنِ دل افروز کا زیور، سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے؛ پر اے طرفِ کلاہ — مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر، سہرا

ناؤ بھر کر ہی، پروئے گئے ہوں گے موتی — ورنہ، کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

سات دریا کے فراہم کیے ہوں گے موتی — تب بنا ہوگا اِس انداز کا گز بھر سہرا[5]

رُخ پہ دولہا کے جو، گرمی سے، پسینہ ٹپکا — ہے رگِ ابرِ گہر بار سراسر، سہرا

---

۱ ب، ح، طاہر، حسرت، بدایوں، دیوان ذوق (آزاد) ۲۹۱، شہزادے۔ ۳ الف، چمن بینظیر ۲۹۵، سر پہ سہرا تجھے پھبتا ہے برائے طرفہ کلاہ (سہو کاتب) ۔ نگارستان سخن ۱۶۳، تجھے زیبا ہے ۔ چمن، مجھے ڈر ہے۔ طاہر، ارمغان غالب، ح، نمبر (سہو کاتب) ۔ ۵ الف، دھلی اردو اخبار، سات دریا کے کیسے ہونگے فراہم گوہر نگارستان اور چمن میں بھی اسی طرح ہے، مگر ان میں گوہر کی جگہ موتی ہے ۔ ٦ الف نگارستان، رخ دولہ سے جو گرمی میں پسینا ٹپکا۔ بدایوں، پسینا۔ دھلی اردو اخبار، دیوان ذوق، دولہ ۔ چمن، حسرت، دولھہ ۔ ح، گرمی میں ۔

---

۱ — سہرے کی شانِ نظم کے سلسلے میں ملاحظہ ہو صفحۂ ۱۳۵ کا حاشیۂ نمبر ۱ ۔ یہ سہرا سب سے پہلے دھلی اردو اخبار اور قران السعدین میں، بعد ازاں چمنِ بینظیر میں، پھر نگارستانِ سخن میں اور اس کے بعد آبِ حیات اور دیوانِ ذوق مرتبۂ آزاد میں شائع ہوا تھا ۔ جہاں تک میرا علم ہے سہرا ردیف کے ساتھ غالب سے پہلے کسی نے کوئی نظم نہیں لکھی ۔ اگر یہ صحیح ہے، تو میرزا صاحب اس نوع کی نظم کے مُوجد قرار پاتے ہیں۔

جواں بخت اپنے والد کے ہمراہ برما بھیج دیے گئے تھے۔ وہاں مولمین میں ۱۹ دسمبر ۱۸۸٤ع کو اُن کا انتقال ہوگیا ۔ رسالۂ صبح، دھلی : ٦۱، شمارہ ۳، ٤ بابت ۱۹٦۳ع ۔

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے ‏ ‏ ‏ رہ گیا، آن کے دامن کے برابر، سہرا

جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز ‏ ‏ ‏ چاہیے، پھولوں کا بھی ایک، مُقرّر، سہرا

جب کہ اپنے میں سماویں نہ ،خوشی کے مارے ‏ ‏ ‏ گوندھے پھولوں کا، بھلا پھر کوئی کیونکر، سہرا؟

رُخ روشن کی دمک، گوہرِ غلطاں کی چمک ‏ ‏ ‏ کیوں نہ دکھلاوے فُروغِ مہ و اختر سہرا؟

تار ریشم کا نہیں، ہے یہ رگِ ابرِ بہار ‏ ‏ ‏ لائے گا تابِ گرانباریِ گوہر، سہرا؟ ۵

ہم، سخن فہم ہیں، غالب کے طرفدار نہیں ‏ ‏ ‏ دیکھیں،اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھ کر سہرا



چرخ تک دھوم ہے، کس دھوم سے آیا سہرا! ‏ ‏ ‏ چاند کا دائرہ لے، زھرہ نے گایا سہرا[1]

جسے کہتے ہیں خوشی، اُس نے بلائیں لے کر ‏ ‏ ‏ کبھی چوما، کبھی آنکھوں سے لگایا سہرا

رشک سے لڑتی ہیں، آپس میں اُلجھ کر لڑیاں ‏ ‏ ‏ باندھنے کو جو ترے سر پہ، اُٹھایا سہرا

صاف آتی ہیں نظر آبِ گہر کی لہریں ‏ ‏ ‏ جنبشِ بادِ سحر نے جو ہلایا سہرا ۱۰

---

۱ الف، نگارستان. بھڑ جائے چمن، بڑھکر- (ہردو سہو کاتب) - ب، چمن، رہ گیااون کے جو (سہو کاتب) - دیوان ذوق. رک گیا - ۲ الف، نگارستان، اترائے - ب، ح، حسرت، طاھر، بدایوں، ارمغان، مکرر (سہو کاتب) - ۳ الف، دیوان ذوق، سمائیں- ب، چمن، گوندے (سہو کاتب) - ۴ ب، حسرت، بدایوں، ارمغان، چمن، دیوان ذوق، کیوں نہ دکھلائے - ۶ ب، بدایوں، دیکھیں کہدے کوئی - نگارستان، چمن، ح، حسرت، ارمغان، بہتر سہرا - ۶ ب، رسوم دھلی، کے دائرہ پر- ۹ ب، لال قلعے کی ایک جھلک میں الفاظ "کو جو ترے" نہیں ہیں -

---

۱ - سید ناصر نذیر فراق دھلوی مرحوم نے اپنی کتاب «لال قلعے کی ایک جھلک» میں قلعۂ معلّی کی ایک ملازمہ ننھی خانم کے «ملفوظات» مرتب کیے ہیں - ننھی خانم کی ساس زنانے محل کے باورچی خانے کی بکاول تھیں - اور یہ اپنی ساس کے ساتھ قلعے جایا کرتی تھیں - ننھی خانم کا بیان ہے کہ: «جب میاں غلام نظام الدین (ابنِ میاں غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب) کا بیاہ ہونے لگا، تو مرزا نوشاہ نے ایسا سہرا لکھا جو ولی عہد کے سہرے سے اچھا تھا۔ مگر میں بھول گئی - دو ایک شعر یاد رہ گئے ہیں وہ سنائے دیتی ہوں، چرخ تک دھوم الخ » -لال قلعے کی ایک جھلک : ۳۱ - یہ سہرا، رسومِ دھلی : ۱۱۷ (طبعِ کراچی) از سید احمد دھلوی میں بھی دوسرے اور چوتھے شعر کے اضافے کے ساتھ سہرے کی مثال کے طور پر (باقی)

۳

ہم نشیں تارے ہیں، اور چاند شہاب الدین خاں — بزمِ شادی ہے فلک، کاہ کشاں ہے سہرا[1]

ان کو لڑیاں نہ کہو، بحر کی موجیں سمجھو — ہے تو کشتی میں، ولے بحرِ رواں ہے سہرا

(بقیہ) درج ہوا ہے۔ مگر اُس میں غالب کا نام نہیں۔

۱۔ یہ شعر مولانا مہر نے اُس قلمی نسخۂ دیوانِ غالب سے نقل کیے ہیں، جو بیگم مرزا شجاع الدین احمد خاں تاباں دہلوی کی ملکیت میں تھا۔ مالک رام صاحب نے لکھا ہے کہ اُنھوں نے بیاضِ علائی میں بھی انہیں دیکھا ہے۔ مگر بیاضِ علائی سے متعلق میری یادداشتوں میں ان کا حوالہ نہیں۔ بظاہر یہ پورے سہرے کے دو شعر ہیں۔ ورنہ اتنا مختصر سہرا تو کسی معمولی دولھا کا بھی نہیں ہوتا۔

مخمّس



پھنسے گھستے، پانو میں زنجیر آدھی رہ گئی[1]
مر گئے پر، قبر کی تعمیر آدھی رہ گئی
سب ہی پڑھتا، کاش! کیوں تکبیر آدھی رہ گئی؟
کھنچ کے، قاتل، جب تری شمشیر آدھی رہ گئی
غم سے، جانِ عاشقِ دلگیر، آدھی رہ گئی ۰

۰۲ دہلی اردو اخبار، کھنچ۔

۱ — یہ مخمّس تتمۂ دہلی اردو اخبار جلد ۱۵ نمبر ۱۶ مورخۂ ۷ رجب ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۷ اپریل ۱۸۵۳ع میں شایع ہوا تھا، اور بظاہر اُسی زمانے میں لکھا بھی گیا تھا۔ مولوی احتشام الدین دہلوی (متوفی ۱۴ مئی ۱۹۴۵ع) کا ایک مضمون «غالب کے غیر مطبوعہ اشعار اور لطیفے» ماہِ نو، کراچی، فروری ۱۹۵۰ع میں چھپا تھا جس میں وہ لکھتے ہیں: «بہادر شاہ کی سواری ایک دن ملکہ باغ (کوئنز گارڈن) کے اندر سے ہو کر گزر گئی۔ اُس وقت بیگم کا باغ کہلاتا تھا۔ باغ کی حالت نہایت خراب خستہ دیکھ کر حضور کو افسوس ہوا۔ قلعے میں واپس جا کر ریذیڈنٹ کے نام شقّہ جاری ہوا کہ: «مابدولت کو باغ کی حالت دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ ایسا عمدہ باغ ایسی خراب حالت میں ہے۔ آن فدوی جلد تر اس کو درست کروا کر مطّلع کریں۔ خرچ درستی کا خزانۂ عامرۂ سلطانی سے ادا کیا جائے گا۔» (باقی)

بیٹھ رہتا، لے کے چشمِ پُرنم، اُس کے روبرو
کیوں کہا تو نے کہ: «کہہ دل کا غم اُس کے روبرو»؟
بات کرنے میں نکلتا ہے دم، اُس کے روبرو
کہہ سکے ساری حقیقت نہ ہم، اُس کے روبرو

۵ ہم نشیں، آدھی ہوئی تقریر، آدھی رہ گئی

۴، دیوان ظفر ۲۶۸، دہلی اردو اخبار. ہم نہ ۔ (لیکن میں نے یہ تغیر اس لیے روا رکھا ہے کہ غالب نے پرنم، غم اور دم قافیے لکھے ہیں) ۔

(بقیہ) صاحب ریذیڈنٹ نے چند ماہ کے اندر انجنیر کی معرفت باغ کے جھاڑ جھنکار کٹوا کر روشیں وغیرہ برآمد کر کے مرمّت کروائی؛ اور پھولوں کی تازہ کیاریاں آراستہ کر کے حضور میں معروضہ کیا کہ حسب الحکم درستی ہو گئی ہے ۔ حضور تشریف لا کر ملاحظہ فرمائیں ۔ تشریف آوری کے لیے ایک دن مقرّر ہوا، اور باغ کے اُس وسیع میدان میں جو ہارڈنگ لائبریری کی جانبِ جنوب واقع ہے بادشاہ اور بیگمات کے لیے خیمے نصب کیے گئے ۔ ایک بڑا خیمہ دربار کے لیے لگا. جس میں دربار منعقد ہوا ۔ شہزادوں اور اُمرا نے نذریں گزرانیں ۔ شاعروں نے قصیدے سنائے، طائفوں نے ناچ گانے سے حاضرین کو محظوظ کیا ۔ مرزا غالب نے بادشاہ کی اس غزل کو:

دل نے کی ساری خرابی لے گیا مجھ کو، ظفر
واں کے جانے میں مری توقیر آدھی رہ گئی

تضمین کیا تھا. رو برو پیش ہو کر تخت کے آگے آ کر سنائی ۔ مقطع کے بند کے ہر مصرع میں بادشاہ کا تخلص جو اُن کا نام بھی تھا بار بار واقع ہوا تھا ۔ اُس کو ادا کرتے وقت مرزا غالب ادباً جھک جاتے تھے ۔ (ایسا نہیں ہے مقطع کے بند میں صرف ایک جگہ بادشاہ کا تخلص آیا ہے ۔ عرشی ۔) (باقی)

تونے دیکھا؟ مجھ پہ کیسی بن گئی، اے راز دار
خواب و بیداری پہ، کب ہے، آدمی کو اختیار!
مثلِ زخم، آنکھوں کو سی دیتا، جو ہوتا ہوشیار
کھینچتا تھا، رات کو میں خواب میں، تصویرِ یار
جاگ اُٹھا، جو کھینچنی تصویر آدھی رہ گئی ۵

غم نے جب گھیرا، تو چاہا ہم نے یوں، اے دلنواز
مستیِ چشمِ سیہ سے، چل کے، ہوویں چارہ ساز
تو صدائے پا سے جاگا، تھا جو محوِ خوابِ ناز
دیکھتے ہی، اے ستمگر، تیری چشمِ نیم باز
کی تھی پوری ہم نے جو تدبیر، آدھی رہ گئی ۱۰

اس بُتِ مغرور کو کیا ہو کسی پر التفات؟
جس کے حسنِ روز افزوں کی یہ اك ادنیٰ ہے بات
ماہِ نو نکلے پہ، گزری ہوں گی راتیں پان سات
اُس رُخِ روشن کے آگے ماہِ یك هفته کی رات
تابشِ خُرشیدِ پُر تنویر آدھی رہ گئی ۱۵

۵، دیوان ظفر، جاگ اوٹھا میں - ۱۲، دھلی اردو اخبار، ادنا - ۱۴، دیوان ظفر، یك هفته کی طرح - (اور یہی درست بھی ہے - غالب نے مصرع جس طرح لکھا ہے اوس سے کلام بے معنی ہو جاتا ہے) - ۱۵، دھلی اردو اخبار، خورشید -

(بقیہ) اس دربار میں میرے والد بھی موجود تھے - حافظہ اُن کا قوی تھا، آخری بند پورا یاد تھا- یہ تضمین مرزا کے کلام میں کہیں نظر نہیں آتی - وہ آخری بند بھی جو والد صاحب کو یاد تھا، اُن کے ساتھ دفن ہو گیا - میں نے مکرّر سنا تھا، مگر یاد نہیں رہا - شاید یہ تضمین ․منانے کے بعد بادشاہ کی خدمت میں پیش کردی گئی - بادشاہ کے کاغذات غدر میں غارت ہوئے - وہ مثل ہوئی کہ «آں دفتر را گاؤ خورد، و گاؤ را قصّاب بُرد» -

تا مجھے پہنچائے کاهش، بختِ بد هے گھات میں
هاں، فراوانی اگر کچھ هے، تو هے آفات میں
جُز غم و رنج و الم، گھاٹا هے هر یک بات میں
کم نصیبی اِس کو کہتے هیں کہ میرے هات میں
۵ آتے هی، خاصیّتِ اِکسیر آدهی رہ گئی

سب سے، یہ گوشہ، کنارے هے، گلے لگ جا مرے
آدمی کو کیوں پکارے هے؟ گلے لگ جا مرے
سر سے گر چادر اُتارے هے، گلے لگ جا مرے
مانگ کیا بیٹھا سنوارے هے؟ گلے لگ جا مرے
۱۰ وصل کی شب، اے بُتِ بے پیر، آدهی رہ گئی

میں یہ کیا جانوں کہ وہ کس واسطے هوں پھر گئے؟
پر نصیب اپنا، اُنھیں جاتا سنا جوں، پھر گئے
دیکھنا قسمت، وہ آئے اور پھر یوں پھر گئے
آکے آدهی دُور، میرے گھر سے وہ کیوں پھر گئے؟
۱۵ کیا کشش میں دل کی اب تاثیر آدهی رہ گئی؟

ناگہاں یاد آگئی هے مجھ کو، یارب، کب کی بات؟
کچھ نہیں کہتا کسی سے، سُن رها هوں سب کی بات
کس لیے تجھ سے چھپاؤں، هاں، وہ پرسوں شب کی بات؟
نامہ بر، جلدی میں تیری وہ جو تھی مطلب کی بات
۲۰ خط میں آدهی هو سکی تحریر، آدهی رہ گئی

۳، دهلی اردو اخبار، هر اک - ۴، دیوان ظفر، اوس کو کہتے هیں - ۱۰، دیوان ظفر، رات باقی، اے - ۱۹، دهلی اردو اخبار، میری

ہو تجلّی برق کی صورت میں، ہے یہ بھی غضب
ہاں، چھ گھنٹے کی تو ہوتی، فرصتِ عیش و طرب
شام سے آتے، تو کیا اچھّی گزرتی رات سب!
پاس میرے وہ جو آئے بھی، تو بعد از نصفِ شب
نکلی آدھی حسرتِ تقریر، آدھی رہ گئی ۵

تم جو فرماتے ہو: «دیکھ، اے غالبِ آشفتہ سر
ہم نہ تجھ کو منع کرتے تھے؟ گیا کیوں اُس کے گھر؟»
جان کی پاؤں اماں! باتیں یہ سب سچ ہیں، مگر
دل نے کی ساری خرابی، لے گیا مجھ کو، ظفر
واں کے جانے میں، مری توقیر آدھی رہ گئی ۱۰

۴، دیوان ظفر، آئے تھے۔ ۵۔ دہلی اردو اخبار، حسرتیں تقریر ۔ دیوان ظفر، حسرت اے تقریر (ہر دو سہو کاتب)۔
۱۰، دہلی اردو اخبار، وہاں۔

غزلیّات

الف



جگر سے ٹوٹے ہوے مُو کی، ہے، سناں پیدا　　　دہانِ زخم میں، آخر، ہوئی زباں پیدا[1]



سات جلدوں کا پارسل پہنچا　　　واہ! کیا خوب بر محل پہنچا[2]

۱ــ یہ شعر اور دوسرے وہ سب جو عمدہ کے حوالے سے آیندہ درج کیے گئے ہیں، سرور کے تذکرۂ شعراے اردو موسوم بہ «عمدۂ منتخبہ» سے ماخوذ ہیں۔ یہ تذکرہ ۱۲۱۶ــ۱۲۲۶ھ (۱۴ مئی ۱۸۰۱ تا ۱۵ جنوری ۱۸۱۲ع) میں مرتب ہوا تھا، مگر اس میں بعد کو بھی اضافے ہوتے رہے ہیں۔ آج کل اس کے تین خطّی نسخے ملتے ہیں، ایک انڈیا آفس لائبریری میں، دوسرا پیرس کے قومی کتابخانے میں، اور تیسرا انجمن ترقیِ اردو کراچی کی لائبریری میں۔ پہلے یادگارِ نالہ میں یہ اشعار رسالۂ معیار پٹنہ جلد ۱ نمبر ۳ اور علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر سے نقل ہوے تھے۔ اب اُس نسخے سے نقل کیے جارہے ہیں جو دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کی طرف سے چھپ گیا ہے۔

۲ــ میرزا صاحب نے ۲۰ نومبر ۱۸۵۸ع کے خط بنام میرزا حاتم علی مہر میں لکھا ہے: «بھائی جان، کل جو جمعہ روزِ مبارک و سعید تھا، گویا میرے حق میں روزِ عید تھا۔ چار گھڑی دن رہے نامۂ فرحت فرجام اور چار گھڑی کے بعد وقتِ شام، بیت: سات جلدوں الخ» (خطوط ۱:۳۰۷)۔



۳

ہاتفِ غیب سن کے یہ چیخا　　　اُن کی تاریخ، میرا تاریخا[1]



۴

ان دلفریبیوں سے نہ کیوں اُس پہ پیار آئے؟　　　روٹھا جو بے گناہ، تو بے عُذر من گیا[2]

---

۱ - الف، ادبی خطوط غالب، مکاتیب الغالب، مہر، شب کو یوں چیخا.　　انتخاب لاجواب، اس طرح چیخا۔
ب. انتخاب لاجواب، اوس کی۔

---

۱ — نکاتِ غالب مرتبۂ نظامی بدایونی: ۷۱ میں بذیلِ لطائف لکھا ھے:
«میرزا صاحب نے حضرت صاحبِ عالم مارهروی سے اُن کا سنۂ ولادت دریافت کیا۔ اُنھوں نے لکھا، میرا سالِ ولادت لفظِ «تاریخ» سے نکلتا ھے جس کے عدد ۱۲۱۱ ہوتے ھیں۔ میرزا کی ولادت ۱۲۱۲ھ میں واقع ہوئی تھی، چنانچہ اِس کے جواب میں میرزا نے یہ شعر لکھ بھیجا: ہاتفِ غیب الخ»۔
نکاتِ غالب کے انتساب پر ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۲۰ع) تاریخ درج ھے، جس سے پتا چلتا ھے کہ کتابِ مذکور اس تاریخ تک مرتب ہوچکی تھی۔
نیز ملاحظہ ہو: ہفتہ وار انتخابِ لاجواب لاہور، مورخۂ ۲۳ جولائی ۱۹۲۹ع، ادبی خطوطِ غالب مرتبۂ مرزا محمد عسکری: ۲۹۸، مکاتیب الغالب مرتبۂ احسن مارهروی: ۳۵، و غالب از مہر: ۲
۲ — میرزا صاحب نے ۷ مارچ ۱۸۶۴ع کو بیخبر کو تحریر کیا ھے: «جنابِ عالی، ایک شعر استاد کا مدت سے تحویلِ حافظہ چلا آتا ھے، شعر:
ظالم، تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر　　　روٹھا تھا تجھ سے آپ ھی اور آپ من گیا
میں نے از راہِ تصرف اس شعر کی صورت بدل ڈالی۔ شعر: ان دل فریبیوں الخ۔ تم اخوان الصفا میں سے ہو۔ تمھاری آزردگی اوروں کی مہربانی سے خوشتر ھے»۔(عود: ۱۲٤)۔
یہ شعر، جس میں میرزا صاحب نے تصرف کیا ھے، قائم چاندپوری کا ھے، جو رامپور کے استاذ الشعرا ھیں۔ دیوانِ قائم، جلد اول، مرتبۂ پروفیسر اقدا حسن: ۳۲۔ (باقی)



۵

تھا تو خط، پر، نہ تھا جواب طلب　　　　کوئی اُس کا جواب، کیا لکھتا[1]



۶

خوشی جینے کی کیا، مرنے کا غم کیا　　　　ہماری زندگی کیا، اور ہم کیا[2]

(بقیہ) دوسرے مصرع کے اختلافات کے لیے ملاحظہ ہو، حواشیِ کتابِ مذکور: ۲۸۹۔

۱ — یہ شعر عودِ ہندی: ۳۸ میں سرورؔ کے نام کے خط میں لکھا ہے۔ خط کا آغاز ہے: « چودھری صاحب، عنایت نامۂ سابق بیت: تھا تو خط الخ۔

۲ — یہ شعر دیباچۂ خطوطِ منشی امیر احمد مرتبۂ مولوی احسن اللہ خاں ثاقبؔ صفحہ ۱۷ کے حاشیے سے ماخوذ ہے۔ ثاقبؔ نے نواب یوسف علی خاں بہادر ناظمؔ کے بارے میں اپنے دیباچے میں لکھا ہے: « نواب ناظم کا پہلا دیوان، جو عرصہ ہوا چھپا تھا اور اب کمیاب ہے، مرزا غالبؔ کا دیکھا ہوا ہے۔ شادابیِ خیال، نویِ ترکیب، جدّتِ مضمون، لطافتِ زبان اور متانتِ بیان اس دلفریب کا زیور ہے۔ دیوان نہیں، معنی زارِ خوبی اور نگارستانِ محبوبی ہے۔ اس دیوان میں ایک یہ بات مرزا کے اردو کلام سے زیادہ ہے کہ اغلاق نہیں۔ خیال اچھوتا، زبان پاکیزہ، طرزِ ادا دلنشین ہے، یہ سخن سرائی، معنی آرائی سزاوارِ صد ہزار آفرین ہے»۔

اس عبارت کے خاتمے پر یہ حاشیہ لکھا ہے: «خاکسار کو جولائی ۱۹۰۸ع میں خوابیدگانِ نزہت گاہِ تقدّس کی توجہ اور، رباعی:

فرخندہ جہانِ بے مثالی　　　　ممدوحِ ادانی و اعالی
پیرایۂ صدق و مایۂ فضل　　　　شمس العلما جنابِ حالی

کا اشتیاقِ زیارت پانی پت لے گیا۔ میں ایک روز یہ مسوّدہ اُن کو سنا رہا تھا۔ جب اس مقام پر پہنچا، تو مولانا نے فرمایا کہ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ فرماتے ہیں کہ: «ایک روز مرزا غالبؔ نے مجھے یہ مطلع سنایا۔ میں نے بہت تعریف کی، تو فرمایا (باقی)

۷

دو رنگیاں یہ زمانے کی، جیتے جی ہیں سب کہ مُردوں کو نہ، بدلتے ہوے کفن، دیکھا

۸

پیری میں بھی کمی نہ ہوئی تاک جھانک کی روزن کی طرح، دید کا آزار رہ گیا[۲]
وہ مرغ ہے خزاں کی صعوبت سے بے خبر آیندہ سال تک جو گرفتار رہ گیا

۹

معلوم ہوا خیر کہ ٹھینگا باجا[۳]

۱۰

وصل میں ہجر کا ڈر یاد آیا عَینِ جنت میں سقر یاد آیا[۴] ۵

---

۲ - الف، مالک ایڈیشن، تانک جھانک -

(بقیہ) کہ بھیّا، میں تو یہ شعر ناظم کو دے چکا» - چوں کہ دیوانِ ناظم میں شعرِ مذکور نہیں پایا جاتا، اس لیے میں نے غالب کے نام پر لکھ دینا مناسب جانا اور یہاں اندراج کرلیا -

۱و۲ — جنابِ مالک رام کے مرتبہ دیوانِ غالب میں یہ اشعار بیاضِ علائی کے حوالے سے نقل ہوے ہیں - مگر اس بیاض سے متعلق میری یادداشتوں میں ان شعروں کا حوالہ نہیں -

۳ — یہ مصرع مرزا صاحب نے نواب علائی کے نام ایک خط میں لکھا ہے، جس کے آخر میں تاریخ تحریر اس طرح درج ہے «چہار شنبہ ۱۸ مئی ۱۸۶۴ع بقولِ عوام باسی عید کا دن، صبح کا وقت» - اردوے معلی: ۴۴۷ و خطوط ۱: ۳۵۷ -

۴ — قاضی معراج دھولپوری مرحوم کے پاس «باغِ مہر» نام کی ایک کتاب محفوظ تھی، (باقی)

ب

۱۱

ملے، دو مرشدوں کو قدرتِ حق سے، ہیں دو طالب
نظام الدین کو خسرو، سراج الدین کو غالب[1]

۱۲

کرنی اس کا جواب دو صاحب سائلوں کا ثواب لو صاحب[2]

۱۳

خوشنودیِ احباب کا طالب، غالب[3]

(بقیہ) جسے میر مہر علی اکبرآبادی نے ۷ صفر ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۵ اگست ۱۸۶۱ء روزِ پنجشنبہ کو تمام کیا تھا۔ اس میں اشعارِ متفرق کے تحت ۷ شعر «مرزا نوشہ» کے نام سے درج کیے تھے۔ یہ شعر اُنھیں میں کا ہے۔ قاضی صاحب نے تبرکاتِ غالب کے عنوان سے ہفتہ وار ہماری زبان علی گڑھ کے شمارۂ ۸ اگست ۱۹۶۱ء میں یہ ساتوں اشعار شایع بھی کرادیے تھے۔

۱ — خواجہ حالی نے لکھا ہے کہ «مرزا اکثر ،واقع پر بادشاہ کے خوش کرنے کو اس قسم کے اشعار دربار میں پڑھا کرتے تھے۔ ایک روز سلطان نظام الدین قدس سرہ اور امیر خسرو کی خصوصیت کا ذکر دربار میں ہورہا تھا۔ مرزا نے اُسی وقت یہ شعر انشا کر کے پڑھا»۔ (یادگار: ۷۷)۔

۲ — یہ شعر لطائفِ غیبی: ۲۳ میں درج ہوا ہے جو اہلِ تحقیق کے نزدیک خود میرزا صاحب نے لکھ کر میاں داد خاں سیّاح کے نام سے چھپوائی تھی۔

۳ — یہ مصرع مرزا صاحب کے خط بنامِ قدر بلگرامی کے آخر میں پایا جاتا ہے (خطوط ۱۹۳.۱) نیز مرزا حاتم علی مہر کی مثنوی «شعاعِ مہر» کی تقریظ میں(باقی)

ر

۱۴

خدا سے میں بھی چاہوں از رہِ مہر　　«فروغِ میرزا حاتم علی مہر»[1]

۱۵

نیازِ عشق، خرمن سوزِ اسبابِ ہوس بہتر　　جو، ہو جاوے نثارِ برق، مشتِ خار و خس، بہتر[2]

(بقیہ) میرزا صاحب نے لکھا ہے، «لو صاحب، تقریظ کو تمام کرتا ہوں اور اس مصرع پر ختمِ کلام کرتا ہوں: خوشنودیِ احباب الخ»

۱ — مہر نے اپنی مثنوی «شعاعِ مہر» کا کچھ حصّہ میرزا صاحب کو بھیجا تھا۔ اُسے پڑھکر میرزا صاحب نے اُنھیں لکھا: «مثنوی کے اشعار جو میں نے دیکھے، کیا کہوں، کیا حظ اُٹھایا۔ اگر اسی انداز پر انجام پائے گی، تو یہ مثنوی کارنامۂ اردو کہلائے گی» (خطوط، ۱:۳۱۴)۔ اس کے بعد پوری مثنوی مہر نے بھیجی، تو لکھا: «مثنوی پہنچی۔ جھوٹ بولنا میرا شعار نہیں۔ کیا خوب بول چال ہے! انداز اچھا۔ بیان اچھا۔ روز مرہ صاف — اس مثنوی نے اگلی مثنویوں کو تقویمِ پارینہ کردیا» (ایضاً، ۱:۲۹۷)۔ اس مثنوی کا آٹھواں شعر تھا:

ہمیشہ خوش رہوں، چاہیں یہ مہ چہر　　فروغِ میرزا حاتم علی مہر

میرزا صاحب نے پہلے مصرع کو بدل دیا۔ یہ مثنوی مطبعِ حیدری آگرہ میں ۵ دسمبر ۱۸۶۰ء (۲۱ جمادی الاول ۱۲۷۷ھ) کو چھپ کر شایع ہوئی تھی۔ اس ایڈیشن کا ایک نسخہ رام پور رضا لائبریری میں محفوظ ہے۔

۲ — ملاحظہ ہو، عمدہ: ۱۱۷۔

س

۱۶

سنینِ عمر کے ستّر، ہوے شمار، برس — بہت جیوں، تو جیوں اور تین چار برس[1]

ط

۱۷

یاد آیا جو وہ کہنا کہ «نہیں، واہ غلط» — کی، تصوّر نے بصحراے ہوس راہ، غلط[2]

---

۲ — صفیر بلگرامی کے پوتے، سید وصی احمد بلگرامی کا ایک مضمون بعنوانِ «س ش ص» ماهنامه ندیم گیا کے بہار نمبر ۱۹۳۶ع میں شایع ہوا تھا۔ مضمون نگار نے اس میں صفیر بلگرامی کے نام میرزا صاحب کا ایک خط درج کیا ھے۔ میرزا صاحب لکھتے ھیں: «آج میں نے لیٹے لیٹے حساب کیا کہ یہ ستّرواں برس بجھے جاتا ھے۔ ھاے، سنینِ عمر کے الخ» مضمون نگار کا بیان ھے کہ «حضرتِ غالب کے شعر کا جواب صفیر بلگرامی نے یہ بھیجا:

سنا: صفیر؟ یہ کہتے ھیں حضرتِ غالب: — «بہت جیوں تو جیوں اور تین چار برس»
مگر یہ پہلے سے اعدادِ غین کی ھے دعا: — «خدا کرے، مرا غالب جیے هزار برس»
۱۰۰۰

اس مضمون کی اشاعت ثانی کے لیے ملاحظہ ہو: ماہنامہ قومی زبان، کراچی، اکتوبر ۱۹۶۸ع۔
۲ — ملاحظہ ہو: عمدہ: ۱۱۷۔

ک

۱۸

دیکھنے میں ہیں گرچہ دو، پر ہیں یہ دونوں یار ایک
وضع میں گو ہوئی دوسر، تیغ ہے ذوالفقار ایک[۲]

ہم سخن اور ہمزباں، حضرتِ قاسم و طپاں
ایک طپش کا جانشیں، درد کا یادگار ایک

نقدِ سخن کے واسطے، ایک عیارِ آگہی
شعر کے فن کے واسطے، مایۂ اعتبار ایک

ایک وفا و مہر میں، تازگیِ بساطِ دہر
لطف و کرم کے باب میں، زینتِ روزگار ایک

گلکدۂ تلاش کو، ایک ہے رنگ، ایک بُو
ریختے کے قماش کو، پود ہے ایک، تار ایک ۵

---

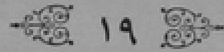
۵ ب، متفرقات: ۱۰۵ ریختہ

---

۱ — یہ غزل میرزا صاحب کے قیامِ کلکتہ کے زمانے کی ہے اور متفرقاتِ غالب میں شایع ہوچکی ہے۔ طپاں کا نام مرزا احمد بیگ خاں دہلوی ہے اور اُنھوں نے مارچ ۱۸۳۲ع (شوال ۱۲۴۷ھ) میں انتقال کیا ہے (علی گڑھ میگزین، غالب نمبر، مآثر غالب ۵۴-۵۶)۔

قاسم کا پورا نام، بہادر شاہ کے روز نامچے (شایع کردۂ خواجہ حسن نظامی) کے اس اندراج سے معلوم ہوتا ہے: «۱۲ دسمبر سنہ ۱۸۴۵ع کو مصلح الدولہ سید ابو القاسم خاں مرحوم وقائع نگارِ سلطانی نے بمرضِ وبا (ہیضہ) ایک دن میں انتقال کیا»۔

مملکتِ کمال میں، ایک امیرِ نامور
عرصۂ قیل و قال میں، خسرو نامدار ایک
گلشنِ اتّفاق میں، ایک بہارِ بے خزاں
مَیکدۂ وفاق میں، بادۂ بے خمار ایک
زندۂ شوقِ شعر کو، ایک چراغِ انجمن
کشتۂ ذوقِ شعر کو، شمعِ سرِ مزار ایک
دونوں کے دل حق آشنا، دونوں رسول پر فدا
ایک مُحِبِّ چار یار، عاشقِ ہشت و چار ایک
٥ جانِ وفا پرست کو، ایک شمیمِ نَوبہار
فرقِ ستیزہ مست کو، ابرِ تگرگ بار ایک
لایا ہے، کہکے یہ غزل شائبۂ ریا سے دُور
کر کے دل و زبان کو، غالبِ خاکسار، ایک


١٩

ولی عہدی میں شاہی ہو مبارک! عنایاتِ الٰہی ہو مبارک![1]

---

١ — یہ شعر میرزا صاحب نے علائی کو ۳۰ مئی ۱۸۶۳ع سے پہلے ایک خط میں بطور سرنامہ لکھ کر بھیجا تھا، اور اس کے بعد لکھا تھا: "اس امرِ فرخ و ہمایوں کی شہرت میں کوشش بے حوصلگی ہے۔ اور اس کے اخفا میں مبالغہ خفقان۔ تم اپنی زبان پر نہ لاؤ۔ اگر اور کہے، مانع نہ آؤ۔ نہ اشتہار، نہ استتار۔ (خطوط ۱:۳۴۹)۔

ل

۲۰

پیر و مرشد، معاف کیجیے گا
میں نے جمنا کا کچھ نہ لکھا حال[۱]

م

۲۱

خدا کے بعد نبی، اور نبی کے بعد امام
یہی ہے مذہبِ حق، والسّلام و الاکرام

۱- میرزا صاحب نے جمعرات ۲۹ ذیحجہ ۱۲۷۶ھ (۱۹ جولائی ۱۸۶۰ع) کو جو خط نواب انور الدولہ بہادر شفق کو لکھا ہے، اُس کے متنِ مطبوعۂ عودِ ہندی: ۵۵ میں یہ شعر سر آغازِ نامہ ہے۔ مگر اردوے معلی: ۳۱۱ میں "پیرو مرشد، معاف کیجیے گا میں نے جمنا کا حال کچھ نہ لکھا" ہے۔ اس کے بعد میرزا صاحب فرماتے ہیں: "یہاں کبھی کسی نے اس دریا کی کوئی حکایت ایسی نہیں کی کہ جس سے استبعاد اور استعجاب پایا جائے۔ پرسش کے بعد بھی کوئی نئی بات نہیں سنی۔ سنیے تو سہی، موسم کیا ہے۔ گرمی، جاڑا، برسات، تین فصلیں اکھٹی۔ تگرگ باری علاوہ۔ اگر ایک بحرِ رواں کی حقیقت متغیّر ہوجائے، تو محلِ استعجاب کیوں ہو؟ اور یہ بات کہ دلّی میں تغیر نہو، اور پورب میں ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں جمنا بانفراد بہر ہی ہے۔ اور وہاں کہیں "کین" اور کہیں کوئی اور ندی، کہیں گنگا باہم مل گئی ہیں۔ مجمع البحار ہے"۔

۲- میرزا صاحب نے مجروح کو مئی ۱۸۶۱ع میں ایک خط لکھا تھا۔ اس کے آخر میں فرماتے ہیں: "فقہ پڑھ کر کیا کرے گا؟ طب و نجوم و ہیئت و منطق و فلسفہ پڑھ جو (باقی)

ن

۲۲

مجلسِ شعلہ عذاراں میں جو آجاتا ہوں
شمع ساں، میں تہِ دامانِ صبا جاتا ہوں[1]

ہووے ہے، جادۂ رہ، رشتۂ گوہر ہر گام
جس گزرگاہ سے، میں آبلہ پا جاتا ہوں

سرگراں مجھ سے سَبُکرو کے، نہ رہنے سے رہو
کہ بہ یک جنبشِ لب، مثلِ صدا، جاتا ہوں

۲۳

اپنا احوالِ دلِ زار کہوں یا نکہوں؟
ہے حیا مانعِ اظہار، کہوں یا نکہوں؟[2]

نہیں کرنے کا، میں، تقریر ادب سے باہر
میں بھی ہوں محرمِ اسرار، کہوں یا نکہوں؟ ۵

شکر سمجھو اسے، یا کوئی شکایت سمجھو
اپنی ہستی سے ہوں بیزار، کہوں یا نکہوں؟

اپنے دل ہی سے، میں، احوالِ گرفتاریِ دل
جب نپاؤں کوئی غمخوار، کہوں یا نکہوں؟

دل کے ہاتھوں سے، کہ ہے دشمنِ جانی میرا
ہوں اک آفت میں گرفتار، کہوں یا نکہوں؟

میں تو دیوانہ ہوں، اور ایک جہاں ہے غمّاز
گوش ہیں در پسِ دیوار، کہوں یا نکہوں؟

۱۰ آپ سے وہ مرا احوال نپوچھے، تو، اسد
حسبِ حال اپنے پھر اشعار، کہوں یا نکہوں؟

---

۱ الف، رسالۂ معیار پٹنہ اپریل ۱۹۳۶ع: ۱۴۳ و علی گڑھ میگزین، غالب نمبر: ۱۰۴، محفل شمع عذاراں۔ ۲ الف، معیار و علی گڑھ میگزین. ہوئے۔ ۴ ب. معیار و علی گڑھ میگزین، میں میں ۶ الف، گلدستہ: ۲۱۳، شکر جو سمجھو یا اسے کوئی روایت سمجھو (سہو کاتب) - چمن بینظیر: ۲۵۰، شکوہ سمجھو۔ ۷ الف، گلدستہ، عزاداری دل۔ چمن، ہے سویدا بھی سیہ پوش و عزاداری دل۔ ۸ الف، چمن، جانی اپنا۔ ۱۰ الف، چمن، آپ سے وہ میرا جو احوال (سہو کاتب)۔

(بقیہ) آدمی بنا چاہے۔ خدا کے بعد نبی آہ»۔ (خطوط ۱:۲۷۱)۔

۱ — یہ اشعار عمدہ: ۱۱۷ سے ماخوذ ہیں۔

۲ — میرزا صاحب کی یہ غزل دیوانِ نواب الٰہی بخش خاں معروف دہلوی متوفی (باقی)

٢٤

اس قدر ضبط کہاں ہے کبھی آ بھی نہ سکوں — ستم اتنا تو نہ کیجے کہ اُٹھا بھی نہ سکوں[1]

---

١ الف، بیاض رشکی، ھی نہ سکوں، تمام جگہ (سہو کاتب)۔

(بقیہ) ١٢٤٣ھ (١٨٢٢ع) کے ایک مخمس (١٦١) میں ملتی ھے۔ نیز چمنِ بینظیر: ٢٥٠ مرتبۂ ١٢٦٤ھ (١٨٤٨ع) میں بھی شامل ھے۔ میں نے دیوانِ معروف مخطوطۂ رام پور رضا لائبریری سے نقل کر کے رسالۂ نیرنگ دھلی بابت جنوری فروری ١٩٣٤ع میں شایع کرائی تھی۔ چونکہ یہ معروف کے دیوان میں موجود ھے، اس لیے لازماً ١٨٢٦ع سے پہلے کی کہی ہوئی ھے۔

١ — اس غزل کے سلسلے میں مولانا حامد حسن قادری مرحوم نے بہت دلچسپ اطلاع بہم پہنچائی ھے۔ اپنے مکتوب بنامِ حیرت شملوی مرحوم میں رقم طراز ھیں: «میرے پاس بزرگوں کے وقت کا دیوانِ غالب ھے، مطبوعۂ ١٨٦٣ع جو مطبعِ مفیدِ خلائق آگرہ میں منشی شیو نرائن کے اہتمام سے چھپا تھا۔ اس میں میرے والدِ مرحوم کے قلم سے (نیرنگ میں لکھا ھے کہ ان اشعار کے کاتب و ناقل دونوں صادق علی صاحب ھیں۔ عرشی) دو شعر یہ لکھے ہوے ھیں، جو کسی مطبوعہ دیوان میں نہیں ملتے: لگ گئی آگ الخ، تم نہ آؤ گے، تو الخ۔ غزل کے تین مطبوعہ شعر ھر دیوان میں موجود ھیں۔ میں نے غالباً ١٩٣٠ع (صحیح خاص نمبر جنوری ١٩٢٨ع ھے۔ عرشی) میں عزیزاللہ خاں رام پوری مرحوم کے رسالۂ نیرنگ میں ان اشعار کے متعلق ایک مختصر مضمون چھپوایا تھا۔ اُس میں لکھا تھا:

«ان اشعار کے ناقل مولوی صادق علی تاباں ساکن گڑھ مکتیسر ضلع میرٹھ انسپکٹر محکمۂ نمک ھیں۔ مولوی صاحب غالب کے زمانے کے بزرگ تھے۔ غالب سے چند

لگ گئی آگ اگر گھر کو، تو اندیشہ کیا شعلۂ دل تو نہیں ہے کہ بُجھا بھی نہ سکوں

---

۱ الف، سچی کہانیاں، آگ لگ جائے اگر۔

بار ملے تھے۔ خود اچھے شاعر اور عمدہ سخن سنج تھے۔ گورنمنٹ سے سالہاسال پنشن لے کر ۱۹۰۹ع یا ۱۹۱۰ع میں انتقال کیا۔ میری تحقیق کے مطابق اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ مولوی صاحب نے خود غالب سے یا اُسی زمانے کے کسی شخص سے یہ اشعار نقل کیے ہیں۔ ممکن ہے کہ غالب نے دیوان کی طباعتِ آخری کے بعد یہ شعر کہے ہوں۔ دونوں شعر بالکل اُسی رتبے کے ہیں جیسے پہلے تین شعر ہیں، اور ایسے نہیں ہیں کہ پانچوں شعر ایک ساتھ کہنے کے بعد غالب کاٹ دیتے اور پہلے تین شعر باقی رکھتے۔ اب نقّادانِ غالب فیصلہ کریں اور اس اضافے سے لطف اندوز ہوں»۔

اس کے ایک عرصے کے بعد میں نے یہی مضمون دوسری طرح لکھ کر رسالۂ سب رس، حیدر آباد دکن، بابت مارچ سنہ ۱۹۴۲ع میں چھوایا تھا۔ سب رس والا مضمون مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی کی نظر سے گذرا، تو اُنھوں نے مجھے لکھا: «ان میں سے ایک شعر کوئی تیس سال قبل سنا ہوا، میرے حافظے میں ان الفاظ میں ہے:

تم نہ آؤ گے، تو مر رہنے کی سو راہیں ہیں موت کچھ تم تو نہیں ہو کہ بلا بھی نہ سکوں

ایک یہ بھی اچھی طرح یاد ہے کہ اُس وقت یہ شعر میں نے جالب کی جانب منسوب سنا تھا۔ سید جالب دھلوی سے تو آپ واقف ہوں گے۔ ہمدم لکھنو کے ایڈیٹر، حالی کے شاگرد اور اس طرح غالب کے شاگرد در شاگرد۔ آپ کی اطلاع اور تحقیقِ مزید کے لیے لکھ رہا ہوں»۔

تم نہ آؤ گے، تو مرنے کی ہیں سو تدبیریں   موت کچھ تم تو نہیں ہو کہ بلا بھی نہ سکوں

الف۔ دریابادی، مر رہنے کی سو راہیں ہیں۔

اس کے بعد مجھے مزید تحقیق کا موقع نہیں ملا کہ سید جالب کے کلام میں تلاش کرتا، یا اُن کے درستوں سے پوچھتا۔ اب یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرا شعر بھی جالب ہی کا ہو۔ عبد الماجد صاحب نے ایک سنا، ایک نہ سنا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شعر میں غالب و جالب کو توارد ہو گیا ہو، اس لیے کہ قافیہ سوچتے وقت جب «بلا بھی نہ سکوں» ذہن میں آئے گا، تو ایسی دو ہی چیزیں ہیں موت اور دوست، اس لیے یہ مصرع تو بنا رکھا ہے: «موت کچھ تم تو نہیں ہو کہ بلا بھی نہ سکوں» اب پہلے مصرع میں وہی بات کہنے کی تھی جو دونوں نے کہی۔ لیکن اپنے اپنے الفاظ میں کہی۔ میرے خیال میں غالب کی یہ زبان نہیں ہے، «مر رہنے کی سو راہیں ہیں»۔

بہر حال اب آپ جانیں اور عرشی صاحب جانیں۔ میرا سلام کہیے گا»۔

مولانا حامد حسن قادری کے اس بیان کے علاوہ ایک اور شہادت بھی ہمارے سامنے ہے۔ اس سے جہاں اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے کہ زیرِ بحث اشعار غالب ہی کے ہیں وہاں مطلع اور شعر «ہنس کے بلوائیے» الخ مزید دریافت ہوئے ہیں۔

کلیاتِ اقبال کے مرتب عبدالرزاق راشد حیدر آبادی مرحوم نے رسالۂ «تحفہ» حیدر آباد کی جلد ۶ شمارہ ۸، ۹ بابت شعبان، رمضان ۱۳۴۴ھ میں ایک نوٹ کے ساتھ یہ مکمل غزل شائع فرمائی تھی۔ اُنھوں نے اس کے متعلق جو معلومات «کلامِ غالب غیر مطبوعہ» کے زیرِ عنوان درج کی تھیں، اُنھیں یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

«میرزا غالب کا یہ کلام جسے ہم ذیل میں تبرکاً درج کرتے ہیں ہمیں اُن کے ایک شاگرد

ہنس کے بلوائیے، مٹ جائے گا سب دل کا گلہ
کیا تصوّر ہے تمہارا کہ مٹا بھی نہ سکوں

قاضی عنایت حسین مرحوم کی بیاض سے دستیاب ہوا ہے۔ مولانا حسرت موہانی اپنے مرتّبہ دیوان میں غالب کے شاگردوں کا ذکر کرتے ہیں، لیکن قاضی مرحوم کا نام نہیں لیتے۔ شعرا کے تذکروں میں بھی جو ہماری نظر سے گزرے ہیں اُن کے حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ ہم اپنی معلومات کی بنیاد پر چند باتیں یہاں بیان کرتے ہیں۔

خاندان بنی حُمید کے ایک بزرگ علی نقی الدین کے بیٹے قاضی عنایت حسین مرحوم بدایوں کے رہنے والے تھے۔ رشکی تخلص کرتے تھے، اچّھے خاصے شعر کہتے تھے۔ ملازمت کے تعلق سے ہندوستان کے مختلف شہروں میں قیام کیا۔ کچھ عرصے تک ریاست ٹونک میں ملازم رہے۔ اسی مقام پر مرزا غالب سے تلمذ اختیار کیا۔ (مرزا صاحب کا سفرِ ٹونک محلّ ِنظر ہے۔ عرشی)۔ جبکہ والیِ ٹونک کی خواہش پر اُن سے ایک دو دفعہ ملنے گئے تھے۔ ۱۸۸۳ع میں حیدر آباد آئے اور ۱۹۰۸ع تک یہیں مقیم رہ کر رودِ موسی کی مشہور طغیانی کے زمانے میں وطنِ مالوف چلے گئے، مگر وہاں اُن کا جی نہ لگا۔ ۱۹۱۲ع میں پھر عازمِ دکن ہوے۔ دکن پہنچ کر جام باغ کے محلے میں سکونت اختیار کی۔ ۱۹۱۸ع میں قضا اُن کو ہندوستان کھینچ لے گئی۔ وہیں پیوندِ خاک ہوے اور ایک اگلے وقتوں کی صورت مٹ گئی۔

اس امر کی نسبت کہ ذیل کے شعر غالب کے ہیں، ہم نے علامہ سید علی حیدر نظم طباطبائی نواب حیدر نواز جنگ سے (جن کی غالب شناسی بہت مشہور ہے اور جن کے دیوانِ غالب کی شرح لکھنے کے بعد غالب پر سے مہمل گوئی کا الزام اُٹھا) تحقیق چاہی، اور دیگر صاحبانِ ذوق سے بھی استفسار کیا۔ یہ سب اصحاب علاّمہ طباطبائی کے اس جواب سے اتفاق کرتے ہیں کہ: «بیاضِ رشکی میں سے تین شعر (صحیح: چار۔ عرشی) (باقی)

۲۵

جس دن سے کہ ہم غمزدہ زنجیر بپا ہیں
کپڑوں میں جوئیں بخیے کے ٹانکوں سے سوا ہیں[۱]

۱ الف، آب حیات: ۵۲۷، ہم غمزدہ جس دن سے گرفتار بلا ہیں۔ ارمغان غالب، جس دن سے کہ ہم خستہ گرفتار بلا ہیں۔
ب، کلام عاصی، بخیہ۔

(بقیہ) جو مرزا غالب کے نام سے لکھے ہوے ہیں، یہ مجھے بھی بلا شبہ غالب کا کلام معلوم ہوتا ہے»۔ خود ہماری نظر جہاں تک کام دیتی ہے، ہم اس کو غالب ہی کا کلام سمجھتے ہیں۔ اگر کسی صاحب کو اس میں شک و شبہ ہو، تو امید ہے کہ وہ معقول وجوہ و دلائل کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار فرمائیں گے۔
رشکی کی بیاض میں یہ غیر مطبوعہ کلام جس طرح لکھا ہوا ہے ہم اُس کو بجنسہ یہاں نقل کرتے ہیں»۔
اس نوٹ کے بعد یہ ایک سطر بھی رسالۂ «تحفہ» میں غزل سے پہلے درج ہے جو بیاضِ مذکورہ ہی سے نقل ہوئی ہے کہ: «یہ غزلِ مرزا صاحب، پوری، دیوان میں طبع نہیں ہوئی ہے»۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیاض میں اندراج کرنے والے کو اس بات کا علم تھا کہ اس غزل کے تین شعر پہلے سے دیوانِ غالب میں موجود ہیں اور یہ کہ ابھی تک یہ مکمل شکل میں کہیں شائع نہیں ہوئی ہے۔
ان سارے بیانات کے پیشِ نظر یہ بات قابلِ تحقیق ہو جاتی ہے کہ نو دریافت شعر بھی غالب ہی کے ہیں اور اُن کا انتساب جالب یا کسی دوسرے شخص کی طرف صحیح ہے یا غلط۔ نیز دیکھیے سچی کہانیاں: ۳۰۹ حاشیہ و ضمیمۂ نسخۂ عرشی مرتبۂ اکبر علی خاں، نقوش لاہور نومبر ۱۹۶۴ع، و سہ ماہی شیرازہ سری نگر جولائی ۱۹۶۵ع۔
۱ ــ یہ شعر کلام گھنشیام لال عاصی: ۲۶۴، مطبوعہ سنہ ۱۹۳۹ع اور آبِ حیات: ۵۲۷ میں ملتا ہے۔ عاصی اس کی شانِ نظم میں لکھتا ہے کہ «مرزا نوشہ شاعرِ بے بدلِ دھلی، رند مشرب المتخلص (باقی)

۲۶

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عزّو جاہ، روز افزوں[1]

۲۷

درم و دام اپنے پاس کہاں؟ چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں؟[2]

۱ب، خط بنام صفیر بلگرامی: جلوۂ خضر ۲: ۳۲۵، صحت و اطف طبع۔

(بقیہ) بہ اسد و غالب سے فیض الحسن خاں کوتوالِ دھلی کو ناحق عداوت پیدا ھوگئی اور اُس نے بعلتِ قماربازی اُن کو قید کرادیا ..... بہت سے رئیس اور شرفا اس حرکت سے ناراض ھوے اور عدالت میں براءت کے ساعی ھوے۔ مگر قید ھوھی گئی۔ ایک روز مسٹر راس صاحب، سول سرجن دھلی، قیدیانِ جیل خانہ کو ملاحظہ کرنے کرتے حضرت کے پاس تک پہنچ گئے اور حال دریافت کیا۔ آپ نے فی البدیہہ یہ فرمایا»۔

آزاد کہتے ھیں کہ »مرزا صاحب کو ایک آفتِ ناگہانی کے سبب سے چند روز جیل خانے میں اس طرح رھنا پڑا کہ جیسے حضرت یوسف کو زندان صر میں۔ کپڑے میلے ھوگئے، جوئیں پڑگئی تھیں۔ ایک دن بیٹھے اُن میں سے جوئیں چن رھے تھے۔ ایک رئیس وھیں عیادت کو پہنچے۔ پوچھا: »کیا حال ھے؟« آپ نے یہ شعر پڑھا»۔

۱ — اس شعر کا پہلا مصرع میرزا صاحب نے نواب یوسف علی خاں بہادر ناظم کے نام کے خط مورخۂ ۱۵ فروری ۱۸۵۷ع میں اور پورا شعر اُنھیں کے نام کے خط مورخۂ ۱۴ اگست ۱۸۶۳ع میں لکھا ھے۔ (مکاتیبِ غالب ۶ و ۲۶، طبعِ چہارم)۔

۲ — اس شعر کی شانِ نظم آزاد نے یہ لکھی ھے کہ »حسین علی خاں چھوٹا لڑکا ایک دن کھیلتا کھیلتا آیا کہ دادا جان مٹھائی، منگادو۔ آپ نے فرمایا کہ پیسے نہیں۔ وہ

۲۸

میں قائلِ خدا و نبیؐ و امام ہوں بندہ خدا کا، اور علیؑ کا غلام ہوں[1]

۲۹

در پر امیرِ کلبِ علی خاں کے ہوں مقیم ق شایستۂ گدائیِ ہر در نہیں ہوں میں[2]
بوڑھا ہوا ہوں، قابلِ خدمت نہیں، اسد خیرات خوارِ محض ہوں، نوکر نہیں ہوں میں

۳۰

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں میں، دشتِ غم میں، آہوے صیّاد دیدہ ہوں[2]

م الف، ارمغان غالب ۳۰۶، مہر، ۳۰ (طبع اول)، ممکن نہیں ہے -

(بقیہ) صندوقچہ کھول کر اِدھر اُدھر پیسے ٹٹولنے لگا۔ آپ نے فرمایا» (آبِ حیات: ۵۲۷) -

۱ — صفیر بلگرامی کے نام ایک خط میں جو چارشنبہ ۷ ذیحجہ ۱۲۸۱ھ (۳مئی ۱۸۶۵ع) کو لکھا ہے، مرزا صاحب فرماتے ہیں: «اس نسبتِ عام سے کہ ہم اور آپ مومن ہیں سلام، اور اس نسبتِ خاص سے کہ آپ میرے دوستِ روحانی کے فرزند ہیں دعا، اور اس نسبتِ اخص سے کہ آپ میرے خداوند کی اولاد میں سے ہیں بندگی۔ میں قائل الخ»۔ جلوۂ خضر ۲:۲۲۵ -

۲ — میرزا صاحب نے اس زمین میں اپنی غزل، (نواے سروش: ۱:۲۳۷) کا مقطع حذف کر کے اور آخر میں یہ دو شعر بڑھا کر، نواب کلبِ علی خاں بہادر والیِ رامپور کی خدمت میں ۹ جون ۱۸۶۶ع کو بھیجی تھی اور لکھا تھا: «جب بادشاہِ دھلی نے مجھ کو نوکر رکھا اور خطاب دیا اور خدمتِ تاریخ نگاریِ سلاطینِ تیموریہ مجھ کو تفویض کی، تو میں نے ایک غزل طرزِ تازہ پر لکھی۔ مقطع اُس کا یہ «غالب، وظیفہ خوار ہو الخ»۔ اب مقطع کی صورت بدل کر حضور کی نذر کرتا ہوں۔ خدا کرے کہ حضرت کے پسند آئے»۔ مکاتیبِ غالب: ۵۲، ۵۳ (طبعِ چہارم) -

۳ — یہ غزل میرزا صاحب نے اپنے مکتوب بنامِ علائی مورخۂ ۳ مارچ ۱۸۶۷ع کے (باقی)

ہوں دردمند، جبر ہو یا اختیار ہو — گہ نالۂ کشیدہ، گہ اشکِ چکیدہ ہوں

جاں لب پہ آئی، تو بھی نہ شیریں ہوا دہن — از بسکہ تلخیِ غمِ ہجراں چشیدہ ہوں

نے سُبحہ سے علاقہ، نہ ساغر سے واسطہ — میں معَرَضِ مثال میں، دستِ بُریدہ ہوں[۳]

ہوں خاکسار، پر نہ کسی سے ہے مجھ کو لاگ — نے دانۂ فتادہ ہوں، نے دامِ چیدہ ہوں

۵ جو چاہیے، نہیں وہ، مری قدر و منزلت — میں، یوسفِ بقیمتِ اوّل (؟) خریدہ ہوں

ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے، مری جگہ — ہوں میں کلامِ نغز، ولے ناشنیدہ ہوں

اہلِ وَرَع کے حلقے میں. ہر چند، ہوں ذلیل — پر عاصیوں کے زمرے میں، میں برگزیدہ ہوں

---

۳ الف، نقوش، مکاتیب نمبر ۱:۱۰۶، ساغر سے رابطہ۔ ۴ ب، بیاض و نقوش، نہ — نہ (دونوں جگہ)۔ ۵ الف، ارمغان غالب، مہر، جو چاہتے نہیں (سہو کاتب)۔ ۷ الف. نقوش، حلقہ۔ ب، بیاض، طاہر، فرقہ میں۔ نقوش، فرقے۔ مہر، زمرہ۔

(بقیہ) ساتھ بھیجی تھی۔ خط میں فرمایا ہے «اے میری جان، کس وقت میں مجھ سے غزل مانگی ہے کہ میرے واسطے نکیرین کے جواب دینے کا زمانہ قریب آگیا۔ میرا حال اب جس کو دریافت کرنا ہو وہ اہلِ محلہ سے دریافت کرلے۔ تمہاری خاطر عزیز ہے۔ فکر کی۔ بارے نفسِ ناطقہ نے بُری بھلی طرح مدد دی۔ نو شعر پہنچتے ہیں، لیکن نہ شاعرانہ، نہ عارفانہ»۔

یہاں یہ غزل بیاضِ علائی، نسخۂ جدید ورق ۳۸ الف سے لی گئی ہے۔ نسخۂ قدیم میں ورق ۳۹ الف پر درج ہے۔ یہ سب سے پہلے الہلال کلکتہ ج ۵ شمارہ ۱ بابت ۱۹۱٤ع میں چھپی تھی۔ پھر ماسنامۂ ادیبِ اردو لکھنؤ جون ۱۹۲۱ع میں نواب اکھن صاحب نے اس تمہید کے ساتھ چھپوائی تھی: «یہ غزل غالب نے اپنے قلم سے لکھ کر فخر الدین سخن صاحب مؤلفِ سروشِ سخن کو دی تھی۔ اصل جناب نواب سعید الدین خاں طالب رئیسِ دھلی کے پاس موجود ہے»۔ ادیب اردو میں غزل سے پہلے یہ شعر بھی ہے «مسجد کے زیرِ سایہ الخ»۔ معراج دھولپوری مرحوم نے تمہیدی عبارت، فرد اور غزل، یہاں سے نقل کرکے تبرکاتِ غالب کے عنوان سے ہماری زبان ۸ اگست ۱۹٦۱ع میں چھپوائی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: اردو جولائی ۱۹۲۹ع (باقی)

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح، اسد
ڈرتا ہوں آئنے سے کہ مردم گزیدہ ہوں[1]

۳۱

میں بھولا نہیں تجھ کو، اے میری جاں
کروں کیا؟ کہ یاں گِر رہے ہیں مکاں[2]

۳۲

جو معشوق زلفِ دوتا باندھتے ہیں
مرے سر سے کالی بلا باندھتے ہیں[3]

---

۱ ب،طاہر، ارمغان، مہر، آئنہ سے۔

(بقیہ) غالب از مولانا مہر (طبعِ اول) ۳۰۵ و نقوش لاہور، مکاتیب نمبر، جلد ۱: ۱۰۶۔

۱ — یہ مضمون صائب کے اس شعر سے لیا گیا ہے: (دیوان ۱۹الف)

چون سگ گزیدۂ کہ نیارد در آب دید
آئینہ میگزد منِ آدم گزیدہ را

۲ — میرزا صاحب نے اس شعر کو مجروح کے نام کے خط مورخۂ ۲۶ ستمبر ۱۸۶۲ع میں لکھنے کے بعد تحریر فرمایا ہے: «برسات کا حال نہ پوچھو۔ خدا کا قہر ہے۔ قاسم جان کی گلی، سعادت خاں کی نہر ہے۔ میں جس مکان میں رہتا ہوں، عالم بیگ خاں کے کٹڑے کی طرف کا دروازہ گر گیا۔ مسجد کی طرف کے دالان کو جاتے ہوے جو دروازہ تھا، وہ گر گیا۔ سیڑھیاں گرا چاہتی ہیں۔ صبح کے بیٹھنے کا حجرہ جھک رہا ہے۔ چھتیں چھلنیاں ہوگئی ہیں۔ مینہ گھڑی بھر برسے، تو چھت گھنٹا بھر برسے۔ فرش پر کہیں لگن رکھا ہوا، کہیں چلمچی دھری ہوئی۔ خط لکھوں کہاں بیٹھ کر؟»۔ اردوے معلی: ۱۷۹ و خطوط ۱: ۲۷۹

۳ — یہ شعر بھی معراج دھولپوری مرحوم نے باغِ مہر سے نقل کرکے ہماری زبان میں شائع کرایا تھا۔

۳۳

نسخۂ سوزشِ دل، در خورِ عنّاب نہیں
سرِ سودا زدہ، آتشکدۂ تاب نہیں

ہمّت و حوصلۂ شورشِ شبنم معلوم
قُلزمِ اشک، نمِ دیدۂ خوناب نہیں

(
شبِ تاریک، خیالِ دلِ مہتاب نہیں
)

پرسشِ عشق سے ہے اُن کو فراغت مقصود
ہدیۂ پارۂ دل، نازشِ جلباب نہیں

---

۲ ب. ماہ نو، خوناب (سہو کاتب)-

---

۱ — اس غزل کا پہلا اور چوتھا شعر سب سے پہلے رسالۂ الناظر لکھنؤ بابت مارچ ۱۹۲۹ع میں اس تمہید کے ساتھ شائع ہوا تھا: «مولوی عبد الرزاق صاحب ایڈیٹر رسالۂ تحفہ، حیدر آباد دکن. مولفِ کلیاتِ اقبال نے عرصہ ہوا از راہِ کرم الناظر میں شائع ہونے کے لیے اشعارِ بالا ارسال فرمائے تھے، اور اُن کے متعلق اپنے گرامی نامے میں تحریر فرمایا تھا کہ — «یہ شعر بھوپال کے مطبوعہ نسخے میں نہیں ہیں، اور نہ کہیں چھپے ہیں۔ میرے کتب خانے میں دیوانِ غالب کے مختلف نسخے ہیں۔ ایک نسخہ نولکشور کا مطبوعہ ہے۔ اُس کے حاشیے پر اشعارِ بالا اس تقریب کے ساتھ کسی صاحب نے لکھے ہیں کہ مرزا غالب کے قلمی دیوان سے یہ غزل نقل کی گئی۔ دو شعروں کے علاوہ غزل کے اور شعر بھی ہیں۔ لیکن بیدرد جلد ساز نے حاشیہ کاٹ دیا ہے، جس کے سبب سے بعض مصرع بالکل کٹ گئے ہیں، اور بعض پڑھے نہیں جاتے۔ کہیں اور پتا چلے، تو بقیہ اشعار بھی ارسال کروں گا»۔

بعدازاں یہ شعرماہِ نو فروری ۱۹۵۳ع میں مع چند اضافوں کے اس تمہید کے ساتھ چھپے: «پچھلے صفحے پر غالب کی جو مبینہ غزل درج ہے، ہمیں جناب ناظر عالم نے حیدر آباد دکن سے ارسال کی ہے۔ موصوف نے اس سلسلے میں ایک خط بھی لکھا ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کس حد تک مستند ہے»۔ (باقی)

(
ہمّت و شوقِ طلب گاریِ مقصود کہاں؟
(
گلشنِ ہستیِ عالم، ہے دبستانِ نشاط
(

شمع یہ، زیب دہِ مجلسِ احباب نہیں)
برق، خرمن زنِ بیتابیِ سیماب نہیں
تارِ تمکین، حریفِ سرِ مضراب نہیں)
نقشِ گل، رونقِ بے مشقیِ طلّاب نہیں
غم ہی اک چیز ہے دنیا میں، جو کمیاب نہیں)

(بقیہ) خط میں ناظر عالم صاحب نے اس غزل کی دریافت اور ضائع شدہ حصّوں کے بارے میں عبد الرزاق راشد صاحب کا یہ بیان نقل کیا ہے۔ موصوف نے کہا کہ "میاں داد خاں سیّاح شاگردِ میرزا غالب کے ایک رشتہ دار ظفریاب خاں نامی ریاست حیدر آباد کے صیغۂ تعمیرات میں ملازم تھے۔ آج سے ۴۲،۴۰ سال پہلے رسالۂ ادیب نکالتے تھے۔ خانِ موصوف کے کتب خانے میں ایک مجلد کتاب ملی، جس کے اندر دیوانِ غالب اور دیوانِ ذوق کے علاوہ ناسخ، آتش، آباد کا کلام تھا۔ دیوانِ غالب کے ایک حاشیے پر "غزلِ غیر مطبوعۂ غالبِ دھلوی، عنوان سے ۹ شعر لکھے تھے۔ مگر کسی بیدرد جلد ساز نے جلد بناتے وقت حاشیے کا ایک حصہ اِس بری طرح کتر دیا تھا کہ چار مصرع کٹ گئے۔ جو اشعار اور مصرع باقی تھے اُن کی نقل کرلی گئی۔ اس تحقیق کے لیے کہ یہ کلام میرزا غالب ہی کا ہے، ظفریاب خاں ایڈیٹر ادیب سے رجوع کیا گیا۔ خان صاحبِ موصوف نے اثبات میں جواب دیا اور کہا کہ غالب کے سوا ایسے شعر اور کون تصنیف کرسکتا ہے......"۔

تحقیق کا دوسرا ذریعہ یہ تھا کہ حضرت استاذی علامہ نظم طباطبائی شارحِ غالب سے رجوع کیا جائے۔ موصوف نے غزل دیکھ کر فرمایا کہ یہ یقینی مرزا غالب کا کلام معلوم ہوتا ہے"۔

و

۳۴

آج بیداری میں ہے خوابِ زلیخا مجھ کو
دیکھتا ہوں اُسے، تھی جس کی تمنّا مجھ کو[1]

۳۵

وہ خطِّ سبز ہے کہ برخسارِ سادہ ہو
شمشیرِ صافِ یار، جو زہراب دادہ ہو[2]

۳۶

کعبے میں، کیوں دبائیں نہ ہم برہمن کے پانو؟
بیچارہ کتنی دور سے آیا ہے، شیخ جی[3]

۳۷

ایراھی دے کے ہم نے بچایا ہے کِشت کو
آئی اگر بلا، تو جگہ سے ٹلے نہیں[4]

۳۸

ہیولٰی صورتِ کابوس پھر خوابِ گراں کیوں ہو
نتیجہ اپنی آہوں کا ہے شکلِ مستوی پورا[5]

---

۱ و ۲ ۔ یہ دونوں شعر عمدۂ منتخبہ: ۱۱۶ سے لیے گئے ہیں۔
۳ ــ یہ شعر قبا اور م دونوں میں تھا ۔ بعد کو حذف کردیا گیا ۔ نیز تذکرۂ سراپا سخن: ۳۴۷ میں میرزا صاحب کی پانو کی ردیف والی غزل میں بھی مندرج ہے ۔ بقولِ مرتبِ تذکرہ یہ غزل اُن کے پاس شیخ فدا حسین فدا ساکنِ قصبۂ ڈبائی نے اپنے خط کے ساتھ بھیجی تھی ۔
٤ ــ یہ شعر یادگارِ غالب: ۱۵۳ سے لیا گیا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے مولانا حالی کے پاس کوئی نسخۂ دیوان ایسا تھا جس میں یہ شعر شامل تھا ۔ اس زمین کے متداول اشعار کے لیے ملاحظہ ہو: نوائے سروش: ۱:۲۴۸
۵ ــ یہ شعر فاضل زیدی صاحب نے رسالۂ طوفان، نواب شاہ کے شمارۂ جولائی ۱۹۵۱ع (باقی)

۳۹

جویاے حالِ دہلی و الور، سلام لو[1]

۴۰

گاتی تھیں شمرو کی بیگم، تننا ہا یا ہو　　دودھ میں پکّے تھے شلغم، تننا ہا یا ہو[2]

میں اس تمہید کے ساتھ شائع کیا تھا: «سید احمد حسین میکش شاگردِ غالب جو بعدِ غدر بے جرم و خطا انگریز کے عتاب کا نشانہ بنے۔ غدر سے قبل کچھ دنوں پاٹودی میں مقیم رہے ہیں۔ میر امید علی رئیسِ شاہ پور (پاٹودی) اور اُن کے درمیان رشتۂ اخلاص و محبت تھا، اور اُنھیں کی کشش اُن کو پاٹودی کھینچ لائی تھی۔ میکش نے اپنے استاد کی مشہور غزل: «سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں» اور، «کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو» میر صاحب کو بطورِ تحفہ نقل کر کے دی تھیں، جو اُن کے صاحبزادے حکیم حبیب حسن کی ملکیت رہیں، اور اب حکیمِ مرحوم کے لواحقین کے پاس ہیں۔ آخر الذکر غزل میں مروّجہ غزل سے ایک شعر زائد ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے یہ شعر بعد میں غزل سے خارج کردیا۔ میکش کو یہ اتفاقاً زبانی یاد تھا، اس لیے اُنھوں نے لکھ دیا اور محفوظ رہ گیا»۔

۱ — یہ مصرع مرزا صاحب کے خط بنامِ میر مہدی مجروح کا سرنامہ ہے۔ خط کے آخر میں تاریخ یوں درج ہے: «منگل کا دن ۲۳ جمادی الثانی (۱۲۸۹ھ) ۱۶ دسمبر (۱۸۶۲ع) پہر دن چڑھے» ملاحظہ ہو، اردوے معلی: ۱۶۲ و خطوط ۱: ۲۸۲۔

۲ — مولوی احتشام الدین مرحوم نے اپنے مضمون «غالب کے بعض غیر مطبوعہ اشعار اور لطیفے» میں لکھا ہے: «یہ مطلع بھی مرزا کی ایک مہمل غزل کا ہے جو (باقی)

۵

۴۱

شبِ وصال میں، مُونس گیا ہے بن، تکیہ | ہوا ہے مُوجبِ آرامِ جان و تن، تکیہ[1]

خراج بادشہِ چیں سے کیوں نہ مانگوں آج؟ | کہ بن گیا ہے، خمِ جعدِ پُر شکن تکیہ

بَنا ہے تختۂ گلہائے یاسمیں، بستر | ہوا ہے دستۂ نسرین و نسترن، تکیہ

فُروغِ حسن سے روشن ہے، خوابگاہ تمام | جو رختِ خواب ہے پرویں، تو ہے پَرن تکیہ

۵ مزا ملے، کہو، کیا خاک ساتھ سونے کا؟ | ق رکھے جو بیچ میں، وہ شوخِ سیمتن، تکیہ

اگرچہ تھا یہ ارادہ، مگر خدا کا شکر! | اُٹھا سکا نہ نزاکت سے، گلبدن، تکیہ

ہوا ہے، کاٹ کے چادر کو، ناگہاں غائب | اگرچہ زانوئے نَل پر رکھے، دَمن، تکیہ

بضربِ تیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہوا | کہ ضربِ تیشہ پہ رکھتا تھا، کوہکن، تکیہ

ب، طاہر، رختِ خواب ہے، تو پرن (سہو کاتب)۔

(بقیہ) بچّوں کے جھولے میں گانے کے لیے موزوں فرمائی تھی۔ باقی اشعار مجھے یاد نہیں رہے»۔ ماہِ نو فروری ۱۹۵۰ع۔

۱ — یہ غزل سب سے پہلے میرزا صاحب کی زندگی میں گلدستۂ انجمن (مخزونۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں شائع ہوئی تھی، جسے ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ع) میں محمد عبد الکریم نے مرتب کر کے مطبعِ اکبری دھلی میں چھپوایا تھا۔ بارھواں شعر اُسی گلدستے سے ماخوذ ہے۔ بطورِ تعارف غزل سے پہلے یہ عبارت بھی ہے: «غزلِ جنابِ مستطاب نواب نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ المتخلص بہ غالب سلمہ اللہ تعالی تبرکاً و تیمناً بقالبِ تحریر در آمد»۔ ملاحظہ ہو ڈاکٹر وحید قریشی کا مقالہ: «پنجاب یونیورسٹی کے دو گلدستے» ماہِ نو، کراچی، مارچ ۱۹۶۵ع۔ (باقی)

یہ رات بھر کا ہے ہنگامہ، صبح ہوتے تک
رکھو نہ شمع پہ، اے اہلِ انجمن، تکیہ

اگرچہ پھینک دیا تم نے دور سے، لیکن
اُٹھائے کیونکہ، یہ رنجورِ خستہ تن، تکیہ

غش آگیا جو، پس از قتل، میرے قاتل کو
ہوئی ہے ،اُس کو مری لاشِ بے کفن، تکیہ

جو بعدِ قتل مرا دشت میں مزار بنا
لگا کے بیٹھتے ہیں اُس سے راہزن، تکیہ

شبِ فراق میں یہ حال ہے اذیّت کا
کہ سانپ فرش ہے، اور سانپ کا، ہے،مَن تکیہ ۵

روا رکھو نرکھو، تھا جو لفظِ «تکیہ کلام»
اب اُس کو کہتے ہیں اہلِ سخن «سُخن تکیہ»

ہم اور تم، فلکِ پیر جس کو کہتے ہیں
فقیرِ غالبِ مسکیں کا ہے کہن تکیہ

---

۱ الف، ہمدرد، رسالۂ اردو، اکتوبر ۱۹۲۵ء، طاہر، ہونے تک (سہو کاتب)۔ ۳ ب، طاہر، ہوئی پھر اسکو۔ ہمدرد، الہلال، اردو، طاہر، ارمغان، نعش بے کفن۔ ۵ ب، طاہر. اب اس کو۔

(بقیہ) اس کے بعد روزنامۂ ہمدرد دھلی جلد ۱ شمارہ ۳ بابت چہار شنبہ ٤ جون ۱۹۱۳ء کے سرورق پر مندرجۂ ذیل تمہید کے ساتھ شائع کی گئی:

«نواب سعید احمد خاں صاحب عرف نواب احمد سعید خاں صاحب کی بدولت آج ہم مرزا غالب کی ایک غزل «ہمدرد» کے پہلے صفحے پر شائع کر رہے ہیں جو اب تک کہیں شائع نہیں ہوئی تھی۔ غالبِ مغفور، نواب احمد سعید خاں صاحب کے پھوپا تھے، اور اگر اُن کی زندگی کے بچے کھچے موتی کہیں مل سکتے ہیں، تو نواب صاحب موصوف ہی کے کتب خانے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ ہم سے نواب صاحب نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ غالب کی زندگی کے متعلق بہت سی معلومات وقتاً فوقتاً «ہمدرد» کے لیے عطا فرمایا کریں گے۔ اور ہمیں امید ہے کہ ہمارے ناظرین کو کچھ زیادہ عرصے تک ستم کشِ انتظار نہ رہنا پڑے گا۔

یہ غزل جو آج ہم شائع کر رہے ہیں ایک واقعے سے متعلق ہے جس کا درج کرنا ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ (باقی)

ی

۴۲

ہنستے ہیں، دیکھ دیکھ کے، سب، ناتواں مجھے
یہ رنگِ زرد، ہے چمنِ زعفراں مجھے[1]

۴۳

دیکھ وہ برقِ تبسم، بس کہ، دل بیتاب ہے
دیدۂ گریاں مرا، فوّارۂ سیماب ہے
کھول کر دروازۂ میخانہ، بولا میفروش
اب شکستِ توبہ میخواروں کو فتح الباب ہے

۴۴

اک گرم آہ کی، تو ہزاروں کے گھر جلے
رکھتے ہیں عشق میں یہ اثر، ہم جگر جلے
۵ پروانے کا نہ غم ہو، تو پھر کس لیے، اسد
ہر رات، شمع، شام سے لے تا سحر جلے؟

(بقیہ) نواب یوسف علی خاں عزیز لکھنوی، دہلی، حکیم محمود خاں صاحب سے علاج کرانے کی غرض سے تشریف لائے ہوئے تھے اور مرزا صاحب کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ دورانِ گفتگو میں کئی دفعہ اُن کی زبان سے لفظِ «سخن تکیہ» ادا ہوا۔ غالبِ مغفور نے دریافت کیا کہ حضرت، یہ آپ نے کیا فرمایا؟ اُنھوں نے کہا: «لکھنؤ میں «تکیہ کلام» کے بجائے «سخن تکیہ» بولا جاتا ہے۔ شاہِ سخن کے سخن آشنا کانوں کو یہ ترکیب کچھ ایسی بھلی معلوم ہوئی کہ اس ردیف اور قافیے میں ایک غزل لکھ ڈالی۔ یہ وہی غزل ہے جو آج ہمدرد اپنے ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہے»۔

خود تکیہ کے متعلق میرزا صاحب نے عزیز کو لکھا ہے کہ: تکیہ لفظ عربی الاصل ہے، فارسی و اردو میں مُستعمل۔ دونوں زبانوں میں ہم بمعنیِ بالش اور ہم بمعنیِ مکانِ فقیر آتا ہے۔ ایران میں تکیۂ صائب مشہور ہے»۔ خطوط: ۱:۱۷۲

۱ — یہ اور آئندہ پانچ شعر عمدۂ منتخبہ: ۱۱۶ — ۱۱۸ سے لیے گئے ہیں۔

۴۵

ماہِ نو ہوں، کہ فلک عجز سکھاتا ہے مجھے
عمر بھر ایک ہی پہلو پہ سلاتا ہے مجھے

۴۶

طرزِ بیدل میں ریختہ کہنا
اسد اللہ خاں قیامت ہے[1]

۴۷

زخمِ دل تم نے دُکھایا ہے کہ جی جانے ہے
ایسے ہنستے کو رُلایا ہے کہ جی جانے ہے[2]

۴۸

صبا، لگا وہ طپانچے طرف سے بلبل کی
کہ روے غنچۂ گل سوے آشیاں پھر جاے

۴۹

اور تو رکھنے کو ہم دھر میں کیا رکھتے تھے
فقط اک شعر میں اندازِ رسا رکھتے تھے[3] ۵

اُس کا یہ حال کہ کوئی نہ ادا سنج ملا
آپ لکھتے تھے ہم اور آپ اُٹھا رکھتے تھے

---

۱ — اس مقطع کو میرزا صاحب نے اپنے ایک مکتوب بنامِ مولوی عبدالرزاق شاکر میں اس تمہید کے ساتھ نقل کیا ہے: «قبلہ، ابتداے فکرِ سخن میں بیدل و اسیر و شوکت کی طرز پر ریختہ لکھتا تھا، چنانچہ ایک غزل کا مقطع یہ تھا» ۔ (عود:۱۵۹)

۲ — یہ اور اگلا شعر دونوں خوب چند ذکا کے تذکرۂ عیارالشعرا سے ماخوذ ہیں ۔ یہ تذکرہ ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) میں شروع ہوا، اور تقریباً ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ع) تک اس میں اضافے ہوتے رہے ۔ اس کے ایک نسخے (مخزونۂ انڈیا آفس لائبریری) کا عکس جناب مالک رام کے پاس ہے ۔ یہ اشعار اُسی سے لیے گئے ہیں ۔

۳ — یہ دو شعر نسخۂ قبا کے متن میں اُس مقطع کے ساتھ مندرج ہیں جو نواے سروش:۱۱:۳۰۸ (باقی)

۵۰

یہ خبط نہیں تو اور کیا ہے؟[۱]

۵۱

روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے　　　کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا ہوتا ہے[۲]

۵۲

دیکھیے، کیا جوب آتا ہے؟[۳]

(بقیہ) پر گزر چکا ہے۔

۱ — برہانِ قاطع کا وہ نسخہ جس کے حاشیوں پر ابتداً مرزا صاحب نے اپنے اختلافی نوٹ لکھے اور جو بعد کو قاطع برہان کے نام سے مرتب ہو کر چھپے، لوہارو کلکشن، رضا لائبریری میں محفوظ ہے۔ لفظِ «خسک» پر حاشیہ لکھتے ہوے یہ مصرع بھی مرزا صاحب کے قلم سے نکل گیا ہے۔

۲ — میرزا صاحب نے یہ شعر اپنے خط بنامِ مجروح مورخۂ ۲ فروری ۱۸۵۹ع میں لکھا ہے۔ خط کے شروع میں اپنا میرٹھ جانا، اور شیفتہ سے جو حال ہی میں قیدِ فرنگ سے چھوٹے تھے، ملنا بیان کر کے یہ شعر لکھا ہے اور پھر فرماتے ہیں: «میرٹھ سے آ کر دیکھا کہ یہاں بڑی شدت ہے، اور یہ حالت ہے کہ گوروں کی پاسبانی پر قناعت نہیں ہے۔ لاہوری دروازے کا تھانیدار مونڈھا بچھا کر سڑک پر بیٹھتا ہے الخ»۔

۳ — مرزا صاحب نے مجروح کے نام ایک خط مورخۂ سہ شنبہ ۱۳ دسمبر ۱۸۵۹ع میں لکھا ہے: «مجھے تو دربار و خلعت کے لالے پڑے ہیں، تم کو پنسن کی فکر ہے۔ یہاں کے حاکم نے میرا نام دربار کی فرد میں نہیں لکھا۔ میں نے اس کا اپیل لفٹنٹ گورنر کے یہاں کیا ہے دیکھیے کیا الخ۔ بہر حال جو کچھ ہوگا تم کو لکھا جائے گا»۔ خطوط ۱ : ۲۵۹

۵۳

جو حسدِ تقویٰ ادا نہووے، تو اپنا مذہب یہی ہے، غالبؔ
ہوس نہ رہ جائے کوئی باقی، گناہ کیجے، تو خوب کیجے[1]

۵۴

بتو، توبہ کرو تم کیا ہو؟ جب اِدبار آتا ہے
تو یوسفؔ سا حسیں، بکنے سرِ بازار آتا ہے[2]

---

۱ — رامپور رضا لائبریری میں شعرا کا ایک تذکرہ، گلزارِ سخن مولفۂ جگن ناتھ فیض محفوظ ہے، جو ۱۹۰۸ع میں نولکشور پریس میں طبع ہوا ہے۔ اس کے صفحۂ ۲۹۷ پر غالبؔ کا تذکرہ ہے۔اس صفحے کے زیریں حاشیے میں چنّی لال عاصی نے مطالعہ کرتے وقت غالبؔ کے تحت یہ شعر لکھا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: ضمیمۂ نسخۂ عرشی مرتبۂ اکبرعلی خاں، مشمولۂ نقوش لاہور نومبر ۱۹۶۴ع وسہ ماہی شیرازہ سری نگر جولائی ۱۹۶۵ع۔

۲ — یہ شعر مولوی احتشام الدین صاحب دہلوی کے محولۂ قبل مضمون سے نقل کیا گیا ہے۔ یہ مطلع اُنھیں ایک صاحب وجیہ الدین خاں کی مملوکہ بیاض میں ملا تھا۔ اس بیاض میں مرزا صاحب کی غزل «کہا ہے تو سہی، رہا ہے تو سہی بھی» درج تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ «اس کے ساتھ کوئی دوسرا شعر نہیں ہے۔ وجیہ الدین خاں نے غزلِ مذکور کے ہاتھ آنے کی حکایت یہ بیان کی ہے کہ اُن کے والدِ ماجدِ مرحوم نے مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر اُن کے کلام کی اپنی بیاض میں لکھنے کے لیے استدعا کی۔ مرزا نے فرمایا کہ یہ غزل دیوان میں طبع ہونے سے رہ گئی ہے، تم لے جاؤ۔ غالباً اُسی کے ساتھ یہ مطلع بھی عنایت ہوا ہوگا، کیونکہ اس بیاض میں غالبؔ کے نام سے درج ہے، کسی مطبوعہ دیوان میں نہیں پایا جاتا»۔

۵۵

مزہ تو جب ہے کہ اے آہِ نارسا، ہم سے　　　وہ خود کہے کہ: «بتا تیری آرزو کیا ہے؟»[1]

۵۶

حالت ترے عاشق کی یہ اب آن بنی ہے　　　اعضا شکنی ہو چکی، اب جاں شکنی ہے

۵۷

گھر سے نکالنا ہے اگر، ہاں نکالیے　　　ناحق کی حجّتیں نہ، مری جاں، نکالیے
اِک بوسہ، یا مصیبتِ ہجراں بیاں کریں　　　اک منہ ہے، کون کون سے ارماں نکالیے

۵۸

ہ زرا کر زور سینے پر، کہ تیرِ پُر ستم نکلے　　　جو وہ نکلے، تو دل نکلے، جو دل نکلے، تو دم نکلے[2]

۵۹

اگر ہوتا تو کیا ہوتا، یہ کہیے　　　نہ ہونے پر ہیں یہ باتیں دہن کی[3]

---

۱ — یہ اور اگلے تین شعر بھی باغِ مہر میں مرزا نوشہ نام کے تحت مندرج ہیں۔
۲ — یہ شعر جناب شیخ محمد اکرام نے ارمغانِ غالب: ۳۰۸ میں بے حوالہ نقل کیا ہے۔
مولانا مہر نے اپنی کتاب غالب: ۳۰۴ (طبع اول) میں دیوانِ غالب قلمی، مملوکۂ بیگم صاحبۂ میرزا شجاع الدین احمد خاں تاباں (حاشیہ ص ۱۳۸) سے اسے نقل کیا .تو اُس کے ساتھ یہ شعر بھی لکھا:
خدا کے واسطے، پردہ نہ کعبے کا اُٹھا، واعظ　　　کہیں ایسا نہ ہو، یاں بھی وہی کافر صنم نکلے
مگر طبعِ دوم سے اس شعر کو اس لیے حذف کردیا کہ یہ شاہِ ظفر کا ہے، اور نسخۂ مذکورہ میں سہواً درج ہو گیا تھا۔ ملاحظہ ہو، دیوانِ ظفر ۴: ۱۴۷۔
۳ — یہ شعر ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی صاحب نے رسالۂ اردوے معلی دہلی کے غالب نمبر (باقی)

۶۰

آپ نے «مَسَّنِیَ الضُّرّ» کہا ہے تو سہی
یہ بھی، یا حضرتِ ایوب، گلا ہے تو سہی[1]

رنج، طاقت سے سوا ہو، تو نہ پیٹوں کیوں کر؟
ذہن میں، خوبیِ تسلیم و رضا، ہے تو سہی

ہے غنیمت کہ بامّید گزر جائے گی عمر
نہ ملے داد، مگر روزِ جزا ہے تو سہی

دوست گر کوئی نہیں ہے، جو کرے چارہ گری
نہ سہی؛ لیک تمنائے دوا ہے تو سہی

غیر سے، دیکھیے، کیا خوب نباہی اُس نے
نہ سہی ہم سے، پر اُس بت میں وفا ہے تو سہی ۵

نقل کرتا ہوں اُسے نامۂ اعمال میں، مَیں
کچھ نہ کچھ روزِ ازل تم نے لکھا ہے تو سہی

کبھی آجائے گی؛ کیوں کرتے ہو جلدی، غالب؟
شُہرۂ تیزیِ شمشیرِ قضا ہے تو سہی

---

۱ ب، مہر، اے حضرت ایوب۔
۲ الف، ارمغان، مہر، دوست ہی۔
۲ الف، ارمغان، کیوں سر۔
۳ ب، طاہر، نہ ملی داد۔
ب، ارمغان، مہر، نیک تمنائے۔
۵ الف، ارمغان،
مہر، بنائی اس نے۔

(بقیہ) حصۂ دوم ۱۹۶۰ع میں چھاپا ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ میرے ایک بزرگ تھے سید عنایت حسین صاحب، جو بھوپال میں ملازم تھے۔ نواب صدیق حسن خان سے اُن کے خصوصی تعلقات تھے۔ نواب صاحب کے بھائی سید احمد حسن (متوفی ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۰ع) غالب کے شاگرد تھے اور عرشی تخلص کرتے تھے۔ سید عنایت حسین صاحب نے اپنے منتخب اشعار کی ایک بیاض چھوڑی ہے۔ اُس میں پہلے عرشی کا یہ شعر لکھا ہے:

کہیں کچھ ہے، دعا دو گالیوں کو
بنالی بات باتوں میں دون کی

اس کے بعد غالب کا یہ شعر درج کیا ہے۔ اگر ہوتا الخ۔

۱۔ یہ غزل مولانا مہر نے غالب: ۳۰۴ (طبعِ اوّل) میں دیوانِ غالب کے مخطوطۂ بیگم تاباں (حاشیۂ ص۱۰۷) سے نقل کی ہے۔ نیز یہ رسالۂ آجکل دھلی بابت ۱۵ جون ۱۹۴۳ع میں بھی شایع ہوچکی ہے۔

٦١

میں ہوں مشتاقِ جفا، مجھ پہ جفا اور سہی
تم ہو بیداد سے خوش، اس سے سوا اور سہی[1]

غیر کی مرگ کا غم کس لیے، اے غیرتِ ماہ؟
ہیں ہوس پیشہ بہت، وہ نہ ہوا اور سہی

تم ہو بت، پھر تمھیں پندارِ خدائی کیوں ہے؟
تم خداوند ہی کہلاؤ، خدا اور سہی

حُسن میں حور سے بڑھ کر نہیں ہونے کے کبھی
آپ کا شیوہ و انداز و ادا اور سہی

٥ تیرے کوچے کا ہے مائل، دلِ مضطر میرا
کعبہ ایک اور سہی، قبلہ نما اور سہی

کوئی دنیا میں مگر باغ نہیں ہے، واعظ؟
خلد بھی باغ ہے، خیر آب و ہوا اور سہی

کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملالیں، یارب؟
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

مجھ کو وہ دو کہ جسے کھا کے نہ پانی مانگوں
زہر کچھ اور سہی، آبِ بقا اور سہی

مجھ سے، غالب، یہ علائی نے غزل لکھوائی
ایک بیداد گرِ رنج فزا اور سہی

٦٢

١٠ کٹے تو شب کہیں، کاٹے، تو سانپ کہلاوے
کوئی بتاؤ کہ وہ زلفِ خم بخم کیا ہے؟[2]

لکھا کرے کوئی احکامِ طالعِ مولود
کسے خبر ہے کہ واں جُنبشِ قلم کیا ہے؟

---

٥ الف، اردوے معلی ٣٨٩، کوچہ۔ ب، ارمغان، اک اور۔ ٧ الف، شرح حسرت ١٥٧، خلد میں، کہیے تو، دوزخ ہی ملالیں۔ یارب، طاہر، کیوں نہ فردوس کو دوزخ میں ملالیں، یارب ب، اردوے معلی، فزا اور سہی (سہو کاتب)۔

---

١ — میرزا صاحب نے یہ غزل نواب امین الدین احمد خاں بہادر والیِ لوہارو کے لیے لکھی تھی۔ چنانچہ ٢ ربیع الاول ١٢٨٢ھ مطابق ٢٦ جولائی ١٨٦٥ع کو اُنھیں لکھتے ہیں: «وکیلِ حاضر باشِ دربارِ اسد اللہی، یعنی علائی مولائی، نے اپنے موکل کی خوشنودی کے واسطے فقیر کی گردن پر سوار ہوکر ایک اردو کی غزل لکھوائی۔ اگر پسند آئے، مطرب کو سکھائی جائے، جھنجوٹی کے اونچے سُروں میں راہ رکھوائی جائے۔ اگر جیتا رہا، تو جاڑوں میں آکر میں بھی سن لوں گا»۔ اردوے معلی ٣٨٩

٢ — میرزا صاحب نے یہ غزل بھی علائی کی فرمایش پر لکھ کر اس خط کے ساتھ

نہ حشر و نشر کا قائل، نہ کیش و ملّت کا   خدا کے واسطے! ایسے کی پھر قسم کیا ہے؟
وہ داد و دیدِ گرانمایہ شرط ہے، ہمدم   وگرنہ، مُہرِ سلیمان و جامِ جم کیا ہے؟



لطفِ نظّارۂ قاتل، دمِ بسمل، آئے   جان جائے، تو بلا سے، پہ کہیں دل آئے[1]

(بقیہ) بھیجی تھی، جو نوائے سروش: ۳۳۸ میں اس غزل کے متداول اشعار کے ساتھ حاشیے میں منقول ہے۔ جیسا کہ وہاں بتایا جاچکا ہے، یہ خط مع غزل اردوے معلی: ۳۹۴ میں جمعہ ۲۲ دسمبر ۱۸۶۵ع تاریخ کے ساتھ چھپا ہے۔ مگر وہاں یہ درج ہونے سے رہ گیا کہ مرتبِ خطوط نے اسے ۲۲ دسمبر اور ۲۶ دسمبر کے درمیان جگہ دی ہے، اور ۲۶ کو اگلے خط کی تاریخ بتایا ہے جو بالکل درست ہے۔

۱ ــ یہ غزل میرزا صاحب نے اپنے دوسرے سفرِ رامپور میں ۲۸ دسمبر ۱۸۶۵ع کو یہاں سے رخصت ہونے سے پہلے کہی تھی۔ اُس زمانے میں کلبِ علی خاں بہادر رامپور کے نواب تھے۔ اس لیے مولانا نظامی کا دیوان غالب مع شرح: ۲۵۴ میں نوّاب سے یوسف علی خاں بہادر ناظم مراد لینا درست نہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مکاتیبِ غالب، دیباچہ :۱۲۳، طبعِ چہارم۔ یہاں یہ غزل شرحِ حسرت: ۱۵۷ سے ماخوذ ہے۔

حکیم سید محسن علی آبر مقلّدِ میر و غالب کی ادارت میں لکھنؤ سے ایک ادبی ماہنامہ معیار شایع ہوتا تھا۔ اُس کی جلد ۲، شمارہ ۱، ۱۹۰۸ع میں شرحِ غالب مرتبۂ حسرت سے غالب کے وہ غیر معروف اشعار نقل کیے گئے تھے، جو مولانا حسرت موہانی نے اپنے مملوکہ مخطوطۂ گلِ رعنا نیز دوسرے ماخذوں سے انتخاب کرکے شرحِ مذکور کے آخر میں درج فرمائے تھے۔ ان غیر معروف اشعار پر بابِ تنقید کے تحت معیار کی مذکورہ جلد کے شمارۂ ۲ میں ابوالعلا ناطق نے ایک ریویو لکھا ہے۔ اس ریویو کو پڑھ کر سید حامد حسین اوج نے ۲۶ مارچ ۱۹۰۸ع کو (باقی)

ان کو کیا علم کہ کشتی پہ مری کیا گزری؟ | دوست جو ساتھ مرے تا لبِ ساحل[1] آئے
وہ نہیں ہم کہ چلے جائیں حرم کو، اے شیخ | ساتھ حجّاج کے اکثر کئی منزل آئے
آئیں جس بزم میں وہ، لوگ پکار اٹھتے ہیں | لو، وہ برہم زنِ ہنگامۂ محفل آئے
دیدہ خونبار ہے مدّت سے؛ ولے آج، ندیم | دل کے ٹکڑے بھی کئی، خون کے شامل آئے

۱ الف، شرحِ حسرت، گذری۔ ۲ الف، معیار، حرم میں۔

(بقیہ) ایک خط ایڈیٹر معیار کے نام بھیجا تھا، جو شمارہ ۳ بابت مارچ ۱۹۰۸ع میں شامل ہے۔ خط میں وہ لکھتے ہیں:

«غالب کا غیر مطبوع کلام نہایت شوق سے دیکھا، تنقید کو پڑھا۔ رام پور کے مشاعرے کی غزل بھی جس کا مطلع یہ ہے: لطفِ نظارۂ قاتل الخ میں نے دیکھی۔ غالب ریاست رام پور سے وظیفہ پاتے تھے اور یہاں آتے تھے۔ ایک مرتبہ اُن کی موجودگی میں یہ مشاعرہ ہوا تھا۔ شاعرانِ موجودۂ ریاست شریک تھے۔ صاحبزادہ معظم علی خاں صاحب بہادر بھی جو والدِ ماجدِ مرحوم کے شاگرد ہیں، شریکِ مشاعرہ تھے۔ آج بھی مجھ سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ اس کے تذکرے پر مجھ سے فرمایا کہ میری موجودگی میں مرزا نوشہ نے یہ غزل پڑھی تھی۔ جناب والدِ مرحوم نے اپنے قلم سے یہ غزل آخر میں حاشیۂ دیوانِ غالب پر لکھی تھی۔ افسوس کہ دیوان میرے پاس سے جاتا رہا۔ اگر ہوتا، تو ضرور ان اشعار کا مقابلہ کرتا۔ اس غزل کے پانچ شعر مجھے یاد رہ گئے ہیں۔ من جملہ اُن کے مطلع، مقطع آپ نے درجِ پرچہ فرما دیا ہے۔ ایک شعر میں «آئیں» پرچے میں لکھا ہوا ہے، اور والد صاحب نے «آئے» لکھا تھا۔ وہ شعر یہ ہے: «آئے جس بزم میں الخ»۔ اب رہے دو شعر، وہ پرچے میں نہیں ہیں اور مجھے یاد رہ گئے ہیں، وہ یہ ہیں: موت بس الخ، بن گیا الخ»۔

عرشی عرض کرتا ہے کہ محولہ اشعار مقطع سے پہلے درج کردیے گئے ہیں۔ نیز یہ امر واضح کرتا ہے کہ مکتوب نگار کا صحیح نام سید عابد حسین اوج ہے۔ یہ سید احمد علی رسا رامپوری کے بیٹے اور شاگرد تھے۔

۱ — مرزا صاحب نے «لبِ ساحل» کی ترکیب سے متعلق ایک خط میں اپنے شاگرد ہیرا سنگھ کو (باقی)

سامنا، حور و پری نے نہ کیا ہے، نہ کریں
عکس تیرا ہی، مگر، تیرے مقابل آئے

موت بس اُن کی ہے جو مر کے وہیں دفن ہوے
زیست اُن کی ہے جو اُس کوچے سے گھایل آئے

بن گیا سُبحہ وہ زنّار، خدا خیر کرے!
وہ جو نازک ہے کمر اُس پہ بہت دل آئے

اب ہے دلّی کی طرف کوچ ہمارا، غالب
آج ہم حضرتِ نوّاب سے بھی مل آئے

(بقیہ)لکھا ہے:

بھائی، «لبِ ساحل» کی سند پر یہ شعر ہے طالبِ آملی کا:

مدّتے آن گدائے خونین دل
برد تبخالۂ لبِ ساحل

لبِ بام، لبِ فرش، لبِ گور، لبِ چاہ، لبِ دریا، لبِ ساحل بمعنی کنارے کے ہے، مستعملِ اہلِ ایران۔ لبِ بام اُس مقام کو کہتے ہیں کہ جہاں (سے) ایک قدم آگے بڑھائے، تو دھم سے انگنائی میں آئے۔ پس لبِ دریا اُسے سمجھیے جہاں سے قدم بڑھائے، تو پانی میں جائے۔ لبِ ساحل وہ ہوا جہاں سے آگے بڑھے، تو دریا میں گرے۔ لبِ دریا سے پانو پانی پر رکھا جاتا ہے، جیسا نہانے کے واسطے۔ اور لبِ ساحل سے دریا میں کودتے ہیں، جس طرح سلطان جی کی باولی میں لبِ بام سے تیراک کودتے ہیں۔ اسی طرح تیراک جہاں دریا کا پانی نشیب میں ہوتا ہے وہاں کڑاڑے کے کنارے پر سے کودتے ہیں۔ کڑاڑا ساحل، اور کڑاڑے کا کنارا لبِ ساحل۔ جو صاحب کہ لبِ ساحل کو صحیح نہیں جانتے، کیا وہ طالبِ آملی کو بھی نہیں مانیں گے؟ اور اس لفظ پر اعتراض کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان بےچاروں نے سوائے گلستاں، بوستاں کے کوئی فارسی کی کتاب نہیں دیکھی۔ اگر مدّت تک قدما کی تصنیفات نظر میں رکھیں گے، تو یقین ہے کہ دیکھ لیں گے»۔ اردوے معلی: ۳۹۷، لاہور ایڈیشن۔



مسجد کے زیر سایہ، اک گھر، بنالیا ہے   یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے[1]



آج یک شنبے کا دن ہے، آؤ گے؟   یا فقط رستا ہمیں بتلاؤ گے؟[2]

---

۲ الف، خمخانہ، یکشنبہ۔   ب، خمخانہ، رستہ۔

---

۱ ــ یہ شعر میرزا صاحب نے اپنے مکان واقع محلۂ بلی ماران کے متعلق کہا تھا۔ مولانا حالی کے بیان کے مطابق یہ حکیم محمود خاں مرحوم کے دیوان خانے کے متصل مسجد کے عقب میں تھا، اور اسی میں اُن کا انتقال ہوا تھا (یادگار: ۸)۔ مولانا مہر کی رائے ہے کہ اس میں میرزا صاحب جنوری ۱۸۶۶ع کے بعد منتقل ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو غالب: ۸۵ (طبع سوم)۔ مکان کی نشاندھی وہ یوں کرتے ھیں: «کوچۂ بلی ماران میں سے گلی قاسم جان میں مڑیں، تو عین موڑ پر بائیں ہاتھ مسجد ہے۔ اس مسجد کے سامنے کا مکان، جو ہندوستانی دواخانے کی موجودہ عمارت کا ایک حصّہ ہے، غالب کا مکان تھا»۔

۲ ــ خمخانۂ جاوید ۱: ۸۱ میں نقل کرتے ہوئے لالہ سری رام نے اس شعر کی شانِ نظم یہ لکھی ہے کہ «رائے صاحب ماسٹر پیارے لال آشوب دہلی میں ہوتے تھے، تو کوئی ہفتہ ملاقات سے خالی نہ جاتا۔ کبھی اتفاق سے دیر ہو جاتی، تو بارہا مرزا صاحب ایک نہ ایک شعر لکھ کر رائے صاحب کے پاس بھیج دیتے، جس کا مضمون حسن طلب ہوتا۔ چنانچہ ایک شعر جناب کو اب تک یاد ہے»۔

٦٦

تحریر ہے، یہ غالبِ یزداں پرست کی   تاریخ اس کی، آج نویں ہے اگست کی[1]

٦٧

دمِ واپسیں بر سرِ راہ ہے   عزیزو، اب اللہ ہی اللہ ہے![2]

---

۱ ـ یہ شعر بھی خمخانۂ جاوید ۱: ۸۲ میں اس شانِ نظم کے ساتھ درج ہوا ہے کہ "میجر فلر صاحب عربی، فارسی، اردو کے خوب ماہر تھے ـ کلکتہ یونیورسٹی سے جو سررشتۂ تعلیم کے متعلق سالانہ سوالات آیا کرتے تھے، اُن کے جواب میجر فلر صاحب خود لکھا کرتے اور اُن میں اکثر رائے بہادر صاحب سے مدد لیتے تھے ایک مرتبہ کلکتہ یونیورسٹی سے یہ سوال آیا کہ "مسجع و مقفی عبارت میں کیا فرق ہے؟ مع مثال بیان کرو" ـ حسبِ معمول یہ سوال بھی رائے صاحب کے پاس بھیجا ـ رائے صاحب نے یہ سوال بجنسہ مرزا غالب کے پاس بھیج دیا، اور اُنھوں نے اُس کا جواب مع امثال نظم میں لکھ کر دیا، جس کا آخری شعر یہ تھا" ـ

۲ ـ مرزا صاحب نے ایک خط میں فرزند علی اخگر کو خطاب کرتے ہوئے لکھا ہے: "قبلۂ حاجات، میرا حال کیا پوچھتے ہیں ـ زندہ ہوں مگر مُردے سے بدتر ـ جو حالت میری آپ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما گئے تھے، اب تو اُس سے بھی بدتر ہے ـ مرزاپور کیا آؤں، اب سوائے سفرِ آخرت اور کسی سفر کی نہ مجھ میں طاقت ہے نہ جرأت ـ جوان ہوتا، تو احباب سے دعائے صحّت کا طلبگار ہوتا ـ بوڑھا ہوں، تو دعائے مغفرت کا خواہاں ہوں ـ دمِ واپسیں الخ ـ

سچ تو یہ ہے کہ قوّتِ ناطقہ پر وہ تصرّف اور قلم میں وہ زور نہ رہا ـ طبیعت میں وہ مزا، سر میں وہ سودا کہاں ـ پچاس پچپن برس کی مشق کا کچھ ملکہ باقی رہ گیا ہے ـ اس سبب سے فنِّ کلام میں گفتگو کر لیتا ہوں ـ حواس کا بھی بقیّہ میرے اس شعر کا مصداق ہے: (باقی)

(بقیہ) مضمحل ہو گئے قویٰ، غالب وہ عناصر میں اعتدال کہاں؟

حوادثِ زمانہ و عوارضِ جسمی سے نیم جان ہوں۔ اس سرائے فانی میں اور کچھ دنوں کا مہمان ہوں:

ہو چکیں، غالب، بلائیں سب تمام ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

جب تک جیتا ہوں، نامۂ و پیام سے شاد، بعد میرے دعائے مغفرت سے یاد فرماتے رہیے گا۔ مرقعِ ادب، حصّۂ دوم: ۲۱۔

مرزا صاحب کے مرضِ موت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے مولانا حالی نے لکھا ہے: «مرنے سے چند روز پہلے بےہوشی طاری ہوگئی تھی۔ پہر پہر دو دو پہر کے بعد چند منٹ کے لیے افاقہ ہو جاتا تھا۔ پھر بےہوش ہوجاتے تھے۔ جس روز انتقال ہوگا، اُس سے شاید ایک دن پہلے میں اُن کی عیادت کو گیا تھا۔ اُس وقت کئی پہر کے بعد افاقہ ہوا تھا اور نواب علاؤالدین احمد خاں مرحوم کے خط کا جواب لکھوا رہے تھے۔ اُنھوں نے لوہارو سے حال پوچھا تھا۔ اُس کے جواب میں ایک فقرہ اور ایک فارسی شعر جو غالباً شیخ سعدی کا تھا لکھوایا۔ فقرہ یہ تھا کہ «میرا حال مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ ایک آدھ روز میں ہمسایوں سے پوچھنا»۔ اور شعر کا پہلا مصرع مجھے یاد نہیں رہا۔ دوسرا مصرع یہ تھا: «نکرد ھجر مدارا بمن، سرِ تو سلامت»۔ مرنے سے پہلے اکثر یہ شعر وردِ زبان رہتا تھا: دمِ واپسیں الخ»۔ یادگار: ۹۹—۱۰۰۔

آبِ حیات: ۴۶۹ میں مولانا محمد حسین آزاد نے لکھا ہے کہ «مرنے سے چند روز پہلے یہ شعر کہا تھا اور اکثر یہی پڑھتے رہتے تھے»۔ مگر یہ قول درست نہیں، جیسا کہ اخگر کے نام کے خط سے ظاہر ہوتا ہے۔

رباعیّات

۱

جن لوگوں کو ھے مجھ سے عداوت گہری
کہتے ھیں وہ مجھ کو رافضی اور دھری
دھری کیونکر ھو، جو کہ ھووے صوفی ؟
شیعی کیونکر ھو، مَاوَرَاءُ النّہری ؟[1]

۲

اصحاب کو جو کہ نا سزا کہتے ھیں
سمجھیں تو زرا دل میں کہ کیا کہتے ھیں
سمجھا تھا نبی نے اُن کو اپنا ھمدم
ھے، ھے! نہ کہو، کسے بُرا کہتے ھیں!

۳

یارانِ رسول، یعنی اصحابِ کبار
ھیں گرچہ بہت، خلیفہ اُن میں ھیں چار
ان چار میں ایک سے ھو جس کو انکار
غالب، وہ مسلمان نہیں ھے زنہار

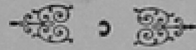
---

۱ ب. یادگار. کہتے ھیں مجھے وہ -

۱- خواجہ حالی نے یادگار: ۷۶ میں لکھا ھے کہ «ایک بار بہادر شاہ نے دربار میں یہ کہا کہ ھم نے سنا ھے کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب شیعی المذھب ھیں» - مرزا کو بھی اطلاع ھو گئی - چند رباعیاں لکھ کر حضور کو سنائیں، جن میں تشیّع اور رفض سے تحاشی کی تھی - ان میں سے ایک رباعی جو بہت لطیف ھے، مجھ کو یاد رہ گئی ھے، جو یہاں لکھی جاتی ھے ..... دھریت اور تصوّف میں جو بُونِ بعید ھے وہ ظاھر ھے - دھری خدا کے وجود ھی کا قائل نہیں - اور صوفی صرف خدا ھی (باقی)



یارانِ نبی میں تھی لڑائی کس میں؟ الفت کی نہ تھی جلوہ نمائی کس میں؟
وہ صدق، وہ عدل، وہ حیا (اور) وہ علم بتلاو کوئی کہ تھی برائی کس میں؟



یارانِ نبی سے رکھ تولّا، باللہ! ہر یک ہے کمالِ دیں میں یکتا باللہ!
وہ دوست نبی کے اور تم اُن کے دشمن لا حول و لا قُوّۃَ اِلّا باللہ!

(بقیہ) وجود جانتا ہے اور ماسوا کو ہیچ سمجھتا ہے۔ پس صوفی دہری کیوں کر ہو سکتا ہے؟ چوتھے مصرع کا مطلب یہ ہے کہ مَاوَرَاءُ النّہر. یعنی ترکستان، کے لوگ متعصب سُنّی ہونے میں ضرب المثل ہیں۔ یہاں تک کہ شیعہ اُن کو ناصبی اور خارجی کہتے ہیں۔ چونکہ مرزا کی اصل مَاوَرَاءُ النّہر سے تھی، اس لیے کہتے ہیں کہ ایک مَاوَرَاءُ النّہری. رافضی یا شیعی کیسے ہو سکتا ہے؟
یہ رباعیاں تعداد میں پانچ تھیں، اور سراج الاخبار دھلی، جلد ۸ شمارہ ۲۸ مورخہ من ابتداے یوم شنبہ یازدھم محرم الحرام ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۸۵۰ء لغایت جمعہ ۱۷ ھلالی میں صفحہ ٤ کالم ۲ پر «یوم سہ‌شنبہ چہاردھم محرم» عنوان کے تحت اس تمہید کے ساتھ شائع ہوئی تھیں۔ «چون بہ نسبتِ نجم‌الدولہ اسداللہ خان غالب تخلص ہیچ کس غماز (...) سمت لا مذھبی و مذھبش مذھبِ امامی وا نمودہ بود، لھذا بیتے چند بطورِ رباعی بکمالِ متانت و خوش ادائی پیشِ بندگانِ قدسی ادا نمودند۔ از خیلی پسند افتادگی ایمای طبع فرمودند۔» یہ اخبار قاضی معراج دھول‌پوری مرحوم کے پاس تھا، اور اُنھوں نے اُس کی ایک نقل مجھے عطا کی تھی۔

٦

رقعے کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے؟ ثاقب، حرکت یہ کی ہے بیجا تم نے
حاجی کلّو کو دے کے بے وجہ جواب غالب کا پکا دیا کلیجا تم نے[1]

٧

اے روشنیِ دیدہ شہاب الدیں خاں کٹتا ہے، بتاؤ، کس طرح سے رمضاں؟
ہوتی ہے تراویح سے فرصت کب تک؟ سنتے ہو تراویح میں کتنا قرآں؟[2]

٨

اے منشیِ خیرہ سر، سخن ساز نہو عصفور ہے تو، مقابلِ باز نہو
آواز تری نکلی اور آواز کے ساتھ لاٹھی وہ لگی کہ جس میں آواز نہو[3]

٩

(..................)
(..................) (..................)
(..................) کھانا نہ انہیں کہ یہ پرانے ہیں آم[4]

۱ الف. اردوے معلی: ۲۹۵، رقعہ -
۸ ب، جلوۂ خضر. ۱ ے (سہو کاتب) -

۱ و ۲ — یہ دونوں رباعیاں گویا دو منظوم خط ہیں جو مرزا صاحب نے نواب شہاب الدین احمد خاں بہادر ثاقب کو لکھے تھے - مولوی مہیش پرشاد مرتبِ خطوطِ غالب کی رائے میں یہ ۱۸۶۲ع کے بعد کی معلوم ہوتی ہیں۔
۳ — یہ رباعی لطائفِ غیبی صفحۂ ۱۵ میں مندرج ہے۔
٤ — یہ میرزا صاحب کی رباعی کا چوتھا مصرع ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ صفیر (باقی)

(بقیہ)بلگرامی ۱۲۸۲ھ (۱۸٦۵) میں غالب سے ملنے دہلی گئے تھے۔ انھوں نے ان کی بڑی خاطر تواضع کی، اور نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نیّر کے یہاں ٹھہرایا۔ کھانے کے ساتھ آم آئے، تو وہ بقولِ صفیر "صورت حرام نظر آئے۔ بالکل کھٹّے۔ میں پورب کے آم کھائے ہوے تھا، بڑی نفرت ہوئی۔ اپنے ساتھ کے آم نکال کر کھائے، اُس سے کہیں بہتر پائے۔ پھر تو میں نے نصف ٹوکرا حضرتِ غالب کی خدمت میں بھیجا۔ وہاں سے تھوڑی دیر کے بعد ایک رباعی لکھ کر آئی، جس کا آخری مصرع مجھے یاد ہے، ...... اور سب آم منگالیے"۔ (جلوۂ خضر ۱ : ۲۴۴)

دیوانِ غالب

حصّۂ چہارم

بادآورد

غزلیّات

الف



اسدؔ، افسردگی آوارۂ کفر و دیں ہے ۔ یادِ روزے کہ نفس در گروِ «یا رب» تھا[1]



فرو پیچیدنی ہے فرش بزمِ عیش گستر کا ۔ دریغا! گردش آموزِ فلک ہے دَور ساغر کا
خطِ نوخیز کی، آئینے میں دی کس نے، آرایش؟ ۔ کہ ہے نہ بندیِ پرہاے طوطی رنگ جوہر کا
گیا جو نامہ بر، واں سے برنگِ باختہ آیا ۔ خطوطِ روے قالیں، نقش ہے پشتِ کبوتر کا
۵ شکستِ گوشہ گیراں، ہے فلک کو حاصلِ گردش ۔ صدف سے آسیاے آب میں ہے دانہ گوہر کا
فزوں ہوتا ہے ہر دم جوشِ خونباری، تماشا ہے ۔ نفس کرتا ہے رگہاے مژہ پر کام نشتر کا
خیالِ شربتِ عیسی گدازِ تر جبینی ہے ۔ اسدؔ، ہوں مست دریا بخشیِ ساقیِ کوثر کا

---

۶ ب. پہلے یہ مصرع یوں تھا: «نفس کرتا ہے از رگہاے مژگاں کام نشتر کا»۔

---

۱ — ابھی نسخۂ عرشی کی طباعت جاری تھی کہ ۵ اپریل سنہ ۱۹۶۹ع کو بھوپال سے دیوانِ غالب کا قدیم ترین مخطوطہ بطورِ گنجِ بادآورد ملا، جس کا متن تمام و کمال میرزا صاحب کے قلم سے نقل ہوا ہے۔ اسی مخطوطے سے یہ اور اس حصّے کے دیگر اشعار، غزلیات اور رباعیات نقل کی جارہی ہیں۔ چونکہ زیرِ بحث مخطوطے کے دو شعر عمدۂ منتخبہ کے حوالے سے یادگارِ نالہ، غزلیات، نمبر ۱ و ۴۵، پر پہلے ہی جگہ پاچکے ہیں، اس لیے اُنہیں یہاں ترک کیا جاتا ہے۔ مخطوطے کے دیگر کوائف کے لیے مقدمۂ مرتب کی جانب رجوع کیا جائے۔ اس کا عکس «نسخۂ عرشی‌زادہ» کے نام سے شائع بھی ہوگیا ہے۔

۳

خاکِ عاشق، بسکہ، ھے فرسودۂ پروازِ شوق — جادۂ ھر دشت، تارِ دامنِ قاتل ھوا

۴

تنک ظرفوں کا رُتبہ جہد سے برتر نہیں ھوتا — حبابِ مے بصد بالیدنی ساغر نہیں ھوتا
عجب، اے آبلہ پایانِ صحراے نظر بازی — کہ تارِ جادۂ رہ رشتۂ گوھر نہیں ھوتا
خوشا! عجزے کہ عاشق جل بجھے جوں شعلۂ خامش — کہ کم از سرمہ اُس کا مشتِ خاکستر نہیں ھوتا
تماشاے گل و گلشن ھے مفتِ سر بجیبی ھا — بہ از چاکِ گریباں، گلستاں کا در، نہیں ھوتا ۵
نرکھ چشمِ حصولِ نفع، صحبتھاے ممسک سے — لبِ خشکِ صدف آبِ گہر سے تر نہیں ھوتا
نہ دیکھا کوئی ھم نے آشیاں بلبل کا گلشن میں — کہ جس کے در پہ غنچہ شکلِ قفلِ زر نہیں ھوتا
صفا کب جمع ھوسکتی ھے غیراز گوشہ گیری ھا — صدف بِن قطرۂ نیساں، اسد، گوھر نہیں ھوتا

۵

وہ فلک رتبہ کہ بر توسنِ چالاک چڑھا — ماہ پر، ھالہ صفت، حلقۂ فتراک چڑھا
نشۂ مے کے اُتر جانے کے غم سے انگور — صورتِ اشک بہ مژگانِ رگِ تاک چڑھا ۱۰
بوسۂ لب سے ملی طبع کو کیفیّتِ حال — مے کشیدن سے مجھے نشۂ تریاک چڑھا
میں جو گردوں کو بمیزانِ طبیعت تولا — تھا یہ کم وزن کہ ھمسنگِ کفِ خاک چڑھا

اے اسد، وا شدنِ عقدۂ غم گر چاھے
حضرتِ زلف میں، جوں شانہ، دلِ چاک چڑھا

۶

خط جو رخ پر جانشینِ ھالۂ مہ ھو گیا — ھالہ دودِ شعلۂ جوّالۂ مہ ھو گیا
حلقۂ گیسو کُھلا دورِ خطِ رُخسار پر — ھالۂ دیگر بہ گِردِ ھالۂ مہ ھو گیا ۱۵

---

۳ الف، پہلے "صحراے محبت" تھا۔ اسے قلمزد کرکے اوپر اصلاح کردی ھے۔ — ۱۱ الف، اصل، خال (سہو کتابت)

شب کہ مستِ دیدنِ مہتاب تھا وہ جامہ زیب   پارۂ چاکِ کتاں، ³پرکالۂ مہ ہو گیا

شب کہ وہ گُلِ باغ میں تھا جلوہ فرما، اے اسد
داغِ مہ، جوشِ چمن سے، لالۂ مہ ہو گیا


۷

دلِ بیتاب کہ سینے میں دمِ چند رہا   بدمِ چند گرفتارِ غمِ چند رہا¹

زندگی کے ہوے ناگہ نفسِ چند تمام   کوچۂ یار جو مجھ سے قدمِ چند رہا

۵ لکھ سکا میں نہ اُسے شکوۂ پیماں شکنی   لا جرم. توڑ کے، عاجز، قلمِ چند، رہا

الفتِ زر ہمہ نقصاں ہے، کہ آخر قاروں   زیر بارِ غمِ دام و درمِ چند رہا

عمر بھر ہوش نہ یک جا ہوے میرے کہ، اسد   میں پرستندۂ روے صنمِ چند رہا


۸

بسانِ سبزہ رگِ خواب ہے زباں ایجاد   کرے ہے خامشی احوالِ بیخوداں پیدا²

صفا و شوخی و اندازِ حسن پا بہ رکاب   خطِ سیاہ سے ہے گردِ کارواں پیدا

۱۰ نہیں ہے آہ کو ایماے تیر باریدن   وگرنہ ہے خمِ تسلیم سے کماں پیدا

نصیبِ تیرہ، بلا گردش آفریں ہے، اسد   زمیں سے ہوتے ہیں صد دامن آسماں پیدا

---

۴ الف، ضمیمہ، کی ہوئیں ناگہ نفسیں۔   ۶ الف، ضمیمہ، کہ اب تک قاروں۔   ۷ الف، ضمیمہ، نہ بر جا رہے۔
۱۰ الف، اصل، بالیدن (سہو کتابت)

۱۔ یہ غزل ضمیمۂ نسخۂ عرشی مرتبۂ اکبرعلی‌خاں میں ایک مخمس کی شکل میں داغِ مہر اور ہماری زبان کے حوالے سے شائع ہوئی تھی۔ لیکن یادگارِ نالہ میں اس لیے شامل نہ کی جا سکی کہ خویشگی نے اپنے تذکرے، گلشنِ ہمیشہ بہار میں اسے میرامانی اسد شاگردِ سودا کی طرف منسوب کیا تھا۔ اب نو دریافت مخطوطے نے بالکل مطمئن کردیا کہ یہ غزل میرزا صاحب ہی کی ہے۔

۲۔ اس غزل کا مطلع یادگارِ نالہ میں تحتِ غزلیات، نمبر ۱، نقل ہو چکا ہے۔

۹

نہاں کیفیّتِ مے میں ھے سامانِ حجاب اُس کا ... بنا ھے پنبۂ مینا سے ساقی نے نقاب اُس کا
اگر اُس شعلہ رُو کو دوں پیامِ مجلس افروزی ... زبانِ شمعِ خلوتخانہ دیتی ھے جواب اُس کا
عیاں کیفیّتِ میخانہ ھے جوے گلستاں میں ... کہ مے عکسِ شفق ھے، اور ساغر ھے حباب اُس کا
اُٹھائے ھیں جو میں افتادگی میں متّصل صدمے ... کروں گا اشک ھاے واچکیدہ سے حساب اُس کا

اسد کے واسطے رنگے بروے کار ہو پیدا
غبار، آوارۂ سرگشتہ ھے، یا بو تراب، اُس کا

۱۰

ز بس ھے ناز بردارِ غرورِ نشّۂ صہبا ... رگِ بالیدۂ گردن ھے موجِ بادہ در مینا
در آبِ آئینہ از جوشِ عکسِ گیسوے مشکیں ... بہارِ سنباستاں جلوہ‌گر ھے آں سوے دریا
کہاں ھے دیدۂ روشن کہ دیکھے بے حجابانہ ... نقابِ یار ھے از پردہ ھاے چشمِ نابینا
ندیجے پاسِ ضبطِ آبرو، وقتِ شکستن بھی ... تحمّل پیشۂ تمکین رہیے آئنہ آسا

اسد، طبعِ متیں سے گر نکالوں شعرِ برجستہ
شرر، ہو قطرۂ خونِ فسردہ در رگِ خارا

ج

۱۱

رنگریزِ جسم و جاں نے از خمستانِ عدم ... خرقۂ ہستی نکالا ھے برنگِ احتیاج

ر

۱۲

ناتوانی نے نہ چھوڑا بسکہ بیش از عکسِ جسم ... مفتِ وا گستردنی ھے، فرشِ خواب، آئینے پر

۱۳

دنداں کا خیال، چشمِ تر، کر
ہر دانۂ اشک کو گہر کر

آتی نہیں نیند، اے شبِ تار
افسانۂ زلفِ یار سر کر

اے دل، بخیالِ عارضِ یار
بہ شامِ غم آپ پر سحر کر

ہرچند اُمید دور تر ہو
اے حوصلے، سعی بیشتر کر

۵ میں آپ سے جاچکا ہوں، اب بھی
اے بیخبری، اُسے خبر کر

افسانہ، اسد، بایں درازی
اے غمزدہ، قصہ مختصر کر

م

۱۴

یاں اشک جدا گرم ہے، اور آہ جدا گرم
حسرت کدۂ عشق کی ہے آب و ہوا گرم

اُس شعلے نے گلگوں کو جو گلشن میں کیا گرم
پھولوں کو ہوئی بادِ بہاری وہ ہوا گرم

وا کرسکے یاں کون بجز کاوشِ شوخی
جوں برق ہے پیچیدگیِ بندِ قبا گرم

۱۰ گر ہے سرِ دریوزگیِ جلوۂ دیدار
جوں پنجۂ خُرشید ہو، اے دستِ دعا، گرم

یہ آتشِ ہمسایہ کہیں گھر نہ جلادے
کی ہے دلِ سوزاں نے مرے پہلو میں جا گرم

غیروں سے اُسے گرمِ سخن دیکھ کے، غالب
میں رشک سے، جوں آتشِ خاموش، رہا گرم

ن

۱۵

سرابِ یقیں ہیں پریشاں نگاہاں
اسد کو گر از چشمِ کم دیکھتے ہیں

کہ ہم بیضۂ طوطیِ ہند، غافل
تہِ بالِ شمعِ حرم دیکھتے ہیں

---

٦ الف، پہلے یہ مصرع یوں تھا: "غیروں سے، اسد، گرمِ سخن دیکھ کے اوس کو"۔ پھر اسے قلمزد کرکے متن کا مصرع حاشیے پر لکھ دیا ہے۔

۱۶

برنگِ سایہ سروکارِ انتظار نہ پوچھ سراغِ خلوتِ شب ھاے تار رکھتے ھیں

۱۷

ادب نے سونپی ھمیں سرمہ سائیِ حیرت زبانِ بستہ و چشمِ کشادہ رکھتے ھیں

۱۸

ضمانِ جادہ رویاندن ھے خطِ جامِ مَے نوشاں وگرنہ منزلِ حیرت سے کیا واقف ھیں مدھوشاں ؟
نہیں ھے، ضبط۔ جز مشّاطگیہاے غم آرائی کہ میلِ سُرمہ چشمِ داغ میں ھے، آہِ خاموشاں
بھنگامِ تصوّر ساغرِ زانو سے پیتا ھوں مَےِ کیفیّتِ خمیازہ ھاے صبح آغوشاں
نشانِ روشنیِّ دل نہاں ھے تیرہ بختوں کا نہیں محسوس، دودِ مشعلِ بزمِ سیہ پوشاں
پریشانی، اسد، در پردہ ھے سامانِ جمعیّت کہ ھے آبادیِ صحرا، ھجومِ خانہ بر دوشاں

۱۹

نہیں ھے بے سبب قطرے کو، شکلِ گوھر، افسردن گرہ ھے حسرتِ آبے بروے کار آوردن
مہِ نو سے ھے، رھزن وار، نعلِ واژگوں باندھا نہیں ممکن بجولاں ھاے گردوں دخلِ بے بردن
خمارِ ضبط سے بھی نشّۂ اظہار پیدا ھے تراوش شیرۂ انگور کی ھے مفتِ افشردن
خراب آبادِ غربت میں عبث، افسوسِ ویرانی گلِ از شاخ دور افتادہ ھے نزدیکِ پژمردن
فغان و آہ سے حاصل بجز دردِ سرِ یاراں خوشا! اے غفلت آگاھاں، نفس دُزدیدن و مردن
دریغا! بستنِ رختِ سفر سے ھوکے میں غافل رھا پامالِ حسرت ھاے فرشِ بزم گستردن
اسد، ھے طبع مجبورِ تمنّا آفرینی ھا فغاں! بےاختیاری و فریبِ آرزو خوردن

---

۱۳ الف، پہلے یہ مصرع یوں تھا «دریغا ھوکے از بربستن رخت سفر غافل»۔ پھر اسے بدل کر متن کے مطابق کردیا۔

۲۰

سازشِ صلحِ بتاں میں ہے نہاں جنگیدن نغمہ و چنگ، ہیں جوں تیر و کماں فہمیدن
بسکہ شرمندۂ بوے خوشِ گلرُویاں ہے نکہتِ گل کو ہے غنچے میں نفس دُزدیدن
ہے فروغِ رُخِ افروختۂ خوباں سے شعلۂ شمع، پرافشانِ بخود لرزیدن
گلشنِ زخم کھلاتا ہے جگر میں، پیکاں گرہِ غنچہ، ہے، سامانِ چمن بالیدن
چمنِ دھر میں ہوں سبزۂ بیگانہ، اسد واے! اے بیخودی و تہمتِ آرامیدن

و

۲۱

منقار سے رکھتا ہوں بہم چاکِ قفس کو تا گل زِ جگر زخم میں ہے راہ نفس کو
بیباک ہوں از بسکہ بیازارِ محبت سمجھا ہوں زرہ جوہرِ شمشیرِ عسس کو
رہنے دو گرفتارِ بزندانِ خموشی چھیڑو نہ مجھ افسردۂ دُزدیدہ نفس کو
پیدا ہوے ہیں ہم الم آبادِ جہاں میں فرسودنِ پاے طلب و دستِ ہوس کو
۱۰ نالاں ہو، اسد، تو بھی سرِ راہ گزر[1] پر کہتے ہیں کہ تاثیر ہے فریادِ جرس کو

ہ

۲۲

اشکِ چکیدہ، رنگِ پریدہ ہر طرح ہوں میں از خود رمیدہ
گو، یاد مجھ کو کرتے ہیں خوباں لیکن بسانِ دردِ کشیدہ
ہے رشتۂ جاں فرطِ کشش سے مانندِ نبضِ دستِ بُریدہ
ٹوٹا ہے، افسوس! موے خمِ زلف ہے شانہ یکسر دستِ گزیدہ
۱۵ خالِ سیاہِ رنگیں رُخاں سے ہے داغِ لالہ در خوں تپیدہ[2]

---

۱ — یہاں اور دیگر مقامات پر بھی غالب نے ذ لکھی ہے۔ ۲ — یہاں اور دوسری جگہوں پر بھی غالب نے ط لکھی ہے۔

جوشِ جنوں سے جوں کسوتِ گل سر تا بپا ہوں جیبِ دریدہ
یارو، اسد کا نام و نشاں کیا؟ بیدل، فقیرِ آفت رسیدہ

۲۳

خوشا! طوطیؔ و کُنجِ آشیانہ نہاں در زیرِ بال آئینہ خانہ
سرشکِ بر زمیں افتادہ آسا اُٹھا یاں سے نہ میرا آب و دانہ
حریفِ عرضِ سوزِ دل نہیں ہے زباں ہرچند ہوجاوے زبانہ
دلِ نالاں سے ہے بے پردہ پیدا نواے بربط و چنگ و چغانہ
کرے کیا دعویِ آزادیِ عشق گرفتارِ الم ہاے زمانہ

اسد، اندیشۂ ششدر شُدن ہے
نہ پھریے مہرہ ساں خانہ بخانہ

۲٤

اے دریغا! کہ نہیں طبعِ نزاکت ساماں ورنہ کانٹے میں تُلے ہے سخنِ سنجیدہ

ی

۲۵

کرے ہے رہرواں سے خضرِ راہِ عشق جلّادی ہوا ہے موجۂ ریگِ رواں شمشیرِ فولادی
نظر بندِ تصوّر ہے قفس میں، لطفِ آزادی شکستِ آرزو کے رنگ کی کرتا ہوں صیّادی
کرے ہے حُسنِ ویراں کار روے سادہ رُویاں پر غُبارِ خط سے تعمیرِ بناے خانہ بربادی
چنار آسا عدم سے با دلِ پُر آتش آیا ہوں تہی آغوشیِ دستِ تمنّا کا ہوں فریادی

اسد، از بسکہ فوجِ درد و غم سرگرمِ جولاں ہے
غبارِ راہِ ویرانی ہے ملکِ دل کی آبادی

۲۶

بزلفِ مہ وشاں رہتی ہے، شب، بیدار، ظاہر ہے   زبانِ شانہ سے تعبیر صد خوابِ پریشاں کی

۲۷

تھکا جب قطرۂ بے دست و پا بالا دویدن سے   ز بہر یادگاری ہا گِرہ دیتا ہے گوہر کی

۲۸

آنکھوں میں انتظار سے جاں پُرشتاب ہے   آتا ہے آ، وگرنہ یہ پا در رکاب ہے[1]
حیراں ہوں، دامنِ مژہ کیوں جھاڑتا نہیں   خط صفحۂ عِذار پہ گردِ کتاب ہے
جوں نخلِ ماتم، ابر سے مطلب نہیں مجھے   رنگِ سیاہِ نیل، غبارِ سحاب ہے
ممکن نہیں کہ ہو دلِ خوباں میں کارگر   تاثیرِ جُستنِ اشک سے نقش بر آب ہے

دیکھ، اے اسد، بدیدۂ باطن کہ ظاہرا
ہر ایک ذرّہ غیرتِ صد آفتاب ہے

۲۹

بہار شوخ، و چمن تنگ، و رنگِ گل دلچسپ   نسیم، باغ سے پا در حنا نکلتی ہے

۳۰

نقشِ سطرِ صد تبسّم ہے بر آبِ زیرِ گاہ   حُسن کا خط پر نہاں خندیدنی انداز ہے

۳۱

از دلِ ہر دردمندے جوشِ بیتابی زدن   اے ہمہ بے مدّعائی، یک دعا ہوجائیے

۱۔ اس غزل کا دوسرا شعر گنجینۂ معنی صفحہ ۸۱، غزل نمبر ۱۷۰، سطر ۸ پر درج ہو چکا ہے۔ اس لیے یہاں نقل نہیں کیا گیا۔

۳۲

تجھ کو، اے غفلت نسب، پروائے مشتاقاں کہاں ! | ہاں نگہ آلودہ ہے دستارِ بادامی تری

۳۳

نہیں ہے، حوصلہ، پا مردِ کثرتِ تکلیف | جنونِ ساختہ، حرزِ فسونِ دانائی

۳٤

جورِ زلف کی تقریر پیچتابِ خاموشی | ہند میں اسد نالاں. نالہ در صفاہاں ہے

۳۵

نقشِ رنگینیِ سعیِ قلمِ مانی ہے | بکمر دامنِ صد رنگ گلستاں زدہ ہے

۳٦

کرتا ہے گل جنونِ تماشا کہیں جسے | گلدستۂ نگاہ سویدا کہیں جسے ۵

۳۷

نمک بر داغِ مشک آلودۂ وحشت تماشا ہے | سوادِ دیدۂ آہو شبِ مہتاب ہوجاوے

۳۸

اُس قامتِ رعنا کی جہاں جلوہ گری ہے | تسلیم فروشی، روشِ کبکِ دری ہے
شرمندۂ اُلفت ہوں مداوا طلبی سے | ہر قطرۂ شربت مجھے اشکِ شکری ہے
سرمایۂ وحشت ہے، دلا، سایۂ گلزار | ہر سبزۂ نو خاستہ یاں بالِ پری ہے
روشن ہوئی یہ بات دمِ نزع کہ آخر | فانوس، کفن بہرِ چراغِ سحری ہے ۱۰

ہم آئے ہیں، غالب، رہِ اقلیم عدم سے
یہ تیرگیِ حال لباسِ سفری ہے

۳۹

وہ نہا کر آبِ گل سے سایۂ گل کے تلے
بال کس گرمی سے سُکھلاتا تھا سنبل کے تلے؟

کثرتِ جوشِ سویدا سے نہیں تِل کی جگہ
خال کب مشّاطہ دے سکتی ہے کاکل کے تلے

بسکہ خوباں باغ کو دیتے ہیں وقتِ مےشکست
بال اُگ جاتا ہے شیشے کا رگِ گل کے تلے

۵ ہے پر افشانِ تپیدنہا بتکلیفِ ہوس
ورنہ صد گلزار ہے یک بالِ بلبل کے تلے

پے بمقصد بُردنی ہے خضرِ مے سے، اے اسد
جادۂ منزل ہے خطِّ ساغرِ گُل کے تلے

۴۰

نپوچھ کچھ سروسامان و کاروبارِ اسد
جنوں معاملہ، بیدل، فقیرِ مسکیں ہے

۴۱

روتا ہوں بسکہ در ہوسِ آرمیدگی
جوں گوہر، اشک کو ہے فرامش چکیدگی

بر خاک اوفتادگیِ کشتگانِ عشق
ہے سجدۂ سپاسِ بمنزل رسیدگی

۱۰ انساں نیازمندِ ازل ہے کہ جوں کماں
مطلب ہے ربط سے رگ و پے کی خمیدگی

ہے بسملِ ادائے چمن عارضاں، بہار
گلشن کو رنگِ گُل سے ہے درخوں تپیدگی

دیکھا نہیں ہے ہم نے بعشقِ بتاں، اسد
غیر از شکستہ حالی و حسرت کشیدگی

۴۲

بدستِ آوردنِ دل گوہرِ دریائے شاہی ہے
وگرنہ خاتمِ دستِ سلیماں فلسِ ماہی ہے

---

۱ الف، بھاپے یہ مصرع یوں تھا: "آئے ہیں اسد ہم رہ اقلیم عدم سے"۔ پھر اسے قلمزد کرکے حاشیے پر متن کا مصرع لکھ دیا ہے۔

سخن ناریک طبعوں کا، ہے اظہارِ کثافت ہا — کہ رنگِ خامۂ فولاد، مانا ے سیاہی ہے
خمیدن نشۂ مَے میں، ہے شرمِ زشت اعمالی — دماغِ زہد میں آخر غرورِ بے گناہی ہے
نہیں ہے خالی آرایش سے بے سامانیِ عاشق — شکستِ حال، انداز آفرینِ کج کلاہی ہے

اسد، خوباں بھی دَورِ چرخ سے رنجیدہ خاطر ہیں
گریباں چاکیِ گلہا نشانِ داد خواہی ہے

۴۳

نچھوڑو محفلِ عشرت میں جا، اے مَے کشاں، خالی — کہیں گاہِ بلا ہے، ہوگیا شیشہ جہاں خالی ۵
نہ دوڑا ریشۂ دیوانگی صحنِ بیاباں میں — کہ تارِ جادہ سے ہے کُلجۂ ریگِ رواں خالی
دکانِ ناوکِ تاثیر ہے، از خود تہی ماندن — سراسر عجز ہو، کر خانہ مانندِ کماں خالی
محبت، ہے نواسازِ فغاں در پردۂ دلہا — کرے ہے مغز سے مانند نَے کے استخواں خالی
عبث ہے، خطِ ساغر جلوہ، طوقِ گردنِ قمری — مَے الفت سے ہے مینا ے سروِ بوستاں خالی
نہ پھولو ریزشِ اعداد کی قطرہ فشانی پر — عزیزاں، ہے برنگِ صفر جامِ آسماں خالی ۱۰
اسد، ہنستے ہیں میرے گریہ ہا ے زار پر مردُم — بھرا ہے دہر بے دردی سے، دل کیجے کہاں خالی

۴۴

ہوے یہ رہرواں دلخستہ شرمِ نارسائی سے — کہ دستِ آرزو سے یک قلم پا ے طلب کاٹے

۴۵

تماشا ے جہاں مفتِ نظر ہے — کہ یہ گلزار باغِ رہگزر ہے
جہاں شمعِ خموشی جلوہ گر ہے — پرِ پروانگاں بالِ شرر ہے
بجیب اشکِ چشمِ سرمہ آلود — مسی مالیدہ دندانِ گہر ہے ۱۵
شفق ساں موجۂ خوں ہے، رگِ خواب — کہ مژگانِ کشودہ نیشتر ہے
کرے ہے روے روشن آفتابی — غبارِ خطِ رُخ، گردِ سحر ہے
ہوئی یک عمر صرفِ مشقِ نالہ — اثر موقوف بر عمرِ دگر ہے

اسد، ہوں میں پرافشانِ رمیدن
سوادِ شعر در گردِ سفر ہے

۴۶

اے اسد، مایوس مت ہو از درِ شاہِ نجف — صاحبِ دلہا وکیلِ حضرتِ اللہ ہے

۴۷

سمجھاؤ اُسے، یہ وضع چھوڑے — جو چاہے کرے، پہ دل نہ توڑے
تقریر کا اُس کی حال مت پوچھ — معنی ہیں بہت، تو لفظ تھوڑے
۵ نذرِ مژہ کر دل و جگر کو — چیرے ہی سے جائیں گے یہ پھوڑے
عاشق کو یہ چاہیے کہ ہرگز — اندوہ سے (اپنا) منہ نہ موڑے
آجا لبِ بام، کوئی کب تک؟ — دیوار سے اپنے سر کو پھوڑے
جاتے ہیں رقیب کو خط اُس کے — کاغذ کے دوڑتے ہیں گھوڑے

ق

غم خوار کو ہے قسم کہ زنہار — غالب کو نہ تشنہ کام چھوڑے
۱۰ حسرت زدۂ طرب ہے یہ شخص — دم جب کہ بوقتِ نزع توڑے
پانی نہ چوائے اس کے منہ میں — گُلِ مے میں بھگو بھگو نچوڑے

---

۳ الف، یہ غزل مخطوطے کے حاشیے پر بخطِ غیر نقل ہوئی ہے۔
۶ الف، اصل، چاہیے ہے (سہو کاتب)۔ ب، "اپنا" اصل میں نہیں ہے۔
۴ الف، اصل، پونچھ (سہو کاتب)
۱۱ ب، اصل، بھگو بھگو (سہو کاتب)

رباعیّات



بے گریہ کمالِ ترجبینی ہے مجھے
در بزمِ وفا خجل نشینی ہے مجھے
محرومِ صدا رہا بغیر از یک بار
ابریشمِ ساز، موے چینی ہے مجھے



گلخن، شررِ اہتمامِ بستر ہے آج
یعنی تبِ عشق شعلہ پرور ہے آج
ہوں دردِ ہلاکِ نامہ بر سے بیمار
قارورہ مرا خونِ کبوتر ہے آج

دیوانِ غالب

استدراک

مرتبۂ

عرشی زادہ

گزارش

تقریباً پانچ مہینے کی بات ہے کہ غالب کے اردو دیوان کا قدیم ترین مخطوطہ دریافت ہوا ہے۔ یہ تمام و کمال بخطِ غالب ہے، اور اس کی تکمیلِ کتابت کے بعد خود غالب ہی نے اس میں جگہ جگہ اصلاحیں اور ترمیمیں بھی کی ہیں۔ غالب کے اس مخطوطے کی اہمیت کا اندازہ صرف اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اردو کے کسی استاد شاعر کے اپنے قلم کا نقل کیا ہوا کوئی مجموعہ تا حال دریافت نہیں ہوا۔ غالب اس معاملے میں بھی سب سے سبقت لے گیا ہے۔ اس مخطوطے کی اہمیت ویسے بھی کچھ کم نہ تھی۔ غالب صد سالہ یادگار کے موقع پر اس کا ظہور اور بھی اہمیت اختیار کر گیا، اور ایسے وقت میں کہ غالب کا نام برِ صغیر ہی کے گوشے گوشے میں نہیں، ساری ادبی دنیا میں گونج رہا ہے، یہ رونمائی کرامت سے کم نہیں۔ گویا مخطوطے کو اسی دن کا انتظار تھا۔ وہ روپوش اسی لیے ہوا تھا کہ غالب صدی میں رونما ہو۔ میرے لیے تو یہ دریافت میری ادبی زندگی کا سب سے بڑا مژدہ اور انعام ہے۔ اس لیے کہ میں برسوں سے غالب کے قلم کی اصل تحریریں جمع کرنے کے دلچسپ کام میں لگا ہوا ہوں، اور ابھی چند ماہ قبل اسی تلاش و جستجو کے ایک سفر سے واپس ہوا ہوں۔ اس سفر سے واپسی پر گھر میں قدم رکھتے ہی مجھے پہلی خبر یہ ملی کہ غالب نے مجھے نیا ارمغان بھیجا ہے۔

میں نے غالب کے اس خود نوشت دیوان کو حتی الامکان بڑی محنت سے مرتب کیا، اور اس کی قدر و قیمت کے شایانِ شان عکسی طباعت کا اہتمام کر کے چند روز قبل «نسخۂ عرشی زادہ» کے نام سے اہلِ ذوق کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔

نسخۂ عرشی زادہ نے پہلی بار غالب کی پچیس غیر معروف غزلوں اور دو رباعیوں کا تحفہ دیا ہے۔ ان میں سے ایک غزل کئی سال ہوئے ضمیمۂ نسخۂ عرشی میں شامل کی جا چکی تھی۔ مگر بعد ازاں تذکرۂ ہمیشہ بہار میں میر امانی اسد کے نام سے ملی، تو میں نے نسخۂ عرشی کے حصۂ سوم، یادگارِ نالہ، میں اسے شامل نہ ہونے دیا۔ لیکن اب یہ غزل متنِ نسخۂ عرشی زادہ میں بخطِ غالب لکھی ملی، تو اس کے کلامِ غالب ہونے میں کسی شک و شبہے کی گنجایش نہ رہی۔ ان غزلوں اور رباعیوں کے علاوہ معروف غزلوں میں بھی تیس شعر نئے نکلے۔ اور بہت سے اشعار کی وہ قراءت بھی علم میں آئی جو نسخۂ بھوپال سے قبل کی تھی۔ نیز متعدد ایسی اصلاحوں کا بنا چلا جنھیں آگے چل کر نسخۂ بھوپال کے متن میں جگہ ملی ہے۔ غرض کیف و کم دونوں حیثیتوں سے نسخۂ عرشی زادہ کی معلومات بے بدل ثابت ہوئیں۔

نسخۂ عرشی، غالب کی زندگی میں تیار ہونے والے دیوانِ اردو کے خطی اور مطبوعہ نسخوں کے اختلافات کی مستند دستاویز ہے۔ نسخۂ عرشی زادہ کی دریافت کے بعد لازم تھا کہ اس مخطوطے کا نو دریافت کلام اور تمام اختلافات نسخۂ عرشی میں شامل کیے جائیں۔ لیکن نسخۂ عرشی کا سارا متن چھپ چکا تھا. صرف یادگارِ نالہ کا آخری جز چھپنا باقی تھا۔ اس لیے نو دریافت کلام کا متن میں داخل کرنا یا متن کے اشعار سے متعلق اختلافاتِ قراءت کو حواشی میں درج کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ بنابریں یہ فیصلہ کیا گیا کہ نو دریافت کلام کو نسخۂ عرشی کے حصۂ چہارم کی شکل میں مرتب کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ حصہ «باد آورد» کے عنوان سے نسخۂ ہذا میں شامل ہے۔ اب رہے اختلافات، تو اُنھیں استدراک کے تحت نسخۂ عرشی کے صفحات و اشعار کے حوالوں کے ساتھ جمع اور مرتب کردیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں میں نے اصلاحوں اور اضافوں پر بار بار غور کیا ہے، اور استدراک کے لیے ضبطِ تحریر میں لاتے ہوے پوری احتیاط برتی ہے، اور ان اطلاعات کا حوالہ «عز» نشان سے دیا ہے۔

نسخۂ عرشی زادہ کی بعض املائی خصوصیات کا تذکرہ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ تکرار کے خیال سے انھیں استدراک میں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ استدراک کا مطالعہ کرتے وقت یہ مثالیں سامنے رہیں اور تمام مقامات کو انھیں پر قیاس کیا جائے۔

غالب کے عہد تک ٹ کے لیے کوئی ایک شکل متعین نہیں ہوئی تھی۔ کچھ لوگ صرف ت لکھتے تھے اور سیاق و سباق کی مدد سے ٹ تلفظ کر لیتے تھے۔ کچھ ت کے دو نقطوں پر ط بھی بنا دیتے تھے۔ کچھ چار نقطوں کا استعمال کرتے تھے۔ بالکل یہی صورت ڈ اور ڑ کی بھی تھی۔ غالب نے ٹ لکھتے ہوے ہمیشہ چار نقطوں کا استعمال کیا ہے، اور ط کبھی نہیں بنائی۔ اسی طرح ڈ اور ڑ پر چار نقطے کبھی نہ لگائے، ہمیشہ ط استعمال کی۔ غالب کی تحریر کی یہ نمایاں خصوصیت ہے، جس سے نسخۂ عرشی زادہ میں بھی انحراف نہیں ہوا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ بالکل ابتدا ہی سے غالب نے ٹ اور ڈ، ڑ کے درمیان یہ امتیاز برتا ہے۔

ژ کو غالب ز لکھا کرتے تھے، مثلاً مزہ اور مزگاں بجاے مژہ اور مژگاں۔ اسی طرح گ کا دوسرا مرکز بھی نہیں لگاتے تھے مثلاً کردش اور کفتار۔

اعراب کا کام زبر زیر پیش کے علاوہ کبھی حرفوں سے بھی لیتے تھے۔ چنانچہ اعراب بالحروف کی اکثر مثالیں نسخۂ عرشی زادہ میں ہیں، مثلاً اوگا، اوڑایا، اوٹھایا، پہوچے، ایدھر، اودھر۔ نسخۂ عرشی زادہ کے زمانۂ کتابت تک اُن لفظوں میں بھی ی لکھتے تھے جن

میں ی بولی نہیں جاتی، مثلاً اك کی جگہ ایك، ترا کے بجائے تیرا اور آئنہ کے عوض آئینہ وغیرہ ۔ مگر بعد میں جدید طرزِ املا اختیار کرلی تھی ۔ اسی طرح حذفِ الف والے مقامات پر نسخۂ عرشی زادہ میں الف موجود ہے، مثلاً نگہ کے بجائے نگاہ ۔ آئندہ اس کا بھی لحاظ رکھنے لگے تھے ۔ واں اور یاں کو بھی بہائے مخلوط التلفظ وہاں اور یہاں لکھتے اور اسی طرح بولتے تھے ۔ مگر آخری زمانے کی ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جہاں اُنھوں نے کاتب کی اصلاح کرتے ہوئے ہ کو اپنے آپ چھیل دیا ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اُن کا تلفظ بدل گیا تھا ۔ تاہم نسخۂ عرشی زادہ میں پہلی صورت ہی ہے ۔ مجھ کو اور مجکو، تجھ کو اور تجکو، مجھ سے اور مجسے، تجھ سے اور تجسے، وغیرہ دونوں شکلیں آخرِ عمر تك غالب کے قلم سے نکلی ہیں ۔ سینہ ها، میخانہ ها وغیرہ کو سینہا اور میخانہا لکھا ہے ۔ مگر بعد میں یہ روش ترك کردی تھی ۔ اور بالعموم تلفظ کے مطابق لکھا کرتے تھے، مثلاً جہاں دیوانہ کو دوانے بولا جاتا ہے، وہاں ی لکھتے تھے ۔ لیکن ایسے مقامات کی بھی کمی نہیں جہاں تلفظ کے خلاف لکھا گیا ہے ۔ ان میں ایك مقام تو ایسا تھا جہاں بغیر ی کے مصرع غلط ہوگیا ہے ۔ نسخۂ عرشی زادہ میں لکھا ہے:

گل کھلے غنچہ چٹکنے لگے اور صبح ہوئی

یہاں غنچہ کی جمع مراد ہے جو ی کے بغیر متصور نہیں ہو سکتی ۔

غالب فارسی الفاظ میں دال اور طوے کے قائل نہ تھے ۔ لیکن اُن کا یہ نظریہ نسخۂ عرشی زادہ کی تاریخ کتابت کے بعد کا ہے ۔ اس لیے نسخۂ عرشی زادہ میں گذرا، گذرگاہ، گذشتن وغیرہ الفاظ کو ذال سے لکھا ہے، زے سے نہیں لکھا ۔ تپیدن کے تمام مشتقات کو نسخۂ عرشی زادہ کی حد تك بالعموم طوے سے لکھا ہے، مگر ایك دو مثالوں میں اس کے خلاف ت لکھی گئی ہے، جیسے مندرجۂ ذیل دو مصرعوں میں:

طپش ہے شرم بقدرِ چکیدن عرقے

اور

کہ جو، اسد، تپشِ نبضِ آرزو جانے

گنجایش، کشایش، قایم، مایل، طایر وغیرہ الفاظ میں ی سے کام لیا ہے، ہمزہ کہیں بھی نہیں لگائی ۔ نیز غالب خورشید کو بحذفِ واو لکھنے کے قائل تھے، مگر نسخۂ عرشی زادہ کے بعد یہ عقیدہ اختیار کیا تھا، اس لیے اس میں واو موجود ہے ۔

نسخۂ عرشی زادہ کے مقدمے میں میں نے ان خصوصیات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے ۔ بہتر ہو اگر وہ بحث بھی سامنے رکھی جائے ۔

ترتیبِ استدراک کے دوران احساس ہوا کہ نسخۂ بھوپال سے متعلق مولانا عرشی کی یاد داشتیں پورے طور پر استعمال نہیں ہوئیں۔ اسی طرح میں نے لاہور جا کر نسخۂ شیرانی کے مخطوطے کو ڈاکٹر محمد باقر صاحب کی مہربانی سے دیکھا تھا اور اپنے مطالعے کے نتائج لکھتا گیا تھا۔ یہ مسالا بھی یونہی رکھا رہ گیا تھا۔ استدراک مرتب کرتے وقت میں نے ان یاد داشتوں کو بھی نکالا اور حسبِ موقع ان کا اندراج کردیا ہے۔ چنانچہ ق سے نسخۂ بھوپال کی اور قا سے نسخۂ شیرانی کی انھیں یاد داشتوں کا حوالہ نظر آئے گا۔ نسخۂ عرشی کے علاوہ نسخۂ بھوپال کے کلام کی تین اشاعتیں ہوئی ہیں: نسخۂ حمیدیہ مرتبۂ مفتی انوار الحق مرحوم، دیوانِ غالب مرتبۂ ڈاکٹر سید عبد اللطیف، نسخۂ حمیدیہ مرتبۂ پروفیسر حمید احمد خاں۔ میں نے ان تینوں کو از سرِ نو دیکھا اور حسبِ ضرورت استدراک میں استعمال کیا ہے، اور ح سے مرتبۂ مفتی انوار الحق، لط سے مرتبۂ ڈاکٹر عبد اللطیف اور حم سے مرتبۂ پروفیسر حمید احمد خاں کی درج کردہ معلومات کا حوالہ دیا ہے۔

ق کے صفحے کا نامکمل عکس نسخۂ حمیدیہ میں مفتی انوار الحق مرحوم نے شائع کیا تھا، نامکمل اس لیے کہ شاید نسخۂ حمیدیہ کے سائز کا لحاظ رکھتے ہوئے اوپر کا کچھ حصہ کاٹ دیا گیا ہے۔ اس خیال کا ثبوت یہ ہے کہ نسخۂ حمیدیہ ۱۱ سطری مسطر پر لکھا گیا تھا، اور دو غزلوں کے درمیان کی ایک سطر سادہ چھوڑ دی گئی تھی، اس لیے فی صفحہ ۱۱ شعر یا جن پر دو غزلوں کے اشعار تھے اُن صفحات پر ۱۰ شعر درج ہوئے تھے۔ مشمولہ عکس ایسے صفحے کا ہے جس پر دو غزلوں کے اشعار ہیں، اس لیے دس شعر ہونا چاہیے تھے۔ مگر اس میں صرف سات شعر ہیں۔ نیز اوپر کے حصے میں باریکا بھی نہیں ہے۔ اگر یہ مکمل صفحے کا عکس ہوتا تو باریکا بھی لازماً ہوتا۔ یہ عکس اس بار نسخۂ عرشی میں بھی شامل کیا جا رہا ہے۔ میں نے اس نامکمل عکس کے پیشِ نظر کاتبِ مخطوطہ کی چند خصوصیات متعین کرنے کی کوشش کی ہے جو پیشِ خدمت ہیں۔

کاتب بہت خوش خط اور جاذبِ نظر انداز کا مالک ہے۔ اُس نے خطاطی کے حسن و جمال کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ ان میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ دو حرفوں کے نقطوں کو آپس میں ملا دیا ہے۔ یہ انداز قدیم خطاطوں کے یہاں عموماً پایا جاتا ہے اور خطاطی کے نقطۂ نظر سے حسن شمار ہوتا ہے۔ جس شخص کی نظر میں خطاطوں کی یہ روش نہ ہو، وہ سمجھے گا کہ دو حرفوں میں سے کسی ایک حرف کے نقطے سہواً ترک ہوگئے ہیں یا کوئی غلط حرف لکھ دیا گیا ہے۔ مثلاً ب اور ی کے نقطے اس طرح ملا دیے گئے ہیں کہ اس

روش سے بے خبر آدمی پ پڑھے گا، ملاحظه ہو: پسر و سامانی، پر بطی۔
پ اور ی کے نقطوں کا بھی یہی معامله ہے، جیسے: پرهنستاں ، پیوسته ، پیراهن۔
اسی طرح ج اور ی کے نقطے بھی مخلوط ہیں، جیسے: زنجیری۔
ش اور ق کے نقطوں میں بھی یہی کفایت شعاری دکھائی گئی ہے۔ ملاحظه فرمائیے: عشق۔

کاتب نے ہ کا زیریں شوشه (،) بہت کم استعمال کیا ہے۔ چنانچه زیرِ نظر عکس کے تیره الفاظ میں ہ کا شوشه ہونا چاہیے تھا، مگر یه گیاره میں ندارد اور دو میں موجود ہے۔ جن میں موجود ہے وه الفاظ یه ہیں: اهل، تہی۔

جن میں زیریں شوشه نہیں لگایا گیا، وه یه ہیں:
بوجھ، هوں، ہوس، پیرهنستاں، پیراهن، ندیکھا، فہم اور لفظِ «ہے» جو چار مقامات پر لکھا گیا ہے، مگر ہر جگه زیریں شوشے سے محروم ہے۔

اس آخری لفظ میں مذکوره شوشے کی غیر حاضری نے دلچسپ شوشے چھوڑے ہیں۔ یعنی نسخۂ حمیدیه میں بہت سے الفاظ غلط پڑھے اور چھاپے گئے ہیں۔ مندرجۂ ذیل مثالوں سے میرے اس خیال کی تائید ہوتی ہے:—

(۱) ق میں «ہے» تھا، مگر «سے» پڑھا گیا، ملاحظه ہو:
چراغِ گل سے ڈھونڈے (سے) چمن میں شمع خار اپنا (صحیح: ہے)

(۲) اس کے بر عکس بھی ہوا، یعنی ق میں «سے» لکھا تھا، مگر «ہے» پڑھا گیا، جیسے:
سیه مستی ہے اهلِ خاک کو ابرِ بہاری (ہے) (صحیح: سے)

(۳) «ہے» کو یاے اضافی سمجھ کر صرف «ی» لکھا گیا، مثلاً:
جوں جاده سر بکوے (تمناے) بیدلی (صحیح: تمنا ہے)

(٤) «سے» کو یاے اضافی جان کر محض «ی» نقل کیا گیا، یعنی:
رچ گیا جوشِ (صفاے) زلف کا اعضا میں عکس (صحیح: صفا سے)

(٥) اس کے بر خلاف کہیں صرف یاے اضافی تھی، مگر نقل ہوئی تو «سے» بن گئی، مثلاً:
گدازِ سعیِ بینش شست و (شو سے) نقشِ خود کامی (صحیح: شوے)

(٦) کچھ اور اغلاط کا باعث بھی اسی قسم کی غلط فہمی معلوم ہوتی ہے، مثلاً: م کو ہ پڑھا گیا ہے، جیسے: پنبۂ (مینائی ہی) رکھ لو تم اپنے کان میں. دراں حالیکه یه «میناے مے» تھا۔

(۷) کبھی اس کے بر خلاف ہ کو م سمجھ لیا گیا ہے، جیسے:
ریگِ رواں و (مر تپش) درسِ تسلیِ شعاع   جب کہ صحیح لفظ «ہر» ہے۔
(۸) اسی طرح ہ کو س بھی قرار دے دیا گیا ہے، جیسے:
(سر رشتہ) چاکِ جیب کا تارِ نظر ہے آج   درست یہ ہے کہ مصرع کے ابتدائی الفاظ «ہر رشتہ» تھے۔

ایک اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ کاتب مرکباتِ توصیفی و اضافی میں ی کے ساتھ کبھی ہمزہ اور کبھی کسرہ لکھتا ہے۔ مثلاً: زنجیریِ بے ربطیِ دل، اور بوئ یوسف۔

نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی کے علاوہ تین چار اور ماخذوں میں غالب کے قدیم کلام کے نمونے مل جاتے ہیں۔ ان میں تذکرۂ عمدۂ منتخبہ، یادگارِ غالب اور خدا بخش خاں کی مرتبہ فہرستِ کتب «محبوب الالباب فی تعریف الکتب والکتاب» بھی ہیں۔ عمدۂ منتخبہ کے اشعار اس تذکرے کے عکس سے نقل کیے گئے تھے، مگر ایک شعر کی غلط قراءت عمدۂ منتخبہ کے بجائے دوسرے ماخذ کے مطابق چھپ گئی۔ میں نے استدراک میں عمدۂ منتخبہ کی صحیح قراءت درج کردی ہے۔ یادگارِ غالب میں ردیفِ الف کے کئی منسوخ شعر مولانا حالی نے مثال میں پیش کیے تھے۔ اُن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا حالی کے پیشِ نظر جو روایت تھی وہ نسخۂ بھوپال سے قدیم تر تھی۔ اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یادگارِ غالب کے زمانے تک منسوخ کلام روپوش نہیں ہوا تھا۔ محبوب الالباب میں بھی دو منسوخ شعروں کی موجودگی کے پیش نظر کچھ اسی قسم کا گمان ہوتا ہے۔ میں نے استدراک میں ان قراءتوں کا بھی حوالہ دیدیا ہے۔

غالب کے دیوانِ اردو کا ایک مخطوطہ نواب احمد سعید خاں طالب کے پاس تھا۔ اس میں غالب کا کچھ غیرِ معروف کلام بھی حاشیوں پر درج ہوا تھا۔ یہ کلام مولانا محمد علی جوہر رامپوری اور مولانا ابو لکلام آزاد نے ہمدرد اور الہلال کے ذریعے عام کردیا ہے۔

دیوانِ غالب کا ایک مخطوطہ بیگم شجاع الدین احمد خاں تاباں کی ملکیت تھا۔ اس سے مولانا مہر نے کچھ غیر معروف کلام اپنی تصنیف «غالب» میں نقل فرمایا ہے۔ کیونکر اُس بت سے رکھوں جان عزیز الخ یہ تین شعر بھی نسخۂ تاباں کے حاشیے پر لکھے ہوے تھے۔ بیگم تاباں کے نسخے کی بھی وہی کیفیت ہے جو طالب کے نسخے کی، اس لیے بظنِ غالب یہ دونوں مخطوطے ایک ہی تھے۔ اس مخطوطے کے حواشی پر مندرج کلام کی ایک فہرست میری نظر سے گزری ہے، جس میں اس مخطوطے کے صفحات کا حوالہ بھی موجود تھا۔ میں نے یہ حوالے نقل کرلیے

تھے۔ اُن میں سے کچھ متن کے ساتھ حواشی میں اور باقی استدراک میں درج کر دیے ہیں۔

جناب خیر بھوروی کی عنایت سے انجمنِ ترقیِ اردو کے لیے سید ہاشمی فرید آبادی مرحوم کے مرتب کردہ دیوانِ غالب کا مسوّدہ بھی دیکھنے کو ملا۔ اس کی تیاری میں مرتب نے نسخۂ طالب سے کام لیا تھا۔ میں نے نسخۂ ہاشمی سے بھی کار آمد مواد استدراک میں شامل کر لیا ہے۔

غرض استدراک کو زیادہ سے زیادہ کار آمد بنانے کے لیے «تمتع ز ہر گوشۂ یافتم» پر پورا عمل کرنے کی کوشش کی ہے۔

نسخوں کے اختلافِ قراءت کے علاوہ مختلف اشعار سے متعلق بعض ضروری معلومات بھی میں نے اس حصےّ میں شامل کردی ہیں۔ نیز مولانا عرشی کے دو تین نوٹ بھی حسبِ موقع نقل کر دیے گئے ہیں۔ یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ طباعتِ دیوان کا بڑا حصہ مولانا عرشی کی موجودہ علالت کے دوران میں انجام پایا ہے، اور اس کے پروف میں نے پڑھے ہیں۔ اس زمانے میں ڈاکٹروں کی ہدایت کی وجہ سے میں بعض دریافت طلب مقامات کے بارے میں مولانا عرشی سے ہدایت بھی نہ لے سکا تھا، اس لیے کچھ غلطیاں میری وجہ سے بھی راہ پا گئیں۔ مگر نسخۂ عرشی زادہ کی ترتیب کے کام نے بہت سے پردے اُٹھا دیے اور وہ اغلاط بڑی حد تک سمجھ میں آگئیں۔ میں ان کی بھی تصحیح کرتا گیا ہوں۔ اس لیے اگر حواشی اور استدراک میں کوئی فرق نظر آئے، تو استدراک کو درست سمجھا جائے۔

آخر میں یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ استدراک کی ترتیب میں یہ تمنا شامل رہی ہے کہ اس بہانے نسخۂ عرشی میں میرے نام کی شمولیت ہو جائے گی، اور قافیۂ گل ہونے کی سعادت کے ساتھ نسخۂ عرشی کی اس خدمت کے طفیل اہلِ علم کی نظر میں کچھ اعتبار بھی حاصل کرلوں گا۔ اس سے کون انکار کر سکے گا کہ مولانا عرشی کے اندازِ کار کا ہلکا سا عکس بھی اہلِ علم و اربابِ نظر کو میرے کام میں نظر آجائے، تو یہ میری بہت بڑی کامیابی اور میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔

اکبر علی خاں

گنجینۂ معنی

(آیندہ عبارت میں پہلا ہندسہ صفحے کا اور دوسرا شعر کا ہے۔ نیز الف سے مصرعِ اول اور ب سے مصرعِ ثانی مراد ہے۔)

ص ۱۱ : ۲ الف، عز، پہلے سہواً «عرض» ترك ہو گیا تھا۔ اس لفظ کا اضافہ کرنے کے لیے ایك بار «افسوں» کے «فسو» کو «عر» بنایا۔ لیکن پھر «ں» کو جس کا نقطہ اب بھی موجود ہے، «ض» بنا کر پہلے لکھے ہوے «فسو» کو برقرار رکھا اور اُس کے قبل و بعد الف اور نون بنائے۔ پھر «ف» کے اوپر «عر» لکھا اور اس طرح «افسونِ عرض» شکل دے دی۔

۲ ب، عز، نعل در آتش — نخجیر۔

۳ الف، عز، «عجز و قالب» کے اوپر بین السطور میں «خشت» لکھا اور پھر اسے قلمزد کر دیا۔

٤ ب، عز، جز (اور یہی درست ہے)۔

۵ ب، قا، زنجیر ہی (سہو کاتب)۔

٦ الف، عز، به استقبالِ تمثالِ ز ماہ اختر فشاں شوخی۔

۷ الف، عز، تغافل بدگمانی ها نظر بر سخت جانی ها۔

ص ۱۲ : ۲ عز، میں یه شعر مطلع کے بعد ہے۔

۲ ب، عز، برقِ حاصلِ سعی۔ ح، لط، پسند آیا (سہو کاتب)۔

٤ الف، قا، رواتیہاے (سہو کاتب)۔ مگر غالب نے «ت» کے دونوں نقطوں کو ملا کر «ن» کا نقطہ بنا دیا ہے۔ کاتب سے یہی سہو قا کے گزشتہ صفحے پر بھی ہوا ہے جہاں یہ لفظ بطورِ رکاب موجود ہے۔

۵ ب، ح، لط، بر (سہو کاتب)۔

۹، قا میں یہ شعر «بازی خورِ فریب» الخ سے پہلے ہے، مگر ح میں نقل نہ ہوا۔

ص ۱۳ : ۸ الف، ح، لط، خیال اُس کا (سہو کاتب)۔

ص ۱٤ : ۱۱ الف، عز، سبحۂ واماندگی (سہو کاتب)۔

۱۲ الف، عز، آبله هاے تبخال۔

ص ۱۵ : ۱ الف، عز، داغ اے حاجتِ بیدرد که در۔

۱ ب، عز، آئینہ پر (سہو کاتب)

۳ الف، عز، آئینہ پردازِ تمنا معلوم۔

٦ الف، عز، پہلے «وہ نفس ہوں کہ اسد زمزمۂ فرصت نے»۔ پھر اسے قلمزد کر کے مصرعِ ثانی کے نیچے یہ مصرع تجویز کیا: «وہ نفس ہوں کہ اسد مطربِ دل نے مجھ سے»۔

٦ ب، عز، پہلے «رشتہ بر سازِ بۓ نغمۂ

بیدل باندھا» - پھر «بر ساز» قلمزد کر کے مصرع کے آغاز میں «ساز پر» لکھ دیا ھے -

۶ ب، قا، رشتۂ (سہو کاتب) -

۱۱ الف .عز، «تھی» بجاے «تھیں» (سہو کتابت) -

۱۲ الف، عز، جوشِ یادِ نغمۂ دمسازِ مطرب سے (اس کے بعد اسد کے لیے بیاض ھے) -

۱۲ ب، عز، بر سرِ تار -

۱۳ الف، عز، میں پہلے «دیکھتے تھے ہم وہ» سہواً لکھ گیا تھا - پھر «وہ» کو «بچشم» میں تبدیل کر دیا -

ص ۲:۱۶ الف، عز، محشر آباد -

۷ ب، ق، پہلے، میں گردِ راہ، پھر «گرد» کے اوپر «غبار» بنایا ھے -

۱۰ الف، عز، جہاں رہ جائے -

۱۱ الف، ق کے کاتب سے «ھے» ترک ہو گیا تھا، اسے بعد میں بڑھایا ھے -

۱۱ ب، عز، مغرور -

۱۲، اس شعر کی اصلاحی شکل ص ۱۶۷ پر ملاحظہ ہو -

ص ۴:۱۷ ب، عز، دعوی -

۸، قا میں اس ردیف و قافیے کی کوئی غزل نہیں ھے -

ص ۵:۱۸ الف، عز، ذوق بسمل کا -

۶ الف، عز، پہلے «نگاہ از چشمِ حاسد وام کر» تھا - پھر «از» اور بعد ازاں «کر» کو قلمزد کر کے اُس کے اوپر «لے» بنا دیا ھے -

قا، «لے» کو سہواً «الی» لکھا گیا ھے -

۷ الف، عز، پہلے، «شرارِ فرصتِ سرمایۂ چندیں چراغاں» تھا - پھر اس مصرع کو قلمزد کر کے بین السطور میں «شرر فرصت نگہ سامانِ یك عالم چراغاں ھے» تجویز ہوا -

۹ الف، عز، اسد افسوس و دردِ نا شناسی ھاے گمراہاں (اسد کے لیے بیاض ھے) -

۱۰ الف، عز، کمیں دار -

۱۱ الف، عز، بدرجستہ - ق میں یہاں حاشیے پر «مقابلہ کردہ شد» لکھا ھے (حم) -

۱۲ ب، عز، قا، ارادا -

۱۳ الف، عز، چہ ظاہر چہ باطن تکلف تاسف

ص ۴:۱۹ الف، قا، «ترانے» (سہو کاتب) -

۷ ب. عز، پہلے «کہ برق از شعلہ نشتر ھے» - پھر «کہ» قلمزد کر کے «جنوں» لکھا اور «از شعلہ» مٹا دیا، یعنی «جنونِ برقِ نشتر» -

۸ الف، ق، اس مصرع کے مقابل حاشیے پر لکھا ھے «محررۂ عبدالصمد مظہر» (حم) -

ص ۸:۲۰ الف، ق، پہلے «نازِ تمکیں دے» - غالب نے «تمکیں» پر «لا» لکھ کر دائیں حاشیے میں «ویگا» - بنایا ھے، یعنی «گر وہ مستِ ناز دے وے گا» -

۸ ب. عز، خارِ گلبن در دہان -

ص ۲:۲۱ الف، عز، فتنہ ریز -

۳ الف، عز، سیاہاں - قا، سیاہاں (بدونِ نقاطِ یا) -

۴ الف، عز، ق میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ھے -

۵ الف، عز، حالِ نا افسردگاں -

٦ الف، عز، «جس نے» کتابت سے رہ گیا تھا - بعد میں بین السطور میں اضافہ ہوا ہے -
٦ ب، عز، تر زبانِ لطفِ عامِ ساقی -
٨ الف، عز، شمع روباں -
٩ ب، عز، شعلہ روباں جب ہوے - ح میں بھی یہ شکل موجود ہے، مگر لط میں نہیں -
١٠ ب، عز، دل ز آتش خیزی -
ص ١:٢٢ الف، عز، پہلے سہواً «جاں دادنکا» لکھا تھا - بعد میں داد کے اوپر «گا» اضافہ کر کے «دادگانکا» بنایا - عز، گداز تر -
٢ الف، عز، بوادیِ حسرت شبانہ روز -
٤ الف، عز، ہوں میں -
٥ الف، قا کے کاتب نے «آئینۂ» لکھ دیا تھا - غالب نے اسے «آبلۂ» بنایا ہے -
٥ ب، عز، کس تنگی -
٦، یہ شعر عز کے متن اور ق کے حاشیے میں ہے - اگر یہ ترک سہواً نہیں تھا، تو اسے انتخاب میں رجوع کی مثال قرار دیا جا سکتا ہے -
٧، عز میں یہ شعر «عالمِ بے سروسامانی» الخ کے بعد ہے -
٨ الف، عز، پہلے «حیرت» لکھا تھا - پھر اُسی کو «حسرت» بنا دیا -
١٠ الف، عز، جلوہ بساط -
١٠ ب، عز، پہلے سہواً «پرباد» لکھا تھا - پھر اُسے «برباد» بنا دیا -
١٤ الف، عز، نقش بندیِ جہاں -

١٤ ب، عز، پہلے، «از صریرِ خامہ پیدا» تھا - پھر اُسے قلمزد کر کے اوپر متن کے الفاظ لکھے ہیں -
ص ١:٢٣ الف، عز، غنچۂ خاطر نے رنگِ صد -
١ ب، عز، گردۂ تصویرِ گلشن -
٢ الف، عز، یادِ ایامے کہ دردِ سینہ ریشی سے اسد -
٢ ب: عز، دست بر دل -
٥ الف، عز، سیل‌ها جز جانبِ دریا -
٥ ب، عز، پہلے «دو عالم دیدہ» تھا - پھر «دو عالم» کو قلمزد کر کے «ہمیشہ» لکھ دیا -
٦ الف، عز، بے نقابیہا بخود -
٦ ب، عز، پہلے «ز مژگانِ نم آگیں» تھا - پھر اُسے قلمزد کر کے «سرشک آگیں مژہ سے» بنا دیا -
٧ الف، عز، لیلا -
٧ ب، عز، سیاہ از حلقہ ہاے -
٨، یہ شعر یادگارِ غالب میں بھی نقل ہوا ہے -
٩ الف، عز، میخانہا بر فرق پاشیدن -
٩ ب، عز، خوشا روزے کہ آب از ساغرِ مے تا بزانو تھا -
١١ الف، عز، پہلے «اُگی چشمِ سفید از بنۂ روزن تماشا ہے» تھا - پھر اس پر خط کھینچ کر گنجینۂ معنی میں مندرج مصرع لکھ دیا - اصلاحی مصرع کے الفاظ «سفید آخر» کبھی جلد بندی کے وقت کٹ گئے ہیں -

ص ۱:۲٤، یہ شعر یادگارِ غالب میں بھی نقل ہوا ھے۔

۲، یہ شعر یادگارِ غالب میں بھی نقل ہوا ھے۔

۳ ب، عز، مگر دستے بداماں۔

٤ الف عز، مسکن ھے۔

٥ الف، عز، طاقتِ شوخی۔ ح، نزاکت سے (سہو کاتب)۔

ب، عز، چشم جستنہا (اور یہی صحیح ھے)۔

٦ ب، عز، یکسر تار جستنہا (اور یہی صحیح ھے)۔

۸ الف، عز، اسد کے لیے بیاض ھے۔ یہ شعر یادگارِ غالب میں بھی نقل ہوا ھے۔

۱۲ الف، عز، فریبے، (اور یہی صحیح ھے)۔ نیز عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ھے۔

۱٤ الف، عز، اسد کے لیے بیاض ھے۔

ص ۲:۲٥ ب، عز، یادگارِ غالب، بیروں ز قالبہا (اور یہی صحیح ھے)۔

۰۳ عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ھے۔

۳ ب، عز، کرتے ھیں (اور یہی صحیح ھے)۔

٤ الف، عز، ہیں در پردہ حسن از کوششِ مشاطگی غافل۔

٥ الف، عز، حسرت (اور یہی صحیح ھے)۔

٦ الف، عز، پہلے «مطلب از» تھا۔ پھر اُسے قلمزد کر کے بین السطور میں «عالم» بنایا ھے۔

ب، عز، ھے (اور یہی صحیح ھے)۔

۷ ب، عز، شرر در سنگ۔

۸ ب، قا، ریزی (سہو کاتب)۔

۹ الف، عز، پیدا ھے۔

۹ ب، عز، دیوے گا۔ مگر ق میں «لایا ھے» تھا۔ بعد کو رجوع کر کے حاشیۂ ق پر دوبارہ عز کے مطابق قراءت تجویز ہوئی۔

۰۱۰ عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ھے۔

۱۲ الف، عز، میں ھے تسلیم۔

ص ۱:۲٦ الف، عز، در گرہ۔

۳، عز میں یہ بیت غزل کا پانچواں شعر اور پردۂ دردِ دل الخ کے بعد ھے۔

۲ ب، عز، قا، تماشا چمن مطلب۔

٦، عز میں اس شعر کے بعد وہ نو دریافت مطلع ھے جو باد آورد میں نمبر ۱ پر درج ہوا ھے۔

٦ الف، قا، چوں۔

۱۱ ب، عز، پہلے «در نظر ھا» تھا۔ پھر «در» کو «ہر» بنایا اور «ھا» قلمزد کر کے اُس کے اوپر «میں» لکھا، یعنی «ہر نظر میں»۔

۱۲ الف، عز، شب کہ باندھا یار نے پیمانِ در خواب آمدن۔

۱۳ ب، عز، مجکو شوخیِ افسانہ۔

۱٤ ب، عز، گوئیا۔ اسی قراءت کے ساتھ یہ شعر یادگارِ غالب میں نقل ہوا ھے۔

ص ۱:۲۸ الف، عز، ساعد و دستِ حنا آلودہ کو۔

۲ الف، عز میں اس مقطع کی جگہ یہ مقطع ھے :

اے اسد، رویا جو دشتِ غم میں میں حیرت زدہ
آئینہ خانہ ز سیلِ اشک هر ویرانہ تھا
۳ ب، عز، پہلے۔ «در پیراهن» پھر «در» قلمزد کر کے «تا» لکھ دیا ہے۔
۶ الف، عز، پہلے، «از نفس گرمی سحر شعلۂ آوازِ یار» تھا۔ موجودہ صورت بین السطور میں درج ہوئی ہے۔
۰۷ عز، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔ نیز یہ یادگارِ غالب میں بھی نقل ہوا ہے۔
۸ الف و ب، عز،
انتظارِ زلف میں شمشاد همدستِ چنار
نقش بندِ شکلِ مژگاں از نمودِ شانہ تھا
۹، عز میں یہ غزل کا تیسرا شعر ہے اور داغ مهر الخ کے بعد درج ہوا ہے۔
۹ الف، عز، پہلے «حیرت از شورِ فغانِ بے اثر غفلت ہوئی» تھا۔ بعد ازاں اسے قلمزد کر کے نیچے موجودہ مصرع درج کیا ہے۔
۱۰ ب، قا، زهرآب (سہو کاتب)۔
۱۱ الف، عز، نیز ق میں پہلے، اضطراب اندیش۔
۱۱ ب، عز، بسمل کا طپیدن۔ قا، تڑپھنا۔
ص ۲۸: ۱ الف، عز، طلب جوشی۔
۱ ب، عز، میں ہے (سہو کتابت)۔
۳ الف، عز، ندی خورشید نے فرصت بقدرِ شبنمستانے۔
٤ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے۔
۷ ب، عز، نورِ چشمِ مجنوں۔

۹ الف، عز، آئینۂ کی دوسری همزه اور «خانہ» میں ترکِ همزه سہو ہے۔
۱۰ ب، عز، در سر — در دل۔ قا کے کاتب نے «هوائے صحرا» لکھ دیا تھا، غالب نے اسے «غبار» بنایا، مگر سہواً هوائے کا «هو» لکھا رہ گیا۔
۱۱ ب، عز، پہلے «یکسر صرفِ دام» تھا۔ پھر «یکسر» کو قلمزد کر کے «صرف» کے بعد «قماش» بڑھا دیا۔
۱۳ الف، ح، از بحر (سہو کاتب)۔
۱٤ الف، عز. بجائے بادہ (سہو کتابت)۔
۱۵ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے۔
ص ۲۹: ۱ ب، عز، پہلے «اندازہ» تھا۔ پھر «ہ» قلمزد کردی ہے۔
۲، قا میں یہ اور اس کے بعد کے شعر چوتھے، پانچویں اور چھٹے نمبر پر ھیں۔
۳ ب، ح، خوں (سہو کاتب)۔
٤ الف، عز، سینہاے۔
۵، قا میں یہ اور اس کے بعد کا شعر دوسرے اور تیسرے نمبر پر ھیں۔
۵ الف، عز، میں یہ اور اس کے بعد کے دو شعر غزل نمبر ۳۷ کے ھیں اور ان کا متن یوں ہے:—
۱، ھوا نے — خور بے نقاب زنگ بستنہا۔
۲، تکلف عاقبت بیں — نفسہا بعدِ وصلِ دوست تاوانِ گسستنہا۔
۳، اسد، هر اشک ہے یک حلقہ بر زنجیر افزودن

به بند — امید رستنہا ۔

٦ الف، عز، قا، عاقبت بیں (اور یہی درست ہے) ۔

٧ ب، عز، قا، رستن (اور یہی درست ہے) ۔

١٠ ب، عز، نخچیر ۔

١١ ب، عز، بالِ طاؤس ۔

١٤ الف، عز، شوقِ سبك تازِ شہادت ۔

ص ٦:٣٠ عز، ندارد ۔

٧ ب، قا، جسم (سہو کاتب) ۔

٨ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے ۔

١٠ الف. قا کے کاتب نے «صدای» لکھا تھا، غالب نے اپنے قلم سے ی کے سرے میں ہ کا اضافہ کر کے «صدا ہے» بنا دیا ۔

١٠ ب، عز، قا، ہوں (اور یہی درست ہے) ۔

١٢ ب. عز، از خرمنِ مہ خوشہ ۔

١٤ ب، عز، پہلے سہواً «رکھے» لکھا گیا تھا ۔ تصحیح کے وقت الف بڑھا کر «رکھا» بنا دیا، مگر «ے» قلمزد ہونے سے رہ گئی ۔ عز، قا، اسبند ۔ قا، ے (بدونِ نقطہ، جو سہو کاتب ہے) ۔

١٥ الف، ق، جلی بد خط میں اصلاحی مصرع حاشیے پر لکھا ہے (حم) ۔

ص ١:٣١ عز، میں اس غزل کا جو دوسرا شعر ہے، وہ ق وغیرہ میں شامل نہیں کیا گیا ہے ۔ اُسے باز آورد میں نمبر٣ پر ملاحظہ فرمائیے ۔

٢، عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے ۔

٦، عز میں اس غزل سے پہلے ایك لفظ لکھا گیا ہے جو پڑھا نہ جا سکا ۔

٧ ب، عز، ہے سو ۔

٩ الف، عز، نہ بیانِ طالبِ کام (اور یہی درست ہے) ۔

١٠ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے ۔

١٠ ب، عز، قافلۂ پا (اور یہی درست ہے) ۔

ص ٣٢ : ١ ب، عز، برگِ گل صفت ۔

٢، عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے ۔

٤ ب، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے ۔

٨ الف، عز، نہیں کف بر لبِ نازك وفورِ نشۂ مے سے ۔

٩ الف، ح، رخم (سہو کاتب) ۔

١٠ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے ۔

١١، ح میں لکھا ہے کہ ق میں اس غزل کے مطلع میں صرف مصرعِ ثانی کی ردیف «ہوا» ہے ۔

١٢ ب، عز، برنگِ اشك ۔

١٣، عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے ۔

١٦ الف، عز، اسد نہ پوچھ شب و روزِ ہجر کا احوال ۔

ص ٣٣ : ١ الف، عز، سحر گر باغ (اور یہی درست ہے) ۔

٢ ب، عز، بر پشت ۔

٤ الف، عز، کوہ اپنی تپش رنگی ۔

٦ الف، عز، پہلے، «اسد مایوس مت ہو» تھا، اور «اسد» کے لیے بیاض چھوڑی تھی ۔ پھر

«مایوس» سے پہلے «نہ» بڑھا کر «مت» کو «غالب» بنایا۔ مگر «غالب» کے بعد «ہو» قلمزد ہونے سے رہ گیا ہے۔

٦ ب، عز، توقع ہے کہ بعد۔ یہ شعر بھی ظاہر کرتا ہے کہ غالب اصلاح سے رجوع کر لیا کرتے تھے۔ نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ق کا ماخذ کوئی اور نسخہ تھا، ورنہ مصرعِ ثانی میں «توقع ہے» قلمزد ہوتا۔

٧، یہ غزل ق کے متن اور حاشیے دونوں میں ہے۔ یہاں حاشیے کا اندراج سمجھنے کی وجہ سے ترتیب میں آگے بڑھ آئی ہے۔

٧ الف، اس غزل کا مقطع نوائے سروش ص ١:٧٩ پر ملاحظہ ہو۔

٩ الف، عز، پہلے «گرفتارانِ الفت بے زباں ہیں کاش صیادے» تھا۔ پھر اسے قلمزد کر کے حاشیے پر اصلاحی مصرع:

«اسیرِ بے زبانی ہوں مگر صیادِ بے پروا»

درج کیا۔ یہ مصرع بھی اس کا ثبوت ہے کہ ق کا ماخذ کوئی اور نسخہ تھا۔

٩ ب، ح، ہو جائے (سہو کاتب)۔

١٠ الف، عز، شوقِ خود آرائی۔

١٠ ب، عز، قا، آئینہ (سہو کاتب)۔

١٢ الف، عز، قا، رنجِ کوششہا۔

ص ١:٣٤ الف، عز، ق، ح، طبعِ موزوں۔

٣ ب، عز، اختر شمر۔

٤ الف، عز، از سوزِ دلہا آتشِ افروختہ۔

٦ الف، عز، «نظارہ گر»۔ نیز «اسد» کے لیے بیاض ہے۔

٨ عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔

٩ الف، عز، رنگِ گل از حیرتِ گلشن فروزی ہائے دوست۔

٩ ب، عز، آہنگِ پریدن۔

١٠ ب، عز، گردشِ رنگِ چمن ہے حسبِ حالِ عندلیب۔ پھر «حسب» کو قلمزد کیا اور «حال» کو «سال» سے بدل دیا اور «ہے» کے اوپر «ماہ و» اضافہ کر کے موجودہ متن کی شکل دی۔ تبدیلی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ «حسبِ حال» غزل کے شعر نمبر ٢ کا بھی قافیہ تھا جس کی اصلاح کردی گئی۔

١١، عز ندارد۔ ق میں موجود ہے۔

١٢ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے۔

ص ١:٣٥ الف، قا میں یہ غزل کا چوتھا شعر ہے اور «خوں دل میں جو الخ» سے پہلے درج ہوا ہے۔

٢ ب، عز، خوباں کا جو دیکھا ہے حنا بستہ۔

٣ الف، عز، گرمیِ زباں ہے۔

٣ ب، عز، ق، ہے شمع شہادت کے لیے۔ ق میں، ترمیم کی گئی ہے۔

٤ الف، قا کے کاتب نے پہلے «نہیں پانی» لکھا تھا۔ بعد میں «پانی» کو «باقی» بنایا۔ لیکن پ کے تینوں نقطے یونہی چھوڑ دیے۔

٧ الف، عز، چشم بندِ پردہ جز تمثال۔

٨ الف، عز، پہلے، خرمن ہائے گوہر ہے

نگاہِ تیز و بس۔ پھر «و بس» چھیل کر «یہاں» لکھ دیا ہے۔ نیز سہواً عز میں ان دونوں شعروں کے مصرعے بے ترتیب ہوگئے تھے، بعد میں ہندسے ڈال کر ترتیب درست کردی گئی ہے۔

۹ الف، عز، ہے بقدرِ نیزہ از بالاے وا افراختہ۔

۹، کے بعد یہ شعر اضافہ کیجیے جو قا میں نہیں، مگر عز اور ق میں موجود ہے اور سہواً گنجینۂ معنی میں درج ہونے سے رہ گیا:
اے عدوے مصلحت چندے بضبط افسردہ رہ
کردنی ہے جمع تابِ شوخیِ دیدارِ دوست

۱۰ الف، عز، تماشائی (اور یہی صحیح ہے)۔ نیز «اسد» کے لیے بیاض ہے۔

۱۱ ب، ق، دل و دوست (سہو کاتب)۔

۱۲ الف، ق، کریکام، ح، گریہ کام (ہر دو سہو کاتب)۔

۱۳ ب، ح، سرِ خستہ دشوار وحشت (سہو کاتب)۔

ص ۲:۳۶ ب، ق، ح، ز خود رفتگیہائے (بہمزہ)۔

۹ الف، عز، چونکہ نقشِ مدعا معلوم جز۔

۹ ب، عز، پہلے، دشتِ حسرت خیز میں۔ پھر «دشت» قلمزد کر کے نیچے «وادی» لکھا، اور «خیز» قلمزد کر کے «میں» کے بعد «پھر» کا اضافہ کیا، یعنی «وادیِ حسرت میں پھر»۔

۱۰ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے۔

۱۲ قا میں ترتیبِ اشعار یہ ہے: نازِ لطف؛ محملِ پیمانۂ؛ یک نگاہِ گرم؛ ناخنِ دخل؛ جانِ عاشق۔

۱٤ الف، عز، طبعِ نالاں حامل۔

۱٤ ب، عز، اے عاشق کشاں۔

ص ۱:۳۷ ب، عز، سعیِ خود آرائی۔

۲ الف، ق، سوئے دشت (بہمزہ)

۳ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے۔

۳ ب، عز، دعواے مرزائی۔

٤، قا میں ترتیبِ اشعار یہ ہے: حیرت فروش؛ معزولیِ تپش؛ تا صبح؛ ہوں داغ؛ کرتی ہے۔

٤ ب، عز، کشادہ۔

۷ الف، عز، بیتابی نے کیا سفر۔ نیز یہ متنِ ق کا شعر ہے، حاشیے کا نہیں۔

۹ الف، عز «اسد» کے لیے بیاض ہے۔ قا افتادہ (سہو کاتب)۔

۱۰ الف، عز، ہے لبِ گل کو زِ وا جنبیدنِ برگ۔

۱۱ ب، عز، ق، ح، وحشت مزاج۔

ص ۱:۳۸ الف، عز، یک جہاں ہے در سوادِ چشمِ قربانی مقیم۔

۱ ب عز، فرصت نے بخشا بسکہ۔ نیز عز میں اس شعر کے بعد وہ نودریافت شعر ہے جو بادآورد نمبر ۱۱ پر درج ہے۔

۲ الف، عز، اے («اسد» کے لیے بیاض) ہے مستعدِ شانہ گشتن بہرِ زلف۔

۷ الف، عز، گدازِ دشت۔

۹، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔

ص ۷:۳۹ الف، عز، «اسد» کے لیے
بیاض ھے۔
۷ ب، عز، افسانہ ما باشد۔
۹ الف، عز، گلرنگ و خط آئنہ۔
۹ ب، عز، جامہ زیباں۔
۱۱ الف» عز، پہلے «یک دست» تھا۔ پھر
اس کو «یکسر» بنا دیا، مگر «ست» کو کاٹنا
بھول گئے۔ ق کے متن میں پہلے «تجھ سے» تھا
جسے کاٹ کر «یکسر» لکھا ھے۔
۱۲ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ھے۔
۱۳ الف، عز، میں اس غزل کے آغاز میں
نظ کی علامت بنا کر اسے نظری قرار دیا تھا،
مگر پھر بھی یہ ق اور قا میں نقل کی گئی۔ یہ
بھی سابق ترمیم سے رجوع کی مثال ھے۔ نیز
یہاں اس کا اندراج غلط ہوا۔ یہ ردیفِ دال
کی آخری غزل ہونا چاھیے۔
۱۳ الف، عز، کس رنگ گمرھاں۔
ص ٤:٤٠ الف، عز، فدائے بیخبری۔
۵ الف، عز، نیازِ سنگدلیہائے۔
٦ ب، عز، ز دستِ شیشگیِ طبع۔ پہلے، ق
میں بھی یونہی تھا۔ پھر «ز دستِ شیشہ دلیہائے»
اصلاح ہوئی جسے سہواً ح میں «دلہائے» چھاپا
گیا ھے۔
٦ الف، عز، مستعد («اسد» کے لیے بیاض
ھے)۔
۷، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ھے۔
۱۲ الف، عز، پہلے، جمع ھیں موزونیاں در۔
پھر اسے قلمزد کر کے بین السطور میں موجودہ
الفاظ لکھے ھیں۔
۱۱، عز، ندارد۔
۱۳ الف، عز، غنچہ کا دل خوں ہوا لیکن۔
۱٤ الف، عز، سیہ کاری اسد۔
۱۵، عز، ندارد۔
ص ۳:٤۱ ب، عز، وا کشادہ۔
۷ الف، عز، بالیدنی۔ نیز «اسد» کے لیے
بیاض ھے۔
۱۵ الف، عز، قدرت و ایجاد۔
ص ۱:٤۲ الف، عز، قا، آئینہ پر (ھرجگہ)۔
۳ الف، عز، «ھیں» بجائے «ھے» (سہو
کتابت)۔
٤، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ھے۔
٦ الف، عز، ھو نگاہِ گلر خاں کو
سدِّ اسکندر، اسد۔ نیز اس شعر سے قبل جو
شعر ھے وہ باد آورد نمبر ۱۲ پر ملاحظہ ھو۔
۷ الف، عز، غافل کیا کیا۔ نیز یہ شعر
نازِ خود بینی الخ کے بعد ھے۔
۱۱ الف، عز، قا، تڑپھ (قدیم املا)۔
ص ۱:٤۳ الف، عز، پہلے، ز بد مستیِ
مے نوشاں ہوا ویرانہ میخانہ۔ پھر اسے قلمزد
کر کے حاشیے پر جو اصلاحی مصرع لکھا
گیا وہ جلد بندی کے وقت تراش میں آ گیا۔
لیکن باقیات بتاتے ھیں کہ یہ وھی مصرع تھا
جو ق کے متن میں ھے۔
۲ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ھے۔

۳، قا اس غزل پر متن ھی میں جلی خط سے «غلط» لکھا گیا ھے اور لکھنے کے بعد قلمزد کر دیا ھے (حم) -

۳ ب، عز، نگاہ -

٤ الف، عز، قا، رحم (اور یہی درست ھے) -

٤ ب، عز، قا، نگاہ -

۱۰ الف، عز، پہلے، رنج حیرت، تھا - پھر «رنج» کو قلمزد کر کے اوپر بین السطور میں «داغ» لکھ دیا ھے -

۱۳ الف، عز، بیقرارانہ -

۱۳ ب، عز، بال افشانی ھوا -

۱٤ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ھے -

ص ۱:٤٤ ب، عز، پہلے، کہ برق از وجد، تھا - پھر «از وجد» قلمزد ھوا، اور «کہ برق» کے اوپر بین السطور میں «وجد» بڑھا کر متن کو موجودہ صورت دے دی -

۳ الف، عز، اے دیوانہ -

٤، ق میں اس غزل پر جلی بد خط سے «غلط» لکھا گیا ھے (حم) -

٦ الف، عز، دانہ ھائے سر شك لاتی ھے -

۱۰ ب، عز، دھلی -

ص ۱:٤٥ الف، عز، تمنا ھے -

۱ ب، قا، زنجیرِ پای (سہو کتابت) -

۳ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ھے -

٤، ق میں اس غزل کے اوپر «غلط» لکھا ھے (حم) - مگر اس کا ایك شعر: اے شعلہ فرصتے، قا میں شامل کر لیا گیا ھے -

٦ الف، عز، ضبط مردگاں - نیز یہ بیت اگلے شعر کے بعد ھے -

۷ ب، عز، ھے جادہ شمع -

۸ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ھے -

۱۰ الف، قا کے کاتب سے «اثر» چھوٹ گیا تھا، غالب نے بین السطور میں اپنے قلم سے بڑھایا ھے -

۱۲ ب، ق، صہبائے (بہمزہ) -

۱۳، قا میں یہ مقطع نہیں ھے -

ص ۱:٤٦ ب، عز، سنگ سے -

٥ الف، عز، حسرتِ یك دید -

٦ ب، عز، مُشاطہ (بضمِ میم، سہو کتابت) -

۹ الف، عز، تعلیمِ درد -

۱۱ الف، عز، پہلے سہواً «صدائے طرب» لکھ دیا تھا - پھر «طرب» کو «شکست» بنایا - نیز «اسد» کے لیے بیاض ھے -

ص ٦:٤٧ الف، عز، ھو پذیرائے تکلف -

۷ ب، عز، پہلے سہواً «ھجومِ سجدہ» لکھ دیا تھا - پھر «سجدہ» کو «عجز سے» بنایا -

۸ ب، قا، ھر ایك -

۹ الف، عز، موجۂ شرمندگی - ق میں بقولِ حم «موجد» تھا جسے کاٹ کر «مایہ» بنایا - نیز دونوں مصرعوں میں کچھ اور بھی اصلاح کرنی چاھی ھے - مگر پھر اُن الفاظ کو قلمزد کر دیا ھے - عرشی زادہ عرض کرتا ھے کہ میری رائے میں پہلے «موجہ» تھا جو عز میں بھی نظر آتا ھے - حم نے اسے غلطی سے موجد

پڑھ لیا ہے۔

۱۱ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے۔

۱۴ الف، عز، صد تجلی کدہ یك ناصیۂ غربت میں۔

ص ۲:۴۸ الف، عز، غنچه (سهو کتابت)۔

۳ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے۔

۴ الف، عز، ہے کوتہیِ عمر و بس۔

۴ ب، عز، پایمالِ عقدہ ہاے۔

۵ ب، عز، بر چاك۔

۸ ب، عز، جادہ حکمِ جوہرِ تیغ سس (سہو کاتب)۔

۹ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے۔

۱۰ ب، عز، پہلے «جادہ ہے» تھا۔ پھر ی کو چھیل کر الف بنا دیا، یعنی جادہ ہا۔

۱۱ الف، عز، پہلے، ہے بزمِ گلرخاں از نیم رنگیہاے شمع، تھا۔ پھر اسے قلمزد کر کے نیچے موجودہ مصرع لکھا گیا ہے۔

۱۲ الف، عز، پہلے، سرمایۂ گلزارہا، تھا۔ پھر سرمایہ کے اوپر اور گل سے پہلے «صد» بڑھایا اور «زارہا» قلمزد کیے بغیر اُسی لفظ کے اوپر «ستاں» بنا دیا۔ یعنی، سرمایۂ صد گلستاں۔

۱۳ الف، عز، ق، گدازِ شوق رہبر خواستن۔ پھر ق میں گداز کو «وفور» بنایا ہے (ح، حم)۔

۱۳ ب، عز، پہلے، ہے جرس در راہِ صحراے حرم ناقوس و بس، تھا۔ پھر «ہے جرس در راہ» کو قلمزد کر کے «ناقوس و بس» کے نیچے «میں ہے جرس» لکھ دیا ہے۔ یہ اصلاح شیرازۂ کتاب کے قریب واقع ہوئی ہے، جہاں سے کتاب پورے طور پر کھل نہیں سکتی، اور قلم روانی کے ساتھ نہیں چل سکتا، اس لیے بخطِ غالب ہونے کے باوجود قدرے بد خط ہے۔

۱۴ الف، عز، پہلے، «اے اسد، گل تختۂ مشقِ شگفتن ہا ہوے» تھا۔ پھر «شگفتن ہا ہوئے» کی جگہ «شگفتن ہو گئے» بنا دیا، اور یہی شکل ق میں نقل کرائی۔ پھر ق میں مزید اصلاح کر کے موجودہ الفاظ لکھے۔ عز میں شگفتنہا کا الف اب بھی موجود ہے۔ نیز «اسد» کے لیے بیاض ہے۔

ص ۲:۴۹، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔

۲ الف، عز، جلوہ نظر جوش۔ ق میں بھی پہلے «نظر جوش» تھا۔ پھر اس کے نیچے اصلاحی لفظ «پرستار» لکھا ہے (حم)۔

۳ ب، عز، شبنم سے ہے۔

۵ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے۔

۷ الف، عز، ز جوشِ اعتدالِ فصل و تمکین۔

۸ الف عز، پہلے سہواً «شرر ہے بعد» قلم سے نکل گیا تھا۔ پھر «بعد» کو «ر» کر دیا ہے۔

۹ الف، عز، نپاوے بے گدازِ موم۔

۹ ب، عز، نکالے ہے نہالِ شمع از تخم۔

ص ۲:۵۰ ب، عز، ز بالِ ۔
٤ الف، عز، اسـد از دودِ آتش ابر ۔ نیز «اسد» کے لیے بیاض ہے ۔
٤ ب، عز، اگر ناگاہ ہو حیدر پرستوں سے دو چار ۔
۵ الف، عز. گرد افروزِ سواد ۔
٦ الف، عز، خاکستر شدن دیباچہ آرا ہو ۔ ق، پہلے، دیباچہ پیرا ہو (حم) ۔ پھر موجودہ اصلاحی الفاظ لکھے گئے ہیں ۔
۷ ب، عز. ز وا بالیدنِ مضمون ۔ ق میں بھی پہلے یہی تھا ۔ اصلاحی مصرع حاشیے پر لکھا گیا ہے (حم) ۔
۸ الف، عز، رنگِ شگفتن ہا ۔
۸ ب، عز، ہوئی بالیدہ تر از ۔
۹ الف، عز، پہلے، اسد از قدرتِ حیدر پڑی ہر گبر و ترسا کے ۔ نیز اسد کے لیے بیاض ہے ۔ پھر مصرع کے آغاز میں اسد اضافہ کر کے «از» قلمزد کیا اور «قدرت» کے اوپر «سے» اور حیدر کے بعد «کی» بڑھا کر «اسد قدرت سے حیدر کی» بنا دیا ۔ «ہوئی ہر گبر و ترسا کو» قا کی ترمیم ہے ۔ ق، ترسا کے (حم) ۔
۹ ب، عز، بت سے در بنا ہے ۔ ق میں بھی در بنا ہے (حم) ۔ موجودہ الفاظ قا کے ہیں ۔
۱۰ ب، عز، آوازِ رنگیں ۔
ص ۱:۵۱ الف، عز، غفلت کا ہے بازار گرم ۔
۱ ب، عز، ورنہ نقصانِ تصور ہے ۔ موجودہ مصرع ق کے حاشیے کا ہے (حم) ۔
۲ الف، عز، اے اسد، ہیں آشنا بیگانۂ سوز و گداز ۔ نیز یہ شعر حاشیۂ عز پر بخطِ غالب اضافہ ہوا ہے ۔
٤ الف، عز، جوں چشم وا کشادہ ہے ہر ایک ظاہرا ۔
٤ ب، عز، رکھتا ہے اور داغ کا ۔
۵ الف، عز، چمن و باغ میں مجھے ۔ نیز عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے ۔
٦ الف، عز، ہو مہرِ خط سے ۔ یہاں غالب نے از راہِ سہو «خط» زائد لکھ دیا ہے ۔
٦ ب، قا میں سہواً «داغ» کی جگہ باغ لکھا گیا ہے ۔
۷، عز ندارد ۔
۸ الف، عز، در حالتِ تصورِ روے بتاں اسد ۔ نیز «اسد» کے لیے بیاض ہے ۔ ق میں اصلاحی مصرع حاشیے کا اندراج ہے (حم) ۔
۸ ب، عز، چمنِ لالہ زار ۔
۱۳ ب، عز، نہ زبان — نہ زبان ۔
١٤ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے ۔
ص ۲:۵۲، عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے ۔
۲ الف، قا، «نے» ندارد ۔
۳ ب، عز، غیر کے نہ (سہو کتابت) ۔
۵ ب، عز، پائی جگہ کے بھی (سہو کتابت) ۔
٦ الف، عز، دیتا اسد میں سُرمہ بچشم ۔ نیز «اسد» کے لیے بیاض ہے ۔

۶ ب، عز، پہلے «آئے» لکھا تھا - پھر ی کو چھیل کر الف بنا دیا، یعنی، آیا -
۹ الف، قا، ہر سو ہو (سہو کاتب) -
۹ ب، عز، شرر پیز (سہو کتابت) -
۱۰، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے -
۱۲ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے -
ص ۱:۵۳ ب، ح، اضارا (سہو کاتب) -
۴ ب، عز، قا، اشارا -
۵ ب، عز، ہر چند محو -
۷ الف، عز، دلخستگاں سے گل کرے ہے - نیز پہلے سہواً «گر» قلم سے نکل گیا تھا جسے «گل» بنایا ہے -
۷ ب، عز، ق، طپیدن -
۹ الف، عز، در حالِ انتظار - نیز «اسد» کے لیے بیاض ہے -
ص ۱:۵۴ حم سے معلوم ہوتا ہے کہ ق میں اس شعر کے مقابل حاشیے پر «ص آغا علی» لکھا ہے - مگر عرشی زادہ کے نزدیک یہ نام «عبد العلی» ہونا چاہیے جو ق میں متعدد جگہ لکھا ہوا ہے -
۲ الف، عز، مشاطہ (بضمِ اول، تلفظِ عوام) -
۵ الف عز، فریبِ نیاز -
۵ ب، عز، پہلے «شمر» تھا - پھر اُسے چھیل کر «سمجھ» بنایا ہے -
۷ الف، عز، سکباری (سہو کتابت) -
۹ الف، عز، مشکینِ بتاں -
۱۱ الف، عز، صافیِ رخسار سے -

۱۲ الف، عز، نورِ خوباں سے یدِ بیضا ہے آج -
ص ۲:۵۵ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے -
۴ ب، عز. ہمہ جا -
۷ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے -
۹ الف، عز، قفس پروردہ -
۱۱ الف، عز، ناتوانی کیا علاج -
۱۴ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے -
۱۴ ب، عز، خونِ صوفی — مالِ سنّی -
ص ۲:۵۶ الف. عز، گر کرے پژمردہ انجامی کو داغِ یادِ گل -
۳ الف، عز، کھینچا چا ہے نقشِ روے یار -
۳ ب، عز، زنگِ خامۂ -
۵ ب، عز، یہاں شرارِ تیشہ ہے بر تربتِ -
۶ الف، عز، از جان و جسم -
۶ ب، عز، لختِ دل ہے ہر سرِ شمع -
۷ الف، عز، ہوگیا در گلشن آبادِ جراحت ہاے دل -
۸ الف، عز، برق زارِ جلوہ ہے از خود ربودن ہاے حسن -
۸ ب، عز، کیجے شمعِ بزمِ خلوت -
۹ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے -
۹ ب، عز، آرزوئیں کرتی ہے از خاطر - ق میں «ہے» کی جگہ «ہیں» تھا - بعد ازاں اُس میں وہ اصلاح ہوئی جو اب متنِ گنجینۂ معنی میں ہے -

۱۰ ب، عز، معلوم ہوتا ہے کہ پہلے «بالیدن» کی جگہ «جنبیدن» تھا، جس کے ابتدائی حرف چھیل کر ب ا ل کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۱۱ الف، عز، بیدلاں۔

۱۱ ب، عز، تھے شرر طوفانِ باطل، گر نہ رکھتا سنگ دل۔

۱۲ ب، عز، ہے گرہ بر کیسۂ درہم خیال۔

۱۳ ب، عز، ہے بخوابِ سبزہ از جوشِ خمار۔

۱٤، عز ندارد۔

۱٤ ب، قا، خارج آہنگ (سہو کاتب)۔

۱۵ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے۔ قا کے کاتب نے «خاموش» لکھا تھا۔ مگر غالب نے «مو» چھیل کر «ش» سے قبل میم بڑھائی اور اُس پر پیش بھی لگایا، یعنی «خامُش»۔

۱۵ ب، عز، یہاں آئینہ زیرِ زنگ۔

ص ۱:۵۷ ب، ق میں ہر قافیے کی یاے اضافت پر ہمزہ ہے۔

۳، عز میں علامتِ نظ بنا کر اس غزل کو نظری قرار دیا گیا ہے۔ مگر یہ پھر بھی ق اور قا میں موجود ہے، اور اس طرح انتخاب میں رجوع کی ایک اور مثال ہے۔

٤ الف، عز، جلوہ سازی۔

۵ الف، عز، در گرہ۔

۸ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے۔

۹ ب، عز، شیشہ سے اوگاتے ہیں۔

۱۰ ب، عز، پنجۂ خور دیکھتے ہیں زیرِ دست۔

۱۱ الف، عز، نقشبندِ چاک ہے موج از فروغِ ماہتاب۔

۱۱ ب، عز، پہلے سہواً قلم سے «فرش» نکل گیا تھا۔ اسی کو «سیل» بنایا، مگر «فر» اور «ش» کا دائرہ حک ہونے سے رہ گیا۔ نیز عز میں «در ویرانہ» ہے۔

ص ۳:۵۸ ب، عز، سنبلِ آشفتہ۔

٤ ب، عز، پہلے «ماتم خانہ» تھا۔ پھر اُسی کو «خلوت خانہ» بنایا، مگر ق میں ایک بار پھر «ماتم خانہ» اور قا میں پھر عز کی اصلاح پر لوٹ آئے۔ یہ بھی اصلاح میں رجوع کی مثال ہے۔

۵ الف، عز، پہلے، در شبِ غم سوزِ عشقِ شمع رویاں سے اسد، تھا۔ پھر «در» کو قلمزد کیا اور «شب» کو «شام» سے بدل دیا۔ مگر «شام» کے بعد لفظ «میں» اضافہ ہونے سے سہواً رہ گیا اور اسد کی جگہ بیاض رہی۔ بہر حال اس اصلاحی شکل نے ق میں جگہ پائی۔ بعد ازاں ق میں مزید اصلاح ہوئی جو دو غزلوں کے درمیان سادہ جگہ میں درج کی گئی ہے۔ ح میں محلِ اصلاح غلط بتایا ہے۔

٦ تا ۹، عز ندارد۔

ص ۱:۵۹ ب، عز، نگاہ۔

۲ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے۔

۳ الف، عز، ترساں ہوں۔

٤ ب، عز، پہلے، ہر گرد، قلم سے نکل گیا تھا۔ پھر «ہر» کو قلمزد کردیا۔

۸ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے۔
۹، یہ غزل عز کے حاشیے (ص ۶۰) پر بھی اصلاحی الفاظ کے ساتھ بخطِ غیر نقل ہوئی ہے۔
۱۰ الف، عز، «عرضِ جنوں ہوا»۔ لیکن حاشیۂ ص ۶۰ میں اصلاحی صورت، یعنی «وحشتِ دل کا گلا» ہے۔
۱۱ الف، عز، جوشِ خرام۔ لیکن حاشیۂ ص ۶۰ میں مطبوعہ متن کی طرح ہے۔
۱۲ الف، عز، حاشیۂ ص ۶۰، بصحرائے آشکار (سہوکاتب)۔
ص ۷:۶۰ الف، عز، نہ آیا خیال کے۔
۷ ب، عز، مرغِ فرا پریدۂ۔
۹ الف، عز، پہلے «خامہ سرائی» تھا۔ پھر «خامہ» ہی کو «نکتہ» بنا دیا ہے۔
۱۰ الف، عز، پہلے «برتر ہے رتبہ فہمِ تصور سے بھی اسد» تھا۔ پھر «برتر» کو قلمزد کرکے غالب لکھا اور «بھی» کی جگہ «کچھ» بنایا اور «اسد» کے لیے جو بیاض تھی اُس کی جگہ «پرے» لکھ دیا۔
۱۰ ب، عز، جو علی۔
ص ۱:۶۱ الف، ح، آئینہ۔
۱ ب، ق، «پریزادہ» اور «قابلِ تقریر» تھا۔ پھر «تقریر» کو کاٹ کر «تسخیر» بنا دیا۔
۳، اصلاً یہ قطعہ تھا جس کا دوسرا شعر نوائے سروش میں بہ تبدیلیِ مصرعِ اول انتخاب ہوا ہے۔

۳ الف، ق، «کے» ندارد (سہو کاتب)۔ محبوب الالباب، کیا حال کہوں میں، غالب۔
۳ ب، ق، اوس کا۔ مگر مرتبِ ح نے اسے ظاہر نہیں کیا۔ یہی محبوب الالباب میں بھی ہے۔
٤ الف عز، جائے کہ پائے سیل۔
٤ ب، عز، دیوانگانِ غم کو سرِ خانماں۔
۷ الف، عز، اے عجز۔ «اے» کی جگہ «جز» کا استعمال غالب نے اور جگہ بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو نوائے سروش کی غزل نمبر ۱۷۹ کا شعر نمبر ۵۔
۸ الف، قا کے کاتب نے سہواً «عبرت پوچھ» لکھا تھا۔ غالب نے اپنے قلم سے عبرت کے اوپر «سے» کا اضافہ کیا ہے۔
۹ الف، قا کے کاتب سے «غنچگی» کے بعد لفظِ «میں» ترک ہو گیا تھا جو بخطِ غالب اضافہ ہوا ہے۔
۱۰ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے۔
۱۱ عز، ق، قا، میں ردیف ہر جگہ «یہاں» بہائے مخلوط التلفظ ہے۔
۱۳ ب، عز، زرِ گل در نظرہا۔ ق، زرِ گل سے (حم)۔
ص ۲:۶۲ ب، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے۔
۵ الف، عز، پہلے، سخن حیراں، تحیر پرفشاں، پرواز بیگانہ۔ پھر اسے قلمزد کرکے اوپر موجودہ مصرع لکھا ہے۔

٥ ب، عز، پہلے، پر طوطی ہے قفلِ زنگ بست۔ پھر ان الفاظ کو قلمزد کر کے بین السطور میں موجودہ الفاظ لکھے ہیں۔

٨ الف، عز، اسد، اے عجز ابروے۔

١٠ الف، عز، انتظارِ دل۔

١٠ ب، حم، سویدا (سہو طباعت)۔

ص ٦:٦٣ الف، عز، بسکہ اس موسم میں۔

١٠ ب، عز، دریا ریز۔

١٢ الف، عز، پڑی۔

١٢ ب، عز، ہوئی (ہر دو سہو کتابت)۔

١٣ ب، عز، سے لبریز۔

ص ٢:٦٤ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے۔

٣، اس کی اصلاحی شکل نواے سروش نمبر ٩٧ پر دیکھیے۔

٣ الف، عز، جلوۂ بیدل۔

٤، عز میں اس کے بعد یادآورد نمبر ١٧ پر درج شدہ نو دریافت شعر ہے۔

٥، عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔

٥ الف، عز، تمیز بخشیِ زشتی و نیکوئی پر حرف۔

٥ ب، عز، لوحِ سادہ۔

٦ الف، عز، پہلے «کمال بندگی آیا ہے شیوۂ تسلیم» تھا۔ پھر اُس پر خط کھینچ کر گنجینۂ معنی کا موجودہ مصرع تجویز کیا ہے۔

٨ الف، عز، معاف بیہدہ گوئی ناصحاں خاموش۔

٩ الف، عز، کج زباں یك دست۔

١١ الف، قا کے کاتب نے «تیزیِ رفتار» کی جگہ سہواً کچھ اور الفاظ لکھے تھے۔ غالب نے «تیزی» کی سالم «ی» اور «رفتار» کی پہلی «ر» اپنے قلم سے لکھی ہے۔

ص ١:٦٥ ب، قا میں «صحرا کو» کا لفظ «کو» غالب کے خط میں ہے۔

١١ عز، قا، میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔

١١ الف، عز، دورانِ ساغر سے (سہو کتابت)۔

١٢ ب، عز، مانند شانہ دست بدنداں۔

ص١:٦٦ عز، ندارد۔ ق میں یہ شعر آئندہ غزل کے حاشیے پر درج ہوا ہے، مگر مرتب نے اسے ظاہر نہیں کیا۔ نیز پہلے مصرع کے لفظِ «ہوں» کا «ن» سہواً ق کے ناقل سے چھوٹ گیا ہے۔ قا کے اندر یہ شعر غزل نمبر ١٣٢ کے مقطع سے پہلے آیا ہے۔ موجودہ مقام گلِ رعنا کے مطابق ہے۔

٣ الف، عز، ناگوار (بضمِ گاف)۔

٤ ب، عز، پہلے «لیکن اسد» تھا۔ قیاس ہے کہ تخلص تبدیل کرنے کے لیے مثلاً غالب مگر بوقت الخ اسے قلمزد کیا۔ لیکن کسی وجہ سے پھر وہی پہلے الفاظ دوبارہ نیچے لکھ دیے

٧ الف، قا، لفظِ «نظر» غالب نے اضافہ کیا ہے۔

٨ الف، قا کے کاتب سے لفظ «یہ» ترک ہوگیا تھا جو بعد میں بخطِ غالب اضافہ ہوا۔

٨ ب، قا پہلے «نالہ» لکھا گیا تھا، جسے

بعد میں غالب نے اپنے قلم سے «نغمه» بنا دیا ھے -

۱۰، عز ندارد -

ص ۶۷: ٤ الف، ق، مرتبِ حم نے بتایا ھے که یہاں ق میں «ناھید» کی جگه «خورشید» ھے -

۵، حم میں اسے حاشیۂ ق کا اندراج بتایا گیا ھے -

۸ الف، عز، یك چشمِ حسرت -

۱۲ الف، عز، تعبیرِ آگاھی -

۱۳ الف، عز، قا، دعوی -

۱۵ الف، قا کے کاتب نے «دزفته» لکھ دیا تھا - غالب نے «ز» کے نقطے کو «ر» بنا کر «دررفته» کر دیا ھے -

ص ۶۸: ۲ ب، قا، چلتا (سہو کاتب) -

۳ الف، عز، پہلے «مانندِ اسد» - پھر اسے قلمزد کر کے اوپر «غالب کی طرح» اصلاح دی ھے -

۹، اس شعر کے بعد ایك نو دریافت شعر ھے، جو باد آورد نمبر ۱۶ پر مندرج ھے -

۹ الف، عز، گریۂ سرشار -

۱۱ الف، عز، پہلے «که اسد» تھا - مگر اسد کی جگه خالی تھی - پھر «که» ھی کو «غالب» بنا دیا -

۱۱ ب، عز، برنگ - قا میں بھی یہی تھا، جسے چھیل کر غالب نے اپنے قلم سے «بسان» بنایا ھے، لیکن ق میں آغاز ھی سے «بسان» ھے -

ص ۶۹: ۱ الف، عز، ق، قا، آئینۂ پردازِ تسکین ھے -

۱ ب، عز، بجیبِ گُل کفِ پاے دلِ رنجور -

۳ الف، عز، مشك آلوده -

۵ ب، عز، قا، کھینچے ھے -

۶ الف، عز، پہلے «ز بس به شمع ھے آئینۂ حیرت طرازی ھا» تھا - پھر «ھے» قلمزد کر کے اوپر «یہاں» لکھا اور «ھا» کو «ھے» سے بدل دیا - «طرازی» کی جگه «پرستی» بعد کی اصلاح ھے -

۸ الف، عز، درشتیؔ تامل ھے فسونِ پنبه در گوشی -

۹، عز میں یه غزل کا تیسرا شعر ھے -

۱۰ الف، عز، اضطرابِ بسمل آھنگاں -

۱۰ ب، عز، سمجھتے ھیں -

۱٤ الف، عز، نمك بوتی ھے -

ص ۷۰: ۲ ب، عز، مور کے پر ھیں - موجوده الفاظ حاشیۂ ق کی اصلاح ھیں -

٤ ب، عز، داماں کی حسرت به نقشِ پا -

۶ الف، عز، قطع و تا ھنوز -

۷ ب، عز، کم از پنبۂ -

۹ الف، عز، اے اسد دھر - حم کے مطابق ق میں «طلسم» کی جگه کوئی اور لفظ ھے جسے اس بری طرح کاٹ دیا گیا که پڑھا نہیں جا سکتا - عرشی زاده عرض کرتا ھے که ق میں پہلے یه شعر عز کی طرح مقطع ھوگا، اُنھیں الفاظ کے ساتھ جو عز کے ھیں - پھر

اصلاح کی خاطر یہ الفاظ قلمزد کیے گئے۔
۹ ب، عز، ق، یك امروز۔
۱۰، عز ندارد۔ ق میں یہ حاشیے کا اندراج ہے (حم)۔
۱۲ الف، عز، ہوتے ہیں بے قدر در کنجِ وطن صاحبدلاں۔
۱۳ ب، عز، شیشہ ریزہ غیرِ عرضِ شوخیِ نشتر نہیں۔

ص ۱:۷۱ الف، عز، وہاں سیاہی ہے سوادِ مردمك یہاں داغِ مے۔
۲ الف، عز، پہلے سہواً «بالا» ترك ہو گیا تھا، جسے بعد میں «فلك» کے اوپر اضافہ کیا ہے۔ نیز پہلے «از فیض» تھا۔ بعد میں «از» کو قلمزد کر دیا ہے۔
٤ ب، عز، جوشِ تشنگی۔
۸ الف، عز، ہاتھ پر ہو ہاتھ تاہم جنبش فرسودنی۔
۱۰، عز میں یہ غزل حاشیے پر بخطِ غیر اضافہ ہوئی ہے۔
۱۱، عز ندارد۔

ص ۱:۷۲، عز ندارد۔
۲ الف، عز، صحرا یہ کیفیت۔
۲، ب جادہ ہا۔
۳ ب، عز، عجز یك۔
٤ ب، عز، مجھسے حاصل وہ۔
۵ الف، عز، تماشا رنجِ آگاہی۔
٦ الف، عز، پہلے «دلے جوں شمع» تھا۔ پھر مصرع کے آغاز میں «وہ» اضافہ کر کے «دلے» کی «ی» کو «ل» میں بدل دیا ہے۔ یعنی «وہ دل جوں شمع بہرِ دعوتِ نظارہ لایعنی»۔
۷ ب، عز، پہلے «اس قدر بزمِ اسد» تھا۔ پھر اسے قلمزد کر کے نیچے بین السطور میں «بزمِ غالب اس قدر» بنا دیا۔ مگر یہ اصلاح ق میں منتقل نہ ہوئی۔
۸ ب، عز، پہلے «ناخنہ» تھا۔ پھر اسی لفظ کے آخر حرف «ہ» کو کاف بنا کر «ناخنك» کیا۔ بعد ازاں اُسے قلمزد کر کے نیچے یہی اصلاح صاف خط میں درج کی۔
۱۰، عز ندارد۔
۱۱ الف، عز، لفظِ «حال» سہواً ترك ہو گیا تھا، جسے اصلاح کے وقت لفظِ «تحریر» کے اوپر بڑھا دیا ہے۔
۱۱ ب، عز، کہ سطحِ آب پہ۔
۱۳ الف، عز، اسد یہ گوشۂ چشمِ عنایت، اے آقا۔
۱۳ ب، عز، «کہ یہ سرشك ز چشم اوفتادہ گوہر ہو»۔ نیز سہواً «اوفتادہ» پہلے حرف ز قلم سے نکل گیا تھا جسے قلمزد کر دیا گیا۔

ص ۱:۷۳ ب. قا، ذاغمیں (سہوکاتب)۔
۲ الف، عز، دل در کفِ تغافلِ ابروے یار سونپ۔
۳ ب، عز، یارب کہ شوق شانہ کش۔
٤ الف عز، جلوہ گرِ نقشِ اعتبار۔
۸ ب، عز، پہلے «خوشا عالم کہ در طوفانِ

مے، تھا - پھر یہ الفاظ قلمزد کر کے اِن کے اوپر موجودہ لفظ لکھ دیے -

۱۰ ب، عز، پہلے «بموجِ گریۂ صد» تھا - پھر مصرع کے آغاز میں «کہ» اس طرح اضافہ کیا کہ «بموج» کی ب کا نقطہ «کہ» کی کشش میں آ گیا، اور «گریہ» کے بعد «میں» بڑھایا، مگر «گریۂ» کا ہمزہ نہ چھیلا جو اب بھی نظر آتا ہے -

۱۱ الف، عز، میں یہ مصرع تھا، «دماغِ سنگ بر سر کوفتن کو عجزِ تسلیمے» - اسے قلمزد کر کے موجودہ مصرع حاشیے میں لکھا ہے -

۱۱ ب، عز، جبیں میں در لباسِ سجدہ -

۱۳ الف، عز، پہلے، صفائے موجۂ گوہر بلا گردانِ تمکینے، تھا - پھر «موجہ» کو «موج» بنایا - ابھی یہ اصلاح مکمل نہیں ہوئی تھی کہ اسے قلمزد کر کے نیچے موجودہ مصرع تجویز کر دیا، یعنی، بلا گردانِ تمکینِ بتاں الخ -

۱۳ ب، قا، چنکے (سہو کاتب) -

۱۵ الف، قا کے کاتب سے «اسد» چھوٹ گیا تھا جسے بعد میں بڑھایا گیا ہے -

ص ۱:۷۴ ب، عز، دریوزگی ہے جام بر دستِ سبو -

۲ الف، عز، بالِ چاک -

۲ ب، عز، لیتی ہے (اور یہی درست ہے) -

ص ۸:۷۵ ب، عز، در کسوتِ ہوا -

ص ۱:۷٦: عز میں یہ شعر مقطع سے پہلے ہے - نیز قا میں یہ غزل کا چوتھا شعر ہے -

۱ ب، عز، نازِ بہارِ رفتۂ وصلِ بتاں -

۲، ق میں یہ شعر مطلع کے بعد ہے (حم) -

۲ الف، عز، تبِ غم -

۳ الف، عز، عرضِ ناز -

٤ الف، عز، عدل ہیں - ق میں بھی یہی تھا جسے کاٹ کر «ہوں» بنایا ہے (حم) -

٦ الف، عز، وہ نامہ رساں سے بسوزِ دل -

۱۰ ب، عز، تا آئینہ -

۱٤ الف، عز، میکدے میں زِ دل افسردگی بادہ کشاں - پہلے یہی ق میں بھی تھا - بعد ازاں اصلاحی مصرع حاشیے پر اضافہ ہوا، مگر آخری لفظ سہواً «افسردہ کیا» لکھا گیا ہے (حم) -

ص ۱:۷۷ ب، عز، زِ دامانِ ہوس -

۳ الف، عز، اے اسد، وائے بہ بیحاصلی بوالہوساں -

٤ الف، عز، بسکہ مے پینے لگے بادہ کشاں -

۵ ب، عز، پہلے، در گردنِ قمری ہے رگ، تھا - پھر «در» کو «ہے» اور «ہے» کو «میں» بنایا، مگر «ہے» کا نچلا شوشہ ہنوز باقی ہے -

٦، عز میں اس کے بعد وہ نو دریافت شعر ہے جو باد آورد نمبر ۲٤ پر درج ہوا ہے -

۷، عز ندارد -

۸ الف، عز، اے اسد، بہر رم آموختنی ہائے تپش - ق کا مصرع کسی اور مخطوطے میں تجویز ہوا ہے -

۹ الف، عز، ہے، نشہ ہائے فطرتِ بیدل -

۹ ب، عز، قطره -

۱۲ الف، عز، نه شعله حرزِ عافیت -

۱۳ ب، قا کے کاتب نے سہواً ردیف کی جگه «نہیں» لکھ دیا تھا - غالب نے اپنے قلم سے اسے «نپوچھ» بنایا ھے -

ص ۱۲:۷۸ ب، ق، قدیم الفاظ کے نیچے یه اصلاحی الفاظ لکھے گئے ھیں: «ھے یه سیاق» (حم) -

ص ۱۲:۷۹ الف، ق، غصه - «وعده» ح کا سہو ھے (حم) -

ص ۹:۸۰ الف، عز، دھلی - نیز یه غزل حاشیۂ عز پر بخطِ غیر نقل ھوئی ھے -

۹ ب، عز، کا یه میہماں -

۱۰ ب، عز، دھلی -

ص ۵:۸۱ الف، عز، خوشا خیالِ کسانے که محوِ بیخبری ھیں -

۵ ب، عز، حصولِ یاس -

۶ ب، عز، که برگِ لاله و گل -

۷ الف، عز، اسد کو کیوں نه ھو امیدِ لطفِ بنده نوازی -

۸ ب، عز، سرشکِ کباب - نیز یه شعر غالب نے اپنی مشہور غزل: رفتارِ عمر قطعِ رہِ اضطراب ھے، میں شامل کر لیا تھا - بعد ازاں جب قا میں ترمیم کی، تو اسے خارج کر دیا - عز کے بقیه شعر باد آورد نمبر ۲۸ پر ملاحظه ھوں -

ص ۲:۸۲ الف، عز، نہفتۂ تدبیر -

٤ الف، عز، قا، گذشتگی - نیز اس شعر کے دونوں مصرعوں کے درمیان «کھلتا کسو پہ کیوں» الخ کا اضافه ھوا ھے، جو نوائے سروش میں شامل ھے -

۵، عز میں یه بیت اگلے شعر کے بعد ھے -

۵ الف، عز، پست حوصلگی ھائے طبعِ خام -

۵ ب، عز، اے آرزو بلندی -

۷ الف، عز، ھے مستِ امتحانِ ھوس طینتی اسد -

۸، عز ندارد -

۹ الف، عز، وقتِ مے آتش عذاراں -

۱۰ الف، عز، «بھی» ندارد (سہو کتابت) - نیز قا میں یه بیت اگلے شعر کے بعد ھے -

۱۱، عز میں اس سے قبل جو نودریافت شعر ھے وه باد آورد نمبر ۲۶ پر ملاحظه ھو -

۱۲، عز ندارد -

۱۳ ب، قا کے کاتب نے «آئینه» لکھا تھا - غالب نے اپنے قلم سے «ہ» کی جگه «ے» لکھ کر «آئینے» بنایا ھے -

۱٤ و ۱۵، عز ندارد -

۱۵ ب، قا، آب دیکھ (سہو کتابت) -

۱۶ ب، عز، پہلے، سوزش اے اسد، تھا - پھر اسے قلمزد کر کے نیچے لکھ دیا «غالب سوزشیں» -

ص ۱:۸۳ الف، عز، نه کھینچے سعیِ نقشِ نارسا -

۲ الف، ق، کہاں ھم (سہو کاتب) -

۳ الف، عز، فرھاد و اظہارِ سبکدستی -

٤ الف، عز، پہلے «ہستی میں» لکھ گیا تھا۔ پھر «میں» قلمزد کر کے اوپر «نے» لکھ دیا ہے۔

۶، عز ندارد۔

۷، عز میں اس بیت سے پہلے جو شعر ہے وہ باد آورد نمبر ۲۷ پر ملاحظہ ہو۔

۹ ب، عز، تمئیز۔

۱۰ الف، عز، مژگانہا۔

۱۱ ب، عز، ز بس دل میں خیالِ گرمئ اندازِ قاتل ہے۔

ص ۱:۸٤ ب، غز، چشمك اندازِ روانی۔

۹، عز میں اس غزل کے کچھ شعر آیندہ غزل میں اور آیندہ غزل کے کچھ شعر اس غزل میں ہیں۔ قا میں ان دونوں کو یکجا کردیا گیا ہے۔ ق میں اس کے بعد پانی مانگے، روانی مانگے ردیف و قوافی کی غزل ہے، اور ان دونوں غزلوں کے حاشیے پر: باعثِ واماندگی ہے عمر فرصت جو مجھے، نقل کی گئی ہے (حم)۔

۱۰، عز میں یہ بیت آیندہ غزل کے مطلع کے بعد ہے۔

۱۱ الف، عز، صحرائے خیال۔

۱۲ ب، عز، خوبرویاں نے، اسد، آخر کیا بدخو مجھے۔ ق میں پہلے، خوبرویوں نے بنایا ہے اسد، تھا۔ پھر «ہے اسد» کاٹ کر «غالب» لکھ دیا ہے (حم)۔

۱۳، عز میں یہ بیت آیندہ غزل کا تیسرا شعر ہے۔

۱۳ ب، عز، ربطِ سرو زانو (اور یہی صحیح ہے)۔

١٤، عز میں یہ غزل کا تیسرا شعر ہے۔

١٤ الف، عز، ق، تیغِ یار سے۔

ص ۱:۸۵، قا میں یہ غزل کا مطلعِ ثانی ہے۔ نیز ق میں یہ غزل متن کے اندر موجود تھی۔ پھر کسی غلط فہمی کی بنا پر حاشیے میں بھی نقل کی گئی، اور بعد ازاں متن کے اندراج پر «غلط مکرر نوشتہ شد» لکھ دیا گیا۔

۱ ب، عز، پہلے، پائے وحشت میں ہے زنجیر، تھا۔ پھر اسے چھیل کر بنایا، کر دیا ہے پا بزنجیر۔ لیکن «کر» کو ایسا لکھا ہے کہ سر پڑھا جاتا ہے۔ اسی لیے قا کے کاتب نے «سر دیا» نقل کیا ہے۔

۲، قا ندارد۔

۳ الف، عز، محوِ ایمائے فنا ہے فرصتِ پیری، اسد۔

۷ ب، عز، سوادِ خال۔

ص ۳:۸۶ الف، عز، داغِ ہمدیگر ہیں۔

۳ ب، عز، پہلے، سہواً «چشم آلود» قلم سے نکل گیا تھا۔ پھر «آلود» ہی کو «حسرت» بنا دیا ہے۔

۵ الف، عز، در ہر رنگ حسرت۔

٦ الف، عز، دماغِ خوئے نازك نیم مست۔

۷ الف عز، داغِ آرزوئے شوخ۔

۸ الف، عز، سے ہو حیرانِ کدورت ہا۔

۸ ب، عز، یہاں جوشِ غبارِ دل سامانِ

صفائی ہے۔

۹ ب، عز، ہے یا جام۔

۱۰ الف، عز، پہلے، ہوتا ہے اسد مغرور۔ پھر «ہوتا ہے اسد» کو قلمزد کر کے «مغرور» کے بعد «ہوا غالب» اضافہ کر دیا ہے۔

۱۱ الف، عز، پھرا گرد۔

۱۱ ب، عز، جس طرح پانی پیوے کوئی وار وار کے۔

ص ۲:۸۷، قا میں اس زمین کی تین غزلوں کو ملا کر دو بنا دیا ہے۔ شعر ۳ تا ۶ اور ۹، ۱۰، ۱۲، کے علاوہ آئندہ صفحے کا پہلا شعر قا کی پہلی غزل کا اور بقیہ اشعار دوسری غزل کے ہیں۔

۲ ب، عز، قابل نہیں۔

۳، ق میں اس غزل کے حاشیے پر متن کی اسی زمین کی تین مختلف غزلوں کے پانچ شعر بہ ترتیبِ ذیل دوبارہ لکھے گئے ہیں:
غبارِ دشت؛ ز بس دوش؛ ہوے بہ کثرت؛ رہا بے قدر؛ اسد بندِ قبا (حم)۔ ان میں سے نمبر ۳ نواے سروش ص ۲۶۹ کا تیسرا شعر ہے۔

۵ الف، عز، آئینہ پرتو ہیں۔

۵ ب، عز، پرِ طاؤس، برقِ ابرِ چشمِ اشکِ ناداں ہے۔

۶ الف، عز، بوے زلفِ مشک افشاں ہیں رم افروزِ آشفتن۔

۷ الف، عز، جہاں زندانِ موجستانِ دلہاے پریشاں ہے۔ ق میں اس غزل پر لکھا ہے: «مکرر نوشتہ شد»۔ وجہ شاید یہ رہی ہو کہ شعر نمبر ۹ و ۱۰ و ۱۲ ق میں اس غزل کے اندراج سے ایک صفحہ پہلے حاشیے پر اضافہ کیے گئے ہیں (حم)۔

۷ ب، عز، در نقطہ۔

۱۰ الف، عز، طرازِ خانۂ محمل ہے بردوشِ رمِ آہو۔

۱۰ ب، عز، ز وحشتہاے مجنوں۔

۱۱ الف، عز، غفلت نگاہی ہاے بینندہ۔

۱۲ الف، عز، قبا ہے غنچۂ گزار سامانے۔

۱۲ ب، عز، اگر ہووے شگفتن جوشِ یک۔

ص ۱:۸۸، قا میں یہ شعر اس زمین کی پہلی غزل کا ہے۔

۱ ب، عز، آئینہ در۔

۲ الف، عز، پہلے «رسوائی» کی جگہ سہواً قلم سے «رعنائی» نکل رہا تھا جو مصرع کا آخری لفظ ہے۔ مگر ابھی عین کا سر ہی بنایا تھا کہ غلطی کا احساس ہو گیا اور عین کو سین بنا کر صحیح لفظ لکھا گیا۔

۶ ب، عز، پہلے، شمع از۔ پھر «از» کی جگہ «کو» بنا دیا، یعنی «شمع کو»۔

۷، عز ندارد۔

۸، عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔

۸ ب، عز، گنج بہ ویرانہ۔

۱۰ الف، عز، جادو ہے طرزِ گفتگوے یار اے اسد۔

۱۲ الف، قا میں «نجوس» یعنی ایک ہی حرف

پر خ اور ج دونوں کے نقطے لگا دیے اور لفظ «جو» سہواً ترك ہوگیا ۔ نیز «اسد» بعد میں بڑھایا گیا ہے ۔

۱۳، عز میں اس بیت سے پہلے وہ نو دریافت شعر ہے جو باد آورد نمبر ۳۰ پر درج ہوا ہے ۔

ص ۱:۸۹ ب، عز، نالِ خامہ خار در پیراهنِ آغاز ہے ۔

۲ الف، عز، نالۂ دل نغمہ ریزاں ہے بمضرابِ خیال ۔

۲، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے ۔

۳ الف، عز، شرم ہے وضعِ تامل ۔

٤ الف، عز، اظہار کو جز وحشتِ مجنوں اسد ۔

٤ ب، عز، بسکہ لیلاے سخن ۔

۵، عز میں اس شعر سے قبل وہ مطلع تھا جو نواے سروش کی غزل نمبر ۱۵۸ کا ہے ۔ اُسے یہاں قلمزد کر دیا مگر آیندہ ق میں ایك بار پھر انتخاب کر لیا ۔

٦ ب، عز، چشم ہوا، نیز اس شعر کے بعد نواے سروش ص ۲۷۹ کا پہلا شعر ہے ۔

۷، عز میں یہ بیت مقطع سے پہلے ہے ۔ نیز اس شعر پر صہ نشان بنا کر حاشیے پر اسی نشان کے تحت اگلا شعر اضافہ کیا ہے، یعنی: آتش افروزی الخ ۔

۷ الف، عز، فریب افشاں ۔

۸، عز میں یہ بیت گزشتہ شعر: اے تسلی ہوسِ وعدہ الخ سے پہلے واقع ہوا ہے ۔

۱۲ الف، عز، نہیں قدرت دریغ ۔

۱۲ ب، عز، صافی رخسار ۔

۱۳ ب، عز، جادۂ صحراے نشتر زار ہے ۔

ص ۱:۹۰ ب، عز، در کوچہ ۔

۲ الف، عز، سامان عشق ۔

۲ ب، عز، یك طرف سودا و یك سو منت ۔

۳ ب، عز، بہرِ تاراجِ تمنا فتنۂ درکار ہے ۔ حاشیۂ ق میں اس غزل کے ہم پہلو یہ سات شعر اضافہ کیے گئے ہیں: اثر سوزِ محبت، (متنِ ق کی ہم طرح آیندہ غزل میں پہلے ہی موجود ہے) ۔ بہ سعیِ غیر، تصرف وحشیوں، (متنِ ق کی ہم طرح آیندہ غزل میں پہلے ہی موجود ہے اور حاشیے پر اتفاق سے متن میں درج اسی شعر کے مقابل نقل ہوا ہے) ۔ خزاں کیا، (دیکھیے نواے سروش ص ۲۸۵ کا پہلا شعر) تصور بہرِ تسکین، مجھے شب، ترے نوکر اسد، (یہ تینوں بھی متنِ ق کی دوسری غزل کے ہیں اور مکرر نقل ہوے ہیں) حم ۔

۵، قا میں اس زمین کی تینوں غزلوں کو ملا کر دو غزلہ بنا دیا ہے ۔ وہاں پہلی غزل کا مطلع یہی ہے ۔

۵ ب، عز، نگاہِ مست در چشمِ بتاں ۔

٦، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد چھٹے نمبر پر ہے ۔ نیز اس کے بعد نواے سروش ص ۲۸۵ کا پہلا شعر: خزاں کیا الخ ہے ۔

۷، قا میں یہ پہلی غزل کا پانچواں شعر ہے ۔

۸، قا میں یہ شعر پہلی غزل کے حسنِ مطلع

کے بعد ہے۔

۹ الف، عز، نہیں ہوتا پریدن جلوہ رنگ از فرطِ خونریزی۔

۹، قا میں یہ پہلی غزل کا آٹھواں شعر ہے۔

۱۰، قا ندارد۔

۱۰ الف، عز، گردانۂ دُرِّ نجف۔ ق، پہلے، «بازو ہے» پھر «ہے» کو بدل کر «ہو» بنا دیا گیا بعد میں اس مقطع پر «لا لا لا» لکھ کر اس کی جگہ «ترے نوکر اسد الخ» منتقل کرنا چاہا ہے (حم)۔

۱۰ ب، عز، بحر جوں، اور یہی درست ہے۔

۱۱، ق میں اس غزل کے حاشیے پر آیندہ غزل کے سات اشعار لکھے گئے ہیں۔ جن میں سے پانچ ق کے متن میں موجود اور دو نئے ہیں۔ نئے اشعار ترتیب میں ۲ و ٦ ہیں اور نوائے سروش ۱:۲۸٤ و ۲:۲۸٥ پر درج ہیں یعنی: مری ہستی الخ اور وفائے دلبراں الخ۔ بقیہ پانچ شعر یہ ہیں: بہ بزمِ مے؛ نہ لائی شوخی؛ نشاطِ دیدہ؛ نسوے آبلوں؛ اسد یاسِ تمنا (حم)۔

۱۱، قا میں یہ اس زمین کی پہلی غزل کا حسنِ مطلع ہے۔

۱۲، قا میں یہ دوسری غزل کا چوتھا شعر ہے۔

۱۳، قا میں یہ دوسری غزل کا دسواں شعر ہے۔

۱۳ الف، عز، عزیزاں گرچہ بہلاتے ہیں ذکرِ وصل سے لیکن۔

۱۳ ب، عز، مجھے افسونِ خواب۔

ص ۱:۹۱، قا میں یہ پہلی غزل کا نواں شعر ہے۔

۲ الف، عز، خانہ بربادان۔

۲، قا میں یہ پہلی غزل کا چوتھا شعر ہے۔

۳ الف، عز، اسد شبہائے۔

۳، قا میں یہ پہلی غزل کے مقطع سے قبل درج ہوا ہے۔

٤، عز، ندارد۔ نیز قا میں یہ پہلی غزل کا مقطع ہے۔

٥، قا میں یہ اس زمین کی دوسری غزل کا مطلع ہے۔ نیز اس کے بعد وہ مطلع ہے جو نوائے سروش ص ۲۸٤ پر درج ہوا۔

٥ ب، عز، کہ یہاں کف بر لبِ پیمانہ از جوشِ تقاضا ہے۔

٦، عز میں اس شعر کے بعد نوائے سروش ص ۲۸٥ کا شعر نمبر ۳ ہے۔ نیز قا میں یہ دوسری غزل کا پانچواں شعر ہے۔

٦ الف، حاشیۂ ق، «ہے» ندارد (حم)۔

٦ ب، عز، بوسۂ جیبِ تماشا۔ حاشیۂ ق، روئے برروئے تماشا (حم)۔

۷، قا میں یہ دوسری غزل کا آٹھواں شعر ہے۔

۸، قا میں یہ دوسری غزل کا چھٹا شعر ہے۔

۸ ب، حاشیۂ ق، وا ہے (حم)۔

۸ الف، عز، ہو گر جوشِ اشک آئینۂ در آبلہ

خفتن -

٨ ب، عز، بجولاں گاہِ مطلبہا -

٩، قا میں یہ دوسری غزل کا نواں شعر ہے -

٩ ب، عز، شرر در بندِ دام -

١٠، عز میں یہ شعر اولاً لکھنے سے چھوٹ گیا تھا اور آیندہ غزل شروع کردی گئی تھی کہ غلطی کا احساس ہوا اور اسے بڑھا دیا گیا - نیز قا میں یہ دوسری غزل کا مقطع ہے -

١٠ الف، عز، عبث امید -

١٠ ب، عز، گدازِ آرزوہا آبیارِ آرزوہا ہے - ق، گدازِ ہر تمنا (حم) -

١١ ب، عز، بیادِ رنگہاے -

١٢ الف، قا، سر بحر (سہوکاتب) - عز، چشم بستن ہا -

ص ٣:٩٢ ب، عز، سپیدی -

٤ الف، عز، وہ مژہ بر آہ رویانیدن از دل تیز ہے -

٥ الف، عز، تیشۂ فولاد و دست و بازوے فرہاد کیا؟ -

٦ الف، عز، نرگسیں چشماں کے -

٦ ب، عز، حسرت پیز -

١١ ب، ح، جوشِ پریشانی (سہوکاتب) -

ص ١:٩٣ الف، عز، حسرتے اے ضبطِ سوزش

٢ الف، عز، از پوست -

٣ الف، عز، نہ ظالم -

١٢ ب، عز، ریشہ دار -

١٣ الف، عز، «ہے» کے بعد سہواً «گل» قلم سے نکل گیا تھا جسے قلمزد کر دیا ہے -

١٣ ب، عز، بلبل خار نغمہ (سہو کتابت) -

ص ١:٩٤ ب. عز، تا شکستِ قیمتِ دلہا -

ص ٣:٩٥، عز میں اس غزل کا مطلعِ ثانی وہ ہے جو عمدۂ منتخبہ کے حوالے سے یادگارِ نالہ ص ٤٢٧ نمبر ٤٥ پر درج ہوا -

٤، عز میں یہ غزل کا چھٹا اور قا میں پانچواں شعر ہے اس کے بعد اشعار کی ترتیب یکساں ہے -

٥ الف، عز، عبرت -

٨ الف، عز، ناز ہاے رفتۂ دل بردنی -

٩، عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے - نیز اس کے بعد وہ نودریافت شعر ہے جو بادآورد نمبر ٣١ پر گزر چکا ہے -

١٢ ب، عز، پہلے، در نقابِ رنگِ گل، پھر اسے قلمزد کر کے موجودہ متن کے الفاظ لکھ دیے ہیں -

١:٩٦، عز میں اس کے بعد نواے سروش ص ٣٧٩ کا یہ شعر ہے، غنچہ تا شگفتن ہا الخ -

٢ الف، عز، گل بکوہ از لالہ بزمِ سازِ بیتابی -

٢ ب، عز، بجرہا -

٣ الف، عز، ورنہ عشق ہے بیدل -

٣ ب، عز، از گہر صدف خالی - قا کے کاتب نے «گوہر» لکھ دیا تھا جسے چھیل کر غالب نے «گہر» بنایا ہے - عز میں اس کے بعد وہ نودریافت مقطع ہے جو بادآورد نمبر ٣٤ پر

نقل ہوا۔

٤ ب، عز، گم کردگانِ عشق۔

٥، عز، ق، قا میں وہ شعر ہے جو نوائے سروش نمبر ١٧٤ کے تحت درج ہوا ہے۔

٥ ب، قا، جوں (سہوکاتب)۔

٨ الف، عز. اسد جُز۔ ناگورا (واو کے بعد ترکِ الف سہوکتابت)۔

٩، عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔

١١ الف، عز، طلب تازی۔

١١ ب، عز، قا، پسینا۔ نیز عز میں یہ شعر، پیامِ تعزیت پیدا الخ کے بعد ہے۔

ص ٢:٩٧ الف، عز، پہلے، بزمِ ہستی وہ تماشا گاہ ہے جس کو اسد۔ پھر اسے قلمزد کر کے حاشیے پر یہ جدید مصرع لکھ دیا ہے، بزمِ ہستی وہ تماشا ہے کہ غالب ہم جسے۔ مگر مذکورہ اصلاح ق میں نظر نہیں آتی۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ عز اور ق کے درمیان ایک مخطوطہ اور ہے۔

٣ الف، عز، پہلے «دامانہ از»۔ پھر «دامانہ» کو «دامان» اور «از» کو «صد» بنا کر «دامانِ صد» کر دیا ہے۔

٥ الف، عز، وفا سے۔

٥ ب، عز، اے بے حیا۔

١١ ب، عز، پہلے سہواً «دہانِ یار» قلم سے نکل گیا تھا۔ بعد ازاں «ی» کے نقطے قلمزد کر کے «میم» کا سر بنایا ہے۔

١٢، عز میں اس بیت کے بعد وہ نودریافت شعر ہے جو باد آورد نمبر ٢٩ پر مندرج ہے۔

ص ١:٩٨، عز میں اس بیت سے پہلے وہ نودریافت شعر ہے جو باد آورد نمبر ٣٦ پر درج ہوا۔

٢، قا میں یہ غزل کا چوتھا شعر ہے۔

٢ الف، عز، گل کو اے خدا۔

٣، عز ندارد۔ نیز قا میں یہ غزل کا ساتواں شعر ہے۔

ص ٤:٩٩ و ٥، عز میں یہ دونوں بیت اگلے شعر کے بعد ہیں۔

٤ الف، عز، نگاہ۔

١٠ الف، عز، اے جلوہ تکلیفے۔

١٢، عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔

١٣، عز میں یہ شعر، جنوں افسردہ الخ کے بعد ہے۔

١٥ ب. عز، ریشہ۔

ص ١:١٠٠ الف، عز، چشمہ ہائے باغ میں از عکسِ گل ہائے چمن۔

٢، عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔

٣ الف، عز، باہم صد۔

٣ ب، عز. پہلے، بر قدِ شمشاد گل۔ پھر اسے قلمزد کر کے نیچے لکھا «سرو کے قامتمیں»۔ بعد ازاں «متمیں» کے اوپر «مت» لکھ کر آگے «پہ» لکھا یعنی «قامت پہ»۔

٤، عز میں اس کے بجائے وہ مقطع ہے جو باد آورد نمبر ٤٦ پر درج ہوا۔

٥، ق میں اس مطلع کے دونوں مصرعوں پر

«لا لا» لکھ دیا ھے (حم)۔ عرشی زادہ عرض کرتا ھے کہ اسی لیے یہ قا سے غیر حاضر ھے۔

۶، عز ندارد۔ ق میں یہ حاشیے کا اندراج ھے (حم)۔

۷ ب، عز، آغوشِ صافی۔

۹ الف، عز، درد ھے غم آفریں در حسرت آبادِ جہاں۔

۹ ب، عز، ھاے ماتم، خانہ زادِ نالۂ رنجور ھے۔

۱۰، قا میں اس کے بعد نواے سروش کی غزل ۱۵۹ کا تیسرا شعر ھے، جسے قافیہ بدل کر محولہ غزل میں داخل کر لیا گیا ھے۔

۱۱، یہ شعر متنِ عز میں ھوتے ھوے ق کے حاشیے پر اضافہ ھوا ھے، اور اس طرح انتخاب میں رجوع کی ایک مثال ھے۔ نیز عز میں، ھوں تصور ھاے ھمدوشی الخ کے بعد واقع ھوا ھے، جب کہ ق میں اس کے بعد نواے سروش ص ۲۷۱ کا پہلا شعر ھے۔

۱۱ ب، عز، در نظر تبخالہ۔

۱۲ الف، عز، ق، ھو جہاں اورنگ آرا جانشینِ مصطفا۔ پھر حاشیۂ ق میں «جس جگہ ھو مسند آرا» بنا دیا ھے۔

۱۲ ب، عز، ق، وھاں اسد تخت۔ پھر حاشیۂ ق میں «اُس جگہ تخت» بنا دیا گیا ھے۔

۱۳، عز ندارد۔ نیز ق میں یہ حاشیے پر اضافہ ھوا ھے۔

۱۴، عز میں یہ غزل قلمزد کر دی گئی ھے۔ مگر پھر بھی ق میں موجود اور اس طرح انتخاب میں رجوع کی ایک مثال ھے۔

ص ۱:۱۰۱، میر ناصر علی نے غالب سے اپنی ملاقات کے ذیل میں لکھا ھے:

«میرے والد مجھے حضرت کی خدمت میں اس غرض سے لے گئے کہ اسے گلستاں پڑھا دیا کیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ: «پڑھانا تو مشکل ھے۔ کہو تو دوسری لکھ دی جائے»۔ حضرت کو اُن دنوں ضعف بہت تھا۔ چار پائی پر لیٹے رہتے تھے، بہت کم اُٹھ کر بیٹھتے تھے۔ والد نے کہا کہ: «آپ کے دیوان میں جو چھپا ھے، آپ کے اکثر شعر چھپنے سے رہ گئے»۔ چنانچہ ایک شعر والد نے سنایا، وہ شعر تو مجھے یاد نہیں۔ مگر حضرت نے اُس کی شرح جو بیان کی وہ کچھ کچھ یاد ھے۔ فرمایا کہ:

«بھئی یہ شعر ایک کالی عورت کی تعریف میں ھے کہ سانولی رنگت جو اُس کی ھے یہ سر کے بالوں کا عکس ھے کہ بدن کی صفائی آئینے کی طرح اس درجے کی ھے کہ سر کے بالوں کے عکس سے سیاھی دکھائی دیتی ھے»۔

صلاے عام، دھلی، ص ۸، جون، ۱۹۲۴ع۔

۱ الف، عز، چھا گیا فرطِ صفا سے۔ نیز اس بیت کے بعد عز میں وہ نو دریافت شعر ھے جو یاد آورد نمبر ۳۲ پر نقل ھوا ھے۔

۱۳ الف، قا، کھنچ (سہوِ کاتب)۔

۱۴ الف، قا، بندا (سہوِ کاتب)۔

ص ۱۰۲: ۹ الف، عز، اسپند جوں مردم -

۹ ب، عز، پہلے «بجمرِ افسردہ بزماں» - پھر اسے قلمزد کر کے حاشیے پر لکھ دیا ہے «بجمرِ بزمِ فسردن» - ق کے اندر اس غزل کے آغاز میں حاشیے پر فوجدار محمد خاں بہادر کی ۱۲۴۸ھ والی مہر ثبت ہے (حم) -

۱۲ الف، عز، پہلے، بوئے گل - پھر «بوئے» کو قلمزد کر کے اُس کے اوپر «جائے» لکھ دیا ہے -

۱۲ ب، عز، از نہالِ شمع پیدا -

۱۴ الف، عز، خوں ہے سراسر - ق میں بھی پہلے یہی تھا - بعد ازاں «سراسر» پر «لا» لکھ کر «خوں» کے بعد «وفا» اضافہ کیا ہے (حم) -

ص ۱۰۳: ۴، نیز ملاحظہ ہو:

یارب، بجہانیان دلِ خرّم دہ
در دعویِ جنت آشتی باہم دہ
شدّاد پسر نداشت، باغش از تست
آن مسکنِ آدم بہ بنی آدم دہ

کلیاتِ فارسی: ۵۴۳

۷ ب، عز، ہے ہر خطِ چینِ پیشانی - ق میں اس غزل پر «غلط» لکھا ہے (حم) -

۸ ب، عز، پہلے، رکھے ہے - پھر «رکھے» کو قلمزد کر کے اوپر «کرے» لکھ دیا ہے، مگر ق میں پھر عز کی پہلی قراءت پر واپس آگئے ہیں - یہ بھی اصلاح سے رجوع کی ایک اور مثال ہے -

۱۱ الف، عز، لکھوں -

۱۱ ب، عز، جس کا -

۱۲ الف، عز، اسد میں -

۱۳ ب، عز، مژگانِ وا کشادہ -

۱۴ الف، عز، تبسم از لب -

۱۴ ب، عز، آئینہ دارِ تیغ -

ص ۱۰۴: ۱ الف، عز، رخسارِ صاف نے جو دیے جلوہ ہائے نور -

۱ ب، عز، زلفِ پری وشاں -

۲ الف، عز، یک لمحہ انتظار کی -

۳ الف، عز، پہلے، از بسکہ اشک سوکھ گئے چشم میں اسد - پھر اسے قلمزد کر کے اوپر گنجینۂ معنی کی اصلاحی شکل درج ہوئی ہے - یعنی، غالب ز بسکہ سوکھ گئے اشک چشم میں - مگر اس کا آخری لفظ «میں» کبھی جلد بند سے تراش میں ضائع ہوگیا -

۱۱ الف، عز، بیدل‌رض -

۱۱ ب، عز، پہلے، یک نیستاں - پھر «یک» کو «ہر» بنا دیا، لیکن ق میں پھر پہلی قراءت پر لوٹ آئے -

۱۲ الف، عز، نگاہِ سُرمہ سانے عرض -

۱۲ ب، عز، بہ ابروئے خمِ تیغِ صفاہانی اشارت کی -

۱۴، عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے -

۱۵ الف، عز، ہوئی ریزش عرق کی جوششِ اسہالِ ذوبانی -

۱۵ ب، عز، کی یہ نبض - ق میں کاتب نے

«کیا نبض» لکھا تھا۔ پھر «کیا» بدل کر «یہ» بنا دیا گیا (حم)۔

١٦ الف، عز، بوقتِ اشك خاموشی۔

ص ٢:١٠٥، عز میں اس شعر کے بعد وہ نودریافت شعر ہے جو باد آورد نمبر ٤٤ پر درج ہوا ہے۔

٣ الف، عز، فغاں بر حالِ رنجورے کہ فرطِ ناتوانی سے۔

٤، عز ندارد۔ ق میں یہ حاشیے کا اندراج ہے (حم)۔

٤ ب، قا، سے اکو (سہو کاتب)۔

٥ الف، عز، اسد کو جرأتِ بوسیدنِ پاے چمن رویاں۔

٧ الف، عز، حاصل جز تلف گشتن۔ نیز عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔

٨ الف، عز، از خود واگذشتن۔ نیز قا کے کاتب سے «بالیدن» کا «ن» سہواً ترك ہو گیا تھا۔ غالب نے اپنے قلم سے اضافہ کیا ہے۔

١٣ الف، عز، ہوس تابِ پریدنہا۔

ص ٥:١٠٦ الف، عز، تپش ہے شرم بقدرِ چکیدنِ عرقے۔ ق میں بھی پہلے یہی مصرع تھا۔ مرتبِ حم نے اس میں «تپش سے» پڑھ لیا ہے۔ نیز یہ بتایا ہے کہ اصلاحی مصرع متن میں نشان بنا کر حاشیے پر درج کیا گیا ہے۔

٧، عز ندارد۔ ق میں یہ حاشیے کا اندراج ہے (حم)۔

٩ دیوان سالك ص ٢٩٩ پر ایك قطعۂ تاریخِ وفاتِ حکیم ببر علی خاں درج ہے، جس کے مادۂ تاریخ سے ١٢٩٥ھ نکلتے ہیں۔ اس لیے یہ کوئی اور صاحب ہوں گے۔

١٢ ب، عز، پہلے «ملبّس سیاہ» تھا۔ پھر «مُلبّس» قلمزد کر کے اس لفظ کے نیچے بین السطور میں «کسوت» لکھا، یعنی، کسوت سیاہ۔

ص ٤:١٠٧، عز ندارد۔

٥ الف، عز، ہم یك دگر۔

٦ الف، عز، حسرت اے آغاز و انجامِ سیہ شامِ شباب۔

٦ ب، ماہ کے مانند۔

٨ الف، عز، دلا، غلط ہے۔ ق میں غزل کے اوپر «غلط» لکھ دیا گیا ہے (حم)۔

٨ ب، عز، لبِ میگوں میں ہے۔

٩ الف، عز، فکرِ خود بینی۔

٩ ب، عز، جلوہ افروزی۔

١٢ الف، عز، مشقِ یك پر افشاندن۔

١٤، ق میں غزل کے اوپر «غلط» لکھ دیا گیا ہے (حم)۔

ص ٢:١٠٨ ب، عز، ناخنِ مشکل کشا لاؤں کہ مضرابی۔

٣، عز میں یہ مقطع ہے جس کا مصرعِ اول یہ ہے:

گر سحر وہ جلوہ ریزِ بے نقابی ہو، اسد

٤ الف، عز، کہنہ بر جا ماندۂ خوں مردگی۔

٤ ب، عز، تیغِ یار۔

٥، عز، ندارد۔

۷ الف، عز، بسکه صیادان براہِ عشق ھیں
صرفِ کمیں ۔

۱٤ الف، عز، رنگِ رفته آه ۔

۱۵ الف، عز، دزدیده ۔ (اور یہی صحیح ھے،
لهذا حاشیه حذف کیا جائے) ۔

ص ۱:۱۰۹ الف، عز، هو تنورستاں طلسمِ
حلقۂ گرداب ها ۔

۲ الف عز، شفقت بسته ۔

۲ ب، عز، حسرتستاں ھے خیال خانه ۔

۳، عز ندارد ۔

٤ ب، عز، جمله تن هوں یك ۔

۷ الف، عز، آفریں رنگِ نیاز ۔ مگر پہلے
«رنگِ نیاز» کی جگه اور لفظ تھے جنھیں ایسا
چھیل دیا گیا ھے که اب پڑھے نه جاسکے ۔

۱۱ الف، عز، زباں بکامِ خموشاں زِ فرطِ
تلخیِ ضبط ۔

۱۱ ب، عز، برنگِ پسته ۔

۱۲ الف، عز، جلوه نسب ۔ لیکن پہلے «جلوه
فزا» ھی لکھنا چاھتے تھے، لکھتے لکھتے
اصلاح ھوئی ھے ۔

۱۳ ب، عز، نشانِ جوهرِ شمشیر زخمِ دنداں ھے ۔

۱٤ الف، عز، غنچۂ دلها ۔

ص ۲:۱۱۰ تا ٤، عز ندارد ۔

٤، عز میں یه مقطع ھے:
اسد، جهاں که علی بر سرِ نوازش هو
کشادِ عقدۂ دشوار کارِ آساں ھے

٦ الف، عز، حنائی سے پرتو خورشید ۔

۹ ب، عز، قطرۂ اشكِ تراویده نگاه ۔

۱۰ الف، عز، در طلسمِ عاجزی، اے اضطراب،
آرام کو؟

۱۰ ب، عز، پرفشانی ها ۔

۱۱ الف، عز، مشتاقاں نپوچھ ۔

۱۱ ب، عز، چندیں داغ ۔

۱۲ ب، عز، تیرگیِ داغ سے ۔

۱٤ الف، عز، پریشاں موئیِ ماتم زده ۔

ص ۱:۱۱۱، عز ندارد ۔

٦ ب، عز، جوں سرود ۔

۷، عز ندارد ۔

۱۰ الف، عز، دامنِ گردوں میں رو جاتا ــ
وداغ (سهو کتابت) ۔

۱۱ الف، عز، پہلے، مشرباں ھے بس بلند ۔ پھر
«ھے بس بلند» کو قلمزد کر کے «فردوس زیب»
بنا دیا ۔

۱۲ الف، عز، بغیر از سوز و ساز ۔

۱۲ ب، عز، که شمعِ خلوتِ تجرید ۔

۱۳ ب، عز، علی پر علیه السلام کی علامت
«ع» بنائی ھے ۔ یه بھی غالب کے شیعی ھونے
کی طرف اشاره هو سکتا ھے ۔

ص ٤:۱۱۲ ب، عز، وصل هر رنگِ تپش ۔

۵، عز میں یه شعر مطلع کے بعد ھے ۔

۵ ب، عز، گلِ مهتاب بکف ۔

٦ الف، عز، دل ھے ۔ قا میں اس کی جگه
نوائے سروش نمبر ۲۰٤ پر درج مشهور مقطع:
اگ رها ھے در و دیوار الخ ھے ۔

۷، عز میں اس کے بعد وہ نو دریافت شعر ھے جو باد آورد نمبر ۳۷ پر درج ھوا -

۹ الف، عز، طراوت جوشی طوفانِ آبِ گـُل سے ممکن ھے -

۱۳ الف، عز، مسجد و میخانہ -

۱٤ ب، عز، کھچ (بدونِ نون) -

ص ۲:۱۱۳، عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ھے -

٤، عز ندارد -

۷ الف، عز، گل ،چشمكِ اشارۂ -

۸ الف، عز، وحشت غبارِ راہ -

۱۰، عز ندارد -

۱۱، عز میں یہ شعر، حیرت حجابِ جلوہ الخ سے پہلے ھے -

۱٤ ب، عز، واو ندارد -

۱۵ الف، عز، ھم مشقِ وفا -

ص ۲:۱۱٤ الف، عز، شوقِ طرب -

٦ الف، عز، ھے دوعالم نازِ یك صیدِ شہ -

۱۰ الف، عز، گل آشفتہ فتراکی -

۱۵ الف، عز، در خزاں پیچیدہ ھے لیکن -

۱٦ ب، عز، پہلے، اسد، محفل میں میری - پھر اسے قلمزد کر کے متن میں گنجینۂ معنی کے الفاظ اوپر لکھ دیے ھیں -

ص ۱:۱۱۵ الف، عز، پہلے، ھونہیں وہ دام - پھر «نہیں» کو قلمزد کر کے اُس کے اوپر «ن» لکھا اور «دام» کو «گدام» بنا دیا، یعنی: ھوں وہ گدام -

۲ ب، عز، بصد چشم -

٦ ب، عز، ڈھونڈھ خاکسترِ صد آئینہ -

۹، عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ھے -

۹ الف، عز، عجزِ دو عالم -

۱۰ الف، عز، پہلے، دلِ ھر ذرہ - پھر «دل» کو «جام» بنا دیا ھے -

۱٤، عز ندارد -

ص ۳:۱۱٦، عز میں یہ غزل کا تیسرا شعر ھے -

۳ ب، عز، تعمیر -

٤ الف، عز، پہلے، سجدۂ شکرے - پھر «ے» کو «کا» بنا کر اوپر علامتِ تقدیم «م» لکھ دی اور «سجدہ» پر علامتِ تاخیر «خ» تحریر کر کے یہ صورت دے دی: «شکر کا سجدہ» مگر ھمزہ حذف کیے جانے سے رہ گیا -

۹ ب، عز، سعیِ پریشانی -

۱۲ الف، عز، تمنا کو — تماشا کو -

۱۳ الف، عز، نہو جرأت کشِ شوق - نیز اس کے بعد عز میں وہ نو دریافت شعر ھے جو باد آورد نمبر ۳۵ پر درج ھوا -

ص ۱:۱۱۷ الف، عز، عرضِ نگہ -

۳ ب، عز، پہلے، شام در سایہ بہ تاراجِ سحر، تھا - پھر «در» قلمزد کر کے «سایہ» کے بعد «میں» اضافہ کر دیا جس سے موجودہ شکل پیدا ھوگئی -

٤ الف، عز، اظہارِ نیاز -

٦ ب، عز، بیضہ ز مژگاں - نیز قا کے کاتب

سے «مژہ» ترک ہو گیا تھا، جسے غالب نے اپنے قلم سے اضافہ کیا ہے۔

۷ الف، عز، قا، ھوس (اور یہی درست ہے)۔ عز، ھرزہ سرا۔

۸ ب: عز، پہلے، در دلِ ھر سنگ شرر، تھا۔ پھر اسے قلمزد کر کے اوپر اصلاح دی «ورنہ ھر سنگ کے سینے میں»۔

۹ الف، عز، دردِ وحشت. اسد، آئینۂ اظہارِ نشاط۔

۱۰ ب، عز، زنگار بستہ۔

۱۲ ب، عز، تمنا تپاك۔

ص ۱:۱۱۸، عز میں اس کے بعد وہ نو دریافت شعر ہے جو یاد آورد نمبر ۳۳ پر درج ھوا۔

۱ الف، عز، شوخیِ رگِ خواب۔

۳ الف، عز، آنسوے دل افتادن۔

۵ ب، عز، غرورِ مرزائی۔

۷، عز میں یہ بیت چوتھے نمبر پر ہے۔

۸ ب، عز، تا آبلہ پرداز۔

۹، عز میں یہ بیت تیسرے نمبر پر ہے۔

۹ الف، عز، نالۂ اسپند۔

۱۱، عز میں یہ بیت مطلع کے بعد ہے۔

۱۳ ب، عز، چارہ گرِ ساختنی۔

۱٤ الف، عز، حوصلہ افگار۔

ص ۲:۱۱۹ ب، عز، پہلے، ھر چند اسد، تھا۔ پھر اسی کو بدل کر «جائیکہ اسد» بنا دیا۔

۳ الف، عز، گلستاں یك تماشا۔

۳ ب، عز، اگر باندھے۔

۵ الف، عز. رجوعِ گریہ۔

٦ الف، عز، آئینِ بندِ ویرانی۔

۸ الف، عز، کلفت اظہارے۔

۱۰ الف، عز، پہلے، سہواً «مجھ سے» لکھا گیا تھا۔ پھر میم کو «ت» سے بدل دیا ہے، یعنی: «تجھ سے»۔

۱۰ ب، عز، پہلے سہواً «بتاں» قلم سے نکلا تھا۔ پھر «ت» کے نقطے قلمزد کر کے «ی» کے نقطے لگائے ھیں۔ ردیف کی سابقہ غلطی اس مصرع میں بھی ھوئی تھی جسے بعد میں درست کیا گیا ہے۔

ص ۳:۱۲۰ الف، عز، اسد، بموسمِ گل در طلسمِ کنجِ قفس۔

۵ الف، عز، طوفاں بھا۔ مگر میری راے میں یہ «طوفان ھا» ہے جسے ملا کر لکھ دیا گیا ہے۔

٦ ب، عز، دزدیدن (سہوِ کتابت)۔

۱۰ الف، عز، ناداں ہے لیکن، اے اسد۔

ص ۱:۱۲۱ الف، عز، کہ جوں فوارہ۔

٤ ب، قا، گلدشتہ (سہوِ کاتب)۔

۷، عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔

۸، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔

۱۰، عز میں یہ شعر چوتھے نمبر پر ہے۔

۱۲ الف، عز، دوکانی۔

۱٤ الف، عز، نقدِ انجم (اور یہی درست ہے)۔

نیز یہ شعر قا میں نہیں ہے۔

۱۵ الف، عز، پہلے، «درونِ بزم» لکھنا چاہتے تھے۔ مگر ابھی «بزم» کی میم نہیں بنی تھی کہ اصلاح ہو گئی اور «بز» کو «خا» سے بدل کر «درونِ خانہ» صورت دے دی۔

ص ۲:۱۲۲، ندارد۔

۵ الف، عز، پہلے سہواً «کلفت کش» لکھا تھا۔ پھر «ی» کا اضافہ کر کے «کشی» بنا دیا۔

۵ ب، عز، تیرگی ایّام۔

۷ الف، عز، وہمِ تپش۔

۱۰ الف، عز، ہوں وقتِ سخن گوئی ہر صورت، اسد، معذور۔

۱۳ الف، عز، بیدماغی ھا۔

۱٤ ب، عز، مژہ در پیچکِ مہ۔

۱۵ الف، عز، خوشا شوقے۔

ص ٤:۱۲۳ ب، عز، آئینۂ بساطِ ناز۔

٦ الف، عز، شوخیِ عرضِ سوختن۔ قا کے کاتب نے «طبع» کی جگہ سہواً شعرِ ما قبل کے الفاظ «مے کو» یہاں بھی لکھ دیے تھے۔ غالب نے انھیں چھیل کر «طبع» بنا دیا۔ مگر میم کا سر اور کاف کا مرکز اب بھی نظر آتے ہیں اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ «ی» کے دو نقطوں کو ملا کر «ب» کا ایک نقطہ بنایا گیا ہے۔

۷ ب، عز، گردِ کدورتِ بتاں مثلِ غبارِ باغ ہے۔

۸ ب، عز، عذر کہ یہ۔ نیز اس شعر کے بعد لکھا ہے «تمام شد غزلیات بعونہ تعالا فقط»۔

۱۰، یہ اور اس کے بعد کے دو شعر ح میں درج ہونے سے رہ گئے ہیں۔ نیز اس غزل کو مرتب ح نے اُن غزلوں کے زمرے میں رکھا ہے جن کا کوئی شعر ق میں نہیں، حالانکہ یہ غزل ق کے آخر میں بخطِ بد موجود ہے۔

۱۱ ب، ق، ندیا نا دیا (سہو کاتب)۔

۱۲ ب، قا، آسمانے (سہو کاتب)۔

ص ۱:۱۲٤ الف، ق، دل کو (سہوکاتب)۔

٤ الف، عز، حاشیہ بخطِ غیر، زندہ‌گی۔ یہ قدیم املا ہے اور دوسرے شعرا کے مخطوطوں میں بھی نظر آتا ہے۔

٤ ب، عز، اتنا تو ہے (سہوکاتب)۔

۸ الف، عز، حاشیہ بخطِ غیر، پونچھے — تفتگانِ خاك (ہر دو سہو کاتب)۔

ص ۱:۱۲۵ ب، عز، پہلے سہواً رباعی کا چوتھا مصرع لکھتے ہوئے «ہے مفت لگا» تک پہنچے تھے کہ غلطی کا احساس ہوگیا۔ چنانچہ چھیلے بغیر پہلے دونوں لفظوں پر «ممکن» اور تیسرے نامکمل لفظ پر «نہیں» لکھ دیا ہے۔

ص ٤:۱۲٦ الف، عز، نقش و نگیں۔

نوائے سروش

ص ۳:۱۳۲ الف، مُہرِ نماز، جسے سجدہ گاہ بھی کہا جاتا ہے شیعہ حضرات استعمال کرتے ہیں۔ غالب نے اس شعر کے علاوہ گنجینۂ معنی ص ۲۴ کے شعر، دل از اضطراب الخ میں بھی اسے نظم کیا ہے۔ یہ اصطلاح بھی غالب کے مسلک کی غماز ہے۔

ص ۱:۱۳۷؛ لالہ سری رام نے عبدالرحمن خاں احسان کے بارے میں لکھا ہے کہ: ایک مرتبہ تنخواہ رک جانے کی شکایت میں ایک طویل قطعہ موزوں فرما کر حضورِ شاہی میں گزارا تھا، جس کی زمین وہی ہے جو مرزا غالب کے ایک مشہور قطعے کی ہے:

رسم ہے مردے کی چھماھی ایک
خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار

اس قطعے میں حضرت احسان نے کہاروں، بنیے اور بنینی کی گفتگو بڑی لطیف معنی خیز بیان کی ہے۔ عجب نہیں جو مرزا غالب کو اس زمین کا خیال احسان ہی کے قطعے سے پیدا ہوا ہو۔ خمخانۂ جاوید ۱:۱۵۰۔

میں نے یہ قطعہ، رسالۂ اردو کراچی، غالب نمبر، حصۂ دوم ۱۹۶۹ع میں شایع کرا دیا ہے۔

ص ۳:۱۴۲ الف، اس رسم کے بارے میں مرزا محمد قادر بخش صابر، کے مندرجۂ ذیل دو قطعے بھی قابلِ ملاحظہ ہیں:

صفر کا آخری ہے چار شنبہ، گھر سے شاہوں کے بٹا کرتے ہیں چھلے، یہ بھی اک رسمِ شاہانہ ہے
شہِ خوباں ہو تم بھی، ایک چھلا ہاتھ کا اپنے نشانی گر ہمیں بھیجو، تو یہ اچھا بہانہ ہے

آخری چار شنبہ کو سب لوگ
روند کر سبزہ عید کرتے ہیں
ہم جو عاشق مزاج ہیں، تو آج
سبزہ رنگوں کی دید کرتے ہیں

ریاضِ صابر، ص ۲۶۹۔

رام پور رضا لائبریری میں مولوی سلامت اللہ رام پوری کا ایک مطبوعہ رسالہ بعنوانِ «القول الفصل» محفوظ ہے۔ جس میں اُنھوں نے مجمع البحار اور مدارج النبوۃ کے حوالے سے چند روایات نقل کر کے لکھا ہے کہ:

«ان روایات سے اواخرِ ماہِ صفر میں آں حضرت ص کا مامور ہونا دعا و استغفار کے ساتھ واسطے اہلِ بقیع اور اہلِ احد کے اور حضورِ اکرم ص کا حسب الامرِ حضرت حق سبحانہ اُن مقابر و مشاہد میں تشریف لے جانا اور دعا و طلبِ مغفرت کرنا اور اُن کو اپنی زیارت سے مشرف فرما کر اُن کو رخصت کرنا ثابت اور متحقق ہے۔ پس آخری

چار شنبہ کو ماہِ صفر میں فاتحہ و استغفار کے لیے مقابر میں جانے کی سند اور اصل کے واسطے اسی قدر کافی ہے۔ پھر وہ مقابر و زیارات صلحا و علما و المشایخ اگر شہر سے باہر واقع ہیں، مثلاً، تو یہ نیت درجماد و فاتحہ اُس جنگل میں جانے کا جواز بھی اس سے مبرہن اور واضح ہے۔" ص ۵۰ -

آگے چل کر نافع المسلمین ترجمۂ انیس الواعظین کی پندرھویں مجلس سے مندرجۂ ذیل عبارت نقل کی ہے:

"سوال: کیا حکمت ہے کہ آخری چار شنبہ کو ہر شخص خوشی کرتا ہے اور کھانے میں فراخی کرتا ہے؟

جواب: پیغمبرِ خدا بہت بیمار ہو گئے تھے، غشی و غفلت طاری ہو گئی تھی۔۔۔ جب چار شنبہ کا دن آیا، اول روز صفر کی ستائیس یا اٹھائیس تاریخ تھی جو صبح کو حضور نے آنکھ کھولی اور فرمایا: میرے پاس کون بیٹھا ہے؟ حضرت عائشہ رض نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں! میں عائشہ ہوں۔ آپ نے فرمایا: اے حمیرا! تجھ کو خوشخبری ہو کہ بدن ہلکا ہو گیا اور درد سوا بھی جاتا رہا۔ اب میں اچھا ہوں۔ حضرت عائشہ بہت خوش ہوئیں۔ پھر آپ نے پانی طلب فرمایا اور سر دھویا اور سارے جسم پر پانی ڈالا، یعنی غسل کیا اور کھانا طلب کیا۔ پھر صبح کو آپ مسجد میں تشریف لائے اور امامت کی۔ صحابہ سب خوش ہوئے اور ہر کوئی صدقہ لایا۔۔۔ غرض کھانا ہر شخص نے اپنی مقدرت کے بموجب صدقہ دیا اور دعوت کی اور بہت خوشی کی۔ آپ اُس روز گویا غسل صحت کی زیارت کو بھی گئے اور اپنے قرابت داروں سے ملے گئے اور بیوہ عورتوں سے ملے۔ چار شنبہ کی شادی کا سبب یہ ہے جو بیان کیا گیا۔"

اس کے بعد صاحبِ رسالہ نے لکھا ہے کہ: "یہ روایت اور وجہ آخری چار شنبہ اور اُس کی خوشیاں منانے کی جو صاحب انیس نے بیان کی ہے، میری نظر سے کسی اور معتبر کتاب میں نہیں گزری۔ اگر یہ صحیح ہے جیسا کہ اُس نے تصریح کی، تو اس سے بھی جنگل کو تفریحاً جانا اور کھانا کھلانے اور زیارتوں پر فاتحہ کے لیے جانا اور صدقہ و خیرات کرنا اور خوشی منانا باقاعدہ صحابۂ کرام اس دن بخوبی ثابت ہے۔" ص ۹ و ۱۰۔ نیز ملاحظہ ہو دیباچۂ نادراتِ شاہی، ص ۶۱ و اشاریہ، ص ۳۲۳ -

ص ۱۷:۱۴۷ و ۱۸، ان اشعار سے متعلق درج ذیل نوٹ مولانا عرشی نے تحریر فرمایا ہے:

"دہلی سوسائٹی کے جلسۂ عام منعقدہ ۵ جون ۱۸۶۶ء میں مسٹر کوانڈ اسٹریم سکریٹری سوسائٹی کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا تھا۔ اس سپاسنامے پر میرزا صاحب کے بھی دستخط تھے۔ سپاسنامے کا انداز میرزا صاحب کا سا معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اس مثنوی کے ان دو

شعر درج ہیں۔ ان مقولات کے ابتدا میں ... کے
آخر میں یوں لکھا گیا ہے:

... یا ولایت ... کو

اس خداوند بندہ پرور کو
شاد و آباد و شادماں رکھیو
اور ہم سب پہ مہرباں رکھیو

ملاحظہ ہو رسالۂ دہلی سوسائٹی، بابت ۱۸۶۶ع، ص ۳۲ و ۳۳۔

ص ۱۴۹، ۱۲:۱ ب، ح، بدگر۔

(ص ۱:۱۵۰، یہ قصیدہ قا میں موجود ہے۔

۶ الف، قا کے کاتب سے لفظ "وفا" چھوٹ گیا تھا، غالب نے اپنے قلم سے بڑھایا ہے۔

۸ ب، قا، بیستون۔

۱۰ الف، قا، زمرۂ (سہو کاتب)۔

۱۱ ب، قا، آداب جنوں۔

۱۳، قا میں ترتیب اشعار یہ ہے: کہیں سے ہو سکتی، ہو وہ، سرمایۂ ایجاد، مظہر فیض، جلوہ تحریر، نسبت نام۔

ص ۱:۱۵۱، ق و قا میں یہ شعر اس صفحے کے شعر ۹ کے بعد ہے۔

۶ الف، قا، یہ جلوہ۔

۷ ب، ق و قا میں یہ مصرع خفیف سے اختلاف کے ساتھ گنجینۂ معنی ص ۹ شعر ۱۰ کا مصرعۂ ثانی ہے۔

۹ ق، قا، ح میں یہ بیت گنجینۂ معنی ص ۹ کے دوسرے شعر کے بعد ہے۔ نیز ق، قا، ح

میں ترتیب اشعار یہ ہے ... تیری ... پڑھنے

ص ۱۵۹، ۱:۲، عز میں عنوان: یہ ... علی المرتضیٰ علیہ وعلیٰ اولادہ الصلوٰۃ والسلام" یہ
حسن ... بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ... ابو الحسین
ابو المعالی میرزا عبدالقادر بیدل رضی اللہ عنہ۔

ص ۱۶۰، ۱:۲ ب، عز، ... حلقہ۔

۴ الف، عز، نادیدنی دعوت۔

ص ۱۶۱، ۱:۱ الف، عز، آستاں ترے۔

۲ الف، عز، حجاب سیر۔

۲ ب، عز، خطیدن۔

۸ الف، خب (دیوان غالب اردو کا قدیم ترین انتخاب، مخزونۂ رام پور) ندیں گے دل۔

ص ۲:۱۶۲، قا، میں یہ شعر مقطع سے پہلے ہے۔

۴ الف، قا میں یہ شعر، عشق سے طبیعت نے الخ کے بعد ہے۔

۶ الف، قا میں یہ شعر، کہتے ہو ندیں گے ہم الخ کے بعد ہے۔ شور پند ناصح، بغیر اضافت بہتر قراءت معلوم ہوتی ہے۔

۷، اس زمین میں حسب ذیل شعر:

چند تصویر بتاں، چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

شاید سب سے پہلے شوکت بلگرامی نے اردوے معلی، علی گڑھ، ستمبر ۱۹۱۰ع میں غالب کا زائیدۂ فکر بتایا ہے۔ اور اب بہت سے

حضرات اسے غالب ہی کا سمجھتے ہیں۔

مگر رسالۂ معیار، لکھنو، مئی ۱۹۰۸ع ص ۱۲ میں ایک طرحی مشاعرے کی روداد شایع ہوئی ہے جس میں اسے کسی نا معلوم شاعر کا قرار دیا گیا ہے۔ بگمانِ غالب، شوکت بلگرامی نے وہیں سے دیکھ کر اسے غالب سے منسوب کر ڈالا۔ فی الحقیقت اسے غالب سے علاقہ نہیں۔

ص ۳:۱٦٤ الف، ق، گذرگاہ۔

٤ الف، ق، کرنے میں راضی۔ «بھی» ترک ہو گیا ہے (سہو کاتب)۔

۱۱ الف، عز، گرمیِ برقِ تپش سے زہرۂ ابر آب تھا۔

ص ۲:۱٦۵ ب، ح، تارِ نظر (سہو مرتب)۔

۷ قا، ندارد۔

۹ قا، میں یہ بیت غزل کا چوتھا شعر ہے۔

۱۰ قا، میں یہ بیت غزل کا دوسرا شعر ہے۔

ص ۳:۱٦٦ ب، عز، غلطیدہ۔ پہلے، ہم رنگ، تھا۔ پھر «ہم» ہی کو «صد» بنا دیا ہے۔

٤ الف، عز میں یہ شعر گنجینۂ معنی کی غزل نمبر ۱۷ کا مطلع ہے۔

۵ الف عز، زکوات (سہو کتابت)۔

۷ الف، عز، پہلے، بیزبانی ھا۔ پھر «ھا» کو «ہے» بنا دیا ہے۔

۷ ب، عز، گیا جس سے۔ نیز عز میں یہ بیت گنجینۂ معنی کی غزل کے مقطع سے پہلے ہے۔

ص ۱:۱٦۷ الف، عز میں یہ شعر گنجینۂ معنی کی غزل ۱٦ کے مقطع سے قبل ہے۔

۱ ب، عز، ق، غوغا ہے۔

۲ الف، عز میں اس مقطع کی شکل گنجینۂ معنی کی غزل نمبر ۱٦ کے مقطع کے مطابق ہے۔

۲ مقطع کی اصلاحی شکل ق کے حاشیہ پر ہے (حم)۔

ص ۲:۱٦۸ ق و قا میں یہ شعر مقطع سے پہلے ہے۔

ص ٦:۱٦۹ الف، قا، ترا (سہو کاتب)۔

٦ و ۸ و ۱۰، ق کے حاشیہ پر ان کی ترتیب یہ ہے: ایک ایک، کم جاتے۔ گلیوں میں (حم)۔

ص ۲:۱۷۰ الف، عز، تشنہ کامی ھا۔

۳ ب، عز، پہلے سہواً «مے ہوں» لکھ گیا تھا پھر «ہوں» کو «ہے» بنا دیا۔ عز، تو میں ہوں خمیازہ۔

۷، عز میں یہ شعر پانچویں نمبر پر ہے۔

۸، عز میں یہ شعر تیسرے نمبر پر ہے۔

۸ ب، ح، ہے تو (سہو کاتب)۔

ص ۵:۱۷۱ الف، عز، قا، نگہِ گرم۔ عز میں «اسد» کے لیے بیاض ہے۔

ص ٤:۱۷۲ ب، عز، تریا کئے (بہمزہ)۔

٦ الف، عز، چشمِ جنوں میں نگہ غبار۔

۷ الف، عز، ہوائے دل۔

ص ۱۷۳: قا میں اس غزل کا وجود اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پہلے الفاظ «گرنہ» بطورِ رکاب موجود ہیں۔

الف، عز، احوالِ شب۔

ص ۱:۱۷۴ عز: ندارد۔

۲ و ۵ و ۶ ق کے حاشیے میں اسی ترتیب سے اضافہ ہوئے ہیں۔ نیز کاتب نے سہولت کی وجہ سے شعر ۵ و ۶ کے مصرعہ ہائے ثانی قافیے تک لکھ کر چھوڑ دیے ہیں ردیف نہیں لکھی (حم)۔

۴ ب، عز، مثلِ خوں در رگ۔

۷ الف، عز، دانا ہے، اور یہی ق میں ہے۔

۸ ب، عز، جامِ بادہ یکسر۔

ص ۱:۱۷۵ الف، عز، قا، اُف نہ کی گو سوزِ غم سے۔ ظاہراً یہی ق میں ہونا چاہیے۔

۶ الف، عز، ہے اسد بیگانہ کو افسردگی کو بیکسی۔ ح، لط، حم، بیگانۂ افسردگی اے بیکسی (سہو مرتب)۔

۶ ب، عز، دل ز گرمیِ تپاک۔

ص ۵:۱۷۶ الف، حاشیۂ ق، «تر» ہے ندارد (سہوکاتب) حم۔

ص ۳:۱۷۷، ق میں اس مقطع کے ساتھ حاشیے پر فوجدار محمد خاں کی ۱۲۴۸ھ والی مہر لگی ہے (حم)۔

۴ الف، عمدہ، خوباں کے اچھنے کے میں۔

۶ ب، نسخۂ ہاشمی میں یہ نوٹ ہے: "اور نسخوں میں «بازو» کا لفظ ہے «خنجر» نواب احمد سعید خاں کے قلمی نسخے سے نقل کیا گیا۔

ص ۲:۱۷۸ ب، قا، آب (سہوکاتب)۔

۵ الف، عز، پہلے، اندازِ ربط یاد ہیں سب مجکو اے اسد۔ پھر «ربط» کاٹ کر «نالہ» اور «اے» قلمزد کر کے «پر» بنایا ہے۔ قا کے کاتب نے «اڑتا ہوں پر» لکھ دیا تھا، غالب نے اپنے قلم سے نون کا اضافہ کیا اور «اڑتا ہوں پر» بنا دیا ہے۔

۵ ب، عز، دردا کہ اختلاط کے قابل نہیں رہا۔

۶: عز میں یہ شعر بخطِ غالب بعد کا اضافہ ہے۔

۸ ب، عز، شمع سے یک خار در پیراہن۔

ص ۳:۱۷۹ عز ندارد۔

۸ الف، ق، دل تھا (سہوکاتب)۔

ص ۵:۱۸۰ الف، خب، نگہ ہائے تیز۔

ص ۱:۱۸۱ ب، ق کے کاتب سے سہواً «کے» ترک ہو گیا ہے۔

۵ الف، ق، بھاگے نگے (سہوکاتب) یعنی بھاگیں گے۔

۶ ب، ح، دھلی۔

۷، یہ غزل حاشیۂ ق پر نقل ہوئی ہے مگر بخطِ غالب نہیں۔

۷ الف و ب، حاشیۂ ق، دونوں مصرعوں میں ردیف «ہوجا» (سہوکاتب)۔

۷ ب، قا، گذرتا۔

۸ الف، خب، اُس سے۔

۹ الف، حاشیۂ ق، کشمش (سہو کاتب)۔ حاشیۂ ق، قا، رحمت (سہوکاتب)۔

ص ۱:۱۸۲ ب، قا، ہوا جانا (سہوکاتب)۔

۶ ب، قا، آئینہ۔

۷، حاشیۂ قا، غزل کے آغاز میں لکھا ہے

«از بانده فرستادند» -

ص ۸:۱۸۳ الف، قا، فایدا -

ص ۲:۱۸۸ ب، بخطِ غالب، پہلے، «گویا» لکھا تھا - پھر اسی کو «بتخانے کا» بنا دیا -

۳ ب، بخط غالب، ھات -

۵ ب، بخط غالب، الك (بدون نقاطِ یا) -

۱۲، اسی مضمون کو غالب نے فارسی میں یوں کہا ھے:

ھشت آسمان بگردش و ما درمیانه ایم
غالب، دگر مپرس که بر ما چه می رود؟

کلیاتِ فارسی: ٤٢٦

ص ۱۹۱: حاشیۂ نمبر ۱ - اولاً شوکت بلگرامی کی تحریر اردوے معلی میں شائع ہوئی تھی - مگر یہاں بزمِ خیال مولفۂ صفدر مرزا پوری سے منقول ھے -

ص ۱۱:۱۹۳ ب، نسخۂ ھاشمی میں یہ نوٹ ھے: «نواب احمد سعید خاں کے نسخے میں «رو برو» کے بجاے «سامنے» کا لفظ لکھا ھے -

ص ۶:۱۹۵، انتخابِ غالب (رام پور) کے کاتب نے بھی «دیداں» نقل کیا تھا، مگر غالب نے اسے سہو قرار دے کر اپنے قلم سے «دنداں» بنا دیا ھے -

۶ ب، ق، گوھر (سہوکاتب) -

۸ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ھے -

۹ الف، عز، نیم رنگی جلوہ ھے بزمِ تجلی زارِ دوست -

ص ۵:۱۹۶ الف، نخچیر، پر مٹائی ہوئی -

۱۰ الف، نخب، پسند آئی ہے

ص ۲:۱۹۷ الف، ق، خونابہ (سہوکاتب)

٤ الف، ق، سوداے معنی (بھمزہ)

٤ ب، ق، «تماشاے نیرنگی» (بھمزہ)

ص ۱:۱۹۸ الف، ح، تیمار دار (سہو مرتب) -

ص ۵:۱۹۹ ب، قا میں لفظ «سے» بخط غالب اضافہ ہوا ھے -

ص ٤:۲۰۱، ق و قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ھے -

۵، ق و قا میں یہ شعر مطلعِ اول تھا -

ص ۳:۲۰۲ الف، عز، مابل ھیں

۶ الف، ق، تقضا (سہوکاتب) -

۶ ب، ح، فرض رھزن (سہوکاتب)

۷ الف، عز، میں اور وہ — باندھے ھے -

۷ ب، عز، پہلے، «جرمِ نظارہ» تھا جسے قلمزد کر کے نیچے بین السطور میں «تہمت نگہ کی» لکھ دیا ھے -

۹ ب، عز، خونِ تمنا - ق میں بھی یہی تھا - پھر ان الفاظ کے نیچے «دو عالم» اصلاح درج کی ھے -

ص ۱۰:۲۰۶، اس شعر میں جس رنجش کی طرف اشارہ ھے اس سے متعلق درج ذیل معذرتی قطعہ کلیاتِ عارف میں موجود ھے - اس کے شعر ۹ سے غالب اور عارف دونوں

شیفتہ کا ایک اور معاصر حوالہ ملتا ہے۔

قبلۂ جان و دل ترا فدوی
تجھ کو کہوے برا، یہ طاقت ہے؟
اسد اللہ نام ہے تیرا
اس بزرگی کی کچھ نہایت ہے!
ورد، نامِ بزرگ کا تیرے
اس میں کچھ شک نہیں عبادت ہے
حق نے سب پر کیا تجھے غالب
تجھ سے رو کش ہو، کس کی طاقت ہے؟
تجھ کو زیبا ہے جتنا ناز کروں
مجھ پہ جب یہ تری عنایت ہے
نظرِ منشیِ فلک کی مجھے
کچھ نہ پروا ہے کچھ نہ حاجت ہے
عرض کرتا ہوں شکوۂ حُسّاد
گرچہ میرے خلافِ عادت ہے
وہ سبب میں بیان کرتا ہوں
اُن کی جس وجہ یہ شرارت ہے:
فیضِ صحبت سے تیرے، تیرا غلام
جو بہ دل قابلِ امامت ہے
سنّی اس زمرۂ خوارج میں
ہدفِ ناوکِ ملامت ہے
نیّر و محو ہیں مرے دشمن
آسماں کی اُنھیں نیابت ہے
بات ان کی لگے ہے پتھر سی
دل میں ان کے ز بس قساوت ہے
اُن کی کیا کیا صفت کروں تحریر:
ایک آفت ہے، اک قیامت ہے
ایک جلتا ہے رشک سے دایم
بسکہ عزت اُسے نہایت ہے
دوسرا محوِ کینہ جوئی ہے
یہ ہمیشہ سے اُس کی عادت ہے
زور کرتے ہیں ناتوانوں پر
زوف ہے، گر یہی شجاعت ہے
ہیں وہ سارے جہان کے جھوٹے
قول میں اُن کے کب صداقت ہے؟

منقولہ قطعے کے شعر نمبر ۱۱ میں جن محو کا ذکر ہے وہ نواب غلام حسن خاں ہیں۔ یہ نواب غلام حسین خاں کے بیٹے اور غالب کے شاگرد تھے۔ ان کی ایک فارسی تصنیف نصرت نامۂ گورمنٹ، ہنگامۂ ۱۸۵۷ع سے متعلق موجود ہے۔ اس کا اردو ترجمہ «غدر کا نتیجہ» کے عنوان سے خواجہ حسن نظامی نے شایع کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: گلستانِ سخن: ۴۲۴ و تلامذۂ غالب: ۲۵۸۔

ص ۶:۲۰۷ الف، ح، لط، حم، ہے پھر (سہو مرتب)۔

ص ۱:۲۰۸ ق، خمِ گیسو (حم)۔

۱۰ الف، عز میں سہواً «آبلۂ پا» لکھ دیا تھا۔ پھر ہمزہ قلمزد کردی ہے۔

۱۱ ب، عز، وحشتِ رفتار۔

۱۲، یہ اور اس کے بعد کے دو شعر نسخۂ تاباں حاشیۂ ص ۶۷ پر درج تھے۔

ص ۲:۲۱۰ الف، ق، ترے (سہو کاتب)۔

۷ الف، عز، فروغِ عشق۔

۷ ب، عز، نکالے ہے ز اہمالے اشمع بر جا مانده خار۔

ص ۲۱۱: ٤ ب، عز، پہلے، پتنگ سمجھے ہے طرزِ فسانہ خوانیِ شمع۔ پھر اسے قلبزد کر کے حاشیے پر لکھا: «ملا نہ ہم کو شعورِ فسانہ خوانیِ شمع»۔ بعد ازاں اس اصلاحی مصرع کا پہلا لفظ «ملا» بھی قلبزد کر دیا ہے۔ شاید مزید اصلاح چاہتے تھے جو صورت پزیر نہ ہو سکی۔

۶ و ۷، عز ندارد۔

۸، ب، عز، اسد ہے دل پہ مرے۔ نیز «اسد» کے لیے بیاض ہے۔

ص ۲۱۲: ۵ ب، قا، اس شعر کے دوسرے مصرع میں کاتب نے غلطی سے «مجھے دیکھے ہے وہ جس جا» لکھ دیا تھا۔ غالب نے «مجھے دیکھے» کاٹ کر اس کے اوپر «بہ زخمِ موجہ» لکھا ہے اور «وہ جس جا» کو چھیل کر «دریا» بنا دیا ہے۔

۶، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔ نیز اولاً یہ شعر کتابت ہونے سے رہ گیا تھا غالب نے اضافے کی خاطر صفحے کا مسطر بڑھا کر اپنے قلم سے مکمل شعر لکھا ہے۔

ص ۲۱۳: ۱، قا میں یہ بیت چوتھے نمبر پر ہے۔

۳، مولانا حالی نے محمد حسین آزاد کے نام ایک خط میں لکھا ہے:

«سر ہونے کے معنی جہاں تک میں نے سمجھے ہیں، کھلنے کے ہیں۔ والعلم عند اللہ۔ شاید شاعر کی مراد یہ ہے کہ وصل کی تیاری کے وقت جو معشوقہ کی زلفیں سر گوندھنے کے لیے کھلتی ہیں، دیکھیے وہ وقت کب آتا ہے؟۔ ظاہر اس وقت تک عمر ختم ہو جائے گی»۔

۶ ب، خبر، ہو جاویں گے۔

ص ۲۱٤: ۲ ب، عز، حساب بے گنہی۔ نیز عز میں یہ شعر قریب بہ یقین کتابتِ نسخہ کے بعد اضافہ ہوا ہے۔ اور اسی لیے اس نے مقطع کے بعد جگہ پائی ہے۔ مزید بر آں اس کا قلم بھی قدرے خفی ہے۔

۳، الف، ق اور ح دونوں میں ہر جگہ قافیے کی یائے اضافت پر ہمزہ ہے۔

ص ۲۱۵: ۱۱، عز ندارد۔

ص ۲۱٦: ۱ و ۲ و ۳، عز ندارد۔

۶ الف، عز، خوش اسد۔

۶ ب، عز، لیکن یہ بیم ہے۔ ح، غالب یہ بیم ہے (سہوِ مرتب)۔ نیز وہ غزل جس کا یہ مقطع ہے، حاشیۂ عز پر بخطِ غیر مکرر نقل ہوئی ہے۔

ص ۲۱۷: ۱، عز میں اس غزل سے پہلے «ولہ» لکھا ہے۔ اور یہ حاشیے پر بخطِ غیر اضافہ ہوئی ہے۔ نیز ق میں حاشیے کے شعروں کی ترتیب یہ ہے: گئا تو ہے دل، غیر سے رات، مجھ سے کہا، اک مجھے، (حم)۔

۱ ب، عز، پوچھتا۔ پہلے، «کے یوں»۔ پھر

«کے» کو قلمزد کر کے «کہ» لکھ دیا ھے۔
۳، یہاں لط بظاھر غلط معلوم ھوتا ھے۔ چونکہ شعر نمبر ۳ عز میں موجود ھے اس لیے جیسا کہ ح کی اطلاع ھے اسے ق میں بھی ھونا چاھیے۔
۳ الف، خب، لیے رقیب کو۔
۴، عز ندارد۔
۴ الف، ق میں «رات سے غیر» سہواً لکھا گیا ھے (حم)۔
۵، عز. پہلے، «بزم کے» - پھر «کے» قلمزد کر کے نیچے «میں» اضافہ کیا ھے۔
۷ و ۸ و ۹، عز ندارد۔
ص ۱:۲۱۸ ب، عز، حاشیہ بخطِ غیر. شعر اسد کے ایک دو پھڑکے (سہو کاتب)۔
۲ و ۴ و ۵. ق کے حاشیے میں ان اشعار کی ترتیب یوں ھے: عہدے سے، ظالم مرے، میں اور صد (حم)۔
۵. قا میں یہ شعر چھٹے نمبر پر اور «حلقے ھیں چشم ھائے الخ» کے بعد ھے۔
ص ۵:۲۱۹ الف، عز، سروِ رعنا۔
۶ الف، ح، حم، لط. تماشا کر (سہو مرتب)۔ البتہ حاشیۂ لط میں یہ بھی بتایا گیا ھے کہ ق میں «تماشا کہ» ھے۔ عز، آئینہ بازی۔
۸، عز میں اس کی جگہ وہ دو شعری قطعہ ھے جو یاد آورد نمبر ۱۵ پر گزر چکا۔
ص ۸:۲۲۰ و ۹، عز ندارد۔
ص ۱:۲۲۱، عز ندارد۔

۲ الف، عز، ھوئی تقریبِ منعِ ذوقِ دیدن خانہ ویرانی۔ نیز قا میں یہ بیت شعر نمبر ۵ کے بعد ھے۔
۳، عز ندارد۔
۴، عز ندارد۔
۵ الف، عز، نکوھش مانعِ دیوانگی ھائے جنوں آئی۔
۵ ،ب عز، لگایا خندۂ ناصح نے بخیہ۔
۶، عز ندارد۔
ص ۱:۲۲۲ و ۲، عز ندارد۔
ص ۱:۲۲۳، عز ندارد۔
۱ الف، ح، لط، دیدۂ عاشق (سہو مرتب)۔
۴ ب، ق میں تمام جگہ ردیف «یہاں» بہائے مخلوط التلفظ ھے۔
۵ الف، ق، عدوئے (ہمزہ!)۔
۵ ب، ق، رھگذار۔
۶، عز میں یہ غزل حاشیے پر بخطِ غیر نقل ھوئی ھے۔
۶ ب، عز، روز اور وہ سال (سہو کاتب)۔
ص ۱:۲۲۴ الف، عز، خوباں ھی کے تصور سے۔
۲، عز ندارد۔
۵ الف، عز، قوا۔
ص ۴:۲۲۵ الف، قا، کہتے ھے (سہو کاتب)۔
۵ الف، ح، شیریں زبانی (سہو مرتب)۔
۶ الف، خب، دیوانگی میں (سہو کاتب)۔

٦ ب، قا، «میں» بخطِ غالب اضافه هوا هے۔
ص ۱:۲۲٦ الف، ح، ملنا اگر ترا (سهو مرتب)۔
۳ الف، خب، سر هے (سهوکاتب)۔
٥ الف، قا، «خدا» بخطِ غالب اضافه هوا هے۔
ص ۷:۲۲۷ الف، حاشیهٔ قا، اس غزل کے آغاز میں لکھا هے «از بانده رسید»۔
۸ ب قا، جوں خوں (سهوکاتب)۔
ص ۲:۲۲۸ الف، قا، «ناز» بخطِ غالب اضافه هوا هے۔
ص ۳:۲۳۱ ب، قا، گل، تم کو دلتنگیِ زندان ۔
ص ۲:۲۳۲ الف، ح، وه آئیں (سهو مرتب)۔
ص ۳:۲۳٤ الف، ح، اپنے سخن کی میں (سهو مرتب)۔
ص ۱:۲٤۱ ب، ح، غیر کوئی (سهو مرتب)۔
ص ۲:۲٤۲ ب، ح، جان و دل (سهو مرتب)۔
٤ الف، عز، حسد پیمانه هے دل عالمِ آبِ تماشا هو۔
ص ۱:۲٤۳ الف، عز، جنونِ عیش هے، یارب، سر و سامانِ آزادی۔ ق، پهلے، «عیش» تها جسے کاٹ کر «ذوق» لکها گیا (حم)۔
۱ ب، عز، کروں یك گوشه دامن تر گر آبِ هفت دریا هو۔
۲ الف، عز، اگر وه سروِ جاں بخشِ خرام، اهتزاز آوے۔
۳، یه غزل حاشیهٔ عز میں بخطِ غیر نقل هوئی هے۔
٥ الف، عز، گلا۔
٦ ب، ق، جاره (سهوکاتب)۔
۷ الف، عز، کسو سے۔
۷ ب، ق، «سے» ندارد۔ حجالت (هر دو سهو کاتب)۔
۸ الف، ق، بجائی (سهوکاتب)۔
۸ ب، ق، هے انجمن (سهوکاتب)۔
ص ۲:۲٤٤، عز میں یه بیت اگلے شعر کے بعد هے۔
۲ الف، ق، بہانے (سهو کاتب)۔ عز، سنگیں دلی نہیں۔ ق، سنگی دلی نہیں۔ مگر مرتب ح نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ نیز یہی قا میں هے۔
٥، اس غزل کے دو متروك شعر گنجینهٔ معنی ص ۷٥ پر گزر چکے۔
ص ۳:۲٤٦ الف، ح، تیمار دار (سهو مرتب)۔
ص ۲:۲٤۷ ب، سراپا سخن، شیریں دهن کے پانو۔
۸ ب، ح، تری جلوه گاه (سهومرتب)۔
ص ۸:۲٤۹ الف، ح، هو مجھ (سهو مرتب)۔
ص ۳:۲٥٤ ب، ح، همزباں (سهو مرتب)۔
ص ۸:۲٥٥ الف، ح، حم، پنهاں هے (سهومرتب)۔
۱۱، ق و قا میں یه غزل کا تیسرا شعر هے۔

ص ۵:۲۵۶ ب، ق، یك موج (حم)۔

ص ۲:۲۵۷ الف، قا، بجھاوے۔

۵، عز ندارد۔

ص ۱:۲۵۸، عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ھے۔

۳، عز ندارد۔

٤ ب، عز، ہم بھی اسی میں خوش ھیں۔ نیز قا میں یہ شعر، کیا خوب تم نے الخ کے بعد ھے۔

۵، حاشیۂ عز میں یہ غزل بخطِ غیر اضافہ ہوئی ھے۔ نیز یہ متنِ ق میں موجود ھے اس لیے عنوانِ غزل میں اسے حاشیۂ ق کا اندراج قرار دینا سہو ھے۔

۱۰ عز و قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ھے۔

۱۲، عز، میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ھے۔

۱۲ ب، عز میں اس مصرع کا کچھ حصہ کبھی جلد بندی میں کٹ گیا ھے۔ لیکن یہ طے ھے کہ الفاظ میں کوئی فرق نہیں۔

۱۳ عز، اس شعر کے دونوں مصرعوں کے آخری الفاظ «م سے جاتا رہا» اور «ری ھاے ھاے» جلد بندی کی تراش میں ضایع ہو گئے ھیں۔

ص ۳:۲۵۹ الف، عز، گر مصیبت تھی تو غربت میں اُٹھا لیتا، اسد۔

۳ ب، عز، میری دھلی ھی میں ہونی تھی۔

۵ ب، خب، یہ جانتا۔

۱۰ ب، ح، حم، سمجھنا (سہو مرتب)۔

ص ۲:۲۶۰ ب، ح، حم، ذوق (سہو مرتب)۔

٤، ق میں یہ شعر، کس پردے الخ کے بعد ھے۔

ص ۱:۲۶۱ و ۲، عز ندارد۔

۳، ملاحظہ ہو ص ۸۱ شعر ۸ سے متعلق استدراك کا اندراج۔

۵ الف، قا، ہوای (سہوکاتب)۔

ص ۱:۲۶۲ الف، ق، جانداد — زنداں (ہر دو سہو کاتب) حم۔

٦ و ۷، عز ندارد۔

۹، عز میں یہ شعر بعد کا اضافہ ھے۔

۹ الف، عز، کسو پہ۔

ص ۱:۲۶۳ الف، عز، گو۔

۳، عز و قا میں یہ شعر مقطع سے پہلے ھے۔

۵ الف، عز، لیلا۔

۵ ب، عز، بووے۔

٦ ب، عز، گرمیٔ مجلس سے۔

۷ و ۸، عز ندارد۔

ص ۱:۲٦٤ ب، ق کے کاتب سے لفظ «نہاں» ترك ہو گیا تھا، جسے غالب نے اپنے قلم سے اضافہ کیا ھے۔ غالب کا یہ خط اُن کے بعد کے خط سے مکمل مشابہت رکھتا ھے۔

۱۰ الف، قا کے کاتب نے سہواً «غالب» کی جگہ «اسد» لکھ دیا تھا جسے غالب نے اپنے قلم سے درست کیا ھے۔

ص ۲:۲٦۵ عز ندارد۔

۳ الف، عز، پہلے، اسد وہ گل کرے جس گلستاں میں جلوہ فرمائی۔ پھر اسے قلمزد کر کے حاشیے پر متنِ نوائے سروش کے مطابق اندراج کیا۔

۳ ب، ح، غنچۂ دل (سہوکاتب)۔

٤ عز و ق و قا میں یہ بیت گنجینۂ معنی ص ۸٤ کے شعر وحشتِ سوزِ تماشا الخ کے بعد ہے۔

۵ الف، عز، تو وہ افسوں۔

۵ ب، عز، دل وہ افسانہ۔ نیز عز، ق و قا میں یہ شعر گنجینۂ معنی ص ۸٤ کے شعر، چشم پرواز و نفس الخ کے بعد ہے۔

٦ الف، عز، کہ جوں رشتۂ شمع۔

ص ۱:۲٦٦ و ۲، عز ندارد۔

ص ۱:۲٦۷ الف، عز، پہلے بدگماں رہے۔ پھر اسے قلمزد کر کے بین السطور میں «رحم کر ظالم» اصلاح ہوئی ہے۔

۲، عز ندارد۔

۳ ب، عز، غنچوں کے شگفتن میں۔

٤، عز ندارد۔

۵، عز میں یہ بیت مطلع کے بعد ہے۔

۵ ب، عز، داغوں کا نظر آنا خود۔

۷ الف، عز، طرزِ گلِ شگفتہ کنارِ وداع ہے۔

۷ ب، عز، اے بلبلو، چلو۔

ص ۱:۲٦۸ عز، ق و قا میں یہ گنجینۂ معنی کی غزل ۱۸۲ کا مطلع ہے۔ ق میں اس غزل کے اوپر لکھا ہے: «مکرر نوشتہ شد»۔ نیز اس غزل کا ایک شعر «رہا بیقدر» الخ (دیکھیے گنجینۂ معنی ص ۸۸ کا پہلا شعر) ق میں اسی زمین کی ایک ور غزل (دیکھیے گنجینۂ معنی غزل نمبر ۱۸٤) کے حاشیہ پر نقل ہوا ہے (حم)۔

۳ عز، ق و قا میں یہ پہلی غزل کا مقطع ہے جو گنجینۂ معنی نمبر ۱۸٤ پر درج ہوئی۔

۳ الف، عز، اسد، یہ فرطِ غم نے کی تلف۔

٤ و ۵، عز ندارد۔

۷، عز ندارد۔

۷ ب قا کے کاتب سے لفظِ «فضول» سہواً ترک ہو گیا تھا۔ غالب نے اپنے قلم سے اضافہ کیا ہے۔

ص ۱:۲٦۹ و ۲، عز ندارد۔

۳، عز میں یہ بیت مطلع کے بعد ہے۔

۳ الف، عز، یار۔

۵ الف، عز، چشمِ خوباں مے فروش نشہ زارِ ناز ہے۔ ق میں بھی پہلے یہی مصرع تھا۔ پھر اُس کے اوپر اصلاحی مصرع تجویز ہوا۔ بعد ازاں اُسے بھی قلمزد کر دیا گیا (حم)۔

۵ ب، عز، پہلے، «سرمہ دودِ نیم جوشاں» تھا۔ پھر اسے قلمزد کر کے بین السطور میں «سرمہ گویا دودِ موج» اصلاح ہوئی۔

٦ و ۷، عز ندارد۔

٦ الف، ح، سارا طالع (سہو کاتب)۔

۸، عز میں اس مطلع کو قلمزد کر دیا گیا تھا۔ مگر آیندہ ق میں ایک جدید غزل کا مطلع قرار دیدیا۔ نیز عز میں مطلع اور «غمِ عشاق نہ ہو الخ»

کے علاوہ کوئی شعر موجود نہیں۔ بقیہ سب اشعار عز کی ترتیب کے بعد کہے گئے ہیں۔

۱۰ ب، ح، درد (سہو مرتب)۔

ص ۱:۲۷۰ ب، عز، آرزو خانۂ آئینہ۔

۸، یہ اور اس کے بعد اس غزل کا کوئی شعر عز میں نہیں ہے۔

ص ۵:۲۷۱، عز ندارد۔

۶ الف. عز. داماں ها۔

۷ الف: عز. عیادت بسکہ تجھ سے گرمیِ بازارِ بستر ہے۔ نیز عز میں یہ مطلع ہے۔

۷ ب، ح، آئے نو (سہو مرتب)۔

ص ۱:۲۷۲ الف، عز، اضطرابِ وحشتِ شبہا۔

۲ الف، عز، اسد جوشِ بہارِ دیدۂ بیدار کے صدقے۔

۳، عز ندارد۔

۵ الف، عز، پہلے، اسد اس فصل۔ پھر «اسد» کو «سمجھ» بنا دیا ہے۔ پہلے «نشو و نما سمجھو»۔ پھر «سمجھو» قلمزد کر کے «غالب» لکھ دیا ہے۔

۵ ب، عز، پہلے، «برقدِ شمشاد» تھا۔ پھر اسے قلمزد کر کے نیچے «سرو کے قامت» لکھ دیا ہے۔ مگر اس کے بعد لفظ «پہ» چھوٹ گیا جو «بر» کا ترجمہ تھا۔

۷، عز ندارد۔

۹، عز ندارد۔ عز میں اس کی جگہ وہ نو دریافت مقطع ہے جو یاد آورد نمبر ۴۰ پر درج ہوا۔

ص ۱:۲۷۳ و ۲، عز ندارد۔

٤ الف، عز، عقدِ نالۂ یارب۔

۶، عز ندارد۔

۷ الف، عز، حسرت، اے اسد۔

۸، عز، ندارد۔

ص ۲:۲۷٤، عز میں یہ بیت مقطع سے پہلے اور قا میں اگلے شعر کے بعد ہے۔

۳، عز میں یہ شعر مطلع کے بعد ہے۔

۳ الف، عز، پیچتاب۔

۳ ب، عز، نگاہِ خفتہ۔

ص ۳:۲۷۵، عز، ندارد۔

٤ الف، عز، شوخیِ اظہارِ دنداں ها۔

۵ الف عز، ہیں عدم میں غنچہ ها عبرت کشِ انجامِ گل۔

۶ الف، عز، عیشِ بیتابی حرامِ کلفتِ افسردگی۔

۶ ب، عز، عیشِ دنداں۔

۷، عز ندارد۔

ص ۲:۲۷۶ الف، عز، پہلے، «ریختن»۔ پھر اسے قلمزد کر کے اوپر «باختن» لکھ دیا ہے۔ نیز وہاں یہ غزل کا چوتھا شعر اور گنجینۂ معنی کے مقطع سے پہلے ہے۔

۱۰ ب، قا، نقصاں (سہو کاتب)۔

ص ۵:۲۷۷، عز ندارد۔

۶، عز میں یہ غزل کا چوتھا اور قا میں تیسرا شعر ہے۔

۷، عز میں یہ غزل کا پانچواں اور قا میں چوتھا شعر ہے۔

۸، عز میں یہ غزل کا تیسرا شعر ہے۔

۹، عز و قا ندارد۔

ص ۱:۲۷۸ الف، عز، «یہ» ندارد۔

۳، عز ندارد۔

ص ۲:۲۷۹، عز، میں یہ غزل کے مطلع کا مصرعِ اول ہے جس کا مصرعِ ثانی یہ ہے:

«اے ہوس رعونت ہا کارِ عشق آساں ہے»۔

موجودہ مطلع «کار گاہِ ہستی بھی الخ» عز میں موجود اور مطلع ثانی ہے۔

۳ ب، عز، کی خواب۔

٤ الف، عز، پا ترابِ سیلِ طوفاں۔

٤ ب، عز، کھینچے ہے انگلی۔

ص ۲:۲۸۰، عز ندارد۔ نیز ق کے لحاظ سے یہ مقطع دوسری غزل کا ہے۔

۳، عز میں یہ غزل کا پانچواں شعر ہے۔

۳ الف، قا، کاتب نے سہواً «اے اسد» لکھ دیا تھا۔ پھر «اسد» کو «خدا» بنا دیا گیا، مگر «اسد» کا «الف» قلمزد ہونے سے رہ گیا ہے۔

٤، عز میں یہ غزل کا تیسرا شعر ہے۔

۵، عز ندارد۔

۵ الف، قا، بنا مدعا علیہ۔

۶، عز میں یہ غزل کا چھٹا شعر ہے۔

۷ تا ۱۰، عز ندارد۔

۹، قا میں یہ شعر مقطع سے قبل ہے۔

۱۰، قا میں یہ شعر مطلع کے بعد ہے۔

ص ۱:۲۸۱، عز ندارد۔

ص ۲:۲۸۲، عز میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔

۲ الف، عز، فشارِ تنگیِ صحبت سے آتی ہے۔

۲ ب، عز، کی خلوت میں۔

۵ الف، عز، کرتا ہے گُل جنون تماشا کہیں جسے۔ اور وہاں یہ مطلع ہے۔ ملاحظہ ہو باد آورد نمبر ۳۶۔

۶ الف، عز، ہے تار و پودِ فرشِ تبسم بزمِ عیش۔ نیز وہاں یہ غزل کا چوتھا شعر ہے۔

۸ الف، عز، دیدار سے اسد۔

۱۰، عز ندارد۔

ص ۲:۲۸۳ الف، عز، کثرتِ اظہار۔

۳، عز ندارد۔

۵، اس شعر کے بارے میں مولانا حالی نے لکھا ہے:

«بعض اسلوبِ بیان خاص مرزا کے مخترعات میں سے تھے جو نہ اُن سے پہلے اردو میں دیکھے گئے نہ فارسی میں۔ مثلاً اُن کے موجودہ اردو دیوان میں ایک شعر ہے: قمری کف خاکستر الخ میں نے خود اس کے معنی مرزا سے پوچھے تھے۔ فرمایا کہ «اے» کی جگہ ُجز پڑھو، معنی خود سمجھ میں آجائیں گے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ قمری جو ایک کفِ خاکستر سے زیادہ اور بلبل جو ایک قفسِ عنصری سے زیادہ نہیں اُن کے جگر سوختہ یعنی عاشق ہونے کا ثبوت صرف اُن کے چہکنے اور بولنے سے ہوتا ہے»۔

یہاں جس معنی میں مرزا نے «اے» کا لفظ استعمال کیا ہے ظاہرا یہ اُنہیں کا اختراع ہے۔ ایک شخص نے یہ معنی سن کر کہا کہ

«اگر وہ اے کی جگہ حز کا لفظ رکھ دیتے یا دوسرا مصرع اس طرح کہتے «اے نالہ نشاں تیرے سوا عشق کا کیا ہے» تو مطلب صاف ہو جاتا۔ اُس شخص کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے۔ مگر مرزا چونکہ معمولی اسلوبوں سے تا بمقدور بچتے تھے اور شارعِ عام پر چلنا نہیں چاہتے تھے، اس لیے وہ بہ نسبت اس کے کہ شعر عام فہم ہو جائے اس بات کو زیادہ پسند کرتے تھے کہ طرزِ خیال اور طرزِ بیان میں جدّت اور نرالا پن پایا جائے»۔ یادگار، طبعِ اول ص ۱۱۳ تا ۱۱٤۔ نیز ملاحظہ ہو گنجینۂ معنی صفحہ ٦٢ کا شعر نمبر ۷۔

٦، عز ندارد۔

۷ الف، ح، حم، مجبوری دعوائے (سہو مرتب)۔

۷ ب، عز، دامن تہِ سنگ۔

۸ الف، عز، ظاہر ہے اسد حال۔

۸ ب، عز، تیغ صنم۔

۹، عز میں یہ شعر حاشیے پر غالب نے اضافہ کیا ہے۔ مگر اس کا مصرعِ ثانی کبھی جلد بندی میں کٹ گیا۔ مصرعِ ثانی کا جتنا حصہ کٹ جانے سے بچ گیا ہے وہ یقین دلاتا ہے کہ ضایع شدہ الفاظ یہی تھے۔

ص ۱۰:۲۸٤، عز ندارد۔ ق میں یہ حاشیے کا اندراج ہے (حم) یہی مولانا عرشی نے بتایا ہے۔

ص ۱:۲۸۵ و ۲، عز ندارد۔

۱، ح اور مولانا عرشی کی یاد داشتوں سے صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ یہ حاشیۂ ق کا اضافہ ہے۔ مولانا عرشی نے یہ بھی بتایا ہے کہ ق میں مصرعِ ثانی سہواً «وہ ہم ہیں» سے شروع کیا گیا ہے۔ مگر حم میں اس شعر سے متعلق کوئی تفصیل نہیں جو بظاہر حم کا سہو ہے۔

۲، ق میں یہ متن کا شعر ہے مگر مصرعِ ثانی کی اصلاحی شکل حاشیے پر درج ہوئی ہے۔ یعنی متن میں «کفِ افسوس سُودن» تھا جسے حاشیے میں «کفِ افسوس ملنا» بنایا گیا ہے (حم)۔ نیز قا میں یہ اس زمین کی دوسری غزل کا ساتواں شعر ہے۔

۳ الف، عز، تابِ درد۔

۳ ب، عز، کفِ افسوس سودن۔ نیز قا میں یہ اس زمین کی دوسری غزل کا تیسرا شعر ہے۔

٤، عز میں یہ غزل بخطِ غیر حاشیے پر اضافہ ہوئی ہے۔ نیز عز، ق اور قا میں ترتیبِ اشعار یکساں ہے۔

۷، اس شعر کے بعد عز و قا میں یہ بیت ہے: ہم بھی تسلیم کی خو الخ۔

۸ الف، عز، پہلے کاتب نے سہواً یوں لکھا تھا، اپنی ہستی میں ہے کیا رسوائی۔ پھر غلط الفاظ قلمزد کر کے ان کے اوپر «ہی سے ہو جو کچھ ہو» لکھ دیا ہے۔

۸ ب، ق، غلفت (سہو کاتب)۔

ص ۱:۲۸٦، قا میں یہ شعر اپنی ہستی الخ کے بعد اور ساتویں نمبر پر ہے۔

۲، عز، قا میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد اور

مقطع سے پہلے ہے۔
۳ ب، عز، فرصت (سہو کتابت)۔
٤ ق، قا میں یہ غزل کا پانچواں شعر ہے۔
۵ الف، عز، چھیڑ خوباں سے چلی جائے، اسد۔

ص ۲:۲۸۷ الف، ق، کیونکر وہ یارب (حم)۔
۲ ب، خب، اس کو آئے ہے۔
ص ۲:۲۸۸ ب، خب، ناز ہے۔
۸، حاشیۂ عز میں یہ غزل بخطِ غیر نقل ہوئی ہے۔
۸ الف، عز، خوباں کو۔
۹، عز میں اس بیت کے بعد وہ شعر ہے جو گنجینۂ معنی نمبر ۲۷۳ پر گزر چکا۔
۱۰ ب، عز، اسے (یہاں سین مشدّد ہے)۔
ص ۱:۲۸۹ ب، ق، ابشارا (سہو کاتب)۔
۲ و ۳، عز ندارد۔
ص ۱:۲۹۰، عز میں اس سے پہلے «قطعہ» لکھا ہے۔
۲ الف، عز، یعنی ان مہ طلعتوں۔
ص ۱:۲۹۱ الف، ق، «ہے» ندارد (حم)۔
ص ۱:۲۹۲ الف، ق، دیکھا۔ نیز سہواً «کے» ندارد (حم)۔
٤، یہ غزل عز کے حاشیے پر بخطِ غیر اضافہ ہوئی ہے۔ مگر کسی وقت تمام اشعار کا کچھ حصہ جلد بند کی تراش میں ضایع ہو گیا، صرف مقطع اور اُس کے قبل کا ایک شعر محفوظ رہا ہے۔
۵ الف، عز، کھو لئے (سہو کاتب)۔
۷، عز میں اس سے قبل بطورِ عنوان «قطعہ» لکھا ہے۔
۸ الف و ب، عز، ق، وہ ھی۔
۹ ب، عز، محرساں (سہو کاتب)۔
ص ۳:۲۹۳، عز، قا میں اس سے قبل بطورِ عنوان «قطعہ» درج کیا ہے۔
٦ الف، عز، ہو رہے ہیں گواہ۔
٦ ب، عز، بیقراری کا حکم۔گلِ رعنا، اشکباری۔
ص ۱:۲۹٤ الف، ق، پہلے، جذبۂ الفت۔ پھر «الفت» کاٹ کر «دل» لکھا ہے (حم)۔
۲ الف، ق، میں سہواً «داستانی» لکھا ہے (حم)۔
۳ الف، ق، اودھر ـ ایدھر (ہر دو قدیم رسمِ خط)۔ ناتاوانی (سہو کاتب) حم۔
٤ الف، ق، نا امید (سہو کاتب) حم۔
٤ ب، ق، نہ پونچھا جائے ہے مجھ سے (سہو کاتب)۔
ص ۱:۲۹۵، یہ غزل عز کے حاشیے پر بخطِ غیر اضافہ ہوئی ہے۔ وہاں مطلع اور اس کے بعد کے دو شعر نہیں۔ مگر اصلاً تینوں موجود تھے کسی وقت جلد بند کی تراش میں وہ حصہ ضایع ہو گیا۔
٤، عز میں ورق کا جتنا حصہ کٹا ہوا ہے اُس میں چار شعر نہیں لکھے جا سکتے۔ اس لیے بگمانِ غالب یہ شعر عز میں موجود نہ تھا۔ اس قیاس کو تقویت اس سے بھی ہوئی

ھے کہ آخرِ ق کے اندراج میں بھی یہ شعر موجود نہیں ھے اور پہلی بار قا میں نظر آتا ھے۔

۷ ب، عز، نظارۂ وصال (سھوکاتب)۔

۹، عز میں اس شعر کے بعد ترتیبِ اشعار مختلف ھے، اس طرح: ۱۳، ۱۰، ۱٤، ۱۲، ۱٦، ۱۱، ۱۵۔

۱۰ الف، ق، «پھر ھر» ندارد (سھوکاتب)۔

۱۱ الف، ق، «چا» ندارد (سھوکاتب) حم۔ نیز پہلے، «نامۂ اعمال» تھا۔ پھر «اعمال» قلمزد کر دیا ھے (حم)۔

۱۲ الف، عز، ڈھونڈے — کسو کو۔ نیز ق کے کاتب نے «ڈ» پر دونوں جگہ «ط» نہیں بنائی۔

۱۳ الف، عز، مانگے ھے — کسو کو۔ ق، «میں» ندارد (سھوکاتب) حم۔

ص ۱:۲۹٦ الف، عز، چاھے ھے۔

۲ الف، عز، خب، پھر دل میں۔ عز، کسو۔

۳ الف، خب، دل ڈھونڈتا۔

٤ ق میں اس شعر کے بعد کاتب نے لکھا ھے:

دیکھ تو عکسِ قدِ یار لبِ جو پر سے

تمام شد، کارِ من نظام شد

ربِ یسّر وتمم بالخیر (کذا)۔

یہاں یہ امر لایقِ توجہ ھے کہ عربی عبارت کے آخری لفظ کی املائی غلطی غالب کی ھر تحریر میں ملتی ھے۔ مثلاً: باالکل، باالفعل وغیرہ۔ اس مماثلت کی وجہ سے میرا خیال ھے کہ عجب نہیں جو آخرِ ق کی غزلوں اور منقولہ عبارتِ خاتمہ کا کاتب، غالب کے بھائی مرزا یوسف، اُن کے برادرِ نسبتی علی بخش خاں، یا پھر بیگم غالب میں سے کوئی ہو۔ اس خیال کی بنیاد یہ ھے کہ مولانا عرشی کی یاد داشت کے مطابق کاتبِ متن کے علاوہ ق کے اضافوں اور اصلاحوں میں تین خط پائے جاتے ھیں۔ جن میں بالیقین ایک خط غالب کا بھی ھے۔ ق میں جس انداز کا اصلاح و اضافہ ھے اس کا تقاضا بھی یہی ھے کہ یہ کام غالب نے خود کیا ہو یا ایسے اشخاص سے لیا ہو جو اُن کے بہت قریب تھے۔

«تمام شد» سے قبل اردو مصرع بھی میری رائے میں غالب ھی کا ہونا چاھیے جو بطورِ یاد داشت لکھ لیا گیا ھے۔

٤ ب، عز، تحیّہ (سھو کاتب)۔

۵ یہ غزل حاشیۂ عز میں بخطِ غیر اضافہ ہوئی ھے۔

٦ الف، عز، آسیانہ (سھوکاتب)۔

۷ الف، عز، فنا کی (سھو کاتب)۔

۷ ب، ح، آپ ھی (سھو مرتب)۔

ص ۳:۲۹۷ الف، عز، وھم سے (سھوکاتب)۔

۳ ب، عز، تیرے (سھوکاتب)۔

٤ ب، عز، پانوں (سھوکاتب)۔

۵، عز ندارد۔

ص ۶:۲۹۸، حاشیۂ عز پر یہ غزل بخطِ غیر نقل ہوئی ہے۔

۶ ب، عز، کاتب نے پہلے از راہِ سہو لکھا تھا «یارب اُسے لکھ دیجیو» پھر علامات «م» اور «خ» بنا کر صحیح ترتیبِ الفاظ بتائی ہے۔

۸ ب، عز، صاحب کوئی سنتا۔

ص ۱:۲۹۹ الف، عز، کہ ناکام وہ ایک عمر (سہو کاتب)۔

ص ۴:۳۰۰، حاشیۂ عز میں اس غزل کا مطلع ایک خط میں اور بقیہ اشعار اُس دوسرے خط میں ہیں جس میں نو دریافت غزل «سمجھاؤ اُسے یہ وضع چھوڑے» نقل ہوئی ہے۔ عز میں ترتیبِ اشعار مختلف ہے۔

۴ ب، خب، ہم ایسے۔

۵ الف، عز، اسبابِ میکشی۔

۵ ب، عز، یہی (سہوکاتب)۔

۷، عز میں یہ شعر مقطع سے قبل ہے۔

۷ ب، خب، لاکھ گل کے (سہوکاتب)۔

۸، عز ندارد، اس کی جگہ گنجینۂ معنی کا وہ شعر ہے جو نمبر ۲۷۷ پر درج ہوا۔

۹، عز میں یہ غزل کا چوتھا شعر اور «رسوائے دھر الخ» کے بعد ہے۔

۹ الف، خب، بس گلہ (سہوکاتب)۔

۱۰ الف، عز، لاش۔

۱۰ ب، عز، پہلے، «نمناک» تھا۔ پھر «غمناک» بنا دیا ہے۔

۱۱، عز ندارد۔

ص ۳:۳۰۱ و ۴، حاشیۂ ق میں یہ شعر گنجینۂ معنی غزل نمبر ۲۹۸ کے ہم پہلو اضافہ ہوئے ہیں (حم)۔

ص۱:۳۰۲، اس غزل کا ایک منسوخ شعر گنجینۂ معنی نمبر ۲۷۸ پر درج ہوا ہے، یادگار نالہ میں نہیں۔

ص ۲:۳۰۳ ب، قا، تسلیم و ہوش (سہو کاتب)۔

ص ۵:۳۰۵ خب، تقریر کی خوبی۔

ص ۱:۳۰۷ الف، ح، دیوار پہ (سہو مرتب)۔

۳ الف، ح، لذتِ فراق (سہو مرتب)۔

ص ۴:۳۱۲ ب، ح، پتہ (سہومرتب)۔

ص ۲:۳۲۲ الف، ح لہو سے بدن بہ (سہومرتب)۔

۴ ب، ح، آنکھ ہی سے (سہومرتب)۔

ص ۹:۳۲۳ الف، ح، او لئیم (سہومرتب)۔

۱۱ ب، ح، بوسے (سہومرتب)۔

ص ۱:۳۲۴ الف، ح، اور وہ کچھ (سہو مرتب)۔

ص ۶:۳۲۵ ب، بخطِ غالب، پہلے، ابھی۔ پھر اسے کاٹ کر «ہنوز اس» بنا دیا ہے۔

ص ۲:۳۲۶ ب، بخطِ غالب، ہمیں شست۔

ص ۴:۳۲۵، مولانا عرشی نے صاحبزادہ سید نجابت علی خاں مرحوم کی زبانی روایت کیا ہے کہ: جب مرزا غالب، نواب کلب علی خاں سے رخصت ہوکر قیام گاہ پر تشریف لائے تو یہاں

پہلے سے رام پور کے بعض احباب الوداع کہنے کے لیے موجود تھے۔ اُن میں صاحبزادے صاحب بھی اپنے والد سید ہدایت علی خاں کے ہمراہ تھے۔ غالب نے حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا: بھئی ہم نے ابھی یہ شعر کہا ہے «اب ہے دلی الخ» دیباچۂ مکاتیب غالب، ص ۱۲۳، طبعِ چہارم۔

ص ۶:۳۳۵ ب، ح، ھتکنڈے۔

ص ۶:۳۳۷ ح، بادہ پیمائی (سہو مرتب)۔

ص ٤:۳۳۹ الف، عز، پہونچے۔

۶ الف، عز، سے تا بسحر۔

۶ ب، عز، اشکِ چشم، چشمِ نم۔

ص ۲:۳٤۰ الف، عز، جوں کاغذِ باد کو ہوا و چہ ہوس۔

ص ۱:۳۵۰ ب، نسخۂ ہاشمی، انگلستاں -

۲ الف، نسخۂ ہاشمی، بازار کو -

۷ الف، نسخۂ ہاشمی، کبھی کیا شکوہ (سہو کاتب) -

۸ الف، نسخۂ ہاشمی، کبھی کہا باہم -

۱۰، نسخۂ ہاشمی میں اس قطعے سے متعلق لکھا ہے: «از دیوانِ قلمی نواب احمد سعید خاں صاحب» -

ص ۱:۲۵۱، اس قطعے کے بارے میں جناب قاضی عبد الودود نے اپنے مضمون: کتب خانۂ خدا بخش اور غالب، مشمولۂ اردوے معلی دہلی، غالب نمبر. حصہ دوم، ص ۷۸ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

«دیوانِ غالب اردو کے ان نسخوں میں سے جو غالب کے دورانِ حیات میں طبع ہو چکے تھے یہاں موجود ہیں: نسخۂ مطبع احمدی، مطبع نظامی۔ مقدّم الذکر کے یہاں دو نسخے تھے، جن میں سے ایک کا باوجودِ تلاش اس وقت پتا نہ ملا۔ اس کے آخر میں جناب قاسم حسن خاں و برادر زادۂ خدا بخش خاں منتظمِ کتب خانہ کے قول کے مطابق غالب کا ایک قطعہ ہے جو محمد بخش خان پدرِ خدا بخش خاں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ یہ قطعہ وہی ہے جو عماد الملک بلگرامی کی روایت پر غالب سے منسوب کیا گیا ہے» -

نیز مخزن میں اس قطعے کو شایع کرانے والے صاحب کا نام شیدا لکھا گیا ہے۔ یہ عبد الحمید خواجہ ہیں، جو ان دنوں کیمبرج میں مقیم تھے -

ص ۷:۳۵۲ ب، نسخۂ تاباں، اب کیوں (سہوکاتب) -

ص ۸:۳۵۶، یہ قطعہ نسخۂ تاباں ص ۱۵۰ کے حاشیے پر ہے -

ص ۱:۳۷۸، یہ قصیدہ نسخۂ تاباں ص ۱۵۷ کے حاشیے پر ہے۔ نیز نسخۂ ہاشمی میں اس قصیدے سے متعلق نوٹ ہے کہ: «قصیدہ کسی راجہ کی تہنیتِ سالگرہ میں، از دیوانِ قلمی نواب احمد سعید خاں صاحب» -

۲ ب، نسخۂ ہاشمی، باقی ہے -

ص ۲:۳۷۹ الف. نسخۂ ہاشمی، ہے تا گا -

۳ الف، نسخۂ ہاشمی، پڑے -

۳ ب. نسخۂ ہاشمی، ہے تین -

۵ ب، نسخۂ ہاشمی، پائیں گے -

۷ الف، نسخۂ ہاشمی، مہاراجہ راؤ -

۹ ب، نسخۂ ہاشمی، بوندہ -

ص ۲:۳۸۰ الف، نسخۂ ہاشمی، دانہ -

۳ الف، نسخۂ ہاشمی، یہ جاذبہ -

٤ الف، نسخۂ ہاشمی، جب اس زمانے -

٦ ب، نسخۂ ہاشمی، کرور ۔

۱۳، نسخۂ تاباں میں یہ حاشیۂ صفحات ٦، ۷ و ۸ پر ہے ۔ نیز نسخۂ ہاشمی میں عنوان یہ ہے «قصیدہ در تہنیتِ غسل صحت نواب یوسف علی خاں والیِ رام پور» ۔

ص ۳:۳۸۱ الف، نسخۂ ہاشمی، ہولی کے ۔

٦ الف. نسخۂ ہاشمی، تہوار ۔

ص ۱٤:۳۸۲، الف، نسخۂ ہاشمی، مرکب (سہو مرتب) ۔

ص ۳:۳۸۳ نسخۂ ہاشمی، نیاز گزیں (اور یہی صحیح ہے) ۔

٤ نسخۂ ہاشمی، میں اس قصیدے کے آخر میں لکھا ہے «عطیۂ میرن صاحب مرحوم» ۔

۵، یہ قصیدہ نسخۂ تاباں کے حاشیہ ص ۹ و ۱۰ پر درج تھا ۔ نیز نسخۂ ہاشمی میں اس کے عنوان میں لکھا ہے، «قصیدۂ لفٹنٹ گورنر پنجاب، کہ بطور ایک خط منظوم کے لکھا ہے» ۔

یہ قصیدہ نسخۂ حسین میرزا میں موجود تھا ۔ جس کے عینی شاہد نادم سیتا پوری صاحب ہیں ۔ ملاحظہ ہو: غالب کے کلام میں الحاقی عناصر ص ۲۷۵ ۔ عرشی زادہ عرض کرتا ہے کہ محولہ مخطوطے میں یہ حاشیے کا اندراج ہوگا ۔ اس لیے کہ تاریخی اعتبار سے یہ اس نسخے کی کتابت کے بعد تصنیف ہوا ہے ۔

ص ۲:۳۸٤ الف، نسخۂ تاباں، منگلوڈ ۔ نسخۂ ہاشمی، میگلوڈ ۔

ص ۱:۳۸۵ ب، نسخۂ ہاشمی میں ناقل نے «تیغ کا نیام» لکھا تھا جسے ہاشمی صاحب نے «تیغ بے نیام» کر دیا ۔ مگر ہے یہ ہاشمی صاحب کا سہو ۔

۲ ب، نسخۂ ہاشمی، کلیجہ (سہوکاتب) ۔

۳ ب، نسخۂ ہاشمی، نمبر (سہوکاتب) ۔

۵ ب، نسخۂ ہاشمی، جو خیام (سہوکاتب) ۔

٦ ب، نسخۂ ہاشمی، نمبر (سہوکاتب) ۔

۱۰ ب، نسخۂ ہاشمی، اژدحام (سہوکاتب) ۔

۱۱ الف، نسخۂ ہاشمی، مداحِ نامور (سہو کاتب) ۔

۱۲ الف، نسخۂ ہاشمی، کر سکا (سہوکاتب) ۔

۱۳ الف، نسخۂ ہاشمی، وکٹوریہ ۔

ص ۲:۳۸٦ ب، نسخۂ ہاشمی: احتشام (سہوکاتب) ۔

ص ۳۸۸، یہ مرثیہ طاہر ایڈیشن کی اصل مخطوطۂ حسین میرزا میں بھی موجود تھا ۔ مولوی مہیش پرشاد نے اپنے مضمون: دیوانِ غالب کے قلمی نسخے (زمانہ، کانپور ۔ فروری ۱۹٤۰ع) میں محولہ مخطوطے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا ۔

«یہ نسخہ اب جناب سید احمد میرزا صاحب کے پاس ہے جو کاتبِ موصوف (حسین میرزا) کے پوتے ہیں، جن کا اصلی مکان، چھتہ چوہیا، محلہ فراش خانہ، دہلی میں ہے ۔ لیکن میں نے جناب سید صاحب اور اُن کے اعزا کی مہربانی سے اس نسخے کو مارچ ۱۹۳٤ع میں ٹیلی گراف اسکوائر نئی دہلی میں دیکھا تھا ۔ جہاں کہ سید صاحب اس وقت مقیم تھے ...

اس نسخے کے زائد اوراق میں مرزا کے کہے
ہوے مرثیے کے وہ تمام بند درج ہیں جس
کا محض پہلا بند مولانا حالی نے یادگار غالب
میں درج کیا ہے»۔

ص ۱:۳۹۲، مولانا عرشی نے اپنے ایک
مضمون میں دہلی اردو اخبار جلد ۱۴ شمارہ ۱۵
مورخہ ۱۱ اپریل ۱۸۵۲ع کے حوالے سے
مرزا جواں بخت کی شادی کی تاریخیں یکم و دوم
ماہ اپریل ۱۸۵۲ع بتائی ہیں۔

ص ۱:۳۹۴، یہ نسخۂ تاباں کے حاشیۂ
ص۱۵۷ پر نقل ہوا ہے۔

ص ۱:۴۰۰ الف، عز، عمدہ، ٹوٹی ہوئی
ہوگئی (اور یہی درست ہے)۔

ص ۴۰۴ لطایف غیبی کا سنۂ تصنیف و
طباعت ۱۸۶۴ع ہے۔

ص ۱:۴۰۵، تاریخی ترتیب میں یہ بیت
اگلے شعر کے بعد ہے۔

ص ۱:۴۱۶ الف، مکاتیب غالب کے خط
نمبر ۳۶، ۴۱ و ۶۱ میں «قیامت تک» کی جگہ
«ہزاربرس» لکھا ہے۔

ص ۴:۴۱۷، روحِ کلامِ غالب از مرزا
عزیز بیگ المتخلص بہ مرزا سہارنپوری میں لکھا
ہے کہ: یہ غزل مروجہ دیوان میں نہیں ہے۔
مصنف کو غالب کے قلمِ خاص کی لکھی ہوئی
اپنے استاد سوزاں سے ملی تھی۔

ص ۲:۴۱۸ الف، روح، لب پر آئی تب بھی۔

۴ الف، روح، پر نہیں مجھ کو کسی سے
لاگ۔ نیز اس بیت کے بعد گنجینۂ معنی غزل
نمبر ۱۳۱ کے دو شعر: «ظاہر ہیں میری الخ»
اور ہوں «گرمی نشاط الخ» نقل ہوے ہیں۔

۵، روح میں یہ بیت اگلے شعر کے بعد ہے۔

۵ ب، سوالیہ نشان حذف کردیجیے۔

ص ۱:۴۱۹ الف، روح، آئنہ۔

۷ الف، روح، زمرے۔

۷ ب، روح، فرقے۔

ص ۱:۴۲۰، تمکین کاظمی مرحوم نے
مجھے لکھا تھا کہ ناظر عالم نام کی کسی ہستی
کا خارج میں وجود نہیں۔ اور اس پردے میں
خود عبد الرزاق حیدر آبادی جلوہ فرما ہیں۔
اس اطلاع نے غزل اور اس سے متعلق روایت
کو نا قابلِ اعتبار بنا دیا۔

ص ۱:۴۲۴، اس غزل کے بارے میں
نسخہ ہاشمی کا اندراج یہ ہے: «یہ پوری غزل
جو دواوینِ متداولہ میں موجود نہیں، نواب احمد
سعید خاں صاحب کے قلمی نسخے سے حاصل
ہوئی۔ اور نواب صاحب موصوف یہ بھی
فرماتے تھے کہ غالباً یہ مرزا صاحب کا آخری
کلام ہے جس کے بعد اُنہیں موت نے کچھ
فرمانے کی مہلت نہ دی۔ اڈیٹر»۔

۳ الف، ہمدرد، الہلال، یاسمن۔

۴ ب، ہمدرد، ہے پروین ہے پرن۔

ص ۳:۴۲۵ ب، نسخۂ ہاشمی، نعش۔

۴، نسخۂ ہاشمی، ندارد۔

ص ۱:۴۳۱، یہ غزل نسخۂ ہاشمی میں

«از نسخۂ نواب احمد سعید خاں صاحب» نقل ہوئی ہے۔ روح کلام غالب (ص ۲۵۲) کے لیے بھی یہ غزل نواب سعید احمد خاں صاحب طالب رئیس دہلی ہی کا عطیہ ہے جو «فرماتے تھے کہ میں ہر وقت پھوپا جان (غالب) کی خدمت میں حاضر باش تھا۔ نیا کلام اپنی یاد داشت میں لکھتا تھا اور بجنسہ یہ غزل ہے»۔ نادم سیتا پوری صاحب نے اسے نسخۂ حسین مرزا میں بھی دیکھا ہے جہاں میری رائے میں یہ حاشیے کا اضافہ ہونا چاہیے۔ ملاحظہ ہو: غالب کے کلام میں الحاقی عناصر، ص ۲۷۵۔

۲ الف، نسخۂ ہاشمی، بیٹھوں کیوں کر (سہو مرتب)۔

٤ الف، روح، دوست ہی کوئی۔

٤ ب، روح، ایک تمنا (سہوکاتب)۔

٥ الف، روح، سے میں۔

۷ الف، روح، کبھی چل جائے گی۔

ص ۱:٤۳۲، نسخۂ ہاشمی میں لکھا ہے: «اس غزل کے چار شعر اردوے معلی (غالب) میں بھی ملتے ہیں۔ مگر پوری غزل کہیں نہیں ملتی۔ اب نواب احمد سعید خاں کے نسخۂ دیوان سے نقل کی جاتی ہے ۱۲»۔

٤ ب، نسخۂ ہاشمی، شیوۂ انداز (سہوکاتب)۔

۷ الف، نسخۂ ہاشمی، کیوں نہ فردوس کو دوزخ میں ملا لیں یارب۔

۹ الف، شرحِ حسرت، ہم سے۔

۱۰، ان شعروں پر نسخۂ ہاشمی میں یہ نوٹ ہے: «یہ اور اگلے تینوں شعر نواب احمد سعید خاں صاحب کے قلمی نسخے سے منقول ہیں۱۲»۔ نیز یہ چاروں شعر بھی ہاشمی صاحب نے اپنے قلم سے نقل کیے ہیں۔ روح کلام غالب کے لیے بھی یہ اشعار نواب احمد سعید خاں صاحب ہی سے ہاتھ آئے تھے۔

۱۰ الف، خطوط، کہلائے۔ روح، کٹے تو رات جو کاٹے تو۔ نیز روح میں یہ بیت «وہ داد و دید الخ» کے بعد ہے۔

۱۰ ب، روح، کوئی بتائے۔

۱۱ الف، نسخۂ ہاشمی، مسعود (سہوکاتب)۔

باد آورد

ص ۶:۴۴۴ ب، عز، پہلے، بر رگہا ہے۔ پھر «بر» قلمزد کر دیا۔ پہلے، مژگاں۔ پھر اسے قلمزد کر کے «مژہ پر» بنا دیا۔

ص ۲:۴۴۵، عز میں یہ غزل قلمزد کردی گئی ہے۔

۱۳ الف، عز، «اسد» کے لیے بیاض ہے۔

ص ۲:۴۴۷ الف، عز، پہلے، آرائی۔ پھر اسے چھیل کر «افروزی» بنا دیا ہے۔ مگر حرف «ی» پر ھمزہ اب بھی باقی ہے۔

۵ ب، عز، آوارہ و سرگشتہ (اور یہی درست ہے)۔

۶ الف، عز، پرداز (اور یہی درست ہے)۔

ص ۲:۴۴۸ الف، عز، «نید» بجائے «نیند» (سہو کتابت)۔

ص ۳:۴۴۹، عز میں یہ عزل قلمزد کردی گئی ہے۔

۸، عز میں یہ غزل قلمزد کر دی گئی ہے۔

ص ۱:۴۵۰، عز میں یہ غزل قلمزد کردی گئی ہے۔

ص ۱۰:۴۵۱،عز میں یہ غزل قلمزد کردی گئی ہے۔

ص ۴:۴۵۲ الف، عز، چھاڑتا۔ قدیم اندازِ کتابت کے مطابق کبھی کبھی ھائے مخلوط کے ساتھ آنے کی صورت میں ج کی جگہ چ لکھ دیتے ھیں۔ یہ اسی کا اثر ھے اور قدیم دواوین میں یہ انداز پایا جاتا ھے۔

ص ۱:۴۵۳ ب، «یاں» پڑھیے۔

۵ یہ شعر نو دریافت نہیں ھے۔ اسے خارج کر دیا جائے۔

ص ۲:۴۵۴، عز میں یہ غزل قلمزد کردی گئی ھے۔

۸، عز میں یہ غزل قلمزد کردی گئی ھے۔

۱۳، عز میں یہ غزل قلمزد کردی گئی ھے۔

ص ۱:۴۵۵ ب، عز، زنگ (اور یہی درست ھے)۔

۵، عز میں یہ غزل قلمزد کر دی گئی ھے۔

۶ ب، «سبحہ» پڑھیے۔

۱۳، عز میں یہ غزل قلمزد کر دی گئی ھے۔

ص ۴:۴۵۷، عز میں اس کے بعد لکھا ھے:

«تمت تمام شد»۔

فہرست اشعار

اشاریہ

قوسین کے درمیان مندرج اعداد مقدمے کے صفحات کو ظاہر کرتے ہیں

الف: اشخاص و السنہ وغیرہ

خ

غ

ف

ق

ک

گ

ل

م

ب: مقامات وغیرہ

چھ

ح

خ

د

ڈ

ر

ج: کتب و علوم وغیرہ

ب

و

ہ

ی



معذرت

نسخۂ عرشی کے نقش ِ ثانی میں جہاں مطالب کا اضافہ ہوا وهیں پریس کی ناتجربہ کاری کے باعث متعدد قسم کی غلطیاں بھی در آئیں اور تمام کوششوں کے باوجود کارکنوں کی بے توجہی سے اُن کا ازالہ بھی نہ ہوسکا۔ یوں تو اردو کتابوں میں اغلاط کا ہونا اُن کا مقدر بن گیا ھے۔ لیکن جب پوری سعی اور احتیاط کے باوجود اُن پر قابو نہ پایا جاسکے تو دکھ ہوتا ھے۔ بعض غلطیاں ایسی ھیں جو پہلی ھی نظر میں پڑھنے والے حضرات از خود درست کرسکتے ھیں البتہ بعض کی طرف توجہ مبذول کرانا ضروری ھے۔ نقطوں کی طباعت اس قدر ناقص ھے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال آئندہ صفحات میں ایسی غلطیوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ھے جو گمراہ کن ھیں۔ صحت نامے میں غلطی نہ دخل پا جائے۔ اب ڈر اس کا ھے۔

عرشی زادہ

صحّت نامه

دیباچه

صفحه و سطر	غلط	صحیح
٤:٨	هرں	هوں
٨ حاشیه٤	٣٣٢	١١١
٨ حاشیه٥	١١٦	٥٥
١٠:١٠	بیروی	پیروی
١٣:٢١	دوران	دوران میں
١٩:٢١		گلِ رعنا نسخهٔ حسرت کے بارے میں حاشیه بڑھائیے۔

•مولانا حسرت موهانی نے شرحِ دیوانِ غالب کے آخر میں لکھا هے که اس کا ایك نسخه اُن کے پاس محفوظ هے۔ عرشی کے زبانی استفسار پر مولانا نے فرمایا که یه اصلِ کتاب کا صرف ایك حصه هے۔ انتخاب غالب، دیباچه ک

صفحه و سطر	غلط	صحیح
٤:٢٤	(٥١٠٤)	(٥١٠٠٤)
١٨:٢٩	انتخابِ دیوان	انتخاب دیوان
٩:٣٢	کدیا	کردیا
١:٤٠	میررا	میرا
١٤:٤٢	داؤ	دانو
٦:٤٦	ن کا	اُن کا
٢٠:٥١	١٨٦٢ع	١٨٥٢ع
٩:٥٦	اپنے حدود	کے حدود
١٦:٥٧	کردۂ جهدی	کردۂ جهدے
١:٥٨	هونا	هوتا
١:٦٦	زبان	زیان
١٩:٦٦	رنگ	رنگ
٢:٧٥	ستایشِ	ستایش
٢٣:٧٥	اس حصے کے	اس کے حصهٔ غزلیات کے
١٣:٧٦	نسخهٔ رام پور	نسخهٔ رام پور جدید
١٤:٧٦	نسخهٔ رام پور	نسخهٔ رام پور

صفحہ و سطر	غلط	صحیح
		جدید
۱۳:۷۷	اخلافات	اختلافات
۱۲:۸۱	ہمیشہ بہار	گلشنِ ہمیشہ بہار
۲۰:۸۳	مقطع	مقطعے
۱۵:۸۵	کا نام	کے نام
۱۶:۸۶	۲۲ × ۲۹/۸	۸/۲۹ × ۲۲
۱۹:۸۹	کے آگے اضافہ کیجیے:	ان غزلوں کی قدیم روایت سے اس خیال کو مزید توثیق حاصل ہوتی ہے۔
۱۷:۹۰	غزلیں حاشیوں (۱۲۲ شعر)	غزلیں (۱۲۲ شعر) حاشیوں
۶:۹۳	۱، ب	ورق ۱، ب
۲۱:۱۰۰	۸۱۶ ع	۱۸۱۶ع
۲۰:۱۰۱	اور قطعے	قطعے اور
۲:۱۰۴	الف	غزلیات: الف
۲۰:۱۱۷	کے آخر میں اضافہ کیجیے:	«یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں محفوظ ہے»۔

صفحہ و سطر	غلط	صحیح
۸:۱۲۱	سوشہ	شوشہ
۱۷:۱۲۲	تسلم	تسلیم
۱۷:۱۲۳	رام جدید	رام پور جدید
۸:۱۲۸	دیوانِ اسد	دیوان اسد
۱۰:۱۳۶	باتوی	باتوں
۲۰:۱۴۰	جس کے دائیں	جس کے آخری صفحے پر دائیں
۱۹:۱۵۴	کی تفصیلی مباحث	کے تفصیلی مباحث
۱۱:۱۶۰	مہر بانوں	مہربانوں
	ایڈیشں	ایڈیشن

گنجینۂ معنی

صفحہ و سطر	غلط	صحیح
۲:۲	سنزے	سبزے
۱۰:۳	موج	موجِ
۱۰:۵	رفنار	رفتار
۱۲:۵	یرافشانی	پرافشانی
۳:۶	ںہار	بہار
۴:۷	کرس	کریں
۲:۹	جیں	جبیں
۱۰:۹	باتباتِ	باثباتِ
۷:۱۰	تاب	تابِ
۳:۱۱	ِوداع	وَداع (تمام جگہ)
۳:۱۵	آئنہ	آئینۂ
۱۳:۱۵	کا حاشیہ یوں بنائیے:	

صفحه و سطر	غلط	صحیح
		ق میں یہ شعر غزل نمبر ۱۳ کا ہے
۱۱:۱۶	تسلیمِ شوخی	تسلیم شوخی
۱۲:۱۶	اس شعر کی اصلاحی شکل صفحہ ۱۶۷ پر موجود ہے، اس لیے یہاں اسے قلمزد کردیا جائے۔	
۴:۱۸	دُم	دُمِ
۱:۲۰	سختیّ	سختیِ
۹:۲۱	دوکانِ	دکّانِ
۵:۲۳	رفنه	رفته
۸:۲۴	زبخیر	زنجیر
۲۹:حاشیه		
۵ ب	رنگ	زنگ
۲۹:حاشیه		
۸ الف، ق	رهتا	ح رهتا
۷:۲۹	رفتن	رستن
۴:۳۰	خواه	خواهِ
۱:۳۰	هو	هوں
۱۱:۳۸	طاؤسِ	طاؤس
۹:۴۳	نا امیّد تر	نا امید تر
۴۶:حاشیه		
۵، ب	مز	مزه

صفحه و سطر	غلط	صحیح
۵۰ غزل		
	نمبر ۹۲	۹۶
۳:۵۳	لعل	لعلِ
۱۲:۵۵	معذور	.عذور
۱۴:۵۵	اس	اُس
۱۴:۵۵	مال	مالِ
۸:۵۷	طرز	طرزِ
۵۹:حاشیه		
۱، ب	«نگا»	«نگاه»
۷:۶۷	مرگِ	مرگ
۲:۶۸	ناز ،	تازه،
۴:۶۸	فِتادگی	فُتادگی
۷۱:حاشیه		
۱۱ الف	مصاعقه	مضاعقه
۵:۷۳	بمغز	بمغزِ
۲:۷۴	خاك	چاك
۱۲:۷۵	آئنه	آئینه
۱۰:۷۶	اقلیم	اقلیمِ
۷:۸۱	امام	امامِ
۵:۸۲	طبع	طبعِ
۲:۸۴	رنگ سے گل نے	رنگ نے گل سے (عز؛ شیرانی میں یہی ہے)

صفحہ و سطر	غلط	صحیح
٨٤: حاشیہ ١٢ ب	مگر مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا	اس عبارت کو قلمزد کر کے لکھیے۔ لیکن قا میں «غالب» کی جگہ «عاقبت» ہے جسے شاید مرتبِ ح نے اپنے نسخے میں سہواً غالب نقل کردیا ہے۔
١:٨٥	بزنجیر	بزنجیر
٣:٨٥	ساز	سازِ
٦:٨٥	نشۂ	نشّہ
١:٨٧	رنگ	رنگِ
٢:٨٧	مشق	مشقِ
٦:٨٧	زلف	زلفِ
٩:٨٩		حاشیے میں اضافہ کیجیے: ٩ الف ح. ایماں (سہو کاتب) ۔
١:٩٣	ضبط سوز	ضبطِ سوزِ
٣:٩٤	کوشی	کوشیِ
٤:٩٥	شور	شورِ
١:٩٦	رنداں	زنداں
٣:٩٦	چشم	چشمِ
١٣:٩٩	ناز	نازِ
٢:١٠٠		یہاں اسے قلمزد کردیجیے۔ یہ شعر قافیے کی تبدیلی کے ساتھ بصورتِ مقطع اگلی غزل میں آرہا ہے۔
٤:١٠٠	پیچ و تاب	پیچتاب
٤:١٠٦	اس	اُس
٧:١٠٦	کیونکہ	کیونکے
٥:١١٣	ذوق	ذوقِ
١٠:١١٤	فتراك	فتراكِ
٢:١١٩	رنگ	رنگِ
٣:١١٩	گِلستان	گلِستان
٧:١٢٠	کوکب	چشمِ کوکب
٨:١٢٠	زیر	زیرِ
١٤:١٢١	ریجم	انجم
٩:١٢٢	سرگیتی	سرِ گیتی
١٠:١٢٢	طوفانیِ	طوفانیِ
٢:١٢٦	صنّاع	صَبّاغ
١٠:١٣٠	ربیع الاول ١٢٤٥ھ (ستمبر ١٨٢٩ع) سے پہلے اتمام کو پہنچا۔	ربیع اول ١٢٤٤ھ (ستمبر ١٨٢٨ع) کو تمام ہوا۔
٢٠:١٣٢	مخلف	مختلف
١٤:١٣٥	٥٦:٢	٥٩:٢

صفحہ و سطر	غلط	صحیح
١:١٣٧	جہاں دار	جہاں دارِ
٢:١٣٧	در مندِ	درد مندِ
٦:١٣٧	جاننا	جاتتا
٦:١٤١	نرے	نرھے
١٤:١٤١	سر	سرِ
٥:١٤٥	ہم	بہم
١٢:١٤٧	حمایت	حمایتِ
٦:١٤٨	یتیم	یتیم
١٧:١٤٨	ریشۂ	ریشۂ (ح، نشۂ)
٢٢:١٤٨	١٣، ١٤، ١٥ م ندارد	١٣/١٤٨ م ندارد ١٤٩/١ و ٢ م ندارد
١:١٥٠	ق	ق، قا
٩:١٥٠	خبز	خبز
٧:١٥١	ختم	ختمِ
٢٢:١٥١	ہو سکی ہے	ہو سکتی ہے
١١:١٥٢	آغار	آغاز
١٩:١٥٧	سنجرِ	سنجر
٣:١٦٣	باروں	یاروں
٦:١٧٢	ے	بے
١٥:١٧٢	شاط	نشاط
١٦:١٧٢	سکھا	لکھا
١٨:١٧٤	١٣٤٥ھ	١٣٤٥ هش
٩:١٧٥	الف نہ کی	اُف نہ کی
١:١٧٦	نیرنگِ	نیرنگ
٦:١٧٧	تدبیر	تدبیر
٥:١٧٨	ڈرنا	ڈرتا
١٠:١٧٨	یاد تھے	یاد ہیں
١٤:١٧٨	خلا	خلاف
٤:١٧٩	سے متعلق حاشیہ قلمزد کردیجیے یہ غزل متنِ ق میں بھی موجود ہے۔	
١:١٨٠	ببایاں	بیاباں
٤:١٨٠	صیح	صبح
٢:١٨١	ناصح	ناصح
٣:١٨٣	جرہ	حجرہ
٦:١٨٥	وحسی	وحشی
٦:١٨٥	رنجِ	رنجِ
٣:١٩٠	سادرات	نادرات
٧:١٩٠	کانی	کاٹی
١٢:١٩٤	قور	قدر
١٥:١٩٤	عوان	عنوان
١٩٨ (ردیف)	ج	چ
٧:٢٠٠	ہمسایہ	ہمسایے
١:٢٠٢	یرت	حیرت
٥:٢٠٢	ونگِ	برنگ
٩:٢٠٢	یری	میری
١٠:٢١٠	ب، ق،	الف، ق،

صفحه و سطر	غلط	صحیح
۱۳:۲۱۵	ب، گل	گل،
۱:۲۱۸	کیونکه	کیونکے
۱:۲۲۱	حاشیهٔ ق میں اس غزل کا کوئی شعر نہیں۔	
۸:۲۳۱	دتنگی	دلتنگی
۱۲:۲۳۳	آذر فشاں	آدر فشاں
۵:۲۳۵	کی	کے
۹:۲۳۸	انتقام	انتقام
۷:۲۳۹	انی	اتنی
۱۴:۲۳۹	نادارت	نادرات
۱۵:۲۳۹	نادارتِ	نادراتِ
۱۴:۲۴۰	پہنچا	بہم پہنچا
۱۰:۲۴۱	کہوائی	کہلوائی
۱۶:۲۴۳	۸ ب،	۸ الف.
۱۵:۲۴۹	اس	میں
۲:۲۵۷	اس غزل کے عنوان میں «حاشیهٔ ق» قلمزد کردیجیے۔	
۵:۲۵۸	اس غزل کے عنوان میں «حاشیهٔ ق» قلمزد کردیجیے۔	
۹:۲۵۸	لگی	لگتی
۱:۲۶۳	عنوانِ غزل میں «ق» کا اضافه کرلیجیے	
۲:۲۶۴	بزمانهٔ	بزمانهٔ
۵:۲۶۹	عنوانِ غزل میں «حاشیهٔ ق» کا حواله قلمزد کر دیجیے	

صفحه و سطر	غلط	صحیح
۳:۲۷۰	سائے	سایے
۳:۲۷۲	آنی	آتی
۱:۲۷۳	عنوانِ غزل میں «حاشیهٔ ق» قلمزد کر دیجیے۔	
۱۳:۲۷۶	ظاه	ظاهر
۵:۲۷۷	عنوانِ غزل میں «حاشیهٔ ق» قلمزد کردیجیے۔	
۲:۲۸۰	عنوانِ غزل میں «حاشیهٔ ق» قلمزد کردیجیے۔	
۲:۲۸۲	ِفشار	فشارِ
۱۳:۲۸۲	فرس	فرش
۹:۲۸۳	سائے	سایے
۴:۲۸۶	بری	تری
۱۲:۲۹۲	وسی	اُسی
۱:۲۹۹	دونوں مصرعوں کے درمیان «ق» لکھ دیجیے۔	
۱۰:۳۰۳	یادگارِ ناله میں آرها هے	گنجینهٔ معنی ص ۱۲۴ میں گزر چکا
۸:۳۱۵	کبه	کعبه
۱:۳۵۲	تظر	نظر
۷:۳۵۶	لکھا هے «نسخهٔ تحفه»	«لکھا هے نسخهٔ تحفه»

صفحہ و سطر	غلط	صحیح
١٥:٣٦٦	محفوظ ہے	محفوظ ہے۔ نیز ایک ایڈیشن کانپور کا چھپا ہوا بھی موجود ہے۔ مقابلے میں اس سے بھی کام لیا گیا ہے۔
١٠:٣٦٣	برخیز	(برخیز)
١٥:٣٧٥	«نکات و رقعات»	«نکاتِ غالب و رقعاتِ غالب»
٦:٣٩٢	پسینہ	پسینا
٨:٣٩٦	جھنکار	جھنکاڑ
٢٠:٣٩٦	صف	صرف
٢١:٣٩٧	منانے	سنانے
٨:٤٠٣	نام	کے نام
٣:٤٠٤	ک	کوئی
٣:٤٠٦	٢	١
٤:٤٠٦	١٩٣٦ع	١٩٣٥ع
٤:٤١٥	شبہ	شبہہ
٦:٤١٥	شبہ	شبہہ
١:٤٢٠	اس غزل کو خارج کر دیا جائے یہ جعلی ہے۔	
٢:٤٢٥	کیونکہ	کیونکے
٧:٤٣٥	برد	بود
٥:٤٤٠	وجود	کو موجود
١٥:٤٤٦	داغِ مہر	باغِ مہر
٨:٤٤٧	آئینہ	آئنہ
١:٤٥٣	اں	یاں
١:٤٥٥	ناریک	تاریک
١١:٤٥٥	پھولو	بھولو

استدراک

صفحہ و سطر	غلط	صحیح
١٩:٤٦١	تذکرۂ	تذکرۂ گلشنِ
٢٢:٤٦١	تیس	بائیس
٢٤:٤٦٢	نہیں	بالعموم نہیں
١٠:٤٦٣	اور	وہ
١٠:٤٦٣	داوانے	دیوانے
١٥:٤٦٣	دال	ذال
١٤:٤٦٤	حمیدیہ	بھوپال
١٣:٤٦٥	میں	کے لیے
٢:٤٦٦	(مرتپش)	(مر) تپش
٢:٤٦٧	بھوروی	بہوروی
١٢:٤٦٧	کی ھدایت	کے مشورے
١٣:٤٦٧	ھدایت	ھدایات

صفحہ کالم سطر	غلط	صحیح
٢:١:٤٦٨	لفط	لفظ
٥:٢:٤٦٨	رکاب	رکاب
١٢:٢:٤٦٨	کاتب	کتابت
١٦:٢:٤٦٨	کاتب	کتابت

صفحہ کالم سطر	غلط	صحیح
١:٢،٤٦٩	فرصتِ	فرصتے
٥:٢،٤٦٩	سد	اسد
٢٧:١،٤٧٠	بندیِ	بندیٌ
٢٥:٢،٤٧١	ص ١:٢٨	ص ١:٢٧
١٣:٢،٤٧٢	ابدازه	اندازه
٢٧:٢،٤٧٢	افرودن	افزودن
١٣:١،٤٧٤	ص ١:٧٩	ص ٤:١٧٩

١١:١،٤٧٥ کے بعد اضافہ کیجیے:
قا میں بدل کر اس قافیے کو جس طرح کہا ہے اُس کے لیے دیکھیے ١:١٩٦

٢:٢،٤٧٥ کے بعد نئی سطر پر اضافہ کیجیے:
١٢ب، قا، باسپانی (سہوِ کاتب)

صفحہ کالم سطر	غلط	صحیح
١٢:٢،٤٧٧	سہوِ کتابت	تلفظِ عوام

١٠:١،٤٧٨ سس) سہوِ کاتب اسے قلمزد کر دیجیے۔

١٩:١،٤٧٨ نئی سطر پر اضافہ کیجیے:
٣ الف عز «حیرت سے رخِ دوست کی از بس ہیں بیکار» مصرع سہوِ کاتب سے غیر موزوں ہو گیا ہے۔

١٨:٢،٤٧٩ کے بعد نئی سطر پر اضافہ کیجیے:
١٢ب، عز، قا، دم (اور یہی درست ہے)۔

٢٤:١،٤٨٠ کے بعد نئی سطر پر اضافہ کیجیے:
٦ب عز، برگِ حنا (اور یہی درست ہے)

٥:٢،٤٨٠ کے بعد نئی سطر پر اضافہ کیجیے:
٦ الف عز، ح، حم، نصیب و درشتی (اور یہی درست ہے)۔

صفحہ کالم سطر	غلط	صحیح
١٤:٢،٤٨٠	رنگِ	زنگِ
٢٣:٢،٤٨١	عز، نگاه	عز، پہلے «نگاہ» تھا، پھر «نگہ» بنایا گیا ہے مگر چونکہ چھیلا نہیں گیا تھا اس لیے اب بھی «نگاہ» پڑھا جاسکتا ہے۔ بعینہ یہی صورت قا میں بھی ہے۔
٥:١،٤٨٢	جنوں	جنونِ
٩:١،٤٨٢	متن	متنِ گنجینۂ معنی

٢١:٢،٤٨٢ کے بعد نئی سطر پر اضافہ کیجیے:
١١ب قا کے کاتب

صفحه کالم سطر	غلط	صحیح
		نے «پروانه» لکھا تھا۔ غالب نے اپنے قلم سے «مردانه» بنایا ہے۔
۲۰:۱،۴۸۳	تمز	تمیز
۲:۲،۴۸۳	الفاط	الفاظ
۱۱:۲،۴۸۳	مرتب	مرتبِ ح
۱۲:۲،۴۸۳	نمز	نیز
۲:۲،۴۸۴	تسکین	تسکیں
۲۲:۲،۴۸۴	دھر	ہے دھر
۳:۱،۴۸۵	ادراج	اندراج
۱۰:۱،۴۸۵	یہاں	یہاں
۶:۲،۴۸۵	زمِ	بزمِ
۸:۲،۴۸۵	لفط	لفظ
۹:۲،۴۸۵	آخر	آخری
۱۷:۲،۴۸۵	حشمِ	چشمِ
۲۰:۲،۴۸۵	پہلے	سے پہلے
۲۳:۲،۴۸۵	تعافل	تغافل
۱۴:۱،۴۸۶	تمکنے	تمکینے
۲۱:۱،۴۸۶	دربوزگی	دریوزگی
۸:۲،۴۸۶	کے بعد نئی سطر پر اضافه کیجیے:	۹ ب، ح، جو
۱۲:۲،۴۹۲	کے بعد نئی سطر پر اضافه کیجیے:	ب، ح، حم، رنگ رسا (سہوِ مرتبین)
۱۹:۲،۴۹۲	۱:۹۶	ص ۱:۹۶
۱۱:۲،۴۹۳	نگاه	نگاه
۱۱:۱،۴۹۵	بدا	پیدا
۲۲:۱،۴۹۶	اس میں	اس کو
۶:۲،۴۹۶	بن	بین
۶:۱،۵۰۰	ندارد	عز، ندارد۔
۶:۲،۵۰۳	کے بعد نئی سطر پر اضافه کیجیے:	ص ۳:۱۶۰ الف. عز، آتشیں پا ہوں، گدازِ وحشتِ زنداں نپوچھ
۷:۲،۵۰۳	ہر حلقه	ہر حلقه یہاں زنجیر کا
۴:۲،۵۰۴	مطا ق	مطابق
۲۰:۲،۵۰۴	کے بعد نئی سطر پر اضافه کیجیے:	ص ۲:۱۲۷ الف. قا کے کاتب نے سہواً «میکشی» لکھ دیا تھا۔ غالب نے چھیل کر «مے کسے» بنا دیا ہے۔
۲۴:۲،۵۰۴	ص ۱۷۳:	ص ۶:۱۷۳

صفحہ کالم سطر	غلط	صحیح
۲۷:۲،۵۰۴	الف	۶ الف
۱۰:۲،۵۰۰	کے بعد نئی سطر پر اضافہ کیجیے: ب، قا، رھگذر	
۲۱:۲،۵۰۰	گذرنا	گذرنا
۲۵:۱،۵۰۹	کے بعد نئی سطر پر اضافہ کیجیے۔ ۱:۲۲۰ یہ غزل حاشیۂ ق کی ھے۔ حم	
۱۷:۲،۵۰۹	بخطِ	بخطِ
۲:۱،۵۱۱	حشیہ	حاشیہ
۳:۲،۵۱۱	ق میں یہ شعر کس پردے الخ کے بعد ھے۔	ق میں یہ شعر حاشیے پر بصورتِ مقطع اور قا میں کس پردے الخ کے بعد ھے۔
۳:۲،۵۱۲	ور	اور
۹:۲،۵۱۲	کے بعد نئی سطر پر اضافہ کیجیے۔ ۵ قا میں اس کی رکاب موجود ھے۔	
۵:۲،۵۱۴	سزمِ	بزمِ
۲:۱،۵۱۶	کتابت	کاتب
۲۳:۱ ۵۱۶	کے بعد نئی سطر پر اضافہ کیجیے: ۲:۲۹۲ ب، جیسا کہ حاشیے سے معلوم ہوگا، انتخابِ غالب شایع کردہ عبدالرزاق میں «پیالہ» کی جگہ «گلاس» ھے۔ غالب نے یہ تبدیلی مقام کی مناسبت سے کی ھے۔ دراصل مذکورہ کتاب انگریزوں کو پڑھانے کے لیے مرتب کی گئی تھی۔ اسی رعایت سے یہاں یہ لفظ رکھ دیا ھے۔	
۷:۲،۵۱۶	قل	قبل
۲۴:۲،۵۱۸	ص ۴:۳۲۵	ص۴:۴۲۵
۴:۲،۵۲۰	عبدالحمیدخواجہ	عبد المجید خواجہ
۲۱:۲،۵۲۰	کے بعد نئی سطر پر اضافہ کیجیے۔ ۱۱ الف، نسخۂ ہاشمی کے کاتب نے بھی «توقیر» لکھا تھا مگر مرتب نے «توفیر» اپنے قلم سے بنایا ھے۔	
۳:۲،۵۲۲	ہوں «گرمی	«ہوں گرمی
۳:۱،۵۲۳	سعید احمدخاں	احمد سعید خاں
۱۶:۱،۵۲۴	عزل	غزل

صحت نامہ

صفحہ کالم سطر	غلط	صحیح
فہرست اشعار		
صفحہ ۵۲٤ کے بعد ٤۷۳ تا ٤۸۰ لکھ گیا ہے اسے ۵۲۵ تا ۵۳۲ بنالیجیے۔		
۱٤:۲،۵۲۵	بہا ی، کا	بہاری، کا
۱۵:۲،۵۳۲	خرمی	خرامی
اشاریہ		
۱۷:۲،۵٤۲	ح	چ
۱۰:۱،۵۵۳	معررف	معروف
٤:۲،۵۵۹	شیرفگن	شیرافگن
٦:۱،۵٦۹	اسے قلمزد کر دیجیے۔	



سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو (ہند) - 495

اشاعت اول : ۱۹۵۸ء

اشاعت دوم : ۱۹۸۲ء

طباعت : پبلک پرنٹنگ پریس، رام پور (یو پی)

قیمت : اٹھانوے روپے